فتاویٰ علماء ہند

جلد-۷

تیار کردہ

منتخب علماء ہند

زیر سرپرستی

حضرت مولانا مفتی انیس الرحمٰن قاسمی

زیر نگرانی

حضرت مفتی محمد اسامہ شمیم الندوی

باہتمام

منظمۃ السلام العالمیۃ

ممبائی۔ الہند

فتاویٰ
علماءِ ہند

جلد-۷

تیار کردہ

منتخب علماءِ ہند

زیر سرپرستی

حضرت مولانا مفتی انیس الرحمٰن قاسمی

زیرِ نگرانی

حضرت مفتی محمد اسامہ شمیم الندوی

باھتمام

منظمۃ السلام العالمیۃ
ممبائی۔الہند

نام کتاب	:	فتاویٰ علماء ہند (جلد-۷)
زیر سرپرستی	:	حضرت مولانا انیس الرحمٰن قاسمی صاحب
زیر نگرانی	:	حضرت مولانا محمد اُسامہ شمیم الندوی صاحب
سن اشاعت	:	صفر المظفر ۱۴۳۸ھ مطابق نومبر ۲۰۱۶ء
تعداد اشاعت	:	ایک ہزار
کمپوزنگ وڈیزائننگ	:	محمد رضاء اللہ قاسمی
ناشر	:	منظمۃ السلام العالمیۃ، ممبائی، الھند

یہ کتاب ''منظمۃ السلام العالمیۃ'' کی
طرف سے ہدیہ ہے، اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے
وقف ہے، اس کو بیچنا جائز نہیں ہے۔

منظمۃ السلام العالمیۃ

Global Peace Organisation (GPO)

Email: gpo.org@yahoo.com Mob. : +91-7303 7076 05

كتاب الصلاة

بسم الله الرحمن الرحيم

قال اللّٰه عزوجل:

﴿وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلّٰى﴾

(سورة الأعلٰى: ١٥)

قال عبادة بن الصامت رضى الله عنه:

سمعت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يقول: خمس صلوات افترضهن اللّٰه تعالٰى، من أحسن وضوءهن وصلاهن لوقتهن وأتم ركوعهن وخشوعهن كان له على اللّٰه عهد أن يغفر له ومن لم يفعل فليس على اللّٰه عهد إن شاء غفر له وإن شاء عذبه.

(سنن أبى داؤد، باب فى المحافظة على وقت الصلوات، رقم الحديث: ٤٢٥)

فہرست عناوین

نمبر شمار	عناوین	صفحات

فرض قرأت-احکام ومسائل (۶۷-۷۶)

رکوع-احکام ومسائل (۷۷-۸۴)

سجدہ-احکام ومسائل (۸۵-۱۲۰)

قعدۂ اخیرہ وخروج بالاختیار-احکام ومسائل (۱۲۱-۱۲۶)

صفحات	عناوین	نمبر شمار

نماز کے واجبات (۱۲۷-۱۴۲)

قرأت میں سر و جہر کے مسائل (۱۴۳-۱۶۰)

دعاءِ قنوت اور تکبیر کے مسائل (۱۶۱-۱۶۲)

رکوع، سجدہ اور قومہ کے مسائل (۱۶۳-۱۶۶)

قعدۂ اولیٰ اور تشہد-احکام ومسائل (۱۶۷-۱۷۲)

سنن نماز - ثنا، تعوذ، تسمیہ، آمین اور قرأت (۲۳۱-۲۶۶)

نمبر شمار	عناوین	صفحات

نماز کے آداب و مستحبات (۳۵۷-۴۱۶)

نماز میں قرأت کے احکام ومسائل (۴۱۷-۴۳۶)

غیر عربی میں قرأت کے مسائل (۴۷۱-۴۷۴)

☆☆☆

کلمۃ الشکر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للّٰه رب العالمين وصلى اللّٰه وسلم على المبعوث رحمة للعالمين وعلى آله وأصحابه ومن تبعهم بإحسان إلى يوم الدين وسلم تسليمًا كثيرًا؛أما بعد!

خدام''منظمۃ السلام العالمیۃ''ممنون ومشکور ہیں اللہ رب العزت کے بے پناہ رحم وکرم کا،جس نے محض اپنی قدرت سے''فتاویٰ علماء ہند'' کی خدمت کے لیےقبول فرمایا۔(فللّٰه الحمد والشكر)

مفتیان کرام وعلماء عظام کی انتھک محنت اورلگن سے اب ساتویں جلد تیار ہوگئی،جوجلد ہی قارئین کے ہاتھوں میں ہوگی۔(انشاءاللہ)

الحمدللہ فتاویٰ علماء ہند کے عربی وانگریزی اوراردو کے دس جلدوں پرکام ہورہاہے،ہماری بے بضاعتی از ہر من الشمس ہے،خدام ہرطرح سے تہی دامن ہیں،اصل قبولیت ہے،قارئین اس کی قبولیت کی دعافرمائیں۔

علماء وصلحائے امت نے جواس مجموعے کی قدرکی ہےاور جودعائیں اورتائیدات ان سےمل رہی ہیں،وہ ہمارے گمان سے بالاترہے۔

ذرا نم ہوتو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی

دعاہے کہ اللہ پاک اس کاوش کوقبول فرمائے اورتمام معاونین ومحسنین کوجزائے خیرعطافرمائے اورامت کواس سے فائدہ اٹھانے کی توفیق مرحمت فرمائے۔(آمین)

وفقط واللہ الموفق

(بندہ شمیم احمد)

خادم منظمۃ السلام العالمیۃ ممبئی الہند

۸رستمبر۲۰۱۶ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

تمام اہل علم کے نزدیک یہ تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ فیّاضِ علم اللہ جل شانہٗ کی تکوینی عنایتوں سے عالم کا وجود ہوا، اور اِسی عطیہ علم وادراک سے معرفتِ الٰہیہ کا وہ آفتاب طلوع ہوا جس سے عالَم کا ہر ذرّہ اس کی شناخت کا علَم بن گیا، پھر علم ہی کے بحرِ ذخّار سے معارف واحکام کے گوہر آبدار برآمد ہوئے تو وہی ''فقہ'' قرار پایا اور وہی فیاضِ علم اپنے کلام نفسی وازلی میں ''مفتی اعظمِ اوّل'' کے آئینہ میں جلوہ نما ہوا۔ ارشاد فرمایا:

﴿یسئلونک قل اللّٰہ یفتیکم فی الکلالۃ﴾ (سورۃ النساء:۱۷۷)

''لوگ آپ سے سوال کرتے ہیں تو آپ فرمادیجئے کہ اللہ تمہیں فتویٰ دیتا ہے کلالہ کے بارے میں''۔

پھر اسی کی تجلّیِ علم کا پرتو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ والا صفات، علم الاولین والآخرین کی روشن آیات، معلم کائنات اور وحی الٰہی کی سند سے سرفراز ''مفتی رشد وہدایت'' بن گئی۔

اللہ جل شانہ نے فرمایا:

﴿یسئلونک عن الأھلۃ قل ھی مواقیت للناس والحج﴾ (سورۃ البقرۃ:۱۸۹)

''لوگ آپ سے نئے چاند کے بارے میں دریافت کرتے ہیں تو آپ جواب میں فرمادیجئے کہ وہ لوگوں کے لئے اوقات اور حج کی پہچان کا ذریعہ ہے''۔

﴿ویسئلونک ماذاینفقون. قل العفو﴾ (سورۃ البقرۃ:۲۱۹)

''لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کتنا خرچ کریں تو آپ فرمادیجئے کہ جتنا آسان ہو''۔

اس طرح کی متعدد آیات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بحیثیت ''مفتی شریعت'' فتاویٰ احکام صادر کرنے کی ذمہ داری عطا فرمائی گئی، عارف باللہ حضرت مولانا سید اصغر حسین میاں صاحب ؒ محدث دارالعلوم دیوبند نے اپنی نورانی تالیف ''فتاویٰ محمدی'' میں ان کو جمع فرمادیا ہے۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مخصوص اصحابِ علم وافتاء کو اجراءِ فتویٰ کا اہل قرار دیا، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا:

''تمسکوا بعھد أم ابن عبد''. (ابن مسعود کی ہدایت وحکم کو مضبوط پکڑے رہو)۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو یہ دعا دی:

''**اللّٰهم فقهه في الدين**''. (اے اللہ! عبداللہ بن عباس کو دین کا فقیہ بنادے)۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے لئے فرمایا:

''**واعلمهم بالحلال والحرام معاذبن جبل**''. (معاذ بن جبل حلال وحرام کے سب سے بڑے عالم ہیں)۔

علامہ ابن قیمؒ نے لکھا ہے کہ حضراتِ صحابہ کرامؓ میں جن کے فتاویٰ منقول ہیں ان کی تعداد ایک سوتیس (۱۳۰) ہے اور جن مخصوص فقیہ حضرات صحابہؓ نے بکثرت فتاویٰ جاری فرمائے، وہ سات ہیں: حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ۔ ان میں سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے اجراءِ فتاویٰ کی کثرت کا یہ عالم ہے کہ خلیفہ مامون کے پڑپوتے ابوبکر محمد نے بیس جلدوں میں ان کو جمع کیا ہے، دیگر حضراتِ صحابہؓ کے آثار وفتاویٰ مصنف عبدالرزاق، مصنف ابن ابی شیبہ اور ابوعبداللہ سید بن کسروی کی کتاب ''موسوعۃ آثارالصحابہ'' کی تین جلدوں میں منقول ہیں۔

پھر دورِ صحابہؓ کے بعد عہدِ تابعین میں جو فقہاء حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ گرامی ''**من اراد الله به خيراً يفقهه في الدين**'' کے مصداق ہوئے، ان میں فقہ وفتاویٰ کا سب سے پہلا عظیم کارنامہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے انجام دیا جس سے ائمہ کرام اور فقہاء عظام نے استفادہ کیا، چنانچہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''**الناس في الفقه عيال على أبي حنيفه رحمه اللّٰه**''. (لوگ فقہ میں امام ابوحنیفہ کے محتاج ہیں)۔

دوسرے الفاظ میں منقول ہے:

''**من أرادالفقه فهوعيال على أبي حنيفة**''. (جو شخص بھی علم فقہ حاصل کرنے کا ارادہ رکھتا ہوتو وہ امام ابوحنیفہ کا محتاج ہے)۔(**الطبقات الكبرىٰ،للشعراني الشافعي: ٤٦/١،التاج المكلل من الطرازالآخروالاوّل،لعلامة صديق حسن بهوپالي السلفي: ٨٣،الانتقاء لابن عبدالبرالمالكي: ٢١٠،تذكرة الحفاظ للذهبي: ١٥٩/١**)

علامہ جلال الدین سیوطی شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''**أول من دوّن علم الشريعة ورتبها أبوابا ثم تبعهٗ مالك بن أنس في ترتيب الموطأ ولم يسبق أباحنيفة أحدٌ**''. (**تبييض الصحيفة: ٣٦**)

''امام ابوحنیفہؒ پہلے شخص ہیں، جنہوں نے علم شریعت کو باب وار مرتب فرمایا، پھر اپنی ''موطا'' کی ترتیب میں امام مالکؒ نے امام ابوحنیفہ کا اتباع کیا اور اس میں کوئی بھی امام ابوحنیفہؒ سے آگے نہیں بڑھ سکا''۔

علامہ ابن حجر مکیؒ نے بھی اعتراف حق کرتے ہوئے فرمایا:

''انهٔ أول من دوّن علم الفقه ورتبهٔ أبواباو كتباً على نحوماهو عليه اليوم وتبعهٔ مالک فی موطائهٖ''. (الخيرات الحسان: ٢٨)

''امام ابوحنیفہؒ پہلے شخص ہیں جنھوں نے علم فقہ کو باب اور کتاب کی ترتیب پر مدوّن فرمایا اور اسی ترتیب پر آج کے دور میں علم فقہ مرتب ہے اور امام مالکؒ نے اپنی ''موطا'' میں انھیں کی پیروی کی ہے''۔

یوں تو چاروں ائمہ کرام امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ فقہ اسلامی کے امام برحق ہیں؛ لیکن منجانب اللہ اس معاملہ میں فقہ حنفی کو کمیت و کیفیت کے اعتبار سے جو خصوصیت حاصل ہے، وہ اپنی نظیر آپ ہے، غالباً اسی وجہ سے علمائے سلف وخلف میں مشہور ہے کہ!

الفقه زرعهٔ ابن مسعود وسقاه علقمه وحصدهٔ ابراهيم وداسهٔ حماد بن سليمان وطحنهٔ ابو حنيفه وعجنهٔ ابو يوسف وطبخهٔ الامام محمد والناس ياكلون. (المسک الذكی علی جامع الترمذی: ٦٤/١)

''فقہ کا کھیت عبداللہ بن مسعود نے بویا، اور علقمہ نے اس کو سینچا، ابراہیم نخعی نے اس کو کاٹا، حماد بن سلیمان نے اسے گاہ کر دانہ نکالا، امام ابوحنیفہ نے اسے پیس کر آٹا بنایا، ابویوسف نے اس کو گوندھا، امام محمد نے اس کی روٹی پکائی اور اب تمام لوگ اسے کھا رہے ہیں''۔

بعد کے زمانوں میں بھی یہ خصوصیت برقرار رہی اور عرب سے عجم تک دنیا کے جس خطے میں بھی تمدنی، معاشرتی، صنعتی، معاملاتی، سیاسی، تجارتی اور علمی واخلاقی، ملکی وبین الاقوامی جدید مسائل پیدا ہوئے ان کا مکمل تشفی بخش حل فقہائے احناف نے شریعت اسلامیہ کے تمام مآخذ ومصادر سے استنباط کرکے دنیا کے سامنے پیش کردیا اور اس طرح تقریباً ساڑھے بارہ لاکھ مسائل کا مرتب ومحفوظ خزینہ امت مسلمہ کے ہاتھوں میں آگیا اور الحمدللہ یہ عظیم الشان کارنامہ زیادہ تر حکومت مسلمہ کی سرپرستی کے بغیر فقہائے احناف کی ذاتی دلچسپی اور ذوقِ تفقہ کی بدولت وجود میں آیا، یہاں بطور نمونہ اس کا مختصر تعارف مناسب معلوم ہوتا ہے۔

(۱) خزانۃ الفقہ، امام ابواللیث السمرقندی، متوفی ص ۳۸۳ھ۔

(۲) الواقعات للناطفی، احمد بن محمد بن عمر الناطفی تلمیذ امام جصاص رازیؒ متوفی ۴۴۶ھ۔

(۳) عیون المسائل ۹ جلدیں، ابوالقاسم عبداللہ ابن احمد البلخی متوفی ۳۱۹ھ۔

(۴) المبسوط، شمس الائمہ ابوبکر محمد ابن احمد ابوسھل السرخسی متوفی ۴۸۳ھ، ۳۰ جلدیں مصری۔

(۵) فتاویٰ خانیہ، امام فخر الدین حسن بن منصور الاوزجندی المعروف بقاضی خاں متوفی ۵۹۲ھ، ۳ جلدیں۔

(۶) بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، علاء الدین ابوبکر بن مسعود الکاسانی متوفی ۵۸۳ھ، ۱۰ جلدیں۔

(۷) کفایہ، ۸۰ جلدیں، اوراس کی تلخیص الھدایہ، علی بن ابی بکر برھان الدین المرغینانی متوفی ۵۹۳ھ۔

(۸) المحیط البرھانی، ۴۰ جلدیں، علامہ برہان الدین محمد متوفی ۶۱۶ھ۔

(۹) الفتاویٰ الحنفیہ، سعدالدین بن مسعود متوفی ۷۹۳ھ۔

(۱۰) فتاویٰ التاتارخانیہ ۲۳ جلدیں، علامہ علاء الدین الانصاری دہلوی متوفی ۷۸۶ھ بتحقیق قاضی سجاد حسینؒ۔

(۱۱) شرح فتح القدیر، ۸ جلدیں، کمال الدین ابن الھمام حنفی متوفی ۸۶۱ھ۔

(۱۲) البحرالرائق شرح کنز الدقائق، ۸ جلدیں، زین الدین ابراہیم المعروف بابن نجیم مصری متوفی ۹۷۰ھ۔

(۱۳) ردالمحتار علی الدرالمختار، علامہ ابن عابدین الشامی متوفی ۱۲۵۲ھ، ۱۲ جلدیں۔

(۱۴) الفتاویٰ الھندیہ المعروف بالفتاویٰ العالمگیریہ، متوفی ۱۱۱۸ھ، ۱۲ جلدیں۔

(۱۵) فتاویٰ سراجیہ، علامہ سراج الدین عمر بن علی الاوشی، علی ھامش فتاویٰ قاضی خاں۔

(۱۶) فتاویٰ بزازیہ، حافظ الدین محمد بن محمد بن شہاب المعروف بابن البزازمتوفی ۸۲۷ھ، ۳ جلدیں۔

(۱۷) مجلۃ الاحکام العدلیۃ للجنۃ علماء الخلافۃ العثمانیۃ الترکیہ۔

یہ چند تالیفاتِ فقہاء احناف کا ایک سرسری تذکرہ ہے ورنہ پوری فہرست کو جمع کیا جائے تو خود ایک ضخیم کتاب تیار ہو جائے گی اور اسے مزید وسعت دے کر ائمہ ثلاثہ کے مسالکِ فقہیہ کی تالیفات کو شامل کرلیا جائے تو کئی مجلدات کا اس فہرست میں اضافہ ہو جائے گا۔

یہاں اللہ تعالیٰ کے اس احسان عظیم کا اعتراف ضروری ہے کہ اس نے فقہاء احناف کے ذریعہ ہندوستان کی ملت اسلامیہ کو شریعت کے معاملہ میں خودکفیل بنادیا ہے اور کتاب وسنت کے سرچشمہ سے براہِ راست سیرابی واستفادہ میں ایسی بھرپور اہلیت وصلاحیت بخشی ہے جس کی بدولت حال ومستقبل کی تمام فقہی ضروریات کی فراہمی اور جدید مسائل کے حل میں وہ کسی کے دست نگر نہیں ہیں، ان کے عظیم الشان فقہی کارناموں کا بہت ہی مختصر جائزہ حسب ذیل ہے:

(۱) فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، ۱۸ جلدیں، حضرت مفتی عزیز الرحمٰن عثمانیؒ متوفی ۱۳۴۷ھ تحقیق وتعلیق حضرت مفتی ظفیر الدین صاحبؒ۔

(۲) فتاویٰ مولانا عبدالحی فرنگی محلیؒ، ۳ جلدیں، ان کی دیگر عربی تحقیقات فقہیہ کے علاوہ۔

(۳) امدادالفتاویٰ، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ متوفی ۱۳۶۲ھ، ۶ جلدیں، ان کی ایک ہزار دیگر تصنیفات کے علاوہ۔

(۴)　کفایۃ المفتی، ۹ جلدیں، حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ۔

(۵)　فتاویٰ محمودیہ کامل جدید، ۳۱ جلدیں، حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ۔

(۶)　نظام الفتاویٰ، ۳ جلدیں، حضرت مفتی نظام الدین مفتی دارالعلوم دیوبند رحمۃ اللہ علیہ۔

(۷)　فتاویٰ یوسفیہ مکمل ۴ جلدیں، حضرت مولانا مفتی محمد یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ۔

(۸)　جواہر الفقہ ۵ جلدیں، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ مفتی اعظم پاکستان متوفی ۱۳۹۶ھ۔

(۹)　احسن الفتاویٰ ۱۰ جلدیں، حضرت مولانا رشید احمد صاحب پاکستانی۔

(۱۰)　فتاویٰ امارت شرعیہ ۵ جلدیں، مفتیان کرام امارت شرعیہ بہار، اڑیسہ، جھارکھنڈ۔

(۱۱)　اسلام اور جدید معاشی مسائل ۸ جلدیں، حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی جسٹس پاکستانی شریعت کورٹ۔

(۱۲)　قاموس الفقہ ۵ جلدیں، حضرت مولانا مفتی خالد سیف اللہ رحمانی۔

(۱۳)　جدید فقہی مسائل ۵ جلدیں۔

(۱۴)　ترجمہ اردو موسوعہ فقہیہ کویتیہ ۴۵ جلدیں، فقہ اکیڈمی انڈیا دہلی۔

(۱۵)　اسلامی فقہ اکیڈمی دلّی کی فقہی مطبوعات ۲۳ جلدیں۔

یہاں اس حقیقت کا اظہار ضروری ہے کہ مذکورۂ بالا سطور ابھی زیر تحریر تھیں کہ خود حضرت مرتب ''فتاویٰ علماء ہند'' کی عنایت بے غایت سے مطبوعہ تین جلدیں نظر نواز ہوئیں اور ابھی پہلی جلد کو ہی پڑھنا شروع کیا تو حیرت واستعجاب کے عالم میں بڑھتا گیا۔ آگے بڑھتا گیا اور حضرت مرتب کی علمی کمالات، فقہی تعلیمات اور بصیرت افروز تحقیقات کی بلندیوں تک جیسے جیسے چڑھتا گیا تو میری نگارشات خود میری نظر میں پست سے پست تر ہوتی چلی گئیں اور اپنی علمی کوتاہ نظری، بے بصیرتی، کم سوادی، بے بضاعتی اور فکری کم مائیگی کا احساس شدید مجھے شرمندہ کرنے لگا۔

واقعہ یہ ہے کہ فقہ وفتاویٰ کے بحر ناپائیدار کنار میں مجھے آج تک ایسا شناور، ماہر تیراک بہت کم نظر آیا، جس نے ''فتاویٰ'' کی تاریخی تفصیلات، اس کی ساری جزئیات اور اس کے باریک ونازک ترین گوشوں کے علم وادراکات تک اس درجہ میں رسائی حاصل کی ہو کہ ۳۳۸ صفحات پر مشتمل ضخیم مقدمہ اور ۳۰۷ عنوانات پر محیط وبسیط ''قاموس الفتاویٰ'' یعنی فتاویٰ انسائیکلو پیڈیا مرتب کر کے علمی دنیا کے حوالہ کر دیا ہو، جو نہ صرف چشم کشا، کحل البصر ہو؛ بلکہ اس وادیٔ سنگلاخ کے مسافر خجستہ گام کے لئے خضر راہ بھی ہو۔

مجھے یقین ہے کہ میری اس رائے کی تمام اہل علم بھی تائید کریں گے کہ یہ ''مقدمہ'' اس لائق ہے کہ ''فتاویٰ علماء ہند'' سے الگ مستقل کتابی صورت میں اس کو شائع کیا جائے؛ تاکہ وہ اہل علم، اربابِ فضل وکمال اور اصحاب افتاء اور طلباء

معاہدِ فقہ اس سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کرسکیں اور مرتب موصوف کی فیوضات علمیہ عام اور اس کا نفع تام ہو۔

''مقدمہ'' کے بعد جب ''فتاویٰ علماء ہند'' کے استفتاء اور جوابات، ان کے حوالجات اور حوالوں کی تخریجات، مسائل کی تحقیقات اور ان کی تعلیقات کو دیکھا تو مزید حیرت ہوئی کہ جس مرتب دامت برکاتہم کی زندگی علمی، قومی، سماجی، دینی اور ملی خدمات میں گھری ہوئی ہو اور علوم شرعیہ کو علوم عصریہ سے مربوط کر کے ملت مسلمہ کی دینی، اخلاقی اور معاشی خود کفالت کی راہ ہموار کرنے میں شب و روز مصروف ہو، اس سے یہ کس طرح ممکن ہوسکا کہ اتنا بڑا پاپڑ بیلنے کے ہم معنیٰ عظیم وضخیم اور طویل وعریض کارنامہ انجام دے، جس کا حوصلہ بڑے سے بڑا متبحر، موقر اور دیدہ ور عالم اور بالغ نظر مفتی بھی نہ کرسکا۔ بات صرف دس بیس جلدوں میں تکمیل کی ہو، تب بھی بہت بڑی بات ہے؛ لیکن یہاں تو منصوبہ پورے ساٹھ جلدوں میں سمندر آباد کرنے کا ہے، جو حضرت علامہ ابن تیمیہ کے ''فتاویٰ ابن تیمیہ'' کے ہم پلّہ و ہم سر کارنامے کی طرح تیس، چالیس ہزار صفحات میں ساٹھ جلدوں تک محیط ہو۔ ظاہر ہے کہ دینی علوم کے اس دورِ زوال میں ''دیوانے کے خواب'' کی مکمل تعبیر حضرت مولانا مفتی انیس الرحمٰن قاسمی دامت برکاتہم جیسا ''صاحب کرامت'' مفتی ہی فراہم کرسکتا ہے جس کے عزم وارادہ کی پشت پر حضرت مولانا محمد اسامہ الندوی جیسا اہم بامسمیٰ بلند حوصلہ عالم دین کھڑا ہو۔

یہ محض اللہ تبارک وتعالیٰ کا فضل وکرم ہے کہ اس نے ہندوستان کی ملتِ اسلامیہ کو اپنے دینی اور تہذیبی تشخص کے ساتھ زندگی گزارنے کے لئے محسن ملت حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعہ امارت شرعیہ بہار واڑیسہ وجھارکھنڈ جیسا وسیع الجہات خدمات کا تاریخی ادارہ عطا فرمایا جس کا ایک قابل قدر حصہ اور لائق تحسین کردار خود مرتب ''فتاویٰ علماء ہند'' ہیں۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ اس ادارے کی فیوض وبرکات کے ظہور نے ہی حضرت مولانا انیس الرحمٰن قاسمی دام مجدہم کے شخصی پیکر کو عظیم شخصیت کے رنگ ونور میں تبدیل کیا اور اسی شخصیت سے اس علمی کارنامے کا صدور ہوا۔

چالیس، پینتالیس سال پہلے دارالعلوم دیوبند کے دورِ طالب علمی میں مولانا انیس الرحمٰن صاحب میری سرپرستی میں زیرِ تعلیم تھے۔ اور میں شہادت دیتا ہوں کہ اسی دور میں وہ:

بالائے سرش ز ہوشمندی
می تافت ستارۂ بلندی

کا مصداق تھے اور بعد کے زمانوں میں وہ جیسے جیسے آگے بڑھتے رہے، ان کا ''شخص'' بہتر سے بہتر ''شخصیت'' کے سانچے میں ڈھلتا رہا؛ تا آنکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں قاضی شریعت، ناظم امارت شرعیہ، رکن مسلم پرسنل لا بورڈ، چیئرمین بہار اسٹیٹ حج کمیٹی، اور فاؤنڈر یوسف ڈگری کالج اور نہ جانے کتنے مدارس اور ملی رفاہی وفلاحی اداروں کا بانی وسرپرست بنایا۔

کسی شاعر نے سچ کہا ہے ؎

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

حضرت مولانا مفتی انیس الرحمٰن قاسمی دامت برکاتہم کو اوروں نے پڑھا، یا دور سے دیکھا ہوگا؛ لیکن میں نے انھیں بہت قریب سے دیکھا بھالا اور سمجھا بوجھا ہے، وہ اتنے بااخلاق، کریم الصفات اور متواضع اور منکسر المزاج، صاحب تقویٰ اور سنجیدہ طبیعت عالم ہیں کہ ان کی مثال خال خال ہی مل سکے گی۔ امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ میں قیام کے دوران میری گنہگار آنکھوں نے متعدد بار خود یہ منظر دیکھا ہے کہ مہمانوں کے ساتھ دسترخوان پر حق میزبانی ادا کرنے کے لئے شریک طعام تو ضرور ہوتے تھے؛ لیکن اپنے گھر سے اپنا ٹیفن منگا کر ہی کھاتے تھے، اس طرح فتویٰ اور تقویٰ کے امتزاج کا اتنا صالح نمونہ اس دور میں نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہے اور اس آئینہ میں مجھے فتاویٰ علماء ہند کی حال و مستقبل میں کامیابی اور پذیرائی اور مقبولیتِ خدائی کا جلوہ دکھائی دیتا ہے۔

اخیر میں اس اعتراف کے ساتھ اپنی بات ختم کرتا ہوں کہ میں کتاب اور مرتب کتاب سے متعلق بہت سے گوشوں تک رسائی حاصل نہیں کر سکا، بہت سی جزئیات کا احاطہ نہیں کر سکا اور اپنے علم و ادراک کی کوتاہی کے سبب بہت سی قابل ذکر تفصیلات کو دائرہ تحریر میں سمیٹ نہیں سکا؛ کیونکہ دشتِ علم کی سیّاحی اور صحرائے فقہ و فتاویٰ کی جادہ پیمائی کیلئے جس ژرف نگاہی اور وسعتِ نظری و معرفت آگاہی کی ضرورت تھی وہ اپنے اندر فراہم نہیں کر سکا اور اس احساس کے ساتھ اشہب قلم کو آگے بڑھنے سے روکنا پڑا کہ ؎

مجھے کچھ اور ابھی اذنِ خوں فشانی دے
ترا جمال بہت تشنۂ بیاں ہے ابھی

حررہٗ العبد
محفوظ الرحمٰن شاہین جمالی
شیخ الحدیث مدرسہ امداد الاسلام
صدر بازار میرٹھ، یوپی
09837060386

تأثرات

باسمه العلی القدیر والصلاة علی رسوله البشیر النذیر، أمابعد!

میرے علمی، فقہی اور دینی ساتھی مولانا محمد اسامہ شمیم ندوی صاحب اور اس عظیم کتاب کی تالیف اور نشر واشاعت کے تمام معاونین کے نام السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بفضلہ تعالیٰ عشرۂ اولیٰ رمضان المبارک ۱۴۳۶ھ میں عمرہ کے ارادہ سے مکۃ المکرّمہ حاضری کا شرف حاصل ہوا، بندہ ایک شب حضرت مولانا ذوالفقار احمد دامت برکاتہم سے ملاقات کے لیے گیا اور رہائش گاہ کے باہر مولانا سے ملاقات کے انتظار میں تھا، دیکھا کہ بعض احباب مجھ سے پہلے حضرت مولانا سے ملاقات کے انتظار میں کھڑے ہیں، انہیں میں سے ایک صاحب نے مجھے ایک رقعہ عطا فرمایا، جس میں ’’فتاویٰ علماء ہند‘‘ سے موسوم گذشتہ دوسو سالوں میں دیئے گئے فتاویٰ کے مجموعہ اور ایک علمی فقہی موسوعہ کی طباعت کی خوشخبری تھی، قسم بخدا! اس مجموعہ کی ترتیب کی بشارت مجھے نصیب ہوئی، اس بیش بہا علمی خزانہ کی جمع وترتیب اور نشر واشاعت پر آپ کو اور آپ کے تمام رفقا کو مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

پھر میں انگلینڈ آ گیا اور اسی سال ماہ ذی قعدہ میں اس کتاب کی مسائل طہارت پر مشتمل کامل تین جلدیں موصول ہوئیں، کیا تھا! علمی جواہر پاروں کی ایک دکان اور قیمتی دفینہ، جب جب میں نے اس کا مطالعہ کیا، خوب سیر ہوا، روح کو سیرابی ملی اور تشنگی دور ہوئی۔ (والحمد للّٰه علی ذلک)

اللہ آپ کی کوششوں کو قبول فرمائے، امید ہے کہ ان شاء اللہ مکمل مجموعہ کی طباعت کے بعد یہ کتاب تمام انسانوں کے لیے نفع بخش، باریک جزئیات کا خزانہ، حقائق کو پہچاننے کی علامت، صاف وشفاف خوشگوار سمندر اور تفصیلی وضاحت ہوگی، جو ایک علمی جواب، بدعات وخرافات اور جہالت سے بچنے کا ذریعہ، مبتدی کے لیے راہنما اور ماہر فن کے لیے کافی، ہر طالب علم کے لیے آسان فہم، ہر مسائل کے لیے ایک واضح روشنی اور فقہ حنفی کے تمام مسائل کی ایک کامل ومکمل تشریح ہوگی اور ان شاء اللہ آپ کا یہ منصوبہ اسلامی کتب خانہ کے ذخیرہ کا ایک نایاب موتی ہوگا۔

اللہ تعالیٰ آپ کی کوششوں اور محنتوں کو کامیاب فرما کر میزان عمل میں نیکیوں کا ذریعہ اور آپ کے لیے ذخیرہ آخرت بنائے اور اسے قبولیت سے مالا مال فرما کر آنے والی نسلوں تک کے لیے نفع کا سامان بنائے، بے شک اللہ ہی توفیق دینے والا ہے۔

تاخیر جواب کے لیے معذرت! والسلام

بندہ محمد ایوب سورتی عفا اللہ عنہ
مدیر مجلس دعوۃ الحق، ستر، انگلینڈ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على خاتم الأنبياء والمرسلين المبعوث رحمةً للعالمين محمد وعلى آله وصحبه أجمعين، أما بعد!

یہ بندہ ناتواں تہہ دل سے بارگاہ رب العزت میں شکر گذار ہے کہ اس نے محض اپنے لطف وکرم سے ''فتاویٰ علماء ہند'' جلد ہفتم پیش کرنے کی توفیق مرحمت فرمائی، یہ جلد نماز کے فرائض، واجبات، سنن ومستحبات وغیرہ کے مسائل پر مشتمل ہے۔

اس جلد کی تصحیح وتوثیق میں نظر ثانی ونظر نہائی میں ہمارے علماء کرام ومفتیان عظام نے خوب محنت اور بڑی جاں فشانی کے ساتھ کام کیا ہے۔

حاشیہ میں اور دیگر مفتی بہ مسائل میں اضافے کا اہتمام کرتے ہوئے آثار واقوال کو نقل کرتے ہوئے نصوص کے ذریعے اور بھی مدلل کرنے کی کوشش کی ہے، اللہ پاک ان بزرگوں اور دوستوں کی محنت کو خوب قبول فرمائے اور ذخیرہ آخرت بنائے۔ (آمین)

یہ موسوعہ بارگاہ الٰہی میں قبول ہوجائے، اس کے لیے ملک وبیرون ملک کے اسفار کئے جارہے ہیں اور مشائخ طریقت علمائے شریعت، اصحاب فقہ وفتاویٰ کی خدمت میں کتابیں بھیجی جارہی ہیں، ان کی دعاؤں اور توجہات سے کام تیزی کے ساتھ آگے بڑھ رہا ہے، اللہ پاک اپنے فضل وکرم سے پایۂ تکمیل تک پہونچائے۔ (آمین)

محمد اسامہ شمیم الندوی

رئیس المجلس العالمی للفقہ الإسلامی ممبئ الہند

۷؍ستمبر ۲۰۱۶ء

ابتدائیہ

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

به الإعانة بدءاً وختماً وصلى الله على سيدنا محمد وعلى آله وصحبه وسلم ، أمابعد !

نماز تمام عبادتوں میں سب سے عظیم ہے، اسی لیے شریعت میں اہتمام کے ساتھ اس کے فضائل، اوقات، شروط وارکان، مستحبات وآداب اور مکروہات ومفسدات کو بیان کیا ہے؛ تاکہ نماز کا مقصد یعنی نفس کی صفائی ستھرائی حاصل ہوجائے اور نماز ادا کرنے والے ملکوتی صفات سے متصف ہوں جائیں۔

اللہ تعالیٰ شانہ کا شکر ہے کہ اس نے "**فتاویٰ علماء ہند**" کی نماز کے مسائل سے متعلق "جلد-۷" کی تکمیل کی توفیق مرحمت فرمائی، فتاویٰ کی اہمیت وافادیت ابتداء اسلام سے اب تک برقرار ہے، انشاء اللہ آئندہ بھی رہے گی۔ اس جلد میں نماز کے فرائض، واجبات، سنن، مستحبات، مکروہات وغیرہ سے متعلق مسائل کو شامل کیا گیا ہے۔ جن اہم فتاویٰ سے سوال وجواب لیا گیا ہے، ان کا حوالہ بھی ہر فتووں کے ساتھ درج کیا گیا ہے اور حاشیہ میں دیگر مفتیٰ بہ مسائل کا اضافہ بھی کردیا گیا ہے۔ امید ہے کہ علما، ائمہ، اہل مدارس اور اصحاب افتا خاص طور پر اس سے فائدہ اٹھائیں گے، حواشی میں فقہی عبارتوں کے علاوہ آیات قرآنی، احادیث نبوی، صحابہ وتابعین کے آثار واقوال کو نقل کیا گیا ہے، جس کی وجہ سے یہ فتاویٰ مدلل بھی ہوگئے ہیں۔ (والحمد للہ علی ذٰلک)

میں ابوالکلام ریسرچ فاؤنڈیشن کے ارکان اور اپنے تمام معاونین، مخلصین کا شکر گذار ہوں؛ جن کی توجہ سے یہ کام پایۂ تکمیل کو پہونچ رہا ہے، اسی طرح شکر گذار ہوں اپنے بزرگوں کا، جنہوں نے اس مجموعہ کے بارے میں اپنے تأثرات تحریر کئے، خاص طور پر حضرت مولانا محفوظ الرحمٰن شاہین جمالی صاحب شیخ الحدیث مدرسہ امداد الاسلام میرٹھ دامت برکاتہم کا جنہوں نے گراں قدر مقدمہ تحریر فرمایا، اسی طرح شکر گذار ہوں حضرت مولانا قاضی عبدالجلیل قاسمی دامت برکاتہم کا جنہوں نے سابقہ جلدوں کی طرح اس جلد پر بھی نظر ثانی کی اور مفید مشورے دیئے، اللہ ان تمام معاونین ومخلصین کی اس سعی جمیل کو قبول فرمائے اور میرے لئے ذخیرۂ آخرت بنائے۔ (آمین)

(انیس الرحمٰن قاسمی)
مرتب فتاویٰ علماء ہند
ناظم امارت شرعیہ بہار، اڑیسہ وجھارکھنڈ

۲۸ / رمضان المبارک ۱۴۳۷ھ
۴ / جولائی ۲۰۱۶ء

تکبیر تحریمہ-احکام ومسائل

تکبیر تحریمہ کی فرضیت:

سوال: نماز کے لئے تحریمہ شرط ہے یا سنت یا مستحب، اگرکوئی تکبیر نہ کہے، تو اس کی نماز کا کیا حکم ہے؟

الجواب

تکبیر تحریمہ نماز کے فرائض میں سے ہے، بغیر تکبیر تحریمہ کے نماز نہیں ہوتی۔(۱)

قال الحصكفي: (من فرائضها) التي لاتصح بدونها (التحريمة) قائمًا وهي شرط في غير جنازة على القادر، به يفتٰى. (الدرالمختار)

قال ابن عابدين تحت قوله على القادر: متعلق بشرط لتضمنه معنى الفرض أى وهى شرط مفترضٌ عليه. (ردالمحتار، باب صفة الصلاة: ٤٤٢/١) (۲) (فتاویٰ حقانیہ: ۲/۳۷-۷۳)

(۱) نماز کے اندر بعض اعمال فرض، بعض واجب، بعض سنت اور بعض مستحب ہیں۔ نماز کے اندر فرض اعمال (شرائط وارکان) یہ ہیں:
(۱) تکبیر تحریمہ (۲) قیام (۳) قراءت (۴) رکوع (۵) سجدہ (۶) قعدۂ اخیرہ (۷) قعدۂ اخیرہ کے بعد نماز سے نکلنا۔ (شامی: ۲۵۸/۱)
ان میں سے کوئی جان بوجھ کر یا بھول چوک سے چھوٹ جائے، تو نماز نہ ہوگی، پھر سے (دوبارہ) نماز پڑھنی پڑے گی۔ (طہارت اور نماز کے تفصیلی مسائل: ۲۱۸۔انیس)

(۲) **منها التحريمة... وهي شرط عندنا حتى أن من يحرم للفرائض كان له أن يؤدى بها التطوع هكذا في الهداية.** (الفتاوىٰ الهندية، باب صفة الصلاة، الفصل الأول: ٦٨/١)

﴿وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلّٰى﴾. (سورة الأعلىٰ: ١٥)

فجعله مصلياً عقيب الذكر فدل ذلك على أنه أراد ذكر التحريمة. (أحكام القرآن للجصاص: ٧/١، ط: دارالكتب العلمية. انيس)

عن رفاعة بن رافع قال: كنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم دخل رجل المسجد فصلى ورسول الله صلى الله عليه وسلم يرمقه ولايشعر ثم انصرف فأتى رسول الله صلى الله عليه وسلم فسلم عليه، فرد عليه السلام ثم قال: ارجع فصل فإنك لم تصل، قال: لا أدرى في الثانية أو في الثالثة، قال: والذى أنزل عليك الكتاب لقد جهدت فعلمني وأرني، قال: إذا أردت الصلاة فتوضأ فأحسن الوضوء ثم قم فاستقبل القبلة ثم كبر، ثم اقرأ، ثم اركع حتى تطمئن راكعاً ثم ارفع حتى تعتدل قائماً ثم اسجد حتى تطمئن ساجداً ثم ارفع رأسك حتى تطمئن قاعداً ثم اسجد حتى تطمئن ساجداً فإذا صنعت ذلك فقد قضيت صلاتك وما انتقصت من ذلك فإنما تنقصه من صلاتك. (سنن النسائي، باب الرخصة في ترك الذكر في الركوع (ح: ١٠٥٣)

==

نماز میں تکبیرات کہنا واجب ہیں یا سنت:

سوال: نماز میں تکبیرات کا کہنا سنت ہے یا واجب؟

الجواب

تکبیر تحریمہ تو فرض ہے اور باقی رکوع وسجدہ کی تکبیریں سنت ہیں۔

كما في الهندية: ٤٢/١: فرائض الصلاة وهي ست منها التحريمة.

وفيه أيضًا، ص: ٤٥: سننها رفع اليدين للتحريمة (إلى أن قال) **وتكبير الركوع وتسبيحه ثلاثاً وأخذ ركبتيه بيديه وتفريج أصابعه وتكبير السجود والرفع.**(۱)

احقر عبدالکریم گمتھلوی عفی عنہ۔الجواب صحیح: ظفر احمد عفی عنہ۔۵/ذی الحجہ ۱۳۴۳ھ۔(امدادالاحکام:۲/۹۱)

تکبیر تحریمہ میں کونسی چیز فرض یا واجب ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ دین شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ تکبیر تحریمہ میں کونسی چیز فرض اور کیا واجب اور سنت ہے، اشاعت فتاویٰ عالمگیری کیلئے باحوالہ جواب کا احتیاج ہے، کیونکہ عالمگیری میں نماز کے لئے واجبات میں تکبیر تحریمہ کے بارے میں کوئی چیز ذکر نہیں ہے۔ بینوا توجرا۔

(المستفتی: محمد صادق ناظم مجلس منتظمہ اشاعت فتاویٰ ہندیہ، سہگل، جہلم)

الجواب

تکبیر تحریمہ شرط اور فرض ہے۔(الدر المختار، باب صفة الصلاة)(۲) اور بالخصوص ''اللّٰه أكبر'' پڑھنا واجب یا سنت ہے۔(الدر المختار مع ردالمحتار: ٤٤٧/١)(۳) فقط (فتاویٰ فریدیہ: ۲/۲۳۸-۲۳۹)

== ولفظ البخاري ومسلم: إذا قمت إلى الصلاة فأسبغ الوضوء ثم استقبل القبلة فكبر.(الصحيح للبخاري، باب من رد فقال: عليك السلام (ح: ٦٢٥١)/الصحيح لمسلم، باب وجوب قرأة الفاتحة في كل ركعة (ح: ٣٩٧) انيس)

(۱) الفتاوىٰ الهندية، الباب الرابع في صفة الصلاة، الفصل الأول في فرائض الصلاة/والفصل الثالث في سنن الصلاة وآدابها وكيفيتها/وكذا في كنز الدقائق، باب صفة الصلاة: ١٦٠/١. انيس

(۲) قال العلامة الحصكفي: من فرائضها التحريمة وهو شرط.(الدر المختار على صدر ردالمحتار، باب صفة الصلاة: ٣٢٦/١)

(۳) قال العلامة الحصكفي: (وإذا أراد الشروع في الصلاة كبر) لو قادرًا (للافتتاح) أي قال وجوباً اللّٰه أكبر.

قال ابن عابدين: وأجيب بأنه يفيد السنية أو الوجوب.(الدر المختار مع ردالمحتار، باب صفة الصلاة، فصل في بيان تاليف الصلاة إلى انتهائها: ٣٥٤/١)

نوٹ: بلاشبہ تکبیر تحریمہ فرض یا شرط ہے؛ لیکن سائل کا منشا تکبیر تحریمہ کے حکم کو جاننا نہیں ہے، بلکہ مقصود یہ ہے کہ تکبیر تحریمہ میں کیا باتیں فرض یا واجب یا سنت ہیں، چنانچہ فقہا کی صراحت کے مطابق تکبیر تحریمہ کھڑے ہوکر کہنا واجب ہے، یعنی تکبیر تحریمہ میں قیام واجب ہے، اگر تکبیر تحریمہ سے پہلے جھک جائے پھر تکبیر کہے تو نماز صحیح نہیں ہوگی اور اللہ اکبر کہنے کو بعض فقہا نے واجب اور بعض نے مسنون قرار دیا ہے، اس لیے دوسرے کلمات جیسے اللہ اجل، اللہ اعظم وغیرہ سے احتراز بہتر ہے۔انیس

تکبیر تحریمہ جس طرح مرد کیلئے ضروری ہے، عورت کیلئے بھی ضروری ہے:

سوال: تکبیر تحریمہ عورت کو بوقت نماز کہنا فرض ہے یا نہیں؟

الجواب

تکبیر تحریمہ عورت اور مرد سب کو کہنا چاہئے، اس میں مردوں کی کچھ تخصیص نہیں ہے۔ کما فی عامة کتب الفقه.(۱)

(فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۲/۱۵۰)

مقتدی کے لئے تکبیر تحریمہ کا حکم:

سوال: مقتدی کے لئے تکبیر تحریمہ کہنا ضروری ہے یا امام کے تحریمہ سے کام چل جائے گا؟

الجواب و باللّٰہ التوفیق

امام ہو یا مقتدی ہر ایک کے لئے تکبیر تحریمہ کہنا فرض ہے، امام کا تحریمہ کہنا مقتدی کے تحریمہ کے لئے کافی نہیں ہے۔

(من فرائضها)التی لاتصح بدونها(التحريمة). (الدرالمختار علىٰ صدر رد المحتار،باب صفة الصلاة:۲/۱۲۷۔۱۲۸)(۲)فقط واللّٰه أعلم

محمد جنید عالم ندوی قاسمی ۔۲۴/۳/۱۴۰۸ھ۔(فتاویٰ امارت شرعیہ:۲/۳۸۵)

(۱) (من فرائضها)التی لاتصح بدونها(التحريمة)قائمًا وهی شرط.(الدرالمختار)

التحريمة:المراد بها جملة ذكر خالص مثل:"اللّٰه أكبر".(رد المحتار،باب صفة الصلاة:۱/۱۱٤،ظفير)

(۲) وإذا أراد الشروع فی الصلوٰة كبّر)لوقادرًا(للافتتاح)أی قال وجوبًا اللّٰه أكبرولايصيرشارعًا بالمبتدأ فقط كاللّٰه، ولا بأكبرفقط،هوالمختار.(الدرالمختار)

لأن الشرط الإتيان بجملة تامة ، الخ.(رد المحتار:۲/۱۷۸)

(ينبغی الخشوع فی الصلاة وإذا أراد الدخول فيها كبر حاذقاً بعد رفع يديه محاذياً بإبهاميه شحمتی أذنيه وقيل ماساً وعند أبی يوسف يرفع مع التكبير لا قبله والمرأة ترفع حذاء منكبيها ومقارنة تكبير المؤتم تكبير الإمام أفضل خلافاً لهما) ... فلو كبر قبله لم يصر شارعاً وكذا لو قال اللّٰه مع الإمام وأكبر قبله على الأصح لأنه إنما يصير شارعاً بمجموع الله أكبر لا بقوله الله فقط أو أكبر فقط وهذا ظاهر الرواية كما أفاده المصنف،قال فی البحر وهو المختار، بقی لو كبر غير عالم بتكبير إمامه ففی منية المصلی وغيره إن كان أكبر رأيه إنه كبر قبله فلا يجزيه وإلا أجزأه ... (ولو قال بدل التكبير اللّٰه أجل أو أعظم أو الرحمن أكبر أو لا إله إلا اللّٰه أو كبر بالفارسية صح) فی الكل مع كراهة التحريم على الراجح كما حرره فی البحر.(الدرالمنتقىٰ شرح المجمع،فصل فی صفة شروع الصلاة:۱/۱۳۷۔۱٤۰.دارالكتب العلمية بيروت،انيس)

بزبان فارسی تکبیر تحریمہ کہنے سے نماز کا حکم:

سوال: تکبیر تحریمہ فارسی زبان میں کہہ کر نماز شروع کرے، تو نماز کا کیا حکم ہے؟

الجواب

امام ابوحنیفہ کے مذہب کے مطابق فارسی زبان میں تکبیر تحریمہ کہنے سے نماز صحیح ہو جائے گی، لیکن صاحبین کے نزدیک نماز درست نہ ہوگی، اگرچہ امام صاحب کے مذہب کے مطابق نماز درست ہے، پھر بھی خلاف سنت ہونے کی وجہ سے جو شخص عربی زبان پر قدرت رکھتا ہو، اس کے لئے فارسی زبان میں تکبیر تحریمہ کہنا مکروہ تحریمی ہے۔(۱)

ملاحظہ ہو! بدائع الصنائع میں ہے:

ولو افتتح الصلاة بالفارسية بأن قال ''خدائ بزرگ تر'' أو ''خدائ بزرگ'' يصير شارعًا عند أبي حنيفة وعندهما لايصير شارعًا إلا إذا كان لايحسن العربية. (بدائع الصنائع: ۱۳۱/۱، سعيد كمپنى)

درمختار میں ہے:

(كما صح لو شرع بغير عربية... قلت: وجعل العيني الشروع كالقراءة لاسلف له فيه) أي لم يقل به أحد قبله، وإنما المنقول أنه رجع إلىٰ قولهما في اشتراط القراءة بالعربية إلا عند العجز، أما مسئلة الشروع فالمذكور في عامة الكتب حكاية الخلاف فيها بلا ذكر رجوع أصلا (قوله ولاسند له يقوى) أي ليس له دليل يقوى مدعاه، لأن الإمام رجع إلىٰ قولهما في اشتراط القراءة بالعربية، لأن المأمور به قراءة القرآن... أما الشروع بالفارسية فالدليل فيه للإمام أقوى، وهو كون المطلوب في الشروع الذكر والتعظيم، وذلك حاصل بأي لفظ كان، وأي لسان كان، نعم لفظ ''الله أكبر'' واجب للمواظبة عليه لا فرض. (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۴۸۴/۱، سعيد)

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

ولو كبر بالفارسية جاز، هكذا في المتون، سواء كان يحسن العربية أو لا إلا أنه إذا كان يحسنها يكره وعلىٰ قول أبي يوسف ومحمد لايجوز، إلا إذا كان لا يحسن العربية، هكذا في المحيط. (الفتاوىٰ الهندية: ۶۹/۱، الباب الرابع في صفة الصلاة)

---

(۱) یعنی ''الله أكبر'' کے الفاظ سے نماز شروع کرنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے آج تک توارث اور امت کا ان الفاظ سے ہی نماز شروع کرنے کا اہتمام؛ کی وجہ سے یہ واجب ہے، فرض نہیں اور واجب کے ترک سے نماز صحیح ہو جاتی ہے، البتہ اس میں کراہت آجاتی ہے۔

(قوله: لايوجب فساداً ولا سهواً) أي بخلاف ترك الفرض فإني يوجب الفساد وترك الواجب فإنه يوجب سجود السهو. (ردالمحتار، كتاب الصلاة، واجبات الصلاة: ۴۷۴/۱، دارالفكر. انيس)

حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

الصحيح أنه يصح الشروع عنده بغير العربية ولو كان قادرًا عليها مع الكراهة التحريمية للقادر لأن الشروع يتعلق بالذكر الخاص وهو يحصل بكل لسان. (حاشية الطحطاوی علیٰ مراقی الفلاح: ۲۸۰، قديمی)

اوجز المسالک میں ہے:

والثابت بالخبر اللفظ المخصوص فيجب العمل به حتیٰ يكره لمن يحسنه تركه. (أوجز المسالک: ۲/ ۷۶، باب افتتاح الصلاة، دار العلوم دمشق) **والله سبحانه وتعالیٰ أعلم** (فتاویٰ دار العلوم زکریا: ۲/ ۱۲۸-۱۳۰)

تکبیر تحریمہ اور رکوع اور سجدہ میں جانے کی تکبیر کب کہی جائے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ تکبیر تحریمہ کب کہے؟ ہاتھ باندھنے سے پہلے یا ہاتھ باندھ کر؟

(۱) اگر امام صاحب کان تک ہاتھ اٹھانے کے بعد جب ناف تک پہنچے اس وقت تکبیر تحریمہ کہے تو نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟

(۲) اگر امام صاحب کا ہاتھ ناف تک پہنچے اس وقت تکبیر کا ایک جزء کہے اور ہاتھ باندھنے کے بعد دوسرا جزء تو نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟

(۳) غرضکہ تکبیر تحریمہ کب شروع کرے اور کب ختم کرے؟

(۴) رکوع وسجود کی تکبیرات کا صحیح طریقہ کیا ہے؟

(۵) اگر امام نماز میں تکبیرات خلاف سنت کہے تو شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب

تکبیر تحریمہ یا تکبیر اولیٰ اور رفع یدین کے بارے میں تین قول ہیں:

(۱) پہلے رفع یدین کرے؛ یعنی دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھا کر تکبیر (اللہ اکبر) شروع کرے اور تکبیر ختم ہوتے ہی ہاتھ باندھ لے۔

(۲) تکبیر اور رفع یدین دونوں ایک ساتھ شروع کرے اور ایک ساتھ ختم کرے۔

(۳) پہلے تکبیر شروع کر کے فوراً ہاتھ اٹھا کر ایک ساتھ ختم کردے۔ (البحر الرائق: ۱/ ۳۰۵، درمختار مع الشامی: ۱/ ۴۶۵) (۱)

---

(۱) ولم يبين المصنف وقت الرفع لأنه عبر بالواو وهی لمطلق الجمع، وفيه ثلاثة أقوال:

القول الأول أنی يرفع مقارناً للتكبير، وهو المروی عن أبی يوسف قولاً والمحكی عن الطحاوی فعلاً ==

مذکورہ تینوں صورتوں میں سے پہلی اور دوسری صورت افضل ہے، تیسری صورت بھی جائز ہے، مگر معمول بہا نہیں ہے۔(ہدایہ:۱/۸۴)(۱)(شامی،البحرالرائق وغیرہ)

اور جوہرہ میں ہے، اصح یہ ہے کہ اولاً نمازی دونوں ہاتھ اٹھائے، جب دونوں ہاتھ کان کے محاذات میں پہنچ کر قرار پکڑیں، تب تکبیر شروع کرے۔(جوہرہ:۱/۴۹)(۲)

(۱) صورت مسئولہ میں نماز ہوگئی، لیکن ہاتھ باندھنے تک تکبیر کو موخر کرنے کی عادت غلط اور مکروہ ہے، یہ ثناپڑھنے کا محل ہے، نہ تکبیر کہنے کا، تکبیر ہاتھ باندھنے تک ختم ہوجانی چاہئے، ہاتھ باندھنے تک مؤخر کرنے میں یہ بھی خرابی ہے کہ اونچا سننے والا اور بہرا مقتدی امام کی رفع یدین کو دیکھ کر تکبیر تحریمہ کہے گا تو امام سے پہلے تکبیر کہنے کی بنا پر اس

== واختاره شيخ الإسلام وقاضي خان وصاحب الخلاصة والتحفة والبدائع والمحيط حتى قال البقالي:هذا قول أصحابنا جميعاً ويشهد له المروى عنه عليه الصلاة والسلام أنه كان يكبر عن كل خفض ورفع وماروا ه أبوداؤد أنه صلى اللّٰه عليه وسلم-"كان يرفع يديه مع التكبير"وفسر قاضي خان المقارنة بأن تكون بداء ته عند بداء ته وختمه عند ختمه.

القول الثاني:وقته قبل التكبير،ونسبه في المجمع إلى أبي حنيفة ومحمد وفي غاية البيان إلى عامة علمائنا وفي المبسوط إلى أكثر مشائخنا وصححه في الهداية ويشهد له ما في الصحيحين عن ابن عمر قال النبي صلى اللّٰه عليه وسلم:إذا افتتح الصلاة رفع يديه حتى يكونا حذو منكبيه ثم كبر.

القول الثالث:وقته بعد التكبير فيكبر أولاً ثم يرفع يديه ويشهد له ما في الصحيح لمسلم أنه صلى اللّٰه عليه وسلم كان إذا صلى كبر ثم رفع يديه،ورجح في الهداية ما صححه بأن فعله نفي الكبرياء عن غيره تعالىٰ والنفي مقدم على الإيجاب ككلمة الشهادة وأورد عليه أن ذلك في اللفظ فلا يلزم في غيره،ورد بأنه لم يدع لزومه في غيره وإنما الكلام في الأولوية ففي الأقوال الثلاثة رواية عنه عليه السلام فيؤنس بأنه صلى اللّٰه عليه وسلم فعل كل ذلك ويترجح من بين أفعاله تقديم الرفع بالمعنى المذكور وتحمل ثم في قوله ثم رفع على الواو ومع على معنى قبل لأن الظروف ينوب بعضها عن بعض وقد يقال:إن تقديم النفي في كلمة الشهادة ضرورة لأنه لايمكن التكلم بالنفي والإثبات معاً بخلاف ما نحن فيه،ورواية أنه كان يرفع مع التكبير نص محكم في المقارنة ،الخ.(البحرالرائق،آداب الصلاة: ١/٣٢٢/كذا في ردالمحتار،فروع كبر غيرعالم بتكبير إمامه: ١/٤٨٢.انيس)

(١) ويرفع يديه مع التكبير وهو سنة لأن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم واظب عليه،وهذا اللفظ يشير إلى اشتراط المقارنة وهو المروى عن أبي يوسف والمحكى عن الطحاوى والأصح أنه يرفع أولاً ثم يكبر لأن فعله نفي الكبرياء عن غير اللّٰه تعالىٰ والنفي مقدم على الإثبات.(الهداية شرح بداية المبتدى،كتاب الصلاة: ١/٤٨.انيس)

(٢) (قوله:ورفع يديه مع التكبيرة)الرفع سنة وليس بواجب وقوله مع التكبيرة إشارة إلى اشتراط المقارنة والأصح أنه يرفع أولاً فإذا استقرتا في موضع المحاذاة كبر،لأن الرفع بمنزلة النفي كأنه نبذ ماسوى اللّٰه تعالىٰ وراء ظهره فاليد اليمنىٰ كالآخرة واليد اليسرىٰ كالدنيا ولأن في الرفع نفي الكبرياء عن غير اللّٰه وقوله اللّٰه أكبر بمنزلة إثبات الكبرياء للّٰه تعالىٰ والنفي مقدم على الإثبات كما في كلمة الشهادة لا إله إلا اللّٰه ولاتصح تكبيرة الإحرام إلا في حال القيام أما إذا حنى ظهره كبر إن كان القيام أقرب يصح وإن كان إلى الركوع أقرب لايصح.(الجوهرة النيرة،باب صفة الصلاة: ١/٥٤.انيس)

کی اقتدا اور نماز صحیح نہ ہوگی۔ کیونکہ اگر تکبیر کا پہلا لفظ ''اللہ'' کہنے میں مقتدی سبقت کرے یا لفظ اللہ امام کے ساتھ شروع کرے مگر لفظ ''اکبر'' امام کے ختم کرنے سے پہلے ختم کردے، تب بھی اقتدا صحیح نہ ہوگی۔ (درمختار مع الشامی: ۱/۴۴۸) (۱)

لہذا امام کو یہ عادت ترک کرنی چاہئے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب

(۲)　رکوع وسجود کی تکبیرات کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ رکوع کے لئے جھکنے کے ساتھ تکبیر شروع کرے اور (رکوع میں پہنچتے ہی) ختم کرے، اسی طرح سجدہ میں جاتے وقت بھی تکبیر شروع کرے اور (سجدہ میں پہنچتے ہی) ختم کرے، رکوع وسجود میں پہنچ کر تکبیر کہنا خلاف سنت اور مکروہ ہے اور دو طرح کی کراہت لازم آتی ہے۔ ایک کراہت ترک محل کی؛ کیونکہ یہ تکبیریں تکبیرات انتقال کہلاتی ہیں، رکوع اور سجدہ کی طرف منتقل ہونے، یعنی رکوع کے لئے جھکنے اور سجدہ میں جانے کے وقت ان کو کہنا چاہئے تھا، یہ ان کا محل تھا؛ جس کو ترک کردیا۔ دوسری کراہت: ادا بے محل کی، یعنی جس وقت تکبیر کہہ رہا ہے؛ وہ ''سبحان ربی العظیم'' یا ''سبحان ربی الأعلیٰ'' کہنے کا وقت تھا، تکبیر کا وقت نہیں تھا، اس وقت تکبیر بے محل ہے۔ (منیۃ المصلی: ۸۴-۸۸، وکبیری: ۳۴۵) (۲)

مختصر یہ کہ امام کا یہ عمل خلاف سنت ہے۔ انہیں سنت کے مطابق عمل کرنا لازم ہے۔ (۳) فقط واللہ اعلم بالصواب

(فتاویٰ رحیمیہ: ۱/۲۳۲-۲۳۳)

رکوع میں امام کے ساتھ شامل ہونے والا کتنی تکبیر کہے:

سوال:　اگر امام رکوع میں چلا گیا، دوسرا مقتدی نماز میں شریک ہونے کے لئے صف میں کھڑا ہوا، لیکن ابھی شریک نہیں ہوا، تو اب وہ پہلے نیت کرے گا اور تکبیر کہے گا، اس کے بعد دوبارہ رکوع میں جانے کے لئے تکبیر کہنی پڑے گی، یا اس نیت والی تکبیر سے رکوع میں چلا جائے گا، اور نیت باندھنے کے بعد کچھ وقفہ کے بعد رکوع میں جائے گا یا فوراً؟ جو بھی درست ہو، جواب سے نوازیں؟

---

(۱)　(فروع: كبر غير عالم بتكبير إمامه إن أكبر رأيه أنه كبر قبله لم يجز وإلا جاز، محيط) أى بأن كان أكبر رأيه أنه مع الإمام أو بعده أو لم يكن له رأى أصلاً والجواز فى الثالثة لحمل أمره على الصواب ولكن الأحوط كما فى شرح المنية أن يكبر ثانياً ليقطع الشك باليقين ووقع فى الفتح هنا نبه عليه فى النهر. (ردالمحتار: ۱/۴۸۱، دارالفكر. انيس)

(۲)　(وينبغي أن يكون ابتداء تكبيره عند أول الخرور والفراغ) منه (عند الإستواء) راكعاً وقال بعض المشايخ يكبر قائماً ثم يركع وكذا ذكر فى المحيط مستدلاً بقول محمد إذا أراد أن يركع يكبر (وبعضهم) أى بعض المشايخ (قالوا: إذا أتم القراءة حالة الخرور لابأس به بعد أن يكون ما بقى من القراءة حرفاً) واحداً (أو كلمة) واحدة لا أكثر من ذلك لئلا يكون قارئاً فى الركوع وهذا يستلزم تأخير التكبير إلى أن يصل إلى الركوع وليس بشيء (و) القول (الأول) وهو المقارنة (أصح) الأقوال كذا قال الطحاوى وهو مفاد عبارة الجامع الصغير والمروى عنه عليه الصلاة والسلام قال أبوهريرة: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا قام إلى الصلاة يكبر حين يقوم ثم يكبر حين يركع ==

الجواب ـــــــــــــــــــ باللّٰہ التوفیق

جو شخص امام کو حالت رکوع میں پائے، وہ اگر ایک تکبیر قیام کی حالت میں کہہ کر بھی رکوع میں چلا جائے، تو درست ہے، اس کے لئے دو تکبیر کہنا ضروری نہیں ہے۔

ولا یشترط تکبیرتان للإحرام والرکوع الذی فی الفتح ومدرک الإمام فی الرکوع لا یحتاج إلٰی تکبیرتین. (حاشیة الطحطاوی علی المراقی: ۲۵۶) **فقط واللّٰہ تعالیٰ أعلم** (دینی مسائل اوران کا حل: ۸۵)

تکبیر کے بغیر رکوع میں جانا:

سوال: زید مسجد میں ایسے وقت پہنچا کہ امام رکوع میں تھا، اس نے کانوں تک ہاتھ اٹھاتے ہوئے تکبیر تحریمہ کہی اور بغیر ہاتھ باندھے رکوع میں چلا گیا، پوچھے جانے پر اس نے کہا کہ مسئلہ یہ ہے کہ اگر اس بات کا اندیشہ ہو کہ رکوع نہ مل سکے گا تو صرف تکبیر تحریمہ کہتے ہوئے بغیر ہاتھ باندھے رکوع میں چلے جانا جائز ہے، کیا یہ صورت جائز ہے؟ اگر جائز ہے تو کیا رکوع کی تکبیر کہنا بھی ضروری نہیں اور کیا ہاتھ کانوں تک اٹھانا بھی ضروری نہیں؟

ھو المصوب ـــــــــــــــــــ

تکبیر تحریمہ کے بعد ہاتھ باندھے بغیر کوئی شخص رکوع میں چلا جاتا ہے، تو اس کی نماز ہو جائے گی، اسی طرح تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ کانوں تک اٹھانا، رکوع میں جاتے وقت تکبیر کہنا سنت ہے، اگر بھولے سے چھوٹ جائے تو بلا کراہت نماز ہو جائے گی۔

اتفق الفقهاء علٰی أنه یسن للمصلی عند تکبیرة الإحرام أن یرفع یدیه. (الموسوعة الفقهیة: ۸۴/۲۷)

ذهب جمهور الفقهاء الحنفیة والمالکیة والشافعیة إلٰی أن تکبیرات الانتقال سنة من سنن الصلاة. (الموسوعة الفقهیة: ۹۲/۲۷)

تحریر: ساجد علی۔ تصویب: ناصر علی ندوی۔ (فتاویٰ ندوۃ العلماء: ۱۳۹/۲-۱۴۰)

== ثم یقول سمع اللّٰه لمن حمده حین یرفع صلبه من الرکوع ثم یقول وهو قائم ربنا لک الحمد ثم یکبر حین یرفع رأسه ثم یفعل ذلک فی الصلاة کلها حتی یقضیها ویکبر حین یقوم من الثنتین بعد الجلوس، متفق علیه، فإضافة ظروف الأذکار إلی الأفعال تقتضی مقارنتها کمقارنة سائر الظروف لظروفها ولأن فی المقارنة عدم اخلاء شیء من أجزاء الصلاة عن ذکر فکانت أولٰی. (شرح الکبیر للحلبی، فصل فی صفة الصلاة: ۳۱۵. مطبع سنده، انیس)

قال محمد: وإذا أراد أن یرکع یکبر، قال بعض مشائخنا: ظاهر ماذکر محمد یدل علی أن تکبیر الرکوع یؤتی به فی حال القیام فإنه قال: وإذا أراد أن یرکع یکبر، وقال بعضهم: یکبر عن الخرور للرکوع، فیکون ابتداء تکبیره عند أول الخرور والفراغ عند الاستواء للرکوع لأن هذا تکبیر الإنتقال ویأتی بجمیع الانتقال والطحاوی فی کتابه یقول: یخر راکعاً ساکتاً وهذه إشارة إلی القول الثانی. (المحیط البرهانی، الفصل السادس عشر فی التغنی والألحان: ۳۵۹/۱. انیس)

(۳) یہ تاکیداً ہے وجوباً نہیں۔ انیس

قیام-احکام ومسائل

تکبیر تحریمہ کے وقت قیام کی فرضیت:

سوال: مدرک جس وقت کہ امام رکوع میں ہے بعد تکبیر تحریمہ فوراً رکوع میں چلا جاوے، یا ثنا پڑھ کر یا بقدر اداء ثنا قیام کر کے رکوع میں جاوے، اگر مدرک کو یہ بھی خوف ہے کہ بقدر ادائے ثنا قیام کرنے پر رکوع نہیں پا سکتا، تو کیا کرے یعنی یہ قیام فرض ہے یا صرف سنت مستحب؟

الجواب

فی الدرالمختار،أول باب صفة الصلاة:(من فرائضها)التی لاتصح بدونها(التحریمة)قائمًا.(۱)

وفيه فی فصل يليه:ويشترط كونه قائمًا فلووجد الإمام راكعًا فكبرمنحنيًا إن إلى القيام أقرب صح ولغت نية تكبيرة الركوع.(۲)

وفی هذا الفصل:وهومخيربين قراء ة الفاتحة...وتسبيح ثلاثًا وسكوت قدرهاوفی النهاية: قدرتسبيحة.

وفی رد المحتار:(قوله قدرتسبيحة):قال شيخنا وهوأليق بالأصول،حلية،أی لأن ركن القيام يحصل بها لمامرأن الركنية تتعلق بالأدنٰى.(۳)

وفيه فی مفسدات الصلاة:ويفسدها أداء ركن ... وهوقدرثلاث تسبيحات مع كشف عورة،اھ.(۴)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ تکبیر تحریمہ میں قیام فرض ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ادنیٰ مقدار رکن کی ایک تسبیح یا تین تسبیح کی قدر رہے، پس اس شخص کو تکبیر تحریمہ کھڑے ہو کر کہنا چاہئے اور اتنی دیر کھڑا رہے کہ ایک بار یا تین بار **سبحان اللّٰہ** کہہ سکے، پھر رکوع میں جاوے اور ثنا پڑھنا یا ثنا کے قدر کھڑا رہنا ضروری نہیں، البتہ یہ جو عادت ہے کہ "**اللّٰہ أكبر**" کے ساتھ اول ہی سے رکوع میں پہنچ جاتے ہیں، ان لوگوں کی نماز نہیں ہوتی ۔(۵)

۱۷ر ذی قعدہ ۱۳۲۳ھ ۔(امداد، جلد:۱، صفحہ: ۶۷)(امداد الفتاویٰ جدید:۱/ ۱۹۰-۱۹۱)

---

(۱) الدرالمختارمع رد المحتار،صفة الصلاة: ۴۴۲/۱،انیس

(۲) الدرالمختارمع ردالمحتار،فصل صفة الصلاة: ۴۸۰/۱،انیس

(۳) الدرالمختارمع ردالمحتار،بعد مطلب مهم فی عقد الأصابع : ۵۱۱/۱،انیس

(۴) الدرالمختارمع رد المحتار،مفسدات الصلاة: ۶۲۵/۱-۶۲۶،انیس

(۵) تکبیر تحریمہ کھڑے ہو کر ادا کرنے کے بعد تین یا ایک تسبیح کی برابر کھڑا رہنے کی ضرورت مسبوق کے لئے ==

تکبیرتحریمہ کہنے کے وقت قیام فرض ہے:

سوال: ایک شخص مسجد میں ایسے وقت آیا کہ امام رکوع میں ہے اس نے تکبیرتحریمہ کہہ کرفوراً رکوع میں شرکت کر لی ،یعنی تکبیرتحریمہ کہہ کر قیام کچھ نہیں کیا،فوراً جھک گیا تو نماز صحیح ہوئی یا نہیں؟

الجواب

اگرتکبیرتحریمہ بحالت قیام کہی ہے یا بحالت انحناء کہی ہے،مگر وہ اقرب الی القیام تھا تو نماز درست ہے،اگر بحالت انحناء کہی اوراقرب الی الرکوع تھا تو نماز درست نہیں،غرض تکبیرتحریمہ کا بحالتِ قیام یا بحالت اقرب الی القیام ہونا فرض ہے،تکبیرتحریمہ کے بعد مزید قیام فرض نہیں۔

قال فی مراقی الفلاح:والثانی من شروط صحة التحریمة الإتیان بالتحریمة قائمًا أومنحنیًا قلیلاً قبل وجود انحنائه بما هوأقرب للرکوع.قال فی البرهان:لوأدرک الإمام راکعاً فحنی ظهره ثم کبرإن کان القیام أقرب صح الشروع ولوأراد به تکبیرالرکوع وتلغونیته لأن مدرک الإمام فی الرکوع لایحتاج إلٰی تکبیرمرتین خلافاً لبعضهم وإن کان إلی الرکوع أقرب لایصح الشروع.آه.(ص :۱۲۷)

۳/شعبان۔(امدادالاحکام:۲/۷۹)☆

== کسی روایت فقہی سے ثابت نہیں۔اس لئے سوال:۱۸۱،کے جواب میں جو کچھ حضرتؒ نے تحریر فرمایا ہے وہ اس پر شاہد ہے اوراس میں بحوالہ شامی یہ الفاظ بھی منقول ہیں:"لو کبر قائمًا فرکع ولم یقف صح" یعنی اگرصرف تکبیرتحریمہ بحالت قیام ادا کرکے رکوع میں چلا گیا اورمزید کچھ قیام نہیں کیا تو نماز صحیح ہوگئی،اس لئے اس جگہ جو نماز نہ ہونے کا حکم فرمایا ہے اس میں کچھ تسامح ہوا ہے،صحیح یہ ہے کہ نماز ہوجاتی ہے۔(محمدشفیع عفااللہ عنہ)

عن عمران بن حصین رضی اللّٰه عنه قال:کانت بی بواسیر،فسألت النبی صلی اللّٰه علیه وسلم عن الصلاة، فقال:صلِّ قائماً فإن لم تستطع فقاعداً فإن لم تستطع فعلی جنب.(الصحیح للبخاری،باب إذا لم یطق قاعداً صلی علی جنب (ح:۱۱۱۷)/سنن ابن ماجة،باب ماجاء فی صلاة المریض (ح:۱۲۲۳)/سنن أبی داؤد،باب فی صلاة القاعد (ح:۹۵۲)/سنن الترمذی،باب ماجاء أن صلاة القاعد علی النصف (ح: ۳۷۲)/المنتقی لابن الجارود،ماجاء فی صلاة القاعد (ح: ۲۳۱)/مسند الرویانی (ح:۱٤٥)/صحیح ابن خزیمة،باب صفة صلاة المریض مضطجعاًإذا لم یقدر (ح:۹۷۹)/شرح مشکل الآثار،باب بیان مشکل ماروی عن عمران بن حصین (ح:۱٦۹۳)/صحیح ابن حبان، ذکر تفضیل صلاة القائم علی القاعد،الخ (ح:۲٥۱۳)/المستدرک للحاکم (ح: ۱۱۸٦)/الطب النبوی لأبی نعیم الأصفهانی،باب البواسیر وأوجاع المقعدة (ح: ٤٦۰)انیس)

عن أبی حنیفة عن حماد عن إبراهیم أنه قال فی الصلاة فی السفینة ،قال:صلِّ قائماً تیمم القبلة فإن لم تستطع فقاعداً تیمم القبلة.(الآثار لأبی یوسف،باب افتتاح الصلاة (ح: ۱۳۱)انیس) ==

رکوع سے پہلے، کھڑے ہوئے بغیر تکبیر تحریمہ کا حکم:

سوال: جناب کی کتاب بہشتی گوہر حصہ یازدہم بہشتی زیور صفحہ ۲۷ (بیان تکبیر تحریمہ) میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے، جس کا مطلب یہ ہے ''کہ امام جب رکوع میں ہو، تو جولوگ بغیر قیام تکبیر تحریمہ کہتے ہوئے رکوع میں داخل ہوجا تے ہیں، تو ان کی نماز نہیں ہوتی''۔ حالانکہ شامی میں ہے کہ یہ قیام عارضی کافی ہوجاتا ہے، نماز اس سے بھی جائز ہوسکتی ہے، اگر چہ ایسا فعل اچھا نہیں۔ آپ شامی کو ملاحظہ فرماویں۔

الجواب

شامی میں ہے:

فلو أدرک الإمام راکعًا فکبر منحنیًا لم تصح تحریمته. (۴۷/۱)(۱)

اوراسی میں ہے:

فلو کبر قائمًا فرکع ولم یقف صح لأن ما أتٰی به من القیام إلٰی أن یبلغ الرکوع یکفیه،قنیة.

فی رد المحتار: (قوله فرکع): أی وقرأ فی هویه قدر الفرض أو کان أخرس أومقتدیًا أخر القراء ة. (۴۶۳/۱)(۲)

بہشتی گوہر کی یہ عبارت ہے:

آتے ہی جھک جاتے ہیں اوراسی حالت میں تکبیر تحریمہ کہتے ہیں، الخ۔

یہ عبارت شامی کی پہلی عبارت ''**فکبر منحنیًا**'' کا صریح ترجمہ ہے، شاید سائل کو درمختار کی دوسری عبارت ''**ولم**

☆== **فرض نماز کے لیے بیٹھ کر تکبیر تحریمہ کہنا:**

سوال: اگر کوئی شخص فرض نماز کی تکبیر تحریمہ بغیر عذر بیٹھ کر کہے اور فوراً کھڑا ہوجائے، آیا اس کی نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً

''**لو قال المصنف: فرضها التحریمة قائمًا، لکان أولٰی؛ لأن الافتتاح لایصح إلا فی حالة القیام، حتی لو کبر قاعدًا ثم قام، لایصیر شارعًا؛ لأن القیام فرض حالة الافتتاح''، الخ.** (بحر: ۲۹۱/۱) (البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۵۰۸/۱، رشیدیة)

عبارت منقولہ سے معلوم ہوا کہ اس طرح شروع کرنا صحیح نہیں ہوگا۔ فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔ ۱۳۸۸/۱/۸ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵/۵۴۴)

(۱) رد المحتار، بحث شروط التحریمة: ۴۵۲/۱، انیس

(۲) الدر المختار مع رد المحتار، بحث القیام: ۴۴۵/۱، انیس

یقف'' سے شبہ ہوگیا ہو، سویہ وقوف بعد التحریمة للقراء ة ہے، گوعارض کے سبب قرأت نہ ہو، چنانچہ اس قول پر شامی کا قول ''وقرأ فی هویه، الخ'' صریح دلیل ہے، تو اس سے قیام للتحریمہ کا انتفا ضرورت لازم نہیں آتا۔

چنانچہ درمختار میں اس ''لم یقف'' کے قبل ''فکبر قائمًا'' اس قیام کی ضرورت کو ثابت کررہا ہے۔(۱)

۱۰ ر شوال ۱۳۴۶ھ۔(تتمہ خامسہ، صفحہ: ۵۹۵)۔(امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۱۹۱-۱۹۳)

جھکتے ہوئے تکبیر تحریمہ کہہ کر امام کے ساتھ شریک ہونا:

سوال: امام رکوع میں تھا، ایک شخص بعد میں آیا اور جھکتے ہوئے تکبیر تحریمہ کہہ کر شریک ہوگیا تو اس کی نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــ حامداً و مصلیاً

اگر تکبیر تحریمہ کھڑے ہوکر نہیں کہی بلکہ اس طرح جھکتے ہوئے کہی ہے کہ رکوع میں تکبیر پوری ہوئی تو اس کی نماز صحیح نہیں ہوگی۔(شامی: ۱/۳۰۴)(۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ۔(فتاویٰ محمودیہ: ۵/۵۴۳)

---

(۱) خلاصہ یہ کہ اگر امام کو رکوع کی حالت میں پایا تو مقتدی سے فریضۂ قیام (جو نماز کے ارکان میں سے ہے) ساقط ہوجاتا ہے، تمام فقہا اس پر متفق ہیں کوئی اختلاف مروی نہیں ہے۔ مقتدی کو چاہئے کہ تکبیر تحریمہ کہہ کر فوراً امام کے ساتھ رکوع میں جا ملے۔

من أدرک الإمام فی الرکوع فقد أدرک الرکعة مع جمیع أجزاء ها من القیام والقراء ة تقدیرًا، آه.(نور الأنوار: ۳۹، نامی: ۱/۸۹)

لیکن تکبیر تحریمہ کی صحت کے شرائط میں سے یہ بھی ہے کہ (حالت قیام) میں کہی گئی ہو یعنی رکوع سے قریب ہونے سے پہلے پہلے تکبیر تحریمہ کہہ چکا ہو، تب وہ تکبیر تحریمہ صحیح اور معتبر ہوگی اور اگر جھک کر رکوع سے قریب ہونے کی حالت میں تکبیر کہی ہے، تو یہ تکبیر تحریمہ صحیح نہیں ہے اس لئے نماز نہ ہوگی۔ بہر حال قیام للتحریمہ تو ضروری ہے لیکن قیام للصلوٰۃ (جس کی مقدار ایک یا تین تسبیح ہے) ساقط اور معاف ہے، جیسا کہ مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہ نے سوال نمبر: ۱۸۰ کے جواب (جو ایک صفحہ قبل گذرا ہے، انیس) پر حاشیہ میں لکھا ہے۔ سعید احمد

(۲) فلو قال: ''اللّٰه'' مع الإمام و ''أکبر'' قبله، أو أدرک الإمام راکعًا فقال: ''اللّٰه'' قائمًا و ''أکبر'' راکعًا لم یصح فی الأصح، کما لو فرغ من ''اللّٰه'' قبل الإمام... ویشترط کونه قائمًا، فلو وجد الإمام راکعًا فکبر منحنیًا، إن إلی القیام أقرب یصح ولغت نیة تکبیر الرکوع''.(الدر المختار، کتاب الصلاة، فصل فی بیان تألیف الصلاة إلی انتهائها: ۱/۴۸۰، سعید)

ولا یصیر شارعًا بالتکبیر إلا فی حالة القیام أو فیما هو أقرب إلیه من الرکوع، هکذا فی الزاهدی. وکذا لو أدرک الإمام فی الرکوع، فقال: اللّٰه أکبر، إلا أن قوله: ''اللّٰه'' کان فی قیامه، وقوله: ''أکبر'' وقع فی رکوعه، لا یکون شارعًا فی الصلاة''.(الفتاویٰ الهندیة، الباب الرابع فی صفة الصلاة: ۱/۶۸-۶۹، رشیدیة)

''ولو جاء إلی الإمام وهو راکع منحنی ظهره، ثم کبر، إن کان إلی القیام أقرب، یصح، وإن کان إلی الرکوع أقرب لا یصح''.(البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۱/۵۰۸، رشیدیة)

رکوع کی حالت میں تکبیر تحریمہ کا حکم:

سوال: ایک شخص مسجد میں پہنچا امام رکوع میں تھا، آنے والے نے جھک کر تکبیر کہی اور رکوع میں شریک ہوگیا، اس کی نماز درست ہوئی یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

اگر اس نے گھٹنوں تک ہاتھوں کے پہنچنے سے پہلے تکبیر کہی ہے تو نماز ہوگئی اور اگر گھٹنوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہی ہے تو نماز نہیں ہوئی۔

"فلو وجد الإمام راكعًا فكبر منحنيًا إن كان إلى القيام أقرب بأن لا تنال يداه ركبتيه صحت و لغت نية تكبيرة الركوع". (الدرالمختارمع ردالمحتار: ۳۲۳/۱)/كذا فى الطحطاوى على المراقى: ۱٤۸/۱)(۱) فقط والله تعالىٰ أعلم بالصواب

حررہ العبد حبیب اللہ القاسمی۔(حبیب الفتاویٰ:۵۲/۳-۵۳)

کیا سنت میں قیام فرض ہے:

سوال: آپ نے میرے استفتا میں قیام کی فرضیت کے بارے میں بتایا ہے کہ قیام فرض ہے اور جو فرض نہ ہو، بلکہ فرض کے ساتھ ملحق ہو، جیسے واجب اور سنت فجر میں قیام فرض ہے۔اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کیا یہ مسئلہ فرض اور واجب اور سنت فجر کے ساتھ مخصوص ہے یا اس میں سنت مؤکدہ بھی شامل ہے؟

الجواب ـــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

سنت مؤکدہ میں قیام فرض ہے، سنت فجر کے علاوہ دیگر سنن مؤکدہ میں قیام فرض نہیں۔(۲)

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔۱۳۹۱/۱۲/۲۶ھ۔(فتاویٰ محمودیہ:۵۴۶/۵)☆

---

(۱) الدرالمختار على صدرردالمحتار،فصل فى بيان تأليف الصلاة إلى انتهائها: ٤۸۰/۱/كذا فى النهرالفائق، باب صفة الصلاة: ۱۹٤/۱/وكذا فى تبيين الحقائق، فصل الشروع فى الصلاةوبيان أحوالها: ۱۰۹/۱/وكذا فى الجوهرة النيرة،باب صفة الصلاة: ۵۰/۱/وكذا فى دررالحكام شرح غررالحكام،باب صفة الصلاة: ٦۵/۱./حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح،باب شروط الصلاة وأركانها: ۲۱۸/۱.انيس

ولو وجد الإمام فى الركوع أو السجود أو القعود ينبغى أن يكبر قائماً ثم يتبعه فى الركن الذى هو فيه،ولو كبر للافتتاح فى الركن الذى هو فيه لا يصير شارعاً لعدم التكبير قائماً مع القدرة عليه.(بدائع الصنائع،فصل فى شرائط أركان الصلاة: ۱۳۱/۱.انيس)

(۲) "ومنها القيام فى فرض)وملحقٍ به كنذروسنة فجرفى الأصح (لقادرعليه)".(الدرالمختار) ==

قیام،قرأت،رکوع وسجود کے فرض کی مقدار:

سوال: ارکان نماز میں یہ بتلایا گیا ہے کہ کم سے کم قیام تکبیر تحریمہ تک فرض ہے،اسی طرح کم سے کم قرأت ایک آیت تک فرض ہے،اسی طرح کم سے کم رکوع ایک تسبیح پڑھنے تک اور کم سے کم سجدہ بھی ایک تسبیح ادا کرنے تک فرض

== (”قوله:وسنة فجرفي الأصح)أما على القول بوجوبها فظاهروأما على القول بسنيتها فمراعاة القول بالوجوب و نقل في مراقي الفلاح أن الأصح جوازها من قعود،أقول:لكن في الحلية عند الكلام علىٰ صلاة التراويح لوصلى التراويح قاعدًا بلاعذر،قيل:لاتجوز قياسًا على سنة الفجر،فإن كلا منهما سنة مؤكدة،وسنة الفجر لاتجوز قاعدًامن غيرعذرٍبإجماعهم،كما هورواية الحسن عن أبي حنيفة،كما صرح به في الخلاصة“.(رد المحتار: ۳۹۹/۱، نعمانية)(الدر المختار،كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة: ۴۴۵/۱،سعيد)

”ولايجوزأن يصليها قاعدًا مع القدرة على القيام،ولهذا قيل:إنها قريبة من الواجب،كذا في التاتارخانية ناقلاً عن النافع“.(الفتاوى الهندية،كتاب الصلاة،الباب التاسع في النوافل: ۱۱۲/۱.رشيدية)

☆ نماز میں قیام کی کتنی مقدار فرض ہے:

سوال(۱) کیا قیام فرض واجب اور سنت سب نمازوں میں فرض ہے یا کچھ قید ہے؟

(۲) فرض پچھلی دو رکعتوں میں قیام کی فرض مقدار اور واجب کی کتنی مقدار ہے؟ بہشتی زیور میں تین مرتبہ سبحان اللہ کہنے کی مقدار تک چپ کھڑا رہنے پر نماز کا درست ہونا بتایا گیا ہے۔(بہشتی زیور،حصہ دوم،فرض نماز پڑھنے کے طریقے کا بیان،ص:۲۰،امدادیہ) جب کہ آپ نے قرأت مفروضہ کی مقدار قیام کو فرض بتلایا ہے۔(بحوالہ درمختار)(الدر المختار،كتاب الصلاة،بحث القيام: ۴۴۴/۱،سعيد)

فرض کی ادائیگی سے نماز ناقص ہوتی ہے اور دوبارہ پڑھنا واجب ہے جب تک کہ واجبات کی ادائیگی نہ کرے۔اس میں تین مرتبہ سبحان اللہ کہنا صرف قرأت مفروضہ کی ادائیگی ہوئی اور واجب ترک ہوگیا۔اس مسئلہ کو صاف کریں؟

الجواب ــــــــــــ حامداً و مصلياً

”(ومنها القيام) في فرض وملحق به كنذرأوسنة فجر في الأصح آه“.(درمختار) (الدرالمختار، كتاب الصلاة،بحث القيام: ۴۴۴/۱-۴۴۵،سعيد)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ قیام نماز فرض ہے اور جو نماز فرض نہ ہو بلکہ فرض کے ساتھ ملحق ہو جیسے واجب اور سنت فجر اس میں بھی فرض ہے۔

فرض کی تیسری اور چوتھی رکعت میں قرأت فرض نہیں بلکہ قرأت فاتحہ اور تین بار سبحان اللہ اور اتنی دیر سکوت کا اختیار ہے۔جو صورت بھی اختیار کرے گا نماز ہوجائے گی،سجدہ سہو واجب نہیں ہوگا،ہاں! سنت یہ ہے کہ سورہ فاتحہ پڑھے۔پس سورہ فاتحہ کی مقدار قیام سنت ہے اور تین تسبیح کی مقدار قیام بھی کافی ہے۔اگر قرأت فرض ہوتی ہے تو اس کے قیام کو فرض کہا جاتا اور سورۂ فاتحہ کا پڑھنا اس موقع پر واجب ہوتا تو اتنی مقدار قیام کو واجب کہا جاتا جس کے سہواً ترک سے سجدہ سہو واجب ہوتا اور عمداً ترک سے اعادہ واجب ہوتا۔

ومفروضه وواجبه ومسنونه ومندوبه بقدرالقراءة فيه(الدرالمختار،كتاب الصلاة،بحث القيام: ۴۴۴/۱،سعيد)

(”واكتفى فيما بعد الأوليين بالفاتحة)فإنها سنة(وهومخيربين القراءة)الفاتحة(و تسبيح ثلاثاً)وسكوت قدرها (على المذهب).(درمختار)(الدرالمختار،كتاب الصلاة،بحث القيام: ۵۱۱/۱،سعيد)فقط والله سبحانه وتعالىٰ أعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ،دارالعلوم دیوبند۔(فتاویٰ محمودیہ: ۵/۵۴۷-۵۴۸)

ہے،لیکن توضیح طلب امر یہ ہے کہ زیادہ کی کیا حد ہے؟ اگر کوئی مصلی قیام میں دس آیت تک قرأت کرے تو وہ قیام اور قرأت پورے کہ پورے فرض ہونگے یانہیں؟ اسی طرح اگر کوئی رکوع وسجدہ میں دس دس بار تسبیح کہنے تک ٹھہرے تو وہ رکوع وسجدہ پورے کے پورے فرض ہوں گے یانہیں؟ یا کچھ فرض کچھ واجب اور کچھ سنت ہوں گے؟

درمختار میں ارکان نماز کے ایک دوسرے کے فضائل میں بتایا گیا ہے کہ تمام ارکان نماز میں قیام افضل ہے؛ کیوں کہ اس میں قرآن کریم پڑھا جاتا ہے اور جتنا قرآن کریم پڑھا جائے گا، وہ پورا کا پورا فرض ہوگا چاہے، پورا قرآن کریم پڑھے۔(۱)

فتاویٰ عالمگیری اور درمختار میں قربانی کے بیان میں بتایا گیا ہے:

ایک صاحب نصاب پر بیل یا اونٹ کا ساتواں حصہ فرض ہے؛ لیکن اگر وہ پورا بیل قربانی کی نیت سے خریدے تو قربانی کے پورے حصے اس کے لیے فرض ہو جائیں گے، جس طرح قرآن کریم کی قرأت کہ مصلی جتنا قرآن کریم پڑھے گا؛ سب فرض ہوگا، اگر چہ پورا قرآن کریم پڑھ لے۔(۲)

اسی طرح درمختار میں ہے: امام محمد نے فتویٰ دیا ہے کہ سجدہ سے جب تک سر نہ اٹھایا جائے، سجدہ کی تکمیل نہ ہوگی، چاہے وہ کتنی ہی دیر مسجد میں رہے، جب وہ سجدہ سے سر اٹھائے گا اس وقت سجدہ پورا ہوگا، اسی طرح رکوع بھی جب تک سر نہ اٹھایا جائے، مکمل نہیں ہوگا، امام محمد کے یہاں سر جھکانا رکوع میں اور ٹیکنا سجدہ میں یہ رکوع اور سجدہ کی شرطیں ہیں، اسی طرح سر کا اٹھانا بھی شرط ہے۔ درمختار میں اس قول کے تحت یہ بھی بتایا گیا کہ اگر کسی رکن میں حدث ہو جائے اور بے وضو ہو جائے تو اب وضو کر کے اگر وہ اس نماز کو پوری کرنا چاہے تو اسی رکن سے بنا کرے، اگر سجدہ میں حدث ہوئے تو سجدہ ہی سے بنا کرے؛ کیوں کہ اس نے بے وضو سجدہ سے سر اٹھایا تھا اس لیے سجدہ مکمل نہیں ہوا، چاہے وہ کتنی ہی دیر سجدہ میں رہا ہو، ایسے ہی معلوم ہوا کہ ارکان میں کم کی حد تو ہے؛ لیکن زیادہ کی حد مصلی کا اپنے ارادے سے رکن ختم کرنا ہے۔(۳)

(۱) ولو قرأ القرآن كله في الصلاة وقع فرضًا، ولو أطال الركوع والسجود فيها، وقع فرضًا، آه. ومقتضاه أنه لو أطال القيام يقع فرضًا أيضًا، فينافي هذا التقدير، وقد يجاب بأن هذا قبل إيقائه، أما بعده فأكل فرض، كما أن القراءة قبل إيقائها نوعت إلٰى فرض وواجب وسنة وبعد يكون الكل فرضًا. (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ١/ ٤٤٤_٤٤٥، سعيد)

(۲) وصح اشتراک ستة في بدنة شريت لأضحية: أي نوى وقت الشراء الاشتراک، صح استحساناً، وإلالا. (الدرالمختار)
وقال ابن عابدين رحمه اللّٰه تعالٰى: "أقول: قدمنا في باب الهدى عن فتح القدير معزوًا إلى الأصل والمبسوط: إذا اشترى بدنة لمتعة مثلاً، ثم اشترک فيها ستة بعد ما أوجبها لنفسه خاصةً، لايسعه، لأنه لما أوجبها صار الكل واجبًا بعضها بإيجاب الشرع وبعضها بإيجابه، فإن فعل فعليه أن يتصدق بالثمن". (الدرالمختار، كتاب الأضحية: ٣١٧/٢، سعيد)
(وكذا في البحر الرائق، ترک جميع واجبات الصلاة ساهياً: ١٠٩/٢. انيس)

(۳) "ثم يرفع رأسه مكبرًا، ويكفي فيه أدنى مايطلق عليه اسم الرفع، كما صححه في المحيط، ==

ایسے شرائط کے ساتھ اگر مان ہی لیا جائے کہ قیام آیت تک ہی فرض ہے اور تین آیت کی حد تک واجب، باقی قرأت اور قیام سنت ہے تو ایک شخص نے پچیس آیت پڑھنے کا قصد کیا اور دس آیت کھڑے رہ کر پڑھنے کے بعد باقی پندرہ آیت بیٹھ کر پڑھی پھر اٹھ کر رکوع کیا تو اس کی نماز باطل نہیں ہوگی اور اگر سنت قرار دیا جائے تو نماز ہو جائے گی جس میں سجدہ بھی ہیں۔ اس طرح ایک شخص کی نیت بیس آیت پڑھنے کی تھی اور وہ دس آیت پڑھنے کے بعد باقی آیت بھول گیا اور اس کے یاد آنے تک اتنی دیر تک توقف کیا کہ تاخیر رکن کی وجہ سے سجدہ عائد ہو جائے اس تاخیر کی وجہ سے اس کو سجدہ سہو کرنا پڑے گا۔ اور یہ تاخیر کون سی وجہ سے ہوگی یا کیا؟

الجواب ـــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

قیام، قرأت، رکوع وسجود فرض ہیں، ان کی جتنی مقدار بھی ادا کی جائے، ادا ہو چکنے کے بعد سب کو فرض ہی کہا جائے گا، یہ تقسیم نہ ہوگی کہ ایک تسبیح یا تین تسبیح کے برابر رکن فرض ادا ہو، باقی واجب یا سنت یا نفل ہو، (۱) جس نماز میں قیام فرض ہے، اگر ادنی مقدار قیام فرض قیام کرنے کے بعد بقیہ طویل قرأت بحالت قعود کرے، پھر کھڑے ہو کر رکوع کرے تو نماز صحیح نہیں ہوگی، اسی طرح مقدار فرض ادا کرنے کے بعد اگر بھول جائے اور تین تسبیح کے مقدار خاموش کھڑا رہے تو سجدہ سہو واجب ہوگا، یہ نہیں کہا جائے گا کہ مقدار فرض قرأت ادا کر لی تھی اب سہو تو غیر رکن میں ہوا۔ (۲)

"القراءة وإن قسمت إلٰی فرض وواجب وسنة، إلا أنه مهما أطال، يقع فرضًا، وكذا إذا طال الركوع والسجود علٰی ما هو قول الأكثر والأصح؛ لأن قوله تعالٰی: ﴿فَاقْرَأُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ﴾

== لتعلق الركنين بأدنى كسائر الأركان ... ثم السجدة الصلٰوتية تتم بالرفع عند محمد، وعليه الفتوى كالتلاوية اتفاقاً، مجمع". (الدر المختار)

وفي ردالمحتار: "(قوله: تتم بالرفع عند محمد) وعند أبي يوسف بالوضع، وثمرة الخلاف فيما لو أحدث وهو ساجد فذهب وتوضأ، يعيد السجدة عند محمد، لا عند أبي يوسف... ثم ظهر أن الرفع المذكور فرض مستقل عنده لا متمم للسجدة". (كتاب الصلاة، فصل في بيان تاليف الصلاة إلى انتهائها: ۵۰۵/۱، سعيد) (وكذا في مجمع الأنهر، فصل صفة الشروع في الصلاة: ۹۸. انيس)

(۱) كما أن القراءة قبل إيقاعها نوعت إلٰی فرض وواجب وسنة، وبعده يكون الكل فرضًا". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۴۴۵/۱، سعيد)

(۲) "وتأخير قيام إلى الثالثة بزيادة على التشهد بقدر ركن. وفيه: بحرف". (الدر المختار)

وقال ابن عابدين رحمه الله تعالٰی: "(قوله وتأخير قيام) أشار إلٰی أن وجوب السجود ليس لخصوص الصلاة على النبي صلى الله عليه وسلم، بل لترك الواجب، وهو تعقيب التشهد للقيام بلافصل ... آه. (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب سجود السهو: ۸۱/۲، سعيد)

لـوجـوب أحـد الأمـرين فمافوقها مطلقاً لصدق ماتيسر علٰى كل فرض،فمهما قرأ يكون الفرض ومعنى الأقسام المذكورة أن جعل الفرض مقدار كذا واجب،وجعله دون ذلك مكروه،وجعله فوق ذلك إلٰى حد كذا سنة،لأنا إن اعتبرنا الواجب مابعد الآية الأولٰى منضمًا إليها انقلب الفرض واجبًا،وإن اعتبرناه منفردًا كان الواجب بعض الفاتحة وقالوا:الفاتحة واجب، وكذا الكلام فيما بعد الواجب إلٰى حد السنة.فليتأمل آه،كذا فى شرح المنية من باب سجود السهو،ونحوه فى الفتح وهو تحقيق دقيق فاغتنم".(ردالمحتار: ۵۰۰/۱)(۱)

اگرابتدا میں بیس آیت قرأت کرنے کاارادہ تھاتومحض اس ارادہ سے ان بیس آیات کا پڑھنا فرض نہیں ہوگیا،جتنی مقدار پڑھی اتنی مقدارفرض ہوئی،اب اگردس آیت کی مقدار پڑھ کر بھول گیاتو یہ نہیں کہاجائے گا کہ رکن قرأت ناتمام رہا بلکہ وہ تو پورا ہوگیا۔(۲)اب بھول کرخاموش کھڑے رہنے سے رکوع میں تاخیر ہوگی جوکہ موجب سہو ہے۔(۳)فقط واللہ سبحانہ وتعالی اعلم

حررہ العبدمحمودغفرلہ،دارالعلوم دیوبند۔۲۳/۱۰/۱۳۸۸ھ۔

الجواب صحیح:بندہ محمدنظام الدین عفی عنہ،دارالعلوم دیوبند۔۲۳/۱۰/۱۳۸۸ھ۔(فتاویٰ محمودیہ:۱۵۵-۵۵۲)☆

(۱) ردالمحتار،كتاب الصلاة،فصل فى القراءة: ۵۳۶/۱،سعيد/الحبلى الكبير،فصل فى سجود السهو: ۴۶۱، سهيل أكيڈمى لاهور

(۲) "كما أن القراة قبل إيقاعها نوعت إلٰى فرض وواجب وسنة،وبعده يكون الكل فرضًا".(رد المحتار،كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة: ۴۴۵/۱،سعيد)

"وقرأ المصلى لوإماماً أومنفردًا الفاتحة وقرأ بعدها وجوبًا سورةً أوثلاث آيات ولوكانت الآية،أوالآيتان تعدل ثلاث آيات قصار،انتفت كراهة التحريم،ذكره الحلبى،ولاتنتفى التنزيهية إلا بالمسنون".(تنويرالأبصارمع الدر المختار،كتاب الصلاة،فصل فى بيان تاليف الصلاة إلى انتهائها: ۴۹۱/۱-۴۹۲،سعيد)

"ومنها القراءة،وفرضها عند أبى حنيفة رحمه اللّٰه يتأدى بآية واحدة وإن كانت قصيرةً،كذا فى المحيط، وفى الخلاصة:وهوالأصح،كذا فى التاتارخانية".(الفتاوى الهندية،كتاب الصلاة،الباب الرابع فى صفة الصلاة، الفصل الأول فى فرائض الصلاة: ۶۹/۱،رشيدية)

(۳) "وتأخيرقيام إلى الثالثة بزيادة على التشهد بقدرركن.وفيه:بحرف".(الدرالمختار)

وقال ابن عابدين رحمه اللّٰه تعالٰى:"(قوله وتأخيرقيام)أشارإلٰى أن وجوب السجود ليس لخصوص الصلاة على النبى صلى اللّٰه عليه وسلم،بل لترك الواجب،وهوتعقيب التشهد للقيام بلافصل...آه".(ردالمحتار،كتاب الصلاة، باب السجود سهو: ۸۱/۲،سعيد)

☆ تکبیرتحریمہ یارکوع میں شریک ہونے کیلئے دوڑنے کاحکم:

سوال: نمازی حضرات وضومیں مشغول ہوں،اتنے میں تکبیرشروع ہوجائے،تواس کےحصول کیلئے دوڑتے ہیں،تواس طرح دوڑناضروری ہے؟

==

بلاعذر ایک پاؤں پر کھڑے ہوکر نماز پڑھنا:

سوال: جناب مفتی صاحب! نماز میں ایک پاؤں پر بلاعذر شرعی کھڑا ہونا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

نماز میں دونوں پاؤں پر کھڑا ہونا چاہیئے، فقہاء کرام نے ایک پاؤں پر بلاعذر کھڑے ہونے کو مکروہ قرار دیا ہے، اس لئے کہ ایسی صورت میں سستی اور کاہلی ظاہری ہوتی ہے۔

لما قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ تحت قوله ومنها القيام: ويكره القيام علىٰ أحد القدمين في الصلاة بلاعذر. (رد المحتار، فرائض الصلاة: ۱/ ٤٤٤)(۱)(فتاویٰ حقانیہ:۳/۸۰)

بیٹھ کر نماز پڑھنے کے دوران کھڑے ہوجانا:

سوال: نماز بیٹھ کر پڑھنے کے دوران ایک رکعت کے بعد طاقت محسوس کی تو اب کھڑے ہوجانا درست ہے یا نہیں؟ اور بیٹھے ہوئے پڑھنے میں حرج تو نہیں؟

==

الجواب

صورت مسئولہ میں جلدی کرے، دوڑے نہیں، میانہ روی اختیار کرے، دوڑنا منع ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ جب تم اقامت سنو تو نماز کے لئے اطمینان اور وقار سے چلو، دوڑو مت۔ (بخاری، پ:۳/۸۸)

(عن أبي هريرة عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: إذا سمعتم الإقامة فامشوا إلى الصلاة وعليكم بالسكينة والوقار ولاتسرعوا فماأدركتم فصلوا ومافاتكم فأتموا. (الصحيح للبخاري، باب لايسعى إلى الصلاة وليأت بالسكينة (ح: ٦٣٦)/الصحيح لمسلم، باب استحباب إتيان الصلاة بوقار (ح: ٦٠٢)انيس)

ایک حدیث میں ہے کہ نماز کے قصد سے نکلنا نماز کے حکم میں ہے۔ (مسلم) **(عن أبي هريرة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لايزال العبد في صلاة ماكان في مصلاه ينتظر الصلاة وتقول الملائكة: اللّٰهم اغفرله اللّٰهم اغفرله، حتى ينصرف أويحدث، الخ. (الصحيح لمسلم، باب فضل صلاة الجماعة وانتظار الصلاة (ح: ٦٤٩)/ مسند اسحاق بن راهويه، مايروى عن محمدبن قيس وغيره عن أبي هريرة (ح: ٥٢٨)/مسند الإمام أحمد، مسند أبي هريرة (ح: ٩٣٧٤)/مسند أبي يعلى الموصلي، شهر بن حوشب عن أبي هريرة (ح: ٦٤٣٠)انيس)**

اسی بنا پر مستحب ہے کہ اثنائے راہ میں حتی الامکان ایسی حرکت نہ کرے جو ہیئت صلوٰۃ کے منافی ہو۔ (شرح مسلم نووی: ۱/۲۲۰)

فقط واللہ اعلم بالصواب (فتاویٰ رحیمیہ: ۱/۱۸۸)

(۱) **وفي الهندية: ويكره القيام علىٰ أحد القدمين من غير عذر وتجوز الصلاة وللعذر لايكره. (الفتاوىٰ الهندية، الباب الرابع في صفة الصلاة، الفصل الأول: ۱/ ٦٩) ومثله في الجوهرة النيره، باب صفة الصلاة: ۱/ ٥٨)**

الجواب

نفلوں میں اس طرح کرنا بہتر ہے اور اگر فرض مجبور ہوکر بیٹھ کر پڑھ رہا تھا اور طاقت آ گئی تو کھڑا ہونا فرض ہے۔(۱) فقط

احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ۔۱۶/۱۲/ ۱۳۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد عاشق الٰہی بلندی شہری۔ واللہ سبحانہ اعلم (فتویٰ نمبر: ۱۴۲۷/ ۱۸ - الف) (فتاویٰ عثمانی: ۱/۴۱۲)

چلتی ریل گاڑی میں بیٹھ کر نماز پڑھنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ دین شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص ریل گاڑی میں سفر کرتا ہے اور نماز کا وقت ہوا اب یہ شخص بیٹھ کر نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا تو جروا۔

(المستفتی: گل محمد بلوچستان۔۲۱/ ۷/ ۱۹۸۶ء)

الجواب

ریل میں بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز ہے، اگر چہ چل رہی ہو اور قیام سے معذور ہو، البتہ استقبال قبلہ ضروری ہے۔(الفتاویٰ الهندية: ۱۵۲/۲)(۲) وهو الموفق (فتاویٰ فریدیہ: ۲/۲۳۸)

---

(۱) وفی مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر: ۲۲۹/۱: ولو افتتحها قاعدًا للعجز يركع ويسجد فقدر على القيام بنى قائمًا عند الشيخين، الخ.

وإذا افتتح التطوع قاعداً وأدى بعضها قاعداً ثم بدأ له أن يقوم فقام وصلى بعضها قائماً أجزأه عندهم جميعاً أما عند أبى حنيفة وأبى يوسف رحمهما الله لا يشكل، لأن عندهما التحريمة المنعقدة للقعود منعقدة للقيام بدليل أن المريض إذا افتتح المكتوبة قاعداً ثم قدر على القيام جاز له أن يقوم ويصلى بقية الصلاة قائماً لهذا المعنى، أن التحريمة المنعقدة للقعود منعقدة للقيام وإنما يشكل على مذهب محمد رحمه الله لأن عنده التحريمة المنعقدة للقعود لا تكون منعقدة للقيام حتى أن المريض إذا قدر على القيام فى وسط الصلاة فسدت صلاته عنده مع هذا قال: هنا تجوز صلاته. وفى المريض لاتجوز صلاته والفرق لمحمد وهو أن المريض ما كان قادراً على القيام وقت الشروع فى الصلاة فما انعقدت تحريمته للقيام فأما هنا فى صلاة التطوع كان قادراً على القيام فانعقدت تحريمته للقيام فلو أنه افتتح قاعداً فكلما جاء أوان الركوع قام وقرأ ما بقى من القراءة وركع جاز، وهكذا ينبغى أن يفعل إذا صلى التطوع قاعداً. (المحيط البرهاني، الفصل الحادى والثلاثون فى صلاة المريض: ۱٤٤/۲. انيس)

(۲) قال فى الهندية: ومن أراد أن يصلى فى سفينة تطوعًا أوفريضةً فعليه أن يستقبل القبلة ولا يجوز له أن يصلى حيثما كان وجهه كذا فى الخلاصة. (الفتاویٰ الهندية، الفصل الثالث فى استقبال القبلة: ٦٣/۱-٦٤)

وفى منهاج السنن: وأما الصلاة فى السيارات البرية من القطارات وغيرها فعند الوقوف حكمها كحكم الصلاة على الأرض وعند السير حكمها كحكم الصلاة فى السفينة السائرة فمن صلى فيها قاعدًا بركوع وسجود أجزأت، و من صلى فيها بالإيماء للزحمة وضيق المحل فالظاهر من النظائر أن يعيد الصلاة، وأما الصلاة فى الطيارات فلعل حكمها كحكم الصلاة فى السفينة السائرة. (منهاج السنن شرح جامع السنن، باب الصلاة على الدابة حيث ماتوجهت به: ۲۳٤/۲)

ریل گاڑی میں بھی نماز کیلئے قیام فرض ہے:

سوال: ہم پشاور سے کراچی تک کا سفر ریل گاڑی سے کرتے ہیں، ریل گاڑی میں کثرت ازدہام کی وجہ سے کھڑے ہوکر نماز پڑھنا مشکل ہوتا ہے، ایسی صورت میں ہم بیٹھ کر نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب

نماز میں قیام فرض ہے؛ بغیر شرعی عذر کے اس کا ترک کرنا درست نہیں، (۱) اس لئے پہلے تو اپنے ہمسفر لوگوں سے درخواست کر کے نماز کے لئے جگہ مانگی جائے، اگر وہ جگہ نہ دیں تو پھر بیٹھ کر نماز ادا کر لی جائے، مگر اس کا اعادہ لازم ہے، البتہ اگر سر چکرانے یا گر جانے کا خطرہ ہو تو پھر بلا اعادہ جائز ہے۔

قال العلامة ابن نجيم: الأسير في يد العدو إذا منعه الكافر عن الوضوء والصلاة يتيمم ويصلي بالإيماء ثم يعيد إذا خرج ...، لأن طهارة التيمم تظهر في منع وجوب الإعادة، ثم قال: فعلم منه أن العذر إن كان من قبل الله تعالىٰ لا تجب الإعادة وإن كان من قبل العبد وجب الإعادة. (البحر الرائق، باب التيمم: ۱/۱۴۹) (فتاویٰ حقانیہ: ۳/۷۹)

(۱) (وأركانها) أي أركان الصلاة (ستة) أشياء أيضاً (الأول: القيام) لقوله تعالىٰ: ﴿وَقُومُوا لِلّٰهِ قَانِتِيْنَ﴾ (البقرة: ۲۳۸). (منحة السلوك شرح تحفة الملوك، فصل في أركان الصلاة: ۱/۱۰۱)

وإن عجز عن القيام وقدر على القعود فإنه يصلي المكتوبة قاعداً بركوع وسجود ولايجزيه غير ذلك لأنه عجز عن نصف القيام وقدر على النصف فما قدر عليه لزمه وماعجز عنه سقط. وإن عجز عن الركوع والسجود وقدر على القعود فإنه يصلي قاعداً بإيماء ويجعل السجود أخفض من الركوع وإن عجز عن القعود صلى مستلقياً على ظهره وإن لم يقدر إلا مضطجعا استقبل القبلة وصلى مضطجعا يومىء إيماء. والأصل في هذا كله قوله تعالىٰ: ﴿الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَماً وَقُعُوداً وَعَلٰى جُنُوبِهِمْ﴾، الخ. (آل عمران: ۱۹۱) قال الضحاك في تفسيرها: هذا بيان حال المريض في أداء الصلاة بحسب الطاقة ... وقال عليه السلام لعمران بن حصين حين عاده وهو مريض: صل قائماً فإن لم تستطع فقاعداً فإن لم تستطع فعلى جنب تومىء إيماء. والمعنى في ذلك أن الطاعة بحسب الطاقة. (المحيط البرهاني، الفصل الحادي والثلاثون في صلاة المريض: ۲/۱۴۱)

عن الضحاك قال: رأى ابن مسعود قوماً يدعون قياماً فنهاهم فقالوا: أليس قد قال عزوجل: ﴿فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيَماً وَقُعُوداً وَعَلٰى جُنُوبِهِمْ﴾؟ قال: إنما ذلك في الصلاة المكتوبة صلِّ قائماً فإن لم تستطع فمضطجعاً وقالوا مثل ذلك الآية الأخرىٰ ﴿فَإِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلَاةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيَماً وَقُعُوداً وَعَلٰى جُنُوبِهِمْ﴾. (أحكام القرآن للطحاوي، تأويل قوله تعالىٰ: الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَماً وَقُعُوداً وَعَلٰى جُنُوبِهِمْ (ح: ۴۴۵): ۱/۲۳۱) مصنف ابن أبي شيبة، في الرجل يصلي ثم يقوم يدعو (ح: ۸۴۵۵)

عن جبلة بن سحيم قال: سمعت ابن عمر، يسأل أيصلي الرجل على العود وهو مريض فقال: لا آمركم أن تتخذوا من دون الله أوثاناً من استطاع أن يصلي قائماً فليصل قائماً فإن لم يستطع فجالساً فإن لم يستطع فمضطجعاً يومىء إيماء. (مصنف عبدالرزاق، باب صلاة المريض (ح: ۴۱۳۹) انيس)

ریل کے سفر میں نماز کا مسئلہ:

سوال: ریل میں بحالت روانگی نماز ہوتی ہے، یا نہیں، اور اکثر ریل میں قبلہ کی جانب منھ بھی نہیں کرسکتا اور نہ سجدہ ہوسکتا ہے، تو کیا کرے، پڑھے یا نہ پڑھے؟

الجواب

ریل جاری میں نماز نفل تو ہوتی ہے اور فرض میں اختلاف ہے، احتیاط اولیٰ ہے، چلتی میں نہ پڑھے، کھڑی ہوئی پر پڑھے اور جو سجدہ نہ کرسکے تو توقف کرے، چوکی پر جاکر نیچے اتر کر پڑھے۔(۱)

(بدست خاص، سوال:۱۲۶) (باقیات فتاویٰ رشیدیہ:۱۵۳)

ٹرین میں ازدحام کی وجہ سے بیٹھ کر نماز:

سوال: سفر میں ٹرین پر بھیڑ کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب ــــــــ وباللّٰہ التوفیق

اگر ٹرین میں رش اور ازدحام زیادہ ہو، کھڑے ہوکر نماز پڑھنا ممکن نہ ہو اور نماز کا وقت ختم ہوجانے کا خطرہ ہو تو ایسی صورت میں بیٹھ کر نماز ادا کرلی جائے۔(۲) فقط واللہ تعالیٰ علم

محمد نعمت اللہ قاسمی۔۴/۳/۱۴۰۰ھ۔(فتاویٰ امارت شرعیہ:۲/۴۶۷)☆

(۱) چلتی ریل گاڑی میں نماز کے جائز ہونے یا نہ ہونے کا مسئلہ شروع میں اختلافی تھا، لیکن اب اس پر تمام علما کا اتفاق ہے کہ چلتی ریل میں بلا تأمل نماز ہوجاتی ہے، فرض ہو یا نفل، جو کھڑے ہوکر نماز پڑھ سکتا ہو، اس کا بیٹھ کر نماز پڑھنا یا استقبال قبلہ کے بغیر پڑھنا یا رکوع وسجود اشارہ سے کرنا درست نہیں۔ ہاں اگر گاڑی تیز رفتار ہو اور نماز کے وقت میں رکنے والی نہ ہو اور کوئی بوڑھا یا بیمار ہو کہ صحیح طرح کھڑے ہونے پر قادر نہ ہو، فرض نماز بیٹھ کر بھی پڑھ سکتا ہے اور بھیڑ کا عذر معتبر نہیں، اس صورت میں نماز مؤخر کرے یا قضا پڑھے، اس کو کچھ تفصیل اگلے نمبر پر آرہی ہے۔(پالن پوری)

(۲) (ومن تعذر علیه القیام) ... (صلی قاعدًا).(الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار: ۲/۵۶۴-۵۶۵)

☆ ریل گاڑی میں فرض نماز بیٹھ کر پڑھنا:

سوال: ریل گاڑی میں اگر بھیڑ ہو تو بیٹھ کر فرض نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب ــــــــ حامداً ومصلیاً

اگر کھڑے ہونے کی جگہ نہیں ہے تو بیٹھ کر پڑھ لے، تاکہ قضا نہ ہو، پھر جگہ ملنے پر کھڑے ہوکر اعادہ کرلے۔(وفی الخلاصة وفتاویٰ قاضیخان وغیرهما: الأسیر فی ید العدو إذا منعه الکافر عن الوضوء والصلاة، یتیمم، ویصلی بالإیماء، ثم یعید إذا خرج ... کالمحبوس لأن طهارة التیمم لم تظهر فی منع وجوب الإعادة... فعلم منه أن العذر إن کان من قبل اللّٰه تعالیٰ لا تجب الإعادة وإن کان من قبل العبد وجبت الإعادة.(البحر الرائق، کتاب الطهارة، باب التیمم: ۱/۲۴۸، رشیدیة) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ۔(فتاویٰ محمودیہ:۵/۵۵۵)

موٹر میں وضو سے نماز ممکن نہ ہو تو جیسے ہو: اشارہ سے پڑھ لے، بعد میں اعادہ کرے:

سوال: سواری کے چلتے ہوئے اگر نماز کا وقت ہو جائے اور ڈرائیور موٹر نہ روکے اور نماز کا وقت ختم ہونے کے قریب ہو تو نماز قضا کر دے اور بعد اترنے کے قضا پڑھے، موٹر میں بیٹھ کر نہ پڑھے، نماز نہ ہوگی، یہ عذر نہیں چلتا، یہ زید نامی کہتا ہے اور دلیل اس پر یہ ہے کہ ایک شخص موٹر سے اس وقت اترتا ہے کہ سورج ڈوبنے کو ہوتا ہے اور اس میں نماز پڑھنی ہوتی ہے اور پانی قریب بھی ہوتا ہے اور اسے معلوم بھی ہوتا ہے تو اگر پانی کی طرف جاتا ہے تو نماز قضا ہوتی ہے تو جیسا اب پانی کے قریب ہونے کی وجہ سے تیمّم نہ کرے، نماز قضا کرے، پانی تک پہنچ کر وضو کر کے نماز قضا پڑھے، اب یہی نماز موٹر کا مسئلہ ہے۔

مثلاً: ایک عورت ہے نماز اس نے پڑھنی ہے ڈرائیور موٹر نہیں روکتا، اب وہ عورت مردوں میں کس طرح نماز پڑھے، قیام بھی نماز میں فرض ہے، موٹر میں قیام نہیں ہوسکتا، تو زید اس دلیل کا کیا جواب ہے۔

الجواب

بحر میں ہے کہ!

وفی الخلاصة وقاضی خان وغیرهما: الأسیر فی ید العدو إذا منعه الکافر عن الوضوء والصلاة یتیمم ویصلی بالإیماء ثم یعید (إلیٰ قوله) **فعلم منه أن العذر إن کان من قبل اللّٰه تعالیٰ لاتجب الإعادة وإن کان من قبل العبد وجبت الإعادة.** (البحر الرائق، کتاب الطهارة، باب التیمم: ۱/۱۴۹)

روایت بالا سے معلوم ہوتا ہے کہ صورت مسئولہ میں نماز کو قضا نہ کرنا چاہیے، البتہ ایسی صورت میں نماز اشارہ کے ساتھ ادا کر لینی چاہئے، دوبارہ بوقت فرصت اعادہ واجب ہوگا؛ کیونکہ اشارہ سے ادا کردہ نماز پر اکتفا صحیح نہیں اور یہی حکم ہے جب کہ مذکورہ وجہ کی بناء پر بیٹھ کر گاڑی یا موٹر میں نماز ادا کی گئی ہو، پس سائل کے کلام سے یہ؛ جو مترشح ہوتا ہے کہ موٹر میں اشارہ سے یا بیٹھ کر نماز نہ پڑھے، بعد میں قضا ضروری ہے (یہ غلط ہے)؛ بلکہ بعد از اترنے موٹر کے اس نماز کا اعادہ ضروری ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفرلہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان۔ ۲۴/۱۱/۱۳۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد عبداللہ غفرلہ، مفتی خیر المدارس ملتان۔ (خیر الفتاویٰ: ۲/۲۸۵-۲۸۶)

سواری اور پیادہ پا کی حالت میں نماز کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ سواری اور پیادہ پا جانے کے وقت نماز کا کیا حکم ہے اور اس آیت کا کیا مطالبہ ہوگا: ﴿وَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالاً أَوْ رُكْبَاناً﴾. (الآية)؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: محمد امین۔ ۲/۴/۱۹۷۴ء)

الجواب

اعلم أن الراجل هو القائم على الرجلين سواء كان ماشيًا أو لا كما أن الراكب هو الواقف على المركب سواء كان ذاهبًا أو لا. لكن الفقهاء الكرام اتفقوا علىٰ كون العمل الكثير مفسدًا كما صرحوا به والمشي المتتابع عمل كثير فيكون مفسدًا وهو مقتضى الاحتياط، فافهم نعم لو ورد مشاة أو ركبانًا لقدم النص على الأصل فتقديم المحتمل على الأصل خلاف الاحتياط، وكذا الراكب هو الساكن وإنما الماشي هو المركب فالتقابل أيضًا يقتضى الاحتياط. (۱) وهو الموفق

(فتاویٰ فریدیہ: ۲/۲۴۳-۲۴۴)

بائیسکل، اسکوٹر، موٹر کار پر نماز کا حکم:

سوال: کتب فقہ میں صلاۃ علی الدابۃ کا جواز لکھا ہے کہ! "يتوجه المصلي إلىٰ ما توجهت إليه راحلته، اور چلتے چلتے پیدل نماز درست نہیں ہے تو آیا سائیکل سوار کا حکم گھوڑ سوار وغیرہ کا حکم ہے یا پیدل کا حکم ہے؟ نیز اسکوٹر اور موٹر کار کا کیا حکم ہے، ڈرائیور گاڑی چلاتے ہوئے نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب

بائیسکل کو دابہ پر قیاس کرتے ہوئے نوافل پڑھنے کی اجازت نہیں ہے اور اس پر قیاس، قیاس مع الفارق ہے، اسی طرح اسکوٹر سوار اور موٹر گاڑی کے ڈرائیور کے لئے بھی نوافل پڑھنے کی اجازت نہیں ہے، نہ ہی متوجهًا إلى القبلة اور نہ ہی حيث ما توجهت الدابة. (۲) فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ، نائب مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان۔ ۱۲/۲۶/ ۱۳۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ، رئیس الافتا جامعہ خیر المدارس ملتان۔ (خیر الفتاویٰ: ۲/۲۶۲)

(۱) قال العلامة ابن عابدين: فلا يجوز على الدابة بلا عذر لعدم الحرج كما في البحر (قوله: راكباً) فلا تجوز صلاة الماشي بالإجماع. بحر عن المجتبىٰ. (ردالمحتار هامش الدرالمختار، مطلب في الصلاة على الدابة: ۱/۵۱۶)

(۲) (ولا تصح صلاة الماشي) ولا السابع وهو يسبح، كما في المضمرات، سواء كان بعذر أم لا، فرضاً كانت الصلاة أم لا، (قوله لاختلاف المكان) ولأن كلا من المشي والسباحة مناف للصلاة وأداء الأركان مع المنافي لا يصح والله سبحانه وتعالىٰ أعلم وأستغفر الله العظيم. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح، فصل في صلاة النفل جالساً، الخ: ۱/۴۰۷)

والتقييد بالدابة ينفي جواز صلاة الماشي وهو بالإجماع كما في البحر عن المجتبى. (درر الحكام شرح غرر الحكام، التنفل قاعداً مع القدرة على القيام: ۱/۱۱۸)/البحر الرائق، التنفل راكباً: ۲/۷۰/ردالمحتار، باب الوتر والنوافل: ۲/۳۸، دارالفكر. انيس)

بیٹھ کر نماز کی شرطیں کیا ہیں:

سوال: بیٹھ کر نماز پڑھنے کی کیا کیا شرطیں ہیں؟

الجواب

نوافل میں بیٹھ کر نماز پڑھنے کی بلا عذر بھی اجازت ہے اور فرائض وواجبات میں بلا عذر اجازت نہیں اور سنن مؤکدہ کو بھی بلا عذر بیٹھ کر نہ پڑھے۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۱۵۹-۱۶۰)

پانی جہاز میں بیٹھ کر نماز پڑھنے کا حکم:

سوال: (پانی کے) جہاز میں بغیر لرزش کے بیٹھ کر نماز پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب

چلتے ہوئے جہاز میں بلا عذر بیٹھ کر فرض نماز پڑھنا بموجب قول راجح جائز نہیں ہے۔

درمختار میں ہے:

"(صلی الفرض فی فلک)جارٍ (قاعدًا بلا عذر صح) لغلبة العجز (وأساء)وقالا: لایصح إلا بعذروهو الأظهر،برهان.(۲)

پس صاحبین کا قول جو راجح ہے اس کے بموجب عدم جواز کا حکم ہے، اور امام صاحب کا قول جواز صلوٰۃ غلبۂ عجز پر مرتب ہے۔ لیکن اس زمانہ میں کہ دخانی جہاز چلتے ہیں ان میں یہ علت متحقق نہیں، لہذا بالاتفاق بلا عذر بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز نہ ہوا۔ فقط

حررہ خلیل احمد عفی عنہ۔ (فتاویٰ مظاہر علوم:۱/۹۷)

(۱) (ويتنفل مع قدرته على القيام قاعدًا)لا مضطجعًا إلا بعذر.(الدرالمختار)

(قوله ويتنفل،الخ)أى فى غيرسنة الفجرفى الأصح كما قدمه المصنف،بخلاف سنة التراويح لأنها دونها فى التأكد،فتصح قاعدًا وإن خالف المتوارث،الخ.(ردالمحتار،باب الوتروالنوافل،قبل مطلب فى الصلاة على الدابة: ٦٥٢/١،ظفير)

(ويتطوع قاعداً بغيرعذر)لأن باب النفل أوسع ثم قيل:يقعد متربعاً،والصحيح أن يقعد كما فى التشهد،لأنه عهد مشروعاً فى الصلاة (إلا سنة الفجر)لأنها فى قوة الواجب فلاتجوز قاعداً إلا من عذر.(منحة السلوك شرح تحفة الملوك،فصل فى السنن الرواتب وغيرها: ١٤٨/١.انيس)

(۲) الدرالمختارعلىٰ هامش ردالمحتار،باب صلاة المريض،مطلب فى الصلاة فى السفينة :٥١١/١-٥١٢، محمد خالد غفرله.

کیا اس شخص کیلئے بیٹھ کر نماز جائز ہے جو چلتا پھرتا ہے:

سوال: جو شخص چل پھر کر اچھی طرح ضرورت پوری کر سکے اور وہ بیٹھ کر نماز پڑھے تو درست ہے یا نہیں؟

الجواب

اگر وہ کھڑا ہو کر نماز پڑھ سکتا ہے تو بیٹھ کر نماز فرض پڑھنا درست نہیں ہے۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۱۵۴)

معذور کے لئے بیٹھ کر نماز پڑھنے کا حکم:

سوال: نماز پڑھنے میں کھڑا ہونا دشوار ہے، درد سے بالکل مجبور ہے اور سالوں سے بیٹھ ہی کر نماز ادا کرتا ہے، اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

الجواب وباللّٰہ التوفیق

ایسے معذور شخص کے لئے کھڑا ہونا ضروری نہیں، وہ بیٹھ کر نماز پڑھ سکتا ہے(۲) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم

عبداللّٰہ خالد مظاہری۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ:۲/۳۸۷)

بدون عذر فرض، وتر اور سنتِ فجر بیٹھ کر پڑھنے سے نماز نہیں ہوتی:

سوال: یہاں پر عورتوں کا دستور ہے کہ جب نماز پڑھتی ہیں، تو پہلے کھڑی ہو کر ایک رکعت چاہے فرض ہو یا سنت، پڑھتی ہیں، باقی نماز بیٹھ کے پڑھتی ہیں، اور یوں کہتی ہیں کہ ہمارے واسطے یوں ہی حکم ہے، اور حالانکہ تندرست ہیں اور کوئی تکلیف نہیں۔ آپ فرماویں کہ یہ نماز ہوتی ہے یا نہیں؟

---

(۱) (ومنها القيام)الخ (في فرض)وملحق به كنذروسنة فجرفي الأصح (لقادرعليه)وعلى السجود،فلوقدرعليه دون السجود ندب إيماء ه قاعدًا،وكذا من يسيل جرحه لوسجد.(الدرالمختار)

(قوله لقادرعليه)فلوعجزعنه حقيقةً وهوظاهرأوحكمًا كما لوحصل له به ألم شديد أوخاف زيادة المرض الخ فإنه يسقط.(ردالمحتار،باب صفة الصلاة،بحث القيام: ١/٤١٥،ظفير)

عن عمران بن حصين قال:كان بي الناصور،فسألت النبي صلى الله عليه وسلم فقال: صلِّ قائماً فإن لم تستطع فقاعداً فإن لم تستطع فعلى جنب.(سنن أبي داؤد،باب في صلاة القاعد (ح:٩٢٨)انيس)

(۲) بیٹھ کر پڑھنے میں اگر ٹیک لگانے کی ضرورت ہو تو ایسا بھی کر سکتا ہے۔

(من تعذرعليه القيام)أي كله (لمرض)حقيقي وحده أن يلحقه بالقيام ضرر،به يفتى (قبلها أوفيها) أي الفريضة (أو)حكمي بأن (خاف زيادته،أوبطء برئه بقيامه،أودوران رأسه أووجد لقيامة ألمًا شديدًا)أوكان لوصلى قائمًا سلس بوله، أوتعذرعليه الصوم كما مر(صلى قاعدًا) ولومستندًا إلى وسادة أوإنسان فإنه يلزمه ذلك على المختار.(الدرالمختارعلى صدرردالمحتار،باب صلاة المريض:٢/٥٦٤-٥٦٦.[مجاهد])

الجواب

فرض، وتر اور سنت فجر میں بدون عذر بیٹھنا جائز نہیں، نماز درست نہ ہوگی اور بقیہ سنن مؤکدہ میں بلا عذر قعود مکروہ ہے، (شامی: ۱/۶۰۷۔ ۶۴۸۔ ۶۴۷) کھڑا ہوکر پڑھنا ضروری ہے اور مرد عورت کا ایک ہی حکم ہے اور نفل میں ایسا کرنا جائز ہے کہ ایک رکعت کھڑی ہوکر پڑھی جائے باقی بیٹھ کر، وهو الأصح، اوراس میں بھی مرد عورت برابر ہیں، مگر یہ صورت صاحبین کے نزدیک نوافل میں بھی جائز نہیں، ہاں یہ جائز ہے کہ نوافل کو اول سے اخیر تک بیٹھ کر پڑھے۔ (شامی: ۱/۶۴۹) نیز نوافل میں یہ بھی اتفاقاً جائز ہے کہ دو رکعت قیاماً پڑھے اور دو رکعت جالساً، لأن كل شفعة منها صلاة علاحدة. (شامی: ص مذکور) اسی طرح شروع میں بیٹھ کر پڑھنا پھر کھڑا ہونا بالاتفاق جائز ہے۔

احقر عبدالکریم عفی عنہ۔ ۶/ربیع الثانی ۱۳۴۵ھ۔ (امداد الاحکام: ۲/۹۹) ☆

گاڑی اور کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنے کا حکم:

(۱) سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ دین اس بارے میں کہ آج کل حرم شریف میں اور دیگر مساجد میں دیکھا جارہا ہے کہ بہت سے نمازی جن کے گھٹنوں یا قدموں میں درد یا کسی قسم کی تکلیف ہے وہ کرسی یا گاڑی پر بیٹھ کر نماز پڑھتے ہیں گاڑی میں چلے آتے ہیں اور گاڑی ہی کو صف میں لگا دیا جاتا ہے اسی پر اشارے سے نماز پڑھ لیتے ہیں کرسی پر نماز پڑھنے والے بعض تو اپنے سامنے کوئی ٹیبل رکھ لیتے ہیں اس پر سجدہ کر لیتے ہیں، ان سب صورتوں کا کیا حکم ہے؟ کیا زمین پر بیٹھ کر نماز پڑھنے کی طاقت ہوتے ہوئے اس طرح گاڑی یا کرسی پر بیٹھ کر نماز ہو جاتی ہے؟ اگر بیٹھ کر نماز پڑھیں تو آلتی پالتی مار کر دائیں بائیں ٹانگیں نکال کر رکوع سجدہ کر سکتے ہیں دلائل فقہیہ کے ساتھ جواب تحریر فرمائیں۔

(سائل: احقر خالد)

☆ **چارپائی پر بیٹھ کر نماز پڑھنا:**

سوال: کیا چارپائی پر بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز ہے، بغیر کسی مجبوری کے؟

الجواب

بغیر معذوری کے بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔ (چارپائی وغیرہ پر کھڑے ہوکر نماز پڑھنا درست ہے۔ قلت: أرأيت الرجل يصلي على الطنفسة أو على الحصير أو على البوري أو على المسح أو على المصلي يسجد على ثوبه أو لبده فيسجد عليه يتقي بذلك حر الأرض وبردها؟ قال: صلاته تامة. (الأصل للشيباني، باب الدعاء في الصلاة: ۱/۱۷۸۔ ۱۷۹. انیس) (فتاویٰ احیاء العلوم: ۱/۳۲۲)

(۱) نوٹ: ''درج ذیل فتویٰ اگرچہ ہمارے دارالافتاء سے جاری شدہ نہیں ہے، بلکہ دارالافتاء جامعہ دارالعلوم کراچی سے جاری شدہ ہے؛ مگر بینات میں ''مسائل واحکام'' کے زیر عنوان چھپنے کی وجہ سے شامل اشاعت کیا جارہا ہے، اور یہ گویا دارالافتاء بنوری ٹاؤن کی تصدیق کے ساتھ شائع ہے؛ اس لئے یہ بھی دارالافتاء کے فتاویٰ کی فہرست میں شامل کیا گیا''۔

الجواب ــــــــــــــــــــ باسمه تعالیٰ

گھٹنوں یا قدموں میں معمولی تکلیف کی وجہ سے فرض نماز میں قیام کو ترک کر دینا اور بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز نہیں، ہاں اگر تکلیف اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ آدمی کھڑے ہوتے ہی گر جاتا ہے یا مرض کے بڑھ جانے یا شفایابی میں دیر لگ جانے کا ظن غالب ہو یا نا قابل برداشت تکلیف پہنچتی ہو تو بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز ہے، لیکن اگر تھوڑی دیر کے لئے ہی کھڑے ہونے کی طاقت ہو تب بھی اتنی دیر کھڑا ہونا فرض ہے، اگر چہ دیوار یا لاٹھی وغیرہ کے ساتھ ٹیک لگانی پڑے اس صورت میں بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز نہیں۔

اگر قیام پر قدرت ہو، مگر رکوع وسجدہ پر قدرت نہ ہو تو بیٹھ کر نماز پڑھنا اور اشارے کے ساتھ سجدہ کرنا جائز ہے، تاہم اس صورت میں بیٹھ کر نماز پڑھنا بہتر ہے، اسی طرح اگر رکوع وسجدہ کرنے کی طاقت ہو تو بیٹھ کر اشارے کے ساتھ رکوع وسجدہ کرنا جائز نہیں، بلکہ رکوع وسجدہ کرنا فرض ہے اس کے بغیر نماز نہ ہوگی۔ ہاں! اگر رکوع سجدہ کرنے کی بالکل طاقت نہ ہو تو اشارے کے ذریعہ سے رکوع سجدہ کیا جا سکتا ہے، لیکن سجدہ کا اشارہ رکوع کے اشارے سے زیادہ پست ہونا چاہئے۔

مذکورہ تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ قیام پر قدرت نہ ہونے کی صورت میں مریض کی لئے بنائی گئی گاڑی میں نماز پڑھنا جائز ہے، بشرطیکہ رکوع وسجدہ پر بھی قدرت نہ ہو اگر قیام پر تو قدرت نہیں مگر رکوع سجدہ پر قدرت ہے تو رکوع سجدہ کرنا فرض ہے، ایسی صورت میں اگر مذکورہ گاڑی میں سامنے ٹیبل وغیرہ رکھ کر سجدہ ادا ہو سکتا ہے تو اس میں نماز جائز ہے، ورنہ نہیں۔

عذر کی حالت میں آلتی پالتی مار کر یا جیسے آسانی ہو نماز پڑھنا جائز ہے، رکوع وسجدہ پر قدرت کی حالت میں بہر حال ورکوع وسجدہ کرنا پڑے گا۔

فی الدرالمختار: (من تعذرعليه القيام)أي كله (لمرض) حقيقي وحده أن يلحقله بالقيام ضرربه يفتیٰ.

قال ابن عابدين ناقلاً عن البحر: أراد بالتعذر التعذر الحقيقي،بحيث لو قام سقط.

(أو)حكمي بأن(خاف زيادته أوبطء برئه بقيامه أودوران رأسه أووجد لقيامه ألمًا شديدًا)... (صلى قاعدًا)... (كيف شاء)على المذهب؛لأن المرض أسقط عنه الأركان فالهيئات أولٰى،... (بركوع وسجود وإن قدرعلٰى بعض القيام)ولو متكئًا علٰى عصا أوحائط(قام)لزومًا بقدرما يقدر

ولوقدر آیة أوتکبیر ة علی المذهب؛لأن البعض معتبر بالکل(وإن تعذرا)لیس تعذرهما شرطاً تعذر السجود کافٍ(لا القیام أومأ)بالهمز (قاعدًا)وهو أفضل من الإیماء لقربه من الأرض.(۱)

کتبہ: محمد طاہر مسعود

جواب صحیح ہےاور خلاصہ یہ ہے کہ جب قیام پر قدرت نہ ہوتو زمین پر بیٹھ کر بھی نماز جائز ہےاور گاڑی پر بیٹھ کر بھی؛ لیکن دونوں صورتوں میں اگر سجدے پر قدرت ہوتو سجدہ کرنا ضروری ہوگا،خواہ زمین پر کرے،یا گاڑی کے سامنے کوئی تختہ،یا میز رکھ کر،جب اس طرح سجدے پر قدرت نہ ہو،تب اشارہ جائز ہوگا،ورنہ نہیں۔واللہ سبحانہ اعلم

احقر محمد تقی عثمانی۔۱۶/۴/۱۴۱۳ھ۔بینات۔رجب ۱۴۱۳ھ۔(فتاویٰ بینات:۲/۳۸۸-۳۹۰)

نفل نماز بیٹھ کر پڑھنے کا حکم:

سوال: زید نفل نماز بیٹھ کر پڑھتا ہے،جب کہ نماز میں قیام بھی فرائض میں شامل ہے،اس صورت میں زید کی نماز درست ہوئی یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

قیام غیر معذور شخص کے لئے فرض نمازوں میں ضروری ہے،نفل میں نہیں۔(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

عبداللہ خالد مظاہری۔۲۰/۱۱/۱۴۰۳ھ۔(فتاویٰ امارت شرعیہ:۲/۴۵۱-۴۵۲)

☆☆☆

---

(۱) تنویر الأبصار مع الدر المختار ورد المحتار،کتاب الصلاة،باب صلاة المریض:۲/۹۵-۹۸.ط:ایچ ایم سعید

(۲) (ومنها القیام)...(فی فرض)وملحق به کنذر وسنة فجر فی الأصح(لقادر علیه).(الدر المختار علیٰ صدر الرد،بحث القیام:۲/۱۳۱-۱۳۲)

ویجوز أن یتنفل القادر علی القیام قاعدًا بلا کراهة فی الأصح،کذا فی شرح مجمع البحرین لابن الملک.(الفتاوی الهندیة،باب النوافل:۱/۱۱۴)

(ویجوز أن یتنفل القادر علی القیام قاعداً)بلا کراهة فی الأصح،اختلفوا فی کیفیة القعود فی غیر حالة التشهد،عن أبی حنیفة أنه یقعد کیف شاء؛لأنه لما جازله ترک أصل القیام فترک صفة القعود أولیٰ جوازاً،وعن محمد أنه یتربع؛لأنه أعدل،وعن أبی یوسف أنه یحتبی؛لأن عامة صلاة النبی صلی اللّٰه علیه وسلم فی آخر عمره کانت بالإحتباء،وعن زفر أنه یقعد کما یقعد فی التشهد؛وهذا هو المختار،لأنه عهد مشروع فی الصلاة.(شرح مجمع البحرین لابن ملک،کتاب الصلاة،فصل فی السنن الرواتب وإدارک الفریضة وفی النوافل وأحکامها والنذر:۱۴۷، دار الکتب العلمیة بیروت.انیس)

فرض قرأت-احکام ومسائل

نماز میں قرأت فرض ہے، جس کو قرأت نہ آئے، اس کے لئے کیا حکم ہے:

مسئلہ: قرأت مطلق [نماز میں مطلق قرأت فرض ہے] ،(۱) مگر معذور کو تا حصول قرأت، قدر فرض تسبیح وتہلیل چاہیئے ،(۲) سو آپ نے؟ اگر چہ اس مصلی کو قرآن آتا تھا، مگر تعمیم فوائد کے واسطے مسئلہ معذور عن القراءۃ کا بھی فرمادیا، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ بوجہ صیغہ خطاب کے، خود مخاطب کو ہی قرآن قدر فرض کے یاد نہ تھا، یا عربی تھا یا عجمی تھا، اس سے کچھ غرض نہیں؛ بلکہ وہ عربی تھے اور قرآن بھی کچھ کچھ یاد تھا اور یہ بیان بطور تعمیم فائدہ بیان مسئلہ واقع کے ہے اور بس۔ فقط والسلام

(مجموعہ کلاں، ص:۲۴۰) (باقیات فتاویٰ رشیدیہ:۱۶۸)

---

(۱) ﴿فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ﴾.(سورۃالمزمل: ۲۰)

وأدنى مايجزى من القراء ة فى الصلاة آية عندأبى حنيفة رحمه اللّٰه وقالا:ثلاث آيات قصار أو آية طويلة لأنه لايسمى قارئاً بدونه فأشبه قراء ة مادون الآية وله قوله تعالىٰ ﴿فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ﴾.(سورۃالمزمل: ۲۰) من غيرفصل إلا أن مادون الآية خارج والآية ليست فى معناه.(الهداية شرح البداية،كتاب الصلاة: ۵۵/۱)

(وأدنى مايجزى من القراء ة فى الصلاة ما يتناوله اسم القرآن) ولودون الآية (عند أبى حنيفة) واختاره المصنف ورجحها فى البدائع وفى ظاهرالرواية آية تامة طويلة كانت أوقصيرة واختارها المحبوبى والنسفى وصدر الشريعة كذا فى التصحيح (وقال أبويوسف ومحمد:لايجزى أقل من ثلاث آيات قصار أو آية طويلة) قال فى الجوهرة: وقولهما فى القراء ة احتياط والاحتياط فى العبادات أمر حسن،آه.(اللباب فى شرح الكتاب،باب صفة الصلاة: ۷۷/۱.انيس)

(۲) عن عبد اللّٰه بن أبى أوفٰى قال:جاء رجل إلى النبى صلى اللّٰه عليه وسلم فقال:إنى لا استطيع أن آخذ من القرآن شيئاً فعلمنى مايجزئنى منه؟ قال:سبحان اللّٰه والحمد للّٰه ولا إله إلا اللّٰه واللّٰه أكبر ولا حول ولا قوة إلا باللّٰه العلى العظيم،قال:يارسول اللّٰه! هذا للّٰه عزوجل فمالى؟ قال:قل اللّٰهم ارحمنى وارزقنى وعافنى واهدنى، فلما قام قال:هكذا بيده فقال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: أما هذا فقد ملأ يده من الخير.(سنن أبى داؤد،باب مايجزىء الأمى والأعجمى من القراءة (ح: ۸۳۲)/صحيح ابن حبان،ذكرالخبر المدحض قول من أمر لمن لم يحسن القراءة (ح: ۱۸۱۰)/المعجم الأوسط،من اسمه اسحاق (ح:۳۰۲۵)/شرح السنة،باب صفة الصلاة (ح:۵۵۳)انيس)

جس کو کوئی سورت یاد نہ ہو وہ نماز کیسے پڑھے:

سوال: اگر کسی کو ایک آیت بھی یاد نہ ہو تو کیا کرے؟ حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا جواب یوں تحریر فرمایا ہے، **سبحان اللّٰہ یا الحمد اللّٰہ** بجائے قرأت کے پڑھ لے اور جلد سے جلد اس پر قرآن مجید سیکھنا اور یاد کرنا فرض ہے، قرأت فرض کی مقدار یاد کر لینا فرض اور واجب کی مقدار واجب ہے اور نہ سیکھنے میں سخت گنہگار ہوگا، مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا یہ فتویٰ درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــ باسم ملهم الصّواب

حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کا فتویٰ صحیح ہے۔(۱)

قال فی الهندية: وفی المبسوط: والوبری والأخرس والأمی الذی لایحسن شيئًا يصير شارعًا بالنيّة ولايلزمه التحريک باللسان، كذا فی التبيين. (الفتاویٰ الهندية: ۶۹/۱)(۲)

نومسلم پر اس طرح پڑھی ہوئی نمازوں کا اعادہ واجب نہیں، البتہ اگر کوئی مسلمان ایسی غفلت میں رہا اور اب توبہ کی توفیق ہوئی تو بطریق مذکور فوراً نماز شروع کر دے، مگر بقدر ضرورت قرآن یاد کر لینے کے بعد ان نمازوں کو لوٹائے۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۲؍ربیع الاول ۱۳۹۶ھ۔(احسن الفتاویٰ: ۷۹/۳)

نفل کی سب رکعتوں اور فرضوں کی دو رکعتوں میں قرأت فرض ہے، اس کا کیا سبب ہے:

سوال: نفل کی نماز میں سب رکعتوں میں سورت پڑھنا فرض ہے اور فرض نماز میں فقط دو رکعت میں سورت پڑھنا فرض ہے، اس کا کیا سبب ہے؟

الجوابــــــــــــــــ

فرضیتِ قرأت آیۃ ﴿فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ﴾ (۳) سے ثابت ہے اور فرض کی تیسری اور چوتھی رکعت

(۱) وفی المضمرات شرح القدوری: اعلم أن حفظ قدرمايجوزبه الصلاة من القرآن فرض عين على المسلمين لقوله تعالىٰ: ﴿فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ﴾. (سورةالمزمل: ۲۰)وحفظ جميع القرآن فرض كفاية وحفظ فاتحة الكتاب وسورة واجبة على كل مسلم. (البحرالرائق،آداب الصلاة: ۳۵۹/۱،وكذا فی النهرالفائق، كتاب الصلاة،فرع: ۲۳۱/۱. انيس)

(۲) وفی المبسوط: ولو نوى الأخرس والأمی الذی لايحسن شيئاً يكون شارعاً بالنية ولايلزمه التحريک باللسان. (تبيين الحقائق،فصل الشروع فی الصلاة وبيان إحرامها: ۱۰۹/۱. انيس)

(۳) سورة المزمل: ۲۰. (چار رکعت والی فرض نماز میں صرف دو رکعت میں قرأت قرآن فرض ہے، البتہ سنت کی تمام رکعتوں میں قرأت قرآن فرض ہے اور یہ ایک آیت ہے۔انیس)

میں فرض نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ صحابہ سے روایات عدم وجوب قرینہ ہیں کہ یہ امر رکعت ثالثہ ورابعہ کی بابت وجوب کے لئے نہیں۔ کما فی البحر الرائق: ٥٦/٢ :

وإنما لم تكن القراءة في الأخريين واجبة في الفرض كما هو الصحيح من المذهب مع وجود الأمر المذكور المقتضى للوجوب موجود صارف له عنه وهو قول الصحابة علىٰ خلافه كما رواه ابن أبي شيبة عن علي وابن مسعود. قال: اقرأ في الأوليين وسبح في الأخريين، لكن ذكر المحقق في فتح القدير أنه لايصلح صارفًا إلا إذا لم يرد عن غيرهما من الصحابة خلاف و إلا فاختلافهم في الوجوب لايصرف دليل الوجوب عنه فالأحوط رواية الحسن رحمه اللّٰه بالوجوب في الأخريين، انتهى.

وقد يقال إن مقتضاه لزوم قراءة ماتيسر في الأخريين وجوبًا لا تعيين الفاتحة كما هو رواية الحسن فليس موافقًا لكل من الروايتين، آه. (١)

قلت: مقتضى الأمر الوارد في الاٰية وجوب قراءة ماتيسر في الصلاة مطلقًا ولا تعرض له بالركعة ولا الركعتين ولا الأوليين ولا الأخريين وإنما قلنا بفرضية القراءة في الركعتين من الفرض لقيام الإجماع عليه ولا إجماع في الأخريين وأما تعيين الأوليين للقراءة فواجب لا فرض بدليل قضاءها في الأخريين إذا تركها في الأوليين ودليل الوجوب في ذلك مواظبة النبي صلى اللّٰه عليه وسلم علىٰ ذلك من غير ترك واللّٰه تعالىٰ أعلم

۲۶/ ذیقعدة ۱۳۴۳ھ۔ (امدادالاحکام: ۱۹۱/۲-۱۹۲)

قرأت فرض کی مقدار کیا ہے:

سوال: نماز میں قرأت فرض ہے، سو کس قدر فرض ہے؟

الجواب

مطلق قرأت بقدر ایک آیت کے فرض ہے۔

كما في الشامي: أي قراءة آية من القرآن وهي فرض عملي. (٢)

اور الحمد شریف اور اس کے ساتھ سورت ملانا واجب ہے اور مقدار چھوٹی سورۃ سے جیسا کہ "اِنَّـا اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ" تین آیتیں ہیں، واجب ادا ہو جائے گا۔ (۳) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۶۶/۲)

---

(١) البحر الرائق، كتاب الصلاة، القراءة في ركعات النفل والتر: ٦٠/٢. انيس

(٢) رد المحتار، باب صفة الصلاة، مبحث القراءة: ٤١٥/١، ظفير

(٣) وتجب قراءة الفاتحة وضم السورة أومايقوم مقامها من ثلاث آيات قصار أو آية طويلة في الأوليين. (الفتاى الهندية: ٦٦/١، ظفير)/الفصل الثاني في واجبات الصلاة/وكذا في النهر الفائق، باب صفة الصلاة: ١٩٧/١. انيس)

قرأت فرض کی مقدار:

سوال: قرأت فرض کا اولیٰ درجہ جس کے سوانماز صحیح نہیں ہوتی کیا ہے؟ بینوا تو جروا۔

الجواب ــــــــــــــــــ ومنه الصدق والصواب

بعض نے اٹھارہ حروف کا قول نقل کیا ہے، مگر احتیاط اس میں ہے کہ تیس حروف ہوں۔

قال العلاء: (وفرض القراءة اٰية على المذهب) هى لغةً: العلامة، وعرفًا: طائفة من القراٰن مترجمة، أقلّها ستة أحرف ولو تقديرًا، كلَمْ يَلِدْ، إلا إذا كان كلمة فالأصحّ عدم الصحة وإن كرّرها مرارًا، الخ.

ولو قرأ اٰية طويلة فى الركعتين فالأصح الصحة اتفاقاً لأنه يزيد علٰى ثلاث اٰيات قصار، قاله الحلبى.

قال فى الشامية: (قوله فالأصح عدم الصحة) كذا فى المنية، وهو شامل لمثل. مُدْهَآمَّتَانِ. ومثل: صٓ. و. قٓ. و. نٓ.، لٰكن ذكر فى الحلية والبحر أنّ الذى مشى عليه الإسبيجابى فى الجامع الصغير وشرح الطحاوى وصاحب البدائع الجواز فى. مُدْهَآمتان. عنده من غير حكاية خلاف.

(قوله لأنّه يزيد علٰى ثلاث اٰيات) تعليل للمذهبين؛ لأنّ نصف الاٰية الطويلة إذا كان يزيد علٰى ثلاث اٰيات قصار يصحّ علٰى قولهما فعلٰى قول أبى حنيفة المكتفى بالاٰية أولٰى ح. قال فى البحر: وعلم من تعليلهم أن كون المقروء فى كلّ ركعة النصف ليس بشرط بل أن يكون البعض يبلغ ما يعد بقرأته قارئًا عرفًا، آه.

وأيضًا فيها: لكن التعليل الأخير ربّما يفيد اعتبار العدد فى الكلمات أو الحروف... كقوله تعالٰى: ﴿ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ثُمَّ اَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ﴾ (۱) وقدرها من حيث الكلمات عشر. (۲) ومن حيث الحروف ثلاثون. (رد المحتار: ۱/۲ ۵ ۰)(۳)

وفى واجبات الصلاة من الشرح: (وضم) أقصر (سورة) كالكوثر أو ما قام مقامها، وهو ثلاث اٰيات قصار، نحو ﴿ثُمَّ نَظَرَ. ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ. ثُمَّ اَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ﴾ وكذا لو كانت الاٰية أو الاٰيتان تعدل ثلاثًا قصارًا، ذكره الحلبى.

---

(۱) سورة المدثر: ۲۳ ـ انیس

(۲) دس کلمات ضروری نہیں، صرف تیس حروف کافی ہیں۔

كما فى الشامية فى بيان كراهة إطالة الركعة الثانية على الأولٰى: فالمعتبر عدد الحروف لا الكلمات. منه

(۳) كتاب الصلاة، فصل كيفية الصلاة، فصل و يجهر الإمام، قبيل مطلب فى الفرق بين فرض العين وفرض الكفاية: ۱/۵۳۸، دار الفكر بيروت. انيس

وفی الشامية: (قوله تعدل ثلاثًا قصارًا) أی مثل. ثُمَّ نَظَرَ. الخ وهی ثلاثون حرفًا، فلوقرأ اٰية طويلة قدرثلاثين حرفًا يكون قد أتی بقدرثلاث آيات، لكن سيأتی فی فصل يجهرالإمام أن فرض القراء ة اٰية وأنّ الاٰية عرفًا طائفة من القرآن مترجمة أقلّها ستة أحرف ولوتقديرًا كلَمْ يَلِدْ إلاَّ إذا كانت كلمة فالأصح عدم الصحّة آه. ومقتضاه أنّه لوقرأ اٰية طويلة قدرثمانية عشرحرفًا يكون قد أتی بقدرثلاث اٰيات.

وقد يقال: إن المشروع ثلاث آيات متوالية علی النظم القراٰنی مثل. ثم نظر. الخ ولايوجد ثلاث متوالية أقصرمنها الخ. (رد المحتار، مطلب واجبات الصلاة: ۴۲۷/۱)(۱)

وقال الرافعی: المتبادرمن قوله ثلاثاً قصارًا الاكتفاء بقدرالثلاث من الاٰية أو الاٰيتين وإن لم تكن الثلاث علیٰ ترتيب النظم القراٰنی واشتراط ذٰلک لاتدل عليه عبارة الحلبی إذ قوله تعدل ثلاث اٰيات قصارشامل لما إذاكانت علی الوجه المشروع بأن تكون متوالية أو لا وإثباته لابدّ له من دليل فمع عدم وجوده يعمل بإطلاق عبارة الحلبی من الاكتفاء بالاٰية التی بلغت ثمانية عشر حرفًا لإقامة واجب القراء ة. (التحريرالمختار: ۵۷/۱)(۲) فقط واللّٰه تعالیٰ أعلم

۲۵ رشعبان ۱۳۷۴ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ۷۳/۳-۷۱)

سورۂ فاتحہ سے فرض قرأت ادا ہوجاتی ہے:

سوال: سورۂ فاتحہ نماز میں پڑھنے سے قرأت فرض ادا ہوجاتی ہے یانہیں؟

الجواب

فرض قرأت سورۂ فاتحہ کے پڑھنے سے ادا ہوگئی۔ (۳) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۴۷/۲)

جوشخص نماز نہ سیکھے وہ نماز کس طرح پڑھے:

سوال: جوشخص نماز نہ سیکھے، وہ کیا کرے؟

(۱) ردالمحتار، كتاب الصلاة، واجبات الصلاة: ۴۵۸/۱، دارالفكربيروت. انيس
(۲) التحريرالمختار، مطلب واجبات الصلاة.
(۳) (وفرض القراء ة آية علی المذهب) هی لغة: العلامة، وعرفًا: طائفة من القرآن مترجمة، أقلها ستة أحرف ولو تقديرًا، كلم يلد. (الدرالمختار)

(قوله علی المذهب) أی الذی هوظاهرالرواية عن الإمام. (رد المحتار، فصل فی القراء ة: ۵۰۱/۱، ظفير) (كتاب الصلاة، فصل كيفية الصلاة، فصل ويجهر الإمام، قبيل مطلب فی الفرق بين فرض العين وفرض الكفاية، انيس)
واضح رہے کہ سورت ملاناواجب ہے، اس کے سہواترک کی وجہ سے سجدۂ سہو واجب ہوگا۔ انیس

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ

قرأت سیکھنے کی کوشش کرتا رہے اور افعال صلوٰۃ ادا کرتا رہے اور چاہئے کہ امام کے پیچھے جماعت میں شریک ہوکر نماز ادا کرے، جب قرأت وغیرہ سیکھے، اس وقت نماز با قاعدہ پڑھے۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیو بند:۲/۲۰۹)

گونگا نماز کیسے پڑھے:

سوال: گونگا اور بہرا جو کہ مادرزاد بہرا ہے، نہ بات کرسکتا ہے نہ سن سکتا ہے، وہ کس طرح نماز پڑھے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــ باسم ملهم الصّواب

گونگا تکبیر تحریمہ اور قرأت کے لیے زبان ہلائے، بعض نے اس کو فرض قرار دیا ہے، مگر راجح یہ ہے کہ زبان ہلانا فرض نہیں، مستحب ہے۔

قال فی الدر المختار: (ولا يلزم العاجز عن النطق) كأخرس وأمّی (تحريک لسانه) وكذا فی حق القراءة هو الصحيح لتعذر الواجب، فلا يلزم غيره إلا بدليل فتكفی النيّة (إلٰی قوله) ثم فی الأشباه فی قاعدة التابع تابع فالمفتٰی به لزومه فی تكبيرة وتلبية لا قراءة.

وفی الشامية: (قوله ثم فی الأشباه) أقول: عبارة الأشباه علٰی ما رأيته فی عدة نسخ: وممّا خرج أی عن القاعدة الأخرس يلزمه تحريک اللسان فی تكبيرة الافتتاح والتلبية على القول به، وأما بالقراءة فلا على المختار اهـ وفی بعض النسخ على المفتی به بدل قوله على القول به: والأولٰی أحسن، لموافقتها لما ذكره صاحب الأشباه فی بحره عند قوله فرضها التحريمة، حيث نقل تصحيح عدم الوجوب فی التحريمة، وجزم به فی المحيط، ولكن يحتاج إلى الفرق بين التحريمة والتلبية، فإنّه نص محمّد علٰی أنه شرط فی التلبية، وقال فی المحيط: يستحب كما فی الصلاة، كذا فی شرح لباب المناسک، ثم قال قلت: فينبغی أن لا يلزمه فی الحج بالأولٰی؛ لأن القراءة فرض قطعیّ والتلبية أمر ظنی. (رد المحتار: ۱/ ٤٥٠)(۲) فقط واللّٰه تعالٰی أعلم

۸/شوال ۱۳۹۶ھ۔ (احسن الفتاویٰ:۳/۲۹) ☆

---

(۱) وذكر التمرتاشی: يجب أن لا يترک الأمی اجتهاده آناء ليله ونهاره ليتعلم قدر ما تجوز به الصلاة فإن قصر لم يعذر عند اللّٰه تعالٰی. (غنية المستملی: ٤٨٤) / كذا فی البناية، إمامة الأمی: ۲/ ۳۷٤، دار الكتب العلمية. انيس)

(ولا يلزم العاجز عن النطق) كأخرس وأمی (تحريک لسانه) وكذا فی حق القراءة هو الصحيح لتعذر الواجب، فلا يلزم غيره إلا بدليل فتكفی النية، لكن ينبغی أن يشترط فيها القيام، الخ. (الدر المختار، باب صفة الصلاة، فصل كيفية الصلاة، مطلب فی حديث الأذان جزم: ۱/ ٧٤، ظفير)

(۲) ردالمحتار، باب صفة الصلاة، فصل كيفية الصلاة، مطلب فی حديث الأذان جزم: ۱/ ٤٨١-٤٨٢، انيس ==

== ☆ گونگے اورقرأت:

سوال: جولوگ گونگے ہوتے ہیں، وہ لوگ بہرے بھی ہوتے ہیں، ان کونماز کے اذکار اورقرآن کی سورتیں کس طرح سکھائی جائیں، اوروہ کس طور پرنماز ادا کریں؟ (محمد جہانگیرالدین طالب، باغ امجدالدولہ)

الجواب

اگرتحریر کے ذریعہ ان کوسکھانا ممکن ہو، تو اس ذریعہ کواستعمال کیا جاسکتا ہے، غالبًا ایسے لوگوں کی تربیت کے لئے مستقل ادارے بھی ہیں، جہاں تک نماز کی بات ہے، تو چونکہ یہ قرأت سے عاجز ہیں، اس لئے ان کی نماز بغیرقرأت قرآن کے ہی درست ہوجائے گی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کواس کی طاقت وصلاحیت کے مطابق ہی مکلّف بنایا ہے۔ (﴿ لا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾ (سورة البقرة:۲۸٦-مرتب)/ "...وإن عجزعن ذلک كله تركه،الخ ... فإن عجزعن القراء ة يومي إيماء بغيرقراء ة" (الفتاوى الهندية: ١٣٧/١ - ١٣٨، الفصل الرابع عشر في صلاة المريض) (کتاب الفتاویٰ:۲/۱۹۷-۱۹۸)

گونگے کی نماز:

سوال: مادرزاد گونگا بہرہ آدمی جس نے کبھی نہ کوئی بات کان سے سنی، نہ زبان سے بولی وہ نماز کس طرح پڑھے؟

الجواب حامداً و مصلياً

ایسا شخص جب کہ قرأت پر قادر نہیں، تو وہ قراءۃ اس پر فرض نہیں، باقی جن ارکان: قیام وقعود وغیرہ پر قادر ہے، ان کوسب لوگوں کی طرح ادا کرتا رہے۔ اگراس کواتنی سمجھ ہے کہ نماز فرض ہے اور پھر نماز کو بقدر طاقت ادا نہ کرے گا، تو گنہگار ہوگا۔

"(من فرائضها)...(التحريمة)قائمًا(وهي شرط)في غيرجنازة على القادر به يفتٰى". (الدرالمختار)

قال الشامي: "أما الأمي و الأخرس لوافتتحا بالنية جاز؛لأنهما أتيا بأقصى ما في وسعهما". (رد المحتار: ٤٦٠/١) (كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ٤٤٢/١، سعيد/البحرالرائق عن المحيط، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ٥٠٨/١، رشيدية)/"وقالوا: يكتفي من الأخرس والأمي بالنية، ولا يلزمهما تحريک اللسان هو الصحيح؛ لأن الواجب حركة بلفظ مخصوص، فإذا تعذرنفس الواجب، لايحكم بوجوب غيره إلا بدليل". (النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ١٩٥/١، مكتبة إمدادية، ملتان)

"(ولايلزم العاجزعن النطق) كأخرس وأمي (تحريک لسانه) كذا في القرء ة هو الصحيح".

(در، ص: ٥٠٢) (الدر المختارعلٰى صدرالرد، كتاب الصلاة، فصل في بيان تأليف الصلاة إلى انتهائها: ٤٨١/١، سعيد)/"وفي شرح منية المصلي: ولايجب عليهما تحريک اللسان عندنا، وهوالصحيح". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ٥٠٨/١، رشيدية)

"هي فرض عين علٰى كل مكلف". (التنوير)

"ثم المكلف هو المسلم البالغ العاقل ولوأنثى أوعبدًا". (ردالمحتار: ٣٦٣) (ردالمحتارمع تنويرالأبصار، كتاب الصلاة: ٣٥١/١-٣٥٢، سعيد) فقط والله سبحانه وتعالٰى أعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور-۴/شعبان/۱۳۵۴ھ۔

صحیح: عبداللطیف مدرسہ مظاہرعلوم سہارنپور-سعیداحمد غفرلہ-۶/شعبان/۱۳۵۴ھ- (فتاویٰ محمودیہ:۵/۵۵۳-۵۵۴)

نماز میں قرأت زبان سے ضروری ہے:

سوال: اگر نماز میں قرأت دل ہی میں پڑھی زبان سے نہیں پڑھی، تو نماز ہوئی یا نہیں، اور اسی طرح اگر علاوہ نماز کے قرآن شریف دل ہی دل میں پڑھا، تو ثواب قرآن پڑھنے کا ہوا، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

نماز میں قرآن زبان سے پڑھنا فرض ہے، دل سے کفایت نہیں اور خارج نماز کے بھی تفکر کا ثواب تو ہوگا؛ مگر قرأت کا ثواب جب ہی ہوگا کہ زبان سے پڑھے۔(۱) فقط

(بدست خاص، سوال:۱۲۱، جواب:۱۲۲) (باقیات فتاویٰ رشیدیہ:۱۶۸) ☆

(۱) زبان سے پڑھنا تصحیح حروف کا درجہ ہے، یعنی زبان حرکت کرے مخارج پر لگے اور حروف کی ادائیگی ہو، چاہے اپنا پڑھنا خود بھی نہ سنے، یہ زبان سے پڑھنا ہے اور اگر اپنا پڑھنا خود سنے تو یہ سراً پڑھنے کا اعلیٰ درجہ ہے، بعض لوگ نماز پڑھتے ہیں اور ان کے ہونٹ بالکل نہیں ہلتے ، یہ دل میں پڑھنا ہے ان کی نماز نہیں ہوتی۔ (پالن پوری)

☆ دل میں قرأت ادا کرنا:

سوال: قرأت نماز میں بجائے زبان کے دل سے پڑھ لے تو نماز درست ہوگی یا نہیں؟ اور درود شریف یا قرآن یا وظیفہ دل سے پڑھے، تو ثواب زبانی حاصل ہوگا یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

اگر زبان سے کوئی لفظ نہ نکلا نہ آہستہ نہ پکار کر تو نہ فرضِ قرأت ادا ہوا، نہ سنت، نہ تسبیحات۔(درمختار میں ہے) (تفصیل کے لیے دیکھئے: **الدر المختار مع ردالمحتار، کتاب الصلاة، فصل فی القراء ة: ۵۳۵/۱، دارالفکر بیروت.)/ و کذا فی الفتاویٰ الخیریة لنفع البریة، کتاب الصلاة: ۱۲/۱-۱۳، بولاق مصر. انیس**) (تالیفات رشیدیہ:۲۷۱)

نماز میں دل ہی دل میں قرأت:

سوال: میں نے اپنے دوست کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے کہ ان کے ہونٹ قرأت قرآن کے درمیان ہلتے نہیں ہیں، استفسار کرنے پر انہوں نے کہا کہ میں آہستہ آہستہ پڑھتا ہوں، تو کیا اس طرح ہونٹ ہلے بغیر نماز ادا ہوجائے گی؟ اور جو لوگ ان کے پیچھے نماز پڑھ رہے ہیں، کیا ان کی نماز درست ہوگی؟ (خان فیروز خان، پھولانگ)

الجواب ــــــــــــــــــــ

نماز میں اس طرح قرآن کریم کو پڑھنا کافی نہیں کہ ہونٹ میں حرکت بھی نہ ہو، بعض فقہا کے نزدیک کم سے کم ضروری یہ ہے کہ حروف بن جائیں، اور زبان وہونٹ کی حرکت کے بغیر حروف نہیں بن سکتے اور اکثر اہل علم کی رائے یہ ہے کہ ایسا قرآن پڑھے کہ وہ خود یا اس کے قریب کا ایک دو آدمی سن سکے اور یہی صحیح ومعتبر رائے ہے۔

"أن أدنی المخافتة إسماع نفسه أو من بقربه من رجل أو رجلین مثلا، وأعلاها تصحیح الحروف". (رد المحتار: ۵۳۵/۲، ط: بیروت) (فصل: ویجهر الإمام، مطلب فی الکلام علی الجهر والمخافتة. انیس)

اس لئے آپ اپنے دوست کو صحیح طریقہ پر قرأت قرآن کی تلقین کریں، ہونٹ کی حرکت کے بغیر تلاوت کافی نہیں۔

(کتاب الفتاویٰ:۲/۲۰۳)

نماز میں قرأت حکایۃً ہے:

سوال: نماز میں قرآن مجید حکایۃً پڑھا جاتا ہے یا کہ انشاءً ؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــ ومنه الصدق والصّواب

نماز میں قرآن مجید حکایۃً پڑھا جاتا ہے، بدلائل ذیل:

(۱) قرآن کریم کا وہ حصہ جس میں قصص واخبار ہیں اگر نماز میں پڑھے گا تو نماز ہوجائے گی، حالانکہ اس میں انشاء کا امکان ہی نہیں۔

(۲) قرآن کریم کے ایسے جمل انشائیہ جن کا مخاطب اس وقت موجود نہیں، مثلاً :"یا مریم، یا یحیٰی، یوسف، یٰآ اَیُّهَا النَبِیُّ، یٰآ اَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ" وغیرہ پڑھنے سے نماز ہوجائے گی، حالانکہ یہ انشاءات محض حکایۃً پڑھے جاتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بھی اگر کوئی شخص نماز میں صیغ خطاب بجائے حکایت کے بہ نیت تخاطب کہے تو نماز فاسد ہوجائے گی۔ کما سیأتی.

(۳) قرآن کے جمل دعائیہ یا تسبیح وتہلیل یا تسمیہ یا سورۂ فاتحہ کو اگر حکایۃً نہ پڑھا؛ بلکہ انشاء دعا یا تسبیح وتہلیل کی نیت سے پڑھا، تو یہ جمل قرآنیت سے نکل جائیں گے۔ اسی لئے جنب وحائضہ کو اس قصد سے پڑھنے کی اجازت ہے حالانکہ تلاوت کی نیت سے صرف تسمیہ پڑھنے کی بھی اجازت نہیں، کما فی الشامیة. اس سے ثابت ہوا کہ قرآن کریم خواہ نماز میں ہو یا خارج نماز بہرکیف حکایۃً ہی پڑھا جاتا ہے۔

(۴) قال فی التنویر فی بیان ما یحرم بالحدث الأکبر: وتلاوة قراٰن بقصده.

وفی الشرح: حتی لو قصد بالفاتحة الثناء فی الجنازة لم یکره إلا إذا قرأ المصلّی قاصدًا الثناء فإنها تجزیه لأنها فی محلها فلا یتغیر حکمها بقصده. (الدرالمختار)

وفی الحاشیة: (قوله حتی لو قصد الخ) تفریع علٰی مضمون ما قبله من أن القراٰن یخرج عن القراٰنیة بقصد غیره (قوله: فلا یتغیر حکمها) وهو سقوط واجب القراء ة بها. (رد المحتار)(۱)

اس سے معلوم ہوا کہ نماز میں اگر سورۂ فاتحہ انشاءً پڑھی، تو بھی اس کی نیت معتبر نہیں، غرضیکہ قرآن مجید کے جمل خبریہ واکثر جمل ندائیہ میں تو انشاء کا احتمال ہی نہیں، اور جن جمل ندائیہ میں انشاء نداء وخطاب کا احتمال ہے ان کو بہ بقصد انشاء پڑھا تو نماز فاسد ہوجائے گی۔ کما سیأتی. باقی دعا، ثنا، تسبیح وغیرہ کے جملوں میں اگرچہ انشا کا احتمال ہے، مگر بقصد انشائیہ جمل قرآنیت سے نکل جاتے ہیں۔ کما مرّ.

(۵) قال فی شرح التنویر: (وکذا) یفسدها (کل ما قصد به الجواب) کأن قیل أ مع الله إلٰه؟ فقال:

(۱) کتاب الطهارة، سنن الغسل، مطلب یطلق الدعاء علٰی مایشتمل الثناء: ۱۷۳/۱، دارالفکر، انیس

لاَ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ،أوما مالک؟فقال:اَلْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ،أومن أين جئت؟فقال:وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَّقَصْرٍ مَّشِيْدٍ،(أوالخطاب،ک)قوله لمن اسمه يحيٰى أوموسٰى (يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتَابَ بِقُوَّةٍ) أو"وَمَا تِلْكَ بِيَمِيْنِكَ يَامُوْسٰى"(مخاطبًا لمن اسمه ذٰلک)أولمن بالباب"وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ اٰمِناً".(الدرالمختار)

وفى الشامية: (قوله: أوالخطاب،الخ)هذا مفسد بالاتفاق،وهو مما أورد نقضًا علٰى أصل أبى يوسف فإنه قراٰن لم يوضع خطابًا لمن خاطبه المصلّى وقد أخرجه بقصد الخطاب عن كونه قراٰنا وجعله من كلام الناس.(رد المحتار)(۱)

البتہ حدیث"إذا قال العبد:الحمد لله رب العالمين،قال الله تعالٰى:حمدنى عبدى،الخ"(۲) سے معلوم ہوتا ہے کہ سورۂ فاتحہ پڑھتے وقت انشا بھی ملحوظ ہے، بالکلیہ متروک نہیں۔

حقیقت صلوٰۃ پر غور کرنے سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کیوں کہ نماز شان جلالی کا مظہر ہے، بارگاہ الٰہی میں انسان حمد وثنا پیش کرنے کے بعد صراط مستقیم پر ثابت رہنے کی توفیق طلب کرنے کے لیے درخواست پیش کرتا ہے،اسی لیے امام کی قرأت مقتدین کے لیے کافی ہے، کیوں کہ درخواست پیش کرنے والا ایک ہی شخص ساری جماعت کی طرف سے نمائندہ ہوتا ہےاورسلام وآدابِ دربار ہر شخص پر لازم ہوتے ہیں،غرضیکہ صلوٰۃ میں قرآن مجید حکایۃً پڑھا جاتا ہے،مگر سورۂ فاتحہ میں انشاء بھی ملحوظ ہے،اصل مقصد اس میں بھی تلاوت قرآن ہی ہے۔

لقوله تعالٰى:﴿فَاقْرَؤُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ﴾(۳)

البتہ قرأت کو اس لحاظ سے انشاء کہا جاسکتا ہے کہ قاری اپنی طرف سے انشاء قرأت کرتا ہے،قرأت غیر کی حکایت نہیں کرتا۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم

غرہ ربیع الآخر ۱۳۷۴ھ۔(احسن الفتاویٰ:۳/۴۶-۴۸)

---

(۱) كتاب الصلاة،باب مايفسد الصلاة،مطلب المواضع التى لايجب فيها رد السلام: ۶۲۱/۱،دارالفكر.انيس

(۲) عن أبى هريرة قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول:من صلى صلاة لم يقرأ فيهابأم القرآن فهى خداع هى خداع هى خداع غيرتمام،قال،قلت:ياأباهريرة إنى أحياناً أكون وراء الإمام ،قال:فغمزذراعى ثم قال: اقرأبهافى نفسك يافارسى،فإنى سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول:قال الله تبارك وتعالیٰ:قسمت الصلاة بينى وبين عبدى نصفين،فنصفها لى ونصفها لعبدى ولعبدى ماسأل،قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اقرءوا يقول العبد:﴿اَلْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ﴾،يقول الله تبارك وتعالیٰ:حمدنى عبدى،ويقول العبد:﴿الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾،يقول الله: أثنى علىّ عبدى،ويقول العبد:﴿مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ﴾،يقول الله:مجدنى عبدى،يقول العبد:﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ﴾،فهذه الآية بينى وبين عبدى ولعبدى ماسأل،يقول العبد:﴿اِهْدِنَاالصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَاالضَّآلِّيْنَ﴾،فهؤلاء لعبدى ولعبدى ماسأل.(موطأالإمام مالک،باب القراءة خلف الإمام فيمالا يجهر فيه (ح:۳۹)ت:عبدالباقى.انيس)

(۳) سورة المزمل: ۲۰.انيس

رکوع-احکام ومسائل

کوزہ پشت رکوع کیسے کرے:

سوال: ایک آدمی کبڑا ہے اور کبڑے پن کی وجہ سے ہر وقت ایسے رہتا ہے؛ جیسے رکوع میں ہو تو جب یہ نماز پڑھے تو رکوع کیسے کرے؟

الجواب

اگر پہلے ہی اتنا جھکا ہو جتنا رکوع میں جھکتے ہیں تو ایسا شخص سر کے اشارے سے رکوع کرے، یعنی رکوع کے لئے سر کو نیچے جھکالے۔

”والأحدب إذا بلغت حدوبته الركوع يشير برأسه للركوع،آه، كذا فى الخلاصة . (الفتاوىٰ الهندية: ۳٦/۱)(۱) فقط والله أعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ، مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان-۳/۶/۱۴۰۸ھ-(خیر الفتاویٰ:۲۴۶/۲)

(۱) الفصل الأول فى فرائض الصلاة: ۷۰/۱. بولاق مصر. انيس

رکوع بھی ارکان نماز میں سے ہے، معذور کے لیے رکوع کا اشارہ ہی رکوع کے قائم مقام ہے۔

﴿الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَاماً وَّقُعُوْدًا وَعَلَى جُنُوْبِهِمْ﴾(سورة آل عمران: ۱۹۱)

عن ابن المبارك قال: سمعت إبراهيم بن طهمان وتلا قول الله عزوجل﴿الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَاماً وَّقُعُوْدًا وَعَلَى جُنُوْبِهِمْ﴾(سورة آل عمران: ۱۹۱)فقال: حدثني المكتب عن عبدالله بن بريدة عن عمران بن حصين أنه كان به البواسير، فأمره النبى صلى الله عليه وسلم أن يصلى على جنب. (المستدرك للحاكم،ومن سورة آل عمران (ح:۳۱۷۲)

عن على رضى الله عن النبى صلى الله عليه وسلم قال: يصلى المريض قائماً إن استطاع فإن لم يتسطع صلى قاعداً فإن لم يستطع أن يسجد أومأ وجعل سجوده أخفض من ركوعه فإن لم يستطع أن يصلى قاعداً صلى على جنبه الأيمن مستقبل القبلة فإن لم يستطع أن يصلى على جنبه الأيمن صلى مستقلياً رجله مما يلى القبلة. (سنن البيهقى الكبرىٰ،باب ماروى فى كيفية الصلاة على الجنب،الخ (ح:۳٦۷۸)

عن جبلة بن سحيم قال: سمعت ابن عمر يسأل أيصلى الرجل على العود وهو مريض فقال: لا آمركم أن تتخذوا من دون الله أوثاناً، من استطاع أن يصلى قائماً فليصل قائماً فإن لم يستطع فجالساً فإن لم يستطع فمضطجعا يؤمى إيماءً. (مصنف عبدالرزاق،باب صلاة المريض (ح:۴۱۳۹)

فإن عجز عن الركوع والسجود يصلى قاعدًا ويجعل السجود أخفض من الركوع فإن عجز عن القعود يستلقى ويؤمى إيماءً لأن السقوط لمكان العذر فيتقدر بقدرالعذر. (بدائع الصنائع،فصل فى أركان الصلاة: ۱۰۵/۱-۱۰٦-انيس)

بہرے مقتدی کی نماز:

سوال: ایک شخص بہرا ہے اور بینائی بھی کم ہے، جب وہ امام کے ساتھ نماز پڑھتا ہے تو کبھی امام کی آواز سنائی نہ دینے کی وجہ سے سجدہ چھوٹ جاتا ہے تو آیا ان کو ایسی حالت میں امام کے ساتھ نماز پڑھنا افضل اور بہتر یا تنہا؟ اور اگر رکوع یا سجدہ چھوٹ جائے تو کیا کرنا چاہئے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

اگر رکوع یا سجدہ بالکل چھوٹ گیا تو اس کی نماز نہیں ہوئی، (۱) اگر امام کے ساتھ نہیں ہوا؛ بلکہ اس کے بعد ادا کر لیا تو نماز ہوگئی۔ (۲) پاس والے کے رکوع سجدہ سے احساس کر کے رکوع سجدہ کر لیا کرے، جماعت کی فضیلت ایسی معذوری کی حالت میں بھی وہ حاصل کرتا ہے، تو بڑے اجر کا مستحق ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔ ۱۳۹۲/۱۱/۷ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵/۵۵۴)

تکبیر اولیٰ کے پانے سے مراد کیا ہے:

سوال: حدیث پاک میں آتا ہے کہ چالیس دن تکبیر اولیٰ کی پابندی پر دو پروانے ملتے ہیں، بعض شراح نے یہ قید لگائی ہے کہ امام کی تکبیر کے ساتھ تکبیر کہی جائے تو تکبیر اولیٰ میں شریک ہونا شمار ہوگا، کذا فی فضائل اعمال۔ ''زید'' اس کے چھوٹنے کے اندیشہ پر سنن قبل الظہر کو نماز ظہر کے بعد ادا کرتا ہے کیا یہ صحیح ہے؟ نیز عند الجمہور تکبیر اولیٰ کب تک شمار ہوگی؟ (محمد محسن علی مظاہری)

---

(۱) ''بقی من المفسدات: ...وترک رکن بلا قضاء، و شرط بلا عذر''. (الدرالمختار)

''(قوله وترک رکن بلا قضاء) کما لو ترک سجدة من رکعة وسلم قبل الإتیان بها، وإطلاق القضاء علیٰ ذلک مجاز''. (ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة وما یکره فیها، قبیل مطلب مسائل زلة القاری: ۱/۶۲۹-۶۳۰، سعید)

وکذا فی النهر الفائق، باب مایفسد الصلاة ومایکره فیها: ۱/۲۷٤، دارالکتب العلمیة. انیس

(۲) ''(...واللاحق من فاتته) الرکعات (کلها أو بعضها) لکن (بعد اقتدائه) بعذر کغفلة وزحمة وسبق حدث وصلاة خوف ومقیم ائتم بمسافر، وکذا بلا عذرٍ، بأن سبق إمامه فی رکوع وسجود فإنه یقضی رکعةً، وحکمه کمؤتم فلا یأتی بقراءة ولا سهو ولا یتغیر فرضه بنیة إقامة، ویبدأ بقضاء مافاته عکس المسبوق ثم یتابع إمامه إن أمکنه إدراکه، وإلا تابعه، ثم صلی مانام فیه بلا قراءة، ثم ما سبق به بها إن کان مسبوقًا أیضًا، ولو عکس صح وأثم لترک الترتیب''. (تنویر الأبصار مع الدرالمختار علیٰ صدر ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب فی أحکام المسبوق والمدرک واللاحق: ۱/۵۹٤-۵۹٦، سعید)

وإن رکع بعد الإمام وسجد بعده جازت صلاته. (حاشیة الشلبی علی تبیین الحقائق، فصل الشروع فی الصلاة وبیان إحرامها: ۱/۱۹۹، المطبعة الکبریٰ الأمیریة بولاق القاهرة. انیس)

الجواب ـــــــــــــــــــ

تکبیر اولیٰ کے پانے سے کیا مراد ہے؟ اس میں شارحین حدیث کی رائیں مختلف ہیں، احناف کے یہاں ترجیح اس کو ہے کہ رکوع پانے والا بھی تکبیر اولیٰ کو پانے والا سمجھا جائے گا، (۱) مولانا بنّوری نے معارف السنن میں اس موضوع پر ایک گونہ تفصیل سے بحث کی ہے۔ (۲) البتہ یہ ضرور ہے کہ ظہر کی نماز کا وقت قریب آ گیا ہو اور سنت میں مشغول ہونے کی وجہ سے پہلی رکعت کے فوت ہو جانے کا اندیشہ ہو تو سنتِ ظہر کو مؤخر کر دینا چاہئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''**إذا أقيمت الصلوٰة فلا صلوٰة إلَّا المكتوبة**''. (۳) (کتاب الفتاویٰ:۲/۱۶۸-۱۶۹)

تکبیر اولیٰ کا ثواب کب تک حاصل ہوتا ہے:

سوال: کسے اگر در رکوع رکعت اولیٰ بجماعت شریک باشد، و اراثواب تکبیر اولیٰ حاصل شود یا نہ؟ وثواب تکبیر اولیٰ تا کدام وقت از رکعت اولیٰ باقی ماند؟ (۴)

الجو ابـــــــــــــــــــ حامداً و مصلياً

برقول صحیح حاصل شود ہر کہ رکعت اولیٰ نہ یافت، ثواب تکبیر تحریمہ نہ یافت، ودریں مسئلہ اقوال دیگر نیز ذکر کردہ شدہ، قول صحیح ہمیں است کہ تحریر نمودیم۔ (۵) (كذا في الطحطاوي على مراقي الفلاح:۱۴۹) (۶) **فقط والله تعالىٰ أعلم**

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور۔ صحیح: عبد اللطیف۔ ۱۲/ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔ (فتاویٰ محمودیہ:۵/۵۷۹-۵۸۰) ☆

---

(۱) **عند أبي حنيفة واجد الركعة الأولىٰ واجد، أي فضل التحريمة ممتدًا إلى الركوع. (العرف الشذي على الترمذي: ۶۲/۱) باب ماء جاء في فضل التكبيرة الأولىٰ: ۲۴۸/۱، دار إحياء التراث الإسلامي بيروت. انيس)**

رکوع کا پانے والا نماز کو پانے والا ہوتا ہے تو پہلی رکعت کے رکوع کا پانے والا تحریمہ کی فضیلت کو پانے والا ہوگا۔

عن أبي أمامة بن سهل بن حنيف أنه قال: دخل زيدبن ثابت المسجد فوجدالناس ركوعاً فركع ثم دب حتى وصل الصف. (موطأ الإمام مالك، ت: عبدالباقي، باب مايفعل من جاء والإمام راكع (ح:۶۴)

عن زيدبن وهب قال: خرجت مع عبدالله من داره إلى المسجد فلما توسطنا المسجد ركع الإمام فكبر عبدالله ثم ركع وركعت معه ثم مشينا راكعين حتى انتهينا إلى الصف حتى رفع القوم رؤوسهم قال: فلما قضى الإمام الصلاة قمت أنا وأنا أرى لم أدرك فأخذ بيدي عبدالله فأجلسني وقال: إنك قدأدركت. (مصنف ابن أبي شيبة، في الرجل يدخل والقوم ركوع فيركع قيل أن يرفع، الخ (ح:۲۶۲۲) انيس)

(۲) دیکھئے: معارف السنن:۲/۳۴۶۔

(۳) **الصحيح لمسلم، رقم الحديث: ۷۱۰، باب كراهة الشروع في نافلة بعد شروع المؤذن/جامع الترمذي، رقم الحديث: ۴۲۱. محشي**

(۴) ترجمۂ سوال: کوئی شخص اگر پہلی رکعت کے رکوع میں جماعت میں شریک ہوا، اس کو تکبیر اولیٰ کا ثواب حاصل ہوگا یا نہیں؟ ==

تکبیر اولیٰ میں شرکت کی حد:

سوال: جماعت میں تکبیر تحریمہ میں شرکت کی جو فضیلت ہے، وہ کس وقت تک ہے، اگر کوئی رکعت اولیٰ کے رکوع میں مل گیا، تو اس کو یہ فضیلت حاصل ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ـــــــــــــــ باسم ملهم الصواب

اس میں مختلف اقوال ہیں، ادراک فاتحہ کا قول راجح ہے۔

قال في الشامية: وفي التاترخانية عن المنتقى: ...وقيل بالشروع قبل قراءة ثلاث آيات لو كان المقتدي حاضرًا، وقيل سبع لو غائبًا، وقيل بإدراك الركعة الأولىٰ، وهذا أوسع وهو الصحيح، اهـ، وقيل بإدراك الفاتحة وهو المختار، خلاصة. (رد المحتار: ۳۹۱/۱)(۱)

قلت: لفظ المختار آكد من لفظ الصحيح لأن الاختيار يستلزم التصحيح والتصحيح لايستلزم الاختيار. فقط والله تعالىٰ أعلم

۲۹رشعبان ۱۴۰۰ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ۳۲۰/۳)

== اور تکبیر اولیٰ کا ثواب پہلی رکعت کے کس وقت تک باقی رہتا ہے؟

(۵) ترجمۂ جواب: صحیح قول کے مطابق حاصل ہو جائے گا جسے پہلی رکعت نہیں ملی اس کو تکبیر تحریمہ کا ثواب بھی نہیں ملا، اس مسئلہ میں دوسرے اقوال بھی ذکر کئے گئے ہیں، مگر قول صحیح یہی ہے جو ہم نے ذکر کیا ہے۔

(۶) "وقيل إلىٰ الركعة الأولىٰ، وهو الصحيح، كما في المضمرات". (حاشية الطحطاوي علىٰ مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في بيان سننها: ۲۵۸، قديمي)

"وقيل: بإدراك الركعة الأولىٰ، وهذا أوسع، وهو الصحيح" آه. (ردالمحتار، كتاب الصلاة، فصل في بيان تاليف الصلاة إلى انتهائها، مطلب في وقت إدراك فضيلة الافتتاح: ۵۲۶/۱، سعيد)

☆ تکبیر اولیٰ کا ثواب کب تک ہے:

سوال: تکبیر تحریمہ میں شامل ہونے کی حد کیا ہے؟ پہلی رکعت کے رکوع سے پہلے پہلے آ کر شامل ہو جائے، تو تکبیر تحریمہ کی فضیلت ملے گی یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــ حامداً ومصلياً

مذکورہ مسئلہ درمختار میں ہے۔ تکبیر اولیٰ میں شامل ہونے کی حد میں اختلاف ہے، مگر صحیح قول یہی ہے کہ جس نے پہلی رکعت پالی، اس کو تکبیر اولیٰ کی بھی فضیلت حاصل ہوگئی۔

"أما فضيلة تكبيرة الافتتاح، فتكلموا في وقت إدراكها، والصحيح: من أدرك الركعة الأولىٰ، فقد أدرك فضيلة التكبيرة الأولىٰ، كذا في الحصر في باب أبي يوسف". (الفتاویٰ الهندية، طبع كانپور: ۳۵/۱)(كتاب الصلاة، باب الرابع في صفة الصلاة، الفصل الأول في فرائض الصلاة: ۶۹/۱، رشيدية) **فقط والله تعالىٰ أعلم**

حررہ العبد محمود غفرلہ۔ الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵۸۰/۵-۵۸۱)

حاشيه صفحه هذا:

(۱) كتاب الصلاة، فصل في بيان تاليف الصلاة إلى انتهائها، مطلب في وقت إدراك فضيلة الافتتاح، انيس

امام کو رکوع میں پانے والے کی رکعت کا حکم:

سوال: جماعت کے اندر کوئی شخص رکوع میں آکر ملا تو امام کے اٹھنے سے قبل کتنی مرتبہ تسبیح پڑھ لینے سے اس کی وہ رکعت پوری ہو جائے گی؟

الجواب ــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

امام کے ساتھ رکوع میں جب آدمی شریک ہو گیا تو اس کی رکعت پوری ہو گئی۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی۔ ۲۸/۱۱/۱۳۶۹ھ۔(فتاویٰ امارت شرعیہ:۲/۲۲۸)

رکوع پانے سے رکعت پانے کی دلیل:

سوال: اگر کوئی شخص رکوع میں شاملِ نماز ہو، تو عام طور پر یہی کہا جاتا ہے کہ اس نے رکعت پالی، لیکن بعض حضرات کہتے ہیں کہ رکوع پانا اس رکعت کا پانا نہیں ہے، کیا اس سلسلہ میں حدیث سے کوئی روشنی ملتی ہے؟

(عبدالماجد نظامی، ٹولی چوکی)

الجواب ــــــــــــــــ

امام مالک نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے:

”من أدرک الرکعة فقد أدرک السجدة“.

اس میں اہل علم کے نزدیک رکعت سے رکوع مراد ہے اور سجدہ سے رکعت نماز، کیونکہ دوسری احادیث میں بھی سجدہ بمعنی رکعت استعمال ہوا ہے، اب معنی یہ ہوئے کہ جس نے رکوع پایا اس نے رکعت پالی، اور آگے یہ فقرہ ہے کہ ”جس سے سورۂ فاتحہ فوت ہو گئی، وہ خیر کثیر سے محروم ہوا“۔

”ومن فاتته قرأته بأم القرآن فقد فاته خير كثير“.(۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد سے واضح ہے کہ اگر کوئی شخص حالت قیام میں شریک نماز نہ ہو سکے، تو گویا بڑی محرومی کی بات ہے، لیکن بہر حال رکوع پالینے کی وجہ سے، وہ اس رکعت کو پانے والا متصور ہوگا۔

---

(۱) ”عن ابن عمر أنه قال:”إذا أدركت الإمام راكعًا فركعت معه قبل أن يرفع رأسه فقد أدركت الركعة وإن رفع رأسه قبل أن تركع فقد فاتتک تلک الركعة“.(تبيين الحقائق، باب إدراک الفريضة: ۱/۱۸۵)

عن ميمون قال:إذا دخلت المسجد والقوم ركوع فكبرت قبل أن يرفعوا رؤوسهم فقد أدركت الركعة.(مصنف ابن أبی شيبة،من قال:إذا أدركت الإمام وهو ركوع،الخ (ح:۲۵۲۳)انيس)

ایک لحہ بھی امام کو رکوع میں پالینے سے رکوع پانے والا سمجھا جائے گا، خواہ ایک تسبیح پڑھنے کی مقدار بھی یہ کیفیت نہ رہی ہو۔انیس

(۲) موطأ الإمام مالک:۱/۴۰. (ت:عبدالباقی،باب من أدرک رکعة من الصلاة (ح:۱۸)انيس)

مشہور فقیہ امام طحاویؒ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''من أدرک الرکوع فقد أدرک الرکعة''.(۱)

''جب تم نماز میں آؤ اور ہم لوگ سجدہ کی حالت میں ہوں، تو تم بھی سجدہ میں شریک ہوجاؤ، اور اسے کچھ شمار نہ کرو، اور جس نے رکوع کو پالیا، اس نے رکعت پالی''۔(۲)

اس لئے صحیح یہی ہے کہ جو شخص رکوع کو پالے وہ اس رکعت کو پانے والا سمجھا جائے گا۔ (کتاب الفتاویٰ:۲/۱۷۹-۱۸۰) ☆

---

(۱)　طحاوی:۱/۲٤۸۔

عن أبی هريرة رضی الله عنه أن رسول الله صلی الله عليه وسلم قال:من أدرک الصلاة رکعة فقد أدرک الصلاة. (شرح معانی الآثار،باب بيان مشکل ما روی عن رسول الله صلی الله عليه وسلم فيمن أدرک من الصلاة أنه قد أدرک الصلاة وفضلها (ح:۲۳۲۰) :۹۲/٦)

عن طارق قال: کنا مع ابن مسعود رضی الله عنه جلوساً فجاء آذنه فقال:قدقامت الصلاة فقام وقمنا فدخل المسجد فرأی الناس رکوعاً فی مقدم المسجد فکبر فرکع ومشی وفعلنا مثل ما فعل.(شرح معانی الآثار،باب من صلی خلف الصف وحده (ح:۲۳۲۳)

اسحاق بن راهويه قال:إذا قرأفی ثلاث رکعات إماماً أومنفرداً فصلاته جائزة بما اجتمع الناس عليه أن من أدرک الرکوع أدرک الرکعة.(التمهيد لما فی الموطأ من المعانی والأسانيد،الحديث الثانی: ۱۹۸/۲۰)انيس)

(۲)　دیکھئے : الجامع للإمام الترمذی،رقم الحديث: ۵۹۱،باب ما ذکر فی الرجل الذی يدرک الإمام وهوساجد کيف يصنع؟محشی

عن معاذبن جبل قال:قال النبی صلی الله عليه وسلم :إذا أتی أحدکم الصلاة والإمام علی حال فليصنع کما يصنع الإمام.(رواه الترمذی وکذا رواه الشاشی فی المسند،عبدالرحمن بن أبی ليلیٰ عنه (ح: ۱۳۵۹)/والطبرانی فی الکبير،عمروبن مرة عن عبدالرحمن بن أبی ليلیٰ (ح:۲٦۷)

قال الترمذی:هذا حديث غريب،لانعلم أحداً أسنده إلا من هذا الوجه،والعمل علی هذا عند أهل العلم، قالوا:إذا جاء الرجل والإمام ساجد فليسجد ولاتجزيه تلک الرکعة إذا فاته الرکوع مع الإمام واختارعبدالله بن المبارک أن يسجد مع الإمام وذکرعن بعضهم فقال:لعله لايرفع رأسه فی تلک السجدة حتی يغفرله.(سنن الترمذی،باب ماذکرفی الرجل يدرک الإمام وهوساجد کيف يصنع (ح:۵۹۱)انيس)

☆ رکوع میں امام کو پانے کی حد:

سوال: جماعت کھڑی ہوجانے کے بعد لوگ جلدی سے جاکر جماعت میں شریک ہوجاتے ہیں، بعض لوگوں کو رکوع کی تسبیح ایک مرتبہ بھی پڑھنے کا موقع نہیں مل پاتا، تو کیا اس رکعت کو بھی شمار کیا جائے گا اور وہ اس کو پانے والا سمجھا جائے گا؟

(مرزا الطاف بیگ، کنڈاکرتی) ==

عیدین میں رکوع چھوٹ جانے سے نماز نہیں ہوگی:

سوال: عیدالاضحیٰ کی نماز پڑھاتے وقت امام نے غلطی سے دوسری رکعت میں رکوع ہی نہیں کیا، اس صورت میں نماز ہوئی یا نہیں؟

==

الجواب

امام کے ساتھ شامل ہونے کے لئے دوڑتے ہوئے نہ جانا چاہئے کہ اس سے سانس اکھڑنے لگتی ہے اور خشوع وخضوع باقی نہیں رہتا، اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وقار کے ساتھ چل کر جانے کا حکم دیا ہے۔(سنن أبي داؤد،رقم الحديث: ٥٧٢،باب السعي إلى الصلاة، الصحيح لمسلم،رقم الحديث: ١٣٥٩.محشی)/أبوهريرة يقول:قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:إذا ثوب بالصلاة فلاتأتوها وأنتم تسعون وأتوها وعليكم السكينة فما أدركتم فصلوا ومافاتكم فأتموا فإن أحدكم في صلاة ماكان يعمد إلى الصلاة.(موطأالإمام مالك،ت:عبدالباقي،باب ماجاء في النداء للصلاة (ح:٤)انیس)

تاہم اگر کوئی شخص امام کو ایک لمحہ بھی رکوع میں پالے، یہاں تک کہ قیام کی حالت سے پہلے اٹھتی ہوئی حالت میں، تب بھی اقتدا درست ہوجائے گی، اور وہ اس رکعت کو پانے والا سمجھا جائے گا:

”... الأصح أن يعتد بها إذا وجدت المشاركة قبل أن يستقيم قائمًا وإن قل“. (الفتاویٰ الهندية: ١٢٠/١)الباب العاشر في إدراك الفريضة/وكذا في البناية شرح الهداية،حكم من انتهى إلى الإمام في صلاة الفجر: ٥٧٩/٢،دارالكتب العلمية بيروت.انیس)

(کتاب الفتاویٰ:۲/۱۷۸-۱۷۹)

کب رکوع میں شمولیت سمجھی جائے گی:

سوال: کسی بھی نماز کی جماعت میں اگر رکوع میں شامل ہوجائیں، تو اس رکعت کو شمار کیا جائے گا، لیکن اگر رکوع میں ایسے وقت داخل ہوئے کہ ایک مرتبہ بھی پوری طرح سے ”سبحان ربي العظيم“ نہ پڑھ سکیں، تو کیا اس صورت میں بھی رکوع اور رکعت میں شمولیت سمجھی جائے گی؟ یا ایک بار تسبیح پڑھنے پر ہی رکعت شمار کی جائے گی؟ کیونکہ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ”اللّٰه أكبر“ کہہ کر رکوع میں جاتے رہتے ہیں، اور امام صاحب تکبیر کہتے ہوئے اٹھتے ہیں، تو ایسی صورت میں کیا تصور کرنا چاہئے؟

(نادر المسدرسی، مغلپورہ)

الجواب

اگر امام کے رکوع سے سر اٹھانے سے پہلے پہلے ایک لمحہ بھی مقتدی نے امام کو رکوع میں پالیا، گو ایک تسبیح سے کم ہو، تو وہ اس رکعت کو پانے والا سمجھا جائے گا، البتہ اگر امام رکوع سے اٹھنے کی حالت میں ہو اور مقتدی جانے کی حالت میں، تو اس رکعت کو دہرانا ہوگا۔

”ولكنه لم يدرك الركعة حيث لم يدرك في جزء من الركوع قبل رفع رأسه منه...“ .(مراقي الفلاح: ٢٤٧. نیز دیکھئے:الدرالمختارمع رد المحتار ،مطلب في إدراك فضيلة الافتتاح:٥١٦/٢.محشی)

(کتاب الفتاویٰ:۲/۱۷۷-۱۷۸)

الجواب ــــــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

ہر نماز میں رکوع فرض ہے؛ اس لئے اگر عید الاضحیٰ کی نماز میں امام نے دوسری رکعت میں رکوع نہیں کیا تو نماز نہیں ہوئی۔(۱) اسی وقت اس نماز کا اعادہ کرنا چاہئے تھا، اس کی قضا نہیں کی جاسکتی۔(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی۔۲۰۲/۱/۵/۱۳۷۷ھ۔(فتاویٰ امارت شرعیہ:۲/۲۵۸)

(۱) "(من فرائضها) التي لا تصح بدونها (التحريمة) ... (ومنها الركوع) بحيث لومدّ يديه نال ركبتيه". (الدرالمختار على هامش ردالمحتار، باب صفة الصلاة: ۲/۱۲۷-۱۳٤)

(۲) (وتؤخر بعذر)... (إلى الزوال من الغد فقط) ... (وأحكامها أحكام الأضحى، لكن هنا يجوز تأخيرها إلى آخر ثالث أيام النحر بلا عذر مع الكراهة، وبه) أي بالعذر (بدونها). (الدرالمختار)

"(قوله فقط) راجع إلى قوله: بعذر فلا تؤخر من غير عذر، وإلى قوله إلى الزوال فلا تصح بعده، وإلى قوله من الغد فلا تصح فيما بعد غد ولو بعذر كما في البحر، ط. (ردالمحتار، باب العيدين، قبل مطلب لايلزم من ترك المستحب ثبوت الكراهة الخ: ۳/۹٥) / وكذا في البحر الرائق، كتاب العيدين: ۲/۱۷٥، دارالكتاب الإسلامي. انيس)

رکوع:

سر کے ساتھ پشت کے جھکنے کا نام رکوع ہے۔(مراقی)

مسئله: شریعت میں رکوع کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ پشت اتنی جھکے کہ ہاتھ پھیلا کر گھٹنے کو پالے۔(طحاوی)

مسئله: کامل رکوع اس قدر جھکنا ہے کہ سر اور کمر برابر رہے اور ہاتھ پسلیوں سے جدا رہیں اور دونوں گھٹنوں کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ لیا جائے۔(تعلیم الاسلام:۳/۶۴)

مسئله: رکوع میں سنت یہ ہے کہ اپنے دونوں ہاتھ گھٹنے پر رکھے اور دونوں ہاتھوں سے گھٹنے کا سہارا لے اور انگلیاں ایک دوسرے سے الگ رکھے ملائے نہیں اور پنڈلیاں سیدھی رکھے کمان کی طرح جھکانا مکروہ ہے اور سر، پشت اور کمر کو اس طرح برابر رکھے کہ کہیں سے کوئی حصہ نہ اونچا رہے اور نہ نیچا رہے۔(شامی:۱/۳۳۲)

مسئله: رکوع میں باہیں (بازو) پہلو سے الگ رہیں، انگلیاں قبلہ رخ رہیں۔(شامی:۱/۳۳۲)

مسئله: عورت اس طرح رکوع کرے کہ ہلکا سا جھکے انگلیاں ایک دوسرے سے الگ نہ رکھے سب ملی رہیں دونوں ہاتھ دونوں گھٹنے پر صرف رکھے اپنے گھٹنے کچھ (خمی) ٹیڑھا کرلے اور باہوں کو پہلوؤں سے الگ نہ کرے۔(شامی:۱/۳۳۲)

مسئله: رکوع کی تسبیح تین دفعہ کہنا سنت کا ادنی درجہ ہے اور پانچ مرتبہ اوسط اور سات مرتبہ اعلیٰ اور اس سے زیادہ طاق عدد کہنا افضل ہے لیکن امام اتنی مرتبہ کہے کہ مقتدیوں کو گراں نہ گزرے۔(طحاوی، ص:۱۴۴)

مسئله: تسبیح تین مرتبہ سے کم کہنا مکروہ تنزیہی ہے۔(مراقی، ص:۱۴۴)

مسئله: امام نے رکوع میں زیادہ تسبیحیں پڑھی یا قراءت لمبی کردی؛ تاکہ آنے والے کو رکعت مل جائے اور طاعت پر مدد ہو جائے تو حرج نہیں ہے اور اگر اس لئے کیا کہ زیادہ تسبیح یا لمبی قرأت سے اللہ کی قربت زیادہ ہوگی تو ایسا کرنا افضل ہے اور اگر اس طرح کے ارادہ سے قرأت یا رکوع اتنا لمبا کردیا کہ مقتدیوں کو گراں گزرا، یا آنے والے کی محبت یا حیا یا دنیا والوں کی رعایت کی وجہ سے ایسا کیا تو مکروہ تحریمی؛ بلکہ شرک کا خطرہ ہے۔(شامی:۲/۳۳۲) (طہارت اور نماز کے تفصیلی مسائل:۲۲۶-۲۲۷) (انیس)

سجدہ-احکام ومسائل

نماز میں سجدہ کا حکم:

سوال: نماز میں سجدہ افضل ہے یا نہیں؟

الجواب

نماز میں سجدہ ورکوع وقیام سب ہی فرض ہیں۔(۱) بعض اعتبار سے سجدہ افضل ہے اور بعض اعتبار سے قیام افضل ہے۔(۲) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۲/۱۵۱)

---

(۱) (من فرائضها)التی لا تصح بدونها (التحريمة)قائمًا الخ (ومنها القيام) بحيث لومدّ يديه لاينال ركبتيه ، الخ (فی فرض)الخ (لقادرعليه) الخ (ومنها القراء ة)لقادرعليها،الخ (ومنها الركوع)الخ (ومنها السجود) الخ.(الدر المختارعلىٰ صدر رد المحتار،باب صفة الصلاة:۱/۴۱۶،ظفير)

(ومنها)السجود لوجود حد الركن وعلامته فی كل واحد منهما وقال اللّٰه تعالىٰ:﴿يٰاَيُّها الَّذِيْنَ آمَنُوْا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا﴾(سورة الحج:۷۷)والقدرالمفروض من الركوع أصل الإنحناء والميل ومن السجود أصل الوضع.(بدائع الصنائع،فصل فی أركان الصلاة:۱/۱۰۵،دارالكتب العلمية)

﴿يٰاَيُّها الَّذِيْنَ آمَنُوْا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا﴾(سورة الحج:۷۷)فی صلاتكم وكان أول من أسلموا يصلون بلاركوع وسجود فأمروا أن تكون صلاتهم بركوع وسجود وفيه دليل على أن الأعمال ليست من الأيمان وأن هذه السجدة للصلاة لا للتلاوة.(مدارک التنزيل وحقائق التأويل للنسفی،من سورة الحج:۲/۴۵۶،دارالكلم الطيب بيروت)

أی صلوا عبر عن الصلاة بالركوع والسجود لأنهما ركنان لها لازمان لا تنفک عنهما بخلاف غيرهما من الأركان فإن القراء ة تسقط عن الأخرس والقيام عمن لا يستطيعه وأما الركوع والسجود فلايسقطان عند أبی حنيفة رحمه اللّٰه حيث قال:من لم يقدر على الأيماء برأسه للركوع والسجود يتأخر عنه الصلاة ولا يتأدى بالأيماء بالحاجب أو القلب،الخ.(تفسيرالمظهری،من سورة الحج:۶/۳۵۰،مكتبة الرشدية باكستان.انيس)

(۲) (وكثرة الركوع والسجود أحب من طول القيام)كما فی المجتبىٰ، الخ ، وأن مذهب الإمام أفضلية القيام.(الدر المختارعلىٰ صدر رد المحتار،باب الوتروالنوافل،مطلب قولهم كل شفع من النفل،الخ :۱/۶۳۳)

تفصیل کے لئے دیکھئے !ردالمحتار حاشية الدرالمختار.ظفير (ردالمحتار،باب الوتر والنوافل: ۲/۱۷، دارالفكر.انيس)

دونوں رکعتوں کے دونوں سجدے فرض ہیں:

سوال: رکعت واحدہ میں ہر دو سجدہ فرض ہیں یا ایک واجب و ایک فرض، درصورت اخیرہ فرض کون سا ہوگا اور واجب کون سا؟

الجواب

دونوں سجدہ ہر ہر رکعت میں فرض ہیں۔(۱)

(مجموعہ رامپور، ص:۹) (باقیات فتاویٰ رشیدیہ:۱۷۱)

کیا ہر رکعت میں دونوں سجدے فرض ہیں:

سوال: کیا نماز کی ہر رکعت میں دونوں سجدے فرض ہیں، یا ایک سجدہ فرض اور دوسرا واجب ہے؟

الجواب وباللّٰہ التوفیق

دونوں سجدے فرض ہیں۔

درمختار میں ہے:

وتكراره تعبد ثابت بالسنة كعدد الركعات.(۱۳۵/۲)(۲) فقط والله تعالیٰ أعلم

عبداللہ خالد مظاہری۔۹/۴/۱۴۱۰ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ:۴۴۰/۲)

(۱) فإن قلت: ما الحكمة فى تكرار السجود دون الركوع؟ قلت: مذهب الفقهاء أنه تعبد لا يطلب فيه المعنى كعدد الركعات والسجدة الثانية فرض كالأولىٰ بالإجماع، والجلوس بينهما قدر التسبيح، وأما عند أهل الحكمة فقد اختلفوا فقيل: ترغيماً للشيطان، فإنه أمر بالسجود فلم يفعل، فنحن نسجد مرتين ترغيماً له، وإليه أشار النبى صلى الله عليه وسلم فى سجود السهو وقال: هما سجدتان ترغيماً للشيطان، الخ.(البناية شرح الهداية، كتاب الصلاة: ۲۴۸/۲، دار الكتب العلمية بيروت. انيس)

(۲) (من فرائضها) التى لا تصح بدونها (التحريمة) ...(ومنها السجود)...وتكراره تعبد ثابت بالسنة كعدد الركعات.(الدر المختار: ۱۲۷/۲-۱۳۵)(الدر المختار علىٰ صدر رد المحتار، باب صفة الصلاة)

(و) يفترض (العود إلى السجود) الثانى لأن السجود الثانى كالأول فرض بإجماع الأمة.(مراقى الفلاح شرح نور الإيضاح، كتاب الصلاة: ۸۸، المكتبة العصرية)

عن أبى هريرة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم دخل المسجد فدخل رجل فصلى فسلم على النبى صلى الله عليه وسلم فرد وقال: ارجع فصل فإنك لم تصل، فرجع يصلى كما صلى ثم جاء فسلم على النبى صلى الله عليه وسلم فقال: ارجع فصل فإنك لم تصل، ثلاثاً، فقال: والذى بعثك بالحق ما أحسن غيره فعلمنى، ==

نماز میں سجدہ چھوٹ جائے، تو کس وقت ادا کرے:

سوال: اگر نماز کا کوئی سجدہ چھوٹ گیا ہے تو اس کی قضا کس طرح اور کب تک کر سکتے ہیں؟

== فقال:إذا قمت إلى الصلاة، فكبر،ثم اقرأ ماتيسر معک من القرآن ثم اركع حتى تطمئن راكعاً ثم ارفع حتى تعتدل قائماً ثم اسجد حتى تطمئن ساجداً ، ثم ارفع حتى تطمئن جالساً ، ثم اسجد حتى تطمئن ساجداً ، ثم افعل مثل ذلک فى صلاتک كلها .(الصحيح للبخارى،باب أمر النبى صلى الله عليه وسلم الذى لا،الخ (ح:٦٢٥١)انيس)

☆ **کیا ہر رکعت میں دو سجدے فرض ہیں:**

سوال: کیا دوسرا سجدہ واجب ہے؟ اگر امام کا ایک سجدہ چھوٹا تو سجدہ سہو ہوگا، نیز مقتدی کا ایک سجدہ چھوٹا، یعنی امام سجدہ سے کھڑے ہو کر مثلاً امام سورت پڑھنے لگا یا مقتدی کا رکوع چھوٹا جب تک امام سجدہ ثانیہ میں پہنچا تو اب مقتدی کیا کرے؟

الجواب ــــــــــــــــ حامداً و مصلياً

ہر رکعت میں دو سجدے فرض ہیں، ایک بھی ترک ہو جائے گا، تو نماز صحیح نہیں ہوگی۔(السجود الثانى فرض كالأول بإجماع الأمة، كذا فى الزاهدى".(الفتاوى الهندية،كتاب الصلاة،الباب الربع فى صفة الصلاة،الفصل الأول فى فرائض الصلاة: ٧٠/١،رشيدية)/"والمراد من السجود: السجدتان فأصله ثابت بالكتاب والسنة والإجماع،كونه مثنى فى كل ركعة بالسنة و الإجماع،وهو أمر تعبدى لم يعقل له معنى علىٰ قول أكثر مشايخنا تحقيقًا للابتلاء".(البحر الرائق،كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة: ٥١١/١،رشيدية)

سجدۂ سہو کافی نہیں ہوگا۔("وفى الولوالجية:الأصل فى هٰذا أن المتروک ثلاثة أنواع: فرض وسنة وواجب،ففى الأول إن أمكنه التدارک بالقضاء يقضى،وإلا فسدت صلاته،وفى الثانى لاتفسد،لأن قيامها بأركانها وقد وجدت، ولايجبر بسجدة السهو،وفى الثالث إن ترک ساهيًا يجبر بسجدتى السهو،وإن ترک عامدًا،لا،كذا فى التتارخانية".(الفتاوى الهندية،كتاب الصلاة،باب سجود السهو: ١٢٦/١،رشيدية)

جس مقتدی سے شرکت کے بعد رکوع چھوٹ گیا تو وہ رکوع کرنے کے بعد سجدہ میں امام کے ساتھ جا ملے، جس سجدہ میں بھی شریک ہو جائے گا، درست ہے۔(عن أبى هريرة رضى الله عنه قال:قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:إذا جئتم إلى الصلاة ونحن سجود، فاسجدوا و لا تعدوه شيئًا ، ومن أدرک ركعة فقد أدرک الصلوٰة ".رواه أبوداؤد.(مشكوة المصابيح،كتاب الصلاة،باب ماعلى المأموم من المتابعة وحكم المسبوق: ١٠٢/١،قديمى)/سنن أبى داؤد،باب فى الرجل يدرک الإمام ساجداً كيف يصنع (ح:٨٩٣)انيس)

"بخلاف مالوأدركه فى القيام ولم يركع معه فإنه يصير مدركاً لها فيكون لاحقًا فيأتى بها قبل الفراغ".(الدرالمختار)/"(قوله فيأتى بها قبل الفراغ)المراد أنه يأتى بها قبل متابعة الإمام فيما بعدها،حتى لوتابع الإمام ثم أتى بعد فراغ إمامه بمافاته صح وأثم لترک واجب الترتيب".(ردالمحتار،كتاب الصلاة،باب إدراک الفرضية،قبل باب قجاء الفوائت: ٦٠/٢-٦١، سعيد)

==

الجواب ـــــــــــــــ و باللّٰہ التوفیق

اگر کسی رکعت میں ایک ہی سجدہ کیا اور دوسرا سجدہ بھول گیا اور دوسری یا تیسری رکعت کے بعد یا قعدۂ اخیرہ میں التحیات پڑھنے کے قبل یاد آ جائے تو اس سجدہ کو ادا کیا جائے، (۱) اور پھر سجدۂ سہو کر لیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

سہیل احمد قاسمی۔ ۵/ذیقعدہ ۱۴۰۹ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲/۳۸۸)

فرض کے ترک پر شبہ کی صورت میں امام اور مقتدیوں میں سے کس کے قول پر عمل ہوگا:

سوال: زید امام ہے اور اس کو شبہ ہوا کہ میں نے رکعت ثالثہ میں ایک ہی سجدہ کیا ہے اور اس شبہ کی بنا پر سجدۂ سہو کر لیا اور بعد سلام حضرات مقتدین سے اس کا اظہار کیا تو انہوں نے بتایا کہ آپ کا شبہ غلط ہے، آپ نے دو ہی سجدہ کیا ہے تو صورت مذکورہ میں فرض کے ترک پر شبہ کرنے سے زید کا سجدۂ سہو کرنا کافی ہو گیا، یا یہ کہ نماز کا اعادہ کرنا ہوگا؟ بینوا توجروا۔

== "وأما اللاحق فالواجب عليه الترتيب بعكس المسبوق، وعند زفر الترتيب فرض عليه، فإذا أدرك بعض صلاة الإمام فنام، فعليه أن يصلي أولاً مانام فيه بلا قراءة، ثم يتابع الإمام، فلو تابعه أولاً ثم صلى مانام فيه بعد سلام الإمام جاز عندنا وأثم لترکه الواجب، وعندزفر لاتصح صلاته". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، قبل مطلب قد يشار إلى المثنى، الخ: ۱/۴۶۳، سعيد) فقط واللّٰه تعالىٰ أعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔ ۷/۹/۱۳۹۱ھ۔ الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔ ۷/۹/۱۳۹۱ھ۔
(فتاویٰ محمودیہ: ۷/۵۶۷-۵۶۹)

نماز میں صرف ایک سجدہ کا کیا حکم ہے:

سوال: زید نے دو سجدوں میں سے صرف ایک سجدہ کیا، تو اس کی نماز ہوئی یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــ حامدًا و مصلياً

زید کی نماز نہیں ہوئی، البتہ اگر نماز ختم کرنے سے پہلے چھوٹے ہوئے سجدہ کی قضا کر لئے ہوتا اور سجدۂ سہو بھی کر لیتا تو نماز ہو جاتی۔

"السجود الثاني فرض كالأول بإجماع الأمة"، كذا في الزاهدي. (الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، الباب الربع في صفة الصلاة، الفصل الأول في فرائض الصلاة: ۱/۷۰، دارالفكر بيروت. انيس)

"فإذا ترك سجدة صلبية من ركعة قضاها في آخرها إذا تذكروإلا تلزم إعادة ما بعدها". (البحر الرائق: ۱/۱۰۶) ترک جمیع واجبات الصلاة ساهياً: دارالكتاب الإسلامي. انيس) فقط واللّٰه تعالىٰ أعلم بالصواب

حررہ العبد حبیب اللہ القاسمی۔ (حبیب الفتاویٰ: ۳/۱۰۵)

(۱) حتی کہ سلام کے بعد اور منافی صلاۃ پیش آنے سے قبل بھی فوت شدہ سجدہ کی قضا کی جا سکتی ہے، اس کے بعد پھر سجدۂ سہو کر کے نماز پوری کرے۔ [مجاہد]

"حتى لونسي سجدة من الأولىٰ قضاها ولوبعد السلام قبل الكلام لكنه يتشهد ثم يسجد للسهو ثم يتشهد". (الدرالمختار علىٰ صدرردالمحتار، باب صفة الصلاة، قبل مطلب قد يشار إلى المثنى، الخ: ۲/۱۵۶)

الجواب

حامدًا و مصليًا و مسلمًا: صورت مسئولہ میں اگر سجدۂ صلاتیہ چھوٹنے کا یقین ہے تو نماز کا اعادہ فرض ہوگا؛ کیوں کہ یقین کی صورت میں مقتدیوں کی خبر کا اعتبار نہیں اور سجدۂ سہو، سجدۂ صلاتیہ کے مؤخر ہونے کی وجہ سے قائم مقام نہ ہوگا۔

ولو اختلف الإمام والقوم فلو الإمام علیٰ يقين لم يعد وإلا أعاد بقولهم. (الدر المختار: ۵۰۱/۱)(۱)

لم يذكر السجدة الصلبية حكمها أنه يجب نيتها إذا فصل بينها وبين محلها بركعة. (ردالمحتار: ۲۸۱/۱)(۲)

اور اگر امام کو سجدۂ صلاتیہ چھوٹنے کا یقین نہیں، بلکہ شبہ ہے تو صورت مسئولہ میں نماز کا اعادہ واجب ہے؛ کیونکہ جب دو عادل خبر دیں اور امام کو شک ہو تو ان کی خبر پر عمل کرنا واجب ہے، لہذا مقتدیوں کی خبر کی وجہ سے سجدۂ سہو زائد ہوا، جس کی بنا پر سلام ثانی؛ جو واجب ہے، مؤخر ہوا، اور تاخیر واجب؛ موجب سجدہ سہو ہے۔

وإن أخبره عدلان لا يعتبر شكه وعليه الأخذ بقولهما. (المراقی: ۲۵۹)(۳)

ولفظ السلام مرتين فالثاني واجب على الأصح. (الدر المختار: ۳۱٤/۱)(۴) **والله أعلم بالصواب**

کتبہ: محمد عثمان عفی عنہ۔ ۱۴۱۸/۶/۷ھ۔ الجواب صحیح: محمد حنیف غفرلہ۔ (فتاویٰ ریاض العلوم: ۲/۵۲۲-۵۲۳)

(۱) الدر المختار مع الرد، كتاب الصلاة، باب سجود السهو: ۵۰۷/۱، نعمانية، ديوبند

(۲) رد المحتار، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، بحث النية: ۲۸۱/۱، نعمانية، ديوبند

(۳) مراقی الفلاح شرح نور الإيضاح، كتاب الصلاة، باب سجود السهو: ۳۰۸، مصری

(۴) الدر المختار مع الرد، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب واجبات الصلاة: ۳۱٤/۱، نعمانية ديوبند

خلاصہ بحث:

ماقبل کی تمام تفصیلات سے واضح ہوتا ہے کہ سجدہ ثانیہ فرض ہے، اگر دوران نماز یا سلام کے پھیرنے کے بعد؛ نماز کے منافی عمل کے کرنے سے پہلے، اگر تشہد پڑھنے کے بعد سجدہ سہو کر کے دوبارہ تشہد پڑھ کر نماز کو مکمل کر لیا جائے، تو اس کی نماز درست ہوجائے گی، اگر ایسا نہیں کیا گیا تو دوبارہ نماز پڑھی جائے کہ سجدہ ثانیہ فرض ہے اور فرض کے چھوٹنے کی صورت میں نماز نہیں ہوتی ہے، واضح رہے کہ سجدہ سہو میں چھوٹی ہوئی سجدہ کا اعادہ شمار ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

علامہ ابن عثیمین نے اپنے فتاویٰ میں ارکان نماز کے ضمن میں آٹھواں رکن سجدہ ثانیہ بیان کیا ہے۔ (مجموع فتاویٰ ابن عثيمين، سوال عن أركان الصلاة: ۳٤٤/۱۳، دار الثريا)

فقہ مالکی کی مشہور کتاب شرح مختصر خلیل میں بھی سجدہ ثانیہ کو رکن کہا گیا ہے۔

"(نسي سجدة)... (فإنه يجلس ليأتي بها من جلوس)... (بناء على أن الحركة للركن مقصودة) أراد بالركن السجدة الثانية. (شرح مختصر خليل للخرشي، فصل حكم السهو ومايتعلق به: ۳٤۰/۱، دار الفكر للطباعة بيروت)

شوافع کے یہاں بھی صحیح قول کے مطابق رکن میں شمار کیا گیا ہے۔ (المجموع شرح المهذب، كتاب الصلاة: ۵۱٤/۳، دار الفكر)

فقہ حنبلی کی مشہور کتاب شرح الزرکشی علی مختصر الخرقی میں ہے:

"أما السجدة الثانية ففرض مجمع عليه. (كتاب الصلاة، باب الدعاء بين السجدتين: ۵۷۲/۱، دار العبيكان. انيس)

گھاس پر سجدہ کرنے سے نماز درست ہے یا نہیں:

سوال: اگر گیاہ وغیرہ بدیں نوع کہ فر بہیش بقدر شبر یا زائد باشد و بوقت سجدہ صعود و ہبوط می کند نماز برآں جائز است یا نہ؟(۱)

الجواب

درمختار میں شروط جواز سجدہ میں یہ بھی لکھا ہے:

"**وأن يجد حجم الأرض**".

اوراس کی تشریح علامہ شامی نے یہ فرمائی ہے:

"**إن الساجد لو بالغ لايتسفل رأسه أبلغ من ذلك، الخ**". (۳۳۷/۱)(۲)

پس اگر وہ گھاس وغیرہ اس قدر رہو اور ایسی ہو کہ سجدہ میں سر رکھنے سے دب جاوے اور ٹھہر جاوے تو سجدہ اور نماز صحیح ہے۔(۳) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۱۵۲/۲)

چار پائی پر نماز درست ہے:

سوال: چار پائی پر نماز اس وقت درست ہے کہ جب چار پائی سخت ہو یا ڈھیلی ہو تب بھی؟

الجواب

چار پائی پر نماز ہر حالت میں درست ہے، اگر چہ وہ بہت سخت نہ ہو، کیونکہ اگر وہ ڈھیلی بھی ہے تو جس وقت گھٹنے چار پائی پر ٹھہریں گے اور زور پڑے گا تو سجدہ کی جگہ سخت ہو جاوے گی۔(۴) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۱۵۲/۲) ☆

(۱) خلاصۂ سوال: اگر گھاس وغیرہ ایک بالشت سے زیادہ موٹے ہوں اور سجدہ کے وقت اوپر نیچے ہوتے ہوں، تو اس پر نماز جائز ہے یا نہیں؟ انیس

(۲) ردالمحتار، باب صفة الصلاة، فصل في تأليف الصلاة. ظفير

(۳) ولو أن رجلا صلى على الثلج فإن لبده جازت صلاته وإن لم يلبده وغاب وجهه في الثلج إذا سجد ولا ينتهي إلى شيء يجد حجمه فهذا لايجزيه كالساجد في الهواء وإن سجد على شيء وجد حجمه جاز. (عيون المسائل للسمرقندي، الصلاة على ثلج: ۲٤/۱، مطبعة اسعد بغداد، انيس)

(۴) وعلى هذا إذا لقي في المسجد حشيش كثير فسجد عليه إن وجد حجمه يجوز وإلا فلا وإذا صلى على التبن أو القطن المحلوج وسجد عليه إن استقر جبهته وأنفه على ذلك ووجد الحجم يجوز وإن لم يستقر جبهته لايجوز. (المحيط البرهاني، الفصل السادس عشر في التغني والإلحان: ۳٦٥/۱، دارالكتب العلمية بيروت. انيس)

☆ **چار پائی پر نماز پڑھنا:**

سوال: چار پائی پر بلا عذر نماز پڑھنے میں کوئی حرج شرعی ہے یا نہیں؟ ==

تکیہ پرسجدہ کرنے کی تحقیق:

سوال: مسئلہ ذیل اور روایت میں تعارض معلوم ہوتا ہے اس کی تحقیق مطلوب ہے۔

مسئلہ: سجدہ کرنے کے لئے تکیہ وغیرہ کوئی اونچی چیز رکھ لینا اور اس پر سجدہ کرنا نہ چاہئے۔ جب سجدہ کی قدرت نہ ہو، تو بس اشارہ کرلیا کرے۔تکیہ کے اوپر سجدہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ (بہشتی زیور مطبوعہ الامداد پریس، باب صلاۃ المریض، حصہ دوم، صفحہ:۶۸)

روایت: (ولایرفع إلیٰ وجهه شیئًا یسجد علیه)فإنه یکره تحریمًا. (الدرالمختار)

(قوله فإنه یکره تحریمًا) قال فی البحر: واستدل للکراهة فی المحیط بنهیه علیه الصلاۃ و السلام عنه،وهویدل علیٰ کراهة التحریم آه وتبعه فی النهر.

أقول: هٰذا محمول علیٰ ما إذاکان یحمل إلیٰ وجهه شیئًا یسجد علیه،بخلاف ما إذاکان موضوعًا علی الأرض یدل علیه ما فی الذخیرة حیث نقل عن الأصل الکراهة فی الأول،ثم قال: فإن کانت الوسادۃ موضوعة علی الأرض وکان یسجد علیها جازت صلاته،فقد صح أن أم سلمة کانت تسجد علیٰ مرفقة موضوعة بین یدیها لعلة کانت بها ولم یمنعها رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم من ذٰلک آه.فإن مفاد هذه المقابلة والاستدلال عدم الکراهة فی الموضوع علی الأرض المرتفع.ثم رأیت القهستانی صرح بذٰلک. (ردالمحتار،باب صلاۃ المریض: ۵۰۹/۱)

==

الجواب ــــــــــــــــ وباللّٰه التوفیق

نماز تو ہوجائے گی، لیکن فرض نماز تو جماعت سے پڑھنا مؤکد ہے، اگر یہ ترک ہوتو پھر اثم ہے، نفل پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے، مگر پھر بھی بغیر ضرورت چارپائی پر پڑھنا شان عبدیت واہمیت عبادت کے منافی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تہجد پڑھنا بستر سے علاحدہ ہوکر ثابت ہے، اس لحاظ سے سنت کے بھی منافی ہوگا۔("فصح علیٰ طنفسة وحصیر وحنطة وشعیر وسریر وعجلة إن کانت علی الأرض. (رد المحتار: ۴۶۸/۱)(کتاب الصلاۃ، باب صفة الصلاۃ، مطلب فی إطالة الرکوع للجائی،انیس) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

ابوالمحاسن محمد سجاد کان اللہ لہ۔۱۵/۱/۱۳۴۷ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ:۴۶/۱۔۴۷)

چاول اور چینی پر اگر ماتھا ٹک جائے، تو سجدہ کا حکم:

سوال: چاول اور جوار اور چینی پر اگر ماتھا نہ دھنسے، تو سجدہ کرنا جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــ

جس چیز پر ماتھا قائم ہوجاوے گا، نماز درست ہوجاوے گی، چاول ہو یا گندم، ورنہ نہیں۔

(بدست خاص، سوال:۱۵۸)۔ (باقیات فتاویٰ رشیدیہ:۱۷۲)

الجواب ــــــــــــــــــــــــــ

فی مراقی الفلاح: وجعل إیماء ہ برأسه للسجود أخفض من إیماء ہ برأسه للرکوع وکذا لو عجزعن السجود وقدرعلی الرکوع یؤمی بهما؛لأن النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم عاد مریضًا فراٰہ یصلی علٰی وسادة فأخذها ورمٰی بها فأخذ عودًا لیصلی علیه فرمٰی به وقال:"صلّ علی الأرض إن استطعت وإلا فأوم إیماء واجعل سجودک أخفض من رکوعک". (رواہ البزاروالبیهقی عن جابررضی اللّٰہ تعالٰی عنه کذا فی نصب الرایة: ۳۰٤/۱)(۱)

قال المجیب: (إلٰی قوله)فإن فعل أی وضع شیئًا فسجد علیه وخفض رأسه للسجود عن إیمائه للرکوع صح أی صحت صلاته لوجود الإیماء لکن مع الإساء ة،لما روینا. (۲۵۰/۱)

وفی حاشیة الطحطاوی علیه: (قوله وجعل إیماء ہ للسجود أخفض)تمییزًا بینهما ولایلزمه أن یبالغ فی الانحناء أقصٰی مایمکنه بل یکفیه أدنی الانحناء فیهما،نهرعن المجتبٰی. (۲۵۰/۱)

بہشتی زیور کی اس میں صریح تائید ہے، پس تطبیق اس طرح ہوسکتی ہے کہ کراہت عدم عذر کی حالت میں ہواورعدم کراہت عذر کی حالت میں ہو۔عذر یہ کہ بدون تکیہ کے جھکانے میں تکلیف ہو۔

وفی عبارة الحاشیة نفی لما کتبت فی المکتوب السابق من لزوم أقصٰی مایمکن من الانحناء فالنص یقضی علی الرأی.

(ترجیح خامس،صفحہ:۱۲۵)۔(امداد الفتاویٰ جدید:۱/۱۹۹-۲۰۰)

قالین پرنماز ادا کرنا کیسا ہے:

سوال: آج کل اکثر مساجد میں صفوں کے بجائے قالین بچھانے شروع کردیئے ہیں،اور قالین کی موٹائی بھی صفوں کی بہ نسبت کافی موٹی ہوتی ہے،کیا قالین پرسجدہ جائز ہے؟ اورنماز ہوجاتی ہے یانہیں؟ یا مکروہ،اس مسئلے کا قرآن واحادیث کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں۔

الجواب ــــــــــــــــــــــــــ

قالین پرنماز جائز ہے۔(۲)(آپ کے مسائل اوران کا حل:۳/۳۴۸) ☆

---

(۱) **السنن الصغیرللبیهقی،باب صلاة المریض (ح: ۵۹۰)/والکبریٰ،باب الإیماء بالرکوع والسجود إذا عجزعنهما (ح:۳٦٦۹)/معرفة السنن والآثار،صلاة المریض (ح: ٤۳۵۹)/وکذا فی حلیة الأولیاء وطبقات الأصفیاء،سفیان الثوری ومنهم الإمام المرضی والورع :۹۲/۷،دارالکتاب العربی بیروت.انیس**

(۲) **ولابأس بالصلاة والسجود علی الحشیش والحصیروالبسط والبواری.(الفتاویٰ الهندیة: ٦۳/۱،الفصل الثانی فی طهارة مایستربه العورة وغیرہ)**

==

کمبل، نمدہ وغیرہ پر سجدہ کا حکم:

سوال: کمبل اور نمدہ پر نماز پڑھنا اور سجدہ تلاوت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ (از سوالات مولوی جمیل علی)

== ولا بـأس بالصلاة على الفرش والبسط واللبود والصلاة على الأرض أو على ما تنبته الأرض أفضل. (فتاوى قاضي خان، ۱/۳۳، ط: كلكته. انيس)

☆ قالین پر سجدہ:

سوال: مساجد میں نرم قالینیں بچھی ہوئی ہیں، حالانکہ حکم یہ ہے کہ سجدہ سخت جگہ پر کیا جائے، گھروں میں بھی خواتین نرم مصلی استعمال کرتی ہیں، ایسی نرم چیزوں پر سجدہ کرنے کا کیا حکم ہے؟ (محمد جہانگیر الدین، باغ امجد الدولہ)

الجواب

سخت جگہ کا یہ مطلب نہیں ہے کہ لوہے یا پتھر پر سجدہ کیا جائے، سخت جگہ کا مطلب یہ ہے کہ پیشانی ٹک جائے، چنانچہ فقہا نے لکھا ہے کہ گھاس، بھوسہ، اسپنج، یا برف پر سجدہ کیا جائے، اور پیشانی اور ناک ٹک جائے اور کسی سخت جگہ جا کر رک جائے، تو یہ بھی کافی ہے:

’’ولـوسـجـد عـلـى الـحشيش أوعلى التبن أوعلى القطن أو الطنفسة أو الثلج إن استقرت جبهته وأنفه ويجد حجمه يجوز‘‘. (الفتاوىٰ الهندية : ۱/۷۰، ط: مكة المكرمة. محشى)

اس لئے مروجہ قالین اور مصلی پر نماز درست ہے، اس میں کوئی حرج نہیں۔ (کتاب الفتاویٰ: ۲/۱۸۵)

قالین اور فوم کے گدوں پر نماز کا حکم:

سوال: ہمارے محلے کی مسجد میں ایک صاحب خیر نے نمازیوں کے لئے قالین بچھایا ہے، جو بہت نرم ہے، کیا اس قالین پر نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

نماز میں زمین پر سجدہ کرنا ضروری ہے، یعنی زمین کی صلابت اور سختی کا ادراک ضروری ہے، لہٰذا اگر قالین پر سجدہ کے دوران نیچے کی زمین کی سختی کا ادراک ہوسکتا ہو، تو نماز جائز ہے، ورنہ نہیں، چونکہ آج کل کے قالینوں میں زمین کی سختی کا ادراک ہوتا ہے، اس لئے قالین، کارپٹ، دری وغیرہ پر نماز پڑھنا جائز ہے، البتہ موٹے اور لچکدار فوم پر نماز جائز نہیں۔

لـمـا قال العلامة الحصكفي رحمه الله: (لا) يصح لعدم السجود علىٰ محله وبشرط طهارة المكان وأن يجد حجم الأرض. (الدرالمختار)

قـال ابـن عـابـديـن تـحـت قـولـه أن يـجـد حـجـم الأرض: ...أوحشيـش إلا إن وجد حجمه، ومن هنا يعلم الـجـوازعلى الطراحة القطن، فإن وجد الحجم جازوإلا فلا، بحر. (رد المحتار، فصل إذا أراد الشروع: ۱/۵۰۱) (كتاب الصلاة، فصل تركيب الصلاة، مطلب في إطالة الركوع للجائي، انيس)

قـال الـعـلامة ابـن نـجيم رحمه الله: والأصل أنه كما يجوزالسجود على الأرض يجوزعلىٰ ما هوبمعنى الأرض مما تـجـد جبهتـه حـجمه وتستقرعليه، وتفسيروجدان الحجم: أن الساجد لو بالغ لايتسفل رأسه أبلغ من ذلك. (البحرالرائق، باب صفة الصلاة: ۱/۳۱۹) (فتاویٰ حقانیہ: ۳/۸۳-۸۴)

الجواب ــــــــــــــــــــــــ

جائز ہے، بشرطیکہ پیشانی اس پر قرار پا جائے، یعنی سجدہ کرنے میں بمقام سجدہ سختی معلوم ہو اور پیشانی بخوبی قرار پا جائے۔(۱) (فتاویٰ عزیزی:۴۹۴)

گدے پر سجدہ کا حکم:

سوال: ہسپتال میں چار پائیوں پر گدے بہت موٹے ہوتے ہیں، ان پر سجدہ کرنے سے نماز میں کوئی خرابی تو نہیں آتی؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــ باسم ملهم الصواب

اگر گدا سر کے مکمل بوجھ کو برداشت کرلے تو اس صورت میں نماز صحیح ہوجائے گی اور اگر برداشت نہ کرسکے؛ بلکہ دبتا ہی چلا جائے تو نماز صحیح نہ ہوگی۔

قال فی شرح التنویر: وأن یجد حجم الأرض. (الدرالمختار)

وفی الشامیة: تفسیره: أن الساجد لوبالغ لایتسفل رأسه أبلغ من ذلک. (رد المحتار: ۱/۴٦۸)(۲)

فقط واللّٰہ تعالیٰ أعلم

۲۴ر محرم ۱۳۹۵ھ۔ (احسن الفتاویٰ:۳/۴۳۲)

تختہ پوش پر نماز پڑھنے کا مسئلہ:

سوال: آج کل لڑکیوں کے والدین شادی کے وقت جہیز میں یا لڑکے والے اس کے لئے فرنیچر میں نماز پڑھنے کے لئے ایک تخت بنواتے ہیں، جس کو پشتوں میں ''تختہ پوش'' کہا جاتا ہے، شرعاً اس پر نماز پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــ

ایسے تخت لکڑی سے بنائے جاتے ہیں؛ جو کہ سخت ہوتی ہے، حالت سجدہ یا رکوع یا قیام پر کوئی اثر مرتب نہیں ہوتا، اس لئے ایسے ''تختہ پوش'' پر نماز پڑھنا جائز ہے، بشرطیکہ زمین پر رکھا ہوا ہو۔

---

(۱) **(ویجوز) أی السجود ... (وعلی شیء یجد) الساجد (حجمه وتستقر جبهته علیه لا علی ما لاتستقر) وحد الإستقرار أن الساجد إن بالغ لا ینزل رأسه أسفل من ذلک فعلی هذا لا تجوز السجدة علی الثلج بأن غاب وجهه فیه وإن استقر ووجد حجمه بأن تلبد الثلج تجوز وعلی هذا التفصیل التراب ونحوه. (مجمع الأنهر فی شرح ملتقی الأبحر، فصل صفة الشروع فی الصلاة: ۱/۹۸، دار إحیاء التراث العربی. انیس)**

(۲) **کتاب الصلاة، فصل ترکیب الصلاة، مطلب فی إطالة الرکوع للجائی: ۱/٤٥٤، دار الفکر بیروت. انیس**

قال العلامة الحصكفي: (لا) يصح لعدم السجود علىٰ محله وبشرط طهارة المكان وأن يجد جحم الأرض. (الدرالمختار)

قال ابن عابدين (تحت قوله أن يجد جحم الأرض): تفسيره أن الساجد لوبالغ لايتسفل رأسه أبلغ من ذلک، فصح علىٰ طنفسة وحصيروحنطة وشعيروسريروعجلة إن كانت على الأرض لا علىٰ ظهرحيوان كبساط مشدود بين أشجار. (ردالمحتار،فصل إذا أراد الشروع: ۱/۵۰۰)(۱)(فتاویٰ حقانیہ:۳/۸۳)

صحن گرم ہوتو سجدہ کی جگہ پر کپڑا یا کوئی اور ٹھنڈی چیز رکھ لینا جائز ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ نماز میں بسبب پتھر کے گرم ہونے کے یا کنکری پیشانی میں گڑ جانے کے سجدہ کی جگہ ٹکڑا تختہ کا یا کپڑا تہہ کر کے رکھ لینا جائز ہے یا نہیں، صحیح حدیث کیا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

اگر صحن مسجد گرم ہوتو سجدہ گاہ پر کپڑا اڈالنے یا ٹھنڈی کنکریاں ڈالنے میں کوئی حرج نہیں ہے، ایسی حالت میں صحابۂ کرام بھی تھوڑی کنکریاں ڈال دیتے تھے۔(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

ابوالمحاسن محمد سجاد کان اللہ لہ۔ ۱/۴/۱۳۴۵ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ:۱/۴۶)

---

(۱) كتاب الصلاة،فصل تركيب الصلاة،مطلب في إطالة الركوع للجائي: ۱/۴۵۴،دارالفكر،انيس

قال العلامة ابن نجيم المصرى رحمه اللّٰه: والأصل أنه كما يجوزالسجود على الأرض يجوز علىٰ ما هوبمعنى الأرض مما تجد جبهته حجمه وتستقرعليه وتفسيروجدان الحجم أن الساجد لوبالغ لايستفل رأسه من ذلک، فيصح السجود على الطنفسة والحصيروالحنطة والشعيروالسريروالعجلة إن كانت على الأرض لأنه يجد حجم الأرض. (البحرالرائق،باب صفة الصلاة: ۱/۳۱۹)

(۲) "ولوسجد علىٰ كورعمامته...أوسجد علىٰ فاضل ثوبه الذى هو لابسه حال وضع كورالعمامة أوفاضل الثوب علىٰ شيء طاهرجازسجوده عندنا،خلافاً للشافعي وأحمد ... عن ابن عباس.رضى اللّٰه عنهما.أن النبى صلى اللّٰه عليه وسلم كان يسجد علىٰ كورعمامة ... عن الحسن قال: كان أصحاب رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يسجدون وأيديهم في ثيابهم ويسجد الرجل منهم علىٰ كورعمامته ... وروى ابن أبى شيبة ... عن ابن عباس.رضى اللّٰه عنهما.أن النبى صلى اللّٰه عليه وسلم صلى في ثوب واحد يتقى بفضوله حرالأرض وبردها ... وأخرج الستة عن أنس.رضى اللّٰه عنه.كنا نصلى مع النبى صلى اللّٰه عليه وسلم فى شدة الحرفإذا لم يستطع أحدنا أن يمكن وجهه من الأرض بسط ثوبه فسجد عليه.(غنية المستملي الكبير:۲۸۶-۲۸۷)

(روى عن ابن عمر أن النبى صلى اللّٰه عليه وسلم كان يسجد على كورالعمامة.(فوائدتمام لأبى القاسم،أحاديث جميع بن ثوب الرحبى (ح:۱۷۸۲)/رواية الحسن أخرجه ابن أبى شيبة فى المصنف،باب فى الرجل يسجد ويداه فى ثوبه (ح:۲۷۳۹)/وحديث ابن عباس الثالث رواه ابن أبى شيبة،فى الرجل يسجد على ثوبه من الحروالبرد (ح: ۲۷۷۰)/وحديث بن مالک رواه الدارمى،باب الرخصة فى السجود على الثوب فى الحر (ح: ۱۳۷۶)/والبخارى،باب بسط الثوب فى الصلاة للسجود (ح:۱۲۰۸)/مسلم،باب استحباب تقديم الظهر فى أول الوقت (ح: ۶۲۰)/وابن ماجة،باب السجود على الثياب فى الحروالبرد (ح:۱۰۳۳)/وأبوداؤد،باب الرجل يسجد على ثوبه (ح:۶۶۰)انيس)

==

ضعیف آدمی کا کرسی پر بیٹھ کر میز پر سجدہ کرنا:

سوال: ایک ضعیف عورت ایک کرسی پر بیٹھ کر دوسری چھوٹی میز پر سجدہ کرتی ہے، تو کیا نماز ہو جائے گی؟

الجواب

جو شخص سجدہ کرنے پر قادر نہ ہو، وہ سر کے اشارے سے سجدہ کرے، اور رکوع کے اشارے سے ذرا زیادہ سر جھکائے، چھوٹی میز پر سجدہ کرنا فضول ہے۔(۱) (آپ کے مسائل اوران کا حل: ۳۴۹/۳)

==☆ کور عمامہ (پگڑی کے بل) پر سجدہ کرنے کا حکم:

سوال: بعض لوگ جو عمامہ پہنتے ہیں، وہ عمامہ کے کور پر ہی نماز میں سجدہ کرتے ہیں، جس کی وجہ سے نہ ناک زمین پر لگتی ہے اور نہ پیشانی، تو اس طرح سجدہ کرنے سے نماز ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب

اگر عمامہ کا کور پیشانی پر ہو، تو اسی حالت میں عمامہ کے کور پر سجدہ کرنا مکروہ ہے، اور اگر کور عمامہ پیشانی سے اوپر ہو اور سجدہ کورِ عمامہ پر کیا جائے، تو اس صورت میں سجدہ ادا نہیں ہوا؛ اس لئے کہ پیشانی یا ناک زمین پر نہیں رکھی گئی، لہٰذا اس صورت میں نماز پڑھنا درست نہیں۔

قال العلامة الحصكفي رحمه الله: (كما يكره تنزيهًا بكورعمامته) إلا بعذر (وإن صح) عندنا (بشرط كونه علىٰ جبهته) كلها أوبعضها كمامر (أما إذا كان) الكور (علىٰ رأسه فقط وسجد عليه مقتصرًا) أي ولم تصب الأرض جبهته ولا أنفه على القول به (لا) يصح لعدم السجود علىٰ محله، الخ. (الدرالمختار علىٰ صدررد المحتار، كتاب الصلاة، فصل إذا أراد الشروع: ۵۰۰/۱)

قال العلامة أبوالبركات النسفي رحمه الله: وكره بأحدهما أوبكورعمامة، آه.

قال ابن نجيم رحمه الله تحت قوله كره بأحدهما الخ: أن صحة السجود علىٰ الكورإذا كان الكورعلى الجبهة أو بعضها أما إذا كان على الرأس فقط وسجد عليه ولم تصب جبهته الأرض على القول بتعيينها ولا أنفه على القول بعدم تعيينها فإن الصلاة لا تصح لعدم السجود علىٰ محله وكثيرمن العوام يتساهل فى ذلك. (البحرالرائق، باب صفة الصلاة: ۳۱۹/۱) (فتاویٰ حقانیہ: ۸۲/۳)

حالت احرام میں جاءِ نماز پر سجدہ کا حکم:

سوال: لوگوں کا خیال ہے کہ حالت احرام میں ناک اور چہرہ جاءِ نماز سے نہیں لگنا چاہئے، بلکہ اپنے دونوں ہاتھ ملا کر سجدہ اس پر کرنا چاہئے، یہ کہاں تک صحیح ہے؟

الجواب

حالت احرام میں جاءِ نماز پر سجدہ کرنا جائز ہے، دونوں ہاتھ ملا کر ان پر سجدہ کرنا درست نہیں۔ واللہ سبحانہ اعلم

احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ۔ ۱۲/۷/۱۳۹۷ھ (فتویٰ نمبر ۲۷/۲۷۷/۲۷)۔ (فتاویٰ عثمانی: ۴۰۰/۱-۴۰۱)

---

(۱) **وإن عجزعن القيام والركوع والسجود وقدرعلى القعود يصلي قاعدًا بإيماء ويجعل السجود أخفض من الركوع. (الفتاوىٰ الهندية: ۱۳۶/۱، الباب الرابع عشر فى صلاة المريض)/فتاوىٰ قاضي خان، باب صلاة المريض: ۲۰۴/۱، ط: كلكته. انيس)**

معذور شخص کے لیے ٹیبل وغیرہ پر سجدہ کرنے کا حکم:

سوال: مسئلۂ ذیل میں شرع شریف کا حکم معلوم کرنا ہے:

خلاصۂ سوال: اگر زمین پر سجدہ کی قدرت نہ ہو، تو تکیہ، ٹیبل وغیرہ کسی بلند چیز پر کیا سجدہ کرنا فرض ہے؟

ایک مدرسہ کے ماہنامہ گجراتی رسالہ میں شائع شدہ فتاویٰ- جس کی عکسی تحریر بھی ساتھ ہے- جس کی خط کشیدہ عبارت میں دو جگہ زمین پر سجدہ سے معذور کے لیے کسی بلند چیز جس کی بلندی ۹/انچ سے زیادہ نہ ہو، پر سجدہ کرنا فرض لکھا ہے۔ جس کی وجہ سے بعض جگہوں پر شدید اضطراب وہنگامہ ہے۔

نیز یہ اظہار بھی ضروری ہے کہ، صاحب فتویٰ کی تنقیص یا تعریض یا تعاقب قطعاً مقصود نہیں، صرف رفع انتشار بین العلماء والعوام اور تسہیل فی العمل کا قصد ہے، غالباً کسی وجہ سے مرجوح روایت نقل ہوگئی ہو؛ کیوں کہ دلائل اور راجح قول اس کے خلاف معلوم ہوتا ہے۔ واللہ أعلم وعلمه أتم

بہشتی زیور اختری، فی صلاۃ المریض:

مسئلہ (۳): سجدہ کرنے کے لیے تکیہ وغیرہ کوئی اونچی چیز رکھ لینا اور اس پر سجدہ کرنا بہتر نہیں، جب سجدہ کی قدرت نہ ہو، تو بس اشارہ کرلیا کرے، تکیہ کے اوپر سجدہ کرنے کی ضرورت نہیں۔

وعلٰی حاشیه نقلا عن شرح البداية وعن شرح التنوير: فإن لم يستطع الركوع والسجود أومٰى إيماء، وجعل سجوده أخفض من ركوعه، ولا يرفع إلٰى وجهه شيئًا يسجد عليه. (اختری: ۲/۴۵)(۱)

نصب الراية (الطبع بدابھیل): **عن جابر أن النبي صلى الله على وسلم أعاد مريضًا، فراٰه يصلي علٰى وسادة فأخذها، فرمٰى بها، فأخذ عودًا ليصلي عليه، فأخذه فرمٰى به، وقال: صلّ على الأرض إن استطعت وإلا فأومي إيماء، واجعل سجودك أخفض من ركوعك.** (۲/۱۷۵)(۲)

وفيه: عن ابن عمر قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من استطاع منكم أن يسجد فليسجد، ومن لم يستطع فلا يرفع إلٰى جبهته شيئًا يسجد عليه، وليكن ركوعه وسجوده يؤمي برأسه. (۲/۱۷٦)(۳)

---

(۱) الدرالمختار علٰى صدر رد المحتار، باب صلاة المريض: ۲/۹۷-۹۸، ط: بيروت، انيس

(۲) أخرجه البيهقی فی السنن الصغير، باب صلاة المريض (ح: ۵۹۰)/وفی الكبرىٰ، باب الإيماء بالركوع والسجود إذا عجز عنهما (ح: ۳٦٦۹)/وكذا فی معرفة السنن والآثار، صلاة المريض (ح: ۴۳۵۹)/وكذا أخرجه أبونعيم فی حلية الأولياء وطبقات الأصفياء، سفيان الثوری ومنهم الإمام المرضی والورع: ۷/۹۲، دارالكتاب العربی بيروت. انيس

(۳) أخرجه الطبرانی فی المعجم الأسط، من إسمه أحمد (ح: ۱۰۸۹)انيس

الهداية في صلاة المريض:

ولايرفع إلى وجهه شيء يسجد عليه،لقوله عليه السلام:إن قدرت أن تسجد على الأرض فاسجد وإلا فأوم برأسک.(۱۶۱/۱)(۱)

بدائع الصنائع،دارالكتاب ديوبند:

عن علي أن النبي صلى الله عليه وسلم قال في صلاة المريض:إن لم يستطع أن يسجد أومأ وجعل سجوده أخفض من ركوعه.(۲۸٤/۱)(۲)

وروي عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال:من لم يقدرعلى السجود فليجعل سجوده ركوعًا وركوعه إيماء والركوع أخفض من الإيماء.(۲۸٤/۱)(۳)

وعلى هامشه من حديث ابن مسعود موقوفًا: إن استطعت أن تسجد على الأرض فاسجد و إلا فأوم إيماءً واجعل السجود أخفض من الركوع.(۲۸۵/۱)(۴)

وفيه:لورفع إلى وجه المريض وسادةً أوشيئًا فسجدعليه من غيرأن يؤمي لم يجز؛لأن الفرض في حقه الإيماء ولم يوجد،ويكره أن يفعل هذا؛لما روي عن النبي صلى الله عليه وسلم:دخل على مريض يعوده،فوجده يصلي كذلک ، فقال: إن قدرت أن تسجد على الأرض فاسجد وإلا فأوم برأسک.(۲۸۹/۱)(۵)

وفيه: روي عن عبدالله بن مسعود:دخل على أخيه يعوده،فوجده يصلي ويرفع إليه عودًا فيسجد عليه،فنزع ذلک من يد من كان في يده،وقال:هذا شيء عرض لكم الشيطان،أوم لسجودک.(۲۸۹/۱)(۶)

---

(۱) الهداية على صدرفتح القدير،باب صلاة المريض: ٤/٢،دارالفكر/والحديث أخرجه أبويعلى الموصلى فى المسند،مسند جابر (ح: ١٨١١) بلفظ:إن استطعت أن تسجد على الأرض وإلا فأوم إيماء واجعل السجود أخفض من الركوع./وكذا الطبرانى فى المعجم الكبير،طارق بن شهاب عن ابن عمر (ح:١٣٠٨٢)انيس

(۲) بدائع الصنائع،فصل فى أركان الصلاة: ١٠٦/١،دارالكتب العلمية/والحديث أخرجه الدارقطنى فى السنن،باب صلاة المريض ومن رعف فى صلاته كيف (ح: ١٧٠٦)/والبيهقى فى السنن الكبرىٰ،باب ماروى فى كيفية الصلاة على الجنب (ح:٣٦٧٨)انيس

(۳) بدائع الصنائع،فصل فى أركان الصلاة: ١٠٦/١،دارالكتب العلمية/وروى عبدالرزاق الصنعانى فى المصنف،باب صلاة المريض: ٤٧٥/٢،ط:المجلس العلمي الهند موقوفاً عن ابن عمر أنه كايقول:إذا كان أحدكم مريضاً فلم يستطع سجوداً على الأرض فلا يرفع إلى وجهه شيئاً وليجعل سجوده ركوعاً وليؤمى برأسه.انيس

(۴) أخرجه أبويعلى الموصلى فى المسند،عن جابر بن عبدالله (ح: ١٨١١):٣٤٥/٣،دارالمأمون دمشق.انيس

(۵) بدائع الصنائع،فصل فى أركان الصلاة: ١٠٨/١،دارالكتب العلمية/تقدم تخريج الحديث.انيس

(۶) وكذا فى المحيط البرهانى،الفصل الحادى والثلاثون فى صلاة المريض: ١٤٦/٢،دارالكتب العلمية/ البحر الرائق،تعذرعلى المريض القعود فى الصلاة: ١٢٣/٢،دارالكتاب الإسلامى.انيس/العود: لکڑی،کٹی ہوئی ٹہنی۔ [مصباح: ٥٨٣]

وفيـه: روي أن ابـن عـمـر رأى ذلک من مريض فقال: أتتخذون مع الله الٰهة أخرىٰ؟ فإن فعل ذلک ينظر، إن كان يخفض رأسه للركوع شيئًا ثم للسجود ثم يلزق بجبينه يجوز (أي الصلاة)؛ لـوجـود الإيماء، لا للسجود علىٰ ذلک الشيء، فإن كانت الوسادة موضوعة على الأرض وكان يسـجـد عليها جازت صلاته؛ لما روي أن أم سلمة كانت تسجد علىٰ مرفقة موضوعة بين يديها لرمد بها، ولم يمنعها رسول الله. (۲۸۹/۱)(۱)

ان اقوال واحادیث سے یہ امور ظاہر ہوتے ہیں:

(۱) بوقت قدرت زمین پر سجدہ۔ كما في البدائع (۲۸٤/۱) مكن جبهتک وأنفک من الأرض.

(۲) بوقت عدم قدرت فقط اشارہ۔ (إيـمـاء لا عـلىٰ شيء) كما ورد عليه عامة النصوص وعليه أصحاب المتون.

(۳) زمین پر تکیہ وغیرہ رکھ کر سجدہ کرنا اباحت مرجوحہ۔ كـمـا اختـاره بهشتـي زيور، ولأن حديث أم سلمة فعلي وما سواه قولي وفيهم صيغ الأمر وحديث أم سلمة ليس كذلک.

(۴) کوئی چیز اونچی اٹھا کر سجدہ کرنا، یہ منع ہے۔ كما منع ابن مسعود وابن عمر، واختاره الهداية كما مر.

(۱) اب سوال یہ ہے کہ: ٹیبل وغیرہ پر سجدہ کی فرضیت کی ترجیح کس دلیل سے؟

(۲) یہ کہ ۹/انچ یا اس سے کم بلندی پر سجدہ کی فرضیت کس وجہ سے؟

(۳) نیز یہ ۹/انچ (نصف ذراع) سجدہ میں کہاں سے اخذ کیا ہے؟

(السائل: فضل الرحمٰن ابن مولانا آدم صاحب طالعپوری)

الجواب ـــــــــــ حامدًا و مصليًا و مسلمًا

آپ نے جس فتویٰ پر اشکالات کیے ہیں، اُس کے مجیب باحیات اور سلامت موجود ہیں، چاہیے تو یہ تھا کہ آپ اپنا یہ سوال ان ہی کی خدمت میں بھیجتے، اب جب کہ آپ نے ہم سے ہی جواب کا مطالبہ فرمایا ہے، تو اصل جواب سے پہلے بطورِ تمہید چند باتیں پیش کی جاتی ہیں؛ تاکہ اصل جواب پر کوئی اشکال باقی نہ رہے۔

(۱) اولاً تو آپ کے سوال کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے:

آپ نے فتویٰ کے دو مقامات پر اشکال کیا ہے، اُن میں سے ایک مقام ''زمین پر بیٹھ کر اشارہ سے سجدہ کرنا'' کے

(۱) المرفقة: چھوٹا تکیہ جس پر سوتے ہوئے رخسارہ رکھتے ہیں۔ [مصباح: ۳۰۶] / بدائع الصنائع، فصل فی أركان الصلاة: ۱۰۸/۱ / رواية ابن عمر رواه عبدالرزاق الصنعاني بلفظ: دخل ابن عمر على ابن صفوان الطويل فوجده يسجد على وسادة فنهاه وقال: أومى واجعل السجود أخفض من الركوع. (باب صلاة المريض، رقم الحديث: ٤١٣٨) / ورواية أم سلمة أخرجه عبدالرزاق الصنعاني بلفظ: تسجد على مرفقة وهى قاعدة أعنى تصلى قاعدة. (باب صلاة المريض، رقم الحديث: ٤١٤٥. انیس)

عنوان کے ماتحت ہے،جس میں سوال کیا گیا ہے کہ زمین پر بیٹھ کر فرض، واجب یا نفل نماز پڑھنے والا زمین پر پیشانی رکھے بغیر صرف سر کو جھکا کر اشارہ سے سجدہ کرسکتا ہے یا نہیں؟

اِس کے جواب میں مفتی صاحب نے لکھا ہے کہ:''نماز کے ارکان: قیام، رکوع، سجدہ، قعدہ، وغیرہ میں سجدہ کو خصوصی امتیازی حیثیت حاصل ہے،اور سجدہ یہ نماز کی روح ہے؛اس لیے زمین پر بیٹھ کر کسی بھی قسم کی نماز پڑھنے والا نمازی اگر زمین پر پیشانی رکھ کر سجدہ کرسکتا ہے، یا زمین پر تپائی وغیرہ سخت چیز جو زمین سے نو/انچ یا اس سے کم اونچی ہو ،اس پر پیشانی رکھ کر سجدہ کرسکتا ہے،تو اِن دونوں صورتوں میں زمین پر یا سجدہ کے لائق سخت چیز سجدہ کی جگہ پر رکھ کر اس پر سجدہ کرنا ضروری اور فرض ہے، اِن دونوں صورتوں میں صرف سر جھکا کر سر کے اشارہ سے سجدہ کرنا کافی نہیں،اور ان دونوں صورتوں میں اس طرح صرف سر کے اشارہ سے سجدہ کرنے سے نماز صحیح نہیں ہوگی،اور اس کے لیے ضروری ہے کہ سجدہ کے ساتھ دوبارہ نماز کا اعادہ کرے''۔

(۲)　جو بیمار حقیقی سجود پر قدرت رکھتا ہو،اس کے لیے ایماء یعنی صرف سر کے اشارہ سے سجدہ کرنا درست نہیں۔

کنز میں ہے:

''تعذرعليه القيام أوخاف زيادة المرض صلّى قاعدًا يركع ويسجد،وموميًا إن تعذر،وجعل سجوده أخفض''.

البحرالرائق میں ہے:

(قوله وموميًا إن تعذر)أي:يصلي موميًا وهوقاعد إن تعذرالركوع و السجود لما قدمناه،ولأن الطاعة بحسب الطاقة.(۱۲۲/۲)(۱)

درمختار میں ہے:

(وإن تعذرا) ليس تعذرهما شرطاً بل تعذر السجود كاف(لا القيام أومأ)بالهمز (قاعدًا)وهو أفضل من الإيماء قائمًا لقربه من الأرض.(الدرالمختارعلىٰ هامش ردالمحتار،باب صلاة المريض: ۵۶۰/۱)(۲)

وإن عجزعن القيام والركوع والسجود وقدرعلى القعود يصلي قاعدًا بإيماء،ويجعل السجود أخفض من الركوع،كذا في فتاویٰ قاضي خان.حتىٰ لوسوى لم يصح،كذا في البحر الرائق وكذا لوعجزعن الركوع والسجود وقدرعلى القيام فالمستحب أن يصلي قاعدًا بإيماء، وإن صلّى قائمًا بإيماء جازعندنا،هكذا في فتاویٰ قاضي خان.(الفتاوى الهندية: ۱۳۶/۱)(۳)

(۱)　باب صلاة المريض: ۱۲۲/۲،دارالكتاب الإسلامي.انيس

(۲)　باب صلاة المريض: ۹۷/۲-۹۸،دارالفكر بيروت.انيس

(۲)　الباب الرابع عشر فی صلاة المريض،ط:دارالفكر بيروت.انيس

بدائع میں ہے:

فإذا عجز عن القيام يصلي قاعدًا بركوع وسجود،فإن عجز عن الركوع و السجود يصلي قاعدًا بالإيماء،ويجعل السجود أخفض من الركوع.(البدائع: ۱/۱۰۵-۱۰۶)

(۳) یہاں پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ،حقیقی سجود پر قدرت رکھنے والا کس کو کہا جائے؟ تو ظاہر ہے کہ شرعاً جس سجدہ کو معتبر اور صحیح قرار دیا گیا ہے، جو بیمار اُس طرح کا سجدہ کرنے پر قدرت نہ رکھتا ہو، اُسی کو اِیماء یعنی سر کے اشارہ سے سجدہ کرنے کی اجازت ہوگی۔ فقہانے جہاں سجدہ کی کیفیت سے بحث کی ہے، وہاں لکھا ہے کہ: زمین پر پیشانی رکھنے کو سجدہ کہتے ہیں، کسی نرم چیز پر جس میں سر ناک دھنس جائے اور ناک اور پیشانی قرار نہ پکڑے، مثلاً: گھاس یا روئی وغیرہ پر سجدہ کیا تو سجدہ جائز نہیں، اور اگر اُس کی پیشانی اور ناک قرار پکڑے اور اس جگہ کی سختی معلوم ہو، یعنی اب اگر مبالغہ کیا جائے، تو نہ دبے اور سر نیچے نہ جائے، تو سجدہ جائز اور درست ہے۔

نیز سجدہ کی جگہ پاؤں کی جگہ سے آدھ گز شرعی (ایک بالشت) یعنی نو/انچ تک اونچی ہو، تو سجدہ جائز ہے، اور اگر اس سے زیادہ اونچی ہو، تو جائز نہیں۔

چنانچہ نورالایضاح میں "**باب شروط الصلاة وأركانها**" کے عنوان کے ماتحت تحریر فرماتے ہیں:

"**لا بد لصحة الصلاة من سبعة وعشرين شيئًا**".

آگے نمبر: ۱۷/ پر لکھا ہے:

"**والسجود علىٰ ما يجد حجمه وتستقر عليه جبهته،إلخ**".

اس کے بعد نمبر: ۱۸/ پر لکھا ہے:

وعدم ارتفاع محل السجود عن موضع القدمين بأكثر من نصف ذراع،وإن زاد علىٰ نصف ذراع لم يجز السجود إلا لزحمة سجد علىٰ ظهر مصل صلاته.(۲)

مراقی الفلاح میں ہے:

ومن شروط صحة السجود:عدم ارتفاع محل السجود عن موضع القدمين بأكثر من نصف ذراع ليتحقق صفة الساجد،والارتفاع القليل لايضر،وإن زاد علىٰ نصف ذراع لم يجز السجود ،أي:لم يقع معتدًا به،فإن فعل غيره معتبرًا صح،وإن انصرف من صلاته ولم يعده بطل. (مراقي الفلاح علىٰ هامش الطحطاوي)

---

(۱) بدائع الصنائع،فصل فی أرکان الصلاة.انیس

(۲) نورالإیضاح،جدید ایڈیشن:۱۹۹۔

طحطاوی میں ہے:

”والارتفاع القليل وهو ما كان من نصف ذراع فأقل“.(ص:١٢٦)(١)

طحطاوی علی الدر میں ہے:

إذا سجد المريض علىٰ شيء موضوع على الأرض صح علىٰ أنها سجود إن وجد قوة الأرض وكان ارتفاعه أقل من نصف ذراع؛وإلا فهو إيماء.قال الحلبي:و قوله:فكان ارتفاعه أقل من نصف ذراع،ظاهره أن الارتفاع نصف ذراع مضرفي السجود وليس كذلك؛بل المضرما كان أكثرعند عدم الضرورة.قال أبوالسعود:ولوسجد علىٰ ما يجد حجمه من وسادة لم يكن ارتفاعها القدرالمانع بأن كان قدرلبنة أولبنتين جازعلىٰ أنها بركوع وسجود، انتهىٰ.وقال في شرح الملتقىٰ:إلا أن يجد قوة الأرض فتكون صلاته بالركوع والسجود،كما أفاده المصنف.واستفيد من هذين النصين أن الركوع في هذه المسئلة حقيقي كالسجود.(حاشية الطحطاوي على الدرالمختار:٥٠٥/١)

منقولہ بالاعبارات سے یہ بات صاف ہوگئی کہ، جوآدمی سپاٹ زمین پرسجدہ کرنے پرکسی وجہ سے قادر نہ ہواور وہ کوئی اونچی سخت اورٹھوس چیز رکھ کرسجدہ کرے بہ شرطیکہ اُس کی اونچائی ایک بالشت سے زیادہ نہ ہو،تو اس کوحقیقتاً سجدہ کرنے والاسمجھا جائے گا،اوراس کے متعلق یہ کہنا درست نہیں کہ: وہ سجدہ کرنے سے معذور ہے،لہٰذا بہ ذریعۂ ایماء یعنی سر کے اشارہ سے اس کا سجدہ کرنا معتبر نہ ہوگا اوراس کی وہ نماز درست قرار نہ دی جائے گی۔

صاحب درمختار بہ ذریعۂ ایماء یعنی سر کے اشارہ سے کیے جانے والے رکوع اورسجدہ کی تشریح کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

(ويجعل سجوده أخفض من ركوعه)لزومًا(ولايرفع إلىٰ وجهه شيئًا يسجد عليه)فإنه يكره تحريمًا(فإن فعل بالبناء للمجهول–ذكره العيني–(وهويخفض برأسه لسجوده أكثرمن ركوعه صح)علىٰ أنه إيماء لا سجود إلا أن يجد قوة الأرض(وإلا)يخفض (لا)يصح لعدم الإيماء. (الدر علىٰ هامش ردالمحتار،باب صلاة المريض:٥٦١/١)

علامہ شامی تحریرفرماتے ہیں:

(قوله إلا أن يجد قوة الأرض)هذا الاستثناء مبنى علىٰ أن قوله:ولا يرفع إلخ شامل لما إذا كان موضوعًا على الأرض وهوخلاف المتبادر؛بل المتبادركون المرفوع محمولا بيده أويد غيره،وعليه فالاستثناء منقطع لاختصاص ذلك بالموضوع على الأرض،ولذا قال الزيلعي:كان ينبغي أن يقال:إن كان ذلك الموضوع يصح السجود عليه كان سجودًا وإلا فإيماء،آه،وجزم

(١)　باب شروط الصلاة وأركانها:٢٣٢،دارالكتب العلمية بيروت.انيس

بـه فـي شـرح المنية. واعترضه في النهر بقوله: وعندي فيه نظر؛ لأن خفض الرأس بالركوع ليس إلا إيماء، ومعلوم أنه لايصح السجود بدون الركوع ولوكان الموضوع مما يصح السجود عليه، آه.

أقول: الحق التفصيل، وهو: أنه إن كان ركوعه بمجرد إيماء الرأس من غير انحناء وميل الظهر فهـذا إيـمـاء لا ركـوع، فـلايـعتبـر السـجود بعد الإيماء مطلقاً، وإن كان مع الانحناء كان ركوعًا مـعتبـرًا حتٰى إنـه يصح من المتطوع القادر على القيام، فحينئذ ينظر إن كان الموضوع مما يصح السـجـود عـلـيـه كـحـجـر مثلا ولم يزد ارتفاعه علٰى قدر لبنة أو لبنتين فهو سجود حقيقي، فيكون راكعًا ساجدًا لاموميًا، حتٰى إنه يصح اقتداء القائم به، وإذا قدر في صلاته على القيام يتمها قائمًا، وإن لـم يـكـن الموضوع كذلک يكون مومئًا فلايصح اقتداء القائم به، وإذا قدر فيها على القيام استـأنـفهـا؛ بل يظهر لي: أنه لو كان قادرًا علٰى وضع شيء على الأرض مما يصح السجود عليه أنه يـلـزمـه ذلک؛ لأنـه قـادر عـلـى الـركـوع والسـجـود حـقـيـقـة، ولايصح الإيماء بهما مع القدرة عليهما؛ بل شرطه تعذرهما، كما هو موضوع المسئلة. (۵۶۱/۱)(۱)

اِس میں خط کشیدہ عبارت کو بغور پڑھیں۔

(۴)　جو آدمی حقیقۃً سجود پر قادر نہ ہو؛ وہ بذریعۂ ایماء؛ یعنی سر کے اشارہ سے سجدہ کرے گا، اِس صورت میں کوئی چیز اٹھا کر اس کی پیشانی اور ناک کے ساتھ لگانے کی ضرورت نہیں؛ بلکہ ایسا کرنا مکروہ ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ جب اس کا سجدہ سر کے اشارہ سے ہو رہا ہے، تو پیشانی اور ناک کے زمین پر یا زمین پر رکھی ہوئی ایک بالشت یا اس سے کم اونچی کسی سخت چیز پر رکھنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، گویا اس کا سجدہ پیشانی اور ناک سے نہیں؛ بلکہ سر کے اشارہ سے ادا ہو رہا ہے، جب یہ صورت حال ہے، تو کوئی چیز اٹھا کر اس کی پیشانی اور ناک سے لگانا فضول ہے، جس کی کوئی ضرورت نہیں۔ اوپر جو عبارات پیش کی گئیں، اُن میں اِس کی بھی صراحت موجود ہے۔

اب آپ کے پہلے اشکال کا جواب صاف ہو گیا کہ، زمین پر تپائی وغیرہ سخت چیز جو زمین سے نو/اِنچ یا اس سے کم اونچی ہو، اس پر پیشانی رکھ کر جو نمازی سجدہ کر سکتا ہے، وہ چوں کہ حقیقتاً سجدہ پر قادر ہے؛ اِس لیے مفتی صاحب نے اُس کے لیے ضروری قرار دیا کہ وہ اس صورت میں اِسی طرح یعنی تپائی وغیرہ سخت چیز رکھ کر اس پر سجدہ کرے، اِس صورت میں صرف سر جھکا کر سر کے اشارہ سے سجدہ کرنا کافی نہیں۔ نیز چوں کہ یہ سجدہ حقیقی سجدہ ہے، بہ ذریعۂ ایماء یعنی سر کے اشارہ سے نہیں ہے؛ اس لیے یہ تپائی جو رکھی گئی ہے، اُس کو یہ نہیں کہا جا سکتا کہ کوئی چیز اُس کے سر کی طرف اٹھائی گئی ہے، یہ ممانعت تو اُس وقت ہے جب کہ سجدہ بہ ذریعۂ ایماء یعنی سر کے اشارہ سے ہو؛ اِس لیے آپ نے چہرہ کی طرف

(۱)　ردالمحتار، باب صلاة المريض: ۹۸/۲-۹۹، دارالفكر بيروت. انيس

کسی چیز کے اُٹھائے جانے کی ممانعت کے سلسلہ میں جو روایات اپنے سوال میں بہ طورِ اشکال درج کی ہیں، وہ یہاں پیش نہیں کی جاسکتیں۔

حضرت مفتی صاحب زید مجدہم کے جواب کی تائید ''احسن الفتاویٰ'' کے جواب سے بھی ہوتی ہے، ملاحظہ ہو!

''اگر سرا تنا جھکایا جاسکتا ہو کہ زمین تک ایک بالشت یا اِس سے کم فاصلہ رہ جائے، تو کسی اینٹ یا تپائی وغیرہ پر سجدہ کرنا لازم ہے، اشارہ سے نماز نہ ہوگی''، الخ۔ (احسن الفتاویٰ: ۵۵/۴)

مولانا مفتی سلمان صاحب منصور پوری زید مجدہم تحریر فرماتے ہیں:

''جو شخص سپاٹ زمین پر سجدہ کرنے پر کسی وجہ سے قادر نہ ہو اور کوئی اونچی چیز رکھ کر اس پر سجدہ کرے، تو اگر وہ چیز سخت اور ٹھوس ہے اور اس کی اونچائی دو اینٹ سے زیادہ نہیں ہے، تو اُس کو حقیقتاً سجدہ کرنے والا سمجھا جائے گا، اور اسے سجدہ کرنے سے معذور قرار نہیں دیں گے اور اسی طرح سجدہ کرنا اس پر لازم ہوگا۔ (کتاب المسائل: ۵۳۳/۱)

آپ کا دوسرا اشکال ''کرسی پر بیٹھ کر اشارہ سے سجدہ کرنا'' کے عنوان کے ماتحت دیئے گئے جواب پر ہے۔

پہلے مفتی صاحب کے جواب کی عبارت پیش کرتا ہوں، وھو ھذا:

''جو نمازی کھڑے رہ کر نماز نہ پڑھ سکنے اور زمین پر بیٹھ کر نماز نہ پڑھ سکنے کی وجہ سے کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھے، تو اگر وہ نمازی اپنے سامنے سجدہ کی جگہ پر کوئی ٹیبل وغیرہ رکھ کر اس پر پیشانی رکھ کر سجدہ کرسکتا ہو اور وہ ٹیبل اونچائی میں کرسی کے برابر یا نو/ اِنچ اونچا ہو، اِس سے زیادہ اونچا نہ ہو، تو اُس کے لیے اپنے سامنے اس طرح کا ٹیبل رکھ کر اُس پر سجدہ کرنا فرض ہے، کرسی پر بیٹھ کر اس طرح سجدہ کرسکنے کی صورت میں صرف سر کے اشارہ سے یا تھوڑا جھک کر سجدہ کرنا درست نہیں، اور اس صورت میں صرف سر کے اشارہ سے یا تھوڑا جھک کر سجدہ کرنے سے نماز صحیح نہ ہوگی''۔

آپ کے اِس اشکال کا جواب دینے سے پہلے یہ فیصلہ کرنا ضروری ہے کہ سجدہ کی حالت میں گھٹنوں کا زمین پر رکھنا کیا حکم رکھتا ہے؟ اِس سلسلہ میں تین قول ہیں۔ چنانچہ صاحب درمختار نے باب صفة الصلاة میں سجدہ میں جانے کی جو کیفیت بیان کی ہے، وہاں فرماتے ہیں:

''(ویسجد واضعًا رکبتیه)أولاً لقربهما من الأرض(ثم یدیه). (الدرالمختار)

اس کی تشریح کرتے ہوئے علامہ شامی فرماتے ہیں:

(قوله واضعًا رکبتیه ثم یدیه)قدمنا الخلاف في أنه سنة أوفرض أوواجب؟(رد المحتار: ۳٦۸/۱)(۱)

یعنی گھٹنوں کو زمین پر رکھنے کے سلسلہ میں اختلاف ہے، کہ وہ سنت ہے یا فرض ہے یا واجب ہے؟ چنانچہ فقیہ

(۱) کتاب الصلاۃ، فصل کیفیة الصلاۃ، مطلب فی إطالة الرکوع للجائی، انیس

ابواللیث سمرقندیؒ اِس کے فرض ہونے کے قائل ہیں۔ علامہ شرنبلالیؒ نے ''نورالایضاح'' میں اِسی کو اختیار فرمایا ہے، چناں چہ ''باب شروط الصلاة وأركانها'' کے ماتحت فرماتے ہیں:

''**لا بد لصحة الصلاة من سبعة وعشرين شيئًا**. (نورالإيضاح)

آگے اِس کی تفصیل کرتے ہوئے انیسویں نمبر پر سجدہ کا طریقہ بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''**ووضع اليدين والركبتين في الصحيح**. (نورالإيضاح: ۲۰۰، شائع کردہ: مکتبة كنوز العلم)

لیکن فتویٰ اِس کی عدم فرضیت پر ہے۔ چنانچہ صاحب درمختار نے جہاں نماز کی سنتوں کو بیان کیا ہے، وہاں پر تحریر فرماتے ہیں:

(...**ووضع يديه وركبتيه) في السجود**. (الدر المختار مع ردالمحتار: ۳۵۲/۱)(۱)

جس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ، صاحب درمختار کے نزدیک یہ سنت ہے۔

اِسی کی تشریح کرتے ہوئے علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

(قوله ووضع يديه وركبتيه) هو ما صرح به كثير من المشائخ، واختار الفقيه أبو الليث الافتراض، ومشٰى عليه الشرنبلالي، والفتوىٰ علٰى عدمه كما في التجنيس والخلاصة، واختار في الفتح الوجوب؛ لأنه مقتضى الحديث مع المواظبة. قال في البحر: وهو إن شاء الله أعدل الأقوال لموافقته الأصول، آه، وقال في الحلية: وهو حسن ماش على القواعد المذهبية، ثم ذكر ما يؤيده. (ردالمحتار: ۳۵۲/۱)(۲)

اِس سے یہ معلوم ہوا کہ، اکثر مشائخ بوقت سجدہ گھٹنوں کو زمین پر رکھنے کی سنیت کے قائل ہیں، اگر چہ بقول علامہ شامیؒ راجح اور معتدل قول وجوب کا ہے۔

وہ شخص جو زمین پر بیٹھ کر سجدہ کرنے سے معذور ہے اور بیماری کی وجہ سے گھٹنوں کو زمین پر رکھ کر سجدہ نہ کر سکنے کی وجہ سے کرسی پر بیٹھ کر نماز ادا کر رہا ہے، اور اپنے سامنے ٹیبل وغیرہ ایسی چیز جس کی سطح اس کی کرسی کی سطح سے نو/ اِنچ سے زیادہ اونچی نہ ہو، رکھ کر اُس پر پیشانی رکھ کر سجدہ کر سکتا ہے، تو کیا اُس کے لیے ایسا کرنا ضروری ہے؟

جن حضرات کے نزدیک سجدہ میں گھٹنوں کو زمین پر رکھنا فرض ہے، جیسے کہ صاحب نورالایضاح علامہ شرنبلالی وغیرہ، اُن کے مسلک کے اعتبار سے تو جب یہ آدمی کرسی پر بیٹھا ہوا ہے اور زمین پر گھٹنے ٹیک کر سجدہ کرنے سے معذور ہے، تو اس کے حق میں حقیقی سجود کا تحقق نہ ہونے کی وجہ سے بہ ذریعۂ ایماء یعنی سر کے اشارہ سے سجدہ کرنے کا حکم جاری ہوتا ہے؛ اِس لیے سامنے ٹیبل رکھ کر اس پر پیشانی رکھنے کی طاقت ہونے کے باوجود ایسا کرنا اس کے لیے ضروری نہیں؛

(۱-۲) کتاب الصلاة، باب كيفية الصلاة، قبيل آداب الصلاة: ۴۷۶/۱، دار الفكر انيس)

کیوں کہ اس کا سجدہ بذریعۂ ایماء ہورہا ہے، اور وہ ٹیبل پر پیشانی رکھنے پر موقوف نہیں؛ بلکہ اس کے بغیر بھی بذریعۂ ایماء یعنی سر کے اشارہ سے سجدہ کا تحقق ہورہا ہے۔ البتہ جن حضرات کے نزدیک سجدۂ حقیقی میں گھٹنوں کو زمین پر رکھنا فرض نہیں؛ بلکہ واجب ہے، ان کے نزدیک جب یہ شخص اس پر قادر نہیں تو یہ وجوب اس سے ساقط ہوکر اس کے بغیر بھی اس کے حق میں سجدۂ حقیقی کا تحقق ہوسکے گا، اور جن حضرات کے نزدیک یہ سنت ہے اُن کے نزدیک تو بصورت عذر بطریق اولیٰ سجدۂ حقیقی کا تحقق ہوگا؛ اِس لیے ان دونوں فریق کے بقول کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنے والا معذور شخص سامنے ٹیبل رکھ کر جس کی اونچائی اُس کی کرسی کی سطح سے نو اِنچ سے زیادہ نہ ہو، پیشانی رکھ کر سجدہ کرنے پر قادر ہے، تو اُس کے حق میں سجود حقیقی کا تحقق ہونے کی وجہ سے اُس کے لیے ایسا کرنا ضروری قرار دیا جائے، اِسی میں احتیاط ہے۔ اِس لیے حضرت مفتی صاحب نے اپنے جواب میں جو لکھا ہے وہ بالکل درست ہے۔

''احسن الفتاویٰ'' میں ریل گاڑی اور بس میں نماز کا جو طریقہ بتلایا ہے، وہ نقل کیا جاتا ہے:

''ریل گاڑی اور بس میں کھڑے ہوکر قبلہ رخ نماز پڑھیں، گرنے کا خطرہ ہو تو کسی چیز سے ٹیک لگاکر یا ہاتھ سے کوئی چیز پکڑ کر کھڑے ہوں، حالتِ قیام میں ہاتھ باندھنا سنت ہے، فرض نہیں، اور قیام فرض ہے؛ اِس لیے بوقت ضرورت ہاتھ چھوڑ کر کسی چیز کو پکڑ کر کھڑا ہو۔ اگر قبلہ رخ ہونے کی گنجائش نہ ہو تو دو نشستوں کے درمیان قبلہ رخ کھڑا ہوکر قیام ورکوع کا فرض ادا کرے، اور سجدہ کے لیے پچھلی نشست پر کرسی کی طرح بیٹھ جائے، یعنی پاؤں نیچے ہی رہیں، اور سامنے کی نشست پر سجدہ کرے، اِس صورت میں بحالتِ سجدہ گھٹنے کسی چیز پر نہیں ٹکیں گے؛ مگر سجدہ میں گھٹنے رکھنا فرض نہیں؛ بلکہ واجب یا سنت ہے، بوقت عذر اُس کے ترک سے نماز ہوجائے گی''۔ (احسن الفتاویٰ:۴/۸۸)

نوٹ: اُس کو قیام کے بجائے بیٹھنے اور رکوع کے بجائے ایماء یعنی سر کے اشارہ سے رکوع کی اجازت اس لیے تھی کہ، اس کے حق میں یہ سمجھا گیا تھا کہ اس کا سجود حقیقی نہیں ہے؛ بلکہ بذریعۂ ایماء یعنی سر کے اشارہ سے ہے، اور ایسا آدمی جو سجودِ حقیقی پر قادر نہ ہونے کی وجہ سے سجدہ بذریعۂ ایماء کررہا ہو، اُس کے لیے قیام ورکوع پر حقیقتاً قدرت ہوتے ہوئے بیٹھ کر سجدہ کی طرح رکوع بھی بذریعۂ ایماء ادا کرنا افضل ہے؛ لیکن اب جب کہ یہ محقق ہوگیا کہ، کرسی پر بیٹھ کر بھی سجدۂ حقیقی ہوتا ہے، تو کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنے والا جو شخص قیام اور رکوع کرنے پر قادر ہے وہ بحالت قیام کرسی پر نہ بیٹھے؛ بلکہ کھڑا رہے، پھر بوقت رکوع حقیقتاً رکوع کرے، اور بوقت سجدہ کرسی پر بیٹھ کر کرسی کے سامنے رکھے ہوئے ٹیبل پر جس کی اونچائی کرسی کی سطح سے نو/اِنچ سے زیادہ نہ ہو، سجدہ کرے؛ ورنہ اُس کی نماز نہ ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری۔ مؤرخہ: ۲۷/شوال ۱۴۳۱ھ۔ الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ۔

الجواب صحیح: عبدالقیوم راجکوٹی۔ (محمود الفتاویٰ:۴/۲۰۱-۲۱۶)

سجدہ کے لیے بجائے زمین کے پانی ہو، تو سجدہ اشارہ سے کرنے کا حکم:

سوال: ہمارے علاقہ میں زمین، برسات کے زمانہ میں، ڈوب جاتی ہے، اور کاشتکار آدمی جب کام پر جاتا ہے، تو صرف پانی ہی پانی ملتا ہے۔ ایسی صورت میں وہ نماز کس طرح ادا کرے؟

الجواب ــــــــــــ حامداً و مصلیاً

جب خشک زمین نہ ملے، پانی ہی پانی ہو، سجدہ نہ کر سکے تو اشارہ سے نماز پڑھ لے، یعنی سجدہ کے لیے پانی کے کچھ قریب تک سر جھکا کر اشارہ کر لے۔(۱) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ أعلم**

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔ ۱۸/۶/۱۳۹۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔ ۱۸/۶/۱۳۹۱ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵۵۲/۵) ☆

(۱) **"لایصح علی الدابة صلاة الفرائض ... إلا لضرورة، کخوف لص علیٰ نفسه ... (و)وجود مطر و(طین) فی(المکان) یغیب فیه الوجه أویلطخه ویتلف مایبسط علیه أما مجرد ندوة فلا یبیح ذلک، و الذی لا دابة له یصلی قائمًا فی الطین بالإیماء". (مراقی الفلاح علیٰ هامش حاشیة الطحاوی، کتاب الصلاة، فصل فی صلاة الفرائض والواجب علی الدابة: ۴۰۸، قدیمی)/وکذا فی ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، قبیل مطلب فی القادر بقدرة غیره: ۴۰/۲، دارالفکر. انیس)**

☆ کمر کی تکلیف میں اشارہ سے سجدہ کرنا:

سوال: اگر کسی کے کمر میں تکلیف اور درد ہو، تو وہ نماز میں سجدہ کبھی تو اشارہ سے کرتی ہو اور کبھی پورا سجدہ سر زمین پر ٹیک کر، لیکن بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ میں نماز پڑھ رہی ہوتی ہوں اور میری کمر میں تکلیف ہوتی ہے، اگر نماز کی پہلی رکعت میں سجدہ اشارہ سے کر لیا، بعد میں دوسری رکعت میں تکلیف کم محسوس ہوئی، تو پورا سجدہ کر لیا، پھر تیسری رکعت میں درد ہوا پھر اشارہ سے سجدہ کر لیا اور چوتھی میں پورا کر لیا، تو اب بدرجۂ مجبوری اور عذر کے ایسا کیا تو نماز ہو جائے گی؟ یا اب ایسا کرنے میں کوئی حرج ہے؟

الجوابــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

سجدہ چونکہ فرض ہے؛ اس لئے ہر ممکن کوشش کرنی چاہئے کہ باقاعدہ سجدہ کے ساتھ نماز پڑھی جائے اور اشارہ پر اکتفاء نہ کیا جائے؛ البتہ اگر سجدہ میں جانے کی بالکل استطاعت (طاقت) نہ رہے یا سجدہ کی وجہ سے ناقابل تحمل تکلیف کا اندیشہ ہو، تو سجدہ کے بجائے اشارہ سے نماز پڑھ سکتے ہیں؛ لیکن صورتِ مسئولہ میں اگر پہلی رکعت میں اشارہ سے سجدہ کر لیا ہو اور دوسری رکعت میں باقاعدہ سجدہ کر لیا، تو نماز فاسد ہو جائے گی۔

ولوکان قد أدی بعضها مؤمیا فقدرعلی الرکوع والسجود ولوقاعدًا لایبنی لما فیه من بناء القوی علی الضعیف. (الطحطاوی علی المراقی أشرفی: ۴۳۵) فقط واللّٰہ تعالیٰ أعلم (دینی مسائل اوران کا حل: ۸۸-۸۹)

ہوائی جہاز اور موٹر میں نماز کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ دین وشرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہوائی جہاز میں نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اور موٹر میں اشارہ سے نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: مولوی گل محمد گلی چشمہ کوئٹہ۔۲۰ رشوال ۱۴۰۴ھ)

الجواب

(۱) چونکہ ہوائی جہاز میں استقرار جبہہ ممکن ہے، لہٰذا اس میں کشتی چانداورآسمان کی طرح نماز پڑھنا جائز ہے۔

(۲) موٹر میں اشارہ سے نماز پڑھنا کافی نہیں اور واجب الاعادہ ہے۔(۱) وهو الموفق

الجواب الثانی: چونکہ ہوائی جہاز میں تمام ارکان با قاعدہ ادا ہو سکتے ہیں، لہٰذا صورت مسئولہ میں سفینہ کی طرح نماز پڑھنا درست ہوگا۔

فی البدائع: ۱۰۹/۱:"وإن كانت سائرة فإن أمكنه الخروج إلى الشط يستحب له الخروج إليه؛ لأنه يخاف دوران الرأس فى السفينة فيحتاج إلى القعود وهو آمن عن الدوران فى الشط فإن لم يخرج وصلى فيها قائمًا بركوع وسجود أجزأه لما روى،الخ.(۲) فافهم وهو الموفق

(فتاویٰ فریدیہ:۲/۲۲۷-۲۲۸)☆

---

(۱) وفى المنهاج:وأما الصلاة فى السيارات البرية من القطارات وغيرها فعند الوقوف حكمها كحكم الصلاة على الأرض وعند السير حكمها كحكم الصلاة فى السفينة السائرة فمن صلى فيها قاعدًا بركوع وسجود أجزأت، ومن صلى فيها بالإيماء للزحمة وضيق المحل فالظاهر من النظائر أن يعيد الصلاة.(منهاج السنن شرح جامع السنن، باب ما جاء فى الصلاة على الدابة حيث توجهت به: ۲/۲۳٤)

(۲) بدائع الصنائع،فصل فى أركان الصلاة: ۱/۱۰۹.

ويؤيد صحة الصلاة فى السماء قال الله تعالىٰ:﴿أَوْصَانِيْ بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ مَادُمْتُ حَيًّا﴾(سورة مريم : ۳۲)

☆ ریل میں بھیڑ کی وجہ سے سجدہ کا موقع نہ ہو:

سوال: اگر کسی شخص کو ریل میں بھیڑ کی وجہ سے سجدہ کا موقع نہ ہو تو کیا کرے؟

الجواب وباللّٰه التوفيق

اگر کوئی شخص ٹرین میں سخت بھیڑ کی وجہ سے سجدہ پر قادر نہ ہو، تو اسے چاہئے کہ اگر وقت فوت ہونے کا اندیشہ ہو، تو اشارہ سے نماز پڑھ لے، اور پھر بعد میں اسے دہرائے۔

"راكب السفينة إذا لم يجد موضعًا للسجود للزحمة الخ يصلى بالإيماء إذا خاف فوت الوقت".(ردالمحتار،زكريا: ۲/٤۹۰، کتاب المسائل:۱/۵۲۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (دینی مسائل اوران کاحل:۸۸)

ہوا خارج ہونے کی صورت میں سجدہ کرنے کا حکم:

سوال: ایک شخص کو دوران نماز سجدہ کرتے وقت ہوا خارج ہونے کی بیماری ہے، لیکن قیام اور رکوع کی حالت میں درست اور صحیح رہتا ہے، تو کیا اس شخص کے لئے نماز میں سجدہ کرنا ضروری ہے، یا صرف اشارے سے سجدہ کرے؟

الجواب

صورت مسئولہ عذر شرعی کی کیفیت ہے، اس لئے یہ شخص نماز میں قیام اور رکوع کے بعد اشارے سے سجدہ کرے، اگر کھڑے ہوکر اشارے سے سجدہ کرنا آسان ہو تو کھڑے ہوکر اشارے سے سجدہ کرے ورنہ بیٹھ کر سجدہ کرنا زیادہ بہتر ہے۔

لما قال العلامة الشرنبلالي: وإن تعذر الركوع والسجود وقدر على القعود ولو مستندًا صلى قاعدًا بالإيماء للركوع والسجود برأسه ولايجزيه مضطجعًا وجعل إيماءه برأسه للسجود أخفض من إيمائه برأسه للركوع. (مراقی الفلاح علی صدر الطحطاوی، باب صلاۃ المریض: ۲۳۵) (فتاویٰ حقانیہ: ۳/۸۵) ☆

سجدہ میں سرین اٹھانے کی تحقیق:

سوال: زید جو مولوی وعالم مشہور ہے، جب نوافل وغیرہ بیٹھ کر پڑھتا ہے، تو سجدہ کرتے ہوئے سرین زمین سے نہیں اٹھاتا۔ اپنے معتقد واتباع کو حکم دیتا ہے کہ نفل بیٹھ کر پڑھو، تو سجدہ میں سرین زمین سے نہ اٹھاؤ، ورنہ نماز فاسد ہوگی اور صحیح مسلم شریف کی حدیث واقعہ "**باب جواز النافلة قاعدًا وقائمًا**" سے استدلال کرتا ہے۔

☆ **رکوع وسجود سے ہوا خارج ہوجاتی ہو، تو اشارے سے نماز پڑھ لے:**

سوال: زید کو ناسور کی تکلیف تھی، آپریشن کرانے سے اس کو آرام آگیا، اب زید نماز میں رکوع وسجدہ کرتا ہے، تو اس کی ہوا خارج ہوتی ہے اور اس کا کہنا ہے کہ اس سے اس کو نجات مشکل ہے اور رکوع وسجدہ کے بغیر وضو صحیح رہتا ہے، اب دریافت یہ کرنا ہے کہ زید نماز کو رکوع وسجود کے ساتھ ادا کرے یا اشارہ کر کے نماز پڑھے؟ (سائل: عبدالرحمٰن، ملتان)

الجواب

وفي الشامية: ۱/۲۸۳: (قوله ولو بصلاته مومئًا) أي كما إذا سال عند السجود ولم يسل بدونه فيؤمي قائمًا أو قاعدًا الخ. (ردالمحتار، كتاب الطهارة، مطلب في أحكام المعذور، قبيل باب الأنجاس، انيس)

روایات بالا سے معلوم ہوا کہ شخص مذکور رکوع وسجدہ کو اشارہ کے ساتھ ادا کرے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفرلہ، نائب مفتی خیر المدارس ملتان۔ ۱/۶/۱۳۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ رئیس الافتا جامعہ ہٰذا۔ (خیر الفتاویٰ: ۲/۲۸۷)

"إن النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم إذاصلّٰی قائمًا رکع وسجد وھوقائم وإذا صلّٰی قاعدًا رکع و سجد وھو قاعد. (۱)

اورعبارت ذیل فقہ کی پیش کرتا ہے:

"من صلّٰی قاعدًا فسجد لایرفع إلیتیه وإن رفع إلیتیه فسدت صلا ته؛لأن إلیتیه فی صلاۃ القاعد بمنزلة القدمین وإذا رفع قدمیه فی صلاۃ القائم فسدت الصلاۃ فکذا إلیتیه". (کذا فی المحیط لچلپی)

"والأصل أن المریض أوغیرہ إذا صلّٰی قاعدًا لایرفع إلیتیه کما لایرفع رجلیه فی السجدۃ و إذا رفع رِجلاً واحدًا وإلیةً واحدةً لا تفسد". (کذا فی چلپی ابن الملک)

والمختار أن یقعد کما یقعد فی حالة التشھد وھوالذی اختارہ الفقیه أبواللیث وشمس الأئمة السرخسی،وقال أبویوسف رحمه اللّٰہ تعالٰی إذا ھات (۲) وقت الرکوع والسجود یقعد کما یقعد فی التشھد. کذا فی العینی شرح الھدایة: ۱۶۸/۱. انتھٰی(۳)

اب سوال یہ ہے کہ حدیث صحیح مسلم کے یہی معنیٰ ہیں جیسے زید نے سمجھے ہیں کہ قائم اور قاعد کو ہیئتِ سجدہ میں رفع الیتین وعدم رفع الیتین سے فرق کرنا چاہئے اور عباراتِ فقہ کی تصحیح کریں کہ یوں ہی واقع ہیں یا نہیں اور مفتیٰ بہا ہیں یا نہیں، جیسا کہ تعامل علما، اساتذہ اور شیوخ سے رفع الیتین فی السجدہ مشاہد ہے۔

بینوا بإسناد الکتب المعتبرۃ عند الحنفیة توجروا یوم الحساب.

الجواب

زید کے قول پر کوئی دلیل صحیح قائم نہیں، حدیث مسلم میں اگر "سجد وھو قاعد" کے یہ معنیٰ ہیں کہ سجدہ کے وقت بھی ہیئت؛ قعود کی رہتی تھی، سو اول تو یہ خود مقصود زید کے خلاف ہے؛ کیونکہ زمین پر سر رکھنے سے ہیئت قعود کی باقی نہیں رہتی، اور اگر بعض ہیئت مراد ہے تو وہ رفع الیتین کی حالت میں بھی حاصل ہے۔ دوسرے لازم آتا ہے کہ اسی طریق پر

(۱) مسلم شریف میں اصل حدیث اس طرح ہے:

"عن عبداللّٰہ بن شقیق قال:سألتُ عائشة عن صلٰوۃ رسول اللّٰہ صل اللّٰہ علیه وسلم عن تطوعه فقالت: ... وکان یصلی لیلاً طویلاً قائماً ولیلاً طویلاً قاعداً وکان إذا قرأ وھوقائم رکع وسجد وھوقائم وإذا قرأ وھوقاعدًا رکع وسجد وھوقاعد ...". (الصحیح لمسلم، کتاب الصلاۃ،باب جوازالنافلة قائمًا وقاعدًا، الخ: ۲۵۲/۱ (ح: ۷۳۰)انیس)

(۲) یہ لفظ سمجھ میں نہیں آتا، بظاہر حان ہے۔منہ

(۳) البنایة شرح الھدایة،صلاۃ النافلة علی الدابة وفی حال القعود: ۵۴۱/۲-۵۴۲،دارالکتب العلمیةبیروت. انیس

اس حدیث کے اس جزو ”سجد وهو قائم“ کے بھی یہ معنیٰ ہوں کہ سجدہ کے وقت قیام بھی رہتا تھا، حالانکہ یہ بالاتفاق باطل ہے، پس معلوم ہوا کہ حدیث کے یہ معنیٰ نہیں؛ بلکہ مراد یہ ہے کہ اکثر ایسا نہ کرتے تھے کہ رکوع وسجدہ کے قبل کھڑے ہو جاتے ہوں اور پھر قیام سے رکوع میں اور اس کے بعد سجدے میں جاتے ہوں، جیسا کہ گاہ گاہ ایسا بھی کرتے تھے، جیسا کہ حدیث مذکور کے بعد ہی دوسری حدیث مسلم میں ہے:

”قلت لعائشة كيف كان يصنع رسول الله صلى الله عليه وسلم في الركعتين وهو جالس قالت: كان يقرأ فيهما فإذا أراد أن يركع قام فركع“. (مسلم)(۱)

رہ گئیں عبارات کتب فقہیہ سوان میں سے عبارتِ اولیٰ ”من صلّی قاعدًا“ اور عبارتِ ثانیہ یعنی ”والأصل الخ“، اول تو محتاج تصحیح نقل ہیں، مستدل کو ان عبارتوں کا پورا پتہ بتلانا چاہئے کہ کہاں سے نقل کی ہیں، (۲) تاکہ ماخذ سے مطابق کیا جاوے۔

دوسرے عبارت اولیٰ میں جو دلیل بیان کی ہے۔ **لأن إليتيه في صلاة القاعد، الخ.** وہ دعویٰ مذکورہ پر منطبق نہیں ہوتی، کیونکہ یہ اگر حالتِ سجدہ کا بیان ہوتا تو دلیل میں بجائے ”**وإذا رفع قدميه في صلاة القائم**“ کے ”**رفع قدميه في السجود**“ ہوتا، ورنہ قید ”**في صلاة القائم**“ سے لازم آتا ہے کہ صلوٰۃ قاعد میں رفع قدمیہ فی السجود مفسد صلوٰۃ نہ ہو اور صلوٰۃ قائم میں ہو، حالانکہ اطلاق دلائل مبطل تفاوت ہے، اس سے غالب ظن یہ ہوتا ہے کہ اس عبارت میں **فسجد** ناقل یا کاتب کی غلطی ہے اور مطلب اس عبارت کا یہ ہے کہ حالتِ قیام حکمی میں رفع الیتین نہ کرے، ورنہ وہ ایسا ہوگا، جیسے قیام حقیقی میں کوئی شخص رفع قدمین کرے کہ مفسد صلوٰۃ ہے۔ اس تقریر پر یہ اس مبحث ہی سے خارج ہے اور عبارت ثانیہ میں تو **لا يرفع إليتيه** کے ساتھ قید فی السجدۃ کی بھی مذکور نہیں، پس اس سے بھی وہی مراد ہوگی کہ ”**لا يرفع إليتيه في القيام الحكمي**“ اور آگے جو مشبہ بہ کے ساتھ فی السجدۃ مذکور ہے، سو وہ محتمل ہے کہ صرف **لا يرفع رجليه** کے ساتھ متعلق ہو اور تشبیہ فساد میں ہو، اگر یہ احتمال متعین بھی نہ ہو، تاہم مستدل کو تو مضر ہے؛ **لأنه إذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال.**

تیسرے متون وشروح وفتاوائے مشہورہ میں جو مطلقاً سجدۂ رجال کی ہیئت لکھی ہے، وہ اس کے خلاف ہے اور بقاعدہ رسم المفتی وہ مقدم ہیں، پس اگر عبارات مذکورہ کی صحت نقل اور دلالت دونوں مسلم ہوں، تب بھی بوجہ تعارض روایات مشہورہ کے غیر مقبول اور غیر معمول بہا ہوں گی اور اخیر عبارت یعنی ”**والمختار، الخ**“، بھی بوجہ موجود نہ ہونے

---

(۱) الصحيح لمسلم، كتاب الصلاة، باب جواز النافلة قائمًا وقاعدًا، الخ: ۲۵۲/۱، انیس
(۲) راقم الحروف نے بھی یہ عبارتیں کافی تلاش کیں، لیکن کہیں پتہ نہ چلا۔ سعید احمد

عینی کے، منطبق نہیں ہوسکتی، غالباً اس کی نقل میں بھی کچھ غلطی رہی ہوگی، جیسا کہ "ھــــات" کا مہمل ہونا اس پر دال ہے؛(۱) لیکن اس سے قطع نظر کر کے کہا جاتا ہے کہ اس مبحث سے کچھ مس نہیں، اس میں صرف کیفیت قعود کا بیان ہے اور احتراز ہے تربع وغیرہ سے بہرحال زید کا نہ دعویٰ درست نہ استدلال صحیح۔ واللہ اعلم

یکم جمادی الاولیٰ ۱۳۲۲ھ۔ (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۱۹۵-۱۹۹)

سجدے میں دونوں پاؤں اٹھ جائیں، تو کیا حکم ہے:

سوال: سجدہ میں اگر دونوں پیر زمین سے اٹھ جاویں، تو نماز ہوگی یا نہیں، اگر تھوڑی دیر تک اٹھے رہیں تو کچھ خلل تو نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــــ

قدمین کا زمین پر رکھنا سجدہ میں ضروری ہے، لیکن اگر زمین پر رکھنے کے بعد پھر دونوں قدم زمین سے اٹھ گئے یا اٹھنے کے بعد پھر زمین پر رکھ لئے، تو نماز ہوگئی۔ (۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲/۱۵۳-۱۵۴)

(۱) عینیؒ کی یہ عبارت اختصار مخل کے ساتھ نقل کی گئی ہے اور اس عبارت کو اس مبحث سے کچھ مس نہیں، اس میں تو یہ بحث ہے کہ جو شخص بیٹھ کر نماز پڑھے، وہ قراءت کی حالت میں کس طرح بیٹھے؟ عینیؒ کی پوری عبارت اس طرح ہے:

قال صاحب الهداية: ويصلي النافلة قاعدًا مع القدرة على القيام ...واختلفوا في كيفية القعود، والمختار: أن يقعد كما يقعد في حالة التشهد اه قال العيني: واختلفوا في كيفية القعود أي اختلف العلماء في كيفية القعود حالة القراء ة، قال المصنف: والمختار: أن يقعد كما يقعد في حالة التشهد وهو الذي اختار الفقيه أبو الليث السمرقندي وشمس الأئمة السرخسي وهو قول زفر رحمه الله وفي الخلاصة عن أبي حنيفة ثلاث روايات: في رواية يجلس كما يجلس في التشهد وفي رواية يتربع وفي رواية يحتبي... وروى عن أبي حنيفة أنه يتربع في صلاة الليل من أول الصلاة إلى آخرها وقال أبو يوسف: إذا هات (كذا في المطبوع والصحيح "حان" كما تقدم من المجيب) وقت الركوع والسجود يقعد كما يقعد في تشهد المكتوبة، الخ. سعيد)

نوٹ: علامہ عینی کی بنایہ شرح ہدایہ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت باب صلاة النافلة على الدابة وفي حال القعود: ۲/۵٤۲ میں "وقال أبو يوسف: إذا جاء وقت الركوع والسجود يقعد كما يقعد في تشهد المكتوبة" ہے۔ انیس

(۲) وفيه: يفترض وضع أصابع القدم ولو واحدةً نحو القبلة وإلا لم تجز، والناس عنه غافلون. (الدر المختار)

(قوله وفيه، الخ) أي في شرح الملتقى، وكذا قال في الهداية، وأما وضع القدمين فقد ذكر القدوري أنه فرض في السجود آه فإذا سجد ورفع أصابع رجليه لايجوز، كذا ذكره الكرخي والجصاص، ولو وضع إحداهما جاز الخ فصار في المسئلة ثلاث روايات: الأولى فرضية وضعهما، الثانية فرضية إحداهما، الثالثة عدم الفرضية، الخ.

والحاصل أن المشهور في كتب المذهب اعتماد الفرضية، والأرجح من حيث الدليل والقواعد عدم الفرضية، الخ، ثم الأوجه حمل عدم الفرضية على الوجوب، والله أعلم، الخ، وفي البزازية: والمراد بوضع القدم هنا وضع الأصابع أو جزء من القدم وإن وضع أصبعًا واحدةً أو ظهر القدم بلا أصابع، إن وضع مع ذلك إحدى قدميه صح وإلا لا. (رد المحتار، باب صفة الصلاة: ١/٤٦٦، ظفير)

نماز میں دایاں پیر اٹھنے سے نماز ہوگی یا نہیں:

سوال: حالت سجدہ یا کسی بھی رکن میں دایاں پیر اٹھ جائے، تو نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

سجدہ یا کسی بھی رکن میں صرف دایاں پیر اٹھ جائے اور بایاں پیر اپنی جگہ پر رہے تو نماز ہو جائے گی، سجدہ میں دونوں پیروں کی انگلیوں میں سے کم ازکم ایک انگلی زمین پر رکھنا فرض ہے۔

”وفیه (أی فی شرح الملتقٰی): یفترض وضع أصابع القدم ولو واحدة نحو القبلة وإلّا لم تجز، والناس عنه غافلون“. (الدر المختار)

قال الشامی: (قوله نحو القبلة) قال فی البزازیة: والمراد بوضع القدم هنا وضع الأصابع أو جزء من القدم وإن وضع أصبعًا واحدة أو ظهر القدم بلا أصابع، إن وضع مع ذلک إحدی قدمیه صح وإلّا لا، اھ. (رد المحتار: ۲۰۵/۲)(۱) فقط واللّٰہ تعالٰی أعلم

محمد جنید عالم ندوی قاسمی ۔۲۴/۳/۱۴۰۸ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۳۸۵/۲)

(۱) کتاب الصلاة، باب کیفیة الصلاة، بعد مطلب فی إطالة الرکوع للجائی: ۵۰۰/۱، دار الفکر بیروت/ الفتاویٰ البزازیة علی هامش الفتاویٰ الهندیة، کتاب الصلاة، الثانی فی مقدمتها وصفتها: ۲٦/٤، دار الفکر بیروت. انیس

☆ سجدہ میں پیر زمین پر ٹیکنا:

سوال: سجدہ کی حالت میں اگر دونوں پیر زمین سے اٹھ جاویں، تو نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

سجدہ کی حالت میں پیروں کو زمین پر رکھنے کے متعلق تین روایتیں ہیں:

اول یہ کہ دونوں پیر زمین پر رکھنا فرض ہے، دوم یہ کہ ایک کا رکھنا فرض ہے، ان دونوں روایتوں کی بنا پر صورت مسئولہ میں سجدہ ادا نہ ہوگا، لہٰذا نماز صحیح نہیں ہوگی، سوم یہ کہ سنت ہے، تو اس روایت کی بنا پر نماز مکروہ ہوگی۔

”وفیه. أی فی شرح الملتقٰی. یفترض وضع أصابع القدم ولو واحدةً نحو القبلة، وإلا لم تجز، والناس عنه غافلون“. (الدر المختار)

قال الشامی: ۵۲۱/۱، بعد نقل العبارات: ”فصار فی المسئلة ثلث روایات: الأولٰی فرضیة وضعهما، الثانیة فرضیة إحداهما، والثالثة عدم الفرضیة، وظاهره أنه سنة“. (رد المحتار، کتاب الصلاة، فصل فی بیان إتیان الصلاة إلی انتهائها: ۴۹۹/۱-۵۰۰، سعید) فقط واللّٰہ سبحانہ تعالٰی أعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵۶۰/۵-۵۶۱)

سجدہ میں دونوں پاؤں زمین پر رکھنے کی تحقیق:

سوال: سجدہ کی حالت میں زمین سے دونوں پیروں کے اٹھ جانے کے سلسلے میں مختلف عبارتیں ہیں۔

"یفترض وضع أصابع القدم ولو واحدة نحو القبلة وإلا لم تجز، والناس عنه غافلون". (الدر المختار)

قال الشامي: ۵۲۱/۱، بعد نقل العبارات، فصار فی المسئلة ثلٰث روایات: الأولٰی فرضیة وضعهما، الثانیة فرضیة إحداهما، والثالثة عدم الفرضیة، وظاهره أنه سنة". (۱)

قول اول وثانی سے فرضیت کی بنا پر نماز کا نہ ہونا واضح ہے اور قول ثالث سے سنت کا ثبوت ہوتا ہے، جس سے نماز کا ہو جانا مستفاد ہوتا ہے۔ نیز:

"(ومنها السجود) بجبهته وقدمیه، ووضع أصبع واحدة منهما شرط، الخ. (الدر المختار)

(قوله وقدمیه)... وأفاد أنه لو لم یقع شیئًا من القدمین لم یصح السجود، الخ. (رد المحتار: ۴۱۶/۱) (۲)

مذکورہ بالا عبارات سے سجدہ کا صحیح نہ ہونا مستفاد ہوتا ہے، نیز طحطاوی ص: ۲۵۴ اور ۱۲۶ کی عبارت سے یہ واضح ہوتی ہے کہ نماز نہ ہوگی، آخر مفتیٰ بہ قول ان اقوال میں کون سا ہے اور کس پر فتویٰ دیا جائے؟

الجواب ــــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

سجدہ کی حالت میں جو سات اجزا (اعضا) زمین پر رکھے جاتے ہیں، ان میں اطراف قدمین بھی ہیں۔

"أمرت أن أسجد علٰی سبعة أعظم، علی الجبهة والیدین والرکبتین وأطراف القدمین، متفق علیه". (مراقی الفلاح: ۱۲۷)

لیکن پاؤں کی دس انگلیوں میں سے کم از کم ایک انگلی کا زمین پر رکھنا شرائط میں سے ہے۔

"ووضع أصبع واحدة منهما شرط". (الدر المختار علٰی صدر رد المحتار: ۴۱۶/۱) (۳)

اور "**إذا فات الشرط فات المشروط**" ضابطہ کے تحت اگر ایک انگلی بھی زمین پر نہ رکھی گئی، تو نماز صحیح نہ ہوگی۔

" لو لم یضع شیئًا من القدمین لم یصح السجود". (رد المحتار: ۴۶۱/۱) (۴)

یہی حکم اس صورت میں بھی ہے جب دونوں پاؤں کی انگلیاں تین تسبیح کے بقدر زمین سے اٹھی رہیں، یا زمین پر

---

(۱) كتاب الصلاة، باب كيفية الصلاة، بعد مطلب في إطالة الركوع للجائي ۵۰۰/۱، دار الفكر بيروت، انيس

(۲-۴) كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، بحث الركوع والسجود، انيس

شروع سے اخیر تک رکھی ہی نہیں گئیں، چونکہ کم از کم ایک انگلی کا رکھنا شرائط میں سے ہے، لہٰذا سجدہ ہی نہیں ہوگا اور جب سجدہ نہیں ہوگا تو نماز نہیں ہوگی۔ (طحطاوی: ۱۲۷)

اور وضع قدمین سے مراد وضع اصابع ہی ہے اور وضع اصابع سے مراد انگلیوں کا قبلہ کی طرف متوجہ کرنا، تا کہ ان پر مکمل اعتماد ہو سکے، لہٰذا اگر اصابع کے بجائے ظاہر قدمین کو زمین پر رکھ دیا اور تمام انگلیوں کو یا کم از کم ایک انگلی کو قبلہ کی طرف متوجہ نہیں کیا تو سجدہ صحیح نہیں ہوگا۔

”والمراد بوضع القدمين علىٰ ما ذكر في الخلاصة وضع أصابعهما والمراد بوضع الأصابع توجيههما نحو القبلة ليكون الاعتماد عليها حتىٰ لو وضع ظهر القدمين ولم يوجه أصابعها أو إحداهما نحو القبلة لايصح سجوده“. (۱)

یہ تفصیل قابل حفظ ہے، عام طور پر لوگ اس تفصیل سے نا آشنا ہیں؛ چونکہ بالعموم لوگوں کے ذہنوں میں صرف یہ ہے کہ پاؤں رکھنا ضروری ہے، چاہے جس طرح زمین پر رکھ دیا جائے، ان کو یہ معلوم نہیں کہ وضع قدمین سے مراد وضع اصابع ہے اور وضع اصابع سے مراد توجیہہ اصابع الی القبلہ ہے اور کل اصابع نہیں تو علی الاقل ایک انگلی کا رکھنا صحتِ سجدہ کے شرائط میں سے ہے، ورنہ سجدہ نہیں ہوگا۔ **وهذا مما يجب حفظه وأكثر الناس عنه غافلون.** (رد المحتار) (۲) **فقط واللّٰه تعالىٰ أعلم بالصواب**

حررہ العبد حبیب اللہ القاسمی۔ (حبیب الفتاویٰ: ۲/ ۳۶-۳۷)

سجدہ میں پاؤں کی انگلی کا ٹیکنا:

سوال: سجدہ میں پاؤں کی انگلیوں کو زمین سے لگانے نہ لگانے کے متعلق شرعی حکم کیا ہے؟ کس مقدار تک لگانے میں فرض ادا ہوتا ہے اور کتنے میں واجب اور کس قدر لگانا سنت ہے؟ ایک مولوی صاحب کا کہنا ہے کہ صرف اگر ایک انگلی زمین سے لگ گئی تو نماز ہو جائے گی، دوسرے مولوی صاحب یہ کہتے ہیں کہ صرف فرض کی ادائیگی سے نماز نہیں ہوتی؛ بلکہ واجبات کا ادا کرنا بھی ضروری ہے، اگر ترک واجب عمداً ہے، تو نماز فاسد ہوگئی اور سہواً ہے تو سجدہ سہو لازم ہے اور عدم ادائیگی سجدہ سہو پر اعادۂ نماز واجب ہے۔ اپنے ثبوت میں حسب ذیل کتابوں کی عبارتیں پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ پاؤں کی دس انگلیوں میں سے کسی ایک انگلی کا زمین سے لگانا سجدہ میں فرض ہے، عامۂ کتب میں اس کی

---

(۱) وفي الفتاوىٰ الهندية: ويضع يديه في السجود حذاء أذنيه ويوجه أصابعه نحو القبلة وكذا أصابع رجليه ويعتمد على راحتيه ويبدي ضبعيه عن جنبيه ولا يفترش ذراعيه، كذا في الخلاصة. (الفصل الثالث في سنن الصلاة وآدابها: ۱/ ۷۵، دار الفكر. انيس)

(۲) كتاب الصلاة، باب كيفية الصلاة، بعد مطلب في إطالة الركوع للجائي: ۱/ ۵۰۰، دار الفكر، انيس

تصریح موجود ہے۔درمختار،ص:۴۱۶، میں ہے:

"(ومنها السجود)بجبهته وقدميه،ووضع أصبع واحدة منهما شرط".(۱)

نیز اس کے،ص:۴۹۹، میں ہے:

"وفيه أى فى شرح الملتقٰى: يفترض وضع أصابع القدم ولو واحدةً".(۲)

غنية شرح منية: ۲۸۰ میں ہے:

"سجد ولم يضع قدميه أوإحداهما على الأرض،لايجوزسجوده،ولووضع إحداهما، جاز كما لوقام علٰى قدم واحدة".(۳)

رہا ہر قدم کی تمام انگلیوں یا ہر قدم کی تین انگلیوں کا زمین سے لگانا،تو مقتضاہائے دلیل اس کا وجوب ہے۔احادیث کثیرہ اس باب میں وارد ہیں کہ سات اعضاء پر سجدہ کرنا مامور بہ ہے: پیشانی، دونوں ہاتھ، دونوں گھٹنے اور دونوں قدم، بلکہ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ اس میں جس کسی کو اس نے نہیں رکھا تو اس نے بیشک ناقص کر دیا۔(بخاری،ص۱۱۲(۴)، مسلم:ص۱۹۳(۵)،ترمذی،ص:۳۷(۶)،ابوداؤد،ص:۱۳۰۶(۷)،نسائی،ص:۱۲۴(۸)،طحاوی،ص:۱۵۰(۹))

علامہ ابن امیر الحاج رحمہ اللہ تعالیٰ تلمیذ امام ابن الہمام صاحب فتح القدیر نے حلیہ شرح منیہ میں اسی بنا پر دونوں قدم رکھنے کی بابت فرمایا کہ "اوجہ وجوب ہے"۔(۱۰)

علامہ شامی نے حلیہ کے کلام کو نقل کر کے فرمایا کہ "اسے بحر وشرنبلالیہ نے اختیار فرمایا ہے"(۱۱) بلکہ بعض ائمہ سے

(۱) الدرالمختارعلٰى صدررد المحتار،كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة: ۴۴۷/۱،سعيد

(۲) الدرالمختارعلٰى صدررد المحتار،كتاب الصلاة،فصل فى بيان تأليف الصلاة إلى انتهائها: ۴۹۹/۱، سعيد

(۳) الحلبى الكبير،الخامس:السجدة: ۲۸۴، سهيل أكيڈمى،لاهور

(۴) "عن ابن عباس رضى اللّٰه تعالٰى عنهما قال:قال النبى صلى الله عليه وسلم:" أمرت أن أسجد علٰى سبعة أعظم،علٰى الجبهة وأشاربيده علٰى أنفه،واليدين،والركبتين،وأطراف القدمين،ولانكف الثياب والشعر". (صحيح البخارى، كتاب الأذان،باب السجود على الأنف: ۱۱۲/۱،قديمى)

(۵) الصحيح لمسلم،كتاب الصلاة،باب أعضاء السجود والنهى عن كف الشعروالثوب وعقص الرأس فى الصلوٰة: ۱۹۳/۱،قديمى

(۶) سنن الترمذى،أبواب الصلوٰة،باب ماجاء فى السجود علٰى سبعة أعضاء: ۶۲/۱،سعيد

(۷) سنن أبى داؤد، كتاب الصلوٰة،باب أعضاء السجود: ۱۲۹/۱،دارالحديث،ملتان

(۸) سنن النسائى،كتاب الافتتاح، باب السجود على الأنف: ۱۶۵/۱،قديمى

(۹) شرح معانى الآثارللطحاوى،كتاب الصلوٰة،باب مايبدأ بوضعه فى السجود اليدين أوالركبتين: ۱۷۵/۱،سعيد

(۱۰-۱۱) هذا،وقال فى الحلية:والأوجه علٰى منوال ما سبق هو الوجوب لما سبق من الحديث اهـ أى علٰى منوال ما حققه شيخه من الاستدلال علٰى وجوب وضع اليدين والركبتين ،وتقدم أنه أعدل الأقوال،فكذا هنا، فيكون وضع القدمين كذلك ،واختاره أيضا فى البحروالشرنبلالية". (رد المحتار، كتاب الصلاة،فصل فى بيان تأليف الصلاة إلى انتهائها: ۴۹۹/۱،سعيد)

دونوں قدم رکھنے کی فرضیت مروی ہے، مثلاً قدوری(۱) اور کافی میں دونوں قدم رکھنے کو فرض فرمایا، علامہ شامی نے اسے واجب پر محمول کیا، (۲) نیز یہ کہ ایک پاؤں پر سجدہ کرنے سے فقہاء کرام کا حکم کراہیت فرمانا بھی ہمارے اس قول کی تائید کرتا ہے کہ دونوں قدم کا رکھنا واجب ہے کہ کراہت مطلقہ سے کراہت تحریمہ مراد ہوتی ہے اور یہ وجوب کو مقتضی ہے۔

الجواب ــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

بعض کتب فقہ میں سجدہ میں دونوں پیر کو زمین پر رکھے رہنا فرض لکھا ہے، جس کا تقاضہ یہ ہے کہ اگر پیر اٹھ جائے تو ترک فرض کی وجہ سے نماز ہی باطل ہوجائے، (۳) لیکن بحر میں اس قول کو ضعیف قرار دیا ہے۔

''وذکر القدوری أن وضعهما فرض، وهو ضعیف''. (بحر: ۱۲۸/۱) (۴)

اگر پیروں کی کوئی انگلی بھی نہ ٹھہری رہے، بلکہ دونوں پیر کلیۃً اٹھ جائیں تو جائز نہیں، نماز فاسد ہوجائے گی۔ (۵)

''ولو سجد ولم یضع قدمیه علی الأرض، لایجوز آه''. (۶)

---

(۱) ''فی الهدایة: وأما وضع القدمین فقد ذکر القدوری أنه فرض فی السجود''. (رد المحتار، کتاب الصلاة، فصل فی بیان تألیف الصلاة إلی انتهائها: ۴۹۹/۱، سعید)

(۲) ''قلت: ویمکن حمل کل من الروایتین السابقتین علیه بحمل ما ذکره الکرخی وغیره من عدم الجواز برفعهما علٰی عدم الحل لا عدم الصحة، وکذا نفی التمرتاشی وشیخ الإسلام فرضیة وضعهما لا ینافی الوجوب. وتصریح القدوری بالفرضیة یمکن تأویله، فإن الفرض قد یطلق علی الواجب تأمل''. (ردالمحتار، کتاب الصلاة، فصل فی بیان تألیف الصلاة إلی انتهائها: ۴۹۹/۱، سعید)

(۳) ''بقی من المفسدات... وترک رکن بلا قضاء وشرط بلا عذر''. (الدر المختار)

(''قوله وترک رکن بلا قضاء) کما لو ترک سجدة من رکعة وسلم قبل الإتیان بها''. (رد المحتار، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة وما یکره فیها، قبیل مطلب مسائل زلة القاری: ۶۲۹/۱، سعید)

(۴) البحر الرائق، کتاب الصلاة، فصل فی بیان ترکیب أفعال الصلاة: ۵۵۶/۱، رشیدیة

(۵) ''(قوله ومنها السجود)... وأما إذا رفع قدمیه فی السجود، فإنه مع رفع القدمین بالتلاعب أشبه منه بالتعظیم والإجلال... (قوله وقدمیه)... وأفاد أنه لو لم یضع شیئًا من القدمین، لم یصح السجود''. (رد المحتار، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۴۴۷/۱، سعید)

(۶) الفتاویٰ الهندیة، کتاب الصلاة، الفصل الأول فی فرائض الصلاة: ۷۰/۱، رشیدیة

''وفی مختصر الکرخی: سجد ورفع أصابع رجلیه عن الأرض، لا تجوز آه''. (الحلبی الکبیر، الخامس من الفرائض: السجدة: ۲۸۵، سهیل اکیڈمی لاهور)

قال المحقق ابن الهمام: ''أما افتراض وضع القدم فلأن السجود مع رفعهما بالتلاعب أشبه منه بالتعظیم و الإجلال، ویکفیه وضع أصبع واحدة. وفی الوجیز: وضع القدمین فرض، فإن وضع إحداهما دون الأخری، جاز ویکره''، آه. (فتح القدیر، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۳۰۵/۱. مصطفی ألبابی الحلبی بمصر) ==

”وإذا وضع قدمًا ورفع آخرًا،جازمع الكراهة،من غيرعذر،كما أفاده قاضى خان“.(بحر: ۳۱۸/۱)(۱)

شیخ الاسلام کا قول یہ ہے کہ دونوں پیروں کا رکھا رہنا سنت ہے، لہٰذا ایک پیر کے اٹھ جانے سے کراہت تنزیہی ہوگی۔

”وذهب شيخ الإسلام إلىٰ أن وضعهما سنة،فتكون الكراهة تنزيهية“.(۲)

لیکن ابن نجیم رحمہ اللہ تعالیٰ نے بحر میں کراہت کا تحریمی ہونا اوجہ قرار دیا ہے:

”والأوجه علىٰ منوال ما سبق هوالوجوب،فتكون الكراهة تحريمة“.(بحر: ۳۱۸/۱)(۳)

وجیز میں وضع القدمین کو فرض قرار دینے کے باوجود ایک کے وضع پر کفایت کرنے کو جائز مع الکراہۃ لکھا ہے۔

”وفى الوجيز:وضع القدمين فرض،فإن وضع إحداهما دون الأخرى،جازويكره“.(فتح القدير: ۲۱٤/۱)(۴)

وضع القدمین کے وجوب کو اوجہ واعدل کہنا شیخ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ہے، امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے صراحتاً منقول نہیں؛ بلکہ ان کے اصول کا تقاضہ ہے۔

”وقد روى أبوحنيفة رحمه الله تعالىٰ نفسه هذا الحديث بطرق وألفاظ منها بسنده إلىٰ أبى سعيد رضى الله تعالىٰ عنه قال:قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:”الإنسان يسجد علىٰ سبعة أعظم:جبهته،ويديه،وركبتيه،وصدوررقدميه“.

فالحق أن مقتضاه مقتضى المواظبة المذكورة الوجوب،ولايبعد أن يقول به أبوحنيفة رحمه الله تعالىٰ“.(فتح القدير: ۲۱۳/۱)(۵)

== ”ومن شرط جوازه أن لايرفع قدميه،فإن رفعهما فى حال سجوده،لا تجزيه السجدة“.(الجوهرالنيرة علىٰ مختصرالقدورى،كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة: ٦٣/۱، إمدادية ملتان)

(۱-۳) البحرالرائق،كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة: ٥٥٦/۱،رشيدية

(۴) فتح القدير،كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة: ۳۰٥/۱، مصطفى ألبابى الحلبى بمصر

وضع القدمين فى السجود فرض.(الفتاوىٰ البزازية على هامش الهندية،كتاب الصلاة،الثانى فى مقدمتها وصفتها: ٣٦/٤،دارالفكر،انيس)

(۵) فتح القدير،كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة: ۳۰٤/۱، مصطفى ألبابى الحلبى بمصر

عن أبى سعيد رضى الله عنه قال:قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:الإنسان يسجد على سبعة أعظم:جبهته ويديه وركبتيه ومقدم قدميه وإذا سجد أحدكم فليضع كل عضو موضعه وإذا ركع فلا يدبح تدبيح الحمار.(مسند أبى حنيفة رواية الحصكفى،كتاب الصلاة (ح: ۳۱)/

عن أبى نضرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:إذا سجد أحدكم فلا يمدن رجليه فإن الإنسان يسجد على سبعة أعظم: جبهته ويديه وركبتيه ورجليه وقدميه.

وفى رواية: إذا سجد أحدكم فلا يمد صلبه.وفى رواية:قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:أن يمد الرجل صلبه فى سجوده.(مسند أبى حنيفة رواية الحصكفى (ح: ۳۲)/ ==

واضح رہے کہ شیخ ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ بحث وضع انف وجبہہ کے ذیل میں کی ہے۔

تمرتاشی رحمہ اللہ تعالیٰ نے عدم فرضیت وضع قدمین کو حق کہا ہے:

"**وذكر الإمام التمرتاشي أن اليدين والقدمين سواء في عدم الفرضية،وهو الذي يدل عليه كلام شيخ الإسلام في مبسوطه وهو الحق**". (عناية: ۲۱٤/۱)(۱)

علامہ حلبی نے تمرتاشی کی اس عبارت کونقل کر کے لکھا ہے:

"**فبعيد عن الحق وبضده أحق**". (الكبير ى: ۳۸۰)(۲)

علامہ حصکفی نے شرح ملتقیٰ میں ایک جگہ ایک ہی بات پر مجملاً قناعت کی ہے:

"**فوضع أصبع واحد من القدمين شرط**". (سكب الأنهر: ۸۷/۱)(۳)

فتاوی عالمگیری میں ہے:

"**ووضع القدم بوضع أصابعه،وإن وضع أصبعًا واحدةً**". (الفتاوى الهندية: ۳٦/۱)(۴)

کامل سجدہ تو جب ہی ادا ہوگا کہ دونوں پیروں کی انگلیاں قبلہ کی طرف متوجہ رہیں، لیکن اگر ایک انگلی بھی متوجہ رہے تب بھی نفس سجدہ ادا ہو جائے گا اور سجدہ سہو واجب نہیں ہوگا، نہ اس نماز کا اعادہ لازم ہوگا۔

"**وتمام السجدة بإتيانه بالواجب فيه ويتحقق بوضع جميع اليدين والركبتين والقدمين والجبهة والأنف،كما ذكره الكمال وغيره، آه**". (الطحاوى علىٰ هامش مراقى الفلاح)(۵)

"**(ومنها السجود)بجبهته وقدميه،ووضع إصبع واحدة منهما شرط،آه**". (الدرالمختار)

== عن أبي حنيفة عن طاؤس عن ابن عباس أوغيره من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم قال:أوحى إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم أن يسجد على سبعة أعظم.(مسند أبي حنيفة رواية أبي نعيم الأصفهاني: ۱۳٤/۱، مكتبة الكوثر الرياض.انيس)

(۱) شرح العناية على الهداية علىٰ هامش فتح القدير،كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة: ۳۰۵/۱،مصطفى ألبابي الحلبي بمصر

(۲) الحبلي الكبير،الخامس من فرائض:السجدة: ۲۸۵، سهيل أكيڈمی،لاهور

(۳) سكب الأنهرشرح ملتقى الأبحر، باب صفة الصلاة: ۸۷/۱،دارإحياء التراث العربي،بيروت

علامہ حصکفیؒ کی کتاب الدرالمنتقى شرح الملتقى،باب صفة الصلاة: ۱۳۱/۱،مطبوعہ دارالكتب العلمية بيروت میں یہ عبارت بعینہ ہے،سکب الأنہر علامہ علاء الدین علی بن محمد الطرابلسی بن ناصرالدین الحنفی ،م:۱۰۳۲،کی ہے،علامہ حصکفی کی نہیں ہے۔انیس

(۴) الفتاوى الهندية،كتاب الصلاة،الباب الرابع في صفة الصلاة،الفصل الأول في فرائض الصلاة: ۷۰/۱،رشيدية

(۵) مراقى الفلاح شرح نورالإيضاح،كتاب الصلاة،باب شرط الصلاة وأركانها: ۲۳۱،قديمى

(”وقوله وقدميه)يجب إسقاطه؛لأن وضع أصبع واحدة منهما يكفي، كما ذكره بعده“. (رد المحتار: ۱/ ۳۰۰)(۱) فقط واللّٰه سبحانه و تعالٰی أعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔۱۹/۱۱/۱۳۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔۹/۱۱/۱۳۸۹ھ۔(فتاویٰ محمودیہ:۵۵۵-۵۶۰)

نماز میں پیر کا انگوٹھا ہل جائے تو کیا حکم ہے:

سوال: جس شخص کا داہنے پیر کا انگوٹھا نماز میں ہل جائے اپنی جگہ سے تو نماز میں کچھ فرق آتا ہے یانہیں، اگر امام سے اسی طرح کی حرکت ہوجائے، تو مقتدیوں کی نماز ہوجاتی ہے یانہیں؟

الجواب

اس سے نماز میں کچھ خلل اور نقصان نہیں آتا اور امام اگر ایسا ہوتو مقتدیوں کی نماز میں اور خود امام کی نماز میں کچھ نقصان نہیں آتا۔(۲)(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۱۵۱)

☆☆☆

---

(۱) رد المحتار، كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة: ۱/ ٤٤٧، سعيد

(۲) وحررناه في شرح الملتقٰى وفيه يفترض وضع أصابع القدم ولوواحدةً نحوالقبلة وإلَّا لم تجز (أي السجدة) والناس عنه غافلون.(الدرالمختار)/الدرالمنتقى شرح الملتقى،باب صفة الصلاة: ۱/ ۱۳۱،دارالكتب العلمية بيروت.انيس)

والحاصل أن المشهورفي كتب المذهب اعتماد الفرضية والأرجح من حيث الدليل والقواعد عدم الفرضية ، الخ ، ثم الأوجه حمل عدم الفرضية على الوجوب. واللّٰه أعلم (ردالمحتار،باب صفة الصلاة: ۱/ ٤٦٦-٤٦٧،ظفير)

(وأما وضع القدمين فقد ذكرالقدوري أنه فرض في السجود)فإذا سجد ورفع أصابع رجليه عن الأرض لايجوز كذا ذكره الكرخي والجصاص ولو وضع إحداهما جاز، قال قاضي خان:ويكره ،وذكر الإمام التمرتاشي أن اليدين والقدمين سواء في عدم الفرضية وهو الذي يدل عليه كلام شيخ الإسلام في مبسوطه وهو الحق.(العناية شرح الهداية،باب صفة الصلاة: ۱/ ۳۰۵،دارالفكر/درر الحكام شرح غرر الحكام،باب صفة الصلاة: ۱/ ۷۵،دارإحياء الكتب العربية.انيس)

مسئلہ: کامل سجدہ یہ ہے کہ دونوں ہاتھ، دونوں گھٹنے، دونوں قدم کی انگلیاں، پیشانی اور ناک زمین یا ایسی چیز پر رکھے جس کے اوپر پیشانی رک جائے اور رکھنے کے بعد نیچے نہ جائے اور یہ سب باتیں سجدہ میں واجب ہیں۔(مراقی مع طحطاوی:۱۲۵)

مسئلہ: گھاس، پھونس، چاول، چینا، روئی، برف یا ایسا گدا، بستر وغیرہ پر سجدہ صحیح نہیں ہے جس پر پیشانی نہ رکے، بلکہ رکھنے کے بعد بھی کھسکتی رہے، اگر یہ چیزیں بورے وغیرہ میں اس طرح رکھی ہوں کہ پیشانی ان پر ٹک جائے تو سجدہ ہوجائے گا۔(مراقی مع طحطاوی:۱۲۶)(طہارت اور نماز کے تفصیلی مسائل:۲۲۸-۲۲۹)(انیس)

قعدۂ اخیرہ وخروج بالاختیار-احکام ومسائل

قعدہ اخیرہ کی فرضیت کس قدر ہے:

سوال: درفرضیۃ قعدہ اخیرہ۔(۱)

الجواب

صحیح آنست کہ قعدۂ اخیرہ مقدار تشہد فرض ست؛ چرا کہ بتواتر معنوی ثابت شدہ کہ فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہیچ گاہ نماز ے نخواندہ اند،(۲) مگر آنکہ قعدۂ اخیرہ بجا آوردہ اند، وازآنجا کہ مفہوم صلوٰۃ امرے بود مجمل محتاج تفسیر وبیان؛ لہذا فعل وقول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تفسیر اجمال آں شدہ، پس ہر چیز یکہ در ادائے صلوٰۃ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم واقع شد، باید کہ فرض گردد؛ مگر آنچہ کہ دلائل وقرائن مانع فرضیۃ درآں یافتہ شوند کہ آنہا واجب وسنت خواہد بود، نہ فرض چنانکہ مثلاً قراءۃ فاتحہ کہ باوصف وقوعش درصلوات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم فرض نتواں شد؛ چرا کہ درصورت فرضیۃ اوزیادت برنص قطعی ﴿فَاقْرَؤُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ﴾ (۳) لازم می آید، وعلیٰ ہذا القیاس در دیگر امور، واما اینکہ ایں قعدۂ اخیرہ بطور فرضیۃ واقع شدہ، پس دلیلش حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ است کہ بعد تعلیم اداء قعدہ وقرأت تشہد، گفت: ''إذا قلت هذا أو فعلت هذا فقد تمت صلاتک'' (۴) چہ مشار الیہ اول دریں حدیث قول تشہد

(۱) قعدۂ اخیرہ کی فرضیت سے متعلق سوال۔انیس

(۲) فرائض الصلاة ستة : ... والقعدة فى آخر الصلاة مقدار التشهد لقوله عليه الصلاة والسلام لابن مسعود رضى الله عنه حين علمه التشهد : إذا قلت هذا أو فعلت هذا فقد تمت صلاتک علق التمام بالفعل قرأ أو لم يقرأ وماسوى ذلک فهو سنة ،الخ. (الهداية،باب صفة الصلاة: ٤٧/١ ،دار إحياء التراث العربى بيروت. انيس)

(۳) سورة المزمل: ٢٠۔

والزيادة عليه بخبر الواحد لا تجوز لكنه يوجب العمل فعملنا بوجوبها وهذا هو الصواب والله سبحانه وتعالىٰ أعلم بحقيقة الحال. (فتح القدير،كتاب الطهارات: ٢٤/١ ،دار الفكر بيروت)

والزيادة عليه بخبر الواحد لا يجوز لكنه يوجب العمل فقلنا بوجوبها. (الهداية،باب صفة الصلاة: ٥٠/١ ۔ انيس)

(۴) حسين بن على الجعفى عن الحسن بن الحر عن القاسم بن مخيمرة قال: أخذ علقمة بيدى وقال: أخذ عبد الله بيدى وقال: أخذ رسول الله صلى الله عليه وسلم بيدى فعلمني التشهد: التحيات لله والصلوات والطيبات السلام عليک أيها النبى ورحمة الله وبركاته السلام علينا وعلى عباد الله الصالحين أشهد أن لا إله إلا الله وأشهد أن محمدًا عبده ورسوله،الخ ... ==

است درحالت قعدہ نہ مطلق تشہد بہر جا کہ باشد چرا کہ تشہد مشار الیہ نبود و دیگر درحالت جلسہ اخیرہ ومشار الیہ ثانی قعدہ است مقدار تشہد نہ مطلق قعدہ بہمیں علت مذکور خلاصہ کلام ایں شد کہ چوں گفتی ایں تشہد را درحالت قعدہ یا فعل قعدہ بجا آوردی تشہد خواہ قدر تشہد گفتہ باشی یا نہ پس نماز تمام شد و ایں خود ظاہر است کہ گفتن تشہد درقعدہ جز قعدہ قدر تشہد حاصل نیاید امانفس قعدہ قدر تشہد بدون قول تشہد حاصل تواں شد پس معلوم شد کہ فعل قعدہ قدر تشہد فرض است چرا کہ تمامیت صلوٰۃ معلق بداں فرمود اگر قعدہ کم از قدر تشہد کرد نمازش نشد چرا کہ مشار الیہ ہموں قعدہ قدر تشہد است نہ مطلق واگر تشہد خواند درسجدہ مثلا وقعدہ قدر تشہد نہ کرد تاہم نماز نشد چرا کہ قعدہ قدر تشہد بہر حال ضروریست وتمامیۃ ذاتی کہ بدوں آں ذات شے ناقص ماند بارکان وشرائط است وتمامیۃ صفتی کہ ذات شے گو تمام باشد مگر نقصان درکمال آں باشد در وجوب است وچونکہ درحدیث لفظ تمت مطلق واقع شد واز مطلق فرد کامل مراد بود بہ تمامیت ذات صلوٰۃ مراد خواہد بود نہ تمامیت صفت ودرحدیث: ”**فهي خداج غير تمام**“ (۱) تمامیت صفت تا زیادت برکتاب اللہ لازم نیاید وایں لفظ حدیث: ”**إذا قلت**“ **الخ**، ابن ہمام از دارقطنی روایت کردہ فرماید کہ اگرچہ ایں راموقوف برابن مسعود دارند، (۲) مگر مثل ایں موقوف کہ قیاس را نشاید حکم مرفوع دارد کما ہو المقرر وایں حدیث ہر چند واحد است وباحاد ثبوت فرضیت نتواند شد مگر مقرر اصول است کہ خبر واحد چوں تفسیر مجمل قطعی باشد انچہ مستفاد ازیں خبر واحد باشد ملحق بقطعی گردد وموجب فرضیت باشد ازیں تقریر فرضیت قعدہ اخیرہ قدر تشہد برارباب علم واضح خواہد بود نہ مطلق قعدہ کما زعم البعض ایں است انچہ از کتب ملتقط شد۔ (۳) (تالیفات رشیدیہ: ۲۶۶-۲۶۸)

== رواه زهير بن معاوية عن الحسن بن الحر فزاد في آخره كلاماً وهو قوله: إذا قلت هذا أو فعلت هذا فقد قضيت صلاتك فإن شئت أن تقوم فقم وإن شئت أن تقعد فاقعد. (سنن الدارقطني، باب صفة التشهد ووجوبه واختلاف الروايات فيه (ح: ۱۳۳۳-۱۳۳٤)

عن القاسم بن مغيرة قال: أخذ علقمة بيدي فحدثني أن عبدالله بن مسعود أخذ بيده وأن رسول الله صلى الله عليه وسلم أخذ بيد عبدالله فعلمه التشهد في الصلاة فذكر مثل حديث الأعمش: إذا قلت هذا أو قضيت هذا فقد قضيت صلاتك إن شئت أن تقوم فقم، وإن شئت أن تقعد فاقعد. (سنن أبي داؤد، باب التشهد (ح: ۹۷۰) انیس)

(۱) عن أبي هريرة يقول: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: من صلى صلاةً لم يقرأ فيها بفاتحة الكتاب فهي خداع هي خداع غير تمام. (موطأ الإمام محمد، افتتاح الصلاة (ح: ۱۱٤) المكتبة العلمية. انیس)

(۲) والحق أن غاية الإدراج هنا أن تصير موقوفة والموقوف في مثله له حكم الرفع. (فتح القدير، باب صفة الصلاة: ۱/۲۷٦. دار الفكر. انیس)

(۳) ترجمہ: قعدہ اخیرہ کی فرضیت کا مسئلہ صحیح یہ ہے کہ قعدہ اخیرہ تشہد کی مقدار میں فرض ہے، اس لئے کہ تواتر معنوی سے یہ ثابت ہوا ہے کہ فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کوئی نماز نہیں پڑھی، مگر یہ کہ قعدہ اخیرہ کو بجالایا ہے اور چونکہ نماز کا مفہوم ایک مجمل امر تھا ==

== جوتفسیر و بیان کا محتاج تھا۔لہذا قول وفعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس اجمال کی تفسیر ٹھہرا۔پس جو چیز کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں ادا کی؛وہ تو چاہئے کہ فرض ہو،بجز ان امور کے،جو دلائل وقرائن سے اس میں فرضیت کو منع کریں کہ وہ واجب وسنت ہوں گے،نہ کہ فرض؛جیسا کہ مثلاً سورۃ فاتحہ کی قراءت کہ باوجودیکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز میں یہ واقع ہوئی ہے،فرض نہیں ہوسکتی۔اس لئے کہ اس کو فرض ماننے کی صورت میں نص قطعی آیت:''پس قرآن سے جوآسان ہو پڑھو''۔(سورۂ مزمل:۲۰) پر زیادتی لازم آتی ہے اور علیٰ ہذا القیاس دوسرے امور میں بھی۔

لیکن اس بات کا ثبوت کہ یہ قعدہ اخیرہ بطور فرضیت واقع ہوا ہے تو اس کی دلیل ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ قعدہ اخیرہ کے ادا کرنے اور تشہد پڑھنے کا طریقہ بتانے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا''جب تو نے یہ کہا یا یہ کرلیا تو تیری نماز پوری ہوگئی۔'' کیونکہ اس حدیث میں پہلا مشارالیہ تشہد کا کہنا ہے؛قعدہ کی حالت میں،نہ کہ مطلق تشہد ہر جگہ،اس لئے کہ تشہد مشارالیہ نہ تھا۔دوسرا جلسہ اخیرہ کی حالت میں اور دوسرا مشارالیہ قعدہ ہے؛مقدار تشہد،نہ کہ مطلق قعدہ۔اسی علت مذکور کی بنا پر خلاصہ کلام یہ ہوا کہ جب تم نے یہ کہا کہ اس تشہد کو حالت قعدہ میں یا فعل قعدہ میں تم نے بجالایا تو تشہد خواہ تشہد کے برابر تم نے پڑھا ہو کہ نہ پڑھا ہو۔پس نماز تمام ہوگئی اور یہ خود ظاہر ہے کہ پڑھنا تشہد کا قعدہ میں سوائے قعدہ قدر تشہد کے حاصل نہیں ہوتا ہے۔لیکن نفس قعدہ بمقدار تشہد بغیر تشہد پڑھنے کے حاصل ہوسکتا ہے۔

پس معلوم ہوا کہ فعل قعدہ بمقدار تشہد فرض ہے،کیونکہ نماز کا تمام ہونا اس پر معلق فرمایا اگر قعدہ تشہد کی مقدار سے کم کیا تو اس کی نماز نہیں ہوئی اس لئے کہ مشارالیہ وہی قعدہ بمقدار تشہد ہے نہ کہ مطلق اور اگر تشہد مثلاً سجدہ میں پڑھ لیا اور قعدہ بمقدار تشہد نہیں کیا پھر بھی نماز نہیں ہوئی اس لئے کہ قعدہ مشابہت کے مطابق بہرحال ضروری ہے اور تمامیۃ ذاتی کہ اس کے بغیر چیز کی ذات ناقص رہتی ہے۔ارکان وشرائط کے ساتھ ہے اور تمامیت صفتی کہ اگرچہ چیز کی ذات پوری رہتی ہے لیکن اس کے کمال میں نقصان ہوتا ہے وہ وجوب میں ہے اور چونکہ حدیث میں لفظ ''تمام ہوگئی''،مطلق واقع ہوگیا ہے اور مطلق سے فرد کامل مراد ہوتا ہے تو نماز کی ذات مکمل ہونا مراد ہے نہ کہ صفت کا پورا ہونا اور حدیث میں ''فھی خــــداج'' (وہ ناقص ہے) کے الفاظ سے مراد غیر تمام ہے۔تمامیت صفت میں تاکہ کتاب اللہ پر زیادتی لازم نہ آئے اور یہ لفظ حدیث کا'' إذا قـلــت'' جب تو نے کہہ دیا) ابن ہمام دارقطنی سے روایت کرکے فرماتے ہیں کہ اگرچہ اس کو ابن مسعود پر موقوف قرار دیتے ہیں،مگر اس موقوف کے مثل جو قیاس کو نہ چاہے؛مگر ایسا موقوف جو قیاس کے قابل نہ ہو،حکم مرفوع کا رکھتا ہے،جیسا کہ قاعدہ مقرر ہے اور یہ حدیث اگرچہ اکیلی ہے اور اس کی احادیث سے فرضیت کا ثبوت نہیں ہوسکتا،مگر مقررہ اصول سے ہے کہ خبر واحد جب مجمل قطعی کی تفسیر ہوتی ہے تو جو کچھ اس خبر واحد سے مستفاد ہوگا،وہ قطعی سے ملحق ہوگا اور موجب فرضیت ہوگا۔اس تقریر سے قعدہ اخیرہ کی فرضیت بمقدار تشہد ارباب علم پر واضح ہوگئی ہوگی،نہ کہ مطلق قعدہ،جیسا کہ بعض نے گمان کرلیا ہے۔یہ ہے مواد جو کتب سے چنا گیا ہے۔

☆ قعدۂ اخیرہ کا حکم:

سوال: نماز میں قعدۂ اخیرہ کا کیا حکم ہے؟ یعنی فرض ہے یا واجب؟ ==

قعدہ اخیرہ میں سو جائے اور امام کیساتھ سلام پھیرے، تو نماز ہوگی یا نہیں:

سوال: زید نے جماعت سے نماز پڑھی قعدہ اخیرہ میں سو گیا، اور امام کے ساتھ سلام پھیرا، لیکن مقدارِ تشہد بعد بیدار ہونے کے نہیں بیٹھا، زید کی نماز ہوئی یا نہیں؟

الجواب

احوط یہ ہے کہ اعادہ قعدہ کا کیا جاوے، ورنہ نماز نہ ہوگی۔

اور شیخ ابن ہمام کی تحقیق سے جواز مفہوم ہوتا ہے اور قواعد فقہیہ سے عدم جواز ظاہر ہوتا ہے۔ لہٰذا احوط ثانی ہے۔

و التفصيل في الشامي. (۱) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۵۳/۲)

== 　　الجواب

قعدۂ اخیرہ کے بارے میں مختلف اقوال ہیں، بعض اس کو واجب قرار دیتے ہیں اور بعض فرض کہتے ہیں، بعض کی رائے رکنیت کی ہے جبکہ بعض اس کو شرط قرار دیتے ہیں، راجح یہ ہے کہ قعدۂ اخیرہ فرض اور شرط ہے۔

قال العلامة الحصكفي: (ومنها القعود الأخير) والذى يظهر أنه شرط لأنه شرع للخروج كالتحريمة للشروع. (الدرالمختار)

قال ابن عابدين: (قوله والذى يظهر الخ) اختلف فى القعدة الأخيرة قال بعضهم: هى ركن أصلى. وفى كشف البزدوى: أنها واجبة لا فرض، لكن الواجب هنا فى قوة الفرض فى العمل كالوتر. وفى الخزانة: أنها فرض وليست بركن أصلى بل هى شرط للتحليل، وجزم بأنها فرض فى الفتح والتبيين. (رد المحتار، فرائض الصلاة فى بحث القعود الأخير: ٤٤٨/١)

(قال العلامة بدرالدين العينى: وذكر فى الإيضاح: أما القعدة الأخيرة فمن جملة الفروض وليست من الأركان، لأن الشىء ما يفسر به ذلك الشىء وتفسير الصلاة لايقع بالقعدة وإنما يقع بالقيام والقراءة والركوع والسجود وإنما انعدمت الركنية فى القعدة لأنها اعتدت لغيرها لا لعينها لأن الصلاة للتعظيم وهوبالقيام ويزداد بالركوع ويتناهى بالسجود والقعدة للخروج. (البناية، باب صفة الصلاة: ١٦٨/٢) (فتاویٰ حقانیہ: ۸۴/۳)

(۱)　(ومنها القعود الأخير) والذى يظهر أنه شرط لأنه شرع للخروج. (الدرالمختار)

وبيّن فى الإمداد الثمرة بأنه لوأتى بالقعدة نائمًا تعتبرعلى القول بشرطيّتها لا ركنيتها، وعزاه إلى التحقيق. و الأصح عدم اعتبارها كما فى شرح المنية.

قلت: وهذا يؤيد القول بأنها ركن زائد لاشرط، خلافاً لما مشى عليه الشارح تبعاً للنهر. (رد المحتار، باب صفة الصلاة، بحث القعود الأخير: ٤١٧/١، ظفير)

كذا فى غنية المتملى شرح الكبير للحلبى، باب صفة الصلاة: ٢٨٩-٢٩١، مطبع سنده. انيس

جماعت میں اگر مقتدی سے کوئی فرض یا واجب فوت ہوجائے، تو اس کو کیا کرنا چاہئے:

سوال: درمیان نماز اگر مقتدی سے فرض یا واجب کا سہو ہوجائے تو کیا کرے، پھر سے نماز پڑھے امام سے الگ ہوکر یا نیت توڑ کر الگ ہوجائے، یا وقت سلام وہ مقتدی سجدۂ سہو کرے، جس طرح دفعیہ ہوتا ہو تو تحریر فرمایئے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ

اگر درمیان میں فرض فوت ہوجائے، تب تو نیت توڑ کر اسی وقت از سر نو نیت باندھ کر امام کے ساتھ شامل جماعت ہوجائے اور اگر واجب فوت ہوجائے تو کچھ نہ کرے، نہ نیت توڑے نہ سجدہ سہو کرے، مقتدی کو ترک واجب سہواً معاف ہے اور عمداً ترک ہو تو بعد جماعت کے، نماز کا اعادہ کرے۔(۱) (امدادالاحکام:۲/۹۵)

نماز سے خروج بالاختیار فرض ہے اور سلام واجب ہے:

سوال: خروج بصنع المصلّی کا کیا حکم ہے؟

نیز لفظ سلام کہہ کر نماز سے نکلنا واجب ہے یا سنت؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــ باسم ملهم الصّواب

خروج بصنعہ فرض ہے، وجوب کا قول بھی ہے، مگر قول اول راجح ہے اور لفظ ''سلام'' سے خروج واجب ہے۔

قال فی رد المحتار: وقد انتصر العلاّمة الشرنبلالی للبردعی فی رسالة المسائل البهية الزكية

(۱) ترک السنة لایوجب فساداً ولا سهواً بل إساء ة لو عامداً غیر مستخف. (الدرالمختار)

قال ابن عابدین: (قوله لایوجب فساداً ولا سهواً) أی بخلاف ترک الفرض فإنه یوجب الفساد وترک الواجب فإنه یوجب سجود السهو (قوله لو عامداً غیر مستخف) فلو غیر عامد فلا إساء ة أیضاً بل یندب إعادة الصلاة کما قدمناه فی أول بحث الواجبات ولو مستخفاً کفر، الخ. (ردالمحتار، کتاب الصلاة، واجبات الصلاة، قبیل مطلب فی قولهم الإساء ة دون الکراهة: ۱/۴۷۳-۴۷۴، دارالفکر)

ولأن ترک الفرض یفسد الصلاة. (بدائع الصنائع، فصل الکلام فی مسائل السجدات یدور علی أصول، الخ: ۱/۲۵۰، دارالکتب العلمية)

(والمسبوق یسجد مع إمامه مطلقاً) سواء کان السهو قبل الإقتداء أو بعده (ثم یقضی مافاته) ولو سها فیه سجد ثانیاً. (الدرالمختار)

(قوله ولو سها) أی فیما یقضیه بعد فراغ الإمام یسجد ثانیاً لأنه منفرد فیه والمنفرد یسجد لسهوه وإن کان لم یسجد مع الإمام لسهوه ثم سها هو أیضاً کفته سجدتان عن السهوین لأن السجود لا یتکرر. (ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب سجود السهو: ۲/۸۲-۸۳، دارالفکر. انیس)

علـى الاثنى عشرية بأنه قد مشى على افتراض الخروج بصنعه صاحب الهداية وتبعه الشراح و عـامة الـمشائخ وأكثر المحققين والإمام النسفى فى الوافى والكافى والكنز وشروحه وإمام أهل السنة الشيخ أبو منصور الماتريدى.(رد المحتار: ۱/۸۱٤)(۱)

وفي واجبات الصلاة من الدر المختار:(ولفظ السلام) مرتين.(ردالمحتار: ۱/٤٣٦)(۲)

واضح رہے کہ سلام اول میں صرف لفظ السلام کہنے سے نماز سے فراغت ہو جاتی ہے، مگر سلام ثانی بھی واجب ہے۔(۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۹/ربیع الاول ۱۳۸۶ھ۔(احسن الفتاویٰ:۳/۲۷-۲۸)

☆☆☆

---

(۱) باب صفة الصلاة،بحث الخروج بصنعه: ۱/٤٤٩،دارالفكر.انيس

(والـخـروج بصنعه)أى الخروج من الصلاة قصداً من المصلى بقول أو عمل ينافى الصلاة بعد تمامها سواء كـان قـولـه:السـلام عـليـكـم كما هوواجب أو كان كلام الناس أو الأكل أو الشرب أو نحوذلک ممايكون مكروهاً تـحـريـمـاً مـفتـوحاً للواجب،كذا فى البحرالرائق.(عمدة الرعاية على شرح الوقاية،باب صفة الصلاة: ۱/۱۳۱،مطبع يوسفى لكهنؤ.انيس)

(۲) الدر المختارعلىٰ صدرردالمحتار،باب صفة الصلاة،مطلب واجبات الصلاة: ۱/٤٦٨،دارالفكر.انيس

(۳) فالثانى واجب على الأصح.(الدرالمختار،باب صفة الصلاة،مطلب واجبات الصلاة: ۱/٤٦٨)انيس)

قعدہ اخیرہ:

مسئلہ: نماز کے اخیر میں اتنی دیر بیٹھنا فرض ہے کہ اس میں تشہد پڑھ سکے۔(مراقی مع طحطاوی:۱۴۸)

مسئلہ: تشہد پڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ صحیح صحیح جتنا جلد پڑھنا ممکن ہو اتنی دیر قعدہ اخیرہ فرض ہے۔(شامی:۱/۳۰۱)

مسئلہ: کسی رکعت کا ایک سجدہ چھوٹ گیا اور قعدہ اخیرہ میں یاد آیا تو سجدہ کر لے اس کے بعد پھر قعدہ اخیرہ کرے اگر سجدہ ہی چھوڑ دیا یا سجدہ کرنے کے بعد قعدہ اخیرہ نہ کیا تو نماز نہ ہوگی۔(ملخص از طحطاوی:۱۴۸)

مسئلہ: قعدہ اخیرہ نماز کے سارے ارکان کے اخیر میں ہونا شرط ہے۔(مراقی:۱۴۸)

قعدہ اخیرہ کے بعد نماز سے نکلنا:

مسئلہ: نماز کا قعدہ اخیرہ کے بعد نماز کے خلاف کوئی بات کر کے یا کوئی کام کر کے نماز سے نکلنا (فرض ہے) مثلاً جان بوجھ کر ہنسے یا کسی سے بولے یا کسی کو سلام کرے یا اپنی جگہ سے چل دے۔(شامی:۱/۳۰۱)(طہارت اور نماز کے تفصیلی مسائل:۲۳۰)(انیس)

نماز کے واجبات

واجبات نماز کتنے ہیں:

سوال: نماز کے واجبات کتنے ہیں؟

اورسجدہ میں پیر کی تین انگلیاں لگانا واجب ہے یا نہیں؟

''ووجّه أصابعه نحو القبلة ''(۱) کا کیا مطلب ہے؟

الجواب ــــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

علامہ ابوالاخلاص حسن الوفائی الشرنبلالی نے واجبات نماز کی تعداد اٹھارہ تحریر کی ہے؛ چنانچہ وہ تحریر فرماتے ہیں:

''فصل فی واجبات الصلاة،وهوثمانية عشرشيئًا: قراء ة الفاتحة،وضم سورة أوثلاث آيات فی ركعتين غيرمتعين من الفرض وفی جميع ركعات الوتروالنفل،وتعيين القراء ة فی الأوليين،و تقديم الفاتحة على السورة،وضم الأنف للجبهة فی السجود والإتيان بالسجدة الثانية فی كل ركعة قبل الانتقال لغيرها،والاطمينان فی الأركان،والقعود الأول،وقراء ة التشهد فيه فی الصحيح،وقرأته فی الجلوس الأخير،والقيام إلى الثانية من غيرتراخ بعد التشهد،ولفظ السلام دون عليكم،وقنوت الوتر،وتكبيرات العيدين،وتعيين التكبيرلافتتاح كل صلاة لا للعيدين خاصة،وتكبيرة الركوع فی ثانية العيدين وجهرالإمام بقراء ة الفجروأوليی العشائين و لوقضاءً أوالجمعة والعيدين والتراويح والوترفی رمضان،والإسرارفی الظهروالعصروفيما بعد أوليی العشائين ونفل النهار،والمنفرد مخيرفيما يجهركمتنفل بالليل،آه''. (نورالإيضاح علىٰ صدر حاشية **الطحطاوی: ۱۵۱)(۲)**

عبارت مسئولہ کا مطلب یہ ہے کہ!

حالت سجدہ میں پیروں کی انگلیوں کو قبلہ کی طرف متوجہ رکھے۔ یہ بات درجۂ وجوب میں نہیں کہ پیروں کی سب

(۱) ''ويكون موجهًا أصابع رجليه نحوالقبلة ''.(مراقی الفلاح شرح نورالإيضاح، كتاب الصلاة،فصل فی كيفية الترتيب:۲۸۳،قديمی

(۲) نورالإيضاح متن مراقی الفلاح،كتاب الصلاة،فصل فی بيان واجبات الصلاة:۲٤٦۔۲٥٤،قديمی

انگلیاں قبلہ کی طرف متوجہ رہیں، ایک انگلی بھی زمین پر رہے گی تب بھی سجدہ ادا ہوجائے گا، جیسا کہ اس متن کی شرح کرتے ہوئے علامہ طحطاوی نے لکھا ہے:

”ولابد من وضع إحدى القدمين، ووضع القدم بوضع أصابعه، ويكفى وضع إصبع واحدة كذا فى السيد، آه“. (الطحطاوى: ۱۶۹)(۱)

وفيه. أى فى شرح الملتقٰى: ”يفترض وضع أصابع القدم ولو واحدةً نحو القبلة، وإلا لم تجز“. (۲) **فقط والله تعالٰى أعلم**

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند-۱۱/۹/۱۳۹۵ھ-(فتاویٰ محمودیہ: ۵/۵۷۲-۵۷۳) ☆

---

(۱) الطحطاوى علٰى مراقى الفلاح، كتاب الصلاة، فصل فى كيفية الترتيب: ۲۸۳، قديمى

(۲) الدرالمختار علٰى صدرردالمحتار، كتاب الصلاة، فصل فى بيان تأليف الصلاة إلى انتهائها، مطلب فى إطالة الركوع للجائى: ۱/۴۹۹-۵۰۰، سعيد، كراچى

”ويكفيه وضع اصبع واحدة ، فلولم يضع الأصابع أصلا ووضع ظهرالقدم منه ، لايجوز ؛ لأن وضع القدم بوضع الإصبع“. (البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۱/۵۵۶، رشيدية)

(مهمة) من شرط صحة السجود وضع القدمين أو إحداهما وعليه الفتوىٰ كما فى الفيض ومجموع المسائل وما نقله فى الدرر عن العناية من أن عدم الفرضية هو الحق فبعيد عن الحق و بضده أحق كذا حققه المؤلف ثم أفاد إن المراد من وضع القدم وضع أصابعها موجهة نحو القبلة ليكون الاعتماد عليها وإلا فهو وضع ظهرالقدم وجعلوه غير معتبر قال: وهذا مما يجب التنبيه له والناس عنه غافلون. (الدرالمنتقى، فصل بعد باب صفة الصلاة: ۱/۱۴۸، دارالكتب العلمية. انيس)

☆ واجبات نماز:

سوال (الف): نماز کے واجبات کیا کیا ہیں؟

(ب) تکبیر قنوت، یعنی: ”اللّٰـه أكبر“ کہہ کر ہاتھوں کو کانوں کی لو تک اٹھانا دعائے قنوت پڑھنے کے واسطے کیا یہ واجب ہے؟

الجواب ــــــــــــ حامداً ومصلياً

(الف، ب) **”(ولها واجبات)... (وهى)... (قراءة فاتحة الكتاب)... (وضم) أقصر (سورة) ... وتعيين القراءة (فى الأوليين) ... (وتقديم الفاتحة) علٰى كل (السورة) ... (ورعاية الترتيب) ... (فيما يتكرر) ... (وتعديل الأركان) ... (و القعود الأول) ... (والتشهدان) ... (ولفظ السلام) ... (و) قراءة (قنوت الوتر) ... وكذا تكبير قنوته، آه“.** (الدرالمختار) (الدرالمختار علٰى صدرردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب واجبات الصلاة: ۱/۴۵۶-۴۶۹، سعيد)

اس عبارت میں واجبات کی بھی کافی تعداد آ گئی اور یہ بھی معلوم ہوگیا کہ وتر میں قنوت کے لیے تکبیر کہنا بھی واجب ہے؛ لیکن رفع یدین واجب نہیں، صرف سنت ہے۔ ==

نماز میں سورۂ فاتحہ کا پڑھنا:

سوال: نماز میں سورۂ فاتحہ پڑھنا فرض ہے یا واجب ہے؟

الجواب

امام شافعی کے نزدیک فرض ہے۔حدیث'' **لاصلاة إلا بفاتحة الكتاب**'' (۱) ان کی دلیل ہےاور حنفیہ واجب کہتے ہیں اور یہ حدیث اگر چہ صحیح ہے،مگر اس میں مطلق صلوٰۃ کی نفی نہیں، بلکہ صلوٰۃ کامل کی نفی ہے اور آیت کریمہ:''**فَاقْرَؤُوْا مَا تَيَسَّرَمِنَ الْقُرْآنِ**'' (۲) عام ہونے کی وجہ سے اس حدیث سے معارض ہےاور دلالت کے وقت اس حدیث کی دلالت ظنی رہ جائے گی ،جس سے فرضیت ثابت نہیں ہوسکتی، بلکہ وجوب ثابت ہوتا ہے۔(۳)

(مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحیؒ اردو:۲۳۱)

== ''(ولايسن)...(رفع يديه إلا في)...(تكبيرة افتتاح وقنوت وعيد)،الخ.(الدر المختار) (الدرالمختار علٰى صدرردالمحتار،كتاب الصلاة،فصل في بيان تاليف الصلاة إلى انتهائها،قبل مطلب مهم في عقد الأصابع عند التشهد: ۵۰۶/۱ـ۵۰۷،سعيد)فقط والله تعالٰى أعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیو بند۔(فتاویٰ محمودیہ:۵۷/۵)

(۱) عن أبي هريرة يقول: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:خرج فناد بالناس أن لاصلاة إلا بفاتحة الكتاب، فما زاد.(مسند اسحاق بن راهويه (ح: ۱۲۶،ط:مكتبة الإيمان)/القراءة خلف الإمام للبخاري،بالقراءة في الظهر في الأربع كلها (ح:۷)/مستخرج أبي عوانة،بيان الدليل علٰى إيجاب إعادة الصلاة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب (ح:۱۶۶۸)

وعن عبادة بن الصامت رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال:لاصلاة إلا بفاتحة الكتاب. (القراءة خلف الإمام للبخاري،باب وجوب القراءة للإمام والمأموم (ح: ۵۵)/المعجم الأوسط،من اسمه أحمد (ح: ۲۲۶۲)/ السنن الصغير للبيهقي،باب فرض الصلاة وسننها (ح:۳۵۴)

عن عبادة بن الصامت رضي الله عنه قال : أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال : لا صلاة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب.(مسند الإمام الشافعي،ت:سنجر،باب قراءة الفاتحة (ح: ۲۱۱)/الصحيح للبخاري،باب وجوب القراءة للإمام والمأموم في الصلاة (ح: ۷۵۶)/الصحيح لمسلم،باب وجوب قراءة الفاتحة في كل ركعة (ح: ۳۹۴) /سنن ابن ماجة،باب القراءة خلف الإمام (ح: ۸۳۷)/سنن أبي داؤد،باب من ترك القراءة في صلاته بفاتحة الكتاب (ح:۸۲۳)/سنن الترمذي،باب ماجاء أنه لاصلاة إلا بفاتحة (ح:۲۴۷)انيس)

(۲) سورة المزمل: ۲۰.انيس

(۳) (ولنا)﴿فَاقْرَؤُوْا مَا تَيَسَّرَمِنَ الْقُرْآنِ﴾(سورةالمزمل: ۲۰)أمر بمطلق القراءة من غير تعيين فتعيين الفاتحة فرضاً أو تعيينها نسخ الإطلاق ونسخ الكتاب بالخبر المتواتر لايجوزعندالشافعي فكيف يجوز بخبرالواحد؟ فقبلنا الحديث في حق الوجوب عملاً حتى تكره ترك قراءتهما دون الفرضية عملاً بهما بالقدر الممكن كي لا يضطر إلى رده لوجوب رده عندمعارضة الكتاب ومواظبة النبي صلى الله عليه وسلم على فعل لا يدل على فرضيته فإنه كان يواظب على الواجبات،والله أعلم.(بدائع الصنائع،فصل الواجبات الأصلية في الصلاة: ۱۶۰/۱،دارالكتب العلمية)

والزيادة عليه بخبرالواحد لا يجوز لكنه يوجب العمل فقلنا بوجوبها.(الهداية،باب صفة الصلاة: ۵۰/۱ـ انيس)

فرضوں کی دو رکعت خالی اور سنتوں کی سب بھری میں، کیا حکمت ہے:

سوال: فرضوں میں دو رکعت خالی پڑھی جاتی ہیں اور سنتوں میں بھری، اس میں کیا حکمت ہے؟

الجواب

فرضوں میں دو رکعت کا خالی رکھنا یا صرف سورۃ فاتحہ پڑھنا وارد ہوا، اس وجہ سے ان کو خالی رکھتے ہیں۔(۱) اور سنتوں اور نفلوں میں ہر ایک شفعہ نماز کا علیٰحدہ ہے، اس واسطے سب رکعتوں کو بھری پڑھنا چاہئے۔(۲) فقط

(فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۲/۱۵۵-۱۵۶) ☆

---

(۱) عن أبی قتادة.رضی اللّٰہ عنه.قال:کان النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم یقرأ فی الظهرفی الأولیین بأم الکتاب وسورتین وفی الرکعتین الأخریین بأم الکتاب...وهکذا فی العصر. (مشکوٰۃ المصابیح،باب القراء ۃ فی الصلوٰۃ:۷۹،ظفیر)

أخرجه البخاری،باب یقرأ فی الأخریین بفاتحة الکتاب (ح:۷۷٦)انیس

(۲) (وضم) أقصر (سورة) الخ (فی الأولیین من الفرض)الخ (و) فی (جمیع) رکعات (النفل) لأن کل شفع منه صلاة.(الدرالمختارعلٰی صدر رد المحتار،باب صفة الصلاة،مطلب واجبات الصلاة: ۳۲۷/۱،ظفیر)

(و)الثانی(ضم سورة) قصیرة (أو ثلاث آیات)قصارلقوله صلی اللّٰہ علیه وسلم ''لا صلاة لمن لم یقرأ بـالحمد للّٰه وسورة فی فریضة أو غیرها (فی رکعتین غیر متعینتین من الفرض)غیر الثنائی وفی جمع الثنائی (و) یجب الضم) فی جمیع رکعات الوتر (لمشابهة السنة)(و)جمیع رکعات(النفل)لما روینا لأن کل شفع من النافلة صلاة علی حدة (و)یجب (تعیین القراء ۃ)الواجبة (فی الأولیین)من الفرض لمواظبة النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم علی القراء ۃ فیهما (و) یجب تقدیم الفاتحة علی (قراء ۃ) السورة (للمواظبة حتی لوقرأ من السورة ابتداء فتذکر یقرأ الفاتحة ثم یقرأ السورة ویسجد للسهو،الخ.(مراقی الفلاح،فصل فی واجبات الصلاۃ: ۹٤،المکتبة العصریة.انیس)

☆ فرض دو خالی اور دو بھری کیوں ہیں:

سوال: چار رکعت فرض میں دو خالی اور دو بھری کیوں مقرر ہوئی ہیں؟

الجواب

نماز فرض میں دو رکعت بھری اور دو رکعت خالی احادیث سے ثابت ہیں اور جناب رسول اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی کیا ہے، لہذا ہم کو بھی ایسا ہی کرنا چاہئے، چوں وچرا اس میں مناسب نہیں ہے۔(أقول:قد أخرج البخاری ومسلم رحمهما اللّٰہ عن عبد اللّٰه بن أبی قتادة عن أبیه أبی قتادة رضی اللّٰہ تعالٰی عنه أن النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم کان یقرأ فی الرکعتین الأولیین من الظهروالعصر بفاتحة الکتاب وسورتین وفی الأخریین بفاتحة الکتاب ویسمعنا الأیة أحیاناً،الخ.(حاشیة الهدایة) (الصحیح للبخاری،باب القراء ۃ فی العصر (ح:۷٦۲)/الصحیح لمسلم،باب القراء ۃ فی الظهر والعصر(ح:٤٥۱)انیس)

اور زیلعی میں ہے:

وفیما عدا الأولیین اکتفٰی بفاتحة الکتاب لقول أبی قتادة أنه علیه الصلوٰة والسلام قرأ فی الأخریین بفاتحة الکتاب.(۱۲۲/۱)(تبیین الحقائق،فصل الشروع فی الصلاة وبیان إحرامها،بولاق.انیس)(فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۲/۲۴۸)==

فرض کی پہلی دو رکعتوں میں قرأت کے وجوب،
اور دوسری دو رکعتوں میں کوئی سورت نہ ملانے کی تحقیق و دیگر مسائل:

سوال: اے علماء دین ومفتیان شرع متین!

(۱) فرض ظہر وعصر میں قراءت شفع اولیٰ میں فرض ہے یا اخریٰ میں یا مطلق دو رکعتوں میں؟ اگر اولیٰ میں فرض ہے تو جس شخص نے اخریٰ میں قراءت قصداً ترک کیا، اس کی نماز صحیح ہوگی یا نہیں اور جس شخص نے سہواً ترک کیا اس پر سجدہ سہو واجب ہے یا نہیں۔

(۲) اگر کسی شخص نے شفع ثانی میں قصداً یا سہواً سورہ یا بعض سور، فاتحہ کے بعد پڑھا، تو اس پر کس صورت میں سجدہ سہو واجب ہے کس صورت میں نہیں۔

(۳) اگر کسی شخص نے شفع اولیٰ میں قصداً یا سہواً ضم سورت ترک کیا، تو وہ شخص کس صورت میں شفع ثانی میں سورۃ قضا کرے گا اور بر تقدیر قضا کے نماز سرّی وجہری دونوں میں قضا کرے گا، یا ایک میں اور کس صورت میں اس پر سجدۂ سہو واجب ہوگا۔

(۴) نماز صبح میں ضم سورہ رکعتین میں واجب ہے یا رکعت واحدہ میں نماز ظہر میں ضم سورہ کن رکعتوں میں واجب ہے۔

(۵) جو سنت چار رکعت کی ہے، اس میں قرأت چاروں رکعت میں فرض ہے یا شفع اولیٰ یا ثانی یا بعض میں اور ضم سورہ کل رکعتوں میں واجب ہے یا بعض میں اور کے رکعت میں ترک ضم سورہ سے سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے۔

== قراءت دو ہی رکعت میں کیوں کی جاتی ہے:

سوال: دو رکعت خالی اور دو رکعت بھری کیوں پڑھی جاتی ہیں؟

الجواب

احادیث اور آثار صحابہ سے ایسا ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعت میں الحمد اور سورت پڑھی اور آخر کی دو رکعت میں صرف الحمد پڑھی۔ اس واسطے حنفیہ نے اس کو اختیار کیا ہے۔ (عن أبی قتادة. رضی اللّٰہ عنه. قال: "کان النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم یقرأ فی الظهر فی الأولیین بأم الکتاب وسورتین وفی الرکعتین الأخریین بأم الکتاب ویسمعنا الآیة أحیاناً" الحدیث. متفق علیه. (مشکوة المصابیح، باب القراءة فی الصلٰوة: ۷۹)

(واکتفٰی) المفترض (فیما بعد الأولیین بالفاتحة) فإنها سنة علی الظاهر، ولو زاد لابأس به. (الدر المختار علٰی هامش رد المحتار، باب صفة الصلاة، مطلب مهم فی عقد الأصابع عند التشهد: ۱/ ۴۷۷، ظفیر) فقط

(فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲/ ۱۷۵)

(۶) جو شخص فرض ظہر یا عصر کی چوتھی رکعت میں شریک ہوا وہ تین رکعت باقی کس طور سے ادا کرے، کتنی رکعتوں کے بعد جلسہ کرے، کن رکعتوں میں ضمِ سورہ کرے، کئے رکعت میں بدوں سورہ کے پڑھے اور جو شخص تیسری رکعت میں شریک ہوا وہ دو رکعت باقی کس طور سے ادا کرے، جو مغرب کی تیسری رکعت میں امام کے ساتھ شریک ہو وہ اپنی دو رکعت باقی کس طور سے ادا کرے جلسہ اور ضمِ سورہ کن رکعت میں کرے۔ فقط جواب بسند کتاب تحریر ہو؟ بینوا عنداللہ توجروا۔

الجواب

(۱) فرض نماز میں دو پہلی رکعتوں میں قرأت واجب ہے، اخریین میں اختیار ہے، خواہ قرأت پڑھے یا تسبیح کہے یا ساکت رہے۔

"والقراءة في الفرض واجبة في الركعتين، الخ، وهو مخير في الأخريين". (الهداية)(۱)

پس اخریین میں اگر قصداً قرأت ترک کرے تو نماز صحیح ہے اور اگر سہواً ترک کرے، جب بھی قول راجح پر نماز صحیح ہے اور سجدۂ سہو واجب نہیں۔

"ولهٰذا لايجب السهو بتركها في ظاهر الرواية". (الهداية:۱٤٨)(۲)

(۲) اور شفع ثانی میں قصداً یا سہواً فاتحہ کے بعد سورہ یا بعض سورہ کے ملانے سے سجدۂ سہو واجب نہیں، یہ خلافِ اولیٰ ہے۔

"(واكتفٰى) المفترض (فيما بعد الأوليين بالفاتحة) فإنها سنة على الظاهر، ولوزاد لابأس به". (الدرالمختار)

قال الشامي: "(ولوزاد لابأس به) ... فكان الضم خلاف الأولٰى"، إلخ. (ردالمحتار)(۳)

(۳) اگر شفع اولیٰ میں قصداً ضمِ سورہ ترک کیا تو ترک واجب عمداً ہوا، نماز مکروہ تحریمی ہوگی، اعادہ واجب ہوگا اور سجدۂ سہو کافی نہیں اور اگر سہواً ایسا کیا تو اخریین میں بعد فاتحہ کے، سورہ پڑھ لے، (۴) اور جہری نماز میں فاتحہ وسورہ ہر دو جہر سے پڑھے۔

"وإن قرأ الفاتحة ولم يزد عليها قرأ في الأخريين الفاتحة والسورة وجهر ... ويجهربهما". (الهداية)(۵)

اور سجدۂ سہو واجب ہوگا اور سری اور جہری دونوں کا ایک حکم ہے۔

(۱-۲) باب النوافل، فصل في القراءة: ٦٧/١-٦٨، دارإحياء التراث الإسلامي بيروت، انيس

(۳) كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فصل في تركيب الصلاة، مطلب مهم في عقد الأصابع عند التشهد: ٥١١/١، انيس

(۴) سورہ پڑھنا مستحب ہے، تفصیل کے لئے سوال نمبر ۲۳۰ کا جواب ملاحظہ فرمائیں۔ سعید

(۵) فصل في القراءة: ١١٦/١-١١٧، انيس

(۴) نماز صبح میں دونوں رکعتوں میں قرأت فرض ہے اور ظہر وعصر کے شفعہ اولیٰ میں فرض ہے۔ **لما مر من الهداية أن القراءة في الفرض واجبة في الركعتين.**

(۵) سنن رباعیہ میں چاروں رکعت میں قراءت فرض ہے۔

"**والقراءة واجبة في جميع ركعات النفل**".(الهداية)(۱)

اور ضم سورہ بھی چاروں میں واجب ہے، اگر ایک میں بھی سہواً ترک کرے گا سجدہ سہو واجب ہو جائے گا۔

(۶) جس کی ایک دو رکعت امام کے ساتھ فوت ہوگئی ہو، اس کو مسبوق کہتے ہیں اس کی باقی نماز حق قرأت میں اول ہوتی ہے اور حق تشہد میں آخر۔

"**ويقضي أوّل صلاته في حق قراءة، وآخرها في حق تشهد**".(الدر المختار)(۲)

پس جو شخص ظہر یا عصر میں چوتھی رکعت میں شریک ہوا، بعد فراغ امام کے، کھڑا ہوکر، ثنا وتعوذ پڑھ کر، فاتحہ وسورہ پڑھے اور یہ رکعت پوری کر کے قعدہ کرے، پھر کھڑا ہوکر، وہ رکعت بھی فاتحہ وسورہ سے پڑھ کر، پچھلی رکعت، فقط فاتحہ سے پڑھ کر، نماز تمام کرے اور جو تیسری میں شریک ہوا، وہ دونوں رکعتیں فاتحہ وسورہ سے پڑھے اور ان دونوں کے بیچ میں جلسہ نہ کرے، دونوں کے بعد قعدہ اخیرہ کر کے فارغ ہو، جو مغرب کی تیسری میں شریک ہوا وہ دونوں میں فاتحہ وسورہ پڑھے اور ہر رکعت پر بیٹھے۔ واللہ اعلم

(امداد: ۱/۱۰۷) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۲۰۲-۲۰۴)

فرض کی پہلی دو رکعتوں میں سورت نہ پڑھی، تو آخری رکعتوں میں پڑھنا مستحب ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام مسئلہ ذیل میں کہ فرض نماز میں رکعتین اولیین میں سورت نہ ملائی گئی، تو اخریین میں قراءۃ کا کیا درجہ ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــ باسم ملهم الصّواب

اگر پہلی دو رکعتوں میں، یا ایک میں سورت ملانا یاد نہ رہا، تو آخری رکعتوں میں، دونوں میں، یا ایک میں، ملانا مستحب ہے۔

قال في الدّر: (ولو ترك سورة أوليي العشاء) مثلاً ولو عمدًا (قرأها وجوبًا) وقيل ندبًا (مع الفاتحة جهرًا في الأخريين).(الدر المختار)

---

(۱) باب النوافل، فصل في القراءة: ۶۸/۱، دار إحياء التراث الإسلامي بيروت. انيس

(۲) الدر المختار على صدر رد المحتار، باب الإمامة، مطلب في أحكام المسبوق، الخ: ۵۹۶/۱، انيس

وفی الشامیة: (قوله ولو عمدًا) هذا ظاهر إطلاق المتون، وبه صرّح فی النهر، ولم یعزه إلیٰ أحد، کأنه أخذه من الإطلاق وإلا فصنیع الفتاوی والشروح یقتضی أن وضع المسألة فی النسیان، تأمل، أفاده الخیر الرملی.

وقال تحت (قوله وجوبًا وقیل ندبًا)...والحاصل أن اختیار صاحب الفتح والبحر والنهر الندب لأنه صریح کلام محمّد. (رد المحتار: ۱/ ۵۰۰)(۱) فقط واللّٰه تعالیٰ أعلم

۱۸/ ربیع الاول ۱۳۸۶ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ۳/ ۴۷)

(۱) کتاب الصلاة، فصل فی جهر القراء ة، مطلب فی الکلام علی الجهر والمخافتة: ۱/ ۵۳۵، دار الفکر. انیس

واعلم أن المسألة مربعة فظاهر الروایة ما ذکر، وعکسه قول عیسیٰ بن أبان، وعن أبی یوسف: لا یقضی واحدة منهما وعن أبی حنیفة یقضیهما ثم کیف یرتبهما؟ فقیل: یقدم السورة وقیل یقدم الفاتحة وهو الأشبه، إذ تقدیم السورة علی الفاتحة غیر مشروع، فلایکون مخالفاً للمعهود (قوله ماذکر هاهنا ما یدل علی الوجوب) وهو لفظ الخبر وفی الأصل بلفظ الاستحباب ولا یخفی أنه أصرح فیجب التعویل علیه فی الروایة لأنها إن کانت مؤخرة فغیر موصولة بالفاتحة فلم تکن مراعاتها من کل وجه (قوله هو الصحیح) هو ظاهر الروایة احترازاً عما ورد عن أبی حنیفة أنه لایجهر أصلاً لأن الجمع شنیع وتغییر السورة أولیٰ لأن الفاتحة فی محلها لیست تبعاً للسورة، وعنه یجهر بالسورة دون الفاتحة لصفة کل منهما ولایکون جمعاً تقدیراً للالتحاق بمحلها من الأولیین. (فتح القدیر، فصل فی القراء ة: ۱/ ۳۲۹-۳۳۰، دار الفکر/ البحر الرائق، آداب الصلاة: ۱/ ۳۵۸، دار الکتاب الإسلامی/ النهر الفائق شرح کنز الدقائق، کتاب الصلاة، آداب الصلاة: ۱/ ۲۲۹، دار الکتب العلمیة. انیس)

☆ **فرض کی آخری دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ واجب نہیں:**

سوال: فرض کی آخری دو رکعتوں میں اگر سورہ فاتحہ نہ پڑھی تو نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــ ومنه الصّدق والصّواب

نماز ہوجائے گی، فرض کی آخری دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ پڑھنا مستحب ہے، ضروری نہیں، فقط بقدر تسبیحہ واحدہ قیام کافی ہے۔

قال فی شرح التنویر: (وهو مخیّر بین قراء ة) الفاتحة وصحّح العینی وجوبها (وتسبیح ثلاثًا) وسکوت قدرها، وفی النهایة قدر تسبیحة، فلا یکون مسیئًا بالسکوت (علی المذهب) لثبوت التخییر عن علیّ وابن مسعود. رضی اللّٰه تعالیٰ عنهما. وهو الصارف للمواظبة عن الوجوب. (الدر المختار)

وفی الشامیة تحت قوله (وصحح العینی وجوبها): ... لکن الأصحّ عدمه. (قوله وفی النهایة قدر تسبیحة) قال شیخنا: وهو ألیق بالأصول، حلیة: أی لأن رکن القیام یحصل بها لما مرّ أن الرکنیّة تتعلّق بالأدنیٰ. (ردالمحتار: ۱/ ۴۷۷) (کتاب الصلاة، فصل کیفیة الصلاة، مطلب مهم فی عقد الأصابع عند التشهد: ۱/ ۵۱۱، دار الفکر. انیس)

۱۴/ ربیع الاول ۱۳۷۶ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ۳/ ۱۷)

چار رکعت والی فرض نماز کی آخری دو رکعتوں میں امام کا سورہ فاتحہ نہیں پڑھنا خاموش کھڑا رہنا:

سوال: اگر چار رکعت فرض کی اخیر کی دو رکعتوں میں امام الحمد شریف نہ پڑھے۔ چپ چاپ کھڑا رہے اور رکوع میں چلا جائے اور سجدہ کر کے نماز ختم کر دے۔ بھول کے نہیں بلکہ جانتے ہوئے اور سمجھتے ہوئے تو نماز ہوئی یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ و باللّٰہ التوفیق

اگر چار رکعت فرض کے اخیر کی دونوں رکعتوں میں سورہ فاتحہ نہیں پڑھا تو نماز ہو جائے گی، لیکن پڑھنا افضل تھا۔ بالکلیہ سکوت خلاصہ میں مکروہ لکھا ہے۔ عالمگیری میں اخیر کی دو رکعتوں کے متعلق ہے:

”وإن ترک القراء ة والتسبیح لم یکن علیه حرج ولاسجدتا السهو وإن کان ساهیًا لکن القراء ة أفضل، هذا هو الصحیح من الروایات، هکذا فی الذخیرة وعلیه الاعتماد، کذا فی فتاویٰ قاضی خان، وهو الأصح کذا فی المحیط فی فصل القراء ة وهو الصحیح وظاهر الروایة هکذا فی البدائع والسکوت مکروه، هکذا فی الخلاصة.(۱) فقط واللّٰه تعالیٰ أعلم

عبدالصمد رحمانی۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲/۲۹۲-۲۹۳)

(۱) الفتاویٰ الهندیة: ۷۶/۱. (الفصل الثالث فی سنن الصلاة وآدابها. انیس)

(والفاتحة وحدها) أی قراء ة الفاتحة وحدها (فی الرکعتین الأخریین سنة) لقول أبی قتادة أنه علیه الصلاة والسلام قرأ فی الأخریین بفاتحة الکتاب وحدها وعن أبی حنیفة أنها واجبة حتی یجب سجود السهو والأول أصح، قوله (وإن سبح فیهما) أی فی الرکعتین الأخریین (جاز) لأن علیاً وابن مسعود رضی اللّٰه عنهما ماکانا یسبحان فیهما (ولو سکت کره) لأنه ترک السنة. (منحة السلوک شرح تحفة الملوک، فصل فی واجبات الصلاة: ۱۳۲/۱-۱۳۳، وزارة الأوقاف والشؤون الإسلامیة قطر)/ وکذا فی المحیط البرهانی، الفصل الرابع فی کیفیتها: ۲۹۷/۱، دارالکتب العلمیة بیروت)/ وکذا فی مختصر القدوری، باب النوافل: ۳۳/۱، دارالکتب العلمیة)/ وکذا فی البدائع، فصل فی أرکان الصلاة: ۱۱۲/۱، دارالکتب العلمیة)/ وکذا فی تبیین الحقائق، باب صفة الصلاة: ۱۰۵/۱، بولاق. انیس)

☆ قضائے عمری کی تیسری اور چوتھی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بجائے تین بار ”سبحان اللّٰہ“ کہنا:

سوال: قضائے عمری کے اشتہار میں یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ فرض کی تیسری اور چوتھی رکعت میں الحمد شریف کی جگہ تین بار ”**سبحان اللّٰه**“ کہے، ہاں! وتر کی ہر رکعت میں الحمد اور سورت پڑھنا ہے۔

اسی طرح قعدۂ اخیرہ میں درود اور دعائے ماثورہ کی جگہ فقط ”**اللّٰهم صلّ علیٰ محمد و اٰله**“ پڑھے، دریافت طلب یہ ہے کہ کیا اس طرح کرنے سے قضائے عمری ساقط ہو جائیگی؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا ومصلیًا ومسلمًا

جی ہاں! فرض کی تیسری اور چوتھی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بجائے تین مرتبہ ”**سبحان اللّٰه**“ پڑھ لے، تب بھی کافی ہے۔ البتہ وتر کی تیسری رکعت میں الحمد شریف کے ساتھ سورۃ ملانا ضروری ہے، جس پر بہت ساری قضا نمازیں باقی ہوں، ==

فاتحہ کے بعد خاموشی پھر سورہ:

سوال: امام نے نماز کی نیت باندھی اور بعد فاتحہ کے کچھ خاموشی کے بعد قراءۃ شروع کی، نماز میں کیا نقص ہوا؟

الجواب

اگر بقدر ’آمین‘ کہنے کے اور ’بسم اللہ سرًا‘ کہنے کے سکوت کیا اور قراءۃ میں تاخیر کی، تو نماز میں کچھ نقص نہیں ہوا۔(۱)

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۱۸۳) ☆

== وہ ان کی ادائیگی میں سہولت کے لیے قعدۂ اخیرہ میں درودِ ابراہیم کی جگہ مختصر درود پر اکتفا کرے، جیسا کہ سوال میں ہے اور اسی طرح قعدۂ اخیرہ میں درود شریف کے بعد پڑھی جانے والی دعائے ماثورہ چھوڑ دے تو اس کی بھی گنجائش ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(محمود الفتاویٰ:۱/۴۶۸-۴۶۹)

(۱) (وأمن)الخ (الإمام سرًا كمأموم ومنفرد).(الدر المختار،باب صفة الصلاة)

قال الشامي:(قوله ولاتكره اتفاقاً)ولهذا صرح في الذخيرة والمجتبىٰ بأنه إن سمى بين الفاتحة والسورة المقروءة سرًا أوجهرًا كان حسنًا عند أبي حنيفة.(رد المحتار: ۱/۴۵۸،ظفير)(كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة،فصل كيفية الصلاة،مطلب قراءة البسملة بين الفاتحة والسورة حسن،انيس)

☆ **سورہ فاتحہ پڑھنے کے بعد دیر تک وقفہ کرنا:**

سوال: [امام] نماز میں بعد ختم الحمد کے بہت دیر ٹھہرتا ہے، یہ ٹھہرنا کیسا ہے؟

الجواب

بعد فاتحہ کے سکون [سکوت] دیر تک منع ہے، کیونکہ بعد فاتحہ کے بقدر آمین یا بسم اللہ کے، توقف درست ہے اور زیادہ مکروہ ہے اور امام شافعی [کا] مذہب مقتدیوں کے فاتحہ پڑھنے کے واسطے سکوت کرنا ہے، جب کہ اس کا مقتدی کوئی شافعی نہیں، تو اس کو سکوت محض ہوائے نفسانی اور غیر مشروع اور جہل حقیقت الحال سے ہے، لہٰذا اس کو اس حرکت سے منع کرنا چاہئے اور اس کے پیچھے نماز نہ پڑھنی چاہئے، وہ محض جاہل ہے۔ ایسی حالت میں پیچھے اس کے نماز مکروہ تحریمی ہووے گی۔ فقط

(مجموعہ کلاں، ص:۱۲۹-۱۳۱)(باقیات فتاویٰ رشیدیہ:۱۶۸-۱۶۹)

بعد سورۂ فاتحہ حنفی کے لئے سکوت جائز نہیں:

سوال: میں سعودی عرب میں ملازمت کرتا ہوں، حافظ ہونے کی وجہ سے کفیل نے امامت کی ذمہ داری بھی میرے سپرد کردی ہے، یہاں امام کے پیچھے ختم سورۂ فاتحہ کے بعد مقتدی حضرات بھی سورۂ فاتحہ پڑھتے ہیں، جب کہ تین مرتبہ سبحان اللہ کہنے کے بقدر تاخیر کرنے سے سجدۂ سہو واجب ہو جاتا ہے، اب ایسی صورت میں میرے لئے کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامدًا ومصليًا ومسلمًا

حنفی امام کے لئے اس طرح تاخیر جائز نہیں، نماز ناقص اور واجب الاعادہ ہوگی، (قال أبو جعفر: ولا يقرأ المأموم خلف إمامه جهر إمامه أو أسر. ==

سورۃ ملانا واجب ہے:

سوال: ضم سورۃ فرض ہے یا واجب اور کس قدر؟

الجواب

واجب ہے بقدر تین آیت کے۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۲۰۸) ☆

== قال أبوبكر أحمد:الأصل فيه قول الله تعالىٰ:﴿وَاِذَا قُرِیءَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَاَنْصِتُوْا﴾ (الأعراف:۲۰٤) روى عن أبي هريرة وسعيدبن المسيب والحسن وإبراهيم والزهرى ومحمدبن كعب القرظى رضى الله عنهم وغيرهم أنه في شأن الصلاة وقال زيدبن أسلم وأبوالعالية: كانوا يقرؤون خلف الإمام، فنزلت:﴿وَاِذَا قُرِیءَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَاَنْصِتُوْا.﴾وكان زيد بن أسلم ينهى عن القراء ة خلف الإمام فيما يسر ويجهر لهذه الآية،وروى إبراهيم بن أبى حره عن مجاهد أنه قال:في الصلاة والخطبة،فاتفق هؤلاء كلهم على أنه قد عنى به الصلاة وزاد مجاهد الخطبة والأولىٰ أن يكون المراد هي الصلاة في وجهين:أحدها:أن قراء ة القرآن ليست بفرض في الخطبة والثانى أن الإنصات والاستماع واجبان للخطبة فيما كان قرآناً وغيره والعموم يقتضى بوجوب الإنصات والاستماع لكل من قرأ قرآناً في صلاة أو خطبة أو غيرها فلا يخص منه شيء إلا بدليل والإنصات والسكوت بمعنى واحد يقال:فلان يسكت وأنصت والمفعول باللفظين شيء واحد فإذا من حيث أمرنا بالإنصات والسكوت فقد أمرنا بترك القراء ة إذ لايجوز السكوت الكلام فيكون متكلماً ساكتاً في حال،الخ.(شرح مختصر الطحاوى للجصاص،باب صفة الصلاة:۱/٦٤٩-٦٥١،دارالبشائر الإسلامية)

وذكر المصنف أسباب سجود السهو أربعة: ترك الواجب،وتأخيره،وتأخير الركن والزيادة ويجب بتغيير الواجب أيضاً،الخ.(منحةالسلوك شرح تحفة الملوك،فصل في السهو:۱/۱۹۹،انيس)

سجدۂ سہو بھی کافی نہ ہوگا،اس لئے کہ صورت مسئولہ میں قصداً تاخیر کی جاتی ہے۔(فتاویٰ رحیمیہ:۱/۱٦٦)(فتاویٰ رحیمیہ، کتاب الصلوٰۃ،احکام سجدۂ سہو:۱/۱٦٦،دارالإشاعت کراچی)واللہ اعلم بالصواب (فتاویٰ ریاض العلوم:۲/۴۰٦-۴۰۷)

(۱) (ولها واجبات) الخ (وضم)أقصر(سورة) كالكوثر أوما قام مقامها، وهوثلاث آيات قصار. (الدرالمختارعلىٰ صدر رد المحتار،باب صفة الصلاة،مطلب واجبات الصلاة: ۱/٤۲۷،ظفير)

☆ **سورہ فاتحہ کے ساتھ سورتیں ملانے کا حکم:**

سوال: چار رکعت والی نماز میں پہلی دو رکعت کے بعد سورۂ فاتحہ کے بعد کوئی سورہ پڑھنا ہے،لیکن تیسری اور چوتھی رکعت میں کیا کرنا ہے؟(محمد عبدالباسط،عیدی بازار)

الجواب

فرض نمازوں کی پہلی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ کے بعد کوئی سورہ پڑھنا واجب ہے،بعد کی دو رکعتوں میں فرائض میں صرف سورۂ فاتحہ پڑھنے پر اکتفا کیا جائے گا،چنانچہ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ اور اس کے ساتھ سورہ پڑھا کرتے تھے اور بعد کی دو رکعتوں میں صرف سورۂ فاتحہ"۔(دیکھئے:صحيح البخارى،حدیث نمبر:٦٧٧،باب يقرأ في الأخريين بفاتحة الكتاب.محشی) ==

وتر کی تیسری رکعت میں سورۃ ملانی چاہئے یا نہیں:

سوال: وتر کی تیسری رکعت جس میں دعاء قنوت پڑھی جاتی ہے، اس میں سورۃ ملانی چاہئے یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــ

وتر کی تینوں رکعت میں ''الحمد'' کے ساتھ سورۃ ملانا ضروری ہے اور فرض ہے۔(۱)، تیسری رکعت میں بھی سورۃ ملانا ضروری ہے، ہمیشہ وتر اسی طرح پڑھنا چاہئے۔ **هٰكذا في عامة كتب الفقه**. (۲) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۲۶۲)

فاتحہ کے بعد مقدار قرأت:

سوال: بعد فاتحہ کے امام کو تین آیت پڑھ کر رکوع کرنا چاہئے، یا ایک آیت کافی ہے؟

الجواب ـــــــــــــــــــ

تین آیت سے کم نہ ہونے چاہئے۔(۳) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۲۲۶) ☆

== البتہ نفل نمازوں میں چاروں رکعتوں میں سورۂ فاتحہ کے ساتھ سورہ بھی ملائی جائے گی، (دیکھئے: الفتاویٰ الهندية: ۷۱/۱) کیونکہ اس کی ہر دو رکعت مستقل نماز ہے، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رات کی نفل نمازوں میں یہی معمول مبارک تھا۔ (دیکھئے :الجامع للترمذی، حدیث نمبر:۴۳۹، باب ما جاء في وصف صلوٰة النبي صلى الله عليه وسلم)

''عن عائشة رضى الله تعالىٰ عنها قالت: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلى فيما بين صلوٰة العشاء الآخر إلىٰ أن يصدع الفجر إحدى عشر ركعة، يسلم في كل ركعة''. (السنن الكبرىٰ : ۱۱/۳ ، حدیث نمبر:۹۲۴۷، محشی)

(کتاب الفتاویٰ:۲/۱۹۱)

(۱) (و)القراءة فرض فى كل ركعات (الوتر). (مراقى الفلاح، باب شروط الصلاة وأركانها:۸٦، المكتبة العصرية)

(و)يجب الضم فى(جميع ركعات الوتر)لمشابهة السنة. (مراقى الفلاح، فصل فى واجب الصلاة: ۹٤. انيس)

(۲) (وهو ثلاث ركعات بتسليمة)الخ (و) لكنه (يقرأ فى كل ركعة منه فاتحة الكتاب وسورة)احتياطاً. (الدر المختار علىٰ صدر رد المحتار، باب الوتر والنوافل، مطلب فى منكر الوتر والسنن أو الإجماع: ۲٦۲/۱، ظفير)

(۳) (قرأ المصلى لو إمامًا أو منفردًا الفاتحة و)قرأ بعدها وجوبًا(سورة أوثلاث آيات)ولو كانت الآية أوالآيتان تعدل ثلاث اٰيات قصار انتفت كراهة التحريم ذكره الحلبى، ولاتنتفى التنزيهية إلا بالمسنون. (الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، باب صفة الصلاة، مطلب قراءة البسملة بين الفاتحة والسورة حسن: ٤٥۸/۱ ـ ٤٥۹، ظفير)

یا ایک بڑی آیت جو تین چھوٹی آیت سے کم نہ ہو۔ انیس

☆ **تین آیتیں پڑھنا فرض ہے یا واجب:**

سوال: جو تین آیت قرآن شریف کی نماز میں پڑھی جاتی ہیں، یہ فرض ہیں یا کیا؟

الجواب ـــــــــــــــــــ

درمختار میں واجبات نماز میں شمار کیا ہے، قراءۃ فاتحہ اور ضم سورۃ کو یا تین آیت کو۔

''(وضم) أقصر (سورة) كالكوثر أوماقام مقامها ، وهوثلاث آيات قصار، الخ ، وكذا لو كانت الآية أوالآيتان تعدل ثلاثاً قصارًا، الخ. (الدر المختار علىٰ صدر رد المحتار، باب صفة الصلاة، مطلب واجبات الصلاة: ٤۲۷/۱، ظفير) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۲۴۱)

جس شخص کو کوئی سورت یاد نہ ہو وہ کیا کرے؟

سوال: ایک انسان کو سورتیں یاد نہیں، کافی محنت کرنے کے بعد بھی سورت اسے یاد نہیں ہوتی ہے، اور وہ کوشش میں لگا ہوا ہے، لیکن وہ نماز پڑھتا ہے، اس میں امام کے پیچھے صرف کھڑا رہتا ہے۔ رکوع اور سجدے پورے کر لیتا ہے، لیکن جب اکیلے پڑھے گا، تو اس کی کیا صورت ہوگی۔

الجواب ـــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

مذکورہ شخص کو چاہئے کہ وہ کم از کم سورۂ فاتحہ اور کوئی چھوٹی سے چھوٹی سورت یاد کرنے کی لگاتار کوشش کرتا رہے اور جس قدر بھی یاد ہو، اتنا نماز میں پڑھتا رہے، تو اس کی نماز اسی طرح درست ہو جائے گی، لیکن اگر یاد کرنے کی کوشش چھوڑ دی، تو بقدر فرض قرأت نہ ہونے کی شکل میں نماز فاسد ہو جائے گی، اس لئے اس کے اوپر کوشش کرتے رہنا لازم ہے۔

ولاتصح صلاته إذا أمكنه الاقتداء بمن يحسنه أوترك جهده أووجد قدر الفرض مما لا لثغ فيه. (الدرالمختار)

وفي الشامي: وهذا مبني ... علٰى ما إذا ترك جهده، لما علمت من أنه مادام في التصحيح و لم يقدرعليه فصلاته جائزة وإن ترك جهده فصلاته فاسدة. (ردالمحتار، ط: زكريا: ۳۲۸/۲)(۱)**فقط والله تعالٰى أعلم** (دینی مسائل اوران کا حل: ۸۷)

قراءۃ فاتحہ کے بعد بجائے کسی اور سورۃ کے خود سورۂ فاتحہ کو قصداً یا سہواً ضم کرنے کا حکم:

سوال: نماز میں سورۂ فاتحہ کی قراءۃ کے بعد بجائے کسی اور سورۃ کے ضم کرنے کے خود سورۂ فاتحہ ہی کو ضم کرنا عمداً یا سہواً کیسا ہے؟

الجوابـــــــــــــــــــ

قال في شرح المنية: ولوكرر الفاتحة في ركعة من الأوليين متواليًا أوقرأ القرآن في ركوعه أو في سجوده أوفي موضع التشهد يجب عليه سجود السهو للزوم تأخير الواجب وهو السورة في

(۱) باب الإمامة، مطلب في الألثغ: ۵۸۲/۱، دارالفكر بيروت. انيس

والمختار للفتوىٰ من جنس هذه المسائل أن هذا الرجل إن كان يجهد آناء الليل والنهار في تصحيح هذه الحروف ولا يقدر على تصحيحها فصلاته جائزة لأنه جاهد، وإن ترك جهده فصلاته فاسدة لأنه قادر، وإن ترك جهده في بعض عمره لا يسعه أن يترك في باقي عمره ولوترك تفسد صلاته إلا أن يكون الدهر كله في تصحيحه والله أعلم. (المحيط البرهاني، الفصل في كيفيتها: ۳۲۲/۱، دارالكتب العلمية. انيس)

سورہ فاتحہ، چھوٹی سورت یا تین چھوٹی آیتیں ہر مسلمان مرد وعورت کو زبانی حفظ کرنا ضروری اور واجب ہے۔ وحفظ فاتحة الكتاب وسورة واجب على كل مسلم. (الدرالمختار على ردالمحتار، فصل في القراءة: ۵۳۸/۱، دارالفكر) انيس

الصورة الأولٰى والقراء ة فيما لم يشرع فيه فيما بعده والتحرز عن كل ذلك واجب ولو قرأ الفاتحة ثم السورة ثم الفاتحة لايلزمه السهو وقيل يلزمه،آه.(ص:٤٣٣)(۱)

وفى الدرفى واجبات الصلاة:(وتقديم الفاتحة علٰى) كل(السورة)وكذا ترك تكريرها قبل سورة الأوليين،آه.(٤٧٩/١)(۲)

وفيه أيضًا:(وحفظ فاتحة الكتاب وسورة واجب علٰى كل مسلم).(الدرالمختار)

قال الشامى:(قوله وسورة)أى أقصر سورة أومايقوم مقامها من ثلاث آيات قصار.(٥٦٤/١)(۳)

قلت: فلو كان إعادة الفاتحة بنية تنوب عن وجوب السورة لم يكن حفظ سورة ما عدا الفاتحة واجبًا.

وقال الطحطاوى فى الحاشية علٰى مراقى الفلاح:ولوقرأ الفاتحة علٰى قصد الدعاء تنوب عن القراء ة،كما فى الفتاوىٰ الصغرىٰ.(ص:١٤٤)(۴)

وفيه إشعار بأن النية لا أثر لها.

پس جس شخص کو فاتحہ کے علاوہ سورۃ یا آیات یاد نہ ہوں،اس کو فاتحہ کا بنیت حکم پڑھنا مکروہ ہے،اس سے واجب ادا نہ ہوگا؛ کیوں کہ ضم سورۃ علاوہ فاتحہ کے واجب ہے اور جس کو یاد نہ ہو،وہ بعد فاتحہ کے تسبیح پڑھے،تکرار فاتحہ سے سجدۂ سہو لازم ہوگا۔واللہ اعلم

۱۳ر شوال ۱۳۴۶ھ۔(امدادالاحکام:۲/۱۹۳-۱۹۴)

فرض کی دو رکعتوں میں ایک ہی سورت پڑھنے کا حکم:

سوال: ایک شخص نے فرض نماز کی دونوں رکعتوں میں ایک ہی سورت پڑھی،تو نماز ہوئی یا نہیں؟

الجواب ______________ وباللّٰہ التوفیق

افضل یہ ہے کہ جو سورت پہلی رکعت میں پڑھے،اس کو دوسری رکعت میں نہ دہرائے،لیکن اگر کسی نے دہرالی تو بھی نماز درست ہوجائے گی اور سجدۂ سہو کی ضرورت نہیں ہوگی۔(۵)

(۱) غنية المتملى شرح منية المصلى،فصل فى سجود السهو:٤٦٠،مطبع سنده/وكذا فى البحرالرائق،السهو عن السلام:١٠٥/٢،دارالكتاب الإسلامى/وكذا فى مراقى الفلاح،فصل فى واجب الصلاة:٩٤،المكتبة العصرية.انيس

(۲) الدرالمختار علٰى صدر ردالمحتار،كتاب الصلاة،مطلب واجبات الصلاة:٤٦٠/١،دارالفكر،انيس

(۳) رد المحتار،باب صفة الصلاة،فصل ويجهر الإمام،الخ،مطلب السنة تكون سنة عين وسنة كفاية:٥٣٨/١،انيس

(۴) فصل فى بيان واجب الصلاة:٢٤٨،دارالكتب العلمية بيروت.انيس

(۵) لابأس أن يقرأ سورة ويعيدها فى الثانية.(الدرالمختار) ==

سنن ابی داؤد کی ایک روایت یہ ہے کہ ایک صحابی نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صبح کی دونوں رکعتوں میں ایک ہی سورت یعنی زلزال پڑھتے سنا۔(۱)

اور درمختار میں ہے کہ!

''اگر کوئی شخص ایک سورت ایک رکعت میں پڑھے، پھر اسی سورت کو دوسری رکعت میں بھی پڑھے تو کوئی حرج نہیں ہے''۔(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عباس۔۶/۶/۱۳۵۷ھ۔(فتاویٰ امارت شرعیہ:۳۱۹/۲-۳۲۰)

قرآن پڑھنے میں ترتیب کی رعایت:

سوال: مسند احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ میں ہے:

عن علی رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه قال: کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم یوتر بتسع سور من المفصل، قال أسود: یقرأ فی الرکعة الأولیٰ: " اَلْهَاكُمُ التَّكَاثُرُ "، و" إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ "، و "

== (قوله لا بأس أن یقرأ سورة، الخ) أفاد أنه یکره تنزیهًا. (ردالمحتار، قبیل باب الإمامة: ۲۶۸/۲)

لا بأس کی تعبیر یہ ظاہر کرتی ہے کہ وہ خلاف اولیٰ ہے، فرائض میں تکرار بہتر نہیں، اور نوافل میں تکرار سورہ، بلا کراہت درست ہے۔(دیکھئے: غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی)

قنیہ نے جو قول کراہت کا نقل کیا ہے، شامی نے اس کو کراہت تنزیہی پر محمول کیا ہے اور کلمۂ لا بأس کے بارے میں شامی نے لکھا ہے۔

(قوله لابأس أن یقرأ سورة، الخ) أفاد أنه یکره تنزیهًا، وعلیه یحمل جزم القنیة بالکراهة.

بہر حال ایک سورہ کو ہر دو رکعتوں میں پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔ ایسا ہی حدیث میں عمل نبوی سے ثابت بھی ہے، تکرار سورہ کے ممنوع یا ناپسندیدہ ہونے پر کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔[مجاہد]

والحاصل أن تکرار السورة الواحدة فی رکعة واحدة مکروهة فی الفرض ذکره فی فتاویٰ قاضی خان وکذا تکرارها فی رکعتین منه بأن قرء ها فی الأولیٰ ثم کررها فی الرکعة الثانیة یکره ذکره فی القنیة، لکن هذا إذا کان لغیر ضرورة بأن کان یقدر قراء ة سورة أخری أما إذا لم یقدر فلا یکره... (ولا یکره) تکرار السورة فی رکعة أو رکعتین فی التطوع. (غنیة المستملی: ۳۰۵) فصل فی صفة الصلاة)

(۱) عن معاذ بن عبد اللّٰہ الجهنی أن رجلاً من جهینة أخبره أنه سمع النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم یقرأ فی الصبح إذا زلزلت الأرض فی الرکعتین کلتیهما، فلا أدری أ نَسِيَ رسول صلی اللّٰہ علیه و سلم أم قرأ ذلک عمدًا. (سنن أبی داؤد، باب الرجل یعید سورة واحدة فی الرکعتین: ۱۱۸/۱)/(ح: ۸۱۶)/وکذا فی السنن الکبریٰ للبیهقی، باب التجوز فی القراء ة فی صلاة الصبح (ح: ۴۰۲۱) انیس)

(۲) لابأس أن یقرأ سورة ویعیدها فی الثانیة. (الدرالمختار، قبیل باب الإمامة: ۵۴۶/۱، انیس)

إِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ''،وفی الرکعة الثانية:''وَالْعَصْرِ''و''إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ''و''إِنَّا أَعْطَيْنَاکَ الْکَوْثَرَ''،وفی الرکعة الثالثة:''قُلْ يٰأَيُّهَا الْکَافِرُوْنَ'' و'' تَبَّتْ يَدَا أَبِیْ لَهَبٍ'' و''قُلْ هُوَاللّٰهُ أَحَدٌ''.(۱)

جس ترتیب سے اس میں سورتیں ذکر کی گئی ہیں،اس ترتیب سے پڑھنا درست ہے یا مقدم اورمؤخر کرنا درست ہے،اس طور پر کہ پہلی میں ۲و۳وا،دوسری میں ۴و۶و۵ تیسری میں مواقع حدیث یا اسی طرح پڑھنا مسنون رہے گا؟

الجواب

قبل جمع قرآن ترتیب سور اختیاری تھی،یہی وجہ ہے کہ صحابہ میں اس میں اختلاف تھا،یہ خود دلیل ہے کہ کسی خاص ترتیب کی رعایت واجب نہ تھی،ورنہ صحابہ اس کو نہ چھوڑتے،اس کی ترتیب موجودہ پر صحابہ کا اجماع ہوگیا اور اجماع کا اتباع ضروری ہے،اب اس کی مخالفت نہ چاہئے اور مقرر ہے کہ عمل مرفوع کے خلاف پر اجماع ہونا علامت ہے؛اس مرفوع کی منسوخیت کی،اس لئے اب اگر یہ سورتیں پڑھیں،بہ ترتیب حال پڑھیں۔(۲)

۲۹/ذی الحجہ ۱۳۳۳ھ۔(تتمہ ثانیہ:۱۰۶)(امدادالفتاویٰ:۱/۴۲۶۔۴۲۷)

☆☆☆

---

(۱) مسند الإمام أحمد،مسند علی بن علی طالب رضی الله عنه (ح: ٦٧٨)/مسند البزار،ومما روی أبو إسحاق عن الحارث عن علی بن أبی طالب (ح:٨٥١)/شرح معانی الآثار،باب الوتر (ح:١٧٢٤)انیس)

(۲) قال القاضی أبوبکر بن الطيب:ترتيب السور علی ماهی عليه اليوم فی المصحف کان علی وجه الاجتهاد من الصحابة، .(فتح البيان فی مقاصدالقرآن،سورة إقرأ:٣٠٧/١٥،المکتبة العصرية بيروت)

انعقد إجماع الأمة علی أن ترتيب آيات القرآن الکريم علی هذا النمط الذی نراه اليوم بالمصاحف کان بتوقيف من النبی صلی اللّٰه عليه وسلم عن اللّٰه تعالیٰ وأنه لا مجال للرأی والاجتهاد فيه، بل کان جبريل ينزل بالآيات علی الرسول صلی اللّٰه عليه وسلم ويرشده إلی موضع کل آية من سورتها ثم يقرؤها النبی صلی اللّٰه عليه وسلم علی أصحابه.(مناهل العرفان فی علوم القرآن،ترتيب آيات القرآن: ٣٤٦/١،مطبع عيسیٰ ألبابی الحلبی وشرکاه.انیس)

یہ باتیں نماز کے اندر واجب ہیں:

تکبیر تحریمہ میں اللہ اکبر کہنا،فرض کی پہلی دو رکعتوں کو قرأت کے لئے مقرر کرنا،فرض نمازوں کی پہلی اور دوسری رکعتوں میں اور دوسری تمام نمازوں کی ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ پڑھنا،فرض نمازوں کی صرف پہلی اور دوسری رکعتوں میں اور واجب،سنت،نفل وغیرہ نمازوں کی تمام رکعتوں میں سورہ فاتحہ کے بعد کوئی سورہ ملانا،سورہ فاتحہ کو دوسری سورت سے پہلے پڑھنا،سجدہ میں پیشانی کے ساتھ ناک کا سخت حصہ ملانا،پہلے سجدہ کے بعد دوسرا سجدہ کرنا،اطمینان سے ارکان کو ادا کرنا،قومہ یعنی رکوع سے سر اٹھا کر کھڑا ہونا،جلسہ یعنی دونوں سجدے کے درمیان بیٹھنا،قعدہ اولیٰ،قعدہ اولیٰ اور قعدہ اخیرہ دونوں میں تشہد پڑھنا،دائیں بائیں دونوں جانب سلام پھیرنا،دعائے قنوت پڑھنا،عیدین کی تکبیریں،امام کو فجر کی دونوں رکعتوں میں اور مغرب وعشاء کی پہلی دو رکعتوں میں چاہے تو نمازیں ادا ہوں یا قضا اور جمعہ،عیدین،تراویح اور وتر میں بلند آواز سے قرأت کرنا واجب ہے،ظہر وعصر کی کل رکعتوں میں اور عشاء ومغرب کی تیسری،چوتھی رکعتوں میں اور دن کی نفل نمازوں میں آہستہ پڑھنا واجب

قرأت میں جہراور سر کے مسائل

جہری اور سری قرأت کی حکمت:

سوال: عیدین، جمعہ، مغرب، عشاء اور فجر میں امام صاحب زور سے قرأت کرتے ہیں اور ظہر وعصر میں ایسا نہیں ہوتا، کیا اس میں کوئی خاص بات مضمر ہے؟ (سید عبدالعزیز، محمد مقبول، محمد سلیم، گولکنڈہ)

الجواب

اصل یہ ہے کہ شریعت میں جس بات کا حکم دیا گیا ہے، اس کو بے چون و چرا اور مصلحت وحکمت جانے بغیر ہی ہر مسلمان کو قبول کرنا چاہئے، خاص کر جو احکام عبادات سے متعلق ہیں، ان میں عقل وقیاس کو کوئی دخل نہیں؛ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ کا کوئی حکم حکمت سے خالی ہو، شریعت کا ہر حکم عقل و دانش پر مبنی ہے؛ لیکن جیسے ہماری نگاہ اور ہماری سماعت کا دائرہ محدود ہے، ہم قریب ہی کی آواز سن سکتے ہیں اور فرلانگ اور دو فرلانگ کی دوری ہی کو دیکھ سکتے ہیں، اسی طرح ہماری عقل بھی کوتاہ اور محدود ہے اور وہ مصالح غیبی کو سمجھنے سے عاجز ہے، اس لئے شریعت کی کوئی بات خلاف عقل تو نہیں، لیکن بہت سی باتیں عقل سے ماوراء ضرور ہیں، پس ایسے مسائل میں بے فائدہ تجسس سے اجتناب ہی بہتر ہے۔(۱)

ویسے بہ ظاہر یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ دن کا وقت شور وشغب کا ہوتا ہے اور اس میں ذہنی یکسوئی بھی نہیں ہوتی، اس لئے ظہر وعصر کی نماز میں تلاوت آہستہ رکھی گئی، رات کا وقت سکوت وسناٹے اور ذہنی وقلبی یکسوئی اور فراغ کا ہوتا ہے، اس لئے اس وقت بلند آواز میں تلاوت کا حکم دیا گیا اور فجر کا وقت جو سب سے زیادہ قلبی نشاط کا ہے، اس میں تلاوت بھی طویل رکھی گئی، جن نمازوں میں بڑا اجتماع ہوتا ہے، یعنی عیدین، جمعہ وغیرہ، ان میں خصوصی طور پر دعوتی نقطۂ نظر سے قرأت کا حکم دیا گیا اور شاید اس لئے بھی کہ بڑے مجمع کو پُرسکون رکھنے اور لوگوں کے خاطر کو جمع رکھنے کی غرض سے بلند آواز ہی مناسب تھی۔(۲) (کتاب الفتاویٰ: ۲/۱۹۱-۱۹۲) ☆

(۱) الفعل الخالی عن الحکمة عبث والعبث لایلیق بالحکیم. (المحصول للرازی، المسئلة الخامس الدلیل العقلی: ٦/١٠٤، مؤسسة الرسالة. انیس)

(۲) الجواب الأقرب واللّٰہ أعلم: أن الحکمة فی ذلک أن النهار محل العمل ومحل الأخذ والعطاء ==

منفرد نماز میں قرأت جہری کرے یا سری:

سوال: اگر کوئی شخص کسی وجہ سے مسجد میں نہ جاوے؛ گھر میں نماز پڑھے، تو اس کو آواز سے نماز پڑھنا جائز ہے، یا نہیں؟

== والإجتماع فالسر أجمع للقلب، إذا قرأ سراً أجمع لقلبه وأخشع لقلبه حتى يتدبر والليل محل الخلوة فى البيت مع الأهل ومحل خلوة بالله عزوجل إذا جهر كان أنشط له وأقرب إلى انتفاعه بالقراءة وأبعد عن النوم فهو فى الليل يقرأ جهرة ليتدبر كتاب الله ولينشط فى قراءته ويجمع قلبه على ذلک لأن ماحوله هادىء فليس عنده مشاغل فيرفع صوته حتى يجمع قلبه ويقرأ كلام الله ويتدبره عن صوت مرفوع رفعاً لا يشق عليه ولا يؤذى من حوله إذا كان حوله نوام أو مصلون أو قراء لا يرفع رفعاً يؤذيهم ويشق عليهم لكن رفعاً خفيفاً أما إذا كان أحد فيكون رفعه وسطاً يطرد الشيطان ويعين نفسه على النشاط والتدبر ... لكن يغلب على الظن والله أعلم أن هذه الأوقات يكون فيها الاستماع متيسراً والفهم فى المغرب والعشاء والفجر فينتفع المأمومون بالقراءة بخلاف الظهر والعصر فإنها أوقات مشاغل بحاجات الدنياوقد لايكون عندهم من الاستماع والإنصات والفهم ما عندهم فى المغرب والعشاء والفجر فمن حكمة الله أن جعل القراءة سرية حتى يتأمل هذا ويتأمل هذا ، الإمام يقرأ ويتأمل، والمأموم كذلک، بخلاف المغرب والعشاء فإن مجىء الليل وأول النهار وقت الراحة ووقت الهدوء فالأقرب والله أعلم أن يتيسر لهم من الاستماع و الإنصات و الاستفادة ما لا يتيسر لهم فى الصلاتين النهاريتين : الظهر والعصر، والحكمة فى هذا لله سبحانه هو أحكم وأعلم جل وعلا هو الحكيم العليم سبحانه وتعالىٰ فى ذلک.

لكن الأقرب والله أعلم أن هذا هو السر فى الجهر فى المغرب والعشاء فى الأولىٰ والثانية والجهر فى الفجر والجهر فى الجمعة لأنه صلاة يجتمع فيها الناس من كل مكان، من الحكمة أن يجهر فيها بالقراءة حتى يستمعوا ويستفيدوا وهكذا فى صلاة العيد وصلاة الاستسقاء لأنها صلوات يحصل فيها الاجتماع والكثرة فمن رحمة الله أن شرع فيها الجهر. (فتاویٰ نورعلى الدرب لابن بازبعناية الدكتور محمدبن عسر الشويعر، بيان الحكمة من أن صلوات اللليل جهرية: ۸/۲۲۱-۲۲۲. انيس)

☆ **سری و جہری قراءت کی مصلحت:**

سوال: ظہر، عصر کی نماز بالسر کیوں پڑھی جاتی ہیں اور مغرب وعشا اور فجر کی نمازیں بالجہر کیوں پڑھی جاتی ہیں؟

هو المصوب

سر اور جہر کا اصلاً تو یہی حکم ہے، ہم اس کے مکلّف ہیں، عام مصلحت یہ ہے کہ رات کے وقت شور ہنگامہ ختم ہو جاتا ہے اور سکون ہو جاتا ہے، تو بلند آواز سے پڑھنا زیادہ موزوں ہے، دن میں شور و ہنگامہ رہتا ہے، آوازیں بلند ہوتی رہتی ہیں تو اس وقت سراً پڑھنا زیادہ موزوں رہتا ہے۔ (و السر فى مخافة الظهر والعصر أن النهار مظنة الصخب واللغط فى الأسواق والدور وأما غيرهما فوقت هدوء الأصوات والجهر أقرب إلىٰ تذكر القوم واتعاظهم. (حجة الله البالغة: ۲/۱۵)

تحریر: محمد ظہور ندوی۔ (فتاویٰ ندوۃ العلماء: ۲/۶۶)

الجواب

منفرد کے لئے نماز جہری میں جیسے مغرب وعشا وصبح میں جہر افضل ہے، پس صورت مسئولہ میں آواز سے پڑھنا درست ہے، بلکہ افضل ہے۔(۱) البتہ ترک جماعت بلا عذر شرعی گناہ ہے۔(۲) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۲۵۸-۲۵۹) ☆

نماز کی تکبیرات میں منفرد کے لئے جہر کا حکم:

سوال: مسئلہ بہشتی گوہر (جدید) ص ۳۶، فجر، مغرب، عشاء کے وقت پہلی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ اور دوسری سورۃ اور "سمع الله لمن حمده" اور سب تکبیریں امام بلند آواز سے کہے، اور منفرد کو قرأت میں تو اختیار ہے، مگر "سمع الله لمن حمده" اور تکبیریں آہستہ کہے، اور ظہر کے وقت امام صرف "سمع الله لمن حمده" اور سب تکبیریں بلند آواز سے کہے اور منفرد آہستہ اور مقتدی ہر وقت تکبیریں وغیرہ آہستہ کہے۔(شامی:۱/۴۹۵)

اس مسئلہ میں منفرد کو قرأت میں سر اور جہر کرنے کا اختیار دیا گیا ہے، تین وقتوں میں (یعنی فجر، مغرب، عشاء) مگر **سمع الله لمن حمده** اور سب تکبیریں آہستہ کہنے کو لکھا ہے، شبہ یہ ہے کہ پرانے بہشتی گوہر میں تکبیر وغیرہ کا اختیار مطلقاً لکھا ہے خواہ آہستہ کہے یا جہراً کہے، اور چونکہ اس مسئلہ کے الفاظ تغیر وتبدّل کیا گیا، مگر حاشیہ میں کچھ نہیں لکھا کہ

(۱) وإن كان منفردًا فهو مخير إن شاء جهر وأسمع نفسه لأنه إمام في حق نفسه وإن شاء خافت لأنه ليس خلفه من يسمعه والأفضل هو الجهر ليكون الأداء علىٰ هيئة الجماعة. (الهداية، فصل فى القراء ة: ۱/ ۱۰۵)

(۲) (والجماعة سنة مؤكدة للرجال) قال الزاهدى: أرادوا بالتأكيد الوجوب. (الدر المختار)

قال فى النهر: إلا أن هذا يقتضى الاتفاق علىٰ أن تركها مرة بلا عذر يوجب إثمًا، الخ. (رد المحتار، باب الإمامة، مطلب فى تكرار الجماعة فى المسجد، ظفير) (النهر الفائق، باب الإمامة والحدث فى الصلاة: ۱/۲۳۸. انيس)

☆ منفرد کی نماز میں قراءت واقامت:

سوال: تنہا آدمی مسجد یا مکان یا میدان میں نماز فرض پڑھتا ہے، تو با قراءت و با تکبیر پڑھنی چاہئے یا نہیں؟

الجواب

جہری نمازوں میں اس حالت میں قراءت بالجہر پڑھنا اچھا ہے اور جہر با تکبیر بھی درست ہے، مگر زیادہ جہر نہ کرے، کسی قدر جہر میں کچھ حرج نہیں ہے۔("(ويخير المنفرد فى الجهر) وهو أفضل ويكتفى بأدناه (إن أدّى) وفى السرية يخافت حتمًا على المذهب". (الدر المختار)

(قوله وهو أفضل) ليكون الأداء علىٰ هيئة الجماعة ولهٰذا كان أداء ه بأذان وإقامةٍ أفضل. وروى فى الخبر: "أن من صلّى علىٰ هيئة الجماعة صلت بصلاته صفوف من الملائكة". (رد المحتار، باب صفة الصلاة، فصل فى القراء ة: ۱/ ٤٩٨، ظفير) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۲۴۸)

فلاں عبارت بڑھائی گئی ہے، جیسا کہ شروع میں ہدایت کی گئی ہے کہ جو عبارت جدید بڑھائی جاوے گی اس کو حاشیہ میں تحریر کر کے بتلا دیا جاوے گا کہ فلاں عبارت بڑھائی ہے، اس لئے تحقیق طلب ہے۔فقط

الجواب

ہاں اس مسئلہ میں بہشتی گوہر سابق سے کچھ عبارت بدلی ہوئی ہے اور اس کی اطلاع حاشیہ میں اس لئے نہیں دی گئی کہ اس اطلاع کا التزام صرف بہشتی زیور میں کیا گیا ہے، بہشتی گوہر میں اس کا التزام نہیں کیا گیا، ملاحظہ ہو! دیباچہ جدید بہشتی گوہر حصہ:۴،ص:۴۳۔

بہشتی گوہر قدیم میں صرف اتنی عبارت تھی کہ منفرد کو اختیار رہے، جس سے جہر تکبیر و تسمیع و تحمید میں بھی اختیار کا ایہام ہوتا تھا، حالانکہ منفرد کو صرف جہرِ قرأت کا اختیار ہے، تکبیرات و تسمیع وغیرہ کا جہر اس کے لئے مشروع نہیں۔اس لئے اس مرتبہ عبارت میں ترمیم کر دی گئی اور دلیل اس ترمیم کی درمختار مع الشامی بیان سنن الصلوٰۃ ص: ۴۹۵، ج:۱،مطبوعہ ۱۲۹۴ھ میں مذکور ہے۔

ونصه:(وجهر الإمام بالتكبير)بقدر حاجته للإعلام بالدخول والانتقال وكذا بالتسميع والسلام وأما المؤتم والمنفرد فيسمع نفسه.(۱)

اس میں صراحۃً جہر تکبیرات و تسمیع وسلام کو امام کے ساتھ خاص کیا گیا ہے اور منفرد کو اس بارے میں مقتدی کی طرح اخفاء کا حکم کیا گیا ہے اور فصل قراءۃ میں جو کہا گیا ہے:

(ويخير المنفرد فى الجهر)وهو أفضل ويكتفى بأدناه(إن أدى)،الخ.(۲)

وہاں صرف جہر بالقرأت میں تخییر مراد ہے، جیسا کہ سیاق سے ظاہر ہے۔فافہم

یکم محرم الحرام ۱۳۴۶ھ۔(امدادالاحکام:۲/۱۹۲-۱۹۳)

جماعت کی نماز ہو جانے کے بعد آنے والا سری قرأت کرے گا یا جہری:

سوال: فرض باجماعت ختم ہو جانے کے بعد آنے والا شخص اس نماز کو کس طرح ادا کرے گا، جہر کے ساتھ یا سر کے ساتھ؟

---

(۱) الدرالمختار علیٰ صدر ردالمحتار، باب صفة الصلاة، مطلب فى التبليغ خلف الإمام: ۱/۴۷۵، دارالفكر، انيس ... وأن المنفرد ليس بمخير فى الصلاة السرية بل يجب الإخفاء عليه، وهو الصحيح.(البحرالرائق، آداب الصلاة: ۱/۳۵۵، دارالكتب الإسلامى. انيس)

(۲) الدرالمختار علیٰ صدر ردالمحتار، باب صفة الصلاة، فصل فى القراءة: ۱/۵۳۳، دارالفكر. انيس

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

اگر نماز جہری ہو، یعنی مغرب، عشا اور فجر تو آہستہ سے پڑھنا اور آواز کے ساتھ پڑھنا دونوں جائز ہے؛ لیکن آواز کے ساتھ پڑھنا افضل ہے؛ مگر اتنی بلند آواز سے نہ پڑھے کہ دوسروں کی نماز میں خلل ہو۔(۱)

(فتاویٰ قاضی مجاہدالاسلام قاسمی: ۶۷)

تنہا جہری نماز پڑھنے والا قرأت آہستہ کرے یا بلند آواز سے:

سوال(۱) جہری نماز کی جماعت ہوچکی بعد میں آنے والا شخص جہر کرے یا سر؟

قضا نماز بلند آواز سے پڑھی جائے یا آہستہ:

(۲) جہری نماز کی قضا دن میں کرے تو قرأت بلند آواز سے کرے یا آہستہ؟ اسی طرح دن کی سری نماز کی قضارات میں کرے، تو قرأت بلند آواز سے ہوگی یا آہستہ؟

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

(۱) جو شخص جماعت چھوٹ جانے کی وجہ سے اپنی نماز تنہا پڑھے اور نماز جہری قرأت والی ہو تو اس شخص کو (خواہ وقت کے اندر پڑھے یا دن میں قضا کرے) بہرصورت اختیار ہے، چاہے تو قرأت جہری کرے یا سری، لیکن افضل یہ ہے کہ شخص مذکور قرأت جہری ہی کرے؛ تا کہ ادا نماز بہ شکل جماعت ہو۔

”**وإن كان منفردًا فهو مخير إن شاء جهر وأسمع نفسه لأنه إمام في حق نفسه وإن شاء خافت لأنه ليس خلفه من يسمعه والأفضل هو الجهر ليكون الأداء علٰى هيئة الجماعة**“.(الهداية: ۱۱۵/۱)(۲)

اگر جہری نماز جماعت کے ساتھ قضا کی جائے خواہ رات میں ہو یا دن میں تو قرأت جہری ہوگی، جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لیلۃ التعریس میں فجر کی نماز سورج طلوع ہونے کے بعد جہراً ادا کی تھی،(۳) اور اگر سری نماز رات میں بھی ادا کی جائے تو قرأت سری ہی ہوگی، خواہ جماعت کے ساتھ ادا کی جائے یا تنہا۔

(۱) یعنی قرآن کی قراءت جہری نماز میں جہر کے ساتھ اور سری میں آہستہ کرے۔ انیس

”**وإن كان منفردًا فهو مخير إن شاء جهر وأسمع نفسه لإنه إمام في حق نفسه وإن شاء خافت لأنه ليس خلفه من يسمعه والأفضل هو الجهر ليكون الأداء علٰى هيئة الجماعة**“.(الهداية،فصل في القراء ة: ۳۴۷/۱-۳۴۸،طبع پاكستان)

(۲) **الهداية شرح بداية المبتدي، كتاب الصلاة، باب القراء ة: ۴۵/۱، دارإحياء الثرات الإسلامي بيروت/ وكذا في منحة السلوك شرح تحفة الملوك، فصل في القراء ة: ۱۰۲/۱، وزارة الأوقاف والشؤون الإسلامية قطر. انيس**

(۳) **عن أبي هريرة قال: لما قفل رسول الله صلى الله عليه وسلم فنام، فلم يستيقظ أحد منهم** ==

’’ومتی قضی الفوائت إن قضاها بجماعة فإن کانت صلاة یجهر فیها یجهر فیها الإمام بالقراء ة وإن قضاها وحده یتخیر بین الجهر والمخافتة والجهر أفضل کما فی الوقت ویخافت فیما یخافت فیه حتمًا‘‘. (الفتاوی الهندیة: ۱۲۱/۱)(۱)فقط واللّٰه تعالٰی أعلم

محمد جنید عالم ندوی قاسمی۔۴/۴/۱۴۱۵ھ۔(فتاویٰ امارت شرعیہ:۳۹۸/۲)☆

نوافل میں جہر کا حکم جبکہ انھیں سراً شروع کیا ہو:

سوال: جس شخص نے نماز نفل آہستہ پڑھنی شروع کی پھر زور سے پڑھنے کو جی چاہتا ہے تو درمیان نماز سے زور سے پڑھنا درست ہوگا یا نہیں۔ والسلام

== وکان أولهم استیقاظاً النبی صلی اللّٰه علیه وسلم فقال:أی بلال،فقال بلال:بأبی أنت یارسول اللّٰه أخذ بنفسی الذی أخذ بنفسک، فقال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: اقتادوا ،ثم أناخ فتوضأ فأقام الصلاة ثم صلی مثل صلاته للوقت فی تمکث ثم قال:﴿اَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِکْرِیْ﴾.(طٰه: ۱۴).(سنن الترمذی،کتاب التفاسیر،باب ومن سورة طٰه، (ح:۳۱۶۳)وقال الترمذی: هذا حدیث غیرمحفوظ،رواه غیرواحد من الحفاظ عن الزهری عن سعید بن المسیب عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم ولم یذکروا فیه عن أبی هریرة،وصالح بن الأخضر یضعف فی الحدیث ضعفه سعیدبن القطان وغیره من قبل حفظه)

قال الألبانی:أخرجه مسلم وأبوداؤد،وعنه أبوعوانة وکذا البیهقی وابن ماجة والسراج فی مسنده من طرق عن ابن شهاب عن سعیدبن المسیب عنه ورواه مالک عن ابن شهاب عن سعید مرسلاً والصواب الموصول لاتفاق جماعة من الثقات علیه وهم یونس ومعمر وشعبان وتابعهم صالح بن الأخضر عند الترمذی وللنسائی منه الجملة الأخیرة من طریق یونس وابن اسحاق ومعمرولہ طریق أخری عن أبی هریرة بلفظ : من نسی صلاة فوقتها إذا ذکرها، قال اللّٰه عزوجل:﴿اَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِکْرِیْ﴾.(طٰه: ۱۴)(إرواء الغلیل فی تخریج أحادیث منار السبیل،حدیث:من نام عن صلاة أونسیها:۲۹۲/۱،المکتبة الإسلامی بیروت.انیس)

(۱) الباب الحادی عشر فی قضاء الفوائت،دارالفکر.انیس

☆ **جہری نماز کی قضا دن میں باجماعت کی جائے تو جہر واجب ہے:**

سوال: اگر کسی جماعت کی جہری نماز قضا ہوگئی، اب وہ دن میں اس نماز کو ادا کرنا چاہتے ہیں، تو امام قراءت بالجہر کرے گا، یا بالسر؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــــــ باسم ملهم الصّواب

مسئولہ صورت میں امام پر جہر واجب ہے۔

قال فی التنویر:ویجهر الإمام فی الفجروأولیی العشائین أداءً وقضاءً وجمعة وعیدین و تراویح ووتر بعدها.(رد المحتار: ۴۹۷/۱)(التنویرمتن الدرالمختارعلٰی صدرردالمحتار،باب صفة الصلاة،فصل ویجهرالإمام ،الخ: ۵۳۲/۱،دارالفکر،انیس) فقط واللّٰه تعالٰی أعلم

غرۂ رجب ۱۳۹۷ھ۔(احسن الفتاویٰ:۸۰/۳)

الجواب

اگرنفلیں دن میں پڑھ رہا ہےتوجہرنہ کرےاوراگررات میں پڑھ رہا ہےتوجہر جائز ہے؛خواہ ابتدا سے جہر کررہا ہو، یاوسط میں شروع کردے، ہرطرح اجازت ہے۔

قال في مراقي الفلاح: والمنفرد بفرض مخيرفيمايجهرالإمام فيه كمتنفل بالليل فإنه مخيرو يكتفى بأدنى الجهرآه والجهرأفضل مالم يؤذ نائمًا ونحوه كمريض ومن ينظرفى العلم.(۱)

اوراس کا قیاس اس صورت پرصحیح نہیں کہ نفل کوقیام کے ساتھ شروع کرنے سے پھرقعود جائزنہیں رہتا؛ کیونکہ وہاں قیام رکن صلوٰۃ ہےاورقعود سے اقویٰ ہےاورقعودقائم مقام قیام کے رخصۃً ہےنوافل میں اور یہاں نوافل لیل میں سر یاجہرکوئی واجب نہیں، بلکہ دونوں مخیّر فیہ اورمساوی ہیں اورنہ سراقویٰ ہے؛جہرسے، بلکہ بعض دلائل سےنوافل لیل میں جہرکی افضلیت معلوم ہوتی ہے،لہٰذا انتقال من الاقویٰ الی الادنیٰ نہ ہوگا؛ بلکہ انتقال مساوی سے مساوی کی طرف یا غیرافضل سے افضل کی طرف ہوگا،پس صحت میں کیاشبہ ہےاورہدایہ وغیرہ میں جو یہ جزئیہ ہے۔

”**(لوترک سورة أوليى العشاء) ... (قرأها وجوبًا) ... (مع الفاتحة جهرًا فى الأخريين)لأن الجمع بين جهرومخافة فى ركعة شنيع.**(۲)

یہ جزئیہ جماعت وامام کے ساتھ مخصوص ہے، کیونکہ جہراسی پرواجب ہے؛ نہ منفرد پر،خصوصاً منفرد فی النوافل پرتو جہرواجب ہےہی نہیں۔

وصرح فى الهداية فى باب سجود السهوبأن الجهروالمخافة من خصائص الجماعة.(۳)

پس جماعت میں ”**جمع بين الجهروالسرفى ركعة**“ مکروہ ہے،نہ انفراد میں ۔واللہ اعلم

۱۸/ذیقعدہ ۱۳۴۲ھ۔(امدادالاحکام:۲/۱۸۲۔۱۸۳)

---

(۱) مراقى الفلاح شرح نورالإيضاح،فصل فى واجب الصلاة:۹۵،المكتبة العصرية.انيس

(۲) الدرالمختارعلىٰ صدرردالمحتار،باب صفة الصلاة،فصل ويجهر الإمام قبل باب الإمامة:۱/۵۳۵۔۵۳۶،انيس

... لأن الجمع بين الجهر والمخافتة فى ركعة واحدة غيرمشروع،الخ.(بدائع الصنائع،كتاب الصلاة،فصل بيان محل سجود السهو:۱/۱۷۲،دارالكتب العلمية.انيس)

(۳) الهداية،باب سجود السهو:۱/۷٤،دارإحياء التراث الإسلامى بيروت.انيس

قال:وأكره أن يصلى القوم التطوع جماعة إلا فى قيام رمضان خاصة لأن رسول الله صلى الله عليه وسلم لم يؤد التطوعات بالجماعة مع حرصه على أداء الصلاة بالجماعة ولأنه لايؤذن ولايقام ولأن الإخفاء فى التطوعات سنة.(النكت للسرخسى،باب من صلاة التطوع أن تستقيم بإمام واحد:۱/۱٦۹،عالم الكتاب بيروت)

وقد أفاد أن المتنفل بالنهار يجب عليه الإخفاء مطلقاً والمتنفل بالليل مخير بين الجهر والإخفاء إن كان منفرداً،أما إن كان إماماً فالجهر واجب كماذكره الشارح،الخ.(البحرالرائق،آداب الصلاة:۱/۳۵۵.انيس)

جہری نماز میں امام کو جہر کرنے کا حکم:

سوال: ایک شخص عشا کی فرض نماز تنہا پڑھ رہا تھا دوسرے شخص نے آکر اس کی اقتدا کرلی، امام نے نماز میں جہر نہیں کیا، تو نماز ہوئی یا نہیں؟ کیا امام کو جہری نماز میں جہر کرنا ضروری ہے؟

الجواب

امام نے اگر امامت کی نیت کرلی، تو جہر کرنا ضروری تھا، لیکن اگر امامت کی نیت نہیں کی، تو جہر ضروری نہیں، لہذا نماز ہوگئی، امام کو جہری نماز میں جہر کرنا واجب اور ضروری ہے۔

ملاحظہ ہو! درمختار میں ہے:

(ويجهر الإمام)وجوبًا بحسب الجماعة،فإن زاد عليه أساء،ولو ائتم به بعد الفاتحة أوبعضها سرًّا أعادها جهرًا،بحر،لكن في آخر شرح المنية:ائتم به بعد الفاتحة،يجهربالسورة إن قصد الإمامة وإلا فلايلزمه الجهر. (الدرالمختار)

وفي الشامية:(قوله إن قصد الإمامة الخ)عزاه في القنية إلى فتاوىٰ الكرماني،ووجهه أن الإمام منفرد في حق نفسه،ولذا لايحنث في لايؤم أحدًا مالم ينوالإمامة،ولايحصل ثواب الجماعة إلا بالنية. (۱)

طحطاوی میں ہے:

ويجب جهرالإمام الواجب منه أدناه وهوأن يسمع غيره،ولوواحدًا وإلا كان إسرارًا . (۲)

امدادالفتاح میں ہے:

ويجب جهرالإمام بقراءة ركعتي الفجروقراءة أوليي العشائين للمواظبة عليه. (۳)

بہشتی گوہر میں ہے:

اگر کوئی شخص تنہا فجر یا مغرب یا عشا کا فرض آہستہ آواز سے پڑھ رہا ہو، اسی اثنا میں کوئی شخص اس کی اقتدا کرے، تو اس میں دو صورتیں ہیں:

(۱) ایک یہ کہ یہ شخص دل میں قصد کرے کہ میں اب امام بنتا ہوں؛ تاکہ نماز جماعت سے ہوجاوے۔

(۲) دوسری صورت یہ کہ قصد نہ کرے، بلکہ بدستور اپنے کو یہی سمجھے کہ گو یہ میرے پیچھے آکھڑا ہوا؛ لیکن میں امام

---

(۱) ردالمحتار،باب صفة الصلاة،فصل ويجهرالإمام ،الخ: ۵۳۲/۱،فصل في القراءة، سعيد

(۲) الطحطاوي علىٰ مراقي الفلاح: ۲۵۲،فصل في بيان واجبات الصلاة، قديمي

(۳) إمداد الفتاح : ۲۷۸، فصل في واجبات الصلاة

نہیں بنتا، بلکہ بدستور تنہا پڑھتا ہوں، پس پہلی صورت میں تواس پر اسی جگہ سے بلند آواز سے قرأت کرنا واجب ہے، پس اگر سورۂ فاتحہ یا کسی قدر دوسری سورت بھی آہستہ آواز سے پڑھ چکا ہو، تواس کو چاہئے کہ اسی جگہ سے بقیہ کو بلند آواز سے پڑھے، اس لئے کہ امام کو فجر ومغرب وعشا کے وقت بلند آواز سے قرأت کرنا واجب ہے، دوسری صورت میں بلند آواز سے قرأت کرنا واجب نہیں ہے اور اس مقتدی کی نماز بھی درست رہے گی؛ کیونکہ صحت صلوۃ مقتدی کے لئے امام کا نیت امامت کرنا ضروری نہیں۔ (اصلی بہشتی گوہر، گیارواں حصہ:۵۸، مقتدی اور امام کے متعلق مسائل، مسئلہ:۲۰، المدنیہ لاہور) واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ دارالعلوم زکریا:۲/۲۶۸-۲۶۹)

امام کے لئے جہر بالتکبیر سنت ہے، واجب نہیں:

سوال: اگر امام کے سہو نے تکبیرات انتقالات میں کسی تکبیر کو جہر سے نہ کہا؛ خفیۃً کہا، اس سے سجدۂ سہو لازم آوے گا یا نہیں؟

الجواب

نہیں؛ کیونکہ امام کو جہر کرنا تکبیرات کا سنت ہے۔

كذا في الدر المختار في سنن الصلاة، حيث قال: و جهر الإمام بالتكبير. (۱) **فقط**

۱۶ / شعبان ۱۳۲۹ھ (تتمہ اولیٰ، صفحہ:۳۸) (امداد الفتاویٰ جدید:۱/۲۰۶)

(۱) تنوير الأبصار على صدر رد المحتار، باب صفة الصلاة، سنن الصلاة، مطلب في التبليغ خلف الإمام: ۱/۴۷۵، انيس

☆ تعلیم وتربیت کے لئے بچہ کا جہراً ظہر ادا کرنا:

سوال: ایک طالب علم امامت کے فرائض انجام دے اور ظہر کی نماز بآواز بلند پڑھے؛ تاکہ دوسرے بچے جو اس کے پیچھے نماز پڑھ رہے ہیں، ان کو معلوم ہوجائے کہ کس رکن میں کیا پڑھنا ہے، تو کیا اس طرح نماز پڑھانا جائز ہے؟

(سید غازی الدین خان، ملک پیٹ)

الجواب

اگر یہ نابالغ بچے ہوں اور امامت کرنے والا بچہ بھی نابالغ ہو تو از راہ تربیت نماز ظہر اور آہستہ پڑھے جانے والے اذکار کو زور سے پڑھنے کی گنجائش ہے؛ کیونکہ نابالغ احکام شرعیہ کے مکلّف نہیں ہیں اور ان بچوں کے حق میں یہ نمازیں بھی نفل کے درجہ میں ہیں اور نفل نمازوں میں بہ مقابلہ فرض نمازوں کے احکام کے اعتبار سے زیادہ وسعت ہے،---سلف صالحین سے بھی تعلیم وتربیت کے مقصد سے گاہے گاہے آہستہ پڑھے جانے والے اذکار کو زور سے پڑھنا ثابت ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ ایک بار انہوں نے ''ثناء'' کو جہر کے ساتھ پڑھا، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک موقعہ پر ''تعوذ'' کو زور سے پڑھنا منقول ہے۔ (دیکھئے: زاد المعاد:۱/۲۰۵-۲۷، محشی) (ولكن صح عن عمر بن الخطاب رضي الله عنه أنه كان يستفتح به في ==

قرأت وتکبیر میں جہر کی مقدار:

سوال: نماز پڑھانے میں امام کا قرأت کرنا اور بعض تکبیرات کو اس طرح جہر سے بولنا کہ مسجد سے باہر سڑک تک سنائی دے اور بعض تکبیرات کو اس طرح بولنا کہ دوسری تیسری صف والے بھی نہ سنیں۔ مثلاً تکبیر رکوع آہستہ آواز سے اور تکبیر قومہ بہت زور سے اور تکبیر سجود آہستہ اور تکبیر جلسہ پکار کے۔ ایسا کرنا سنت ہے یا بدعت یا کیا ہے؟ کیا اسی طرح سے کوئی تکبیر اونچی اور کوئی نیچی قرون ثلٰثہ سے ثابت ہے یا اختراعی ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

امام کو قرأت اور تکبیرات کے جہر میں طریق اوسط کو اختیار کرنا چاہئے اور قدر حاجت کے موافق جہر کرنا چاہئے اور یہ فرق اور تفاوت مابین التکبیر ات کے کہ بعض کو جہر مفرط سے ادا کرنا اور بعض میں قدر حاجت سے بھی کم کر دینا مذموم اور بے اصل ہے، شریعت میں اس کی کچھ اصل نہیں۔ (۱)

صرف سلام میں فقہا نے یہ لکھا ہے کہ دوسرے سلام کو پہلے سلام سے کچھ پست آواز سے کہے۔

کمافی الدر المختار: وسنّ جعل الثانی أخفض من الأول. (۲)

پس ماسوا، اس کے اور کسی جگہ جہر میں تفاوت درجات نہیں ہے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم: ۲/۱۷۹-۱۸۰) ☆

== مقام النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم ویجھربہ ویعلمہ الناس. (زادالمعاد فی ھدی خیرالأنام،فصل فی ھدیہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فی الصلاۃ: ۱/۱۹۸، مؤسسۃ الرسالۃ بیروت)/وإنما یتعوذ المصلی فی نفسہ إماماً کان أو منفرداً لأن الجھر بالتعوذ لم ینقل عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ولوکان یجھر لنقل نقلاً مستفیضاً والذی روی عن عمر رضی اللّٰہ عنہ أنہ جھر بالتعوذ تأویلہ أنہ کان وقع إتفاقاً لا قصداً أو قصد تعلیم السامعین أن المصلی ینبغی أن یتعوذ کما نقل عنہ الجھر بثناء الإفتتاح. (المبسوط للسرخسی، کیفیۃ الدخول فی الصلاۃ: ۱/۱۳، دارالمعرفۃ بیروت. انیس)

آپ نے بعض دفعہ ''آمین'' زور سے کہی ہے، اس کے بارے میں حدیث کے راوی حضرت وائل بن حجر فرماتے ہیں:

''ما أراہ إلا لیعلمنا''. (التعلیق الحسن علٰی اٰثار السنن : ۱/۱۸۷، حدیث نمبر : ۳۷۷ ، ط: گجرانوالہ)

میرے خیال میں حضور کا یہ عمل تعلیم کی غرض سے تھا۔ (کتاب الفتاویٰ: ۳/۱۲۳-۱۲۴)

(۱) ''(ویجھر الإمام) وجوباً بحسب الجماعۃ،فإن زاد علیہ أساء''. (الدر المختار)

وفی الزاھدی عن أبی جعفر: لوزاد علی الحاجۃ فھوأفضل،إلا إذا أجھد نفسہ أوآذی غیرہ،قھستانی. (رد المحتار، باب صفۃ الصلاۃ،فصل فی القراءۃ: ۱/۴۹۷)

(وجھر الإمام بالتکبیر) بقدر حاجتہ للإعلام بالدخول والانتقال، وکذا بالتسمیع والسلام،وأما المؤتم والمنفرد فیسمع نفسہ. (الدر المختار)

(قولہ بقدر حاجتہ للإعلام،الخ): وإن زاد کرہ،ط. قلت:ھذا إذا لم یفحش،الخ ، ... والزائد علٰی قدر الحاجۃ کما ھومکروہ للإمام یکرہ للمبلغ. (ردالمحتار، باب صفۃ الصلاۃ،سنن الصلاۃ،مطلب فی التبلیغ خلف الإمام: ۱/۴۴۳، ظفیر)

(۲) تنویر الأبصار متن الدر المختار علی صدر ردالمحتار، باب صفۃ الصلاۃ،فصل کیفیۃ الصلاۃ،مطلب فی وقت إدراک فضیلۃ الافتتاح: ۱/۴۹۱، ظفیر ==

سری قرأت کا ادنی درجہ:

سوال: نماز میں قرأت کو قاری نہ سنے تو نماز نہیں ہوتی، بہشتی زیور میں لکھا ہے، اس کا کیا مطلب ہے؟ اکثر نمازی اپنے پڑھنے کو بوجہ شوروغل کے نہیں سن سکتا یا بہرا ہے؛ کیونکہ ہر چیز کے دو درجے ہیں، ایک اعلیٰ اور ایک ادنیٰ، مثلاً جہر کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ قاری کی قرأت کو دور کے لوگ بھی سن لیں، اور ادنیٰ یہ کہ قریب جو کھڑا ہے وہ سن سکے، اور سری قراءۃ کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ قاری کی قرأت قاری ہی سنے اور دوسرا نہ سنے اگرچہ برابر کھڑا ہو اور ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ قاری کی زبان اور حلق کو حرکت ہو اور قاری خود نہ سنے مگر قلبی دھیان رہے کہ میں پڑھ رہا ہوں، چونکہ حنفیہ کرام کے یہاں جن نمازوں میں جہر نہیں ہے بہت آہستہ پڑھنا اولیٰ ہے وہ کونسا درجہ ہے ادنیٰ یا اعلیٰ اور اس طرح سے نمازی کے حلق اور زبان کو حرکت ہو اور کان نہ سنے تو نماز ہو جاوے گی یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

فی الدر المختار، فصل فی القراءۃ:"(و)أدنی(الجهر إسماع غیره، و)أدنی (المخافتة إسماع نفسه)".(۱)

اور ردالمحتار میں اس قول کو ہندوانی کی طرف منسوب کر کے اصح وارجح کہا ہے اور چونکہ اس میں احتیاط تھی، لہذا بہشتی زیور کے مؤلف نے اس کو اختیار کیا اور ایک قول کرخی کا ہے، صرف تصحیح حروف کافی ہے، گو خود بھی نہ سنے اور بعض نے اس کی بھی تصحیح کی ہے۔(کذا فی ردالمحتار)(۲)

☆ قرأت میں آواز کی مقدار:

سوال: بہشتی زیور میں ہے کہ نماز میں الحمد اور سورت وغیرہ اتنی چپکے سے پڑھے کہ اپنی آواز خود اپنے کان کو نہ سنائی دے تو نماز نہیں ہوگی، تو کیا اتنی زور سے نماز پڑھنا کہ اپنے کان کو سنائی دے فرض ہے یا واجب، اگر غلطی سے چپکے سے پڑھ لی پھر خیال آیا تو کیا سجدہ سہو سے نماز ہو جائے گی؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــ باسم ملهم الصّواب

یہ ایک قول ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ اگر حروف صحیح نکالے تو نماز ہو جائے گی، اگرچہ خود نہ سن سکے، قول اول پر عمل کرنے سے اکثر وہم پیدا ہو جاتا ہے اور اکثر لوگ اسی وہم کی وجہ سے زور زور سے پڑھنے لگتے ہیں، جس سے دوسروں کی نماز میں خلل پیدا ہوتا ہے، اس لیے میرے خیال میں دوسرے قول پر عمل کرنا چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۵/ذیقعدہ ۱۳۹۸ھ۔(احسن الفتاویٰ:۳/۷۵)

(۱) الدر المختار علی صدر ردالمحتار، باب صفة الصلاة: ۱/۵۳۴-۵۳۵، انیس

(۲) وبه علم أنه لاإشكال فی كلام الخلاصة، وأنه لاینافی كلام الهندوانی بل هو مفرع علیه بدلیل أنه فی المعراج نقله عن الفضلی، وقد علمت أن الفضلی قائل بقول الهندوانی فقد ظهر بهذا أن أدنی المخافتة إسماع نفسه أو من بقربه من رجل أو رجلین مثلاً، وأعلاها تصحیح الحروف كما هو مذهب الكرخی، ولا تعتبر هنا فی الأصح.(رد المحتار، كتاب الصلاة، فصل فی القراءة: ۱/۵۳۴-۵۳۵، دار الفكر. انیس)

پس احوط تو ہندوانی کا قول ہے، باقی نماز کرخی کے قول پر عمل کرنے والے کی بھی ہو جاوے گی۔(۱) واللہ اعلم

۲۷/ربیع الاول ۱۳۲۵ھ (امداد، اول: ۸۸) (امداد الفتاویٰ جدید: ۲۳۴/۱-۲۳۵)

سری نمازوں میں اتنا زور سے پڑھنا کہ بغل کا آدمی سن لے کیسا ہے:

سوال: زید جب نماز پڑھتا ہے، تنہا یا باجماعت تو رکوع اور سجدہ وغیرہ کی تسبیحات کو بعض بعض دفعہ اتنی آواز سے پڑھتا ہے کہ دائیں، بائیں بغل کے نمازی بھی سن لیتے ہیں اور اسی طرح سے نماز کی قرأت جو سری ہے، بعض اوقات زید، بعض بعض آیات؛ مثلاً! ﴿اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ﴾ وغیرہ اتنی زور سے پڑھتا ہے کہ بغل کے آدمی بھی سن لیتے ہیں، ازروئے شرع یہ فعل کیسا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

جان بوجھ کر زید کا ایسا کرنا اچھا نہیں، اگر کبھی پڑھتے ہوئے اتفاقاً اس طرح کی آواز زور سے نکل جائے تو کوئی حرج نہیں، لیکن احتیاط کرنا چاہئے۔(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

عبداللہ خالد مظاہری۔ ۱۹/۴/۱۴۱۰ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۴۰۹/۲)

ضرورت سے زیادہ بلند آواز سے قرأت جائز ہے:

سوال: نماز کے اندر جہری قرأت بآواز بلند قرأت پڑھنا شرعاً درست ہے یا نہیں، اور آیت کریمہ ﴿وَلاَ تَجْهَرْ بِصَلٰوتِکَ وَلاَ تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَیْنَ ذٰلِکَ سَبِیْلاً﴾ (۳) کا کیا مطلب ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــــــ باسم ملهم الصّواب

ضرورت سے زیادہ بلند آواز سے قرأت کرنا جائز ہے، البتہ جہر میں تکلف کرنا یا اتنا جہر کہ نماز میں تشویش کا باعث بنے یا کسی کے لیے باعث ایذا ہو، ناجائز ہے۔

---

(۱) "وفي الهداية: ۹۸: ثم المخافة أن يسمع نفسه والجهر أن يسمع غيره وهذا عند الفقيه أبي جعفر الهندواني، وقال الكرخي: أدنى الجهر أن يسمع نفسه وأدنى المخافتة تصحيح الحروف؛ لأن القراءة فعل اللسان وعلى هذا الأصل كل ما يتعلق بالنطق. (الهداية، كتاب الصلاة، فصل في القراءة: ۱۰۶/۱-۱۰۷)

(۲) (و) أدنى (المخافتة إسماع نفسه) ومن بقربه، فلوسمع رجل أو رجلان فليس بجهر، والجهر أن يسمع الكل. (الدر المختار على ردالمحتار، باب صفة الصلاة، فصل في القراءة، مطلب في الكلام على الجهر والمخافتة: ۲۵۲/۲-۲۵۳)

واضح رہے کہ اگر رکوع اور سجدہ وغیرہ کی تسبیحات کو یا سری نمازوں میں قرآنی آیات کو اتنی آواز سے پڑھتا ہے کہ دائیں، بائیں ایک دو مقتدی سن لیتے ہیں اور سبھی لوگ نہیں سنتے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، اس لئے کہ یہ صورت سر کی ہے نہ کہ جہر کی، جیسا کہ درمختار کی مذکورہ بالا عبارت سے واضح ہے۔[مجاہد]

(۳) سورة بني اسرائيل: ۱۱۰. انيس

فـي الشامية تحت(قوله فإن زاد عليه أساء):وفي الزاهدي عن أبي جعفر: لوزاد على الحاجة فهو أفضل،إلا إذا أجهد نفسه أو اٰذى غيره،قهستاني.(رد المحتار: ٤٩٧/١)(۱)

آیت کا شان نزول یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بآواز بلند قرأت فرماتے تو مشرکین سن کر برا بھلا کہتے تھے ،اس پر یہ حکم نازل ہوا کہ معتدل آواز سے قرأت کریں؛ تاکہ صرف صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سنیں اور مشرکین تک آواز نہ پہنچے،اس سے مطلقاً بلند آواز سے قرأت کی ممانعت ثابت نہیں ہوتی۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۲/رجب ۱۳۹۴ھ۔(احسن الفتاویٰ:۷۸/۳)☆

نماز میں الفاظ کا زبانی تلفظ ضروری ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین وشرع متین ان مسائل ذیل کے بارے میں کہ!

(۱) اگر ایک نمازی الحمد،تشہد،درود شریف اور دعا پورے دھیان کے ساتھ معنی سمجھتے ہوئے اور ہونٹ بند کئے ہوئے دل میں الفاظ ادا کرے،کیا قرأت وغیرہ دل میں پڑھنے سے نماز ہو جاتی ہے؟

---

(۱) باب صفة الصلاة،فصل ويجهر الإمام،فصل في القراءة: ٥٣٢/١،دارالفكر بيروت.انيس

☆ **نماز میں غیر معتدل اور ناہموار آواز:**

سوال: امام نماز میں اپنی آواز بلا ضرورت بلند کرتا ہو،ایک تکبیر معتدل آواز میں کہتا ہو اور دوسری تکبیر بلند آواز میں، یا قراءت کے وقت ایک دو آیت معتدل آواز میں اور تیسری بلند آواز میں،کیا اس طرح نماز پڑھانا مناسب ہے؟

(سید عبدالرحیم،مانوت،پربھنی)

الجواب

تکبیر انتقال ہو، یا قرآنِ مجید کی قراءت، امام کو اتنی ہی آواز بلند کرنی چاہئے کہ مقتدیوں کو آواز پہنچ جائے،خواہ مخواہ ضرورت سے زیادہ بلند آواز مناسب نہیں۔(**ولا يجهد نفسه في الجهر.(تبيين الحقائق،فصل الشروع في الصلاة وبيان إحرامها: ١٢٧/١،بولاق.انيس)**

علامہ حصکفی نے لکھا ہے کہ ضرورت سے زیادہ بلند آواز میں قرآن پڑھنا بہتر نہیں۔

"**(ويجهر الإمام)وجوباً بحسب الجماعة،فإن زاد عليه أساء". (الدرالمختار: ٧٩٧/١)(الدر المختار علٰى صدررد المحتار،باب صفة الصلاة،فصل ويجهر الإمام،فصل في القراءة: ٥٣٢/١،انيس)**

آواز ایسی ہونی چاہئے کہ جو چاہے وہ آیاتِ قرآنی میں تدبر کر سکے اور اس کو استحضار قلبی حاصل ہو۔(**الفتاوى الهندية: ٧٢/١**)

وإذا جهر الإمام فوق حاجة الناس فقد أساء لأن الإمام إنما يجهر لإسماع القوم ليدبروا في قراء ته ليحصل إحضار القلب،كذا في السراج الوهاج.(الفصل الثالث في سنن الصلاة وآدابها،ط:دارالفكر بيروت.انيس)

اگر آواز میں بہت زیادہ نشیب وفراز اور اتار چڑھاؤ ہو تو اس ناہمواری کی وجہ سے استحضار قلبی پیدا نہیں ہو پاتا ہے اور انسان تدبر وتفکر کے موقف میں نہیں رہتا،اس لئے امام صاحب کو تکبیرات انتقال اور قراءت معتدل اور ہموار آواز میں کرنی چاہئے۔

(کتاب الفتاویٰ:۱۲۰/۳-۱۲۱)

(۲) اگر دل میں پڑھنے سے نماز ادا نہیں ہوئی تو وہ کونسا طریقہ ہے کہ ہونٹ بند کئے ہوئے زبان سے الفاظ ادا ہوسکیں؟ آج کل ۹۹ رفیصد نمازی اسی طرح معلوم ہوتے ہیں کہ ان کے ہونٹ نہیں ہلتے، اگر کوئی ایسا طریقہ ہو تو قرآن وسنت کے مطابق لکھوا کر ارسال کریں؛ تاکہ میں بھی بہ آسانی نماز ادا کرسکوں؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: نور محمد بوہڑ بازار راولپنڈی...... یکم جون ۱۹۷۰ء)

الجواب

(۱) یہ تدبر اور تفکر ہے، لہٰذا اس سے ذمہ فارغ نہیں ہوتا ہے، فراغت ذمہ کے لئے تلفظ ضروری ہے۔

وفی الهداية: ۹۸/۱: ''ثم المخافة أن يسمع نفسه والجهر أن يسمع غيره وهذا عند الفقيه أبی جعفر الهندوانی ... وقال الكرخی: أدنی الجهر أن يسمع نفسه وأدنی المخافتة تصحيح الحروف؛لأن القراءة فعل اللسان دون الصماخ ... وعلٰی هذا الأصل كل مايتعلق بالنطق''.(۱)

(۲) گونگے کے ماسوا کے لئے گنجائش نہیں ہے، آپ مشقت برداشت کریں اور تلفظ کیا کریں، اللہ تعالیٰ آپ کو دگنا اجر دے گا۔(لحديث ورد بذلک)(۲)

اور آپ جس طرح گفتگو کرتے ہیں اور مشقت برداشت کرتے ہیں تو اسی طرح نماز میں بھی مشقت برداشت کریں۔ فقط (فتاویٰ فریدیہ: ۲/۲۴۰) ☆

اگر امام جہری نماز میں چند آیتیں سرًّا پڑھ جائے، تو کیا کرے:

سوال: اگر امام جہری نماز میں دو تین آیتیں خفیہ پڑھ جائے، تو یاد آنے پر شروع سے جہراً پڑھے، یا اسی جگہ سے؟ اور سجدہ کرلیوے یا نہ کرے؟

(۱) الهداية، كتاب الصلاة، فصل فی القراءة: ۱۰۶/۱-۱۰۷)(۵۵/۱، ط: دار إحياء التراث الإسلامی بيروت. انيس)

(۲) عن عائشة قالت: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالیٰ عليه وسلم: ''الماهر بالقرآن مع السفرة الكرام البررة والذی يقرأ القرآن ويتتعتع فيه وهو عليه شاق له أجران''. متفق عليه. (مشكوٰة المصابيح، باب فضائل القرآن: ۱۸٤/۱)/أخرجه الإمام أحمد، مسند الصديقة عائشة بن الصديق (ح: ۲٤٦٦۷)/ومسلم، باب فضل الماهر فی القرآن (ح: ۷۹۸)/وأخرجه البخاری، باب يوم ينفخ فی الصور فتأتون أفواجاً (ح: ٤۹۳۷) بلفظ: مثل الذی يقرأ القرآن وهو حافظ له من السفرة الكرام البررة ومثل الذی يقرأ وهو يتعاهده وهو عليه شديد فله أجران. انيس)

☆ **نماز کے الفاظ تفکر سے نہیں، تلفظ سے ادا کرنا لازمی ہے:**

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ نماز باجماعت ادا کرتے ہوئے جب تشہد، درود شریف اور دعا وغیرہ کرنی ہوتی ہے، تو زبان سے پڑھتے ہوئے میری زبان سے الفاظ صحیح طریقے سے ادا نہیں ہوتے، بلکہ دل میں پورے دھیان کے ساتھ معنی سمجھتے ہوئے پڑھ سکتا ہوں، تو کیا اس سے نماز ہو جائے گی؟ اگر نہیں تو پھر حضرت میں کیا کروں میں بڑی مشکل میں گرفتار ہوں، اگر زبان سے الفاظ ادا کرتا ہوں، تو کچھ آواز بھی نکلتی ہے جس کی وجہ سے ساتھ والے نمازیوں کو نماز پڑھنے میں خلل آتا ہے، اگر آواز نہ نکالوں تو زبان پر الفاظ تو چڑھتے ہیں، ==

الجواب ——————

از سرنو جہراً پڑھے۔(۱) اور سجدۂ سہو کرے۔(۲) (فتاویٰ دار العلوم دیو بند: ۲/ ۲۵۶-۲۵۷)

فاتحہ کا کچھ حصہ سراً پڑھنے کے بعد نیت امامت کر لی، تو فاتحہ کا اعادہ نہ کرے:

سوال: منفرد جہری نماز سراً پڑھ رہا تھا، سورۂ فاتحہ کی قرأت کے درمیان کسی نے اس سے اقتدا کر لی اور اس نے بھی امامت کی نیت کر لی، تو اب سورۂ فاتحہ شروع سے دوبارہ جہراً پڑھے، یا کہ وہیں سے آگے جہراً پڑھنا شروع کر دے؟ بینوا توجروا۔

الجواب —————— باسم ملهم الصّواب

اس میں اختلاف ہے، بعض وجوب اعادہ کے قائل ہیں اور بعض وجوب عدم اعادہ کے، قولِ ثانی راجح ہے، لہٰذا اعادہ نہ کرے، بصورت اعادہ چونکہ قول راجح کی بنا پر ترک واجب عمداً کیا ہے، لہٰذا نماز واجب الاعادہ ہونا چاہیے، مگر اختلاف کی وجہ سے ایسی صورت میں یہ فیصلہ مناسب نظر آتا ہے کہ نماز کا اعادہ افضل ہے، واجب نہیں۔

قال في العلائية: ولو ائتم به بعد الفاتحة أو بعضها سرًّا أعادها جهرًا بحر، لكن في اٰخر شرح المنية ائتم به بعد الفاتحة، يجهر بالسورة إن قصد الإمامة وإلا فلا يلزمه الجهر. (الدر المختار)

وقال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: (قوله لكن، الخ) استدراك علىٰ قوله ولو ائتم به، وهٰذا قول

== لیکن پتہ نہیں چلتا کہ زبان سے ادا ہوئے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔ (المستفتی: نور محمد بوہڑ بازار راولپنڈی...... مئی ۱۹۷۰ء)

الجواب ——————

چونکہ تشہد کا پڑھنا واجب ہے، لہٰذا آپ کے لئے ضروری ہے کہ آپ تدبر اور تفکر پر اکتفا نہیں کریں گے، بلکہ اپنی مقدور اور استطاعت کے موافق تلفظ کریں گے، آپ اگر اپنے الفاظ نہ سنیں، لیکن یہ یقین حاصل ہو کہ میں نے زبان سے تصحیح حروف کی ہے، تو یہ بھی کافی ہے۔ (قال العلامة الحصكفي: (و) أدنى (الجهر إسماع غيره، و) أدنى (المخافتة إسماع نفسه. (الدر المختار)

قال ابن عابدين: اعلم أنهم اختلفوا في حد وجود القراءة علىٰ ثلاثة أقوال: فشرط الهندواني والفضلي لوجودها خروج صوت يصل إلىٰ أذنه، وبه قال الشافعي. وشرط بشر المريسي وأحمد خروج الصوت من الفم وإن لم يصل إلىٰ أذنه، لكن بشرط كونه مسموعًا في الجملة، حتى لو أدنىٰ أحد صماخه إلىٰ فيه يسمع. ولم يشترط الكرخي وأبو بكر البلخي السماع واكتفيا بتصحيح الحروف. (رد المحتار، باب صفة الصلاة، فصل في القراءة: ۱/ ۳۹٤) فقط

(فتاویٰ فریدیہ: ۲/ ۲٤۱)

(۱) درمختار میں ہے: (ويجهر الإمام) وجوبًا بحسب الجماعة، فإن زاد عليه أساء، ولو ائتم به بعد الفاتحة أو بعضها سرًّا أعادها جهرًا، بحر. (الدر المختار)

شامی میں ہے: (قوله أعادها جهرًا) لأن الجهر فيما بقي صار واجبًا بالاقتداء، والجمع بين الجهر والمخافتة في ركعة واحدة شنيع بحر. (رد المحتار، باب صفة الصلاة، فصل في القراءة: ۱/ ٤۹۷، ظفير)

(۲) چونکہ تاخیر ہوئی ہے، اس لئے سجدۂ سہو کرے۔

وتأخير الواجب عن محله وهو موجب لسجود السهو. (رد المحتار، فصل في القراءة: ۱/ ٤۹۷) ظفير)

اٰخـر،وقد حكى القولين القهستانى حيث قال:إنّ الإمام لوخافت ببعض الفاتحة أوكلها أو المنفرد ثـم اقتدى به رجل أعادها جهرًا كما فى الخلاصة،وقيل لم يعد وجهر فيما بقى من بعض الفاتحة أو السورة كـلهـا أوبـعـضهـا كما فى المنية، اهـ ، وعزا فى القنية القول الثانى إلٰى القاضى عبد الجبار وفتاوى السعدى، ولعل وجهه أنّ فيه التحرز عن تكرارالفاتحة فى ركعة وتأخيرالواجب عن محله، وهـو مـوجـب لسـجـود السهـو فـكان مكروهًا،وهوأسهل من لزوم الجمع بين الجهر و الإسرارفى ركـعة عـلٰى أن كون ذلك الجمع شنيعًا غيرمطرد لما ذكره فى اٰخرشرح المنية أن الإمام لو سها فـخـافـت بـالـفاتحة فى الجهرية ثم تذكريجهربالسورة ولايعيد،ولوخافت باٰية أو أكثريتمها جهرًا ولايـعيـد.وفـى القهستانى:ولا خلاف أنه إذا جهربأكثرالفاتحة يتمها مخافة،كما فى الزاهدى،اهـ، أى فى الصلاة السرّية،وكون القول الأول نقله فى الخلاصة عن الأصل كما فى البحر،والأصل من كتـب ظاهرالرواية لايلزم منه كون الثانى لم يذكرفى كتاب اٰخرمن كتب ظاهرالرواية،فدعوى أنه ضعيف رواية ودراية غيرمسلّمة،فافهم.(رد المحتار: ۱/۴۹۷)(۱)فقط واللّٰه تعالٰى أعلم

۷/شعبان ۱۳۹۸ھ۔(احسن الفتاویٰ:۳/۸۴) ☆

(۱) باب صفة الصلاة،فصل فى القراءة،انيس

☆ **جہری نماز میں سورہ فاتحہ کا جہر بھول گیا تو کیا سورہ فاتحہ کا اعادہ کرے گا:**

سوال: ایک شخص نماز جہری پڑھ رہا تھا،اس نے رکعت اولیٰ جہر کے ساتھ مکمل کی مگر رکعت ثانیہ میں جہر کرنا بھول گیا، یہاں تک کہ اس نے سورہ فاتحہ پوری کر لی، پھر کسی نے پیچھے سے سبحان اللہ کے ذریعہ لقمہ دیا تو اس نے سورہ جہر سے پڑھی، مگر سجدہ سہو نہ کیا،اس لئے نماز کا اعادہ کیا گیا، پھر دو شخص آئے ان میں سے ایک نے جماعت اولیٰ کی ایک رکعت پائی اور دوسرے نے بالکل ہی نہیں پائی، جب دوسری مرتبہ جماعت شروع ہوئی تو ایک شخص نے کہا کہ: آپ دونوں اپنی نمازیں الگ پڑھیں،اس میں آپ شرکت نہیں کر سکتے،آپ کی نماز نہیں ہوگی،کیا اس قسم کا بھی کوئی مسئلہ ہے؟ برائے مہربانی مطلع فرمائیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

حامدًا و مصليًا مسلمًا: یہ دونوں شخص اعادہ کرنے والی جماعت کے ساتھ اپنی نماز ادا کر سکتے تھے؛ کیونکہ صورتِ مسئولہ میں نماز کا اعادہ واجب تھا اور اعادہ کرنے کے بعد دوسری بار پڑھی ہوئی نماز فرض کامل ہو کر واقع ہوتی ہے۔

يـؤخـذ من لفظ الإعادة ومن تعريفها بما مرأنه ينوى بالثانية الفرض،لأن ما فعل أولا هوالفرض فإعادته فعله ثانيا،أما على القول بأن الفرض يسقط بالثانية فظاهر،وأما على القول الآخرفلأن المقصود من تكريرها ثانيا جبـرنقصان الأولٰى فالأولٰى فرض ناقص،والثانية فرض كامل مثل الأولٰى ذاتاً مع زيادة وصف الكمال،ولوكانت الثـانية نفلاً لزم أن تجب القراءة فى ركعاتها الأربع،وأن لا تشرع الجماعة فيها ولم يذكروه،ولا يلزم من كونها فـرضًا عدم سقوط الفرض بالأولٰى؛لأن المراد أنها تكون فرضًا بعد الوقوع،أما قبله فالفرض هوالأولٰى.وحاصله توقف الحكم بفرضية الأولٰى علٰى عدم الإعادة،وله نظائر: ==

== کسلام من علیه سجود السهو یخرجه خروجًا موقوفًا وکفساد الوقتیة مع تذکر الفائتة (إلٰی قوله) ونظیر ذلک القراءة فی الصلاة،فإن الفرض منها آیة والثلاث واجبة والزائد سنة،وما ذاک إلا بالنظر إلٰی ماقبل الوقوع،بدلیل أنه لوقرأ القرآن کله فی رکعة یقع الکل فرضًا،وکذا لوأطال القیام أوالرکوع أوالسجود.(رد المحتار: ۵۳۶/۱)(کتاب الصلاة،باب قضاء الفوائت،مطلب فی تعریف الإعادة، تنبیه: ۴۸۷/۱، نعمانیة،دیوبند)

تنبیہ: حکیم الامت حضرت اقدس تھانوی نے بھی یہی لکھا ہے اور دلیل کی روشنی میں یہی راجح بھی معلوم ہوتا ہے، جیسا کہ علامہ شامی اس پر مصر ہیں؛ لیکن بہت سے علما کا خیال ہے کہ بعد میں آنے والا شخص جو پہلی جماعت میں شریک نہ تھا دوسری جماعت کے ساتھ اپنی فرض ادا نہیں کرسکتا، اگر پڑھا تو نفل ہو جائے گی، فرض الگ پڑھنی پڑھے گی۔

نوٹ: اب علماء ہند کا عمل اور فتویٰ اسی آخری قول پر ہے، حضرت اقدس تھانوی نے بھی اسی طرف رجوع فرمالیا ہے، چنانچہ امدادالاحکام:۱/۴۷؛ میں ہے کہ!

اس مسئلہ میں اختلاف ہے، وہ یہی ہے کہ نو وارد جماعت میں شریک نہ ہو۔

حضرت مولانا (تھانوی) صاحب مدفیوضہم نے بھی اب اسی کو راجح فرمایا ہے (سوال: امام نے مغرب کی نماز قاعدہ کے موافق تین رکعت پوری کرکے چوتھی رکعت سہواً اور پڑھادی، بعد سلام کے مقتدیوں نے یاد دلایا کہ چار رکعت ہوئی ہیں، امام نے یہ سن کر دوبارہ پھر نماز پڑھادی، سو یہ نماز یقیناً ادا ہوگئی ہوگی، اب اس میں دو بات اور قابل تحقیق ہیں:

(۱) پہلی نماز میں جولوگ دوسری یا تیسری یا چوتھی رکعت میں آکر شریک ہوئے تھے وہ بھی اس اعادہ میں شریک ہوسکتے ہیں یا نہیں؟

(۲) جولوگ اس اعادہ والی نماز میں از سر نو شریک ہوئے ہیں ان کی نماز بھی ہوجاوے گی یا نہیں؟

جواب: اس کے متعلق جزئیہ تو نہیں ملا؛ لیکن قواعد سے اختلاف معلوم ہوتا ہے، کیوں کہ قاعدہ کلیہ ہے کہ امام کی نماز مقتدی کی نماز سے اَدوَن ہونے کی صورت میں اقتدا صحیح نہیں اور صورت مذکورہ فی السوال (جب کوئی واجب ترک ہوا ہو) میں اعادہ کیا جاوے، تو اس میں یہ اختلاف ہے کہ دوسری نماز یا فرض واقع ہوگی یا نماز اول کے جابر ہوتی ہے، اس لئے اعادہ مذکورہ کے وقت کسی نئے آدمی کی اقتدا میں اختلاف ہوگا اور چونکہ مختار قول ثانی ہے، کما صرح فی الدرمع شرحه: ۴۷۶/۱، اس لئے اقتدا نہ کرنا مختار ہوگا اور جس شخص نے چوتھی رکعت میں اقتدا کی ہے، چونکہ اس کی اقتدا صحیح نہیں ہوئی۔ (کما فی الشامی: ۷۸۲/۱)

تتمة: لواقتدیٰ به مفترض فی قیام الخامسة بعد القعود قدرالتشهد لم یصح ولوأعاد إلی القعدة.

اس لئے وہ اس شخص کے مانند ہے جو پہلی نماز میں بالکل شامل نہیں ہوا، اور دوسری تیسری رکعت میں شامل ہونے والوں نے اگر اپنی وہ رکعت جس میں یہ مسبوق ہیں ادا کرلی ہے تب تو جماعت ثانیہ میں شریک ہوجاویں، اور اگر دوسری جماعت کی تیاری سن کر انھوں نے نماز توڑ دی ہے تو وہ بھی نئے اشخاص کے حکم میں ہوں گے، کما لایخفٰی، والله أعلم (امدادالاحکام، کتاب الصلاۃ، فصل فی المسبوق واللاحق:۱/۴۷، مکتبہ دارالعلوم، کراچی) وکذا فی فتاویٰ محمودیہ، کتاب الصلاۃ، باب الجماعۃ:۶/۴۴۲، ادارہ صدیق، ڈابھیل) واللہ اعلم بالصواب

(فتاویٰ ریاض العلوم:۲/۵۱۶-۵۱۸)

مقتدی کی شرکت کے بعد بقیہ قرأت کو جہراً پڑھنے کا وجوب اور قرأت مکمل ہونے کے بعد مقتدی کی شرکت پر دوبارہ قرأت کا واجب نہ ہونا:

سوال: اگر اقتدا کیا نمازی کا کسی نے بعد کل یا جزو پڑھ لینے فاتحہ آہستہ کے تو فاتحہ کو جہر سے اعادہ کرے۔ البحر الرائق میں وجہ اعادہ یہ لکھی ہے کہ دوسرے کی اقتدا کے سبب اس پر جہر واجب ہوگیا، اب اگر صرف باقی قرأت کو پکار کے پڑھتا ہے تو ایک رکعت میں آہستہ پڑھنا اور پکار کر پڑھنا جمع ہوجاتا ہے، حالانکہ یہ امر برا ہے اور اگر آہستہ پڑھتا ہے تو جہر کے واجب ہونے کے بعد آہستہ پڑھنا واجب کا ترک ہے، اس لئے اعادہ جہر سے ضرور ہوا۔ (غایۃ الاوطار)

شامی نے اس مسئلہ میں بہت قیل وقال کی ہے، جناب ذرا شامی کو ملاحظہ فرما کر تحریر فرماویں کہ شامی کا قول درست ہے یا غایۃ الاوطار کا اور جس صورت میں کہ اعادہ الحمد کا کیا جاوے گا تو سجدۂ سہو کیا جاوے گا یا نہیں اور اگر سجدہ سہو کیا جاوے گا، تو اس میں یہ خدشہ ہوتا ہے اس صورت میں اعادہ سورۂ فاتحہ کا بالقصد ہے اور سجدۂ سہو بوجہ سہو کے ہوتا ہے۔

مولوی عبدالشکور صاحب لکھنوی نے علم الفقہ میں سجدۂ سہو اس صورت میں لکھا ہے اور شامی کے قول سے بھی سجدۂ سہو معلوم ہوتا ہے یہ تو سورۂ فاتحہ کی بابت عرض کیا اور اگر کوئی شخص تنہا نماز پڑھ رہا ہے اور بعد الحمد ختم سورۃ بھی کر چکا، اس وقت کسی نے اقتدا کی تو یہ کیا کرے، یا اگر بعد الحمد کے سورۃ پڑھنے میں اقتدا کیا تو کیا کرے؟

الجواب

میں نے شامی کو دیکھا عدم اعادۂ جہر بالباقی کے متعلق شامی نے یہ لکھا ہے:

وهو أسهل من لزوم الجمع بين الجهر والإسرار في ركعة،علٰى أن كون ذلك الجمع شنيعًا غير مطرد لما ذكره في آخر شرح المنية أن الإمام لو سها فخافت بالفاتحة في الجهرية ثم تذكر يجهر بالسورة ولا يعيد،ولو خافت بآية أو أكثريتها جهرًا ولا يعيد(إلٰى قوله)فدعوى أنه ضعيف رواية ودراية غير مسلمة فافهم. (۱/۵۵۵)(۱)

سو یہی میرے جی کو لگتا ہے اور شامی کی رائے بھی اسی کی ترجیح کی معلوم ہوتی ہے کہ بقیہ فاتحہ جہر سے پڑھ لے وبس، (۲) اسی طرح اگر سورت پڑھنے میں اقتدا کیا تو جس قدر قرأت اوپر پڑھنا چاہئے وہ جہر سے پڑھ لے اور اگر قرأت ختم کرنے کے بعد کسی نے اقتدا کیا تو اس قرأت کے کسی حصہ کا جہر واجب نہیں۔

۱۲/ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ۔ (تتمہ ثانیہ، صفحہ: ۹۹) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۲۵۰-۲۵۱)

---

(۱) ردالمحتار، باب صفة الصلاة، فصل ويجهر الإمام، انيس

(۲) اور یہ سب اس وقت ہے کہ یہ شخص امام ہونے کی نیت بھی کرے، ورنہ اگر اب بھی اپنے کو منفرد سمجھتا ہے تو احکام امامت کے ان میں سے جہر بالقراءۃ ہے، اس پر واجب نہ ہوں گے اور مقتدی کی نماز بھی صحیح ہوجاوے گی کہ مرد مقتدی کی صحت صلوٰۃ کے لئے امام کی نیت شرط نہیں۔

دعاءقنوت اورتکبیر کے مسائل

تکبیرقنوت واجب نہیں:

سوال: کیاوتر میں دعاءقنوت پڑھناواجب ہے، یاصرف تکبیرواجب ہے؟ بینواتوجروا۔

الجواب ـــــــــ باسم ملهم الصواب

وتر میں تکبیر کے بعدکوئی دعاپڑھنا واجب ہےاورمعروف دعا(۱)سنت ہے،قنوت سےقبل تکبیرواجب نہیں، بلکہ سنت ہے۔

وفی واجبات العلائية:(و)قراءة (قنوت الوتر)وهومطلق الدعاء وكذا تكبيرقنوته.

وفی الشامية:

(قوله وهومطلق الدعاء)أی القنوت الواجب يحصل بأی دعاء كان، قال فی النهر:وأما

---

(۱) عن أبی عبد الرحمن قال:علمنا ابن مسعود أن نقول فی القنوت يعنی فی الوتر: اللّٰهم إنا نستعينک ونستغفرک ونثنی عليک الخير ولا نكفرک ونخلع ونترک من يفجرک اللّٰهم أياک نعبد ولک نصلی ونسجد وإليک نسعٰی ونحفد ونرجو رحمتک ونخشٰی عذابک إنک عذابک بالكفارملحق.(مصنف ابن أبی شيبة، مايدعو به الرجل فی قنوت الوتر (ح:۲۹۷۰۸)

عن أبان بن أبی عياش قال:سألت أنس بن مالک عن الكلام فی القنوت،فقال:اللّٰهم إنا نستعينک ونستغفرک ونثنی عليک ولا نكفرک ونخلع ونترک من يفجرک اللّٰهم أياک نعبد ولک نصلی ونسجد وإليک نسعٰی ونحفد ونرجو رحمتک ونخشٰی عذابک الجد إنک عذابک بالكفار ملحق ،الخ.(الدعوات الكبير،باب القول والدعاء فی قنوت الوتر (ح:۴۳۲)

عن خالد بن أبی عمران قال:بينا رسول الله صلی الله عليه وسلم يدعو علی مضر إذ جاء جبريل فأوما إليه أن اسكت فسكت،فقال يامحمد:إن الله لم يبعثک سباباً ولا لعاناً وإنمابعثک رحمةً ولم يبعثک عذاباً ﴿لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ اَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظَالِمُوْنَ﴾(سورة آل عمران:۱۲۸)قال:ثم علمه هذا القنوت: اللّٰهم إنا نستعينک ونستغفرک ونؤمن بک ونخضع لک ونخلع ونترک من يكفرک اللّٰهم إياک نعبد ولک نصلی ونسجد وإليک نسعٰی ونحفد نرجو رحمتک ونخاف عذابک الجد إن عذابک بالكفار ملحق.(المراسيل لأبی داؤد،جامع الصلاة (ح:۸۹)انيس)

خصوص: اللّٰهم إنا نستعينک فسنة فقط، حتى لو أتى بغيره جاز إجماعًا (قوله وكذا تكبير قنوته) أى الوتر.

قال فى البحر فى باب سجود السهو: ومما ألحق به أى بالقنوت تكبيره، وجزم الزيلعى بوجوب السجود بتركه، وذكر فى الظهيرية أنه لو تركه لا رواية فيه، وقيل يجب السجود اعتبارًا بتكبيرات العيد، وقيل لا، آه. وينبغى ترجيح عدم الوجوب لأنه الأصل، ولا دليل عليه، بخلاف تكبيرات العيد، اهـ. (رد المحتار: ۴۳۷/۱)(۱)**فقط واللّٰه تعالىٰ أعلم**

۲۶/ جمادی الآخرہ ۱۳۹۲ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ۴۸۸/۳)

☆☆☆

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، مطلب واجبات الصلاة، قبل مطلب مهم فى تحقيق متابعة الإمام: ۴۶۸/۱، دار الفكر

الكلام فى الوتر فى مواضع: أحدها: أنه لا قنوت إلا فى الوتر عندنا، والثانى: أن القنوت فى الوتر مشروع عندنا قبل الركوع، وعند الشافعى بعد الركوع، والثالث: أن القنوت فى الوتر فى جميع السنة عندنا، وقال الشافعى: لا قنوت إلا فى النصف الآخر من شهر رمضان، والرابع: أن مقدار القيام فى الوتر قدر سورة إذا انشقت القمر وليس فيه دعاء مؤقت، لأن القراءة أهم من القنوت فإذا لم يؤقت فى القراءة بشىء من الصلاة ففى الدعا أولىٰ، وقد روى عن محمد رحمه اللّٰه أن التوقيت فى الدعاء يذهب برقة القلب، قال بعض مشائخنا: يريد بقوله ليس فيه دعاء مؤقت ليس فيه سوى قوله: اللّٰهم إنا نستعينک، الخ، دعاء مؤقت، والصحابة اتفقوا على هذا فى الوتر وقال بعضهم: لا بل ليس فيه شىء مؤقت أصلاً مما ذكرنا والأولى أن يقال: اللّٰهم إنا نستعنک، الخ، ويقرأ بعده اللهم اهدنا فيمن هديت، هكذا علم رسول الله صلى الله عليه وسلم الحسن بن على رضى اللّٰه عنهما، الخ. (المحيط البرهانى، الفصل الثالث فى التراويح والوتر مسائل: ۴۷۰/۱ـ ۴۷۱، دار الكتب العلمية بيروت. انيس)

(و) قراءة (قنوت الوتر) وهو مطلق الدعاء وإما خصوص "اللهم إنا نستعينک" فسنة فقط حتى لو أتىٰ بغيره جاز إجماعاً. (النهر الفائق، باب صفة الصلاة: ۱۹۹/۱ـ ۲۰۰، دار الكتب العلمية)

اگر کسی شخص کو دعاء قنوت یاد نہ ہو تو وہ "اللّٰهم اغفرلنا" یا "﴿رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً﴾ پڑھ سکتا ہے۔

ومن لا يحسن الدعاء يقول: اللّٰهم اغفرلنا، مراراً، ﴿رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً﴾ (البقرة: ۲۰۱) الآية، واختار أبو الليث الصلاة على النبى صلى الله عليه وسلم بعده، وهو مروى عن النخعى. (الإختيار لتعليل المختار، باب صلاة الوتر: ۵۵/۱، مطبعة الحلبى القاهرة. انيس)

رکوع،سجدہ اورقومہ کے مسائل

رکوع وسجدہ میں ترتیب کا وجوب:

سوال: اگرکوئی شخص رکوع کیے بغیر سجدہ میں چلا گیا تو دوبارہ رکوع کی ادائیگی پرسجدہ کا اعادہ ضروری ہے یانہیں؟

الجواب

رکوع وسجدہ میں ترتیب چونکہ واجب ہے؛اس لیے اگرکوئی شخص رکوع سے پہلے سجدہ کرے تو یہ سجدہ ادا نہیں ہوگا، بلکہ دوبارہ رکوع کی طرف لوٹ کر رکوع ادا کرنے کے بعد ازسرنوسجدہ کرے گا۔

قال ابن عابدین: بخلاف الترتیب بین الرکوع والسجود مثلاً ، فإنه فرض،حتی لوسجد قبل الرکوع لم یصح سجود هذه الرکعة،لأن أصل السجود یشترط ترتبه علی الرکوع فی کل رکعة کترتب الرکوع علی القیام کذلک. (ردالمحتار، کتاب الصلاة،واجبات الصلاة،مطلب کل شفع من النفل صلاة: ۱/ ۳٤٠)(۱)(فتاویٰ حقانیہ:۳/ ۲۷)

نمازعید میں رکوع سے اٹھنے کے بعد تکبیرات زوائد:

سوال: ہمارے محلّہ کی مسجد میں ایک حافظ قرآن نے نمازعید کی امامت کی،انہوں نے دوسری رکعت میں سورہ فاتحہ اورسورہ پڑھنے کے بعد تکبیرات زوائد نہیں کہی اور رکوع میں چلے گئے ،البتہ رکوع سے اٹھنے کے بعد ان زائد تکبیرات کوادا کیا اورسجدہ میں چلے گئے،کیاامام صاحب کا یہ عمل درست ہے؟ (محمداسحاق الدین،حافظ بابانگر)

(۱) فالترتیب فیها فرض حتی لورکع قبل القیام أوسجد قبل الرکوع لایجوز.(الهندیة،واجبات الصلاة: ۱/ ۷۱)
﴿ یَاأَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا ارْکَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّکُمْ وَافْعَلُوا الْخَیْرَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾(سورة الحج: ۷۷)
قال البغوی: لما قدم ذکر الرکوع علی السجود ولم ینقل عن النبی صلی الله علیه وسلم أنه فعل إلا کذلک فکان مراعاة الترتیب فیه واجباً،الخ.(تفسیرالبغوی،من تفسیرسورة المائدة: ۲/ ۲٦،دارإحیاء التراث الإسلامی)
والحاصل أن الترتیب بین ما یتعدد فی کل رکعة أو فی کل الصلاة واجب وبین المتحد فی کل الصلاة کالقعدة وجمیع ماسواه فرض حتی لوتذکر بعد القعود قبل السلام أو بعده قبل أن یأتی بمناف رکعة أو صلبیة أو تلاویة أتی بها وأعاد القعدة وسجد للسهو ولورکوعاً قضاه فی مع ما بعده من السجود أو قیاماً أو قراءة صلی رکعة وکذا بین المتحد فی کل رکعة کالقیام والرکوع،الخ.(النهرالفائق،باب صفة الصلاة: ۱/ ۱۹۸،دارالکتب العلمیة.انیس)
البتہ ارکان کی ادائیگی میں تاخیر کی وجہ سے سجدۂ سہو واجب ہوگا۔انیس

الجواب

اگر تکبیرات زوائد کہنا بھول جائے تو صحیح طریقہ یہ ہے کہ ان تکبیرات کو رکوع میں کہے، قیام میں واپس آ کر تکبیرات کہنے کی ضرورت نہیں، بلکہ بعض فقہا کے نزدیک اس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔

"(لو ركع الإمام قبل أن يكبر فإن الإمام يكبر في الركوع ولا يعود إلى القيام ليكبر) في ظاهر الرواية، فلو عاد ينبغي الفساد" .(۱)

اگر رکوع میں تکبیر کہنا یاد نہیں رہا یا مسئلہ سے ناواقفیت کی وجہ سے نہیں کہہ پایا اور نماز پوری کر لی، تو یہ بھی کافی تھا، بغیر سجدۂ سہو کے بھی نماز درست ہو جاتی ہے، کیونکہ عید اور ایسی نمازیں جن میں اژدحام زیادہ ہوتا ہو، ان میں سجدۂ سہو ضروری نہیں، بغیر سجدۂ سہو کے بھی نماز ہو جاتی ہے۔

"لا يسجد للسهو في العيدين والجمعة لئلا يقع الناس في فتنة" .(۲) (کتاب الفتاویٰ:۱۸۰-۱۸۱)

قومہ کے واجب یا سنت ہونے کی تحقیق:

سوال: عرض یہ ہے کہ یہ مسئلہ جو بہشتی زیور حصہ دوم میں آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ:

مسئلہ: کہ اگر رکوع کے بعد اچھی طرح کھڑی نہیں ہوئی ذرا سر اٹھا کر سجدہ میں چلی گئی، تو نماز پھر سے پڑھے۔

اس کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ: اگر قصداً ایسا کیا ہو، تو پھر سے پڑھے اور جو بھول کر کیا تو سجدہ سہو کرے۔

عرض یہ ہے کہ ایک مولوی صاحب کہتے ہیں کہ اس صورت میں سجدہ سہو لازم نہیں آتا، کیونکہ رکوع کے بعد سیدھا ہونا واجب نہیں، سنت مؤکدہ ہے۔ اس صورت میں سجدہ سہو نہیں۔

اب حضور تحریر فرماویں کہ یہ ٹھیک ہے یا جو بہشتی زیور میں لکھا ہے وہ ٹھیک ہے؟ جواب سے مشرف فرماویں

الجواب

اس کی سنیت و وجوب میں اختلاف ہے، ان مولوی صاحب نے سنیت کی بنا پر یہ فرمایا اور بہشتی زیور کا مضمون اس

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، باب العيدين: ۵۷/۳ (۱۷٤/۲، دار الفكر)

(۲) الفتاوى الهندية: ۱۲۸/۱ (قال في الأصل: والسهو في العيدين والجمعة والمكتوبة والتطوع سواء لأن الجمعة والعيدين ساوت سائر المكتوبات فيما يوجب الفساد فتساويهما فيما يوجب الجبر، إلا أن مشائخنا قالوا: لا يسجدون للسهو في الجمعة والعيدين كيلا يقع الناس في الفتنة. (المحيط البرهاني، والفصل السادس والعشرون في صلاة العيدين: ۱۱٤/۲، دار الكتب العلمية) انيس)

کے وجوب کی بنا پر ہے اور بہت سے علما نے وجوب کو ترجیح دی ہے، اس لئے بہشتی زیور میں بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے۔

كما في رد المحتارعن البحر: ووجوب نفس الرفع من الركوع والجلوس بين السجدتين للمواظبة علىٰ ذلك كله، وللأمر في حديث المسيء صلاته، ولما ذكره قاضي خان من لزوم سجود السهو بترك الرفع من الركوع ساهيًا ... والقول بوجوب الكل هو مختار المحقق ابن الهمام وتلميذه ابن أمير الحاج، حتى قال: إنه الصواب، والله الموفق للصواب، اهـ. (۱)

وقال في شرح المنية: ولاينبغي أن يعدل عن الدراية أى الدليل إذا وافقتها رواية علىٰ ما تقدم عن فتاویٰ قاضي خان، ومثله ما ذكر في في القنية من قوله: ... فيمكث في الركوع والسجود وفي القومة بينهما حتى يطمئن كل عضو منه، هذا هو الواجب عند أبي حنيفة ومحمد، حتى

(۱) عن أبي هريرة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم دخل المسجد فدخل رجل فصلى ثم جاء فسلم على رسول الله صلى الله عليه وسلم فرد رسول الله صلى الله عليه وسلم عليه السلام، وقال: ارجع فصل فإنك لم تصل، فرجع الرجل فصلى كما كان صلى، ثم جاء إلى النبي صلى الله عليه وسلم فسلم عليه، فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم وعليك السلام، ثم قال: ارجع فصل فإنك لم تصل، حتى فعل ذلك ثلاث مرارٍ، فقال الرجل: والذي بعثك بالحق ما أحسن غير هذا فعلمني؟ قال: إذا قمت إلى الصلاة فكبر ثم اقرأ ماتيسر معك من القرآن ثم اركع حتى تطمئن راكعاً ثم ارفع حتى تعتدل قائماً ثم اسجد حتى تطمئن ساجداً ثم اجلس حتى تطمئن جالساً ثم افعل ذلك في صلاتك كلها، قال القعنبي عن سعيد بن أبي سعيد المقبري عن أبي هريرة وقال في آخره: فإذا فعلت هذا فقد تمت صلاتك وما انتقصت من هذا شيئاً فإنما انتقصته من صلاتك وقال فيه: إذا قمت إلى الصلاة فأسبغ الوضوء. (سنن أبي داؤد، باب صلاة من لايقيم صلبه في الركوع والسجود (ح: ٨٥٦)

(ثم استوىٰ قائماً كبر وسجد) أما التكبير والسجود فلما بينا، وأما الإستواء قائماً فليس بفرض وكذا الجلسة والطمأنينة في الركوع والسجود وهذا عند أبي حنيفة ومحمدرحهما الله، قال أبويوسف: يفترض ذلك كله وهوقول الشافعي لقوله عليه الصلاة والسلام: "قم فصل فإنك لم تصل" قاله لأعرابي حين أخف الصلاة. ولهما أن الركوع هو الإنحناء والسجود وهو الإنخفاض لغةً فتتعلق الركنية بالأدنىٰ فيهما وكذا في الانتقال إذ هو غير مقصود، وفي آخر ماروى تسميته إياه صلاةً حيث قال: "وما نقصت من هذا شيئاً فقد نقصت من صلاتك" ثم القومة والجلسة سنة عندهما وكذا الطمأنينة في تخريج الجرجاني وفي تخريج الكرخي واجبة حتى تجب سجدة السهو بتركها ساهياً عنده. (الهداية، باب صفة الصلاة: ١/ ٥١، دارإحياء التراث الإسلامي بيروت)

قال العلامة ابن الهمام: وأنت علمت أن مقتضى الدليل في كل من الطمأنينة والقومة والجلسة الوجوب. (فتح القدير، باب صفة الصلاة: ٣٠٢/١، دارالفكر بيروت)

(والقومة والجلسة بين السجدتين وعند أبي يوسف فرض كالطمأنينة) (زادالفقير متن إسعاف المولىٰ القدير، ٦٢، دارالكتب القصرية) انيس)

لوتركها أوشيئًا منها ساهيًا يلزمه السهوولوعمدًا يكره أشد الكراهة،ويلزمه أن يعيد الصلاة وتكون معتبرة فى حق سقوط الترتيب و نحوه.(۴۸۳/۱-۴۸۴)(۱)

۶/ذی الحجہ ۱۳۳۸ھ (ترجیح خامس:صفحہ۱۱۰)(امدادالفتاویٰ جدید:۲۲۴/۱-۲۲۵)☆

(۱) رد المحتار،واجبات الصلاة،مطلب قد يشارإلى المثنى، الخ: ۴۶۴/۱،دارالفكر.

ثم الطمأنينة فى الركوع والسجود واجبة عند أبى حنيفة على اختيارالكرخى حتى لوتركها ساهياً يلزمه السجود وعلى اختيار الجرجانى هى سنة حتى لايلزمه السهو بتركه وأجمعوا على أن الاعتدال فى العودة بين الركوع والسجود وبين السجود قدرتسبيحة واحدة سنة قال رحمه اللّٰه:وقد شدد القاضى الصدر فى شرحه فى تعديل جميع الأركان تشديدا بليغاً فقال:وإكمال كل ركن واجب عند أبى حنيفة ومحمد وعند أبى يوسف والشافعى رحمهم اللّٰه فريضة يتمكث فى الركوع والسجود وفى القومة بينهما حتى يطمئن كل عضو منه هذا هو الواجب عند أبى حنيفة ومحمد حتى لوترك شيئاً منها ساهياً يلزمه السهو ولو تركها عمداً يكره أشد الكراهة ويلزمه أن يعيد الصلا ة إذا أخفها وتكون معتبرة فى فرض سقوط الترتيب ونحوه كمن طاف جنباً يلزمه الإعادة والمعتبر هو الأول كذا هذا وعندهما صلاته فاسدة.(قنية المنية لتتميم الغنية،باب فى القراء ة والتسبيح والتعوذ والثناء:۱۷/۱-۱۸.ط:كلكته ۱۲۴۵ه.انيس)

☆ نماز میں قومہ اور جلسہ واجب ہے:

سوال: بعض لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ نماز میں رکوع سے سیدھے کھڑے نہیں ہوتے بلکہ براہ راست رکوع سے ہی سجدہ میں چلے جاتے ہیں،اسی طرح دونوں سجدوں کے درمیان بھی پوری طرح نہیں بیٹھتے، بلکہ ایک سجدہ سے پوری طرح سرنہیں اٹھایا کہ فوراً دوسرے سجدے میں چلے گئے،کیا نماز کو اس طرح ادا کرنا جائز ہے۔

الجواب

قومہ (یعنی رکوع کے بعد سیدھا کھڑا ہونا) اور جلسہ (یعنی دوسجدوں کے درمیان بیٹھنا) دونوں واجب ہیں، اگر سہواً رہ جائیں تو سجدۂ سہو کفایت کرجاتا ہے اور عمداً ترک کیا جائے،تو نماز واجب الاعادہ ہے۔

قال العلامة الحصكفى:(ولها واجبات)...(وهى)...(قراء ة فاتحة الكتاب)...(وتعديل الأركان)أى تسكين الجوارح قدرتسبيحة فى الركوع والسجود،وكذا فى الرفع منهما على ما اختاره الكمال.(الدرالمختار)

قال ابن عابدين:(قوله وكذا فى الرفع منهما)أى يجب التعديل أيضًا فى القومة من الركوع والجلسة بين السجدتين،وتضمن كلامه وجوب نفس القومة والجلسة أيضًا، الخ...حتى لوتركها أوشيئًا منها ساهيًا يلزمه السهوولوعمدًا يكره أشد الكراهة،ويلزمه أن يعيد الصلاة.(رد المحتار ،كتاب الصلاة،مطلب واجبات الصلاة،مطلب قد يشارإلى المثنى الخ: ۴۶۴/۱)

(قال العلامة إبراهيم الحلبى:قال الشيخ كمال الدين بن الهمام:وينبغى أن تكون القومة والجلسة واجبتين للمواظبة.(الكبيرى،باب الثامن،تعديل الأركان: ۲۹۹/۱)(فتاویٰ حقانیہ:۸۷/۳)

قعدۂ اولی اور تشہد- احکام ومسائل

قعدۂ اولیٰ واجب ہے:

سوال: تین یا چار رکعت فرض نماز میں تو قعدۂ اولیٰ واجب ہے، کیا نفل نماز (صلوۃ التسبیح وغیرہ) میں بھی قعدۂ اولیٰ واجب ہے؟

الجواب

قعدۂ اولیٰ جس طرح تین یا چار رکعت فرض نماز میں واجب ہے، اسی طرح نوافل، سنن اور وتر میں بھی واجب ہے۔

قال العلامة الحصكفي: (ولها واجبات) ... **(والقعود الأول)ولوفي نفل في الأصح.** (الدر المختار على صدررد المحتار،باب صفة الصلاة،مطلب واجبات الصلاة: ٤٦٥/١،بيروت)(١)(فتاویٰ حقانیہ:۸۶/۳) ☆

سنتوں میں قعدۂ اولیٰ فرض ہے یا واجب:

سوال (۱) سنت مؤکدہ وغیر مؤکدہ ونوافل کی چار رکعت میں درمیان کا قعدہ فرض ہے یا نہیں؟

(۲) اگر چار رکعت سنت ظہر یا سنت جمعہ کی نیت کرے اور دو رکعت پر سلام پھیر دیا تو بعد میں دو رکعت پڑھے یا چار رکعت؟ نیز دو یا چار کا پڑھنا واجب ہے یا سنت؟

(۳) اگر چار رکعت نفل کی نیت کی اور دو رکعت پر سلام پھیر دیا تو ابتداءً دو رکعت واجب ہیں یا نہیں؟

الجواب حامدًا و مصليًا

(۱) اس میں فقہا کے دو قول ہیں: بعض فرضیت کے قائل ہیں اور بعض فرماتے ہیں کہ جب تیسری رکعت کے

(۱) قال العلامة إبراهيم الحلبي: ومن الواجبات القعدة الأولى لما مر مرارًا. (الكبيرى، واجبات الصلاة: ٢٩٦)/ومثله في البحر الرائق، واجبات الصلاة، باب صفة الصلاة: ٣٠٠/١)

☆ **سنتوں کی چار رکعتوں میں پہلا قعدہ واجب ہے:**

سوال: سنتوں میں مثلاً چار رکعت میں قعدہ وسط کا فرض ہے، یا واجب؟

الجواب

واجب ہے امام صاحب کے نزدیک۔ (بدست خاص، سوال ۵۸) (باقیات فتاویٰ رشیدیہ:۱۸۰)

لئے کھڑا ہو گیا تو قعدہ فرض واجب ہو گیا۔(۱)

(۲)　چار پڑھے اور ان کا پڑھنا سنت ہے واجب نہیں۔(۲)

(۳)　نہیں۔(۳)

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور۔ جواب صحیح ہے: سعید احمد غفرلہ مفتی مظاہر علوم۔ صحیح: عبد اللطیف مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔ ۲۲/۱۲/ ۱۳۵۹ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵/۵۷۳-۵۷۴) ☆

(۱)　(والقعود الأول) ولو في نفل في الأصح،وكذا ترك الزيادة فيه على التشهد،وأراد بالأول غير الأخير". (الدرالمختار)

وفي ردالمحتار:"(قوله:ولو في نفل)لأنه وإن كان كل شفع منه صلاة علىٰ حدة حتى افترضت القراءة في جميعه؛لكن القعدة إنما فرضت للخروج من الصلاة،فإذا قام إلى الثالثة تبين أن ما قبلها لم يكن أوان الخروج من الصلاة فلم تبق القعدة فريضة...(قوله على الأصح)خلافاً لمحمد في افتراضه عن قعدة كل شفع نفل...(قوله:وأراد بالقول غير الأخير)ليشمل ما إذا صلى ألف ركعة من النفل بتسليمة واحدة،فإن ماعدا القعود الأخير واجب،ومفهومه فرضية كل قعود أخير في أي صلاة كانت". (رد المحتار، كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة،واجبات الصلاة،مطلب قد يشار إلى المثنى، الخ: ۱/٤٦٥،سعيد)

(۲)　"(وسنن)مؤكدًا(أربع قبل الظهرو)أربع قبل(الجمعة و)أربع(بعدها بتسليمة)فلوبتسليمتين لم تنب عن السنة،ولذا لونذرها لايخرج بتسليمتين،وبعكسه يخرج" .(الدرالمختارعلىٰ صدرردالمحتار، كتاب الصلاة،باب الوتروالنوافل: ۲/۱۲-۱۳، سعيد)

"وعن أبي هريرة رضي اللّٰه تعالىٰ عنه أنه عليه السلام قال:"من كان منكم مصلياً بعد الجمعة فليصل أربعًا". رواه مسلم.والأربع بتسليمة واحدة عندنا حتى لو صلاها بتسليمتين لايعتد عن السنة".(تبيين الحقائق،كتاب الصلاة، باب الوتروالنوافل: ۱/٤۲۸،دارالكتب العلمية،بيروت)

(۳)　"(قوله أوبقيام الثالثة)أي وقد أدى الشفع الأول صحيحًا،فإذا أفسد الثاني لزمه قضاؤه فقط، و لايسرى إلى الأول؛لأن كل شفع صلاة علىٰ حدة بحر". (ردالمحتار، كتاب الصلاة،باب الوتروالنوافل: ۲/۲۹، سعيد)

"ومن ثمة صرحوا بأنه لونوى أربعًا لايجب عليه بتحريمتها سوى الركعتين في المشهورعن أصحابنا،وأن القيام إلى الثالثة بمنزلة تحريمة مبتدأة،حتى إن فساد الشفع الثاني لايوجب فساد الشفع الأول". (ردالمحتار، كتاب الصلاة ،باب صفة الصلاة،واجبات الصلاة،مطلب كل شفع من النفل صلاة: ۱/٤٥۹، سعيد)

☆ نوافل میں قعدۂ اولیٰ واجب ہے یا نہیں:

سوال:　نوافل رباعی میں قعدۂ اولیٰ واجب ہے یا فرض؟

الجواب

واجب ہے۔

كما في الدرالمختار:(ولها واجبات)الخ (والقعود الأوّل)ولو في نفل في الأصح. (الدرالمختار)

(قوله ولو في نفل)لأنه وإن كان كل شفع منه صلاة علىٰ حدة حتى افترضت القراءة في جميعه،لكن القعدة إنما فرضت للخروج من الصلاة فإذا قام إلى الثالثة تبين أن ما قبلها لم يكن أوان الخروج من الصلاة فلم تبق القعدة فريضة .(رد المحتار،باب صفة الصلاة،مطلب في واجبات الصلاة: ۱/٤۲٤-٤۳٤،ظفير) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲/۱۵۴)

تشہد، نماز میں واجب ہے:

سوال: تشہد نماز میں افضل ہے یا نہیں؟

الجواب

تشہد یعنی التحیات پڑھنا نماز میں واجب اور ضروری ہے۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۱۵۵)

تشہد میں سلام انشاءً کہا جاتا ہے:

سوال: نماز میں ''السّلام علیک أیّها النبی'' انشاءً پڑھا جاتا ہے یا حکایۃً؟ بینوا توجروا۔

الجواب ومنه الصدق والصواب

''السلام علیک أیّها النبیّ''، بلکہ پورا تشہد انشاءً پڑھا جاتا ہے۔

قال فی شرح التنویر: (ویقصد بألفاظ التشهد)معانیها مرادة له علٰی وجه(الإنشاء) کأنه یحیی اللّٰه تعالٰی ویسلم علٰی نبیه وعلٰی نفسه وأولیائه (لا الإخبار)عن ذٰلک،ذکره فی المجتبی، و ظاهره أن ضمیر علینا للحاضرین لاحکایة سلام اللّٰه تعالٰی.(الدرالمختار)

وفی الشامیة:(قوله لا الإخبار عن ذلک)أی لا یقصد الإخبار،والحکایة عما وقع فی المعراج منه صلّی اللّٰه علیه وسلّم ومن ربه سبحانه ومن الملائکة علیهم السلام،وتمام بیان

(۱) ومنها قراء ة التشهد فإنها واجبة فی القعدتین الأولٰی والأخیرة، الخ ، فأوجب السجود بترک التشهد فی القعدة الأولٰی کما فی القعدة الأخیرة وهوظاهرالروایة.(غنیة المستملی: ۲۹۰،ظفیر)

☆ نماز میں التحیات پڑھنے کا حکم:

سوال: نماز میں تشہد پڑھنا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب

نماز کے ہر قعدہ میں تشہد پڑھنا واجب ہے،سہواً چھوٹ جانے کی صورت میں سجدۂ سہو لازم ہوجاتا ہے،عمداً ترک کرنے سے نماز کا اعادہ ضروری ہے۔

قال العلامة إبراهیم الحلبی:ومنها قراء ة التشهد فإنها واجبة فی القعدتین الأولٰی والأخیرة ... فأوجب السجود بترک التشهد فی القعدة الأولٰی کما فی القعدة الأخیرة وهو ظاهر الروایة. (الکبیری، واجبات الصلاة:۲۹٦)

قال العلامة ابن عابدین:(قوله والتشهدان)أی تشهد القعدة الأولٰی وتشهد الأخیرة.(رد المحتار،واجبات الصلاة ،مطلب لاینبغی أن یعدل عن الدرایة: ٤٦٦/١) (فتاویٰ حقانیہ:۳/۸۸)

القصة مع شرح ألفاظ التشهد في الإمداد فراجعه ... (قوله لا حكاية سلام اللّٰه تعالىٰ) الصواب: لا حكاية سلام رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم. (رد المحتار)(۱)

قراءت کے سوا نماز کے جمیع وظائف انشاءً پڑھے جاتے ہیں، جیسا کہ حقیقت صلوٰۃ پر غور کرنے سے ظاہر ہے، حقیقت صلوٰۃ کی تفصیل لکھنے کی تو اس وقت ضرورت ہے اور نہ ہی فرصت، لہٰذا صرف ''السلام علیک أیھا النبی'' کی حکمت تحریر کی جاتی ہے۔ دربار سلطانی سے واپس ہوتے وقت کچھ نذرانہ پیش کرنے کا دستور ہے۔اس لیے مصلی ''التحیات للّٰہ والصلوات والطیبات'' کا نذرانہ پیش کرتا ہے، پھر یکا یک خیال آتا ہے کہ یہ قرب الٰہی ومناجاۃ بالرب صرف سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود مسعود کی بدولت ہے، ہدایت کا ذریعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا وجود ہے، تو بے ساختہ مصلی اپنے محسن اعظم ومنعم اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام بھیجتا ہے۔

باقی یہ اعتراض بالکل لغو ہے کہ جب حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم حاضر نہیں تو خطاب بے فائدہ ہوا، اس لیے کہ صلوٰۃ وسلام بذریعہ ملائکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچتا ہے، جیسا کہ خط میں صیغ خطاب؛ صرف اس لیے لکھے جاتے ہیں کہ خط مخاطب تک پہنچے گا۔ مخاطب روبرو موجود نہیں ہوتا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

غرۂ ربیع الآخر ۱۳۷۴ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ۴۸/۳)

مقتدی نے قصداً تشہد نہ پڑھا:

سوال: قصداً امام کے پیچھے التحیات درود شریف نہ پڑھا تو نماز ہوئی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ـــــــــــــــــ باسم ملهم الصواب

درود شریف سنت ہے اور تشہد واجب ہے، (۲) منفرد یا امام عمداً ترک واجب کرے تو نماز واجب الاعادہ ہے اور سہواً ترک ہو تو سجدۂ سہو واجب ہے، (۳) مگر مقتدی کے سہواً ترک واجب پر نہ سجدۂ سہو واجب ہے اور نہ نماز کا اعادہ، اس

(۱) كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فصل في كيفية الصلاة، مطلب مهم في عقد الأصابع عند التشهد: ۵۱۰/۱، بيروت، انيس

(۲) (والتشهد) أي الواجب الثامن قراءة التشهد (في القعدتين) يعني في الأولىٰ والأخيرة جميعاً. (منحة السلوك، فصل في واجبات الصلاة: ۱۰۳/۱، وزارة الأوقاف قطر. انيس)

(۳) (سجدتان بتشهد وسلام لترك واجب سجواً وإن تكرر وإن كان تركه) الواجب (عمداً أثم ووجب) عليه (إعادة الصلاة) تغليظاً عليه (لجبر نقصانها) فتكون مكملة وسقط الفرض بالأولىٰ وقيل: تكون الثانية فرضاً فهي المسقطة (ولا يسجد في) الترك (العمد للسهو) لأنه أقوىٰ، الخ. (مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح، باب سجود السهو: ۱۷۸، المكتبة العصرية. انيس)

سے معلوم ہوا کہ مقتدی کے ترک واجب کا کوئی جابر نہیں،(۱) لہذا عمداً ترک واجب موجب اعادہ نہ ہوگا، علاوہ ازیں حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے ترک واجب متابعۃ الامام کے مباحث میں کہیں بھی اعادہ کا حکم تحریر نہیں فرمایا، حالانکہ اس کے بعض مواقع میں ارکان میں تکرار اور ان میں تقدیم وتاخیر بھی ہے، اس سے بھی یہی مفہوم ہوتا ہے کہ مقتدی کا عمداً موجب اعادہ نہیں، مع ہذا اعادہ میں احتیاط ہے، سہو مقتدی کے موجب اعادہ نہ ہونے میں بعض فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے بحث تحریر فرمائی ہے تو عمد میں بطریق اولیٰ بحث ہوگی، لہذا اعادہ بہتر ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۵/ جمادی الآخرہ ۱۳۹۱ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ۳/۲۹۱)

قعدۂ اولیٰ میں اگر امام کھڑا ہو جاوے اور مقتدی ''التحیات'' پوری نہ کر سکے تو اسے کیا کرنا چاہئے:

سوال: اگر امام قعدۂ اولیٰ میں ''التحیات'' پڑھ کر کھڑا ہو گیا اور مقتدی کی باقی ہے تو وہ کیا کرے؟

اور مقتدی پہلے پڑھ چکے تو خاموش بیٹھا رہے یا کیا کرے؟

الجواب

مقتدی پوری کر کے اٹھے۔(۲)

اور اگر مقتدی پہلے پڑھ چکا تو خاموش رہے یا کلمہ آخر کا تکرار کرتا رہے۔(۳) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲/۲۰۶-۲۰۷) ☆

امام، مقتدی کے تشہد پورا کرنے سے قبل کھڑا ہو جائے:

سوال: ایک شخص ہیں جو بہت دھیرے (آہستہ) پڑھتے ہیں جس کی وجہ سے وہ ''التحیات'' بھی نہیں پڑھ پاتے

(۱) بل قال فی شرح المنية عن القنية : إن المقتدی لو نسی التشهد فی القعدة الأولٰی فذكر ماقام عليه أن يعود ويتشهد بخلاف الإمام والمنفرد للزوم المتابعة كمن أدرک الإمام فی القعدة الأولٰی فقعد معه فقام الإمام قبل شروع المسبوق فی التشهد فإنه يتشهد تبعاً لتشهد إمامه فكذا هذا. (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب سجود السهو: ۲/۸۵، دارالفكر. انيس)

(۲) (لورفع الإمام رأسه) الخ (قبل أن يتم المأموم التسبيحات) الثلاث (وجب متابعته) الخ (بخلاف سلامه أو قيامه لثالثة (قبل إتمام المؤتم التشهد) فإنه لايتابعه بل يتمه لوجوبه، ولو لم يتم جاز. (الدرالمختار)

أی صح مع كراهة التحريم، الخ. (رد المحتار، باب صفة الصلاة، فصل تاليف الصلاة، مطلب فی إطالة الركوع للجائی: ۱/۴۶۳، ظفير)

(۳) (ولايزيد) فی الفرض (على التشهد فی القعدة الأولٰی) إجماعًا الخ ولو فرغ المؤتم قبل إمامه سكت اتفاقاً. (أيضًا، مطلب مهم فی عقد الأصابع عند التشهد: ۱/۴۷۶-۴۷۷، ظفير)

کہ امام کھڑے ہوجاتے ہیں اور ان کو اکثر ایسا ہی ہوتا ہے تو اب وہ کیا کریں؟ امام کے ساتھ کھڑے ہوجائیں یا التحیات کو پورا کریں؟ (بدرالدین، بنارس)

الجو اب ــــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

اگر وہ ''التحیات'' پوری کر کے امام کو تیسری رکعت کے قیام میں پا سکتے ہیں، تو ''التحیات'' پوری کر لیں، ورنہ بغیر پوری کئے کھڑے ہو کر امام کے ساتھ قیام میں شریک جائیں۔(۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم (فتاویٰ محمودیہ: ۵۷۴/۵-۵۷۵)

☆☆☆

---

(۱) (بخلاف سلامه) أو قيامه لثالثة (قبل إتمام المؤتم التشهد) فإنه لايتابعه بل يتمه لو جوبه. (الدر المختار) وفي الشامية: ثم رأيته في الذخيرة ناقلا عن أبي الليث: المختار عندي أنه يتم التشهد، وإن لم يفعل أجزأه آه''. (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فصل: إذا أراد الشروع، مطلب في إطالة الركوع للجائي: ۴۹٦/۱، سعيد)

مسئلہ: تکبیر تحریمہ میں اللہ اکبر کہنا واجب ہے اگر اس جملہ کے علاوہ کوئی دوسرا جملہ کہے جس سے اللہ تعالیٰ کی خالص عظمت ظاہر ہو تو نماز ہو جائے گی، مگر واجب چھوڑنے والا ہوگا (شامی: ۳۲۲/۱) اور یہ مکروہِ تحریمی ہے۔ (درمختار بر شامی: ۳۲۰/۱)

اگر کوئی اللہ اکبر صحیح نہ کہہ سکے تو اس کی جگہ (اس معنیٰ کا) کوئی دوسرا لفظ کہنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (طحطاوی: ۱۳۷)

مسئلہ: قعدہ اولیٰ (یعنی دو رکعت سے زیادہ رکعت والی نماز میں دو رکعت پر بیٹھنا) گرچہ نفل ہی کیوں نہ ہو واجب ہے۔ (درمختار مع شامی: ۳۱۳/۱)

مسئلہ: قعدہ اولیٰ اور قعدہ اخیرہ دونوں میں تحیات پڑھنا واجب ہے۔ (درمختار بر شامی: ۳۱۳/۱)

تحیات کل یا بعض حصہ چھوڑنے سے سجدہ سہو واجب ہو جاتا ہے۔

تحیات یہ ہے: اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ اَشْهَدُ اَنْ لاَ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهُ وَرَسُوْلُه.

(ترجمہ) ساری قولی، فعلی، اور مالی عبادتیں اللہ ہی کے لئے ہیں۔ اے نبی آپ پر سلامتی ہو اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں آپ پر ہوں اور ہم پر ہوں اور اللہ کے نیک بندوں پر ہوں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

یہ تحیات سب سے بہتر تحیات ہے۔ (طہارت اور نماز کے تفصیلی مسائل: ۲۳۳-۲۳٦) (انیس)

تعدیل ارکان

تعدیل ارکان واجب ہے:

سوال: بعض لوگ نماز کو اس طرح پڑھتے ہیں، جیسا کہ مرغ دانوں پر ٹھونگے مارتا ہے، اس قسم کی نماز کا کیا حکم ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

صورت مسئولہ کا تعلق واجبات صلوٰۃ سے ہے، نماز میں ارکان نماز کو اطمینان (۱) اور تعدیل سے ادا کرنا واجب ہے، جو نماز تعدیل ارکان کے ساتھ ادا نہ کی جائے تو وہ واجب الاعادہ ہے، البتہ اگر سہواً متروک ہو جائے تو سجدۂ سہو سے نماز درست ہو جائے گی۔

قال الحصكفي: (لها واجبات) لاتفسد بتركها وتعاد وجوباً في العمد والسهو إن لم يسجد له وإن لم يعدها يكون فاسقًا آثمًا ... (وهي) ... (قراءة فاتحة الكتاب)... (وتعديل الأركان). (الدر المختار على صدر ردالمحتار، كتاب الصلاة، مطلب واجبات الصلاة: ٤٥٦/١ ـ ٤٦٤) (٢)

(فتاویٰ حقانیہ: ۸۷/۳) ☆

(۱) (وتعديل الأركان) وهو تسكين الجوارح حتى تطمئن مفاصله. (النهر الفائق، باب صفة الصلاة: ١٩٩/١، دارالكتب العلمية. انيس)

(۲) قال العلامة إبراهيم الحلبي: وعندهما تعديل الأركا ن من الواجبات لا من الفرائض. (الكبيرى، باب صفة الصلاة: ٢٩٤)

☆ تعدیل ارکان کا حکم:

سوال: اگر کوئی شخص رکوع اور سجود پورے طور سے ادا نہیں کرتا ہے، تو کیا حکم ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

اگر تعدیل ارکان کی مقدار کی بھی رعایت نہیں کرتا ہے تو نماز مکروہ؛ بلکہ بعض اوقات واجب الاعادہ ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ العبد نظام الدین الاعظمی عفی عنہ، مفتی دار العلوم دیو بند۔ (نظام الفتاویٰ، جلد پنجم، جزء اول: ۱۶۶)

تعدیل ارکان کی مقدار:

سوال: ہمارے امام صاحب رکوع سے قومہ میں پہنچتے پہنچتے "سمع الله لمن حمده" کہہ لیتے ہیں اور پھر فوراً "الله أكبر" کہہ کر سجدہ میں چلے جاتے ہیں، تعدیل ارکان واجب ہے، کیا اس سے تعدیل ارکان ادا ہوتا ہے اور نماز فاسد نہیں ہوتی ہے؟ مقتدیوں کو تحمید اس وقت کہنا چاہئے جب امام پورا "سمع الله لمن حمده" کہہ چکے اور امام صاحب قومہ میں مقتدیوں کو تحمید کا ایک لفظ بھی کہنے کا موقع نہیں دیتے ہیں۔

الجواب ــــــــــــ حامدًا و مصليًا

جب وہ رکوع سے سیدھے کھڑے ہو جاتے ہیں کہ تمام اعضا معتدل ہو جائیں تو قومہ ادا ہو جاتا ہے، اس سے فساد نماز کا حکم نہ ہوگا، کچھ قدر قلیل وقفہ کرلیا کریں جس میں مقتدی "ربنا لک الحمد" پڑھ لیں تو بہتر ہے۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔ ۳/۷/۱۳۹۲ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵/۵۷۰)

(۱) (و تعديل الأركان)أى تسكين الجوارح قدرتسبيحة فى الركوع والسجود،وكذا فى الرفع منهما علىٰ ما اختاره الكمال.(الدرالمختارعلىٰ صدر ردالمحتار،كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة،واجبات الصلاة: ١/٤٦٤،سعيد)

(وقد تكلموا فى مقدارالرفع والأصح أنه إن كان إلى السجود أقرب لا يجوز لأنه يعد ساجداً وإن كان لى الجلوس أقرب جاز لأن يعد ساجداً فتحقق الثانية).(الهداية،باب صفة الصلاة)

... وروى عن أبى يوسف إن رفع قدر ما يسمىٰ رافعاً جاز،قال فى المحيط هو الأصح وتعليل المصنف مختاره بأنه يعد يقتضى اعتباره أن تلك الرواية هى رواية أبى يوسف فى المعنىٰ،اختيارها.وقال ابن مقاتل:إذا رفع بحيث لايشكل على الناظر أنه رفع جاز،فإن أراد الناظر عن بعد فهو مختارالمصنف وإلا فهو معنى الرواية الثانية ثم اعتقادى أنه إذا لم يستو صلبه فى الجلسة والقومة فهو آثم لما تقدم.(فتح القديرشرح الهداية،باب صفة الصلاة: ١/٣٠٧، دارالفكر.انيس)

مقتضى الدليل وجوب الطمأنينة فى الأربعة ووجوب نفس الرفع من الركوع والجلوس بين السجدتين للمواظبة على ذلک كله وللأمر فى حديث المسيء صلاته وفى فتاوىٰ قاضى فى فصل مايوجب السهو،قال:المصلى إذا ركع ولم يرفع رأسه من الركوع حتى خر ساجداً ساهياً تجوزصلاته فى قول أبى حنيفة ومحمد وعليه السهو،وفى المحيط لو ترک تعديل الأركان أو القومة التى بين الركوع والسجود ساهياً لزمه سجود السهو،آه.

فيكون حكم الجلسة بين السجدتين كذلک،لأن الكلام فيهما واحد والقول بوجوب الكل هو مختار المحقق ابن الهمام وتلميذة ابن أمير الحاج حتى قال:إنه الصواب والله الموفق للصواب.(البحرالرائق، الركوع والسجود فى الصلاة: ١/٣١٧، دارالكتب الإسلامى.انيس)

بغیر تعدیل ارکان جو نمازیں پڑھی گئیں، ان کا کیا حکم ہے:

سوال: ایک شخص کی عمر بیس سال کی ہے اس عرصہ میں اس نے کوئی نماز درست نہیں پڑھی، صرف دوٹکر مار کر نماز ختم کر دیتا ہے۔ یہ نمازیں ہوئیں یا نہیں؟ اگر اعادہ کرے تو صرف فرض ہی ادا کرے یا سنت بھی؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــ

جو نمازیں تعدیل ارکان کے ساتھ ادا نہیں ہوئیں؛ اگر چہ وہ ہوگئی ہیں، لیکن ان کا اعادہ (دہرالینا) اچھا ہے۔(۱) فرض اور وتر کا اعادہ کرے، سنتوں کا اعادہ نہ کرے۔(۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۱۵۶)

قومہ کی تکمیل نہ کی، تو نماز درست ہوئی یا نہیں:

سوال: رکوع کے بعد سر ذرا سا اٹھایا اور پھر سجدے میں چلا گیا، قومہ کی تکمیل نہ کی تو نماز درست ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــ حامدًا و مصليًا و مسلمًا

قومہ میں تعدیل کی حیثیت مختلف فیہ ہے، بعض فقہاءِ حنفیہ وجوب کے قائل ہیں اور بعض سنیت کے، ابن ہمام صاحب فتح القدیر وجوب ہی کے قائل ہیں اور ان کے شاگرد ابن امیر الحاج نے اسی کو صواب قرار دیا ہے، اس کے برخلاف امام کرخی نے سنیت کے قول کو مختار قرار دیا ہے، اس لئے احوط یہ ہے کہ قومہ ترک نہ کیا جائے،(۳) لیکن کسی سے سہواً قومہ ترک ہوگیا، تو اختلاف کی وجہ سے نماز کو صحیح قرار دینے کی اس سے گنجائش ملتی ہے:

ومقتضى الدليل وجوب الاطمينان أيضًا في القومة والجلسة والرفع من الركوع للأمر به في

---

(۱) (ولها واجبات) لاتفسد بتركها وتعاد وجوبًا في العمد والسهو إن لم يسجد له، وإن لم يعدها يكون فاسقًا آثمًا، الخ (وهي)... (قراءة فاتحة الكتاب) الخ (وتعديل الأركان). (الدرالمختار على صدر رد المحتار، باب صفة الصلاة، مطلب واجبات الصلاة: ۱/ ٤٢٤، ظفير)

(۲) ترك السنة لايوجب فساداً ولا سهواً بل إساءةً لو عامداً غير مستخف. (الدرالمختار على صدر ردالمحتار، واجبات الصلاة، قبيل مطلب في قولهم الإساءة دون الكراهة: ۱/ ٤٧٤، دارالفكر. انيس)

(۳) فی احسن الفتاویٰ:

سوال: قومہ وجلسہ اور تعدیل ارکان سنت ہیں یا واجب؟ اور سہواً ترک کرنے سے سجدۂ سہو لازم ہوگا یا نہیں؟

جواب: راجح قول وجوب کا ہے، لہذا سہواً ترک کرنے سے سجدۂ سہو لازم ہوگا۔ (احسن الفتاویٰ، کتاب الصلاۃ، باب صفۃ الصلاۃ و مایتعلق بھا: ۳/۳۱، زکریا، دیوبند/ کذا فی فتاویٰ رحیمیہ، کتاب الصلاۃ، مکروہات صلوٰۃ: ۵/۱۳۹، دارالاشاعت، کراچی)

حدیث المسیء صلاته وللمواظبة علىٰ ذلک کله،وإليه ذهب المحقق الكمال بن الهمام و تلميذه ابن أمير الحاج وقال:إنه الصواب. (مراقی الفلاح:۱۳۶)(۱)

واختار الكرخي أن التعديل في القومة والجلسة سنة علىٰ قولهما. (الطحطاوی علی المراقی: ۱۳۶)(۲)**وهكذا في مجمع الأنهر : ۸۸/۱**(۳)**والله أعلم بالصواب**

کتبہ: حبیب اللہ القاسمی غفرلہ۔۱۰/۷/۱۴۱۱ھ۔الجواب صحیح: محمد حنیف غفرلہ۔(فتاویٰ ریاض العلوم:۳۳۹/۲-۳۴۰)

☆☆☆

(۱-۲) مراقی الفلاح علی صدر حاشية الطحطاوی،فصل في بيان واجب الصلاة:۱۶۷، مصری

عن أبي هريرة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم دخل المسجد فدخل رجل فصلى ثم جاء فسلم على رسول الله صلى الله عليه وسلم فرد رسول الله صلى الله عليه وسلم عليه السلام،وقال:ارجع فصل فإنك لم تصل،فرجع الرجل فصلى كما كان صلى،ثم جاء إلى النبي صلى الله عليه وسلم فسلم عليه،فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم وعليك السلام،ثم قال:ارجع فصل فإنك لم تصل،حتى فعل ذلك ثلاث مرارٍ،فقال الرجل:والذي بعثك بالحق ما أحسن غير هذا فعلمني؟قال:إذا قمت إلى الصلاة فكبر ثم اقرأ ماتيسر معك من القرآن ثم اركع حتى تطمئن راكعاً ثم ارفع حتى تعتدل قائماً ثم اسجد حتى تطمئن ساجداً ثم اجلس حتى تطمئن جالساً ثم افعل ذلك في صلاتك كلها،قال القعنبي عن سعيد بن أبي سعيد المقبري عن أبي هريرة وقال في آخره:فإذا فعلت هذا فقد تمت صلاتك وما انتقصت من هذا شيئاً فإنما انتقصته من صلاتك وقال فيه:إذا قمت إلى الصلاة فأسبع الوضوء.(سنن أبي داؤد،باب صلاة من لايقيم صلبه في الركوع والسجود (ح:۸۵۶)

(۳) مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر،كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة: ۸۸/۱،دارإحياء التراث العربي، بيروت،لبنان

اطمینان سے ارکان کوادا کرنا واجب ہے:

اطمینان یہ ہے کہ ہر رکن کو اس طرح ادا کرے کہ اس رکن میں ہر عضو اپنی جگہ ساکن ہو جائے۔رکوع اور سجدہ میں اطمینان یہ ہے کہ ہر عضو اپنی جگہ اتنی دیر رہے کہ ایک مرتبہ تسبیح پڑھی جا سکے۔(مراقی ودر مختار بر شامی:۳۱۲/۱)

قیام کی حالت میں قراءت لمبی ہوتی ہے اس لئے قراءت کرنے کی مدت اطمینان کے لئے کافی ہے۔(ملخص طحطاوی:۱۳۵)

اگر فرض نماز کی آخری دونوں رکعتوں میں یا کوئی ایک رکعت میں قراءت نہ کرے اور چپ کھڑا رہے تو ایک تسبیح کی مقدار کھڑا رہنا واجب ہے اس سے اطمینان حاصل ہو جاتا ہے۔(طحطاوی:۱۳۵)

اگر اتنی دیر بھی کھڑا نہ رہا تو گنہ گار ہوگا لیکن نماز فاسد نہ ہوگی کیونکہ اصل قیام فرض ہے وہ پایا گیا۔(طحطاوی:۱۳۶)

قومہ میں بھی اطمینان عملاً فرض ہے اس کے اندر اطمینان کی صورت یہ ہے کہ رکوع سے بالکل سیدھا کھڑا ہو جائے۔(طحطاوی:۱۳۶)

جلسہ میں بھی اطمینان واجب ہے اور اس کے اندر اطمینان کی صورت یہ ہے کہ سجدہ سے اٹھ کر پورے طور پر بیٹھ جائے۔(طحطاوی:۱۳۶)

(طہارت اور نماز کے تفصیلی مسائل:۲۳۵-۲۳۶)(انیس)

رکوع وسجدہ کی کیفیت

رکوع سے اٹھ کر سیدھا کھڑا ہونا چاہئے:

سوال (۱) بعض لوگ رکوع کرکے سیدھے کھڑے نہیں ہوتے سجدے میں چلے جاتے ہیں، نماز ہوجاتی ہے یا نہیں؟

پہلے سجدہ سے اٹھ کر سیدھا بیٹھ جائے پھر سجدہ کرے:

(۲) بہت سے لوگ سجدہ سے چار انگل اٹھ کر دوسرا سجدہ کرتے ہیں، ان کی نماز ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب ___________

(۱) اگر رکوع سے اٹھ کر سیدھے کھڑے نہ ہوں تو اس میں ترک واجب ہوتا ہے اور وہ نماز قابل اعادہ ہے۔

(۲) بقول بعض محققین اس میں ترک واجب ہے اور ایسی نماز کا اعادہ واجب ہے۔(۱) فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۵۵/۲)

---

(۱) (ولها واجبات) الخ (وهي) ... (قراءة فاتحة الكتاب) الخ (وتعديل الأركان) أى تسكين الجوارح قدر تسبيحة فى الركوع والسجود وكذا فى الرفع منهما علىٰ ما اختاره الكمال. (الدرالمختار)

(قوله وكذا فى الرفع منهما) أى يجب التعديل أيضًا فى القومة من الركوع والجلسة بين السجدتين، وتضمن كلامه وجوب نفس القومة والجلسة أيضًا الخ حتى لوتركها أوشيئًا منها ساهيًا يلزمه السهوولوعمدًا يكره أشد الكراهة،ويلزمه أن يعيد الصلاة،الخ. (رد المحتار،باب صفة الصلاة،مطلب واجبات الصلاة،مطلب قد يشارإلى المثنى،الخ: ۴۲۴/۱ـ ۴۳۲،ظفير)

ثم الطمأنينة فى الركوع واجبة عند أبى حنيفة ومحمد،كذا ذكره الكرخى، حتى لوتركها ساهياً يلزمه سجود السهو وذكر أبوعبدالله الجرجانى أنها سنة حتى لايجب سجود السهو بتركها وكذا القومة التى بين الركوع والسجود والقعدة التى بين السجدتين ، والصحيح ماذكره الكرخى لأن الطمأنينة من باب إكمال الركن وإكمال الركن واجب كإكمال القراءة بالفاتحة ألا ترى أن النبى صلى الله عليه وسلم ألحق صلاة الأعرابى بالعدم والصلاة إنمايقضى عليها بالعدم إما لانعدامها أصلاً بترك الركن أو بانتقاصها بترك الواجب فتصير عدماً من وجه فأما ترك السنة فلا يلتحق بالعدم،لأنه لايوجب نقصاناً فاحشاً ولهذايكره تركها أشدالكراهة حتى روى عن أبى حنيفة أنه قال:أخشى أن لاتجوزصلاته. (بدائع الصنائع، فصل الواجبات الأصليةالطمأنينة والقرار فى الركوع والسجود : ۱۶۲/۱ـ۱۶۳، دارالكتب العلمية)والحديث أخرجه البخارى،باب وجوب القراءة للإمام والمأموم،الخ (ح:۷۵۷)انيس)

سجدہ میں پیشانی کا اکثر حصہ رکھنا واجب ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نماز میں حالت سجدہ میں پیشانی کا کس قدر حصہ زمین پر رکھنا واجب ہے، اگر تھوڑا حصہ پیشانی کا زمین پر رکھا گیا اور اکثر نہیں رکھا گیا، تو نماز بلا کراہت ہو جاوے گی یا نہیں۔ بینوا توجروا؟

الجواب

فی الدرالمختار: (وسجد بأنفه)... (وجبهته)... ووضع أكثرها واجب، وقيل فرض كبعضها وإن قل.

فـي رد المحتار: (قوله ووضع أكثرها واجب) اختلف هل الفرض وضع أكثر الجبهة أم بعضها وإن قل؟ قولان: أرجحهما الثاني، نعم وضع أكثر الجبهة واجبة للمواظبة، كماحرره فی البحر.

وفی المعراج: وضع جميع أطراف الجبهة ليس بشرط إجماعًا، فإذا اقتصر علىٰ بعض الجبهة جاز وإن قل، كذا ذكره أبو جعفر، خزائن. (۱)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ اکثر حصہ پیشانی کا رکھنا گو علی الاصح فرض اور شرط نہیں، لیکن واجب ہے، ایسا نہ کرنے سے نماز مکروہ ہوگی۔ (۲)

۹/ ذیقعدہ ۱۳۳۳ھ۔ (تتمہ ثالثہ صفحہ ۹۸) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۲۲۰)

سجدہ میں پیشانی کے ساتھ ناک رکھنے سے متعلق بہشتی زیور اور احسن الفتاویٰ میں تعارض کی تحقیق:

سوال: سجدہ میں بہشتی زیور شبیری مکمل مدلل میں صفحہ نمبر: ۸۹ پر تحقیقی عنوان سے ہے کہ پیشانی کے ساتھ ناک زمین پر رکھنا واجب نہیں ہے، صرف وضع جبہہ علی الارض سے بھی نماز درست ہوگی۔ حضرت مفتی رشید احمد صاحب دامت برکاتہم نے اپنے احسن الفتاوی میں ناک رکھنا واجب لکھا ہے اور اگر ناک نہ رکھے تو نماز واجب الاعادہ فرماتے ہیں۔ آپ حضرات اپنی تحقیق سے مطلع فرمائیں اور دلائل بھی تحریر فرمائیں۔ والسلام

(حضرت مولانا) حکیم محمد اختر (صاحب مدظلہم)

---

(۱) رد المحتار، باب صفة الصلاة، فصل فی كيفية الصلاة، بعد مطلب فی إطالة الركوع للجائی: ۱/۴۹۸. (وكذا فی النهر الفائق، باب صفة الصلاة: ۱/۲۱۶، العلمية/ والبحر الرائق، آداب الصلاة: ۱/۳۳۸، دار الكتب الإسلامی. انيس)

(۲) ... نعم وضع الأكثر واجب لمواظبته صلى الله عليه وسلم على تمكين الجبهة والأنف على الأرض، الخ. (حاشية الطحطاوی على مراقی الفلاح، باب شروط الصلاة وأركانها: ۲۳۰، دار الكتب العلمية بيروت)

عن وائل بن حجر قال: رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يسجد على أنفه مع جبهته. (مسند الإمام أحمد، حديث وائل بن حجر (ح: ۱۸۸۴۰) انيس)

الجواب ـــــــــــــــــــــــــ

دراصل اس مسئلہ میں بہشتی زیور اور احسن الفتاویٰ میں اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ اس مسئلہ میں کتب فقہ کے درمیان تھوڑا سا اختلاف پایا جاتا ہے۔ عام طور سے کتب فقہ میں وہی مسئلہ درج ہے، (جو) بہشتی زیور میں منقول ہے۔

چنانچہ بدائع الصنائع، تحفہ اور اختیار میں "**اقتصار على الجبهة**" کو بلا کراہت جائز قرار دیا ہے۔ (**كما فى البحر**: ۳٦٦/۱)(۱)

اور اکثر کتب فقہ میں اس کو مطلق مکروہ لکھا ہے۔ چنانچہ عالمگیری میں ہے:

وإن كان من غير عذر فإن وضع جبهته دون أنفه جاز إجماعًا، ويكره، الخ. (۷۰/۱)(۲)

پھر بعض فقہا نے اس کو مکروہ تنزیہی پر محمول کیا، چنانچہ علامہ شامی نے صاحب نہر کا قول نقل کیا ہے:

لو حملت الكراهة فى رأى من أثبتها على التنزيهية ومن نفاها على التحريمية لارتفع التنافى، وعبارته فى السراج المستحب أن يضعهما. (منحة الخالق: ۳۳٦/۱)(۳)

اور صاحب بحر نے کراہت تحریمی کو ترجیح دی ہے اور لکھا ہے:

"**وكره أى الاقتصار علٰى أحدهما سواء كان الجبهة أو الأنف وهى عند الإطلاق منصرفة إلٰى كراهة التحريم، وهكذا فى المفيد والمزيد فالقول بعدم الكراهة ضعيف.** (۳۳٦/۱)(۴)

علامہ شامی نے اسی بنیاد پر صاحب حلیہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ کراہت تحریم کا مقابل چونکہ واجب ہوتا ہے، اس لئے وضع الأنف واجب ہوا، چنانچہ فرماتے ہیں:

فالأشبه وجوب وضعهما معًا وكراهة ترك وضع كل تحريمًا، وإذا كان الدليل ناهضًا به فلا بأس بالقول به، انتهٰى. (ردالمحتار: ۳۳۵/۱)(۵)

---

(۱) قال أبو حنيفة: هو الجبهة والأنف غير عين، حتى لو وضع أحدهما فى حالة الإختيار يجزيه، غير أنه لو وضع الجبهة وحدها جاز من غير كراهة، الخ. (بدائع الصنائع، فصل فى أركان الصلاة: ۱۰۵/۱، دار الكتب العلمية)

وإن اقتصر على الجبهة جاز بالإجماع ولا إساءة. (الإختيار لتعليل المختار، باب الأفعال فى الصلاة: ۵۱/۱، دار الكتب العلمية)

وأنه يصح الإقتصار على الجبهة وعلى الأنف وحده وبيان الخلاف فى ذلك وبما قررناه علم أن تعريف بعضهم السجود بوضع الجبهة ليس بصحيح لأن وضعها ليس بركن لأنه يجوز الإقتصار على الأنف من غير عذر عند أبى حنيفة وإن كان الفتوىٰ على قولهما. (البحر الرائق، الركوع والسجود فى الصلاة: ۳۱۰/۱، دار الكتب الإسلامى، انيس)

(۲) الفتاوىٰ الهندية، طبع مكتبة رشيدية كوئٹه

(۳) منحة الخالق على البحر الرائق: ۳۱۸/۱، طبع سعيد

(۴) البحر الرائق: ۳۱۸/۱، ايچ ايم سعيد

(۵) كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فصل فى كيفية الصلاة، بعد مطلب فى إطالة الركوع للجائى: ٤۹۹/۱، ايچ ايم سعيد

اسی عبارت کی بناپر مفتی رشید احمد صاحب مدظلہم نے احسن الفتاویٰ میں وجوب کے قول پر اعتماد کیا ہے۔(احسن الفتاویٰ:۳/۲۱) لیکن خود علامہ شامی رحمہ اللہ نے البحر الرائق کے حاشیہ پر جو بحث کی ہے، اس سے ان کا رجحان عدم وجوب کی طرف معلوم ہوتا ہے۔وہاں ان کی پوری عبارت یہ ہے:

قال في النهر: لو حملت الكراهة في رأى من أثبتها على التنزيهية ومن نفاها على التحريمية لارتفع التنافي وعبارته في السراج: المستحب أن يضعهما، انتهٰى.

لكن قال الشيخ إسماعيل: وفي غرر الأذكار أن الاقتصار على الجبهة يجوز بلا كراهة وإن لم يكن على الأنف عذرًا اتفاقا، وكذلك في مجموع المسائل وأنه به يفتٰى، وفي الاختيار: وإن اقتصر علٰى جبهته جاز بالإجماع ولا إساءة بعد أن قال فإن اقتصر على الأنف جاز وقد أساء، و قالا: لا يجوز إلا من عذر، انتهٰى كلامه فليتأمل، ويبعد ماقاله في النهر قول المتن وكره علٰى أحدهما، فإنه لا يصح حمله على التزيهية نظرًا إلٰى ترك السجود على الجبهة، لكن سيأتي حمل الكراهة علٰى طلب الكف طلبا غير جازم. (منحة الخالق: ۱/۳۳۶)(۱)

اس عبارت کے آخری جملہ میں علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے وہ بنیاد منہدم کردی ہے، جس کی وجہ سے سجود علی الانف کو واجب کہا گیا تھا اور وہ یہ کہ مطلق کراہت کا اطلاق کراہت تحریمی پر ہوتا ہے، جس کا مقابل واجب ہے۔

منحۃ الخالق میں ان کے قول کا حاصل یہ ہے کہ کراہت کا اطلاق طلب الکف طلبا غیر جازم پر بھی ہوتا ہے، جو کراہت تنزیہی کو بھی شامل ہے۔علامہ شامیؒ کی اس رائے سے بہشتی زیور کی تائید ہوتی ہے اور یہ اس لئے بھی راجح معلوم ہوتی ہے کہ اول تو اس سے فقہا کے مختلف اقوال میں تطبیق ہوجاتی ہے، دوسرے منحۃ الخالق، ردالمحتار کے بعد لکھی گئی ہے، لہٰذا یہ ان کا آخری مسلک ہے، تاہم اس میں شبہ نہیں کہ ردالمحتار سے جو وجوب سمجھ میں آتا ہے، اس پر عمل زیادہ قرین احتیاط ہے۔(۲) واللہ سبحانہ اعلم

احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ۔۸/۱۱/۱۳۹۷ھ۔(فتویٰ نمبر:۱۱۷۳/۲۸ج)(فتاویٰ عثمانی:۱/۴۰۱-۴۰۳)

نماز میں سجدہ سے متعلق چند مسائل کی تصحیح و تحقیق:

سوال: ایک کتاب میں لکھا ہے کہ اگر مقتدی نے امام کو سجدہ میں پایا، بعد ایک سجدہ کرنے کے اور مقتدی نے رکوع کیا اور دونوں سجدہ کئے، تو اس صورت میں نماز فاسد ہوجاوے گی اور اگر پایا امام کو بعد رکوع کے سجدہ میں، پس رکوع کیا

(۱) النهر الفائق، فرع في صفة الصلاة: ۱/۲۱۶، دار الكتب العلمية/منحة الخالق، دار الكتاب الإسلامي. انيس

(۲) ... واختارما في الكنز إرادة أن في الإقتصار على الجبهة من غير عذر ترك الأحوط في أمر العبادة كما في الإقتصار على الأنف. (مجمع الأنهر، صفة الشروع في الصلاة: ۱/۹۷-۹۸، دار إحياء التراث العربي. انيس)

اور دونوں سجدہ کئے امام کے ساتھ، تو نہیں فاسد ہوئی نماز اس کی، اس واسطے کہ ایک رکعت کی زیادتی نماز کو توڑتی ہے اور ایک رکعت سے کم کی نہیں توڑتی، اور اگر رکوع کیا مقتدی نے پہلے امام سے اور سر اٹھایا پہلے رکوع امام سے پس نہیں جائز ہوا رکوع اس کا، اور اگر پایا امام کو اندر رکوع کے پس جائز ہوئی نماز اور جب پہنچا طرف امام کے اور امام ہے رکوع میں اور نیت باندھی اور قیام میں کھڑا رہا، یہاں تک کہ سر اٹھایا امام نے رکوع سے، تو نہیں شریک ہوا اندر اس رکعت کے۔ اگر پایا امام کو رکوع میں بقدر ایک تسبیح کے، تو شامل ہوا رکعت میں، نزدیک امام ابوحنیفہ اور محمد کے اور شرح استیجابی میں لکھا ہے کہ اگر نہ ٹھہرے بقدر تین تسبیح کے رکوع میں، یا نہ پڑھے تین تسبیح تو نہیں جائز ہوئی نماز اس کی اور اگر بے عذر ناک رکھا اور ماتھا نہ رکھا سجدہ کی جگہ میں، یا ماتھا رکھا اور ناک نہ رکھا جگہ سجدہ میں، تو نہیں جائز ہے نماز اس کی، صحیح ہے، یا غلط؟

الجواب

یہ نفس مسائل صحیح ہیں، مگر یہ مسئلہ کہ "اگر ناک نہ رکھے اور ماتھا رکھے تو نماز صحیح نہیں" درست نہیں، بلکہ فقط ماتھا رکھنا بدون ناک کے، نماز کو بکراہت درست کر دیتا ہے۔(۱)

(بدست خاص، سوال ۱۵۷)(باقیات فتاویٰ رشیدیہ: ۱۶۵)

سجدہ میں صرف پیر کا انگوٹھا زمین پر رکھا انگلیاں نہ رکھیں تو سجدہ معتبر ہوگا یا نہیں:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص نماز میں سجدے کی حالت میں اپنے پیر کی انگلیاں زمین کو نہ لگاتا ہو، صرف انگوٹھا ہی رکھتا ہو تو اس شخص کا یہ فعل کیسا ہے، سجدہ ہوگا؟ بینوا توجروا۔

الجواب

سجدہ میں فقط پیر کا انگوٹھا زمین پر رکھا رہنے سے نماز ہو جائے گی، مگر صرف انگوٹھا رکھنے پر اکتفا کرنا اور دوسری انگلیوں کو اٹھائے رکھنا خلاف سنت ہے، اس لئے مکروہ ہے۔ سنت یہ ہے کہ دونوں قدموں کی انگلیاں زمین پر لگی رہیں اور انگلیوں کا رخ قبلہ کی جانب ہو۔

ووضع أصبع واحدة منهما شرط. (الدرالمختار)

وأفاد أنه لولم يضع شيئاً من القدمين لم يصح السجود،الخ. (رد المحتار: ۴۱۶/۱)(۲)

(۱) ويسجد على جبهته وأنفه واظب على هذا رسول الله صلى الله عليه وسلم وفيه تمام السجود،فإن سجد على الجبهة دون الأنف جاز عندنا وعند الشافعي لايجوز وإن سجد على الأنف دون الجبهة جاز عندأبى حنيفة ويكره ولا يجوز عند أبى يوسف ومحمد وهو رواية أسيد بن عمرو عن أبى حنيفة.(المبسوط للسرخسي،مكروهات الصلاة: ۳۴/۱، دارالمعرفة بيروت.انيس)

(۲) كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة،بحث الركوع والسجود،انيس

والمراد بوضع القدمين علىٰ ماذكر في الخلاصة وضع أصابعهما والمراد بوضع الأصابع توجيههمانحوالقبلة ليكون الاعتماد عليهاحتى لووضع ظهرالقدمين ولم يوجهه أصابعهما أو أحدهما نحو القبلة لايصح سجوده وهذا ممايجب حفظه وأكثر الناس عنه غافلون. (مجالس الأبرار: ۳۱۵، رقم المجلس: ۵۳)(۱) فقط والله اعلم بالصواب

۳/ذیقعدہ ۱۴۰۱ھ۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ۳۰۴/۴) ☆

ہاتھوں، پیروں، گھٹنوں کے درمیان سجدہ میں فرق:

سوال: حضرت مفتی صاحب زید مجدہ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

جناب کا فتوی نمبر:۶۲ جس کا سوال میرے عزیز القد برادر ثانی نصیر احمد متعلم مدرسہ ہذا نے پیش کیا تھا، بالکل بحیثیت فتویٰ درست ہے، البتہ میرے دل میں جو تر دد ہے، اس کو عزیز المذکور نے سوال میں پیش نہیں کیا، یہاں بوجہ عدم سامان کتب معذور ہوں، اس واسطے مکرر عرض ہے کہ مطابق روایت مسلم شریف کہ وہ: ''أمرت أن أسجد علىٰ سبعة أعظم'' (الحديث) (۲) ہے، یہ حدیث مقتضی فرضیت سبعۃ اعظم ہے، پس وضع قدمین کو سجدہ میں فرض کہنا اور

(۱) قال في البزازية: والمراد بوضع القدم هنا وضع الأصابع أو جزء من القدم ، وإن وضع أصبعاً واحدةً أو ظهر القدم بلا أصابع، إن وضع مع ذلك إحدىٰ قدميه صح وإلا لا، اه، قال في شرح المنية بعد نقله ذلك: وفهم منه أن المراد بوضع الأصابع توجيههما نحوالقبلة ليكون الإعتماد عليهاوإلا فهو وضع ظهرالقدم وقد جعلوه غيرمعتبر، وهذا ما يجب التنبيه عليه فإن أكثر الناس عنه غافلون. (ردالمحتار، كتاب الصلاة، صفة الصلاة: ۵۰۰/۱، دارالفكر بيروت. انيس)

☆ **سجدہ میں نال اٹھی رہے:**

سوال: ایک آدمی سجدہ میں گیا، لیکن سجدہ کی حالت میں دونوں پیر کی تین تین انگلیاں زمین سے لگی ہوئی نہیں تھیں، تو کیا ایسی صورت میں اس کو دوبارہ نماز ادا کرنی ہوگی؟

هو المصوب

مذکورہ صورت میں نماز ہوگئی، اعادہ کی ضرورت نہیں، سجدہ کی حالت میں کم از کم قدمین کے کچھ حصے کا زمین پر ٹکا رہنا ضروری ہے اور یہاں یہ پایا جا رہا ہے۔

(ومنها السجود) بجبهته وقدميه، ووضع أصبع واحدة منهما شرط. (الدرالمختار)

(قوله وقدميه) يجب إسقاطه؛ لأن وضع أصبع واحدة منهما يكفي، كما ذكره بعد ح، وأفاد أنه لولم يضع شيئًا من القدمين لم يصح السجود. (رد المحتار: ۱۳۵/۲) (كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، بحث الركوع والسجود، انيس)

تحریر: محمد ظفر عالم ندوی/تصویب: ناصر علی ندوی۔ (فتاویٰ ندوۃ العلماء: ۶۷/۲)

(۲) عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: '' أمرت أن أسجد علىٰ سبعة أعظم: على الجبهة، وأشار بيده علىٰ أنفه واليدين والرجلين وأطراف القدمين و لا نكف الثياب ولا الشعر''. (الصحيح لمسلم، كتاب الصلوٰة، باب أعضاء السجود والنهي عن كف الشعر والثوب و عقص الرأس في الصلوٰة: ۱۹۳/۱، قديمي)

هذه الأحاديث فوائدمنها: أن أعضاء السجود سبعة وأنه ينبغي للساجد أن يسجد عليهاكلها وأن يسجد على الجبهة والأنف جميعاً ، الخ. (شرح النووي لمسلم، باب أعضاء السجود والنهي عن كف الشعر: ۲۰۸/۴، دارإحياء التراث العربي. انيس)

وضع یدین اور رکبتین کو فرض نہ کہنا کیسا ہے اور: "مالا یتوصل إلی الفرض إلا به، فهو فرض" (۱) کو دلیل فرضیت وضع قدمین میں بیان کرنا خلاف منصوص ہے۔

نص میں سبعۃ اعظم میں کوئی فرق نہیں اور کف الثیاب والشعر کو قرینہ عدم فرضیت وضع رکبتین اور وضع یدین قرار دینا اور وضع قدمین کو فرض ہی رکھنا، حالانکہ وضع قدمین ان کا معطوف علیہ ہے، اور معطوف حکم میں معطوف علیہ کے ہوتا ہے، ایسے ہی امر کو مشترک بین الواجب والندب سے تفریق درست نہیں اور رفع رکبتین بھی اشبہ بالتلاعب ہے؛ لیکن نفس جواز فی الصلوۃ میں مخل نہیں۔ پس دلیل حضرت ابن ہمام بھی دل میں پوری نہیں بیٹھتی۔ ادھر امام الائمہ کے نزدیک صلوۃ وتر فرض عملی ہے اور اس کی فرضیت بھی ایسی خبر کے ساتھ ہے: "إن الله أمركم" (الحديث) (۲)

پس "أمـرت" سے وضع قدمین کو فرض اور وضع رکبتین اور یدین کو سنت کہنا سمجھ میں نہیں آتا اور یہ امر ضروری ہے، کسی فقیہ نے اس کی ضرور تنقیح کی ہوگی، مگر بوجہ عدم سامان کے معذور ہوں۔

(محمد فاضل قاضی عفا اللہ عنہ، از مقام وڈاک خانہ کوال، ضلع، راولپنڈی)

الجواب ــــــــــــــــ حامدًا و مصليًا

نمبر: ۶۲ ر میں شبہ مذکورہ تحریر نہیں تھا، بلکہ صرف وضع قدمین ورفع قدمین فی السجود کا سوال تھا۔ شبہ مذکورہ کا منشا بظاہر یہ ہے کہ آپ وضع قدمین فی السجود کی فرضیت کو حدیث "أمـرت أن أسـجـد" سے ثابت سمجھ رہے ہیں، اسی پر وضع یدین اور رکبتین اور معطوف ومعطوف علیہ کی بحث متفرع ہے، حالانکہ یہ خبر واحد ہے جس سے فرضیت ثابت نہیں ہوسکتی ،لہذا اس حدیث سے تو کسی چیز کی بھی فرضیت ثابت نہیں، سجود کی فرضیت نص قطعی سے ثابت ہے جس کی حقیقت **وضع الجبهة على الأرض** "پیشانی کی فرضیت" تو یوں ہوئی، (۳) اور چونکہ وضع الجبہہ کے لیے وضع قدمین یا رکبتین یا

---

(۱) رد المحتار، كتاب الصلاة، فصل في بيان تأليف الصلاة إلى انتهائها: ۱/۴۹۹، سعيد

(۲) عن خارجة بن خرافة رضي الله تعالىٰ عنه أنه قال: خرج علينا رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: "إن الله أمركم بصلوٰة هي خير لكم من حمر النعم الوتر جعله الله لكم فيما بين صلوٰة العشاء إلىٰ أن يطلع الفجر". (سنن الترمذي، أبواب الوتر، باب ما جاء في فضل الوتر: ۱/۱۰۳، سعيد)

(۳) "(قوله وسجد بأنفه وجبهته)... وفي الشريعة: وضع بعض الوجه مما لا سخرية فيه فخرج الخد والذقن والصدغ، الخ.

"وأما في الصحيحين مرفوعًا: " أمرت أن أسجد علىٰ سبعة أعظم: علىٰ جبهة. وأشار بيده إلىٰ أنفه واليدين، والركبتين، وأطراف القدمين، ولا نكف الثياب والشعر" مستعمل في الوجوب والندب الذي هو الأعم بمعنى طلب مني ذلك، أو في الندب، أو في الوجوب، فقولهما بالافتراض مشكل؛ لأنه يلزمها الزيادة على الكتاب بخبر الواحد، وهما يمنعانه في الأصول لأبي حنيفة، ==

یدین ضروری ہے، اس لئے ان میں سے ایک کی فرضیت ضروری ہے، (۱) اور شروع سے قدمین زمین پر موجود ہیں اور نیز ہر رکن کی ادائیگی کے وقت قدمین کا زمین پر ہونا ضروری اور ظاہر ہے، اس لیے قدمین کی فرضیت وضع پر اکتفا کیا گیا، (۲) اور اب یدین ورکبتین کا ثبوت خبر واحد سے ہے، لہٰذا ان کا وضع مسنون ہوگا۔ (۳)

فقہا کے کلام میں روایات مختلف ہیں، قدوری، کرخی، جصاص نے وضع القدمین کو فرض کہا ہے، تمرتاشی، شیخ الاسلام، صاحب نہایہ نے قدمین اور یدین کو عدم فرضیت میں مساوی قرار دیا ہے۔ (النهاية: ١٤١/١) (۴) اس میں اسی روایت کو لکھا ہے: "وهو الحق". (۵)

پھر اسی میں دوصورتیں ہیں: ایک وجوب دوسری سنت، (۶)

== فلذلک قال المحقق ابن الهمام: فجعل بعض المتأخرين الفتوى على الرواية الأخرى الموافقة لقولها لم يوافقه دراية ولا القوى من الرواية، هذا لو حمل قولهما، لايجوز الاقتصار إلا من عذر علٰى وجوب الجمع كان أحسن؛ إذ يرتفع الخلاف بناءً علٰى ما حملنا الكراهة منه عليه من كراهة التحريم ولم يخرجا عن الأصول". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ٥٥٤/١-٥٥٥، رشيدية)

(۱) "وحيث تظافرت الروايات عن أئمتنا بأن وضع اليدين والركبتين سنة، ولم ترد رواية بأنه فرض تعين وضع القدمين أو إحداهما للفرضية، ضرورة التوصل إلٰى وضع الجبهة". (رد المحتار، كتاب الصلاة، فصل فى بيان تاليف الصلاة إلى انتهائها، بعد مطلب فى إطالة الركوع للجائى: ٤٩٩/١، سعيد)

(۲) "وفيه: (أى فى شرح الملتقٰى) يفترض وضع أصابع القدم ولو واحدة نحو القبلة، وإلا لم تجز، والناس عنه غافلون". (الدر المختار، علٰى صدر رد المحتار، كتاب الصلاة، فصل فى بيان تاليف الصلاة إلى انتهائها، بعد مطلب فى إطالة الركوع للجائى: ٤٩٩/١، سعيد)

(۳) ويؤيده ما فى شرح المجمع لمصنفه حيث استدل علٰى أن وضع اليدين والركبتين سنة بأن ماهية السجدة حاصلة بوضع الوجه والقدمين على الأرض، الخ. (رد المحتار، كتاب الصلاة، فصل فى بيان تاليف الصلاة إلى انتهائها، بعد مطلب فى إطالة الركوع للجائى: ٤٩٩/١، سعيد)

(۴) "كذا فى الهداية، وأما وضع القدمين فقد ذكر القدورى أنه فرض فى السجود آه، فإذا سجد ورفع أصابع رجليه، لايجوز، كذا ذكره الكرخى و الجصاص. ولو وضع إحداهما جاز، قال قاضيخان: ويكره. وذكر الإمام التمرتاشى أن اليدين والقدمين سواء فى عدم الفرضية، وهو الذى يدل عليه كلام شيخ الإسلام فى مبسوطه". (رد المحتار، كتاب الصلاة، فصل فى بيان تاليف الصلاة إلى انتهائها، بعد مطلب فى إطالة الركوع للجائى: ٤٩٩/١، سعيد)

(۵) رد المحتار، كتاب الصلاة، فصل فى بيان تاليف الصلاة إلى انتهائها، بعد مطلب فى إطالة الركوع للجائى: ٤٩٩/١، سعيد

(۶) "فصار فى المسئلة ثلاث روايات: الأولٰى فرضية وضعهما، الثانية فرضية إحداهما، الثالثة عدم الفرضية، وظاهره أنه سنة، قال فى البحر: وذهب شيخ الإسلام إلٰى أن وضعهما سنة، فتكون الكراهة تنزيهية". (رد المحتار، كتاب الصلاة، فصل فى بيان تاليف الصلاة إلى انتهائها، بعد مطلب فى إطالة الركوع للجائى: ٤٩٩/١، سعيد)

اور بوجہ ”أن السجود لایتوقف تحققه علٰی وضع القدمین،فیکون افتراض وضعهما زیادة علی الکتاب،آہ“.(رد المحتار: ۵۲۱/۱)(۱)

لیکن حصکفی نے شرح ملتقی،ص:۹۸، میں لکھا ہے:

”وما نقله فی الدررعن العنایة من أن عدم الفرضیة هوالحق،فبعید عن الحق،وبضده أحق“.(۲)

حلبی نے شرح منیہ،ص:۲۸۰، میں اس کی وجہ لکھی ہے:

”إذ لا روایة تساعده والدرایة تنفیه،علٰی مامرمن أن ما لایتوصل إلی الفرض إلا به فهوفرض وحیث تواطأت الروایات وتظافرت عن أئمتنا أن وضع الرکبتین سنة،ولم ترد روایة قط بأنه فرض،وکذا وضع الیدین تعین وضع القدمین أوإحداهما للفرضیة ضرورة،ولم یروعنهم روایة، فکیف والروایات فیه متوافرة أیضًا علٰی مالایخفٰی علی المتتبع،واللّٰه الموفق“.(۳)

رفع رکبتین اشبہ بالتلاعب ہونے کا اشکال شامی نے بھی نقل کیا ہے،(۴) لیکن حقیقت یہ ہے کہ شیخ ابن ہمام نے جو کچھ بیان کیا ہے، وہ علت کے درجہ میں نہیں، بلکہ حکمت کے درجہ میں ہے،لہٰذا اطرد وعکس ضروری نہیں ۔شیخ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ کے تلمیذ علامہ حلبی نے کہا ہے کہ یدین، رکبتین اورقدمین کی فرضیت کی کوئی روایت ائمہ مذاہب سے ثابت نہیں ہے،اس لئے لامحالہ قدمین کی فرضیت توصل الی الفرض کی حیثیت سے مانی جائے گی۔(۵)

---

(۱) کتاب الصلاة، فصل فی بیان تالیف الصلاة إلی انتهائها،بعد مطلب فی إطالة الرکوع للجائی: ۴۹۹/۱،سعید

(۲) سکب الأنهرشرح ملتقی الأبحر،باب صفة الصلاة: ۹۸/۱،دار إحیاء التراث العربی بیروت
کشف الظنون(۱۸۱۴-۱۸۱۶) سےمعلوم ہوتا ہے کہ سکب الأنهرعلاء الدین الحصکفی (م:۱۰۸۸ھ) کی نہیں ہے، بلکہ علاء الدین الطرابلسی (م: ۱۰۳۲ھ)کی ہے،یہ عبارت”الدرالمنتقی شرح الملتقٰی،باب صفة الصلاة: ۱۴۸/۱،دارالکتب العلمیة بیروت“ کی ہے۔انیس

(۳) الحلبی الکبیر، الخامس من الفرائض السجدة،ص: ۲۸۵، سهیل اکیڈمی لاهور

(۴) وأما إذا رفع قدمیه فی السجود،فإنه مع رفع القدمین بالتلاعب أشبه منه بالتعظیم والإجلال، آہ“.(ردالمحتار،کتاب الصلاة،باب صفة الصلاة،بحث الرکوع و السجود: ۴۴۷/۱، سعید)

(۵) ”إذ لاروایة تساعده والدرایة تنفیه علٰی مامرمن أن ما لایتوصل إلی الفرض إلا به فهو فرض،وحیث تواطأت الروایات وتظافرت عن أئمتنا أن وضع الرکبتین سنة ولم ترد روایة قط بأنه فرض،وکذا وضع الیدین،تعین وضع القدمین أوإحداهما للفرضیة ضرورة،ولم یروعنهم روایة،فکیف والروایات فیه متوافرة أیضًا علی ما لایخفٰی علی المتتبع،واللّٰه الموفق“.(الحلبی الکبیر،الخامس من الفرائض السجدة،ص: ۲۸۵،سهیل اکیڈمی لاهور)

صاحب بحر نے قدوری کے قول کو ضعیف قرار دیا ہے،(۱) لیکن شرح مجمع، کفایہ، شرح فیض وغیرہ میں قدوری کے قول ہی کو ترجیح دی ہے اور اسی پر فتویٰ نقل کیا ہے۔(۲)

علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے سب کچھ نقل کرنے کے بعد لکھا ہے:

والحاصل أن المشهور في كتب المذهب اعتماد الفرضية، والأرجح من حيث الدليل و القواعد عدم الفرضية، ولذا قال في العناية والدرر: إنه الحق، ثم الأوجه حمل عدم الفرضية على الوجوب، والله أعلم". (رد المحتار: ۱/۲۲۲)(۳)

یہ سب کچھ کلام قدمین کے متعلق ہے، یدین اور رکبتین میں بھی فقہا کی تین روایتیں ہیں: فرض، وجوب، سنت، عامۃ الفقہا قول ثالث کو ترجیح دیتے ہیں،(۴) لیکن شیخ ابن ہمام نے وجوب کو اختیار کیا ہے اور فقیہ ابو اللیث سمرقندی نے فرض کو ترجیح دی ہے،(۵) علامہ شامی کی رائے یہ ہے کہ شیخ ابن ہمام کا قول راجح ہے کیونکہ خبر واحد سے جس میں امر کا صیغہ ہو وجوب ثابت ہوتا ہے، فرض عملی وجوب کو کہتے ہیں، چنانچہ اخبار آحاد سے وجوب ثابت ہو جاتا ہے۔(۶)

---

(۱) "وذكر القدوري أن وضعهما فرض، وهو ضعيف". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۱/۵۵٦، رشيدية)

(۲) ويؤيده ما في شرح المجمع لمصنفه حيث استدل علىٰ أن وضع اليدين والركبتين سنة بأن ماهية السجدة حاصلة بوضع الوجه والقدمين على الأرض الخ وكذا ما في الكفاية عن الزاهدي من أن ظاهر الرواية ما ذكر في مختصر الكرخي، وبه جزم في السراج فقال: لو رفعهما في حال سجوده لايجزيه، ولو رفع إحداهما جاز، وقال في الفيض: وبه يفتىٰ. (رد المحتار، كتاب الصلاة، فصل في بيان تأليف الصلاة إلى انتهائها، بعد مطلب في إطالة الركوع للجائي: ۱/٤۹۹، سعيد)

(۳) كتاب الصلاة، فصل في بيان تأليف الصلاة إلى انتهائها، بعد مطلب في إطالة الركوع للجائي: ۱/۵۰۰، سعيد

(۴) وأما اليدان والركبتان فظاهر الرواية عدم افتراض وضعهما، قال في التجنيس والخلاصة: وعليه فتوى مشايخنا، وفي منية المصلي: ليس بواجب عندنا، واختار الفقيه أبو الليث الافتراض و صححه في العيون ولا دليل عليه؛ لأن القطعي إنما أفاد وضع بعض الوجه على الأرض دون اليدين والركبتين، والظني المتقدم لايفيد، لكن مقتضاه ومقتضى المواظبة الوجوب، وقد اختاره المحقق في فتح القدير، وهو إن شاء الله أعدل أقوال لموافقه الأصول، وإن صرح كثير من مشايخنا بالسنة، ومنهم صاحب الهداية" (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۱/۵۵٦، رشيدية)

(۵) مختار الفقيه أبي الليث علىٰ ما أسلفناه عنه في أوائل باب الأنجاس من أن المصلي إذا لم يضع ركبتيه على الأرض، لايجزئه، وأنه رد رواية عدم وجوب طهارة مكان الركبتين في الصلاة، فهو يشير إلى الافتراض، وما اخترته من الوجوب ولزوم الإثم بالترك مع الإجزاء كترك الفاتحة أعدل إن شاء الله تعالىٰ". (فتح القدير، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۱/۳۰۵، مصطفى البابي الحلبي بمصر)

(٦) "وقال في الحلية: والأوجه علىٰ منوال ما سبق هو الوجوب لما سبق من الحديث آه أي علىٰ منوال ما حققه شيخه من الاستدلال علىٰ وجوب وضع اليدين والركبتين، وتقدم أنه أعدل الأقوال، فكذا هنا، فيكون وضع القدمين كذلك، واختاره أيضًا في البحر والشرنبلالية". (رد المحتار، كتاب الصلاة، فصل في بيان تأليف الصلاة إلى انتهائها، بعد مطلب في إطالة الركوع للجائي: ۱/٤۹۹، سعيد)

امام اعظم سے وتر کے متعلق تین روایتیں ہیں: فرض، واجب، سنت۔(۱)

ان میں تمرتاشی نے تطبیق دی ہے:

”هو فرض عملاً، وواجب اعتقادًا، وسنة ثبوتاً، بهذا وفقوا بين الروايات“. (۲) **فقط واللّٰه أعلم وعلمه أتم وأحكم**

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور۔ الصحیح: عبد اللطیف مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔ ۲؍ربیع الثانی ۱۳۶۷ھ۔ الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔(فتاویٰ محمودیہ:۵۶۱/۵۔۵۶۷)

سجدہ بقدر تسبیحہ واحدہ واجب ہے:

سوال: سجدے میں کتنی دیر ٹھہرنا فرض ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ـــــــــــــ باسم ملهم الصّواب

مطلقاً سجدہ فرض ہے اور ایک تسبیح کی مقدار ٹھہرنا واجب ہے اور تین تسبیحات کی مقدار سنت مؤکدہ ہے۔

في واجبات الصلاة من العلائية: (وتعديل الأركان) أي تسكين الجوارح قدر تسبيحة في الركوع والسجود وكذا في الرفع منهما، الخ. (رد المحتار: ۴۳۲/۱) (۳) فقط واللّٰه تعالىٰ أعلم

۲۸؍رمضان المبارک ۱۳۹۸ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ۴۰/۳)

دوسجدوں کے درمیان ٹھہرنے کی مقدار:

سوال: دوسجدوں کے درمیان (جلسہ میں) کتنی دیر تک ٹھہرنا چاہئے؟

---

(۱) عن أبي حنيفة رحمه اللّٰه في الوتر ثلاث روايات: في رواية فريضة، وفي رواية سنة مؤكدة، وفي رواية واجب، وهي آخر أقواله، وهو الصحيح، كذا في محيط السرخسي“. (الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، الباب الثامن في صلاة الوتر: ۱۱۰/۱، رشيدية)

(۲) تنوير الأبصار مع الدر المختار علىٰ صدر ردالمحتار، باب الوتر والنوافل: ۳/۲-۴، سعيد

(۳) كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، واجبات الصلاة، مطلب قد يشار إلى المثنى، الخ: ۴۶۴/۱، دار الفكر/ وكذا في النهر الفائق، باب صفة الصلاة: ۱۹۹/۱، دار الكتب العلمية/ تبيين الحقائق، باب صفة الصلاة: ۱۰۶/۱، المكتبة الأميرية بولاق، مصر.

(وتعديل الأركان) أي تسكين الجوارح في الركوع والسجود حتى تطمئن مفاصلها واجب عند الطرفين وأدناه مقدار تسبيحة وهو تخريج الكرخي، وفي تخريج الجرجاني سنة لأنه شرع لتكميل الأركان وليس بمقصود لذاته. (مجمع الأنهر، باب صفة الصلاة: ۱۳۲/۱، دار الكتب العلمية بيروت. انيس)

ہمارے امام صاحب اتنی دیر کرتے ہیں کہ اتنی دیر میں آٹھ دس بار رکوع کی تسبیح پڑھ سکتے ہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

چونکہ حنفیہ کے یہاں اس جلسہ میں کوئی ذکر مسنون نہیں ہے۔اس لئے اس جلسہ کو طول نہیں دینا چاہئے، بالخصوص جماعت کی نماز میں۔

"**ولیس فی هذا الجلوس ذکر مسنون عندنا، هکذا فی الجوهرة النیرة**". (الفتاویٰ الهندیة: ۷۵/۱)(۱)**فقط واللّٰه تعالیٰ أعلم**

محمد بشیر احمد۔ ۱۰/ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۹ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۳۹۱/۲-۳۹۲)

☆☆☆

---

(۱) **الجوهرة النیرة، باب صفة الصلاة: ۵٤/۱، المطبعة الخیریة. انیس**

البتہ اگر کوئی شخص دعا پڑھ لے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

(قوله: ولیس بینهما ذکر مسنون، الخ) قال أبو یوسف: سألت الإمام أیقول الرجل إذا رفع رأسه من الرکوع والسجود "اللّٰهم اغفر لی"؟ قال: یقول: ربنا لک الحمد، وسکت، ولقد أحسن فی الجواب إذ لم ینه عن الاستغفار، نهر وغیره.

قلت: بل فیه إشارة إلی أنه غیر مکروه إذ لو کان مکروها لنهی عنه کما ینهی عن القراء ة فی الرکوع والسجود وعدم کونه مسنوناً لا ینافی الجواز کالتسمیة بین الفاتحة والسورة بل ینبغی أن یندب الدعاء بالمغفرة بین السجدتین خروجاً من خلاف الإمام أحمد لابطاله الصلاة بترکه عامداً ولم أر من صرح بذلکلکن صرحوا باستحباب مراعاة الخلاف واللّٰه أعلم. (ردالمحتار، کتاب الصلاة باب صفة الصلاة: ۵۰۵/۱، دارالفکر بیروت. انیس)

سلام کے ذریعہ نماز ختم کرنا

لفظ ''السلام'' کہنے سے نماز سے خارج ہوگیا:

سوال: کیا فرماتے ہیں بزرگان دین مسئلہ ذیل میں کہ نماز سے خروج کے لیے ''السلام علیکم'' کہنا واجب ہے، تو قابل دریافت امر یہ ہے کہ پورا سلام کہنے سے نماز سے خارج ہوجاتا ہے، یا نصف سلام یا اس سے بھی کم الفاظ کہنے سے نماز سے خارج ہوجاتا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــ باسم ملهم الصّواب

''علیکم'' سے قبل ہی صرف ''السلام'' کا لفظ کہنے سے نماز سے خارج ہوجاتا ہے۔

لما فی واجبات الصلاة من شرح التنوير:

(ولفظ السلام) مرتين فالثاني واجب على الأصحّ. برهان. دون عليكم، وتنقضى قدوة بالأوّل قبل عليكم على المشهور عندنا وعليه الشافعية. (الدر المختار)

وفى رد المحتار: (قوله وتنقضى قدوة بالأوّل) أى بالسلام الأوّل، قال فى التجنيس: الإمام إذا فرغ من صلاته فلمّا قال: السلام جاء رجل واقتدىٰ به قبل أن يقول عليكم لايصير داخلاً فى صلاته، لأنّ هٰذا سلام. (رد المحتار: ١/٤٣٦)(١) **فقط واللّٰه تعالىٰ أعلم**

۱۷ رمحرم ۱۳۸۶ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ۳/۲۵)

دونوں سلام واجب ہیں یا ایک:

سوال: نماز میں دونوں سلام واجب ہیں یا ایک ہی سلام؟ (عبدالباری، کلکتہ)

الجواب ــــــــــــ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ! ''نماز سے حلال ہونے کا طریقہ سلام ہے''۔

---

(١) **كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فصل فى تأليف الصلاة، قبل مطلب مهم فى تحقيق متابعة الإمام: ١/٤٦٨، دار الفكر، انيس**

"وتحليلها التسليم". (۱)

اور اپنے عمل سے سلام کا طریقہ متعین فرما دیا کہ دائیں، بائیں دو سلام کئے جائیں۔ (۲)

اس لئے صحیح یہی ہے کہ پہلے سلام کی طرح دوسرا سلام بھی واجب ہے۔

"فالثانی واجب على الأصح". (۳)

گو بعض اہل علم کی رائے ہے کہ پہلا سلام واجب اور دوسرا سنت ہے؛ (۴) لیکن صحیح تر رائے یہی ہے۔ (۵)

(کتاب الفتاویٰ: ۲/۱۸۹)

ایک طرف سلام پھیرنے سے نماز درست ہوگی یا نہیں:

سوال: امام کے آخری قعدہ میں بیٹھ کر دائیں جانب سلام پھرانے کے بعد ایک مقتدی نے اللہ أكبر کہہ کر امام کو لقمہ دیا، لقمہ کی آواز سے امام ٹھٹھک گیا، بائیں طرف سلام نہ پھرا کر کھڑے ہو کر سوال کیا کہ نماز پوری نہیں ہوئی؟ اکثر مقتدیوں نے کہا کہ نماز پوری ہو گئی، لقمہ دینے والے نے غلطی کی، کیا بائیں طرف نہ پھرانے سے نماز تمام ہو جائیگی، یا اعادہ ضروری ہے؟

---

(۱) مشکوۃ المصابیح، حدیث نمبر: ۳۱۲، بحوالہ ابوداؤد، ترمذی ودارمی، عن علی رضی اللہ عنہ

(أخرجه الدارمی، باب مفتاح الصلاة الطهور (ح: ٧١٤) /والشافعی فی السنن، ت: سنجر، باب تحريم الصلاة التكبير (ح: ١٩١) /و ابن ماجة، باب مفتاح الصلاة الطهور (ح: ٢٧٥) /وأبوداؤد، باب فرض الوضوء (ح: ٦١) /والترمذی، باب ماجاء أن مفتاح الصلاة الطهور (ح: ٣) انیس)

(۲) عن عبدالله أنه كان يسلم عن يمينه "السلام عليكم ورحمة الله" وعن يساره "السلام عليكم ورحمة الله". وقد روى عن الأسود من غيرهذا الإسناد عن عبدالله عن النبی صلی الله عليه وسلم بمثله. (مسند أبی داؤد الطيالسی، ما أسند عبدالله بن مسعود رضی الله عنه (ح: ٢٨٤) ورواه الترمذی عن عبد الله عن النبی صلی الله عليه وسلم "أنه كان يسلم عن يمينه وعن يساره: السلام عليكم ورحمة الله، السلام عليكم ورحمة الله". باب ماجاء فی التسليم فی الصلاة (ح: ٢٩٥) انیس)

(۳) الدرالمختار مع ردالمحتار: ١٦٢/٢ (كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فصل فی تأليف الصلاة، قبل مطلب مهم فی تحقيق متابعة الإمام: ٤٦٨/١ انیس)

(۴) رد المحتار معزيا إلى فتح القدير: ١٦٢/٢.

ثم قيل: الثانية سنة، والأصح أنها واجبة كالأولى. (فتح القدير، باب صفة الصلاة: ٣٢٠/١، دارالفكر. انیس)

(۵) کیوں کہ پہلے سلام سے ہی نمازی نماز سے خارج ہو جاتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دونوں جانب سلام کے عمل کی وجہ سے دونوں سلام کہنا سنت مؤکدہ ہے۔ انیس

الجواب

نماز کے اختتام پر دونوں طرف سلام پھیرنا اصح قول کی بنا پر واجب ہے، (اگر چہ بعض فقہانے دوسرے سلام کو سنت بھی کہا ہے۔)

لہذا صورت مسئولہ میں امام نے ترک واجب کا ارتکاب کیا، جس کا حکم یہ ہے کہ نماز کی فرضیت تو ساقط ہوگئی، لیکن وقت کے اندر اندر نماز کا اعادہ واجب تھا، اب جب کہ وقت بھی گذر چکا اور ان مصلیوں کا اجتماع نہ رہا تو نماز کراہت کے ساتھ ہوگئی، البتہ امام کو اس غلطی پر توبہ واستغفار کرنا چاہئے۔

قال فی الدر المختار: (ولفظ السلام) مرتین، فالثانی واجب. (۱)

وفی مراقی الفلاح فی بیان حکم الواجب فی الصلاة: وإعادتها بترکه عمدًا وسقوط الفرض ناقصًا إن لم یسجد ولم یعد.

وقال الطحطاوی تحت قوله (وإعادتها بترکه عمدًا): أی مادام الوقت باقیًا وکذا فی السهو إن لم یسجد له وإن لم یعدها حتی خرج الوقت تسقط مع النقصان وکراهة التحریم، ویکون فاسقًا آثما، وکذا الحکم فی کل صلاة أدیت مع کراهة التحریم، والمختار أن المعادة لترک واجب نفل جابر والفرض سقط بالأولیٰ. (الطحطاوی علیٰ مراقی الفلاح فی فصل بیان الواجب. (ص: ١٣٤) (۲) **والله أعلم**

احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ۔ ۲۷/۱۲/۱۳۹۰ھ۔ (فتویٰ نمبر ۱۹۹/۲۱-الف) الجواب صحیح: بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ۔

(فتاویٰ عثمانی: ۱/۴۰۶-۴۰۷)

---

(۱) الدر المختار: ٤٦٨/١، طبع سعید) (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فصل فی تألیف الصلاة، قبل مطلب مهم فی تحقیق متابعة الإمام، انیس)

(۲) طبع قدیمی کتب خانه.

وفی بدائع الصنائع: ١٩٤/١: وأما الذی هو عند الخروج من الصلاة فلفظ السلام عندنا، وعند مالک والشافعی فرض، والکلام فی التسلیم یقع فی مواضع فی بیان صفته أنه فرض أم لا و فی بیان قدره... (وقال بعد أسطر): ولنا ما روی عن عبد الله بن مسعود رضی الله عنه أنه قال: صلیت خلف رسول الله صلی الله علیه وسلم وخلف أبی بکر وعمر وکانوا یسلمون تسلیمتین عن أیمانهم وعن شمائلهم. وروی عن علی أنه قال: کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یسلم تسلیمتین ... وأما الأحادیث فالأخذ بما روینا أولیٰ، لأن علیاً وابن مسعود کانا من کبار الصحابة وکانا یقومان بقربه صلی الله علیه وسلم ... الخ. کذا فی عامة کتب الفقه الحنفی.

نیز دونوں سلام کے وجوب سے متعلق محدثانہ کلام کے لئے حضرت والا دامت برکاتہم کی ''کتاب درس ترمذی: ۲/۶۴'' ملاحظہ فرمائیں۔ (مرتب عفی عنہ)

نماز کا سلام پھیرنے میں ''السلام علیکم'' کے بجائے ''سلام علیکم'' کہنا کیسا ہے:

سوال: بعض امام سلام پھیرنے کے وقت ''**السلام علیکم**'' کے بجائے ''**سلام علیکم**'' (الف لام کے بغیر) کہتے ہیں اس طرح کہنا کیسا ہے؟ کیا اس میں کوئی کراہت ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

مصلی کیلئے (امام ہو یا منفرد) سنت طریقہ یہ ہے کہ کامل اور صاف طریقہ سے ''**السلام علیکم ورحمة اللّٰہ**'' کہے، اگر ''**السلام علیکم**'' کے بجائے ''**سلام علیکم**'' کہے گا تو سنت کے خلاف اور مکروہ ہوگا۔

شامی میں ہے:

(قوله هو السنة) قال في البحر: وهو علٰی وجه الأكمل أن يقول: السلام عليكم ورحمة اللّٰه مرتين، فإن قال السلام عليكم أو السلام أو سلام عليكم أو عليكم السلام أجزأه وكان تاركاً للسنة، وصرح في السراج بكراهة الأخير، اهـ.

قلت: تصريحه بذلك لاينافي كراهة غيره أيضًا مما خالف السنة. (ردالمحتار: ۱/۴۹۱، فصل في بيان تأليف الصلاة، مطلب في وقت إدراك فضيلة الافتتاح) **فقط واللّٰه أعلم بالصواب** (فتاویٰ رحیمیہ: ۸/۱۲۱) ☆

☆ نماز کے ختم پر ''سلام علیکم ورحمة اللّٰہ'' کہنا:

سوال: آج کل ایک معمول سا ہو گیا ہے کہ جب نماز ختم کرتے ہیں تو ''السلام علیکم ورحمة اللّٰہ'' کے بجائے ''سلام'' بغیر الف اور میم پر صرف پیش کے ساتھ، علیکم ورحمة اللّٰہ کہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم الف لام کا تلفظ تو کرتے ہیں، البتہ سننے میں یوں لگتا ہے کہ الف لام کا تلفظ نہیں ہو رہا ہے، نیز کہتے ہیں کہ یہاں الف لام حرف شمسی پر داخل ہے؛ اس لئے اتنی گنجائش نکل سکتی ہے، اس لئے معلوم طلب امور یہ ہیں کہ:

(۱) سلام کے ذریعہ نماز ختم کرنے کا مسنون ومقبول طریقہ کیا ہے؟

(۲) ''سلام علیکم ورحمة اللّٰہ'' کہنے سے نماز میں کمی واقع ہوتی ہے یا نہیں؟

(۳) ایسا کرنے والا جب کہ وہ اس پر مصر بھی ہو گنہگار ہوگا یا نہیں؟

(۴) کیا حروف شمسی پر الف لام داخل ہو تو اتنی تخفیف کی گنجائش ہے کہ مقتدی حضرات کو پتہ بھی نہ چلے؟

ھو المصوب

صورت مسئولہ میں خواہ امام ہو یا مصلی ہو یا منفرد، سنت طریقہ یہ ہے کہ کامل اور صاف طریقہ سے ''**السلام علیکم ورحمة اللّٰہ**'' کہے، اگر **السلام علیکم** کے بجائے **سلام علیکم** کہے گا تو سنت کو ترک کرنے والا ہوگا، اگرچہ نماز ہو جائے گی؛ لیکن اگر ایسا کرنے والا اسی پر مصر ہے تو گنہگار بھی ہوگا۔ ==

نماز کے سلام میں ''وبرکاته'' کا اضافہ:

سوال: نماز کے سلام میں ورحمة الله کے بعد وبرکاته کا اضافہ کیا جائے، تو کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

وبرکاته کا اضافہ متروک العمل ہے۔

(قوله السلام عليكم ورحمة الله)لم يقل وبركاته كما فى الهداية الاختلاف فيه،قال المظهر:فى شرح المصابيح:لفظ بركاته لم يرد فى سلام الصلاة،وفى السراج:وإنه لايقول وبركاته و صرح فى النووى بأنه بدعة وليس فيه شيء ثابت،ولكن يرده ما فى الحاوى القدسى من أنه مروى،وأيضًا قال أمير الحاج ردًا للنووى بأنها جاء ت فى سنن أبى داؤد من حديث وائل بن حجربإسناد صحيح.(حاشية الدررعلى الغرر: ۶۲/۱)(۱)

== ردالمحتار میں ہے:

(قوله هوالسنة)قال فى البحر:وهوعلىٰ وجه الأكمل أن يقول:السلام عليكم ورحمة الله مرتين،فإن قال السلام عليكم أوالسلام أوسلام عليكم أوعليكم السلام أجزأه،وكان تاركاً للسنة،وصرح فى السراج بكراهة الأخير.

قلت: تصريحه بذلك لاينافى كراهة غيره أيضًا مماخالف السنة.(رد المحتار: ۲۴۱/۲)(كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة،فصل فى بيان تأليف الصلاة،مطلب فى وقت إدراك فضيلة الافتتاح،انيس)

تحریر: محمد طارق ندوی۔ تصویب: ناصر علی ندوی۔ (فتاویٰ ندوۃ العلماء: ۷۸/۲-۷۹)

(۱) ... أن السنة فى السلام من الصلاة أن يقول:السلام عليكم ورحمة الله عن يمينه،السلام عليكم ورحمة الله عن شماله ولايسن زيادة وبركاته وإن قدجاء فيها حديث ضعيف وأشارإليها بعض العلماء ولكنها بدعة ولم يصح فيها حديث بل صح هذا الحديث وغيره فى تركها والواجب منه السلام عليكم مرة واحدة ولوقال السلام عليك بغير ميم لم تصح صلاته وفيه دليل على استحباب تسليمتين.(شرح النووى لمسلم،باب الأمر بالسكون فى الصلاة والنهى عن الإشارة باليد: ۱۵۳/۴،دارإحياء التراث الإسلامى بيروت)

عن علقمة بن وائل عن أبيه قال:صليت مع النبى صلى الله عليه وسلم فكان يسلم عن يمينه ''السلام عليكم ورحمةالله وبركاته''وعن شماله''السلام عليكم ورحمةالله''.(سنن أبى داؤد،باب فى السلام (ح: ۹۹۷)/ورواه ابن ماجة،باب التسليم (ح: ۹۱۴) /والبزار فى المسند،عن إبراهيم عن علقمة عن عبدالله (ح: ۱۵۷۴)/والنسائى فى السنن الكبرىٰ،كيف السلام على اليمين (ح: ۱۲۴۳)/وابن حبان،ذكر كيف التسليم الذى ينفتل المرء به من الصلاة (ح:۱۹۹۳)/وابن خزيمة،باب صفة السلام فى الصلاة (ح:۷۲۸) عن عبدالله بن مسعود)

قوله:(السلام عليكم ورحمة الله)زاد أبوداؤدمن حديث وائل:وبركاته،وأخرجها أيضا ابن حبان فى صحيحه من حديث ابن مسعود و كذلك ابن ماجة من حديثه، ==

(قـائلا السلام عليكم ورحمة اللّٰه)هو السنة،وصرح الحدادى بكراهة:عليكم السلام (و)أنه (لايـقول)هنا (وبركاته) وجعله النووى بدعة،ورده الحلبى، وفى الحاوى أنه حسن.(الدرالمختار مع الشامى: ٤٩١/١)(١)فقط واللّٰه أعلم بالصواب(فتاویٰ رحیمیہ:۲۹۹/۴)

☆☆☆

== قـال الـحـافـظ فى التلخيص:فيتعجب من ابن الصلاح حيث قال:إن هذه الزيادة ليست فى شىء من كتب الحديث إلا فى رواية وائل بن حجر وقدذكرالحافظ طرقاً كثيرةً فى تلقيح الأفكار تخريج الأذكار لما قال النووى:إن زيـادة وبـركـاتـه رواية فردة ثم قال الحافظ بعد أن ساق تلك الطرق: فهذه عدة طرق تثبت بها وبركاته،بخلاف ما يـوهـمـه كلام الشيخ إنها زيادة فردة،انتهٰى،وقد صح فى بلوغ المرام حديث وائل المشتمل على تلك الزيادة.(نيل الأوطار،باب الخروج من الصلاة بالسلام:٣٤٦/٢، دار الحديث مصر.انيس)

(١) كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة،فصل فى بيان تاليف الصلاة،مطلب فى وقت إدراك فضيلة الافتتاح،انيس

نماز کا اعادہ-احکام ومسائل

کیا ہر مکروہ تحریمی سے نماز کا اعادہ واجب ہے:

سوال: ہر مکروہ تحریمی فعل سے نماز کا اعادہ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب

مکروہ تحریمی فعل سے بیشک اعادہ نماز کا، واجب ہوتا ہے۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۱۵۶)

''کل صلاة أديت مع كراهية وجبت إعادتها'' کا محمل:

(ہر وہ نماز جو مکروہ کے ارتکاب کے ساتھ پڑھی گئی، اس کا لوٹانا مستحب ہے یا واجب؟)

سوال: فقہ کا اصول'' **كل صلاة أديت مع كراهية وجبت إعادتها** '' کا محمل کیا وقت کے ساتھ خاص ہے کہ وقت کے بعد بھی اعادہ ضروری ہے، جب کہ فتاویٰ محمودیہ:۲/۱۴۳، **تحفة الألمعي**: ۲/۶۰، ۱۰۱ پر لکھا ہوا ہے کہ وقت میں اعادہ واجب ہے اور وقت کے بعد مستحب ہے، برخلاف عمدۃ الفقہ: ۲/۳۴۱، مسائل امامت مدلل ''مفتی حبیب الرحمٰن خیرآبادی کی'' ۲۸۳، شامی مکتبہ دارالکتاب: ۲/۴۵۵ سے ۲/۴۵۸ تک کے خلاصہ سے یہ بات راجح سمجھ میں آتی ہے کہ وقت اور بعد الوقت اعادہ کرنا واجب ہے۔

تو حضرت سے گزارش ہے کہ برائے کرم اس تعارض کو دور کر کے شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں؟

الجواب حامدًا و مصليًا و مسلمًا

احسن الفتاویٰ کی چوتھی جلد میں ایک مستقل رسالہ ''**نيل السعادة بالاقتداء فى الصلاة المعادة**'' نامی شامل

---

(۱) وكذا كل صلاة أديت مع كراهة التحريم تجب إعادتها. (الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، باب صفة الصلاة، مطلب واجبات الصلاة: ۱/۴۲۵، ظفير)

وعن السرخسي من ترك الاعتدال تلزمه الإعادة ومن المشايخ من قال: تلزمه ويكون الفرض هو الثاني ولا إشكال في وجوب الإعادة إذ هو الحكم في كل صلاة أديت مع كراهة التحريم ويكون جابراً للأول لأن الفرض لا يتكرر، الخ. (فتح القدير، باب صفة الصلاة: ۱/۳۰۱، دار الفكر بيروت. انيس)

ہے، اس کے اخیر میں صاحبِ فتاویٰ تحریر فرماتے ہیں: بارہویں صدی ہجری کے مشہور فقیہ النفس حضرت مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں، مگر حقیقت یہ ہے کہ آپ کے فتاویٰ اور تحقیقاتِ فقہیہ میں آپ کے تبحر وتعمق کے مشاہدہ کے بعد واضح ہوتا ہے کہ آپ کی تحقیقات کا مطالعہ کئے بغیر آپ کا تعارف بہت ناقص، بلکہ کالعدم ہے، مسئلہ زیرِ بحث سے متعلق آپ کے دو فتوے نقل کئے جاتے ہیں:

سوال: بعد از خروجِ وقت جبرِ نقصان مستحب است یا واجب؟

جواب: ہر دو روایت است، **والأصح الوجوب كما في مسائل شتّٰى من شرح المنية.**

سوال: در جبرِ نقصانِ نمازِ مغرب و وتر اگر سہواً بر سہ رکعت نہ نشست، چہ کند؟ سہو دہد یا جبر باز گرداند۔

الجواب: باز گرداند۔ (بیاضِ ہاشمی قلمی جلد اول باب قضاء الفوائت: ۱۳۰، احسن الفتاویٰ: ۳۵۲/۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احمد خانپوری۔ ۱۵/رجب المرجب ۱۴۲۸ھ۔

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ الجواب صحیح: عبد القیوم راجکوٹی۔ (محمود الفتاویٰ: ۴۶۴/۱-۴۶۵)

مقتدی کا فرض یا واجب چھوٹ جانا:

سوال: اگر مقتدی کا کوئی واجب یا فرض جماعت میں غلبۂ نوم سے یا ضعف بصارت سے ترک ہو جاوے تو کیا اس مقتدی کو نماز کا اعادہ کرنا ہوگا؟

الجواب ـــــــــــــــ وباللہ التوفيق

ہاں مقتدی کو اعادہ کرنا ہوگا۔ (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دار العلوم دیوبند سہارنپور۔ (منتخبات نظام الفتاویٰ: ۳۱۲/۱-۳۱۳)

دو سجدوں کے درمیان جلسہ نہ کرنا موجب اعادہ صلاۃ ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص دو سجدوں کے درمیان جلسہ نہیں کرتا، یعنی صرف اشارہ کرتا ہے، کیا یہ نماز ہو جاتی ہے؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: مسعود صدیقی محلہ موچی پورہ کابلی گیٹ پشاور...... ۱۷/۲/۱۹۹۱ء)

---

(۱) **إن المؤتم لو قام ساهياً في القعدة الأولىٰ يعود ويقعد، لأن القعود فرض عليه بحكم المتابعة حتى قال في البحر: ظاهره أنه لو لم يعد تبطل صلاته لترك الفرض. (رد المحتار على الدر المختار: ١٦٦/٢) واجبات الصلاة: ٤٧١/١، دار الفكر. انيس)**

یعنی مقتدی پر اعادہ اس لیے واجب ہے کہ ان پر امام کی اتباع واجب ہے، یہی وجہ ہے کہ بعض علما نے عدم اتباع کی وجہ سے نماز کو باطل قرار دیا ہے۔ انیس

الجواب

جب جلسہ (سبحان اللہ) کہنے کی مقدار سے کم ہو تو نماز واجب الاعادہ ہوتی ہے۔(۱) وهو الموفق
(فتاویٰ فریدیہ:۲/۲۴۴)

تشہد، درود ودعا ترک کردے، تو نماز واجب الاعادہ ہوگی یا نہیں:

سوال: مقتدی نے آخر قعدہ میں التحیات اور درود شریف ودعا کچھ نہیں پڑھا اور امام کے ساتھ سلام پھیر دیا، اس صورت میں نماز قابل اعادہ تو نہ ہوگی؟

الجواب

اگر سہواً تشہد نہیں پڑھا تو اعادہ لازم نہیں اور اگر عمداً ترک کیا ہے تو نماز تو اس صورت میں بھی ہوگئی، مگر اعادہ لازم ہے؛ تاکہ ترک واجب عمداً سے جو خلل آ گیا ہے، وہ مرتفع ہو جاوے۔(۲)

۱۳/رمضان المبارک ۱۳۴۷ھ۔(امداد الاحکام:۲/۹۷)

سجدۂ سہو بھول جائے، تو نماز کے اعادہ کا کیا حکم؟

سوال (۱) فرض نماز یا سنت میں واجب وغیرہ کے چھوٹ جانے پر یا تعدیل ارکان، تقدیم وتاخیر کی صورت میں سجدۂ سہو لازم آتا ہے، اگر کوئی شخص بھول سے قصداً دونوں جانب سلام پھیر دیتا ہے اور سجدۂ سہو نہیں کرتا ہے تو کیا نماز کا اعادہ ضروری ہے یا نہیں؟ اگر اعادہ واجب ہے تو اس نماز کی نیت کیا ہوگی؟ اگر فرض کی نیت کرتا ہے تو پہلے والی نماز کیا ہوگی، نفل ہو جائے گی یا فرض؟

(۲) اگر فرض کی نیت کرتا ہے تو مسئلہ کے اعتبار سے جمعہ وعیدین میں سجدۂ سہو ساقط ہے، آخر کیوں وہ نماز مکمل نہیں ہوتی، اگر نہیں ہوتی تو دوبارہ لوٹانا جمعہ وعیدین میں ضروری ہوگا؟

(۳) دہرائی جانے والی نماز میں کوئی شخص شامل ہوگیا تو اس کی نماز ہو جائے گی یا نہیں؟

(۱) قال العلامة الحصكفي: (وتعديل الأركان) أي تسكين الجوارح قدر تسبيحة في الركوع والسجود، وكذا في الرفع منهما على ما اختاره الكمال. (الدر المختار)

قال ابن عابدين: لو تركها أو شيئًا منها ساهيًا يلزمه السهو ولو عمدًا يكره أشد الكراهة، ويلزمه أن يعيد الصلاة.

(رد المحتار هامش الدر المختار، باب صفة الصلاة، واجبات الصلاة، مطلب لا ينبغي أن يعدل عن الدراية الخ: ۳٤۲/۱)

(۲) (سجدتان بتشهد وسلام لترك واجب سجواً وإن تكرر وإن كان تركه) الواجب (عمداً أثم ووجب) عليه (إعادة الصلاة) تغليظاً عليه (لجبر نقصانها) فتكون مكملة وسقط الفرض بالأولى وقيل: تكون الثانية فرضاً فهي المسقطة (ولا يسجد في) الترك (العمد للسهو) لأنه أقوىٰ، الخ. (مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح، باب سجود السهو: ۱۷۸، المكتبة العصرية. انيس)

هو المصوب

(۱) کسی واجب کے سہواً ترک یا تعدیل ارکان نہ پائے جانے سے جو سجدۂ سہو واجب ہو جاتا ہے، اگر اسے بھی سہواً یا عمداً ادا نہ کیا تو نماز کا اعادہ ضروری ہے، اور یہ نماز پہلی نماز کی کمی اور نقصان کی تلافی کے لئے ادا کی جائے گی۔

علامہ حصکفی نے در مختار میں صراحت کی ہے:

(ولها واجبات) لاتفسد بتركها... والمختار أنه جابر للأول. (الدر المختار مع الرد: ۱٤۸/۲)(۱)

عبارت بالا کا حاصل یہ ہے کہ واجبات نماز کے ترک سے سجدہ سہو واجب ہو جاتا ہے، لیکن نماز فاسد نہیں ہوتی ہے، لہٰذا اگر کسی نے سجدہ سہو نہیں کیا اور سلام پھیر دیا تو نماز کا اعادہ واجب ہے، اعادہ نہ کرنا فسق ہے، البتہ دوسری بار جو نماز پڑھی جائے گی، اس میں اعادہ کی نیت ہوگی۔

(۲) جمعہ وعیدین میں سجدہ سہو کا نہ ہونا فتنہ سے بچنے کے لئے ہے، ان نمازوں میں عوام الناس کی بڑی کثرت ہوتی ہے اور ایک بھیڑ ہوتی ہے، اگر سجدۂ سہو کیا جائے تو لوگوں کی نماز فاسد اور خراب ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے، لہٰذا اس حکمت کے پیش نظر سجدۂ سہو ادا نہیں کیا جاتا ہے۔ فتاویٰ ہندیہ میں صراحت ہے:

إن مشائخنا قالوا: لايسجد للسهو في العيدين والجمعة لئلا يقع الناس في فتنة. (الفتاوى الهندية: ۱۲۸/۱)(۲)

معلوم ہوا کہ اصل فرضیت پہلی والی نماز سے ادا ہو جائے گی، اعادہ کا وجوب محض نقصان کی تلافی کے لئے ہے اور جمعہ وعیدین میں اس تلافی میں دقت ہے اور لوگوں کے فتنہ میں پڑنے کا اندیشہ رہتا ہے، اس لئے نماز ہو جائے گی۔

(۳) دہرائی جانے والی نماز میں شریک ہونے والے کی نماز فرض ادا نہ ہوگی؛ کیونکہ یہ اصلاً فرض نہیں ہے، بلکہ فرض کے اتمام اور اس کے نقصان کی تلافی کے لئے ہے۔ جیسا کہ علامہ حصکفی نے صراحت کی ہے:

والمختار أنه جابر للأول. (الدر المختار مع رد المحتار: ۱٤۸/۲)(۳)

تحریر: محمد ظفر عالم ندوی۔ تصویب: ناصر علی ندوی۔ (فتاویٰ ندوۃ العلماء: ۲/۱۷۔۷۲)

☆☆☆

(۱-۳) **باب صفة الصلاة، واجبات الصلاة: ٤٥۷/۱ وكذا في فتح القدير، باب صفة الصلاة: ۳۰۱/۱، دار الفكر بيروت. انيس**

(۲) **الباب الثاني عشر في سجود السهو**

(قوله: لايسجد للسهو في الجمعة والعيدين) أي لدفع الفتنة بعدم علم الجميع به وفساد صلاة من لم يتابع الإمام عند من يراه. (حاشية الشربلالي، على درر الحكام شرح غرر الحكام، سجود السهو في صلاة النفل: ۱٥٤/۱، دار إحياء الكتب العربية. انيس)

سنن نماز
قیام، تکبیر تحریمہ وغیرہ کے مسائل

سنت کی تعریف اوراس کا حکم:

سوال: آپ نے ترک سنت کے مسئلہ کے جواب میں دوحدیثیں تحریر فرمائی ہیں، مگر ہم لوگ ناخواندہ ہیں، براہ کرم ان پر اعراب اور ترجمہ تحریر فرمادیا جائے؟

الجواب ـــــــــــــــــــ حامداًو مصلیًا

یہ طحطاوی علی مراقی الفلاح کی عبارت ہے جس میں سنت کی تعریف کی گئی ہے:

" ترک السنة لایوجب فساداً ولاسھواً، بل إساءةً لوعامداً غیرمستخف... حکم السنة أنه یندب إلیٰ تحصیلھا، ویلام علیٰ ترکھا مع لحوق إثم یسیر". (۱)

مطلب یہ ہے کہ سنت کا جان بوجھ کر چھوڑ نا بُرا ہے، اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی نہ سجدہ سہو لازم ہوتا ہے، مگر اس کو بھی ہلکا نہیں سمجھنا چاہئے، سنت پر عمل کرنے کی ترغیب دی جائے اور جو ترک کرے وہ قابل ملامت ہے اور اس کا گناہ ہوگا، لیکن ترک فرض سے کم ہوگا۔ **"کما فرغ من التکبیر للإحرام، بلا إرسال"** (۲) یعنی جیسے ہی تکبیر تحریمہ سے فارغ ہوتو بغیر ہاتھ چھوڑے ہوئے ہاتھ باندھ لے، بعض آدمی کانوں تک ہاتھ اٹھانے کے بعد ہاتھ پہلے لٹکا دیتے ہیں پھر باندھتے ہیں ایسا نہ کریں۔ فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔ ۱۸/۴/۱۳۸۷ھ

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۴/۱۳۸۷ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۶۴۴/۵)

(۱) حاشیة الطحطاوی علیٰ مراقی الفلاح، کتاب الصلاة، فصل فی بیان سننھا: ۲۵۶، قدیمی

حکم السنة ھو الإتباع فقد ثبت بالدلیل أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم متبع فیما سلک من طریق الدین قولاً وفعلاً وکذلک الصحابة بعده وھذا الإتباع الثابت بمطلق السنة خالٍ عن صفة الفرضیة والوجوب إلا أن یکون من أعلام الدین فإن ذلک بمنزلة الواجب فی حکم العمل علی ماقال مکحول رحمه الله: السنة سنتان، سنة أخذھا ھدی وترکھا ضلالة وسنة أخذھا حسن وترکھا لا بأس به، فالأول نحو صلاة العید والأذان والإقامة والصلاة بالجماعة ولھذا لو ترکھا استوجبوا اللوم والعتاب ولو ترکھا أھل بلدة وأصروا علی ذلک قوتلوا علیھا لیأتوا بھا والثانی نحوما نقل من طریقة رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم فی قیامه وقعوده ولباسه ورکوبه ==

نمازی کے قدموں کے درمیان فاصلہ:

سوال: نمازی کے قدموں کے درمیان کس قدر فاصلہ ثابت ہے؟ خواہ جماعت میں ہو یا علاحدہ ہو؟

الجواب

درمیان دونوں قدموں مصلی کے فاصلہ بقدر چہار انگشت چاہئے ۔(۱) (تالیفات رشیدیہ:۲۶۱-۲۶۰)

قیام میں دونوں قدم کے درمیان فاصلہ رکھنا کیسا ہے:

سوال: نماز میں قیام کی حالت میں درمیان دونوں پیروں کے چار انگشت فرق رکھنا کیسا ہے، اگر کم وبیش ہوجاوے تو نماز میں کچھ خلل تو نہ ہوگا؟

الجواب

فقہا نے لکھا ہے کہ چار انگشت کا فاصلہ پیروں میں بحالت قیام رکھنا بہتر ہے اگر کچھ کم وبیش ہوگیا تو نماز صحیح ہے کچھ کراہت نہیں ۔شامی جلداول:

" وينبغي أن يكون بينهما مقدار أربع أصابع اليد لأنه أقرب إلى الخشوع"،إلخ.(شامی)(۱)

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۱۵۳)☆

==   وسننه في العبادات متبوعة أيضاً فمنها مايكره تركها ومنها مايكون مسيئاً ومنها مايكون المتبع لها محسناً ول ايكون التارك مسيئاً وعلى هذا تخرج الألفاظ المذكورة في الأذان من قوله:يكره،وقد أساء،ولا بأس به، الخ.(أصول السرخسي،فصل في بيان المشروعات من العبادات وأحكامها:١/١١٤-١١٥،دارالمعرفة بيروت.انيس)

العبارة بأسرها:"ويسن وضع الرجل يده اليمنٰى كما فرغ من التكبيرللإحرام،بلا إرسال،ويضع في كل قيام من الصلاة،الخ".(حاشية الطحطاوي علٰى مراقي الفلاح،فصل في بيان سننها:٢٥٨،قديمي)

حاشية صفحه هذا:

(۱) وينبغي أن يكون بين رجليه حالة القيام قدر أربع أصابع، وقال الطحاوي:في المقارنة وهو الصحيح.(فتح القدير،باب صفة الصلاة:١/٢٩٦،دارالفكر بيروت،انيس)

(۲) رد المحتار،باب صفة الصلاة،بحث القيام :١/٤١٤،ظفير

☆ **قیام میں دو پیروں کے درمیان فاصلہ:**

سوال: حالت قیام میں دونوں پیروں کے درمیان کتنا فاصلہ ہونا چاہئے؟

الجواب وباللّٰہ التوفیق

بہتر یہ ہے کہ دونوں پاؤں کے درمیان چار انگلی کے بقدر فاصلہ ہو،اگر اس سے کم یا زیادہ کا فاصلہ رہا تب بھی نماز بلا کراہت درست ہوگی۔ ==

قیام میں پاؤں کے درمیان فاصلہ:

سوال: نماز کے قیام میں دونوں پاؤں کے درمیان کتنا فاصلہ ہونا چاہیے؟ اور کیا یہ فاصلہ واجب ہے یا سنت ہے یا مستحب ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــ باسم ملهم الصّواب

تقریباً چار انگل کا فاصلہ رکھنا مستحب ہے اور دونوں پاؤں کو بالکل سیدھا رکھنا کہ انگلیاں قبلہ کی طرف سیدھی ہوں، سنت ہے۔

قال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: وينبغي أن يكون بينهما مقدار أربع أصابع اليد لأنه أقرب إلىٰ الخشوع، هٰكذا روى عن أبى نصر الدبوسى أنّه كان يفعله، كذا فى الكبرىٰ. (رد المحتار: ٤١٤/١)

وفى التنوير: ويستقبل بأطراف أصابع رجليه القبلة ويكره إن لم يفعل.

وقال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: كذا فى التجنيس لصاحب الهداية وقال الرملى فى حاشية البحر: ظاهره أنّه سنّة وبه صرّح فى زاد الفقير، آهـ. (رد المحتار: ١/٤٧٠)(١)**فقط والله تعالىٰ أعلم**

۴/ذی قعدہ ۱۳۹۹ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ۴۱/۳) ☆

قیام کی حالت میں قدموں کے برابری کا حکم:

سوال: الہادی بابت جمادی الثانی ۱۳۴۵ھ، جلد: ۲، صفحہ: ۲۰۲، سطر: ۸ میں ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے حوالہ دیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تاکید سے سب لوگ صف کو

== **"وينبغي أن يكون بينهما مقدار أربع أصابع اليد لأنه أقرب إلى الخشوع.** (رد المحتار، باب صفة الصلاة، بحث القيام: ١٣١/٢)**فقط والله تعالىٰ أعلم**

محمد جنید عالم ندوی قاسمی ۔ ۲۴/۳/۱۴۰۸ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۳۸۹/۲)

(١) **(و) من السنن (توجيه أصابع رجليه إلى القبلة).** (إسعاف المولىٰ القدير شرح زاد الفقير: ٦٣، مخطوطة جامع الملك سعود، انيس)

☆ **قدمین کے درمیان فاصلہ:**

سوال: حالت نماز میں پہلی رکعت میں دونوں پیروں کے درمیان فاصلہ چھ انگل تھا اور دوسری رکعت میں وہ فاصلہ چار انگل رہ گیا، تو اس صورت میں نماز میں تو کوئی خرابی لازم نہیں آتی؟

الجواب ــــــــــــــــ حامداً ومصليًا

کوئی خرابی نہیں مگر چار انگل کا فصل مستحب ہے۔ (**"وينبغي أن يكون بينهما مقدار أربع أصابع اليد؛ لأنه أقرب إلى الخشوع".** (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، بحث القيام: ٤٤٤/١، سعيد) (فتاویٰ محمودیہ: ۵۷۶/۵)

سیدھا کرتے تھے، پس ہم میں سے ہر ایک اپنے مونڈھے کو اپنے برابر کے مونڈھے سے ملاتا تھا اور اپنے قدم کو اس کے قدم سے،(۱) اس کے علاوہ بھی بہت تاکید لکھی ہوئی ہے، مگر ہم ہر جگہ دیکھتے ہیں اس کا نہ تو کوئی خیال ہی کرتا ہے اور نہ ہمارے علما کبھی تاکید کرتے ہیں، اگر کوئی بہت محتاط عالم کبھی تاکید بھی کرتے ہیں، تو اس سے زیادہ نہیں کہ مونڈھے سے مونڈھا ملالو قدم کا ذکر کبھی نہیں سنا۔

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــــــ

کیا یہ بھی لکھا ہے کہ وہ اخیر تک ملا رہتا تھا؟ کیا یہ ممکن نہیں کہ صف سیدھا کرنے کے لئے قدم کو قدم سے ملا کر دیکھتے ہوں، پھر اپنی حالت پر چھوڑ دیتے ہوں؟ خلاصہ میرے سوال کا یہ ہے کہ محاذات یا الزاق جو حدیثوں میں آیا ہے اس کا مدلول لغوی محاذات یا الزاق کا حدوث ہے یا ان کا بقا۔(۲)

۲۷ر صفر ۱۳۵۱ھ (النور: ۱۰ر شوّال المکرّم ۱۳۵۱ھ) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱ر۲۱۵)

حالت قیام میں کھڑے ہونے کی کیفیت:

سوال: نمازی کو حالت قیام میں سیدھا کھڑا ہونا چاہئے، یا آگے کی طرف سر جھکا کر کھڑا ہونا چاہئے؟ اگر سر جھکانے کا حکم ہے تو کتنی مقدار جھکائے؟ ایک عالم صاحب حضرت گنگوہیؒ کے حوالہ سے فرماتے ہیں کہ حالت قیام میں آگے کی طرف سر اتنا جھکانا چاہئے کہ سر قدم کے محاذات سے آٹھ انگلیوں کی مقدار آگے بڑھ جائے، کمر سے جھکانا شروع کرتے ہیں اور سر آٹھ انگلیوں کی مقدار قدم سے بڑھاتے ہیں، یہ کیسا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیًا

اس کا حوالہ دیا جائے کہ مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے کس کتاب میں لکھا ہے، ان کی عبارت نقل کی جائے، تب اس میں غور کیا جاسکے گا۔(۳) فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔ ۳ر۶ر۱۳۹۰ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵ر۵۷۶)

(۱) عن أنس بن مالك عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: أقيموا صفوفكم فإني أراكم من وراء ظهري وكان أحدنا يلزق نكبيه بمنكب صاحبيه وقدمه بقدمه. (الصحيح للبخاري، باب إلزاق المنكب بالمنكب والقدم بالقدم في القيام (ح: ۷۲۵) انیس)

(۲) یعنی بقا کی کوئی دلیل ہے نہیں اور فقط حدوث سے اس کا سنّت ہونا ثابت نہیں ہوتا ہے۔ سعید

(۳) کتب فقہ میں قیام کی یہ صورت لکھی ہے کہ اس طرح کھڑا ہو کہ ہاتھ سے گھٹنے نہ چھوائے۔

(ومنها القيام) بحيث لو مد يديه لا ينال ركبتيه. (الدر المختار، باب صفة الصلاة: ۶۲/۱، دار الكتب العلمية بيروت)

تکبیر تحریمہ کے وقت بھی فقہاء کرام نے جھکنے سے فرمایا ہے۔

ولا يطأطىء رأسه عند التكبير. (المبسوط للسرخسي، كيفية الدخول في الصلاة: ۱۲/۱، دار المعرفة بيرات. انيس)

ایک نمازی کا دوسرے نمازی کے قدموں کے درمیان فاصلہ:

سوال: درصورت جماعت ایک نمازی سے دوسرے نمازی کو کتنا فاصلہ ہونا چاہئے؟ زید کہتا ہے کہ فاصلہ درمیان قدموں کے چار انگشت ہونا چاہئے اور یہ امر کتب فقہ سے مستفاد کب ہوتا ہے؟ چنانچہ مفتاح الصلوٰۃ میں لکھا ہے:

''می باید کہ وقت قیام فرق درمیان ہر دو قدم چہار انگشت باشد، فقط''۔(۱)

اور عمرو کہتا ہے کہ ہرگز نہیں بلکہ ایک مصلی دوسرے سے مونڈھے سے مونڈھا اور قدم سے قدم ملائے رکھے؛ تاکہ اتصال حقیقی پیدا ہوجائے؛ کیوں کہ صف کے ملانے کو اور شگاف ودراز بند کرنے کو تاکیداً فرمایا گیا ہے اور یہ امر جب تک مونڈھے سے مونڈھا اور قدم سے قدم نہ ملایا جائے گا ہرگز پیدا نہ ہوگا۔

چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے!

''أقیموا صفوفکم فإنی أراکم من وراء ظهری وکان أحدنا یلزق منکبه بمنکب صاحبه وقدمه بقدمه'' انتہٰی. (۲)

اور یہ حدیث صریح غیر معارض ہے اور کسی ائمہ دین سے اس کا خلاف مروی نہیں ہے کہ انہوں نے معنی حقیقی کو چھوڑ کر بلا وجہ معنی مجازی لئے ہوں اور حدیث صحیح صریح غیر معارض بلا منسوخ اپنے معنی حقیقی پر واجب العمل ہوتی ہے، بالاتفاق تمام اہل علم کے حالانکہ تمام خواص وعوام اس کے خلاف پر عمل کرتے ہیں، یہ تقریر عمرو کی ہے۔

لہٰذا جواب مدلل عندالتحقیق ارقام فرمایا جاوے کہ زید وعمرو میں کون صحیح کہتا ہے اور عمل کس طرح پر ہونا چاہئے؟

الجواب

اقامت صف کی حالت میں اتصال حقیقی ممکن نہیں ہے اور حدیث شریف میں سد فرجات وخلل کا حکم آیا ہے؛ حالانکہ اگر پاؤں چکرا کر کھڑے ہوں گے تو دونوں پاؤں کے درمیان ایک وسیع فرجہ پیدا ہوجائے گا، پس اس حالت میں حدیث شریف کے معنی یہی ہوئے کہ مقابلہ اور محاذات مناکب اور کعاب کا فوت نہ ہونا چاہئے۔

چنانچہ حدیث شریف ابوداؤد میں یہ تصریح موجود ہے:

''إن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قال: أقیموا الصفوف، وحاذوا بین المناکب، وسدوا الخلل، ولا تذروا فرجات للشیطان''، انتہٰی. (۳)

---

(۱) چاہئے کہ قیام کے وقت دونوں قدموں کے درمیان چار انگلی کا فاصلہ رہے۔

(۲) اپنی صفوں کو ٹھیک کرو کیونکہ میں تم کو اپنی پشت کے پیچھے سے دیکھتا ہوں اور ہم میں سے ہر ایک اپنے مونڈھے کو اپنے ساتھی کے مونڈھے سے ملا لیتا تھا اور اپنے قدم کو اس کے قدم سے۔

أخرجه البخاری، باب إلزاق المنکب بالمنکب والقدم بالقدم فی القیام (ح:۷۲۵) انیس

(۳) کتاب الصلاة، باب تسویة الصفوف، حدیث نمبر ۶۶۶، دار ابن حزم، انیس)

==

پس اس سے ظاہر ہے کہ الزاق اور الصاق سے مراد محاذات ہی ہے، (۱) نہ (کہ) الصاق والزاق حقیقی، ورنہ ادائے ارکان نماز سے سخت دشواری پیش آوے گی، (۲) مگر معنی حقیقی مراد نہ ہونے سے یہ لازم ہونا کہ مل کر نہ کھڑے ہوں، ہرگز نہیں، (۳) اور وہ فرجات جو عوام بلکہ خواص پر بھی اس کے الصاق سے غفلت ہے مکروہ تحریمہ ہے۔ (۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(تالیفات رشیدیہ: ۲۶۱-۲۶۰)

ایک مقتدی کا دوسرے مقتدی سے پیر ملانا کیسا ہے:

سوال: پیر جوڑنا کہ داہنے مقتدی کا بایاں پیر بائیں مقتدی کے داہنے پیر سے مل جاوے، اس سے نماز فاسد ہوتی ہے، یا نہیں؟

الجواب

نماز تو اس سے فاسد نہیں ہوتی، مگر یہ فعل ان کا خلاف سنت ہے۔ (۵) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۳/۳۴۳-۳۴۴)

== ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صفوں کو ٹھیک کرو اور مونڈھوں کو مقابلہ میں رکھو اور خلا کو بند کر دو اور شیطان کیلئے کھلی جگہ نہ چھوڑو۔

(۱) (قوله: حاذوا) أى ساووا (قوله: وسدوا الخلل) أى الثلمة والفرجة. (شرح أبى داؤد للعينى، باب تسوية الصفوف: ۲۱۷/۳، مكتبة الرشد الرياض. انيس)

(۲) (... عن عمر بن الخطاب كان يأمر بتسوية الصفوف فإذا جاء فأخبره أن قد استوت كبر) ... والمراد: تعديل الصفوف لتكون على سمت واحد والمقياس فى هذا المناكب والأقدام فإذا تساوت المناكب وتساوت الأقدام هذه هى التسوية وإلا فقد يكون الشخص نضوا الخلقة جحيفاً وبجانبه شخص ممتلىء الجسم يساويه بإمامه وإلا بآخره ؟وإن تساوى معه فى مقدمته تأخر عنه، تأخرعن الصف وإن ساواه بمأخرته تقدم عن الصف فالمنظور إليه والمراد هو المناكب والأقدام يبقى أنه قديطلع مثل اليدين شىء منه قدام وشىء خلف، هذا أمر غيرمقدور عليه، ولا ينظر إليه ولا يرتب عليه الحكم إنما المطلوب التسوية والمحاذات فى المناكب والأقدام. (شرح الموطأ لعبدالكريم الخضير، باب تسوية الصفوف: ۲۵/۱۳. انيس)

(۳) وينبغ للقوم إذا قاموا إلى الصلاة أن يتراصوا ويسدوا الخلل ويسوا بين مناكبهم فى الصفوف ولابأس أن يأمهم الإمام بذلك، الخ. (تبيين الحقائق، باب صفة الصلاة: ۱۳۶/۱، دارالكتب الإسلامى بيروت. انيس)

(۴) قلت: مراده عندالفقهاء الأربعة أن لايترك فى البين فرجة تسع فيها ثالثاً بقى الفصل بين الرجلين. (فيض البارى، باب إلزاق المنكب بالمنكب: ۳۰۲/۲، دارالكتب العلمية بيروت. انيس)

(۵) وماروى أنهم ألصقواالكعاب بالكعاب أريد به الجماعة: أى قام كل واحد بجانب الأخر. (ردالمحتار، باب صفة الصلاة، بحث القيام: ۴۱۴/۱، ظفير)

والمراد من قوله: ألصقوا الكعاب بالكعاب إجتماعهما. (البناية شرح الهداية: ۲۱۹/۲، دارالكتب العلمية. انيس)

☆ **جماعت میں ایک مقتدی کا دوسرے سے پیر ملا کر کھڑا ہونا کیا ضروری ہے:**

سوال: غیر مقلد جماعت میں پاؤں ایک دوسرے سے ملاتے ہیں اور حدیث سے استنباط کرتے ہیں، حنفیہ کے نزدیک کیا حکم ہے؟ ==

جماعت میں مونڈھا ملا کر مقتدی کھڑے ہوں یا پاؤں ملا کر:

سوال: نماز میں مقتدی مونڈھے سے مونڈھا تو لگا کر کھڑے ہوتے ہیں، مگر ایک صاحب فرماتے ہیں کہ پاؤں سے پاؤں بھی ملانا چاہئے۔ آیا حنفی مذہب میں اس کا حکم ہے یا نہیں؟

الجواب

حدیث شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مونڈھوں کو ملانے کا اور صفوف کو برابر کرنے کا حکم فرمایا ہے اور ٹخنوں کو ایک سیدھ میں کرنے کا حکم ہے، اس سے غیر مقلدوں نے ٹخنہ سے ٹخنہ ملانے کا حکم سمجھ لیا ہے، یہ بظاہر ان سے غلط فہمی ہوئی ہے اور اصل یہ ہے کہ مونڈھوں کے ملانے کا حکم صحیح حدیث میں وارد ہوا ہے، لہٰذا یہ سنت ہے اور جبکہ جملہ آدمی مونڈھے ملا دیں گے تو سب کے ٹخنے نہیں مل سکتے، جیسا کہ تجربہ اس پر شاہد ہے۔ اس لئے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین سے تو الصاق کعاب منقول ہے، اس کے معنیٰ برابر اور سیدھا کرنے کے ہیں؛ یعنی تمام صف کے آدمی ایک سیدھ میں ہوں، نہ یہ کہ قدم اور ٹخنہ آگے پیچھے ہوں۔ (۱) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۳/۳۵۴-۳۵۵) ☆

==

الجواب

غیر مقلد غلط سمجھتے ہیں، صرف محاذاۃ اقدام واکتاف وغیرہ کا حکم ہے، یہی حنفی بھی کہتے ہیں۔ (وما روی أنهم ألصقوا الكعاب بالكعاب أريد به الجماعة: أي قام كل واحد بجانب الآخر، (رد المحتار، باب صفة الصلاة، بحث القيام: ۴۱۴/۱، ظفير) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۳/۳۵۳)

(۱) عن النعمان بن بشير قال: كان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يسوى صفوفنا حتىٰ كأنما يسوى بها القداح، حتىٰ رأى أنا قدعقلنا عنه، ثم خرج يوماً فقام حتىٰ كاد أن يكبر، فرأى رجلاً بادياً صدره من الصف، فقال: "عباد اللّٰه ! لتسوّن صفوفكم، أوليخالفن اللّٰه بين وجوهكم". رواه مسلم. (مشكوة، باب تسوية الصف، الفصل الأول: ۱۷، رقم الحديث: ۱۰۸۵)/ الصحيح لمسلم، باب تسوية الصفوف وإقامتها وفضل الصف الأول (ح: ۴۳۶)/ مسند أبى داؤد الطيالسى، النعمان بن بشير (ح: ۸۲۷)/ مسند الإمام أحمد بن حنبل، حديث النعمان بن بشير (ح: ۱۸۳۸۹)/ الصحيح للبخارى، باب تسوية الصفوف عند الإقامة وبعدها (ح: ۷۱۷)/ مسند البزار، مسند النعمان بن بشير (ح: ۳۲۱۵) انیس)

وعن أبى مسعود الأنصارى ... قال: كان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يمسح مناكبنا فى الصلاة ويقول: استووا. (مشكوة، باب تسوية الصف، الفصل الأول: ۱۷، رقم الحديث: ۱۰۸۵)/ الصحيح لمسلم، باب تسوية الصفوف وإقامتها و فضل الصف الأول (ح: ۴۳۲)/ مسند الإمام أحمد، بقية حديث أبى مسعود الأنصارى (ح: ۱۷۱۰۲)/ الصحيح لابن خزيمة، باب الأمر بتسوية الصفوف قبل تكبير الإمام (ح: ۱۵۴۲)/ مسند السراج، باب فى تسوية الصفوف فى الصلاة (ح: ۷۶۵) انیس)

وماروى أنهم ألصقوا الكعاب بالكعاب أريد به الجماعة: أي قام كل واحد بجانب الآخر. (رد المحتار، باب صفة الصلاة، بحث القيام: ۴۱۴/۱، ظفير)

==

مردوں کے لئے ٹخنوں سے ٹخنے ملانے کا حکم:

سوال: بہشتی زیور حصہ دوم میں فرض نماز پڑھنے کے طریقے کے بیان میں درج ہے کہ رکوع میں دونوں ہاتھ کی انگلیاں ملا کر گھٹنوں پر رکھ دے اور دونوں باز و خوب ملائے رہے اور دونوں پیر کے ٹخنے بالکل ملا دیوے۔ دو اول الذکر امور میں مردوں کے لئے جو اختلاف ہے وہ تو اسی صفحہ میں درج ہے آخر الذکر امر میں کوئی اختلاف درج نہیں فرمایا گیا ، پس دریافت طلب یہ ہے کہ کیا مردوں کو بھی دونوں پیر کے ٹخنے بالکل ملا دینا چاہئے اس کی بابت بہشتی گوہر میں بھی کچھ تذکرہ نہیں؟

(۱) عورتوں کو تکبیر تحریمہ کے وقت سے دونوں پیر کے ٹخنے ملانا چاہئے یا صرف رکوع کے وقت؟

(۲) مردوں کو اگر دونوں پیر کے ٹخنے نہ ملانا چاہئے تو دونوں پیروں میں کتنا فاصلہ رہنا چاہئے؟

الجواب

(۱) ٹخنوں کو رکوع میں ملانے کے متعلق فقہا کے کلام میں عموم پایا جاتا ہے یعنی مردوں کے لئے بھی الصاق کعبین کو لکھا ہے، (۱) مگر حدیث میں کہیں نہیں دیکھا گیا، لہٰذا ملانے میں بناء علی الروایات الفقہیہ اور نہ ملانے میں بناء علی عدم النقل فی الاحادیث دونوں میں گنجائش ہے۔

(۲) قیام کی حالت میں ٹخنے ملانا نظر سے نہیں گذرا۔

== ☆ ''إلصاق كعبين'' کا مطلب کیا ہے:

سوال: ''اِلصاق الکعبین'' یعنی ایک پیر کا ٹخنہ دوسرے پیر کے ٹخنہ سے ملانا مراد ہے یا محاذاۃ میں رکھنا؟ غرض ''اِلصاق الکعبین'' کا کیا مطلب ہے اور کیا مراد ہے؟

الجواب

شامی، باب صفة الصلوٰة، میں یہ عبارت بھی موجود ہے جس سے مطلب الصاق الکعبین کا حاصل ہوجاتا ہے:

وينبغي أن يكون بينهما مقدار أربع أصابع اليد لأنه أقرب إلى الخشوع، هٰكذا روى عن أبى نصر الدبوسى أنه كان يفعله، كذا فى الكبرىٰ. وماروى أنهم ألصقوا الكعاب بالكعاب أريد به الجماعة: أى قام كل واحد بجانب الأخر، كذا فى فتاوٰى سمرقند، الخ. (ردالمحتار، باب صفة الصلوٰة، بحث القيام: ۱/ ٤١٤، ظفير)

پس ہوسکتا ہے کہ مراد ''الصاق کعبین'' سے محاذات میں رکھنا ایک کعب کا دوسرے کعب سے ہو، جیسا کہ الصاق کعب بالکعب مقتدیوں کے بارہ میں آثار صحابہ میں وارد ہے۔ فقط (فتاوٰی دارالعلوم دیوبند: ۳/ ۳۵۷-۳۵۸)

(۱) اس جواب سے رجوع فرمالیا گیا ہے جو اگلے سوال پر آرہا ہے بہشتی زیور (۲/ ۱۷) کے حاشیہ میں ہے، گو درمختار میں یہ حکم مطلق ہے، مگر قواعد سے یہ حکم عورتوں کے لئے مخصوص معلوم ہوتا ہے: لكونه أسترلهن وورود أمر الضم ومثله لهن، باقی مردوں کے لئے یہ حکم نہیں، وہ ٹخنے جدا رکھیں۔ كما يظهر من كلام الطحاوى فى معانى الآثار، ص: ١٣٦، سطر: ۱، جلد: ۱۔ سعید احمد

(۳) جس حالت میں ٹخنے نہیں ملائے جاتے جیسے قیام میں اس میں بمقدار چار انگل ہاتھ کے فاصلہ رکھنا چاہئے۔

فی رد المحتار، بحث القیام:

وینبغی أن یکون بینهما (أی بین القدمین) مقدار أربع أصابع الید لأنه أقرب إلی الخشوع، هٰکذا روی عن أبی نصر الدبوسی أنه کان یفعله، کذا فی الکبریٰ. (الدر المختار: ۴۴۴/۱)(۱)

۲/ربیع الثانی ۱۳۴۲ھ۔ (تتمہ خامسہ: ۲۵۶)

سوال: بعد از ابدائے سلام مسنون بصد نیاز عارض مدعا ام کہ در النور بابتہ ماہ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۲ھ صفحہ: ۱۳ درجواب سوال الصاق کعبین تحریر فرمودہ اند کہ!

''فقہاء کے کلام میں عموم پایا جاتا ہے، مگر حدیث میں کہیں نہیں دیکھا۔ لہٰذا ملانے نہ ملانے دونوں میں گنجائش ہے'' انتہٰی ملتقطاً۔

اور مولانا عبدالحی مرحوم در سعایہ بریں مسئلہ بہ بسط تام بحث فرمودہ وآخر کار فرمودہ کہ!

''مراد فقہاء از الصاق محاذات احدی الکعبین است بالآخر نہ الصاق حقیقی''۔

نیز فرمودہ کہ امام کسانیکہ الصاق آوردہ زاہدی ست ونسبت زاہدی در نافع الکبیر وفوائد بہیہ نوشتہ اند:

''وإن کان إمامًا جلیلاً فی الفقه لکنه متساهل فی نقل الروایات وأیضًا هو معتزلی الاعتقاد حنفی الفروع، قال صاحب رد المحتار فی تنقیح الفتاویٰ الحامدیة (۲) فی کتاب الإجارة: الحاوی الزاهدی مشهور بنقل الروایات الضعیفة، ولهٰذا قال ابن وهبان وغیره أن لاعبرة بما یقوله الزاهدی مخالفًا لغیره، انتهٰی ملخصاً.

معروض خدمت بابرکت آن ست کہ کدام از سعایہ والنور صحیح تر است براہ کرم تشفی فرمودہ باشند۔ (۳)

---

(۱) کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، بحث القیام: ۴۴۴/۱، دار الفکر بیروت. انیس

(۲) العقود الدریة فی تنقیح الفتاویٰ الحامدیة، کتاب الإجارة: ۱۲۷/۲، دار المعرفة بیروت/ وکذا فی ردالمحتار، باب الکنایات: ۳۰۸/۳، دار الفکر بیروت. انیس

(۳) خلاصہ سوال: الصاق کعبین کے سوال کے جواب میں النور میں لکھا گیا ہے کہ فقہا کے کلام میں عموم پایا جاتا ہے، الخ۔

اور مولانا عبدالحی صاحب سعایہ (۱۸۰/۲-۱۸۲) میں اس مسئلہ پر مفصل بحث فرما کر لکھتے ہیں کہ الصاق سے فقہا کی مراد محاذات ہے، الصاق حقیقی مراد نہیں ہے۔ نیز یہ بھی فرمایا ہے کہ! الصاق کا تذکرہ زاہدی نے مجتبیٰ میں کیا ہے، (اور انہی سے بعد کے تمام فقہا نقل کرتے رہے ہیں) اور زاہدی کے متعلق النافع الکبیر اور الفوائد البہیہ میں لکھا ہے کہ! وہ فقہ میں عظیم المرتبت امام تھے؛ لیکن نقل روایات میں متساہل تھے، نیز وہ عقیدۃً معتزلی تھے اور علامہ شامی نے تنقیح الفتاوی الحامدیہ میں لکھا ہے کہ زاہدی کی الحاوی روایات ضعیفہ نقل کرنے میں مشہور ہے، جس کی وجہ سے ابن وہبان وغیرہ فرماتے ہیں کہ زاہدی کا جو قول دیگر فقہا کے خلاف ہو، اس کا اعتبار نہیں، لہٰذا معروض اینکہ النور اور سعایہ کی تحقیق میں کونسی صحیح تر ہے؟ براہ کرم تشفی فرماویں گے۔ سعید احمد

الجواب

چوں منطوق قاضی است بر مفہوم ومفسر بر مبہم لہٰذا تحقیق سعایہ در عمل ترجیح دارد وقول من کہ ''حدیث میں کہیں نہیں دیکھا'' اشارہ بہمیں خدشہ بود کہ از قواعد در دل افتادہ بود۔(۱)

۵/رجب المرجب ۱۳۴۲ھ۔(ترجیح خامس،صفحہ:۱۳۸)(امداد الفتاویٰ جدید:۱/۲۲۱-۲۲۴)

حالت قیام میں قدم سے قدم ملانا:

سوال: غیر مقلدین اور عرب کے مشائخ نماز میں پاؤں کھول کر کھڑے ہوتے ہیں؛ یعنی پیروں کو بہت زیادہ کھولتے ہیں اور کہتے ہیں کہ احادیث میں قدم ملانے کا حکم ہے، کیا ان کا یہ عمل درست ہے یا ہمارا عمل درست ہے؟ اگر درست ہے تو کیا دلائل ہیں؟

الجواب

غیر مقلدین جو حدیث پیش کرتے ہیں، اس میں دو لفظ آتے ہیں: (۱) الصاق (۲) الزاق۔ ان دونوں الفاظ کے دو معنی ہیں: (۱) حقیقی: یعنی مکمل طور پر ملانا اور چپکانا، جیسے: ''به داء وسخ ،به مرض''. (۲) مجازی ملانا کچھ فاصلہ کے ساتھ، جیسے: ''مررت بزید'' یعنی میں زید کے قریب سے گزرا۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ یہاں پر حقیقی مراد ہے یا مجازی، متعدد دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں پر مجازی معنی مراد ہے یعنی قریب کھڑا ہونا اور درمیان میں زیادہ فاصلہ نہ ہو کہ اس میں ایک آدمی کی گنجائش ہو اور صفوف کو ٹھیک کرنا۔

ملاحظہ ہو، مشکوۃ میں ہے:

عن أبی هريرة رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله عليه وسلم: ''إذا صلی أحدكم فلا يضع نعليه عن يمينه ولا عن يساره فتكون عن يمين غيره إلا يكون علٰی يساره أحد وليضعهما بين رجليه وفی رواية أوليصل فيهما''. رواه أبو داؤد، وروی ابن ماجة معناه. (مشکوٰة: ۱/۷۳)(۲)

وقال الشيخ ناصر الدين الألبانی عن هٰذا الحديث بإسنادين أحدهما حسن بالرواية الأولٰی و الآخر صحيح بالرواية الأخری كما حققه فی صحيح السنن: ٦٦١-٦٦٢. (تعليق الألبانی علٰی مشکوٰة: ۱/۲۶۹)

(۱) ترجمۂ جواب: چونکہ مفہوم اور مبہم کے مقابل منطوق اور مفسر کے مطابق فیصلہ ہوتا ہے، لہٰذا سعایہ کی تحقیق پر عمل راجح ہے اور میرا قول کہ ''حدیث میں کہیں نہیں دیکھا'' اسی خدشہ کی طرف اشارہ تھا کہ قواعد سے یہ جواب ذہن میں آیا ہے؛ لیکن کسی حدیث میں نہیں دیکھا ہے۔ سعید احمد

(۲) سنن أبی داؤد، با المصلی إذا خلع نعليه أين يضعهما (ح: ٦٥٤)/عن أبی هريرة قال: قال رسول الله صلی الله عليه وسلم: ألزم نعليك قدميك فإن خلعتهما فاجعلهما بين رجليك ولا تجعلهما عن يمينك ولا عن يمين صاحبك ولا وراءك فتؤذی من خلفك. (سنن ابن ماجة، باب ماجاء فی أن توضع النعل (ح: ١٤٣٢) انیس)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ دومصلیوں کے پاؤں کے درمیان کچھ فاصلہ ہونا چاہئے اس لئے کہ اگر الزاق کو اپنے حقیقی معنی پر محمول کریں تو جوتے رکھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا پھر تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم یوں فرماتے کہ دائیں بائیں جوتا رکھے؛ کیونکہ جگہ نہیں ہے۔

(۲) عن أبی مسعود الأنصاری رضی اللّٰه عنه قال: کان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم یمسح مناکبنا فی الصلاة ویقول: "استووا فتختلف قلوبکم". الحدیث رواه مسلم. (مشکوۃ: ۹۸/۱)(۱)

(۳) إن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قال: "أقیموا الصفوف وحاذوا بین المناکب وسدوا الخلل". (رواه أبواؤد: ۹۷/۱)(۲)

(۴) عن أبی القاسم الجدانی قال: سمعت النعمان بن بشیر رضی اللّٰه عنه یقول: أقبل رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم علی الناس بوجهه فقال: "أقیموا صفوفکم ثلاثاً واللّٰه بین قلوبکم"، قال: فرأیتُ الرجل یلزق منکبه منکب صاحبه ورکبته رکبة صاحبه وکعبه بکعب صاحبه. (رواه أبوداؤد: ۹۷/۱)(۳)

احادیث بالا سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں کندھوں اور گھٹنوں کا سیدھا اور برابر رکھنا بھی ضروری ہے اور یہ اس وقت ہوسکتا ہے، جب کہ الزاق کو اپنے مجازی معنی پر محمول کریں؛ ورنہ کندھوں کو سیدھا رکھنا محالات میں سے ہے، جب کہ مختلف القامۃ لوگ نماز میں کھڑے ہوں تو کندھوں اور گھٹنوں کو کیسے ملا سکتے ہیں۔

دوسری بات یہ کہ احادیث میں جس طرح اقامت صفوف اور اعتدال صفوف کا ذکر ہے، اسی طرح استقامت بدن کا بھی حکم ہے اور استقامت بدن صرف اس وقت ہوسکتا ہے، جب کہ الزاق کو مجازی پر محمول کیا جائے۔

تیسری بات یہ کہ الزاق الکعب بالکعب کا حکم صرف حالت قیام کے لئے ہے، یا رکوع اور سجدے کے لئے بھی ہے تو غیر مقلدین حضرات اس پر کیوں عمل نہیں کرتے؟ اس سے بھی یہ بات واضح ہوتی ہے کہ الزاق کا حکم جماعت کے ساتھ خاص ہے اور اگر منفرد کے لئے بھی ہو تو پھر وہ صحیح مرفوع غیر متعارض حدیث پیش کریں۔

حاصل کلام احناف کے نزدیک حالت قیام میں پاؤں کے درمیان چار انگل کی مقدار کا فاصلہ ہونا چاہئے۔

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

وینبغی أن یکون بینهما (أی القدمین) مقدارأربع أصابع الید لأنه أقرب إلی الخشوع (رد المحتار: ٤٤٤/١، بحث القیام، سعید)

---

(۱) **الصحیح لمسلم، باب تسویة الصفوف وإقامتها وفضل الصف الأول (ح: ٤٣٢) انیس**

(۲) **سنن أبی داؤد، باب تسویة الصفوف (ح: ٦٦٦) انیس**

(۳) **سنن أبی داؤد، باب تسویة الصفوف (ح: ٦٦٢) انیس**

اورشوافع کے نزدیک ایک بالشت کی مقدار فاصلہ ہونا چاہئے۔

"الشافعية قدروا التفريج بينهما بقدرشبر... فيكره أن يقرن بينهما أويوسع أكثر من ذلك كما يكره تقديم أحدهما على الأخرىٰ. (الفقه على المذاهب الأربعة: ۲۵۹/۱)(۱)

یعنی شوافع حضرات نے حالت قیام میں پاؤں کے درمیان فاصلہ کی مقدار ایک بالشت متعین کی ہے اوران کے نزدیک پاؤں کوملانایاایک بالشت سے زیادہ کشادہ رکھنامکروہ ہے۔

المالكية قالوا:تفرج القدمين مندوب لاسنة،وقالوا:المندوب هوأن يكون بحالة متوسط، بحيث لايضمهما ولايوسعهما كثيرًا،حتىٰ يتفاحش عرفًا ووافقهما الحنابلة علىٰ هذا التقديرإلا أنه لا فرق عند الحنابلة بين تسميته مندوبًا أوسنة. (الفقه على المذاهب الأربعة: ۲٦٠/۱)(۲)

یعنی: مالکی حضرات کے نزدیک حالت قیام میں پاؤں کھلا رکھنا مستحب ہے، نہ کہ سنت اور مستحب یہ ہے کہ درمیانی حالت میں ہو، نہ مکمل ملادے اور نہ بہت زیادہ، اس طور پر کہ عرف میں برا محسوس ہو اور حنابلہ اس مسئلہ میں مالکیہ کے ساتھ ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ ائمہ اربعہ بھی الزاق کے مجازی معنی مراد لیتے ہیں نہ کہ حقیقی۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا عمل بھی الزاق کے مجازی معنی پر دلالت کرتا ہے اس لئے کہ وہ حالت قیام میں پاؤں کو نہ زیادہ کشادہ رکھتے تھے نہ مکمل ملاتے تھے، جیسا کہ حضرت شیخ زکریا نے تحریر فرمایا ہے:

وقال الموفق: "يكره أن يلصق إحدىٰ قدميه بالأخرىٰ في حال قيامه لما روى الأثرم عن عيينة بن عبد الرحمن قال: كنت مع أبي في المسجد فرأى رجلًا يصلي قد صف بين قدميه وألزق إحديهما بالأخرىٰ فقال أبي: لقد أدركت في هذا المسجد ثمانية عشر رجلا من أصحاب النبي صلى الله عليه

(۱) إطالة القراءة في الركعة الأولىٰ عن القراءة في الثانية وتفريج القدمين حال القيام: ۲۳٤/۱،دارالكتب العلمية (ويفرق ركبتيه) وكذا قدميه قدرشبر ، لأن أباحميد رواه، وكذا يفرج بين فخذيه نص عليه. (النجم الوهاج في شرح المنهاج،باب صفة الصلاة: ۱٥۱/۱،دارالمنهاج جده. انيس)

إطالة القراءة في الركعة الأولىٰ عن القراءة في الثانية وتفريج القدمين حال القيام: ۲۳٤/۱-۲۳٥،دارالكتب العلمية

(و) كره (وضع قدم على أخرىٰ) لأنه عبث (وإقرانهما)أي ضمهما كالمكبل أي القيد معتمداً عليهما دائماً فيجعل حظهما من القيام دائماً وهذا إذا اعتقد أنه لابد من ذلك في الصلاة وكره لئلا يشتغل بذلك فإن لم يعتقد ذلك لم يكره لما أنه إذا روح بأن اعتمد على واحدة تارة على أخرىٰ أو عليهما لا دائماً فيجوز،قاله:تت، وأشعر قاتصاره على كراهة إقرانهما بجوازتفريقهما على أن صاحب الطراز قال:تفريق القدمين أي توسعهما على خلاف المعتاد قلة وقار أي فيكره كإقرانهما وإلصاقهما زياده تنطع فيكره،اه. (شرح الزرقاني على مختصر خليل وحاشية البنائي،فصل فرائض الصلاة: ۳۸۷/۱،دارالكتب العلمية بيروت. انيس)

والمستحب في حال القيام أن يفرق بين قدميه فيما ذكره أصحابنا. (شرح العمدة لابن تيمية،تفريق القدمين حال القيام: ٤٥/۱،دارالعاصمة الرياض. انيس)

وسلم مارأيت أحدًا منهم فعل هذا قط وكان ابن عمررضى الله عنه لايفرج بين قدميه ولايمس إحديهما الأخرىٰ ولكن بين ذلك لايقارب ولايباعد". (حاشية لامع الدرارى: ۲۸۰/۱،سعيد)

حضرت مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی تحریر فرماتے ہیں:

ولايخفى أن فى إلزاق الأقدام بالأقدام مع إلزاق المناكب بالمناكب والركب بالركب مشقة عظيمة لاسيما مع إبقاء ها كذلك إلىٰ آخر الصلاة كما هومشاهد،والحرج مدفوع بالنص،فالمراد منه جعل بعضها فى محاذاة بعض...قال الحافظ فى الفتح تحت قول البخارى: باب إلزاق المنكب بالمنكب،والقدم بالقدم فى الصف:"أى اجعلوا بعضها حذاء بعض بحيث يكون منكب كل واحد من المصلين موازيًا لمنكب الآخرومسامتاً له فتكون المناكب والأعناق والأقدام علىٰ سمت واحد. (۲۵۱/۱)

قال الشيخ: ولوحمل الإلزاق على الحقيقة،فالمراد منه إحداثه وقت الإمامة تسوية الصف، فإن إحداث الإلزاق بين تلك الأعضاء طريق تحصيل هذه التسوية ولا دلالة فى الحديث على الصلاة بعد الشروع فيها ، ومن ادعىٰ ذلك فليأت بحجة عليه. (إعلاء السنن: ۳٦۰/٤، باب سنية تسوية الصف ورصها،إدارة القرآن)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا قول بھی اس بات پر شاہد ہے کہ یہ فعل شروع میں تھا بعد میں ختم ہوگیا۔

ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

عن أنس رضى الله عنه عن النبى صلى الله عليه وسلم قال:أقيموا صفوفكم،فإنى أراكم من وراء ظهرى وكان أحدنا يلزق منكبه بمنكب صاحبه وقدمه بقدمه.(رواه البخارى: ۱۰۰/۱)(۱)

حضرت مولانا ظفر احمد تھانویؒ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے قول کا مطلب بیان فرماتے ہیں:

ملاحظہ ہو اعلاء السنن میں ہے:

"قلت: وقول أنس رضى الله عنه:"كان أحدنا"وقوله:"ولقد رأيت أحدنا"يقيد أن الفعل المذكور كان فى زمن النبى صلى الله عليه وسلم ولم يبق بعده كما صرح به قوله فى رواية معمر: ولوفعلت ذلك بأحدهم اليوم لنفركأنه بغل شموس" فلوكان ذلك سنة مقصودة من سنن الصلاة لم يتركه الصحابة رضى الله عنه ولم يتنفرمنه أحد ، فالصحيح ماقلنا:إن ذلك كان للمبالغة فى تسوية الصف حين الإقامة لا بعدها فى داخل الصلاة،فافهم.(إعلاء السنن: ۳٦۰/٤- ۱۳۲٥، باب سنية تسوية الصف ورصها،إدارة القرآن)

---

(۱) الصحيح للبخارى،باب إلزاق المنكب بالمنكب والقدم بالقدم فى القيام (ح:۷۲٥)انيس

اس سے معلوم ہوا کہ ابتدا میں بعض صحابہ رضی اللہ عنہ تسویۃ الصفوف کی نیت سے محاذات اور برابری کے لئے قدم ملاتے تھے کوئی سنت مقصود نہ تھی اور بعد میں یہ طریقہ ختم ہوگیا۔ واللہ اعلم (فتاویٰ دارالعلوم زکریا: ۲/۱۳۳-۱۳۷)

موضع قدمین سے سجدہ کی بلندی کس قدر درست ہے:

سوال: قدمین سے کسی قدر بلندی پر سجدہ بلا عذر درست ہے یا نہیں؟ اگر سجدہ گاہ ایک بالشت یا اس سے اونچائی میں کم ہوتو اس پر سجدہ بحالت عذر درست ہے یا نہیں؟ اگر سجدہ گاہ ایک بالشت یا اس سے زیادہ بلندی پر ہے، تو سجدہ مطلقا جائز ہے یا نہیں؟

فقہ کی عبارتوں میں "إلا بزحمة" کے تحت ایک ہی نماز میں ایک مصلی کا دوسرے مصلی کی پشت پر سجدہ کرنا درست قرار دیا گیا ہے، اس پر قیاس کرتے ہوئے مساجد میں خطیب کے وہ منبر جو ایک بالشت سے زیادہ اونچائی پر واقع اور اینٹ اور سمنٹ سے پختہ بنے ہوئے ہیں، جن کا ہٹانا زحمت سے خالی نہیں تو کیا اس پر سجدہ کرنا جائز ہے؟ جب کہ بعض فتاویٰ ایسے موجود ہیں کہ ایسی جگہ پر قطع صف کے طور وہ جگہ خالی چھوڑ دی جائے، اس پر سجدہ نہ کرنا چاہیے تو پھر الا بزحمۃ کے تحت پشت مسجود بھی تو ایک بالشت سے زیادہ اونچائی پر ہے اس کی تخصیص کیوں ہے؟ اور "الا بزحمة" میں وہ منبر وغیرہ کیوں نہیں داخل ہیں بالتفصیل تحریر فرمائیں؟ والسلام (المستفتی: صفات اللہ اعظمی)

الجواب ـــــــــــــــ وباللہ التوفیق

اعلی بات تو یہ ہے کہ موضع سجود موضع قدمین ہی کے سطح پر ہو باقی اگر موضع سجود، موضع قدمین سے کچھ اونچا ہوجائے، تو ایک بالشت تک کی اونچائی مع الکراہت جائز رہتی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اس سے بھی جہاں تک ہو احتراز کیا جائے اور اگر موضع سجود ایک بالشت سے بھی زیادہ اونچا ہوجائے تو جائز نہیں۔ (**كما في الدر المختار على هامش ردالمحتار: ۳۳۸/۱**)(۱)

البتہ "إلا بزحمة" سے ایک بالشت کی اونچائی سے کچھ زائد اونچائی کا استثنا کیا گیا ہے۔

كما في الدر المختار: "**(وإن سجد للزحام على ظهر مصل صلوته) التي هو فيها (جاز) للضرورة وإن لم يصلها، لا**". (۲)

---

(۱) (ولو كان في موضع سجوده أرفع من موضع القدمين بمقدار لبنتين منصوصتين جاز) سجوده (وإن أكثر لا) إلا بزحمة، كمامر. (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۶۹/۱، دارالكتب العلمية. انيس)

(۲) الدر المختار على صدر ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۵۰۲/۱، دارالفكر بيروت

وأما السجود على ظهر مصل للضيق فإن استحدت الصلاتان وكان السجود عليه ساجداً على الأرض جاز وإلا لا. (النهر الفائق، باب صفة الصلاة: ۲۱۷/۱، دارالكتب العلمية بيروت. انيس)

اس استثنا میں دو قید ہیں:

ایک تو زحمت اور زحمت کا مطلب یہ ہے کہ مصلی اتنے زیادہ ہوں کہ صفیں اتنی قریب قریب کرنی پڑیں کہ پچھلے مصلی کو اگلی مصلی کی پشت پر سجدہ کیے بغیر چارہ نہ ہو اور صورتِ مسئولہ میں ایسا نہیں اور زحمت و بھیڑ نہیں کہ پچھلے مصلیوں کو اگلے مصلیوں کی پشت پر سجدہ کرنا لازم ہو رہا ہو، یہاں پر صرف دو مصلی جو منبر کے محاذات میں ہوں گے صرف ان کو سجدہ علی الارض کرنے کا موقع نہیں ملے گا۔ لہٰذا صورت مسئولہ کو زحمت پر قیاس کرکے "إلا بزحمة" کے تحت داخل کرنا درست نہ ہوگا؛ بلکہ جس طرح اسطوانہ وغیرہ حائل ہونے سے جگہ چھوڑ دی جاتی ہے، جگہ چھوڑنا ہوگا اور جس طرح حیلولۃ اسطوانہ سے انقطاع صف مضر نہیں ہوتا، اسی طرح یہ انقطاع بھی قادح فی الصلوٰۃ نہ ہوگا۔

دوسری چیز اس استثنائی حکم میں "علىٰ ظهر مصلی صلوٰة هو فيها" کی قید ہے، اس قید کا احترازی ہونا اغلب ہے، جیسا کہ شامی کی تحقیق سے مترشح ہوتا ہے؛(۱) کیوں کہ تمام متون اس قید کو ذکر کرتے ہیں، صرف قہستانی (۲) نے اس قید کو ذکر نہیں کیا، یا اطلاق کو اختیار کیا، مگر عقود رسم المفتی میں قہستانی کو یہ مرتبہ فقہاءِ محققین نے نہیں دیا ہے کہ ان کو اہل ترجیح کا منصب دیا جائے۔

اسی طرح ظهر مصل صلوٰته کے علاوہ صورتوں میں ایک بالشت سے زیادہ اونچائی پر جواز سجدہ کا حکم مشکل ہوگا، پس صورت مسئولہ میں اس منبر کے حصہ پر سجدہ کرنے کی اجازت نہ ہوگی۔

علاوہ ازیں اس صورت میں اور اتنی اونچائی میں سجدہ کا تحقق فی الجملہ اور حکمی سجدہ کا تحقق بھی مشتبہ ہوجائے گا اور سجدۂ حقیقی یا حکمی یا فی الجملہ بہر حال رکن اصلیہ میں داخل ہوتا ہے، اس لیے بھی اس کی گنجائش نہ دی جانی چاہیے۔

هٰذا من عندالشرع الشريف فقط والله تعالىٰ أعلم بالصواب

کتبہ العبد نظام الدین الاعظمی عفی عنہ، مفتی دار العلوم دیوبند۔ ۲۶/۲/۱۳۹۵ھ۔ (نظام الفتاویٰ، جلد پنجم، جزء اول: ۱۶۳-۱۶۵)

---

(۱) ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۵۰۲/۱، دارالفكر بيروت. انيس

(۲) (وعلى ظهر من يصلي صلاته) أی صلاة الساجد وهذا إذا كان ركبتاه على الأرض وإلا فلايجزيه وقيل لايجزيه إل إذا سجد الثانی على الأرض وقال صدر القضاة: يجزيه وإن كان سجود الثانی على الثالث، كما فی جمعة الكفاية (فی وقت الزحام) أی مدافعة بعض بعضاً فی المضيق بكثرة المصلين بالجماعة وفی الكلام إشارة إلى أن المستحب التاخير حتى يزول الزحام كما فی الجلابی، وإلى أن لايجوز على غير الظهر لكن فی لزاهدی: يجوز على الفخذين والكمين بعذر على المختار وعلى الدين والكمين مطلقاً وإلى أن لايجوز على ظهر غير المصلی كما قال الحسن لكن فی الأصل أنه يجوز فی الزحام، كما فی المحيط، وفی تيمم الزاهدی يجوز على ظهر كل ماكول وإلى أنه لو وجد فرجة وسجد على ظهر لم يجز، كما فی قاضيخان، الخ. (جامع الرموز، باب صفة الصلاة: ۷۰/۱، مطبع نول كشور لكهناؤ. انيس)

تکبیر تحریمہ کے چند مسائل:

سوال: (الف) دیکھا گیا ہے کہ کچھ لوگ رکعت باندھتے وقت کاندھوں تک ہاتھ اٹھانے کے بجائے تھوڑا سا اوپر اٹھاتے ہیں، کیا یہ درست ہے؟

(ب) بعض لوگ تھوڑا سا جھک کر رکعت باندھتے ہیں، کیا یہ طریقہ درست ہے؟

(ج) کچھ لوگ ہاتھ کانوں سے لگاتے ہیں، لیکن ہاتھوں کا رخ کانوں کی طرف ہوتا ہے نہ کہ قبلہ کی طرف، کیا اس طرح تحریمہ باندھا جاسکتا ہے؟ (محمد نصیر عادل، دربھنگہ)

الجواب

(الف) تحریمہ کے لئے ہاتھ اٹھانے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ انگوٹھا کانوں کی لو کے مقابل ہو، اور انگلیاں کان کے اوپری حصہ کے مقابل، اور ہتھیلی کا نچلا حصہ مونڈھوں کے مقابل، اس طرح تکبیر تحریمہ کہتے وقت ہاتھ اٹھانے کی جو مختلف کیفیتیں حدیث میں مروی ہیں، ان سب پر عمل ہوجاتا ہے، اس لئے فقہانے اسی طریقہ کو مسنون قرار دیا ہے۔(۱)

چونکہ یہ سنت ہے، اس لئے اگر اس عمل کا استخفاف اور اس کو غیر اہم قرار دینا مقصود نہ ہو تو مکروہ نہیں، البتہ بہتر طریقہ کے خلاف ہے، فقہا نے لکھا ہے کہ یہ ''موجب اساءت'' ہے اور ''اساءت'' کراہت سے کمتر درجہ ہے۔(۲)

''ترک السنة لایوجب فسادًا ولاسھوًا بل إساء ة...وقالوا:الإساء ة أدون من الکراھة''.(۳)

(ب) تکبیرِ تحریمہ کہتے وقت سر کو جھکانا نہیں چاہئے، فقہانے اسے بدعت قرار دیا ہے۔

''وأن لایطأطئ رأسه عند التکبیر''.(۴)

---

(۱) الفتاویٰ الھندیة : ۷۳/۱ (الفصل الثالث فی سنن الصلاة وآدابھا،دارالفکر بیروت.انیس)

(۲) اس بارے میں علامہ شامی اور علامہ ابن نجیم مصریؒ کی رائے اس کے برعکس ہے، یہ حضرات ''إساءة'' کو کراہت سے فزوں تر سمجھتے ہیں، علامہ ابن نجیمؒ نے شرح منار میں لکھا ہے:

''أن الإساء ة أفحش من الکراھة''.(کذا فی البحر الرائق:۱۲۲/۷،دارالکتاب الإسلامی بیروت.انیس)

نیز علامہ حصکفیؒ نے ''الدرالمختار'' میں اس کی ترجمانی کی ہے۔(دیکھئے:الدرالمختار مع رد المحتار، باب صفة الصلاة:۱۷۰/۲، ط:دیوبند)(وظاھر کلام بعضھم:تختص الإساء ة بالحرام فلا یقال أساء إلا لفعل محرم.(التحبیر شرح التحریر:۱۰۱۳/۳،مکتبة الرشد.انیس)

اس لیے اس قول کے مطابق تحریمہ کے مسنون طریقہ کی خلاف ورزی گناہ کا باعث ہوگی۔ واللہ اعلم (محشی)

(۳) الدرالمختار،باب صفة الصلاة،سنن الصلاة: ۷۳/۱،انیس

(۴) الدرالمختار،باب صفة الصلاة،سنن الصلاة: ۷۳/۱، نیز دیکھئے:الفتاوی الھندیة: ۷۳/۱،انیس

(ج) ہاتھ اٹھاتے ہوئے ہتھیلیوں کا رخ قبلہ کی طرف ہونا چاہئے، نہ کہ کان کی طرف، اس طرح ہاتھ اٹھانا خلاف سنت ہے۔

"یستقبل ببطون کفیه إلی القبلة". (۱) (کتاب الفتاویٰ:۲/۱۶۶-۱۶۸) ☆

---

(۱) **الدر المختار: ۷۲/۱ (الدر المختار: ٦٦/١، باب صفة الصلاة، آداب الصلاة، دار الکتب العلمیة** میں "**یستقبل بکفیه القبلة**" ہے، یہ عبارت بعینہ **المحیط البرهانی، الفصل الرابع فی کیفیتهما: ۲۹۱/۱، دار الکتب العلمیة** میں موجود ہے: **وقال أبو جعفر: یستقبل ببطون کفیه القبلة وینشر أصابعه وترفعهما فإذا استقرتا فی موضع المحاذاة یعنی محاذاة الإبهامین شحمة الأذنین یکبر، قال شمس الأئمة السرخسری: وعلیه عامة المشائخ. انیس)**

☆ تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ کہاں تک اٹھایا جائے:

سوال: تکبیر تحریمہ میں دونوں ہاتھ کا دونوں کان سے متصل ہونا ضروری ہے یا نہیں؟ امام نے نیت باندھتے وقت دونوں ہاتھ کو کان سے چار انگل فاصلہ پر رکھا پس اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب ـــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

تکبیر تحریمہ کے وقت دونوں ہاتھوں کا کان کی لَو کے برابر اٹھانا مسنون ہے، کان کی لَو کو چھونا ضروری نہیں، فقہ کی کتابوں میں اس سلسلہ میں محاذات کا لفظ آیا ہے جس کے معنیٰ محض مقابل ہیں اور برابری میں لے آنے کے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

خالد سیف اللہ رحمانی۔ ۱۵/۹/۱۳۹۷ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ:۲/۳۸۹)

فقہ کی کتابوں میں محاذات کا لفظ آیا ہے، اس سے مراد دونوں انگوٹھے سے دونوں کان کی لو کو چھونا ہے۔

درمختار میں ہے:

"(ورفع یدیه) ... (ماسا بإبهامیه شحمتی أذنیه) هو المراد بالمحاذاة لأنها لا تتیقن إلا بذلک" (الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار: ۱۸۲/۲) (کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، آداب الصلاة، انیس)

علامہ ابن نجیم البحر الرائق میں لکھتے ہیں:

"والمراد بالمحاذاة أن یمس بإبهامیه شحمتی أذنیه لیتیقن بمحاذاة یدیه بأذنیه کما ذکره فی النقایة" (البحر الرائق: ۱/ ۳۲۲) (کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، انیس)

فتاویٰ قاضی خان میں ہے کہ اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے دونوں کانوں کے بالمقابل اٹھائے اور اپنے دونوں انگوٹھے کے کنارے سے اپنے دونوں کان کی لو کو چھوئے اور اس کی انگلیاں اس کے دونوں کانوں کے اوپر ہوں، ملاحظہ ہو، قاضی خان کی عبارت:

"ویرفع یدیه حذاء أذنیه ویمس طرف إبهامیه شحمة أذنیه وأصابعه فوق أذنیه" (فتاویٰ قاضی خان علیٰ هامش الفتاویٰ الهندیة: ۸۵/۱) (کتاب الصلاة، باب افتتاح الصلاة، انیس)

لہٰذا بہتر یہی ہے کہ تکبیر تحریمہ کے وقت دونوں ہاتھوں کو دونوں کانوں کے بالمقابل اس طرح اٹھایا جائے کہ دونوں انگوٹھے کا کنارہ دونوں کانوں کی لو سے ملا ہوا ہو اور بقیہ انگلیاں دونوں کانوں کے اوپر ہوں۔ [مجاہد]

تکبیر تحریمہ ہاتھ اٹھانے کے بعد کہے:

سوال: تکبیر تحریمہ کے ساتھ ہاتھ اٹھائے، یا کہ پہلے ہاتھ اٹھا کر تکبیر کہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــ باسم ملهم الصّواب

اس میں تین قول ہیں:

(۱) ہاتھ اٹھانے سے پہلے تکبیر کہے۔

(۲) ہاتھ اٹھانے کے ساتھ تکبیر کہے۔ رفع یدین کی ابتداء کے ساتھ تکبیر کی ابتدا کرے اور اس کے ختم پر تکبیر ختم کرے۔

(۳) ہاتھ اٹھانے کے بعد تکبیر کہے پھر ہاتھ باندھے، یہی راجح ہے۔

قال فی العلائية: (ورفع يديه) قبل التكبير، وقيل معه.

وفی الشامية: الأوّل نسبه فی المجمتع إلٰی أبی حنيفة ومحمّد رحمهما اللّٰه تعالٰی. وفی غاية البيان إلٰی عامة علمائنا وفی المبسوط إلٰی أكثر مشايخنا، وصحّحه فی الهداية. والثانی اختاره فی الخانية والخلاصة والتحفة والبدائع والمحيط، بأن يبدأ بالرفع عند بداء ته التكبير ويختم به عند ختمه، وعزاه البقالی إلٰی أصحابنا جميعًا ورجّحه فی الحلية. وثمۃ قول ثالث وهو أنّه بعد التكبير والكلّ مروی عنه عليه الصلٰوة والسلام. (۱) وما فی الهداية أولٰی كما فی البحر والنهر، ولذا اعتمده الشارع فافهم. (رد المحتار: ۱/۴۵۰) (۲) فقط واللّٰه تعالٰی أعلم

۴ رصفر ۱۳۸۹ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ۳/۱۹)

بوقت تکبیر تحریمہ انگلیوں کی کیفیت:

سوال: تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین میں انگلیاں کس حالت میں رہنی چاہئیں، کھلی رکھے یا ملا کر؟ بینوا توجروا۔

---

(۱) عن البراء بن عازب قال: كان النبی صلی اللّٰه عليه وسلم إذا كبر لافتتاح الصلاة رفع يديه حتى يكون إبهاماه قريباً من شحمتي أذنيه. (شرح معانی الآثار، باب رفع اليدين فی افتتاح الصلاة إلی أين هو (ح: ۱۱۶۵)

عن علی بن أبی طالب عن رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم أنه كان إذا قام إلی الصلاة المكتوبة كبر ورفع يديه حذو منكبيه، الخ. (شرح معانی الآثار، باب التكبير للركوع والتكبير للسجود والرفع (ح: ۱۳۳۶)

عن أبی حميد قال: كان رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم إذا قام إلی الصلاة رفع يديه حتى يهاذی بهما منكبيه ثم يكبر، الخ. (شرح معانی الآثار، باب التكبير للركوع والتكبير للسجود والرفع (ح: ۱۳۴۱)

(۲) باب صفة الصلاة، مطلب فی حديث: "الأذان حزم" انيس

الجواب ـــــــــــــــــ باسم ملهم الصّواب

تکبیر تحریمہ کے وقت انگلیوں کو نہ کھولنے کی کوشش کرے اور نہ آپس میں ملانے کی، بلکہ اصل حالت پر رہنے دے، انگوٹھوں کو کانوں کی لو سے لگائے اور ہتھیلیوں کو قبلہ رخ کرے۔

قال فی التنویر:(وسنتها)...(رفع الیدین للتحریمة)...(ونشرالأصابع)أی ترکها بحالها.

وفی الشامیة:قوله:(أی ترکها بحالها)قال فی الحلیة:ظنّ بعضهم أنه أراد بالنشرتفریج الأصابع وهوغلط،بل أراد به النشرعن الطی،یعنی یرفعهما منصوبتین لامضمومتین حتیٰ تکون الأصابع مع الکف مستقبلة للقبلة ثم لایخفی أنه لاتتوقف السنّة علی ضم الأصابع أولا،بل لو کانت منشورة غیرمتفرجة کل التفرج ولامضمومة کل الضم ثمّ رفعهما کذلک مستقبلاً بهما القبلة فقد أتی بالسنّة،اهـ .(رد المحتار: ۱/ ٤٤٣)(۱)

وفی التنویر:(ورفع یدیه)...(ماسًّاإبهامیه شحمتی أذنیه)وقال الشارح:هوالمراد بالمحاذاة لأنها لاتتیقن إلا بذلک،ویستقبل بکفیه القبلة،وقیل خدیه.(رد المحتار: ۱/ ٤٥٠)(۲)**فقط واللّٰہ تعالی أعلم**

۱۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۶ھ۔ (احسن الفتاویٰ:۳/۱۸-۱۹)

بوقت تحریمہ مس اذنین:

سوال: شرح وقایہ میں حاشیہ کے اوپر مولانا عبدالحی رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے:

"وهولیس بسنة مستقلة،فإنه لادلیل علیه فی روایة".(۳)

لہٰذا اگر کسی شخص نے رفع یدین کے وقت میں مسح اذنین کیا،تو خلاف سنت ہوگا؟ ور بغیر مس کے سنت ہے۔اس کا کیا مطلب ہے؟ نیز مس اذنین کے وقت اکثر لوگوں کی ہتھیلی قبلہ رخ نہیں ہوتی تو یہ خلاف سنت ہوگا یا نہیں،اور بغیر مس کے بھی ہتھیلی قبلہ رخ نہیں ہوئی تو کیا حکم ہے؟

الجواب ـــــــــــــــــ حامداً و مصلیًا

عبارت منقولہ فی السوال کے متصلاً بعد یہ عبارت بھی ہے:

"ولعل من استحبه إنمااستحبه للمحاذاة دفعاً للوسوسة".(۴)

---

(۱) **کتاب الصلاة،باب صفة الصلاة،مطلب:فی قولهم الإساء ة دون الکراهة،انیس**

(۲) **کتاب الصلاة،باب صفة الصلاة،آداب الصلاة،انیس**

(۳-۴) **عمدة الرعایة فی شرح الوقایة،کتاب الصلاة،باب صفة الصلاة: ۱/ ۱٤۳، سعید**

حاصل یہ ہے کہ اصل سنت (رفع یدین) کی مقدار وتحدید کی تحقیق کے لیے مس ہے،(۱) پس یہ سنت کی ادائیگی میں معین ہے، معارض نہیں۔ ہتھیلی کا قبلہ رخ ہونا مستحب ہے۔(۲) فقط واللہ اعلم (فتاویٰ محمودیہ: ۵۸۲/۵-۵۸۳)

’’اللّٰہ أکبر‘‘ میں ’راء‘ کو ’دال‘ کی آواز سے ادا کرنا کیسا ہے:

سوال: زید کا بخیال اس کے کہ عام لوگ تکبیر انتقالی نماز میں ’’اللّٰہ أکبر‘‘ کی ’را‘ کو اس قدر کھینچتے ہیں کہ اس کی وجہ سے نماز میں نقصان واقع ہوتا ہے۔ ’’اللّٰــہ أکبر‘‘ کی ’را‘ کو اس طرح خارج کرنا کہ بجائے ’را‘ کے عام لوگ ’دال‘ محسوس کریں، شرعاً کیسا ہے؟

---

(۱) عن وائل بن حجر: رأى النبی صلى اللّٰه علیه وسلم إذا افتتح الصلاة رفع یدیه حتى تکاد إبهاماه تحاذی شحمة أذنیه. (سنن النسائی، باب موضع الإبهامین عندالرفع (ح: ۸۸۲)/وکذا فی سنن أبی داؤد، باب افتتاح الصلاة (ح: ۷۳۷)/مسندالإمام أحمد، حدیث وائل بن حجر (ح: ۱۸۸٤۹) انیس)

(۲) (ورفع یدیه) ... (ماساً بإبهامیه شحمتی أذنیه) هوالمراد بالمحاذاة؛ لأنها لا تتیقن إلابذلک، ویستقبل بکفیه القبلة‘‘. (الدرالمختارمع ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فصل: إذا أراد الشروع: ٤٨٢/١، سعید)

قال قاضی خان: ویمس طرفي إبهامیه شحمة أذنیه. (البنایة شرح الهدایة، باب صفة الصلاة: ٦٦/١، دارإحیاء الکتب العربیة)

والمراد بالمحاذاة أن یمس إبهامیه شحمتي أذنیه بمحاذاة یدیه بأذنیه. (البحرالرائق، آداب الصلاة: ٣٢٢/١، دارالکتاب الإسلامی. انیس)

☆ تکبیر تحریمہ کے وقت کان کی لو کو چھونا:

سوال: ایک صاحب نے مجھ سے اعتراض کیا کہ کان کی لو مس کر کے نیت نہیں باندھئے، نماز نہیں ہوتی۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ نیت باندھنے میں ہاتھ کی ہتھیلی کا کان تک یا کان کی لو تک اٹھانا فرض ہے یا سنت یا واجب، کیا ہے؟ اگر کسی نے سینے تک ہاتھ اٹھا کر اللہ اکبر کہہ کر نیت باندھ لی تو نماز ہوگئی یا نہیں یا مکروہ ہوئی؟

الجواب ـــــــــــــــــــ حامداً ومصلیًا

تکبیر افتتاح کے وقت کانوں کی لو مس کرنا نہ فرض ہے، نہ واجب ہے، نہ حرام ہے، مس کرنے سے اور مس نہ کرنے سے نماز فاسد نہیں ہوگی، اس سے معلوم ہوگیا کہ مس کی کیا حیثیت ہے، کرے تب بھی مضائقہ نہیں، نہ کرے تب بھی حرج نہیں۔ ((وإذا أراد الشروع فی الصلاة کبر) ... (ورفع یدیه ماساً بإبهامیه شحمتی أذنیه) هوالمراد بالمحاذاة؛ لأنها لا تتیقن إلا بذلک. واعتمد ابن الهمام التوفیق بأنه عند محاذاة الیدین للمنکبین من الرسغ تحصل المحاذاة للأذنین بالإبهامین، وهوصریح روایة أبی داؤد...وقال فی شرح مسلم: إنه المشهورمن مذهب الجماهیر‘‘. (الدرالمختارمع ردالمحتار، کتاب الصلاة، فصل: إذا أرادالشروع: ٤٧٩/١-٤٨٣، سعید) فقط واللّٰه أعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵۸۲/۵)

الجواب

ایسا نہ کرنا چاہئے، تبدیلی حروف جائز نہیں ہے۔(۱) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۱۶۳)

تکبیر تحریمہ کے بعد ہاتھ باندھے یا چھوڑے:

سوال: تکبیر تحریمہ کے وقت دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھا کر باندھے یا چھوڑ کر پھر باندھے، صحیح طریقہ کیا ہے؟

الجواب

تکبیر تحریمہ کے بعد اور وتر میں دعائے قنوت سے، اسی طرح نماز عید کی پہلی رکعت میں تیسری تکبیر کے وقت ہاتھ اٹھا کر باندھ لئے جائیں، ہاتھ چھوڑ کر پھر باندھنا کسی سے ثابت نہیں۔ اختلاف اس بات میں ہے کہ ثنا اور قرأت پڑھنے کی حالت میں ہاتھ باندھے یا چھوڑے رکھے۔ امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک باندھنے کا حکم ہے؛ (کیونکہ وہ ہاتھ باندھنے کو قیام کی سنت قرار دیتے ہیں) اور امام محمدؒ کے نزدیک ثنا کے وقت چھوڑنے کا حکم ہے (ان کے نزدیک ہاتھ باندھنا قرأت کے آداب میں سے ہے۔

”إذا أراد الرجل الدخول فی الصلاة أخرج كفيه من كميه ثم رفعهما حذاء أذنيه ثم كبر بلامد ناويًا... ثم وضع يمينه علىٰ يساره تحت سرته عقب التحريمة بلا مهلة مستفتحًا. (نورالایضاح:۷٦)(۲)

یعنی: جب مرد نماز شروع کرنے کا ارادہ کرے تو اپنی ہتھیلیاں آستین سے نکالے پھر ان کو کانوں کے مقابل اٹھائے پھر تکبیر کہے بلامد کے، نیت کرتے ہوئے پھر داہنے ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھے۔ تحریمہ کے بعد بلا تاخیر کے ثنا پڑھتے ہوئے۔

اور ”مراقی الفلاح“ میں ہے:

(تحت سرته عقب التحريمة بلا مهلة) لأنه سنة القيام فی ظاهر المذهب وعند محمد سنة

---

(۱) تکبیر کے معنی ”اللّٰہ أکبر“ کہنا ہے، اگر ’را‘ کو ’دال‘ سے بدل کر کہے گا تو معنی تکبیر کا ادا نہ ہوگا۔ **(وجهر الإمام بالتكبير) بقدر حاجته للإعلام بالدخول والانتقال، الخ. (الدرالمختار علىٰ هامش رد المحتار، سنن الصلاة: ۱/٤٤٣، ظفير)(كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، انيس)**

ولا بأس بالتطريب فی الأذان وهو تحسين الصوت من أن يتغير فإن تغير بلحنه أوما أشبه ذلک كره، قال شمس الأئمة الحلوانی: إنما يكره فيماكان من الأذكار أما قوله حي على الصلاة، حي على الفلاح لا بأس بادخال المدفيه. (المحيط البرهانی، الفصل السادس عشر فی التغنی والألحان: ۱/۳٥۱-۳٥۲، دارالكتب العلمية/ وكذا فی حاشية الشلبی ناقلاً عن فتاویٰ قاضی خان، فی باب ”كيفية الأذان والإقامة“: ۱/۹۱، المطبعة الأميرية بولاق. انيس)

(۲) كتاب الصلاة، فصل فی كيفية تركيب الصلاة: ٥۹، المكتبة العصرية، انيس

القـراء ة فيرسل حال الثناء وعندهما فى كل قيام فيه ذكر مسنون كحالة الثناء والقنوت وصلاة الجنازة ويرسل بين تكبيرات العيدين إذليس فيه ذكر مسنون.(٥٢)(۱)

فـالاعتـمـاد سـنة القيام عندهما حتٰى لايرسل حالة الثناء،الخ.(الجوهرة النيره: ٥٠/١)(۲)**فقط والله أعلم بالصواب**(فتاویٰ رحیمیہ:۳/۳۷،۳۸)

تکبیر تحریمہ کے بعد ہاتھوں کا ارسال یا سیدھا باندھنا:

سوال: بعض لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ تکبیر تحریمہ کہنے کے بعد ہاتھوں کو لٹکا کر پھر باندھتے ہیں، کیا اس طرح کرنا درست ہے؟

الجواب

تکبیر تحریمہ کہنے کے بعد ہاتھوں کو لٹکا کر باندھا جائے، یا بغیر لٹکائے باندھا جائے، دونوں طرح درست ہے، البتہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک تکبیر تحریمہ کے بعد فوراً ہاتھوں کو ناف سے نیچے باندھا جائے، لٹکانا نہیں چاہیے، یہی افضل ہے۔

لـمـا قـال العـلامة الـحـصكفي:(ووضع)الرجل(يمينه علٰى يساره تحت سرته آخذًا رسغها بـخـنـصـره وإبهامه)هو المختار،وتضع المرأة والخنثٰى الكف علٰى الكف تحت ثديها(كما فرغ من التكبير) بلا ارسال فى الأصح.

قـال ابـن عـابدين (تحت قوله بلا إرسال) هو ظاهر الرواية. (ردالمحتار: ٤٨٦/١،أركـان الصلاة، مطلب فى بيان المتواتر والشاذ)(۳)(فتاویٰ حقانیہ:۳/۷۶)

---

(۱) كتاب الصلاة،فصل فى كيفية تركيب أفعال الصلاة: ١٠٥،المكتبة العصرية،انيس

(۲) كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة: ٥١/١،المطبعة الخيرية،انيس

(۳) كتاب الصلاة،فصل،إذا أراد الشروع

وفـى ظـاهـر الـرواية: كـمـا فرغ من التكبيرة يعتمد.(مبسوط السرخسى،كيفيةالدخول فى الصلاة: ٢٤/١، دارالمعرفة بيروت،انيس

قـال الإمـام محمد:أخبرنا أبو حنيفة (عن حماد) عن إبراهيم أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يعتمد بإحدٰى يديه على الأخرٰى فى الصلاة يتواضع لله تعالٰى .

قـال مـحمد:ويضع بطن كفه الأيمن على رسغه الأيسر تحت السرة فيكون الرسغ فى وسط الكف.(كتاب الآثار لمحمد بن الحسن الشيبانى: ٣١٩/١، دارالكتب العلمية بيروت،رقم الحديث: ١٢٠)

وزيـادة (حماد) فى الإسناد من مخطوطة الآثار فى مكتبة سليم آغا بإسطنبول، رقم: ٢٧٥،وجامع المسانيد للخوارزمى: ٢٩٦/١.انيس)

قـال الشيـخ عبدالحى الكهنوى:(تحت قوله تحت سرته)وعنده أبى حنيفة وأبى يوسف يضع كما فرغ من التكبير ولايرسل وبه جزم قاضيخان فى فتاواه ولم يذكر خلافاً،إلخ.(السعاية،باب صفة الصلوة: ١٥٦/٢)

نماز ہاتھ باندھ کر پڑھی جائے یا چھوڑ کر:

سوال: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خدا نے عین نماز میں ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھنے کا حکم دیا؛ کیوں کہ مقتدی اپنی آستین میں بت رکھتے تھے، ہاتھ چھوڑنے پر سب بت گر گئے۔ کیا اس کے بعد پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہاتھ باندھ کر نماز پڑھائی ہے حیات تک، یا نہیں؟ اگر ہاں تو کب اور کتنے دن اور اگر نہیں تو ان کے پردہ فرمانے پر دوبارہ ہاتھ باندھ کر نماز کیوں پڑھی جاتی ہے اور یہ کس وقت سے رائج ہوا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے یا نہیں؟

الجواب ——— حامدًا و مصليًا

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دونوں طریقہ سے نماز پڑھنا ثابت ہے، امام ابوحنیفہ کے نزدیک ہاتھ باندھ کر پڑھنے والی روایتیں راجح ہیں۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

حررہ العبد حبیب اللہ القاسمی۔ (حبیب الفتاویٰ:۳/۶۸-۶۹)

حنفی مقتدی فجر میں قنوت کے وقت ہاتھ چھوڑے یا باندھے:

سوال: شافعی امام ہمیشہ نماز فجر میں دعائے قنوت پڑھتا ہے، تو اس وقت حنفی مقتدی ہاتھ چھوڑ کے کھڑے رہیں یا باندھے؟ کون سی صورت افضل ہے؟

حامدًا و مصليًا الجواب ——— و باللّٰه التوفيق

امام ابوحنیفہ وامام ابویوسف کے نزدیک ہاتھ باندھے رکھنا افضل ہے۔(۲) **و اللّٰه تعالىٰ أعلم وعلمه أتم و أحكم**

(مرغوب الفتاویٰ:۲/۱۴۳) ☆

---

(۱) عن ابن عباس أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: إنا معشر الأنبياء أمرنا أن نؤخر سحورنا ونعجل فطرتنا وأن نمسك أيماننا على شمائلنا في صلاتنا. (صحيح ابن حبان، ذكر الأخبار عما يستحب للمرء من وضع اليمين (ح: ۱۷۷۰)

(۲) وعندهما في كل قيام فيه ذكر مسنون كحالة الثناء والقنوت وصلاة الجنازة ويرسل بين تكبيرات العيدين إذ ليس فيه ذكر مسنون. (مراقي الفلاح مع الطحطاوي، فصل في كيفية تركيب أفعال الصلاة: ۲۸۰)

☆ **قنوت نازلہ میں ہاتھ باندھنے چاہئیں:**

سوال: قنوت نازلہ پڑھنے کی حالت میں ہاتھ باندھنے چاہئیں یا کھلے رہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ——— باسم ملهم الصّواب

اس بارہ میں کوئی صریح جزئیہ نہیں ملا، کلیہ کے مطابق ہاتھ باندھنے چاہئیں۔ ==

ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنا:

سوال: ہمارے گاؤں میں شیعہ طبقہ کے لوگ بھی رہتے ہیں اور وہ ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھتے ہیں اور ہم لوگ مسلک حنفی کے ہیں اور وہ لوگ ہم لوگوں کو شیعہ مذہب کی تلقین کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حدیث اور قرآن میں کہیں نہیں لکھا ہے کہ نیت باندھ کر نماز پڑھو، نہ ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنے کا۔

لہٰذا قرآن وحدیث کی روشنی میں اس کا جواب مرحمت فرماویں؟

الجواب ـــــــــــــــــــ حامداً و مصلیًا

قرآن کریم میں صاف صاف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع واطاعت کا حکم ہے:

﴿وَمَا اٰتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ﴾ إلخ. (۱)

اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خود بھی حالت قیام میں ہاتھ باندھ کر نماز پڑھی ہے اور دوسروں کو بھی اس کی ہدایت فرمائی ہے:

"عن قبيصة بن هلب عن أبيه قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يؤمنا فيأخذ شماله بيمينه". (رواه الترمذى وابن ماجة) (۲)

"وعن سهل بن سعد رضى اللّٰه تعالىٰ عنه قال: كان الناس يؤمرون أن يضع الرجل اليد اليُمنىٰ علىٰ ذراعه اليُسرىٰ فى الصلوٰة". (رواه البخارى) (۳)

یہ دونوں حدیثیں مشکوۃ شریف، ص: ۷۵-۷۶، پر موجود ہیں۔ (۴) **فقط واللّٰه أعلم بالصواب**

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔ ۷/۶/۱۳۹۰ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵/۵۸۵-۵۸۶)

== **"لأنّه قيام له قرار وفيه ذكر مسنون ولذا قالوا بوضع اليدين فى قنوت الوتر وقومة صلوٰة التسبيح". فقط واللّٰه تعالىٰ أعلم**

۱۹/رجب ۱۴۰۰ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ۳/۵۱)

(۱) قال اللّٰه تعالىٰ: ﴿وَمَا اٰتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾ (سورة الحشر: ۷)

"أى مهما أمركم به فافعلوه، ومهما نهاكم عنه فاجتنبوه، فإنه إنما يأمر بخير وإنما ينهىٰ عن شر. (تفسير ابن كثير: ٤/٤٣١، مكتبة دار الفيحاء، دمشق)

(۲) سنن الترمذى، أبواب الصلاة، باب ما جاء فى وضع اليمين علىٰ الشمال فى الصلاة: ٢/٣٢ (ح: ٢٥٢)

سنن ابن ماجة، باب وضع اليمين علىٰ الشمال فى الصلاة: ١/٤٤٥ (ح: ٨٠٩) دار المعرفة، بيروت، انيس

(۳) صحيح البخارى، كتاب الأذان، باب وضع اليمنى على اليسرى: ١/١٠٢، رقم الحديث: ٧٤٠، قديمى

(۴) مشكوٰة المصابيح، باب صفة الصلاة: ١/٧٥-٧٦، قديمى) (الفصل الأول (ح: ٧٩٨) الفصل الثانى (ح: ٨٠٣) انيس

ہاتھ باندھنے کا حدیث سے ثبوت:

سوال: بارہ ائمۂ عظام میں سے کسی ایک، یا زیادہ نے ہاتھ باندھ کر نماز پڑھی ہو، تو اس کا ثبوت کتبِ اہل السنة والجماعت اور کتبِ شیعہ سے کیا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دیگر صحابۂ کرام علیہم الرضوان سے بہت سی روایات آئی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وقتِ قیام آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہاتھ باندھا کرتے تھے، چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جو روایت ہے، وہ درج کی جاتی ہے۔

إن علياً قال:"من السنة وضع الكف على الكف فى الصلاة تحت السرة". (رواه ابن أبى شيبة)(۱)

واضح رہے کہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا بھی یہی مذہب ہے۔(۲) نیز ادب کا تقاضا بھی یہی ہے کہ رب العالمین کی بارگاہ میں ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ، رئیس الافتاء جامعہ خیر المدارس ملتان۔۲/۱۲/ ۱۳۷۱ھ۔(خیر الفتاویٰ:۲/ ۲۸۱-۲۸۲)

(۱) وكذا رواه أبوداؤد،باب وضع اليمنىٰ على اليسرىٰ فى الصلاة (ح: ۷۵٦):۲/ ۷۰،دارالرسالة العالمية وقال الشيخ شعيب الأرنؤوط:إسناده ضعيف،وكذا البيهقى فى السنن الكبرىٰ باب وضع اليدين على الصدر فى الصلاة (ح:۲۳٤۱)/سنن الدارقطنى،باب أخذ الشمال باليمين فى الصلاة (ح:۱۱۰۲)

عن إبراهيم النخعى أنه كان يضع يده اليمنىٰ على يده اليسرىٰ تحت السرة.

قال محمد:وبه نأخذ وهو قول أبى حنيفة رحمه اللّٰه.(كتاب الآثار لمحمدبن الحسن الشيبانى (ح:۱۲۱):۱/ ۳۲۲،دارالكتب العلمية بيروت.انيس)

(۲) عن ابن عباس أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال:إنا معشرالأنبياء أمرنا أن نؤخرسحورنا ونعجل فطرتنا وأن نمسك أيماننا على شمائلنا فى صلاتنا.(صحيح ابن حبان،ذكرالأخبار عما يستحب للمرء من وضع اليمين (ح:۱۷۷۰)

☆ نماز میں ہاتھ باندھنے کا ثبوت:

سوال: نماز کے اندر ہاتھ باندھنا کہاں سے ثابت ہے؟ دلائل نقلیہ روانہ فرمائیں۔

الجواب ــــــــــــــــــــ

عن وائل بن حجر رضى اللّٰه عنه : أنه رأى النبى صلى اللّٰه عليه وسلم رفع يديه حين دخل فى الصلوٰة،كبّرثم التحف بثوبه،ثم وضع يده اليُمنىٰ على اليُسرىٰ،الحديث. (رواه مسلم)(مشكوٰة،باب صفة الصلاة: ۷۵) (الفصل الأول،رقم الحديث : ۷۹۷)/الصحيح لمسلم،باب وضع يده اليمنىٰ على اليسرىٰ بعدتكبيرة الإحرام تحت صدره فوق سرته ووضعهما فى السجود على الأرض حذو منكبيه (ح:٤۰۱)انيس) ==

بعد تکبیر تحریمہ ارسال نہیں:

سوال: تکبیر تحریمہ قبل ثنا پڑھنے کے کسی قدر ارسال جائز ہے یا نہیں؟ مولوی عبدالحیٔ رحمۃ اللہ علیہ نے جائز لکھا ہے۔

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــ

درمختار میں ہے:

(ووضع) الرجل (يمينه علىٰ يساره تحت سرته اٰخذاً رسغها بخنصره وإبهامه) إلخ (كما فرغ من التكبير) بلا إرسال فى الأصح، إلخ. (الدر المختار)

قوله بلا إرسال هو ظاهر الرواية، إلخ. (۱)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ ارسال صحیح نہیں ہے۔ (فتاوی دار العلوم دیوبند: ۱۸۴/۲)

نماز میں ارسال یدین:

سوال: مسلک مالکی میں کیا ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھتے ہیں، یہ کس حدیث پر عمل ہے؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــ حامداً و مصليًا

حافظ ابن حجر نے فتح الباری "**باب وضع اليُمنىٰ على اليُسرىٰ فى الصلوة: ۱۸۶/۲**" میں امام مالک کی تین روایتیں نقل کی ہیں:

اول جمہور کے موافق ہے؛ یعنی وہی ترجمۃ الباب ہے، (۲) ثانی ارسال ہے، ثالث فرض اور نفل میں تفصیل ہے؛ یعنی نفل میں وضع اور فرض میں ارسال ہے؛ جیسا کہ اوجز المسالک شرح مؤطا امام مالک: ۲۱۷/۱، میں مذکور ہے۔ (۳)

"قال عبدالبر: لم يأت عن النبى صلى الله عليه وسلم فيه خلاف، وهو قول الجمهور من

== **وعن سهل بن سعد رضى الله تعالىٰ قال: كان الناس يؤمرون أن يضع الرجل اليد اليمنىٰ علىٰ ذراعه اليسرىٰ فى الصلوٰة.** (رواه البخارى) (أيضاً. ظفير) (الفصل الأول، رقم الحديث: ۷۹۸) / الصحيح للبخارى، باب وضع اليمنىٰ على اليسرىٰ فى الصلاة (ح: ۷۳۰) انيس)

ان دونوں حدیثوں سے نماز میں ہاتھ باندھنا معلوم ہوا۔ فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۱۷۶/۲)

(۱) رد المحتار، باب صفة الصلاة: ۴۵۴/۱، ظفير (فصل إذا أراد الشروع، انيس)

(۲) باب وضع اليُمنىٰ على اليُسرىٰ فى الصلوة: ۲۸۵/۲، قديمى

(۳) "والثانى يضع فى النافلة دون الفريضة، وهو رواية عنه". (أوجز المسالك شرح الموطأ، وضع اليدين: ۲۱۷/۱، مكتبة يحيوية، سهارنپور) (كتاب الصلاة، باب افتتاح الصلاة، رقم الحديث: ۱۶۸، انيس)

الصحابة و التابعين،وهو الذى ذكره ما لک فى المؤطا،ولم يحک ابن المنذروغيره عن مالک، وروى ابن القاسم عن مالک الإرسال،وصارإليه أكثرأصابه،وعنه التفرقة بين الفريضة والنافلةِ ومنهم من كره الإرسال،ونقل ابن حاجب أن ذالک حيث يمسک معتمدًا لقصد الراحة" آه. (فتح)(۱)

اس عبارت سے حسب تصریح ابن عبدالبر یہ بھی معلوم ہوگیا کہ حضوراکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے ترجمۃ الباب کے خلاف منقول نہیں؛ لیکن سعایہ میں طبرانی کے حوالہ سے ایک روایت نقل کی ہے:

"من حديث معاذ رضى اللّٰه تعالىٰ عنه أن رسول اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم كا ن إذادخل فى الصلوة،رفع يديه حيال أذنيه،فإذاكبرأرسلهما" آه. (۲)

اور ایک حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اثر؛ یعنی عمل نقل کیا ہے، پھران دونوں کا جواب دے کرلکھا ہے:

"ومن هٰهُنا قال بعض المحققين:إن الارسال لايثبت من طريق:لاصحيح لاضعيف،ولمولانا على القارى المكى رسالة حقق فيها ثبوت الوضع زيف الارسال"آه. (السعاية:۱۵٦/۲)(۳)**فقط واللّٰه تعالىٰ أعلم**

حررہ العبدمحمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہرعلوم سہارن پور-۱۳۹۵/٦/۵ھ-

صحیح: عبداللطیف، الجواب صحیح سعیداحمد غفرلہ- (فتاویٰ محمودیہ:۵۸٦/۵-۵۸۷)☆

---

(۱) فتح البارى،كتاب الأذان،باب وضع اليمنى على اليسرى فى الصلاة:۲۸۵/۲، قديمى

(۲) السعاية،كتاب الصلوة،باب صفة الصلوة:۱۵۵/۲، سهيل اكيڈمى لاهور

عن معاذ بن جبل قال:كان النبى صلى اللّٰه عليه وسلم إذا كان فى صلاته رفع يديه قبالة أذنيه فإذا كبر أرسلهما ثم سكت وربما يضع يمينه على يساره،الخ.(المعجم الكبيرللطبرانى،النعمان بن نعيم عن عبدالرحمن بن غنم عن معاذ بن جبل (ح:۱۳۹)انيس)

(۳) السعاية،كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة:۱۵٦/۲، سهيل اكيڈمى لاهور

(قوله:ثم وضع يده اليمنىٰ على اليسرىٰ) ... والظاهر أنه وضع من غيرإرسال وهو المعتمد فى المذهب وقيل إنه يرسل ثم يضع جمعاً بين الروايتين وخراجاً عن خلاف المذهبين وعلى كل فهو حجة على من قال بكراهة الوضع أو بترک سنيته المؤكدة،الخ.(مرقاة المفاتيح،باب صفة الصلاة:٦۵۸/۲،دارالفكر بيروت.انيس)

☆ امام مالکؒ کا مذہب ارسال ہی کا ہے:

سوال: آج سے کئی سال قبل آپ نے فرمایا تھا کہ امام مالکؒ نے ہاتھ چھوڑ کے نماز نہیں پڑھی؛ بلکہ ان کے دونوں ہاتھ کاٹ دیئے گئے تھے، تو باندھنے سے معذور تھے؛ لیکن بیت اللہ شریف میں بعضوں کو ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھتے دیکھا ہے، پوچھنے پر معلوم ہوا کہ یہ مالکی ہیں تو پیشوا اور پیروؤں میں یہ تضاد کیوں ہے؟ (الحاج صوفی عطاءاللہ میانچول) ==

تحریمہ کے بعد ہاتھ کس وقت باندھے:

سوال: نیت باندھنے کے بعد دونوں ہاتھ چھوڑ دینا مکروہ ہے، یا حرام؟

الجو اب ______________ حامداً و مصلیًا

خلاف سنت ہے حرام نہیں، ظاہر روایت میں تو یہ ہے کہ تکبیر کہتے ہی فوراً ہاتھ باندھنا سنت ہے، امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ سے نوادر کی ایک روایت میں ہے کہ ثنا تک چھوڑے رکھے، ثنا سے فارغ ہو کر ہاتھ باندھ لے۔

"(ووضع یمینه علیٰ یساره)... (کما فرغ من التکبیر) بلا إرسال فی الأصح" آه. (الدر المختار)(۱) وهو ظاهر الروایة، وروی عن محمد فی النوادر: أنه یرسلهما حالة الثناء، فإذا فرغ منه یضع" آه. (رد المحتار: ۱/۵۰۸)(۲) فقط واللّٰه سبحانه تعالیٰ أعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم، ۱۳۵۷/۱/۵ھ۔

الجواب الصحیح: عبد اللطیف، صحیح سعید احمد غفرلہ، ۱۳۵۷/۱/۷ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵/۵۸۱)

نیت کے بعد ہاتھ باندھنے کی ترکیب:

سوال: نماز کی نیت کر کے ہاتھ نیچے کو چھوڑ کر زیر ناف باندھے یا کانوں تک ہاتھ اٹھا کر زیر ناف باندھے؟

الجواب ______________

کانوں تک ہاتھ اٹھا کر نیت باندھیں اور ہاتھ زیر ناف باندھیں۔ (۳) (فتاویٰ دار العلوم دیو بند: ۲/۱۵۹) ☆

==　　　الجواب ______________

امام مالکؒ کا مذہب ارسال ہی کا ہے، اگر ہم نے کبھی پہلے ایسا لکھا ہے تو اس تحریر کی نقل بھیج دیں؛ تا کہ اس پر غور کیا جا سکے۔

وقال مالک: السنة هی الإرسال، آه. (بدائع الصنائع: ۱/۲۰۱) (قال النفراوی علی الرسالة: ویستحب کشفهما عند الإحرام کما یستحب إرسالهما بعد التکبیر لکراهة القبض فی المفروضة. ویکون إرسالهما برفق ولا یرفعهما إلی قدام. (أسهل المدارک شرح إرشاد السالک، فصل فی فضائل الصلاة: ۱/۲۱۶، دار الفکر بیروت. انیس) فقط واللّٰه أعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ، مفتی خیر المدارس ملتان ۲/۷/۱۴۱۰ھ۔ (خیر الفتاویٰ: ۲/۲۴۶-۲۴۷)

(۱) الدر المختار، کتاب الصلاة، فصل فی بیان تالیف الصلوة إلی انتهائها: ۱/۴۸۶، سعید

(۲) ردالمحتار، کتاب الصلاة، فصل فی بیان تالیف الصلوة إلی إنتهائها، مطلب: فی بیان المتواتر بالشاذ: ۱/۴۸۷، سعید

(۳) (ورفع یدیه إلخ ماساً بإبهامیه شحمتی أذنیه) الخ (ووضع) الرجل (یمینه علیٰ یساره تحت سرّته). (الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار، باب صفة الصلاة، فصل إذا أراد الشروع: ۱/۴۵۰، ظفیر) ==

نماز میں ہاتھ باندھنے کے طریقہ کی دلیل:

سوال: احناف کے یہاں نماز میں ہاتھ باندھنے کا جو طریقہ ہے، کیا حدیث سے اس کا کوئی ثبوت ملتا ہے؟
(عبدالبصیر، مہدی پٹنم)

== ☆ تکبیر تحریمہ کے بعد ہاتھ کس طرح باندھے:

سوال: تحریمہ میں ہاتھ کان سے زیر ناف آنا چاہئے یا پہلے ہاتھ لٹکا دے پھر زیر ناف لائے؟

الجواب ــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

ہاتھ بغیر لٹکائے ہوئے ناف پر باندھنا چاہئے اور اس کے خلاف مکروہ ہے، مگر نماز ہو جاتی ہے۔((ووضع)الرجل (یمینه **علٰی یساره تحت سرّته آخذًا رسغها بخنصره وإبهامه)هو المختار...(كما فرغ من التكبير)بلا إرسال في الأصحّ.(الدر المختار: ۱۸۷/۲-۱۸۸)** فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی-۱۹/۳/۱۳۵۲ھ-(فتاویٰ امارت شرعیہ:۱۳۰/۲)

نماز میں ہاتھ باندھنے کا طریقہ:

سوال: نماز میں قیام کی حالت میں ہاتھ باندھنے کا طریقہ تحریر فرماویں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــ باسم ملهم الصّواب

قیام میں ناف کے نیچے ہاتھ اس طرح باندھیں کہ دائیں ہاتھ کی ہتھیلی بائیں ہاتھ کی ہتھیلی کی پشت پر ہو، اور دائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی اور انگوٹھے سے حلقہ بنا کر بائیں ہاتھ کے گٹے کو پکڑیں اور دائیں ہاتھ کی بیچ کی تینوں انگلیاں بائیں کلائی پر پھیلی رہیں، ایک قول کے مطابق چھنگلیاں کے ساتھ والی انگلی کو بھی حلقہ میں شامل کریں اور صرف دو انگلیوں کو پھیلائیں، یہ حکم مردوں کے لیے ہے، عورتیں دائیں ہتھیلی کو بائیں ہتھیلی پر رکھیں، پکڑیں نہیں اور سینے پر ہاتھ باندھیں۔

قال العلاء رحمه اللّٰه تعالٰى:(ووضع)الرجل (يمينه علٰى يساره)تحت سرته آخذًا رسغها بخنصره وإبهامه)هو المختار وتضع المرأة والخُنثٰى الكف على الكف تحت ثديها.

وقال ابن عابدين رحمه اللّٰه تعالٰى:أي يحلّق الخنصر والإبهام على الرسغ ويبسط الأصابع الثلاث كما في شرح المنية ونحوه في البحر والنهر والمعراج والكفاية والفتح والسراج وغيرها،وقال في البدائع:ويحلق إبهامه وخنصره وبنصره ويبسط الوسطٰى والمسبحة علٰى معصمه وتبعه في الحلية ومثله في شرح الشيخ إسماعيل عن المجتبٰى.

(قوله: تحت ثديها)كذا في بعض نسخ المنية وفي بعضها علٰى صدرها،قال في الحلية:وكان الأولٰى أن يقول علٰى صدرها كما قاله الجمّ الغفير لا علٰى ثديها وإن كان الوضع على الصدر قد يستلزم ذٰلك بأن يقع بعض ساعد كل يد على الثدى لكن هٰذا ليس هو المقصود بالإفادة.(ردالمحتار: ٤٥٤/١)

۱۴/صفر/۱۳۹۸ھ-(احسن الفتاویٰ:۴۰/۳-۴۱)

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ

فقہاءِ حنفیہ نے لکھا ہے کہ ہاتھ اس طرح باندھا جائے کہ دائیں ہاتھ کی ہتھیلی بائیں ہاتھ کے اوپری حصہ پر ہو، انگشت شہادت اور اس سے متعلق متصل دو انگلیاں؛ یعنی کل تین انگلیاں بائیں ہاتھ کے گٹوں پر ہوں اور انگوٹھا، نیز چھوٹی انگلی سے بائیں ہاتھ کے گٹہ پر حلقہ بنالیا جائے، حنفیہ کے یہاں چوں کہ تمام حدیثوں پر عمل کرنے کا خصوصی اہتمام ہے، اسی لئے وہ کسی مسئلہ سے متعلق مختلف روایات کو جمع کرتے ہیں اور ایسی صورت اختیار کرتے ہیں، جس میں سبھوں پر عمل ہو جائے، چنانچہ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے کہ لوگوں کو حکم دیا جاتا ہے کہ!

''دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھیں''۔(۱)

اور ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دایاں ہاتھ کو بائیں ہتھیلی کی پشت، گٹے اور کلائی پر رکھتے تھے:

''علی ظهر كفيه اليسرى والرسغ والساعد''.(۲)

اور ترمذی کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بائیں ہاتھ کو دائیں ہاتھ سے پکڑتے تھے:

'' يأخذ شماله بيمينه'' .(۳)

تو پہلی روایت سے ہتھیلی کی پشت پر ہاتھ کا رکھنا معلوم ہوا، دوسری روایت سے کلائی اور گٹے پر ہاتھ رکھنا، اور تیسری روایت سے ہاتھ کا پکڑنا، احناف نے ان تینوں روایتوں پر عمل کرنے اور جمع کرنے کے لئے یہ کیفیت متعین فرمائی کہ ہتھیلی ہتھیلی کی پشت پر، تین انگلیاں گٹے اور کلائی پر ہوں اور دو انگلیوں سے حلقہ بنا کر بائیں ہاتھ کو پکڑا جائے؛ تاکہ کوئی روایت عمل سے محروم نہ رہ جائے، (۴) احادیث کی توضیح وتشریح اور اس پر عمل کرنے میں یہی احناف کا خاص منہج

---

(۱) صحيح البخاری، رقم الحديث: ٧٤٠، باب وضع اليُمنٰى على اليُسرٰى

'' عن سهل بن سعد رضی الله عنه قال: كان الناس يؤمرون أن يضع الرجل اليد اليمنٰى على ذراعه اليسرٰى في الصلاة ''. (وهذا الحديث رواه مالک فی الموطأ، ت: عبدالباقی، باب وضع اليدين إحداهما على الأخرٰى فی الصلاة (ح: ٤٧) انيس)

(۲) سنن أبی داؤد، رقم الحديث: ٧٢٨، باب رفع اليدين فی الصلاة (عن وائل بن حجر. انيس)

(۳) الجامع للترمذی، رقم الحديث: ٢٥٢، باب ماجاء في وضع اليمين على الشمال فی الصلاة (عن هلب يزيد بن قنافة الطائی. انيس)

(۴) وصفة الوضع أن يضع باطن كفه اليمنٰى على ظاهر كفه اليسرٰى ويحلق بالخنصر والإبهام على الرسغ. (منحة السلوک فی شرح تحفة الملوک، فصل فی صفة الصلاة: ١٢٨/١، وزارة الأوقاف قطر / وكذا فی درر الحكام شرح غرر الحكام، باب صفة الصلاة: ٦٧/١، دار إحياء الكتب العربية. انيس) ==

ہے،جس کے پیچھے تمام سنتوں کی اتباع کا جذبہ کارفرما ہے،مگر افسوس کہ جن حضرات کی نظر سطحی ہوتی ہے، وہ ایک حدیث پر عمل کر کے باقی ساری حدیثوں کو نظر انداز کر دیتے ہیں اور اپنی لاعلمی کی وجہ سے اپنے آپ کو متبع سنت خیال کرتے ہیں اور جو لوگ تمام سنتوں کا احاطہ کرتے ہیں،ان کو تارک سنت کہنے سے بھی نہیں چوکتے۔ **وإلى الله المشتكىٰ**. (کتاب الفتاویٰ:۲/۱۷۰-۱۷۱)

امام کا قرأت ختم ہونے سے پہلے ہی رکوع کے لئے ہاتھ چھوڑ دینا:

سوال: ایک امام صاحب رکوع میں جانے سے پہلے ہی اپنے ہاتھوں کو چھوڑ دیتے ہیں؛ حالانکہ قرأت اب تک جاری ہے تو اس طرح کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ

ذکر مسنون میں ہاتھ باندھنا بھی مسنون ہے،لہٰذا دوران قرأت ہاتھ چھوڑ دینا قبل از وقت ہے اور خلاف سنت ہے،امام صاحب کو اس طرح نہیں کرنا چاہئے،سنت کے مطابق نماز پڑھانے کا اہتمام کرنا چاہئے۔

امداد الفتاح میں ہے:

"ویسن وضع الرجل یده الیمنىٰ على الیسرىٰ تحت سرته لحدیث علی رضی الله عنه:"إن من السنة وضع الیمین على الشمال تحت السرة".(إمداد الفتاح:۲۸۲،بیروت)(۱)

ہدایہ میں ہے:

الاعتماد سنة القیام عند أبی حنیفة حتىٰ لایرسل حالة الثناء والأصل أن کل قیام فیه ذکر مسنون یعتمد فیه وما لا فلا،هو الصحیح، فیعتمد فی حالة القنوت وصلاة الجنازة ویرسل فی القومة وبین تکبیرات الأعیاد.(الهدایة:۱/۱۰۲،باب صفة الصلاة)(۲)

== وأما صفة الوضع ففی الحدیث المرفوع لفظ الأخذ وفی حدیث علی رضی الله عنه لفظ الوضع واستحسن کثیر من مشائخنا الجمع بینهما بأن یضع باطن کفه الیمنىٰ على ظاهر کفه الیسرىٰ ویحلق بالخنصر والإبهام على الرسغ لیکون عاملاً بالحدیثین.(المبسوط للسرخسی،کیفیة الدخول فی الصلاة:۱/۲٤،دار المعرفة بیروت.انیس)

... العمل بالحدیثین أولىٰ من نسخ أحدهما.(بدائع الصنائع،فصل کیفیة فرضیة صلاة الجمعة: ۱/۲۵۷، دار الکتب العلمیة بیروت.انیس)

(۱) رواه أحمد،مسند علی بن أبی طالب (ح: ۸۷۵) بلفظ:"إن من السنة فی الصلاة وضع الأکف على الأکف تحت السرة./وکذا الدارقطنی،باب أخذ الشمال بالیمین فی الصلاة (ح: ۱۱۰۲) والبیهقی فی السنن الکبرىٰ،باب وضع الیمین على الشمال فی الصلاة (ح: ۲۳٤۱)انیس)

(۲) ثم قال فی ظاهر المذهب الاعتماد سنة القیام وروی عن محمد رحمه الله أنه سنة القراءة.(المبسوط للسرخسی، باب کیفیة الدخول فی الصلاة: ۱/۲٤،انیس)

شرح العنایہ میں ہے:

وعند محمد أنه سنة القراء ة...والصحيح ماقاله شمس الأئمة الحلوانی وهو الذی أشار إليه فی الكتاب أن كل قيام،الخ. (شرح العناية علىٰ هامش فتح القدير: ۲۸۷/۱،باب صفة الصلاة. دارالفكر)

نیز ملاحظہ ہو: البحر الرائق: ۳۰۸/۱، کوئٹة وكذا فی ردالمحتار: ۴۸۷/۱، سعید) **والله سبحانه تعالىٰ أعلم**

(فتاویٰ دارالعلوم زکریا: ۲/ ۲۵۹-۲۶۰)

درج ذیل امور مسنون ہیں:

تکبیر تحریمہ کہنے سے پہلے مرد کا دونوں ہاتھ کندھوں تک اٹھانا۔عورتوں کا دونوں ہاتھ کندھوں تک اٹھانا۔دونوں ہاتھوں کی انگلیاں قبلہ رخ اور اپنی حالت پر کھلی رکھنا۔تکبیر کہتے وقت سر نہ جھکائے بلکہ سیدھا کھڑا ہو۔امام کے تکبیر تحریمہ کہنے کے ساتھ مقتدی کا تکبیر تحریمہ کہنا۔امام کا تکبیر تحریمہ اور ایک رکن سے دوسرے رکن میں جانے کی تکبیریں ضرورت کے مطابق بلند آواز سے کہنا۔مرد کا دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ کے اوپر ناف کے نیچے باندھنا۔عورت اپنے ہاتھ کو سینہ پر رکھے ایک ہاتھ کو دوسرے سے نہ پکڑے۔ثناء آہستہ سے پڑھنا۔قراءت کے لئے **اَعوذ بالله من الشيطٰن الرجيم** آہستہ کہنا۔**بسم الله الرحمٰن الرحيم** ہر رکعت میں سورہ فاتحہ سے پہلے آہستہ پڑھنا۔سورہ فاتحہ پڑھنے کے بعد امام،مقتدی اور تنہا پڑھنے والے سب کو آہستہ سے آمین کہنا۔کھڑے ہونے کی حالت میں دونوں پاؤں کے درمیاں چار انگلیوں کے برابر جگہ ہونا۔سورہ فاتحہ کے بعد فجر اور ظہر میں طوال مفصل سے اور عصر وعشا میں اوساط مفصل سے اور مغرب میں قصار مفصل سے قراءت کرنا۔امام کا فجر کی پہلی رکعت کو دوسری رکعت سے لمبا کرنا۔رکوع میں جانے کے لئے تکبیر کہنا۔رکوع کی تسبیح **سبحان ربی العظيم** (میں اپنے عظیم رب کی پاکی بیان کرتا ہوں) تین مرتبہ کہنا۔رکوع کی حالت میں دونوں گھٹنے دونوں ہاتھوں سے پکڑنا۔رکوع میں گھٹنے پکڑنے کی حالت میں انگلیاں ایک دوسرے سے الگ رکھنا۔پنڈلیاں بالکل سیدھی رکھنا،کمان کی طرح جھکانا مکروہ تنزیہی ہے۔سر،پیٹھ،اور کمر کا بالکل برابر ہونا۔کہنیاں پہلوؤں سے الگ رکھنا۔پاؤں کی انگلیاں قبلہ رخ رکھنا۔رکوع سے سر اٹھانا۔قومہ میں امام کا **سمع الله لمن حمده** کہنا اور مقتدی کا **ربنا لک الحمد** کہنا اور اکیلے پڑھنے والے کا دونوں کہنا۔سجدہ کی تکبیر۔سجدہ میں اس طرح جانا کہ پہلے گھٹنے پر ہاتھ پھر ناک پھر پیشانی سجدہ کی جگہ رکھے۔دونوں ہاتھوں کے درمیان سجدہ کرنا۔ہاتھ پاؤں کی انگلیاں قبلہ رخ رکھنا۔مرد کا پیٹ کو رانوں سے اور کہنیاں پہلوؤں سے اور بازو زمین سے دور رکھنا۔عورتوں کا جھکنا اور پیٹ رانوں سے چپکائے رکھنا۔سجدہ میں تین مرتبہ تسبیح **سبحان ربی الأعلىٰ** کہنا۔(مراقی) سجدہ سے اٹھنے میں پہلے پیشانی پھر ناک پھر ہاتھ پھر گھٹنے اٹھانا۔سجدہ سے پورے طور پر سر اٹھانا۔دونوں سجدے کے درمیان اور تحیات پڑھنے کے لئے بیٹھنے کی حالت میں دونوں ہاتھ رانوں پر رکھنا اس طرح کہ ہاتھ گھٹنے نہ پکڑے۔مرد کا بایاں پاؤں بچھانا اور دایاں کھڑا رکھنا۔دائیں پاؤں کی انگلیوں کا اندرونی حصہ حتی الامکان قبلہ رخ رکھنا جو انگلی اس طرح نہ رہ سکے اس میں حرج نہیں ہے۔عورتوں کا اس طرح بیٹھنا کہ چوتڑ پر بیٹھے اور ایک ران دوسری پر رکھے اور دائیں چوتڑ کے نیچے سے باہر نکالے۔تشہد میں انگلی سے اشارہ کرنا۔تحیات (تشہد) آہستہ سے پڑھنا۔فرض نماز کی تیسری،چوتھی رکعت میں سورہ فاتحہ پڑھنا۔نماز کے اخیر میں بیٹھنے کی حالت میں درود پڑھنا۔درود کے بعد دعا کرنا۔دائیں اور بائیں،پھر کر سلام کرنا۔امام اس نیت سے سلام کرے کہ میں مردوں،عورتوں،بچوں،خنثیٰ محافظ فرشتوں اور نیک جنوں میں سے مقتدیوں کو سلام کرتا ہوں۔تنہا نماز پڑھنے والا اس نیت سے سلام کرے کہ جو فرشتے اور جن ہمارے ساتھ نماز میں شریک ہیں ان سب کو سلام کرتا ہوں۔امام پہلے سلام پست آواز میں دوسرا سلام کرے۔مقتدی امام کے سلام کرنے کے ساتھ سلام کرے۔پہلے دائیں جانب سلام کرے۔مسبوق (جس کی کچھ نماز چھوٹ جائے) امام کے دونوں سلام سے فارغ ہونے کا انتظار کرے۔(طہارت اور نماز کے تفصیلی مسائل: ۲۴۱-۲۵۹) (انیس)

سنن نماز

ثنا،تعوذ،تسمیہ،آمین اورقرأت

ثنا کی حیثیت:

سوال: ثنا ہر نماز میں ایک حیثیت رکھتی ہے یا سنت ونفل میں دوسری اور فرض نماز میں کوئی اور؟

الجواب ــــــــــــــــ حامداً و مصلیًا

فرض،سنت،وتر،نفل،غرض ہر نماز میں پہلی رکعت میں ثناء پڑھی جائے گی،سب میں حیثیت ایک ہی ہے:

"وثنى كل مصل إلخ". (نورالإيضاح)(۱) **فقط واللّٰه سبحانه وتعالىٰ أعلم**

حررہ العبد محمود غفرلہ،دارالعلوم دیوبند-۱۳۹۵/۷/۱۶ھ-(فتاویٰ محمودیہ:۵۸۹/۵)

ثناوغیرہ کا حکم:

سوال: ثنا کا پڑھنا،تکبیر کا جواب دینا اور نیت کرنا کیسا ہے؟ مکبر کی تکبیر کے ساتھ تکبیر کے جواب میں مقتدی مشغول ہوتا ہے،تکبیر ختم ہونے پر فوراً امام صاحب تکبیر تحریمہ کہہ دیتے ہیں تو مقتدی ثنا،تکبیر کا جواب اور نیت کس وقت کرے؟

الجواب ــــــــــــــــ و باللّٰه التوفيق

ثنا پڑھنا مسنون ہے اور تکبیر کا جواب دینا مستحب ہے۔(۲) نیت نماز کے لئے شرط ہے،بغیر نیت نماز نہیں ہوگی، نیت دل کے ارادہ کا نام ہے۔(۳) اس میں زیادہ وقت کی ضرورت نہیں ہے۔

(۱) نورالإيضاح متن مراقی الفلاح،کتاب الصلاة،فصل فی کیفیة ترکیب الصلاة: ۲۸۱،قدیمی

"عن عائشة رضى اللّٰه تعالىٰ عنها قالت: كا ن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم إذا استفتح الصلوة قال: "سبحانک اللّٰهم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالىٰ جدک،ولاإله غيرک". (سنن أبی داؤد،کتاب الصلاة، باب من رأى الاستفتاح بسبحانک: ۱۱۳/۱،رقم الحديث: ۷۷۶،دارالحديث،ملتان)

"وقد تقدم أنه سنة لرواية الجماعة أنه كا ن صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم يقوله إذا افتتح الصلاة،أطلقه فأفاد أنه يأتى به كل مصل،إماماً كان أومأموماً أومنفردًا". (البحرالرائق،کتاب الصلاة،باب صفة الصلاة: ۵۴۰/۱،رشيدية)

(۲) (ويجيب الاقامة) ندباً إجماعًا. (الدرالمختارعلىٰ هامش ردالمحتار،باب الأذان: ۷۱/۲)

(۳) (و) الخامس (النية) بالإجماع (وهى الإرادة) المرجحة لأحد المتساويين: أى إرادة الصلاة للّٰه تعالىٰ على الخلوص. (الدرالمختارعلىٰ هامش ردالمحتار،باب شروط الصلاة: ۹۰/۲-۹۱)

(وسننها)...(والثناء).(۱)

ثم الشرط لغةً: العلامة اللازمة.وشرعًا:مايتوقف عليه الشيء ولايدخل فيه (هى)ستة... (و) الخامس(النية) بالإجماع.(۲)فقط واللّٰه تعالٰی أعلم

محمد نعمت اللہ قاسمی ۔۱۴۰۹/۵/۲۱ھ۔(فتاویٰ امارت شرعیہ:۲/۳۹۴۔۳۹۵)

نماز میں ثنا اور درود شریف پڑھنا سنت موکدہ ہے غیر موکدہ یا واجب:

سوال: نماز میں ثنا، درود شریف، دعا وغیرہ کا پڑھنا سنت موکدہ ہے غیر موکدہ؟

الجواب

نماز میں ثناء، درود شریف اور اس کے بعد کی دعا سنن موکدہ میں سے ہیں۔لما فی الدر المختار:

وسننها... الثناء والتعوذ...والصلوة على النبى صلى اللّٰه عليه و سلم والدعاء.(۳)

اور ”وسننها“ کے بعد صاحب درمختار لکھتے ہیں:

”ترک السنة لايوجب فسادًا ولاسهوًا بل اساءةً لو عامدًا غير مستخف،الخ.(۴)

اور یہ تعریف سنت موکدہ کی ہے، كما يظهر من كلام الشامى.(۱/۳۱۸۔۳۱۹)(۵)

اس کے علاوہ فقہا جب نماز کی سنت مطلق بولتے ہیں، تو اس سے موکدہ ہی مراد ہوتی ہے، سنن زوائد یا سنن غیر موکدہ عموماً آداب سے تعبیر کیا جاتا ہے۔واللہ سبحانہ اعلم

احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ۔۱۳۹۸/۶/۲۴ھ۔(فتویٰ نمبر:۶۹۲/۲۹-ب)(فتاویٰ عثمانی:۱/۴۰۸)

---

(۱) ردالمحتار،باب صفة الصلاة:۲/۱۷۰۔۱۷۲۔

(۲) الدرالمختار،باب شروط الصلاة:۲/۷۳۔۹۰۔

(۳۔۵) الدرالمختار: ۱/۴۷۳۔۴۷۷،باب صفة الصلاة،طبع سعيد

وفى تبيين الحقائق:۱/۲۸۶،طبع سعيد)(كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة،انيس):

وسننها رفع اليدين للتحريمة ... الثناء والتعوذ ... والصلوة على النبى والدعاء يعنى بعد التشهد فى القعده الأخيرة لقوله عليه السلام:”إذا صلى أحدكم فليبدأ بالثناء على اللّٰه تعالٰى ثم بالصلوة ثم بالدعاء.وقال الشافعى رحمه اللّٰه:”الصلوة على النبى فرض ... ولنا أنه عليه السلام علم الأعرابى فرائض الصلوة ولم يعلمه الصلوة على النبى.

وفى شرح العناية على الهداية على هامش فتح القدير: ۱/۳٤۱،طبع مكتبة رشيدية،كوئٹة:

وبالسنة مافعله رسول اللّٰه بطريق المواظبة ولم يتركها إلا لعذركا لثناء والتعوذوتكبيرات الركوع والسجود .

كذا فى البحر الرائق:۱/۳۰۳ .طبع سعيد

ثنا پڑھنے کا وقت:

سوال: زید امامت کے لئے کھڑا ہوا اور "قد قامت الصلوٰة" پرنیت باندھ لی، مقتدی اور مکبر حضرات نے بعد تمام اقامت فوراً نیت باندھی، لیکن امام کے سورۃ فاتحہ شروع کرنے کی وجہ سے ثناء نہیں پڑھ سکے، یہ زید کی عادت ہے کہ ثنا پڑھنے کی مہلت نہیں دیتا۔ بعد نماز عمر نے اعتراض کیا کہ اے زید امام ! ہم تمام مقتدی مکبر کب ثنا پڑھیں؟ زید جواب دیتا ہے کہ ثنا نہ پڑھی جائے تو کوئی بات نہیں، اگر ثنا پڑھنا ہوتو "قد قامت الصلوة" پرفوراً میرے ہمراہ نیت باندھو اور ثنا پڑھو اور ثنا کی ذمہ داری میرے اوپر نہیں ہے۔ عمر سوال کرتا ہے زید سے کہ مقتدیوں کو اقامت کا جواب بھی دینا ہوتا ہے، زید کہتا ہے کہ اقامت کا جواب نہیں دینا چاہئے۔ عمر زید سے کہتا ہے کہ اگر ہم لوگ "قد قامت الصلوٰة" پرنیت باندھ لیں؛ لیکن بکر کب نیت باندھے اور کب ثناء پڑھے؟ تو زید کہتا ہے کہ زیادہ بولو نہیں، ورنہ چیخ کر چڑھ بیٹھوں گا۔

الجواب ــــــــــــ حامداً ومصلیًا

"**(وشروع الإمام)فی الصلاة (مذ قیل قد قامت الصلاة)ولو أخر حتی أتمها لابأس به إجماعاً، وهو قول الثانی والثلاثة،وهو أعدل المذاهب،کما فی شرح المجمع لمصنفه.وفی القهستانی معزیاً للخلاصة:أنه الأصح آه**". (الدر المختار)

"**قوله:(وهو)أی التأخیر المفهوم من قوله:"أخر"قوله:(أنه الأصح)؛لأن فیه محافظةً علیٰ فضیلة المؤذن وإعانةً له علی الشروع مع الإمام آه**". (رد المحتار: ۱/۳۳۲)(۲)

اس عبارت معلوم ہوا کہ امام کے لئے مناسب یہ ہے کہ اقامت ختم ہونے پرنماز شروع کرے؛ تاکہ مکبر امام کی متابعت بروقت کرلے، امام کو جواب کا وہ طریقہ نہیں اختیار کرنا چاہئے، جوسوال میں مذکور ہے، ثنا پڑھنا سنت ہے۔(۲)

(فتاویٰ محمودیہ:۵/۵۹۰)

---

(۱) الدر المختار، کتاب الصلاة،باب صفة الصلاة: ۱/۴۷۹، سعید

(۲) "عن عائشة رضی اللّٰه تعالیٰ عنها قالت:کان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم إذا استفتح الصلوة قال:"سبحانک اللّٰهم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالیٰ جدک ولاإلٰه غیرک". (سنن أبی داؤد، کتاب الصلاة، باب من رأی الاستفتاح بسبحانک: ۱/۱۱۳،رقم الحدیث: ۷۷۶،دار الحدیث،ملتان)

عن إبراهیم أن ناساً من أهل البصرة أتوا عمربن الخطاب رضی اللّٰه عنه لم یأتوا إلا لیسألوه عن افتتاح الصلاة قال:فقام عمربن الخطاب رضی اللّٰه عنه فافتتح الصلاة وهم خلفه ثم جهر فقال: سبحانک اللّٰهم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالیٰ جدک ولاإلٰه غیرک.قال محمد:وبهذا نأخذ فی افتتاح الصلاة ولکنا لانری أن یجهر بذلک الإمام ولا من خلفه وإنماجهر عمربذلک لیعلمهم ما سألوه عنه وکذلک بلغنا عن إبراهیم وهو قول أبی حنیفة رضی اللّٰه عنه. (کتاب الآثار لمحمد بن الحسن،باب افتتاح الصلاة (ح: ۷۲)،ت:أبوالوفاالأفغانی،دار الکتب العلمیة بیروت.انیس)

ثنا کب پڑھا جائے:

سوال: قرأت شروع ہونے کے بعد ثنا پڑھنا چاہئے یا نہیں؟ سِری نماز میں اتنی دیر میں شریک ہوا کہ امام سورۂ فاتحہ کا کچھ حصہ پڑھ چکا ہو، تو کیا ثنا پڑھ سکتا ہے؟ ثنا کن صورتوں میں پڑھنا چاہئے؟ واضح طور پر بتلائے؟

(عبدالرحمٰن، بی، ایچ ای، ایل)

الجواب

اگر امام قرأت شروع کر چکا ہو تو مقتدی کو اس وقت ثنا نہیں پڑھنی چاہئے، نماز خواہ جہری ہو یا سری، اس صورت کے علاوہ ثنا پڑھنے کی صورت اس طرح ہے:

(الف) امام تنہا نماز پڑھنے والا اور امام کے پیچھے تکبیر تحریمہ سے شریک رہنے والا، قرأت سے پہلے ثنا پڑھے گا، اگر شروع میں غفلت ہوگئی اور قرأت شروع ہونے کے بعد یاد آیا تو اس وقت ثنا پڑھنا درست نہیں، اب ثنا چھوڑ دے، کیونکہ ثنا کا حکم استحبابی ہے، واجب نہیں۔

(ب) اگر نماز شروع ہونے کے بعد امام کے رکوع میں جانے کے بعد نماز میں شامل ہوا تو اگر اس کو قوی امید ہو کہ وہ ثنا پڑھ کر رکوع کو پا سکتا ہے تب تو ثنا پڑھ لے اور پھر رکوع میں جائے، اور اگر ثنا پڑھنے میں رکوع کے چھوٹ جانے کا اندیشہ ہو تو ثنا چھوڑ دے۔

(ج) جس شخص کی ایک یا اس سے زیادہ رکعتیں چھوٹ گئیں، جس کو فقہ کی اصطلاح میں ''مسبوق'' کہتے ہیں، وہ امام کی نماز پوری ہونے کے بعد جب چھوٹی ہوئی رکعتوں کو ادا کرنے کے لئے اٹھے، اس وقت شروع میں ثناء پڑھ سکتا ہے۔

(د) اگر قیام کی حالت میں ثنا نہیں پڑھ سکا تو رکوع کی حالت میں ثنا پڑھنا درست نہیں، بہ خلاف عیدین کی تکبیراتِ زوائد کے، اگر قیام کی حالت میں امام کی تکبیراتِ زوائد کو نہیں پا سکا تو رکوع میں یہ تکبیرات کہی جائیں گی، کیونکہ عیدین کی تکبیرات واجب ہیں، اور ثنا مستحب۔

یہ تمام احکام علامہ شرنبلالیؒ اور طحطاویؒ نے ذکر کئے ہیں۔(۱) (کتاب الفتاویٰ:۲/۱۷۲-۱۷۳)

چھوٹی ہوئی رکعت میں ثنا:

سوال: اگر کوئی آدمی نماز میں اس وقت شریک ہوتا ہے، جب کہ جماعت کی ایک یا دو رکعت ہو چکی ہے تو جب

(۱) مراقی الفلاح مع طحطاوی:ص:۱۵۳-۱۵٤،ط: دمشق

امام سلام پھیرتا ہے،تو مقتدی کونماز فجر،ظہر،عصر،مغرب اورعشا کی نماز میں جب وہ نماز پوری کرنے کے لئے اکیلا کھڑا ہوتو کیا اسے ''**سبحانک اللّٰھم**،الخ''سورہ فاتحہ سے پہلے پڑھنا چاہئے یانہیں؟

هو المصوب

وہ سورہ فاتحہ سے پہلے ثنا پڑھے گا-(۱)

تحریر:محمد طارق ندوی-تصویب: ناصرعلی ندوی- (فتاویٰ ندوۃ العلماء:۲/۸۷)

سنتوں کی تیسری رکعت میں ثنانہیں پڑھی جائے گی:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ دین شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ سنت مؤکدہ کی تیسری رکعت میں ''**سبحانک اللّٰھم**'' سےشروع کرے گا،یا''**بسم اللّٰه**'' سے؟ بینوا توجروا- **(المستفتی:عبدالرشید جہلم)**

الجواب

بسم اللّٰه سے پڑھے گا-(۲) **وهو الموفق** (فتاویٰ فریدیہ:۲/۲۶۰)

سری نماز میں ثنا کا حکم:

سوال: سری نماز میں مقتدی کوپہلی رکعت میں رکوع سے تھوڑی دیر پہلے آ کر ملنے تک ثنا پڑھنے کی گنجائش ہے یانہیں؟

الجواب حامداً و مصليًا

ہے-(۳) **فقط والله سبحانه وتعالىٰ أعلم** (فتاویٰ محمودیہ:۵/۵۹۱)

ثنااورتشہدوغیرہ کے پہلے بسم اللہ نہیں ہے:

سوال: نماز میں ثنااورتشہداوردروداوردعااوردعاءقنوت کے پہلے بسم اللہ پڑھنی چاہئے یانہیں؟

---

(۱) **(فيأتي به المسبوق)في ابتداء مايقضيه بعدالثناء فإنه يثني حال اقتداءه.(مراقي الفلاح،فصل في كيفية تركيب الصلاة:۱۰۵،المكتبةالعصرية.انيس)**

(۲) **وفي الهندية:وإذا قام يفعل في الشفع الثاني ما فعل في الشفعل الأول من القيام و الركوع والسجود كذا في المحيط ويقرأالفاتحة فقط.هٰكذا في الكافي وتكره الزيادة علىٰ ذلك،كذا في السراج الوهاج.(الفتاوىٰ الهندية،الفصل الثاني في سنن الصلاة وآدابها وكيفيتها:۱/۷۶)**

(۳) **''أدرك الإمام في القيام ،يثني ما لم يبدأ بالقراءة،وقيل:في المخافتة يثنىٰ،ولو أدركه راكعاً أوساجداً إن أكبر رأيه أنه يدركه أتىٰ به''(.سعيد)**

الجوابــ

بسم اللہ پڑھنا سورہ فاتحہ کے اول اور سورہ سے پہلے ہے، تشہد وغیرہ سے پہلے بسم اللہ پڑھنے کا حکم نہیں ہے؛ لیکن بعض روایات میں تشہد اور دعاءِ قنوت میں بسم اللہ وارد ہے، اگر پڑھے تو کچھ حرج نہیں ہے۔(۱) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیو بند:۲/۱۹۹)

ثناء کے آخر میں ''ک'' پر زبر ہے یا جزم:

سوال: نماز میں جو ثناء پڑھتے ہیں ثناء کے آخر میں ''ولا إلٰـه غيـركُ'' پڑھنا چاہئے یا ''غيـركُ'' پڑھا جائے؟ کتاب اور سنت کی روشنی میں مطلع فرمادیں۔

الجوابــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیًا

ثنا کے بعد اگر ''أعوذ'' پڑھنا ہو تو ''غيركَ'' کاف کے زبر کے ساتھ بھی پڑھ سکتے ہیں، اگر ''کاف'' پر سانس ختم کرنا ہو تو ''کاف'' کو ساکن کردیں، اگر ثنا کے بعد ''أعوذ'' نہ پڑھنا ہو، جیسا کہ مقتدی کا حال ہوتا ہے تو ''کاف'' کو ساکن کردیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند۔ ۱۸/۹/۱۳۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیو بند۔ ۱۹/۹/۱۳۸۸ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ:۵/۵۹۳)

نماز شروع ہونے کے بعد مقتدی آیا وہ ثنا کب پڑھے:

سوال: امام نے سری نماز میں قرأت شروع کردی اس کے بعد زید نماز میں آکر ملا تو وہ اب ثناء کب پڑھے؟

(غلام رسول حاجی اسماعیل، ترکیسر ضلع سورت)

الجوابــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیًا

اگر سورہ شروع کردی ہے تو زید ثنا نہ پڑھے، (۲) اگر فاتحہ شروع کی ہے اور امام کے سکتات اور آیات کے وقف کے پڑھ سکتا ہے تو پڑھے ورنہ نہ پڑھے۔ (۳) **فقط واللّٰہ سبحانه وتعالیٰ أعلم**

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور۔

صحیح، الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔ ۲۴/۳/۱۳۶۴ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ:۵/۵۹۲)

---

(۱) وتعوذ، إلخ، سرًّا لقراءة، إلخ (و) كما تعوذ (سمّى) غير المؤتم. (الدر المختار)

ذكر المصنف ثلاث مسائل تفريعاً علىٰ قوله "لقراءة" بناءً علىٰ قول أبي حنيفة ومحمد: إن التعوذ تبع للقراءة أما عند أبي يوسف فهو تبع للثناء، الخ، لكن مختار قاضي خان والهداية وشروحها والكافي والاختيار وأكثر الكتب هو قولهما: إنه تبع للقراءة وبه نأخذ، شرح المنية. (رد المحتار، باب صفة الصلاة، بعد الفصل إذا أراد الشروع: ۱/۴۵۶-۴۵۷، ظفير)==

نماز شروع ہونے کے بعد مقتدی ثنا کیسے پڑھے گا:

سوال: نماز باجماعت میں مقتدیوں کا امام کی قرأت کا سننا واجب ہے اور ثنا پڑھنا سنت ہے، لہٰذا ایسی صورت میں جب کہ امام قرأت شروع کر چکا ہے، مقتدی کیا کرے، اگر مقتدی نے ثنا کا کچھ حصہ پڑھ لیا ہے اور امام نے جہر سے قرأت شروع کر دی، تو مقتدی ثنا پڑھے گا؟

هو المصوب

امام بالجہر قرأت کرے یا سراً قرأت کرے، دونوں صورتوں میں مقتدی ثنا نہیں پڑھیں گے، اگر کچھ باقی رہ گیا تو بھی نہیں پڑھیں گے، قرأت کا سننا ضروری ہے۔(۱)

تحریر: محمد ظہور ندوی۔(فتاویٰ ندوۃ العلماء:۲/۸۷-۸۸)☆

==(۲) ثم اعلم أن الثناء يأتي به كل مصل،فالمقتدى يأتى به مالم يشرع الإمام فى القرأة مطلقاً ،إلخ".(حاشية الطحطاوى علىٰ مراقى الفلاح،كتاب الصلاة،فصل فى بيان سننها:۲۵۹، قديمى)

(۳) وقال بعضهم:يأتى بالثناء عندسكتات الإمام كلمة كلمة،وعن الفقيه أبى جعفر الهندوانى:إذا أدرك الإمام فى الفاتحة يثنىٰ بالاتفاق".(الحلبى الكبير،صفة الصلاة:۳۰٤،سهيل اكيڈمى،لاهور)

حاشیہ صفحہ هذا:

(۱) (وقرأ) كما كبر(سبحانك اللّٰهم...إلا إذا)شرع الإمام فى القراء ة سواء (كان مسبوقًا)أومدركاً(و)سواء كان (إمامه يجهربالقراء ة)أولا؟فإنه (لايأتى به)لما فى النهرعن الصغرىٰ: أدرك الإمام فى القيام يثنى مالم يبدأ بالقراء ة. (الدر المختارمع ردالمحتار:۲/۱۸۹)(كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة،فصل فى تأليف الصلاة:۱/٤٥٥-٤٥٦،ظفير)

﴿وَإِذَا قُرِىءَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَاَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾.(سورة الأعراف:۲۰٤)

عن أبى هريرة رضى اللّٰه عنه قال: كانوا يتكلمون فى الصلاة فأنزل اللّٰه عزوجل﴿وَإِذَا قُرِىءَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَاَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾.(أحكام القرآن للطحاوى،تأويل قوله تعالى وَإِذَا قُرِىءَ الْقُرْآنُ: ۱/۲٤٥، مركز البحوث الإسلامية التابع لوقف الديانة التركى،استانبول)

قال أبوبكر:روى عن ابن عباس أنه قال إن النبى صلى اللّٰه عليه وسلم قرأ فى الصلاة وقرأ معه أصحابه فخلطوا عليه فنزل،﴿وَإِذَا قُرِىءَ﴾الخ.(أحكام القرآن للجصاص،باب القراء ة خلف الإمام:۳/۵۲،دارالكتب العلمية.انيس)

☆ فاتحہ کے سکتات میں ثنا پڑھنا نہیں چاہئے:

سوال: ثنا فاتحہ کے سکتات میں پڑھنا افضل ہے یا سکوت بہتر ہے؟

الجواب

قراءت کے شروع ہونے کے بعد ثنا نہ پڑھنی چاہئے۔(حوالہ سابق) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۲۳۹)

امام ثنا پڑھ کر قرأت شروع کردے یا مقتدی کے پڑھنے کا انتظار کرے:

سوال: امام کو ثنا پڑھ کر مقتدیوں کی ثنا پڑھنے کا انتظار کرنا چاہئے یا قرأت شروع کردے؟

الجواب

نہیں۔ (انتظار نہ کرے)(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۱۶۴)

ثنا سے متعلق چند مسائل:

سوال: ثنا پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ نیز بعد میں شریک ہونے والا کب پڑھے گا؟ اگر کسی نے سہوا ثنا چھوڑ دیا تو سجدہ سہو واجب ہوگا یا نہیں؟ اور اگر قصدا چھوڑ دیا تو کیا حکم ہے؟

الجواب

ثنا پڑھنا سنت ہے، منفرد اور امام ہر حال میں ثنا پڑھیں گے، اگر جہری نماز میں امام نے قرأت شروع کردی ہے تو بعد میں شامل ہونے والا ثنا نہ پڑھے، نیز سری نماز کا بھی یہی حکم ہے اصح قول کے مطابق ایک ضعیف روایت یہ بھی ہے کہ سری نماز میں بعد میں شریک ہونے والا ثنا پڑھے گا، مسبوق جب اپنی چھوٹی ہوئی نماز پوری کرے گا تب ثنا پڑھے گا، اگر بھول سے چھوٹ گیا تو کوئی حرج نہیں ہے اور سجدہ سہو بھی واجب نہیں ہے البتہ جان بوجھ کر چھوڑ دینا بہت برا ہے اور ملامت کا مستحق ہے اور عادت بنالی ہے تو گنہگار ہوگا، اور سنت کا ہلکا سمجھ کر چھوڑتا ہے تو کفر کا اندیشہ ہے۔

ترمذی شریف میں ہے:

عن عائشة رضی اللّٰه عنها قالت: کان النبی صلی اللّٰه علیه وسلم إذا افتتح الصلاة قال: ''سبحانک اللّٰهم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالٰی جدک ولاإلٰه غیرک''. (رواه الترمذی: ۵۷/۱، **باب مایقول عند افتتاح الصلاة،فیصل**)(۲)

---

(۱) (وقرأ) کماکبر(''سبحانک اللّٰهم''إلخ ، إلاإذا شرع)الإمام فی القراء ة سواءٌکان مسبوقاً أومدرکاً وسواءٌ کان إمامه یجهربالقراء ة أولافإنه لایأتی به إلخ أدرک الإمام فی القیام یُثنی مالم یبدء بالقراء ة .(الدرالمختارعلٰی هامش رد المحتار،باب صفة الصلوٰة،فصل: ۴۵۶/۱،ظفیر)

(۲) أبواب الصلاة،رقم الحدیث: ۲۴۳،قال الترمذی:هذاحدیث لا نعرفه إلا من هذا الوجه وحارثة قد تکلم من قبل حفظه.(۳۲۵/۱،دارالغرب الإسلامی بیروت)قال الألبانی:حدیث صحیح وصححه الحاکم ووافقه الذهبی.(صحیح أبی داؤد: ۳۶۳/۳،مؤسسة غراس للنشروالتوزیع الکویت)/وأیضاً رواه ابن ماجه ،باب افتتاح الصلاة، رقم الحدیث: ۸۰۴، عن أبی سعیدالخدری قال: کان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم یستفتح صلاته یقول:''سبحانک اللّٰهم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالٰی جدک ولاإلٰه غیرک''.،قال الألبانی: صحیح.(تخریج الکلم الطیب: ۹۸/۱،المکتب الإسلامی بیروت.انیس)

مراقی الفلاح میں ہے:

”ویسن الثناء لما روینا لقوله صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم :إذا قمتم إلٰی الصلاة فارفعوا أیدیکم ولا تخالف آذانکم ثم قولوا:سبحانک اللّٰهم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالٰی جدک ولا اله غیرک“.(مراقی الفلاح:۹۵،مکة المکرمة)

حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

(مستفتحًا وهوأن یقول سبحانک اللّٰهم ... ویستفتح کل مصل سواء المقتدی وغیره مالم یبدأ الإمام بالقراءة) ولوسریة علی المعتمد وإن أدرکه راکعًا تحری إن أکثر رأیه أنه إن أتی به أدرکه فی شیء منه أتی به وإلالا،نهر.(حاشیة الطحطاوی علی المراقی:۲۸۱، قدیمی کتب خانة) (۱)

حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار میں ہے:

(قوله إلا إذا شرع الإمام)أفاد بالاستثناء أنه یأتی به الإمام والمنفرد والمقتدی قبل شروع الإمام فی القراءة (قوله سواءٌ کان امام یجهر)لما کان قضیة المتن جواز الثناء فی المخافة وإن بدأ الإمام بالقراءة وکان ذلک ضعیفًا حوّل الشارح عبارة المصنف إلی القول الصحیح حلبی (قوله وقیل فی المخافة یثنی) وجه ضعیف هذا القیل أنه إذا امتنع علٰی المأموم قراءة القرآن التی هی فرض فی الصلاة عند قراءة الإمام القرآن سراً أوجهراً فلان یمتنع علیه الثناء وهونفل أولٰی بجامع التخلیط والتغلیظ فی کل،آه،حلبی.(حاشیة الطحطاوی علٰی الدرالمختار:۲۱۸/۱)(۲)

خلاصۃ الفتاویٰ میں ہے:

”المسبوق إذا أدرک الإمام فی القراءة فی الرکعة التی یجهرفیها لایأتی بالثناء فإذا قام إلٰی قضاء ماسبق به یأتی بالثناء.(خلاصة الفتاویٰ:۱۶۵/۱،مسائل المسبوق،رشیدیة)

درمختار میں ہے:

ترک السنة لایوجب فسادًا ولا سهوًا بل إساءة لوعامدًا غیرمستخف...وفی الشامی:قوله: (لایوجب فسادًا ولا سهوًا)أی بخلاف ترک الفرض فإنه یوجب الفساد وترک الواجب فإنه یوجب سجود السهو.قوله:(لوعامداً غیرمستخف)فلوغیرعامدٍ فلا إساءةً أیضاً،بل تنوب إعادة الصلاةکما قدمناه فی أول بحث الواجبات ، ولومستخفا کفر، لمافی النهرعن البزازیة:لولم یر السنة حقًاکفر لأنه استخفاف.(الدرالمختارمع ردالمحتار:۴۷۴/۱)(۳)واللّٰه سبحانه تعالٰی أعلم

(فتاویٰ دارالعلوم زکریا:۱۳۹/۲-۱۴۱)

---

(۱) فصل فی کیفیة ترکیب أفعال الصلاة:۲۸۱-۲۸۲،دارالکتب العلمیةبیروت.انیس

(۲) فروع قرأبالفارسیة أوالتوراة أوالإنجیل،انیس

(۳) کتاب الصلاة،باب صفة الصلاة،انیس

بلا بسم اللہ نماز میں فاتحہ:

سوال: نماز میں سورۂ فاتحہ بلا بسم اللہ پڑھنے سے نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟

الجواب

نماز ہو جاتی ہے اور کچھ نقص نہیں رہتا۔(۱) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۲/۲۴۱)

نماز میں تعوذ اور بسم اللہ:

سوال: فرض وسنت نمازوں کی ہر رکعت میں سورہ فاتحہ سے پہلے تسمیہ ضروری ہے یا نہیں؟ اگر کوئی صرف پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ، تعوذ وتسمیہ پڑھے اور بقیہ رکعتوں میں تسمیہ نہ پڑھے تو کیسا ہے؟ اور جماعت سے نماز پڑھنے کی صورت میں مقتدی کو تعوذ وتسمیہ پڑھنا چاہئے یا نہیں؟ (م،ع، فاروقی، محبوب نگر)

الجواب

تعوذ تو صرف پہلی رکعت میں پڑھنا ہے، لیکن بسم اللہ ہر رکعت میں سورہ فاتحہ سے پہلے پڑھنا مسنون ہے، خواہ وہ فرض ہو یا سنت، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے:

"أنه يأتي بها في كل ركعة". (۲)

البتہ سورۂ فاتحہ اور اس کے بعد والی سورت کے درمیان بسم اللہ پڑھنا جائز ہے نہ کہ مسنون، البتہ تعوذ وتسمیہ کا تعلق قرآن مجید کی قرأت سے ہے، اس لئے جس کے ذمہ قرآن کی تلاوت ہو وہ تسمیہ وتعوذ پڑھے گا، یعنی امام اور منفرد، مقتدی کے ذمہ چونکہ قرأت نہیں؛ اس لئے وہ تعوذ اور تسمیہ بھی نہیں پڑھے گا:

"إن التعوذ سنة القراءة فيأتي به كل قارئ للقرآن ... لا يأتي به المقتدى". (۳)

(کتاب الفتاویٰ:۲/۱۷۳-۱۷۴) ☆

---

(۱) (وسننها) ترك السنة لايوجب فسادًا ولاسهوًا بل إساءةً لوعامدًا،إلخ،الثناء والتعوذ والتسمية والتأمين.(الدر المختارعلىٰ هامش رد المحتار،باب صفة الصلوٰة،مطلب سنن الصلوٰة: ١/ ٤٤٢ ـ٤٤٣،ظفير)

(۲) بدائع الصنائع: ١/٤٧٧ ، ط : ديوبند .محشى،كتاب الصلاة،فصل فى سنن الصلاة،انيس

(۳) البحر الرائق: ١ / ٣١٢ - ٣١١ .كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة،فصل إذا أراد الدخول فى الصلاة،انيس

☆ **"أعوذ باللّٰه" اور "بسم اللّٰه":**

سوال: نماز (میں ثناء) کے بعد اعوذ باللہ اور بسم اللہ پڑھنا سنت ہے یا نہیں؟ اور رکعت کے شروع میں بھی قرأت سے پہلے اعوذ باللہ اور بسم اللہ پڑھنا چاہئے یا نہیں؟ ==

نماز میں تعوذ وتسمیہ پڑھنے کا حکم:

سوال (۱) نماز کے وقت خواہ دورکعت والی نماز ہو یا چار رکعت والی نماز ہو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم صرف پہلی رکعت کے شروع میں الحمد شریف سے پہلے پڑھنا چاہئے یا ہر رکعت میں الحمد شریف کے پہلے بسم اللہ پڑھے؟

(۲) کیا ہر رکعت میں صرف الحمد للہ کے پہلے یا ہر رکعت میں الحمد للہ کے بعد سورہ ملانے سے پہلے بھی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھے؟

(۳) کیا امام ومنفرد، مسبوق اور مقتدی سبھوں کو تعوذ وتسمیہ کہنا چاہئے؟

امید ہے کہ اہل سنت والجماعت یعنی امام اعظم علیہ الرحمہ کے مسلک کے پیش نظر مفصل اور تشریحاً کتابوں کے حوالہ کے ساتھ جواب دے کر مشکور فرمائیں گے۔

الجواب ــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

(۱) ہر رکعت کے شروع میں الحمد پڑھنے سے پہلے بسم اللہ کہنا مسنون ہے۔(۱)

(۲) درمختار میں ہے کہ فاتحہ اور سورہ کے درمیان بسم اللہ پڑھنا نہ مسنون ہے اور نہ مکروہ، محققین نے اس کو راجح فرمایا ہے کہ پڑھنا بہتر اور مستحب ہے۔ شامی میں ہے:

”ولهٰذا صرح في الذخيرة والمجتبٰى بأنه إن سمّٰى بين الفاتحة والسورة المقروءة سرًا أو جهرًا كان حسنًا عند أبي حنيفة ورجحه المحقق ابن الهمام،إلخ.(۲)

==

الجو اب ــــــــــــــــ حامداً ومصليًا

جوشخص ثنا کے بعد ”الحمد“ پڑھے گا، جیسے امام اور منفرد وہ ”أعوذ باللّٰه“ و”بسم اللّٰه“ پڑھے گا۔ (”(و) كما استفتح(نعوذ) بلفظ أعوذ على المذهب(سرًا) ... (لقراءة) ... (و) كما تعوذ(سمى)غير المؤتم بلفظ البسملة“.(الدرالمختار، كتاب الصلوة،باب صفة الصلاة: ۴۸۹/۱،سعيد)

وفي الفتاوى الهندية:”ثم يقول:سبحانك اللّٰهم...إماماً كان أومقتدياً أومنفردًا...ثم يتعوذ...ثم التعوذ تبع للقراءة دون الثناء عند أبي حنيفة ومحمد رحمهما اللّٰه ... ثم يأتي بالتسمية“.(كتاب الصلاة، الفصل الثالث في سنن الصلاة وآدابها: ۷۳/۱-۷۴،رشيدية)فقط واللّٰه أعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵۹۵/۵)

(۱) ”(و)كما تعوذ (سمى)غير المؤتم بلفظ البسملة،لامطلق الذكر كما في ذبيحة ووضوء (سراً في)أول (كل ركعة)ولوجهرية “(الدرالمختارعلٰى هامش رد المحتار: ۱۹۱/۲-۱۹۲)(كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة،انيس)

(۲) رد المحتار: ۱۹۲/۲، كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة،مطلب:قراءة البسملة بين الفاتحة والسورة حسن: ۴۹۰/۱،دارالفكر بيروت،انيس)

(۳) تعوذ وتسمیہ قرأت قرآن کے تابع ہیں، اس لئے جس کے ذمہ قرآن کی قرأت ہے، اسی کو تعوذ وتسمیہ پڑھنا چاہئے، امام ومنفرد اور مسبوق کے ذمہ قرأت ہے، اس لئے ان کے لئے قرأت سے پہلے تعوذ وتسمیہ کہنا سنت ہے، لیکن مقتدی کے ذمہ قرأت نہیں ہے، اس لئے اس کو تعوذ اور تسمیہ نہیں کہنا چاہئے۔

درمختار میں ہے:

"(و) كما تعوذ(سمى)غيرا لمؤتم ... (سرًا في) أول(كل ركعة) ولو جهرية(لا) تسن (بين الفاتحة والسورة مطلقًا)ولوسرية ولا تكره اتفاقًا".(۱)

مقتدی کے سوا (امام، منفرد، مسبوق) تعوذ ہی کی طرح ہر رکعت کے شروع میں اگر چہ نماز جہری ہو آہستہ سے بسم اللہ کہے مگر فاتحہ اور سورہ کے درمیان اگر چہ سری ہو تسمیہ مسنون نہیں ہے، لیکن اگر کوئی شخص تسمیہ کہے تو بالاتفاق مکروہ نہیں ہے (بلکہ مستحب ہے)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد صدر عالم-۱۳۸۳/۲/۳۰ھ-(فتاویٰ امارت شرعیہ:۲/۳۹۰-۳۹۱)☆

---

(۱) الدرالمختار: ۲/۱۹۱-۱۹۲،كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة،انيس

☆ **تعوذ وتسمیہ صرف امام ومنفرد پڑھے:**

سوال: سورۂ فاتحہ سے قبل تعوذ اور تسمیہ کن کن رکعتوں میں پڑھنا چاہئے، اور ان کی شرعی حیثیت کیا ہے، قراءت شروع سورت سے پڑھنا شروع کریں یا کسی سورت کے درمیان سے کوئی آیات پڑھ سکتے ہیں فاتحہ اور سورت کے درمیان تسمیہ پڑھنا مسنون ہے یا نہ؟ (محمد لطف اللہ خالد، لاہور)

الجواب

ثنا سے فارغ ہونے کے بعد تعوذ وتسمیہ کا پڑھنا امام ومنفرد کے لئے سنت ہے۔ مراقی میں ہے:

"(و)يسن ... (التعوذ للقراء ة) فيأتي به المسبوق كالإمام و المنفردلاالمقتدى.(ص: ۱٤۱)(كتاب الصلاة،فصل في بيان سننها:۹۷،دارالكتب العلمية بيروت،انيس)

اور ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ شروع کرنے سے قبل بسم اللہ کا پڑھنا بھی مسنون ہے۔

(و)تسن (التسمية أول كل ركعة)قبل الفاتحة؛لأنه صلى الله عليه وسلم كان يفتتح صلا ته ببسم الله الرحمٰن الرحيم،الخ.(ص: ۱٤۱)(كتاب الصلاة،فصل في بيان سننها،انيس)

دونوں صورتوں میں سورہ فاتحہ کے بعد سورہ ملانے سے قبل تسمیہ نہ سنت ہے اور نہ ہی پڑھنا مکروہ ہے۔

"ولا تسن(التسمية)بين الفاتحة والسورة مطلقاً ولوسرية،ولا تكره اتفاقاً".(الدرالمختار: ۳۲۹/۱)(كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة،انيس)فقط والله أعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ، نائب مفتی خیر المدارس ملتان-۱۴۰۶/۷/۲۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء-(خیر الفتاویٰ:۲/۲۷۷)

فاتحہ سے پہلے ’’بسم اللہ‘‘:

سوال: کیا جب بھی سورہ فاتحہ پڑھی جائے گی اس سے پہلے ’’بسم اللہ‘‘ پڑھنا ضروری ہے؟

الجواب ـــــــــ حامداً و مصلیًا

نماز میں جب بھی سورۂ فاتحہ پڑھی جائے ،اس سے پہلے ’’**بسم اللّٰہ**‘‘ پڑھنا سنت ہے۔(۱)واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ۔۲۳/۲/۱۳۹۰ھ۔(فتاویٰ محمودیہ:۵/۵۹۳)☆

نماز میں سورۂ فاتحہ سے پہلے ’’بسم اللہ‘‘ پڑھنے کی دلیل:

سوال: نماز میں سورۂ فاتحہ سے پہلے ’’بسم اللہ‘‘ پڑھا جائے یا نہیں؟ کیوں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ الحمد للہ سے قرأت کی ابتدا کرتے تھے؟(۲)　　(محمد ارشد، وجے واڑہ)

---

(۱) کما تعوذ(سمی)... (سرًّا فی)أول(کل رکعة)ولو جهرية‘‘.(الدرالمختار، کتاب الصلاة،باب صفة الصلاة،انیس)

’’وذكر في المحيط:المختار قول محمد،وهو أن يسمي قبل الفاتحة وقبل كل سورة في كل ركعة‘‘.(رد المحتار، كتاب الصلاة،باب في بيان تأليف الصلاة إلى انتهائها:۱/۴۹۰،سعيد)(مطلب:في بيان المتواتر بالشاذ)

’’(وقوله:في كل ركعة):... أي في ابتداء كل ركعة فلا تسن التسمية بين الفاتحة والسورة مطلقاً عندهما،وقال محمد:تسن إذا خافت،لا إن جهر‘‘.(البحر الرائق،كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة:۱/۵۴۴،شيدية)

’’و(قوله:وسمي سرًا)حال من الضمير في سمي مسارًا في ابتداء كل ركعة سريةً كانت أو جهرية‘‘.(النهر الفائق، كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة:۱/۲۱۰،مداديه ملتان)

☆ **ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ سے پہلے بسم اللہ:**

سوال: ایک شخص کا کہنا ہے کہ پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے شروع میں بسم اللہ پڑھے، دوسری، تیسری اور چوتھی رکعت میں سورہ فاتحہ سے پہلے بسم اللہ نہ پڑھے، جو پڑھتے ہیں وہ غلطی کرتے ہیں کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب ـــــــــ

یہ بات صحیح نہیں، بلکہ ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ سے پہلے بسم اللہ آہستہ پڑھنی چاہئے ، دوسری، تیسری اور چوتھی رکعت میں بسم اللہ پڑھنے کی ممانعت نہیں۔

’’(سمی)... (سرًا فی)أول(کل رکعة)‘‘. یعنی ہر رکعت کے شروع میں بسم اللہ آہستہ سے پڑھے۔(الدر المختار مع ردالمحتار:۱/۴۵۷)(کتاب الصلاة،باب صفة الصلاة،انیس) فقط واللہ اعلم بالصواب(فتاویٰ رحیمیہ:۱/۱۸۹)

(۲) عن أنس أن النبي صلى الله عليه وسلم وأبابكر وعمر كانوا يستفتحون بالحمدلله رب العالمين.(مسندأبي يعلى الموصلي،قتادة عن أنس (ح:۲۹۸۱)/مستخرج أبي عوانة:۱/۴۴۸ (ح:۱۶۵۷)دار المعرفة بيروت.انيس)

الجواب

اس حدیث میں قرأت سے مراد زور سے قرآن مجید پڑھنا ہے، یعنی بآواز بلند قرأت کی ابتداءِ سورہ فاتحہ سے ہوگی، رہ گیا بسم اللہ کو آہستہ پڑھنا تو یہ حدیث سے ثابت ہے، (۱) چنانچہ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بسم اللہ آہستہ پڑھتے تھے:

"كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يخفى بسم الله الرحمن الرحيم". (۲) (کتاب الفتاویٰ:۲/۱۹۰)

ترک تسمیہ سے سجدہ سہو یا اعادہ صلاۃ لازم نہیں ہوتا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ دین شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ!

(۱) ہر رکعت میں بسم اللہ پڑھنا سنت ہے یا واجب؟

(۲) اور نہ پڑھنے سے سجدہ سہو لازم ہوگا یا نہیں؟

(۳) نہ پڑھنے سے نماز درست ہوگی یا واجب الاعادہ؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: عالم خان لنڈیواہ لکی مروت......۲۲/محرم ۱۴۰۱ھ)

الجواب

ہر رکعت میں بسم اللہ پڑھنا سنت ہے، ترک سنت سے قضا اور اعادہ لازم نہیں ہوتا۔ (۳)

لما فی شرح التنویر: (و) ... (سمی) غیر المؤتم بلفظ البسملة (سرًا فی) أول (كل ركعة) و لو جهرية. (الدر المختار علی هامش رد المحتار: ۱/۴۵۷) (۴) **وهو الموفق** (فتاویٰ فریدیہ:۲/۲۶۱)☆

---

(۱) خود حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں اس کی صراحت موجود ہے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم زور سے نہیں پڑھتے تھے۔
صليت خلف رسول الله صلى الله عليه وسلم وأبى بكر وعمر وعثمان فلم أسمع أحداً يجهر بـ بسم الله الرحمن الرحيم. (صحيح موارد الظمآن إلى زوائد ابن حبان للألبانى (رقم الحديث: ۳۸۱): ۱/۲۳۳، دار الصميعى الرياض. انيس)

(۲) جامع المسانيد: ۱/۳۴۷۔ نیز دیکھئے: صحيح ابن خزيمة: ۱/۲۵۰، حدیث نمبر: ۴۹۶۔ محشی
(عن عبد الله أنه كان يخفى بسم الله الرحمن الرحيم والاستعاذة وربنالك الحمد. (مصنف ابن أبى شيبة، مايستحب أن يخفيه الإمام (ح: ۴۱۳۷ و ۸۸۵۳) انيس)

(۳) قال الحصكفى: (وسننها) ترك السنة لا يوجب فسادًا ولا سهوًا بل إساءة لو عامدًا غير مستخف.
قال ابن عابدين: أى بخلاف ترك الفرض فإنه يوجب الفساد وترك الواجب فإنه يوجب سجود السهو. (الدر المختار مع رد المحتار، مطلب فى سنن الصلاة: ۱/۳۵۰، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، انيس)

(۴) الدر المختار مع رد المحتار، قبيل مطلب لفظة الفتوىٰ آكد من لفظة المختار: ۱/۳۶۲، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، انيس

==

مسائل متعلقہ آمین:

سوال: نماز میں بعد سورہ فاتحہ کے لفظ آمین کہنا سنت موکدہ ہے یا مستحب؟

الجواب ــــــــــــــــــــــ

سنت مؤکدہ ہے۔

کما فی الدرالمختار: وسننها (إلٰی قوله) ثم هی علٰی ماذکره ثلاثة وعشرون (إلٰی قوله) والتسمية والتأمين وكونهن سرًا. (۱)

۲۹/صفر ۱۳۴۵ھ۔ (امداد المفتین:۲/۲۷۶)

== ☆ بسم اللہ ترک کرنے سے نماز کا اعادہ کرنا لازم نہیں:

سوال: نماز کی ہر رکعت میں بسم اللہ پڑھنا واجب ہے یا سنت؟ اور اگر کسی سے پڑھنا رہ جائے تو کیا اس پر سجدہ سہو لازم ہے یا نہیں، اور اگر کوئی قصداً وعمداً پڑھنا ترک کردے تو کیا نماز کا اعادہ کرنا ہوگا؟

الجواب ــــــــــــــــــــــ

ہر رکعت میں بسم اللہ پڑھنا ایک مسنون عمل ہے اور مسنون عمل کے ترک کرنے سے نہ فساد لازم آتا ہے اور نہ قضا اعادہ، اس لئے اگر کسی سے بسم اللہ سہوا یا عمدا نماز میں چھوٹ جائے تو نماز دوبارہ پڑھنا لازم نہیں تاہم قصدا وعمدا ترک کرنا مناسب نہیں۔

لما قال الحصكفي: (و) (سمى) غير الموتم بلفظ البسملة، سراً فى أول (كل ركعة) ولو جهرية. (الدر المختار علٰى هامش ردالمحتار: ۱/ ۳٦۳) (كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، انيس)

وقال أيضًا (وسننها) ترك السنة لايوجب فساداً ولاسهوًا بل إساءةً لو عامدًا غير مستخف وقالوا: الإساءة أدون من الكراهة (الدرالمختار علٰى هامش ردالمحتار، مطلب سنن الصلوة: ۱/ ۳۵) (كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، انيس) (فتاویٰ حقانیہ:۳/۹۱)

(۱)　الدرالمختار علٰى صدر ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب سنن الصلاة: ۲/ ۱۷۰ـ۱۷۲. انيس

☆ سورۂ فاتحہ کے بعد آمین کہنے کا حکم:

سوال: سورۂ فاتحہ کے بعد یا دوسرے سے سننے کے بعد نماز کے اندر یا باہر یا دونوں جگہ آمین کہنا کیسا ہے؟ یعنی سنت ہے یا کچھ اور؟

الجواب ــــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

نماز میں سورۂ فاتحہ کے بعد آمین کہنا خواہ امام ومنفرد ہونے کی حیثیت سے خود پڑھے یا مقتدی ہونے کی حیثیت سے امام سے سنے، بہر دوصورت مسنون ہے۔

وإذا قال الإمام ولاالضالين قال: آمين، ويقولها المؤتم، لقوله عليه الصلاة والسلام: "إذا أمّن الامام فأمّنوا". (الهداية: ۱/ ۱۰۵) (كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة) والحديث أخرجه مالك فى الموطأ، ==

آمین کوئی اسم ہے یا دعا:

سوال: لفظ آمین کوئی اسم ہے یا دعا؟

الجواب

لفظ آمین دعا ہے۔ معنی یہ ہیں: ''یااللہ میری دعا قبول فرما''، **كذا فى كتب اللغة.** (۱) (امداد المفتیین:۲/۲۷۶)

آمین بالجہر افضل ہے یا بالاخفا:

سوال: آمین جہر یہ میں بالجہر افضل ہے یا بالاخفاء؟

الجواب

امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک بالاخفاء ہونا اولیٰ وافضل ہے۔

لقوله تعالىٰ: ﴿اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعاً وَّ خُفْيَةً﴾ (الأعراف:۵۵) **ولكون آمين دعاء، كمامر.** (۲)

۲۹/صفر ۱۳۵۰ھ ۔(امداد المفتیین:۲/۲۷۶)

== **بر واية محمدبن الحسن الشيباني،باب: آمين في الصلاة (ح:١٣٥) المكتبة العلمية،انيس)**

البتہ نماز کے باہر سورۂ فاتحہ پڑھنے یا سننے کے بعد آمین کہنا مستحب ہے۔

''ويستحب لمن قرأ الفاتحة أن يقول بعدها آمين،مثل يٰس ... قال أصحابنا وغيرهم: يستحب ذلك لمن هو خارج الصلاة،ويتأكد في حق المصلي''. (تفسير ابن كثير: ١/٣١) (سورة الفاتحة: ٧،ذكر أقوال السلف في الحمد،فصل،انيس) فقط والله تعالىٰ أعلم

محمد جنید عالم ندوی قاسمی ۔۴/۴/۱۴۱۵ھ ۔(فتاویٰ امارت شرعیہ:۲/۴۰۶-۴۰۷)

امام کے لئے تأمین مسنون ہے:

سوال: امام سورۂ فاتحہ کے بعد آمین کہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــ باسم ملهم الصواب

امام اور مقتدی دونوں کے لئے آمین کہنا سنت ہے۔

قال في التنوير: وأمن الإمام سرًا كمامر ومنفرد.

وفي الشامية: هو سنة للحديث الأتي المتفق عليه،كما في شرح المنية وغيره. (رد المحتار: ٤٥٩/١) فقط والله تعالىٰ أعلم

۳۰/جمادی الآخرہ ۱۳۹۷ھ ۔(احسن الفتاویٰ:۳/۳۱۲)

(۱-۲) وقيل: هو أمين بقصر الألف فدخلت عليها ألف النداء كأنه قال: يا الله استجب دعاء نا. (مشارق الأنوار على صحاح الآثار،أ م ن: ٣٨/١،المكتبة العتيقة ودار التراث/وكذا في الزاهر في غريب ألفاظ الشافعي،باب صفة الصلاة: ٦٧/١،دار الطلائع.انيس)

غیر مقلد جب حنفی امام کی اقتدا کرے تو آمین کس طرح افضل ہے:

سوال: غیر مقلد جب اقتدا امام حنفی کی کرے تو اس کو آمین بالاخفا افضل ہے یا بالجہر؟

الجواب

حنفیہ کے نزدیک تو مطلقاً اخفا آمین سنت ہے۔خصوصاً جب امام حنفی کی اقتدا کرے تو آمین کو بالاخفا کہنا اور بھی اہم ہوجاتا ہے؛ کیوں کہ جہراً کہنے میں عوام کو توحش ہوگا اور عجب نہیں کہ کہیں فتنہ اختلاف نہ کھڑا ہوجائے۔(امداد المفتین:۲/۶ ۲۷)

اگر آمین اس طرح کہے کہ ایک دو آدمی سن لیں،تو یہ کیسا ہے:

سوال: اگر کوئی شخص نماز میں آمین ایسے طور پر کہے کہ ایک دو آدمی قریب کے سن لیں تو عندالاحناف نماز ہوئی یا نہیں؟

الجواب

عندالحنفیہ آمین آہستہ کہنا سنت ہے؛لیکن اگر دو آدمی برابر کے سن لیں تو وہ جہر نہیں، وہ بھی آہستہ میں داخل ہے۔

كما قال في الدر المختار: و أدنى (المخافتة إسماع نفسه) و من بقربه، فلو سمع رجل أو رجلان فليس بجهر، إلخ. (۱) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۱۶۲)

آخر سورہ میں آمین اور دوسرے کلمات، جماعت کی نماز میں نہ کہی جائیں:

سوال: علاوہ آخر سورۂ فاتحہ میں آمین بصورت خفی کہنے کے، سورۂ بقرہ کے آخر میں آمین، بنی اسرائیل کے آخر میں تکبیر، سورۂ ملک کے آخر میں **اللّٰهم ربنا و رب العالمين**، سورۂ قیامۃ و مرسلات و والتین کے آخر میں کلمات مشہورہ مسنونہ، سورۃ الضحیٰ سے آخر قرآن تک ہر سورہ کے آخر میں تکبیر، بعض آیات کے آخر میں کچھ الفاظ بطریق مسنون اثنائے تلاوت میں کہے جاتے ہیں۔ جیسے سورۂ طٰہٰ میں ''**وقل رب زدني علماً**'' کے بعد حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم ''**اللّٰهم زدني علماً و إيماناً و يقيناً**''فرمایا کرتے تھے، وغیرہ وغیرہ۔ پس نماز ہائے فریضہ و نافلہ میں امام و منفرد یہ کلمات عندالاحناف آہستہ مثل آمین سورۂ فاتحہ کہہ سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب

عندالحنفیہ یہ اذکار نوافل میں منفرداً یا خارج عن الصلوٰۃ پر محمول ہیں۔فرائض و جماعت نفل میں درست نہیں ہے۔

(۱) الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، باب صفة الصلاة، فصل في القراءة: ۱/۴۹۸، ظفير

عن وائل أنه صلى مع النبي صلى الله عليه وسلم فلما قرأ ﴿غير المغضوب عليهم ولا الضالين﴾ قال: آمين، خفض بها صوته ووضع يده اليمنىٰ على يده اليسرىٰ وسلم على يمينه وعن يساره. (مسند أبي داؤد الطيالسي، حديث وائل بن حجر (ح:۱۱۱۷)/المعجم الكبير للطبراني، عن علقمة بن وائل (ح:۳) انيس)

کذافی شرح المنية: لابأس للمتطوع المنفرد أن يتعوذ بالله من النار، إلخ، وإن كان المصلى المنفرد فى الفرض كره له ذلك، إلخ، وأما الإمام والمقتدى فلايفعل ذالک السوال والتعوذ لا فى الفرض ولا فى النفل، إلخ. (شرح منية كبيرى)(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۲۲۵)

'بسم اللہ' فاتحہ اورسورہ سے پہلے:

سوال: امام پر ہر رکعت میں ضم بسم اللہ الحمد اورسورہ کے ساتھ واجب ہے یا نہ اورامام ومنفرد کے لئے مستحب صورت عندالحنفیہ کیا ہے؟

الجواب

"وذكر فى المحيط: المختار قول محمد رحمه الله وهو أن يسمى قبل الفاتحة وقبل كل سورة فى كل ركعة.

وفى الدرالمختار: (و) كما تعوذ (سمّى، إلخ) (سرًا فى) أول (كل ركعة، إلخ، (لا) تسن (بين الفاتحة والسورة مطلقاً) ولو سريةً، ولاتكره اتفاقاً.

قال فى الشامى: ولِهٰذا صرح فى الذخيرة و المجتبىٰ بأنه إن سمّى بين الفاتحة والسورة المقروءة سرًّا أوجهرًا كان حسنًا عند أبى حنيفة رحمه الله ورجححه المحقق ابن الهمام، الخ. (۳)

ان سب عبارات سے واضح ہوا کہ امام کو الحمد سے پہلے بسم اللہ پڑھنا سنت ہے اوربعض وجوب کے قائل ہیں اورسورت سے پہلے اگرچہ مسنون نہیں ہے؛ لیکن مکروہ بھی نہیں ہے، بلکہ مستحب اوربہتر ہے۔ فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۱۸۳-۱۸۴)☆

---

(۱) اس کتاب کا نام "غنیۃ المستملی" ہے، کبیری اورشرح منیہ کے نام سے علما میں مشہور ہے۔ ظفیر

(۲) رد المحتار، باب صفة الصلاة، قبيل مطلب قراءة البسملة: ۱/۴۵۷-۴۵۸، ظفير

قال أبوجعفر رحمه الله: وروى المعلى عن أبى يوسف عن أبى حنيفة رحمهم الله أنه يأتى بها فى كل ركعة وهو قول أبى يوسف، وذكر الفقيه أبوجعفر عن أبى حنيفة: أنه إذا قرأ مع كل سورة فحسن، وروى أبن أبى رملة عن محمد: أنى يأتى بالتسمية عند افتتاح كل ركعة وعند افتتاح السورة أيضاً، إلا أنه إذا كان صلاة يجهر فيها بالسورة لا يأتى بالتسمية بين الفاتحة والسورة وعند الشافعى يأتى بالتسمية فى كل ركعة ويأتى بها أيضا فى رأس السورة سواء كان صلاة يجهر فيها بالقرءاة أو يخافت، وذكر أبو على الدقاق: أنه يقرأ قبل فاتحة الكتاب فى كل ركعة، قال: وهو قول أصحابنا ورواية أبى يوسف عن أبى حنيفة وقول أبى يوسف أحوط، لأن العلماء اختلفوا فى التسمية أنها هل هى من الفاتحة أم لا ؟ و عليه إعادة الصلاة فى كل ركعة فكان عليه إعادة التسمية فى كل ركعة لتكون أبعد عن الاختلاف. (المحيط البرهانى، كتاب الصلاة، الفصل السادس عشر: ۱/۳۵۹، دارالفكر بيروت، لبنان) ==

== (وعنه)وهى رواية أن أبى يوسف (أنه يأتى بها وهو قولهما)وجهها اختلاف العلماء واختلاف الآثار فى كونها من الفاتحة وعليه إعادة الفاتحة فعليه إعادتها ومقتضى هذا سنيتها مع السورة لثبوت الخلاف فى كونها من كل سورة كما فى الفاتحة ،الخ،وجوب السورة كالفاتحة.(فتح القدير،باب صفة الصلاة:۲۹۳/۱،دارالفكر.انيس)

سورت سے پہلے بسم اللہ ملانا کیسا ہے:

سوال: نماز میں الحمد شریف کے بعد سورۃ ملانے سے پہلے بسم اللہ پڑھ کر سورۃ ملانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

الحمد شریف کے بعد سورۃ سے پہلے بسم اللہ شریف پڑھنا جائز، بلکہ بہتر ہے۔(ولاتسن (أى التسمية)(بين الفاتحة والسورة مطلقاً)ولوسريةً،ولا تكره اتفاقاً،وما صحّحه الزاهدى من وجوبها ضعّفه فى البحر (الدر المختار)

و قال محمدرحمه اللّٰه:تسن إن خافت،لاإن جهر،إلخ،وذكرفى المصفّٰى:أن الفتوىٰ علىٰ قول أبى يوسف رحمه اللّٰه أنه يسمّى فى أول كل ركعة و يخفيها،وذكر فى المحيط:المختارقول محمد،وهوأن يسمى قبل الفاتحة وقبل كل سورة فى كل ركعة ، الخ ، (قوله و لاتكره،الخ) ولهٰذا صرح فى الذخيرة والمجتبىٰ بأنه إن سمّٰى بين الفاتحة والسورة المقروء ة سرًّا أوجهرًا كان حسناً عند أبى حنيفة رحمه اللّٰه ورجححه المحقق ابن الهمام وتلميذه الحلبى.(رد المحتار، باب صفة الصلاة،قبيل مطلب قراء ة البسملة: ۴۵۷/۱-۴۵۸،ظفير))(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۱۶۱/۲-۱۶۲)

سورۃ کے پہلے بسم اللہ:

سوال: اگر دورکوع والی سورۃ پڑھے تو شروع سورۃ پر بسم اللہ کہے اور دوسری رکعت میں جب اسی سورۃ کا دوسرا رکوع پڑھے تو بسم اللہ کہے یا نہیں؟

الجواب

دوسرے رکوع پر بسم اللہ نہ پڑھے۔(... ودل كلامه أنه لايسمى بين الفاتحة والسورة وهو قولهما وقال محمد:ليس فى السرية وجعله فى الخلاصة ، ورواية الثانى عن الإمام وفى المستصفى:وعليه الفتوىٰ،وفى البدائع:الصحيح قولهما،وفى العتابية والمحيط: قول محمدهوالمختار،ونقل ابن الضياء فى شرح الغزنوية عن عمدة المصلى إنمااختيرقول أبى يوسف هذا لأن لفظة الفتوىٰ آكد وأبلغ من لفظة المختار ولاخلاف أنه لوسمى كان حسناًوكونها فى أول كل ركعةهو الأصح كما فى السراج،الخ.(النهرالفائق شرح كنزالدقائق،فصل وإذا أرادالدخول فى الصلاة،الخ: ۲۱۰/۱-۲۱۱، دارالكتب العلمية)

وكذا روى الجصاص عن محمد أنه قال:التسمية من القرآن أنزلت للفصل بين السور البداية منها تبركا وليست بآية من كل واحدة منها،الخ.(العناية سرح الهداية،البسملة فى الصلاة: ۱۹۲/۲،دارالكتب العلمية.انيس))(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲۱۸/۲)

فاتحہ اور سورہ کے درمیان بسم اللہ پڑھنا کیسا ہے:

سوال: ۵/جمادی الاولیٰ ۱۳۸۳ھ کونقیب میں اسلامی مسائل کے عنوان سے جوفتویٰ شائع ہوا ہے،اس میں سے ایک مسئلہ ہے کہ فاتحہ اور سورہ کے درمیان بسم اللہ پڑھنا بہتر اور مستحب ہے، عام کتب فقہ اور فقہاءِ احناف کے قول کے خلاف معلوم ہوتا ہے، ذیل میں بعض حوالے ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ عالمگیری میں ہے:

"ولایسمی بین الفاتحة والسورة هكذا فی الوقاية والنقاية وهوالصحيح هكذا فی البدائع و الجوهرة النيرة". (الفتاویٰ الهندية،باب صفة الصلاة: ۱/۷٤)

۲۔ اورخلاصۃ الفتاویٰ میں ہے:

"لايأتی الإمام بالتسمية بين الفاتحة والسورة". (۱/۵۳)

۳۔ شرح النقایہ جلد اول میں ہے:

"ولايسمی بين الفاتحة والسورة".

۴۔ "وتُسنّ التسمية في أول كل ركعة قبل الفاتحة". (مراقی الفلاح علیٰ الطحطاوی: ۱٤۱)

۵۔ حنفیہ کی مشہور کتاب شرح وقایہ میں ہے:

"ولا يسمّی بين الفاتحة والسورة". (باب صفة الصلاة: ۱/۱٤۵)

۶۔ غنية المستملی میں ہے:

"وأما الموضع الثالث ففی رواية عن أبی حنيفة أن محلها أول الصلاة والصحيح أن محلها أول كل ركعة...عند أصحابنا جميعًا لاخلاف فيه". (الكبيری شرح منية المصلی: ۳۰۷)

اس بحث سے متعلق آگے ص: ۳۰۸ پرتحریرفرماتے ہیں:

"(وأما التسمية عند ابتداء السورة) بعد الفاتحة (فإنه عند أبی حنيفة لا يأتی بها)لا فی حالة الجهرولا فی حالة المخافتة وكذا عند أبی يوسف لما تقدم أنها ليست بآية من أول السورة والاتيان بها فی أول كل ركعة لما تقدم من الآحاديث الدالة علیٰ أنه عليه السلام كان يأتی بها سرًا وكذا الخلفاء الراشدون". (الكبيری شرح منية المصلی)

فقہ حنفی کی مشہور کتاب مبسوط میں ہے:

"(وروی) المعلّی عن أبی يوسف عن أبی حنيفة رحمه اللّٰه تعالیٰ أنه يؤتیٰ بها فی أول كل ركعة وهوقول أبی يوسف رحمه اللّٰه وهوأقرب إلی الاحتياط لاختلاف العلماء والآثارفی كونها آية من الفاتحة (وروی)ابن أبی رجاء عن محمد رحمه اللّٰه تعالیٰ أنه قال إذا كان يخفی القراء ة

یـأتـی بالتسمیة بین السورة والفاتحة لأنه أقرب إلٰی متابعة المصحف وإذا کان یجهرلا یأتی بها بیـن السـورة والفاتحة لأنه لوفعل لاخفی بها فیکون ذلک سکتة له فی وسط القراء ة ولم ینقل ذلک ماثورًا".(مبسوط للسرخسی: ۱/۱٦)

علامہ شامیؒ کی عبارت جس سے تسمیہ بین الفاتحہ والسورۃ پر استدلال کیا گیا ہے، مختصر ہے، پوری عبارت اس طرح ہے۔ درمختار میں ہے:

"(لا) تسن (بین الفاتحة والسورة مطلقًا).

اس کی شرح علامہ شامیؒ اس طرح کرتے ہیں:

(قـولـه لا تـسـن) مـقـتـضـی کـلام الـمتـن أن یـقال لا یسمّی ، لکنه عدل عنه لإیهامه الکراهة بـخـلاف نـفـی السنیة،ثم انّ هذا قولهماوصححه فی البدائع،وقال محمد:تسن إن خافت،لا إن جهر، بحر ...وذکـرفـی الـمصفی:أن الفتوی علٰی قول أبی یوسف أنه یسمی فی أول کل رکعة ...وفی روایة حسن ابن زیاد أنه یسمی فی الرکعة الأولٰی لاغیر،وإنما أختیرقول أبی یوسف لأن لفظة الفتویٰ آکد وأبلغ من لفظة المختار،ولأن قول أبی یوسف وسط وخیرالأمورأوسطها،کذا فی شرح عمدة المصلّی"، آ ه.(رد المحتار،مطلب لفظة الفتویٰ آکد،إلخ: ۲/۱۹۲)

فقہا کی ان تصریحات کے بعد بسم اللہ پڑھنے کو الحمد وسورہ کے درمیان مستحب کہنا سمجھ میں نہیں آتا "**ورجحه الـمـحـقق ابن الهمام وتلمیذه الحلبی لشبهة الاختلاف فی کونها آیة من کل سورة**" اس کا جواب کبیری میں دیا ہے، اس کو بھی ملاحظہ فرمائیں:

"واعتـرض الشیـخ کـمـال الـدیـن بن الهمام بأن مقتضی هذا أن یؤتٰی بها مع السورة لثبوت الخلاف فی کونها من کل سورة کما فی الفاتحة".

اعتراض نقل کرکے خود اس کا جواب بھی دیتے ہیں:

"والـجـواب أن الخلاف فی أنهاآیة من السورة لیس فی القوة کالخلاف فی أنهاآیة من الفاتحة علٰی مامرفلا یؤثّرفی ثبوت الاحتیاط کتأثیره".(کبیری:۳۵۷)

اب آخر میں افتا کے بعض اصولی قاعدہ کے پیش نظر امام محمدؒ اور شیخینؒ کے اس اختلافی مسئلہ کو دیکھیں اور فیصلہ کریں۔

قـال فـی الفتاوٰی السراجیة:ثم الفتویٰ علی الاطلاق علٰی قول أبی حنیفة ثم قول أبی یوسف ثم قول محمد ثم قول زفروالحسن ابن زیاد.(رسم المفتی:۱۹)

اور ص:۲۰ پر لکھتے ہیں: **ولـذا قـال الإمـام قاضی خان وإن کانت المسئلة مختلفًا فیها بین أصحابنا فإن کان مع أبی حنیفة أحد صاحبیه یأخذ بقولهما أی بقول الإمام ومن وافقه**.(رسم المفتی: ۲۰)

عقود رسم المفتی میں اس کی تصریح موجود ہے کہ جب صحیح،أصح،الأظهر،الأوجه،المختار، المؤكد،يفتیٰ،عليه الفتوىٰ ‘میں یفتیٰ،عليه الفتوىٰ سب سے زیادہ صحیح قول ہے،جیسا کہ ابھی علامہ شامی کی عبارت گذر چکی کہ لفظ فتوىٰ أكد و أبلغ ہے لفظ مختار سے، پوری عبارت عقود رسم المفتی کی اس طرح ہے:

وحيثما وجدت قولين و قد صحح واحد فذلک المعتمد
بنحو ذا الفتوىٰ عليه الأشبه و الأظهر المختار ذا والأوجه
أو الصحيح و الأصح أكد منه و قيل عكسه المؤكد
كذا به يفتىٰ عليه الفتوىٰ و ذان من جميع تلک أقوىٰ

(رسم المفتی:۱۳۱-۳۲)

ان تمام مذکورہ بالا عبارت کی روشنی میں مجھے اس مسئلہ سے اختلاف ہے کہ بسم اللہ بین الفاتحہ والسورۃ مستحب اور بہتر ہے، اس لئے ان عبارتوں اور فقہا کی تصریحات کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنی رائے عالیہ اور فیصلہ سے مستفیض فرمائیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

زیر بحث مسئلہ کی نوعیت یہ ہے کہ عالمگیری نے ” لايسمى،إلخ “ ،اسی طرح خلاصہ نے ”لايأتی الإمام بالتسمية،إلخ“، وقایہ اور نقایہ نے ”لايسمى بين الفاتحة والسورة،إلخ“، کبیری نے ”عند أبي حنيفة لايأتي بها“ کے الفاظ استعمال کئے ہیں، درمختار اور شامی کے الفاظ پر اگر آپ غور کریں تو یہ محسوس کریں گے کہ ان تمام الفاظ مذکورہ کا اصل مفاد یہ ہے کہ شیخینؒ کے مسلک پر تسمیہ بین الفاتحہ والسورۃ مسنون نہیں ہے۔پس ان تمام الفاظ کا مفاد نفی سنیت ہے، اثبات کراہت نہیں اور چونکہ الفاظ مذکورہ سابقہ میں ایہام کراہت کا تھا، اسی لئے درمختار نے اس طرز تعبیر سے عدول کر کے ”لا تسن بين الفاتحة والسورة“ کے الفاظ استعمال کئے اور شامی نے اس بات کو ان الفاظ میں واضح کر دیا:

”مقتضى كلام المتن أن يقال لا يسمّى لكنه عدل عنه لإيهامه الكراهة بخلاف نفي السنية“.

مذکورہ تفصیل کی روشنی میں یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ اصل اختلاف شیخینؒ اور امام محمدؒ کے درمیان تسمیہ بین الفاتحہ والسورۃ کے بارے میں سنیت اور نفی سنیت کا ہے، پس شیخینؒ اس مقام پر یہ کہتے ہیں کہ بسم اللہ پڑھنا سنت نہیں اور حضرت امام محمدؒ سری نماز میں سنیت کے قائل ہیں، یہیں سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ جس قدر بھی دلائل شیخینؒ کی طرف سے قائم کئے گئے ہیں ان کا مقصد نفی سنیت کا اثبات ہے، نہ کہ اثبات کراہت۔پس جب یہ بات واضح ہوگئی کہ امام صاحب کا مسلک زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ تسمیہ بين الفاتحة والسورة سنت نہیں ہے، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ تسمیہ مکروہ بھی ہو یا حسن نہ ہو بلکہ عدم کراہت متفق علیہ ہے۔

بحر میں پڑھئے:

”والخلاف فی الاستنان أما عدم الكراهة فمتفق عليه“. (البحر الرائق: ۱/ ۳۳۰)(۱)

رہی یہ بحث کہ تسمیہ بین الفاتحہ والسورۃ حسن ہے یا نہیں؟ تو ذخیرہ اور مجتبیٰ کی اس تصریح پر نگاہ رکھئے کہ ان کے خیال میں نماز سری ہو یا جہری امام صاحب کے نزدیک تسمیہ بین الفاتحہ والسورہ حسن ہوگا۔

”ولهٰذا صرّح فی الذخيرة والمجتبیٰ بأنه أن سمی بين الفاتحة والسورة كان حسنًا عند أبی حنفية سواء كانت تلك السورة مقروءة سرًا أوجهرًا“. (البحر الرائق: ۱/ ۳۳۰)(۲)

تسمیہ بین الفاتحة والسورة کے حسن کو محقق ابن ہمامؒ اور ان کے شاگرد حلبیؒ نے راجح قرار دیا ہے۔ خیال رکھئے سنت ہونے کو نہیں حسن ہونے کو، اور اس پر یوں استدلال کیا ہے کہ تسمیہ ہر سورہ کا جز ہے یا نہیں؟ اس میں علما کا اختلاف ہے، اگر چہ اس میں راجح قول ہمارے نزدیک عدم جزئیت کا ہے، لیکن اختلاف علما کی وجہ سے جزئیت کا شبہ ضرور پیدا ہو جاتا ہے، اس لئے تسمیہ کا پڑھ لینا حسن ہوگا، اگر چہ تسمیہ کے جزءِ فاتحہ ہونے کے بارے میں جو اختلاف ہے، وہ اختلاف جزئیت سورہ سے زیادہ قوی ہے اور اسی لئے یہ شبہ جو جزئیت سورہ میں پیدا ہوا ہے، اس شبہ سے کمزور ہے، جو جزئیت فاتحہ میں ہے، اور اس اختلاف کے قوی ہونے کی وجہ سے اور نقل وروایات سے مؤید ہونے کی وجہ سے وہاں سنیت کا قول کیا گیا اور بعض مشائخ وجوب عملی کے قائل ہوئے اور یہاں بین الفاتحہ والسورہ صرف قول حسن پر اکتفا کیا گیا۔

ورجّحه المحقق ابن الهمام وتلميذه الحلبی لشبهة الاختلاف فی كونها آية من كل سورة وإن كانت الشبهة فی ذلک دون الشبهة الناشئة من الاختلاف فی كونها آية من الفاتحة. (البحر الرائق: ۱/ ۳۳۰)(۳)

کبیری کی پوری عبارت میرے سامنے نہیں ہے؛ لیکن جو عبارت آپ نے نقل کی ہے، وہ یوں ہے:

”والجواب أن الخلاف فی أنها آية من السورة ليس فی القوة كالخلاف فی أنها آية من الفاتحة علیٰ مامر فلايؤثّر فی ثبوت الاحتياط كتأثيره“. (۴)

آپ خود غور کرلیں، اس عبارت کا زیادہ سے زیادہ یہ مفاد ہوسکتا ہے کہ جزئیت سورہ میں جو شبہ ہے، وہ جزئیت فاتحہ کے شبہ سے کمزور ہے، اور نتیجتاً ثانی الذکر میں زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے، آپ خود دیکھ رہے ہیں کہ حکم میں اس قوت وضعف کا پورا پورا لحاظ کیا گیا ہے، پس محقق ابن الہمام کے جواب میں کبیری نے جو کچھ لکھا ہے، وہ تو خود محقق کی کہی ہوئی بات دہرائی گئی ہے:

(۱-۳) کتاب الصلاة، فصل، وإذا أراد الدخول فی الصلاة كبر، انیس

(۴) کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۳۰۷۔

"وإن كانت الشبهة في ذلك دون الشبهة الناشئة من الاختلاف في كونها آية من الفاتحة".

اور ملا علی قاری نے شرح نقایہ میں اپنے خیالات کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے:

أقول والأظهر أن يقرأها سرًّا ولو في الجهرية لأنها للفصل بين السورتين ولا مانع من السكتة في وسط القراءة كما سيأتي في قوله آمين سرًّا".

عبارت مذکورہ کے آخری جملوں سے مبسوط السرخسی کی سکتہ والی علت کا جواب بھی ہوگیا، غالبًا یہی وہ دلائل ہیں، جن کے پیش نظر مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ نے لکھا ہے:

"عبارت درمختار یہ ہے:

لا تسن بين الفاتحة، إلخ.

اس کا حاصل یہ ہے کہ ابتداءِ سورت میں بسم اللہ پڑھنا نہ مسنون ہے اور نہ مکروہ ہے اور محققین نے اس کو راجح فرمایا ہے کہ پڑھنا بہتر اور مستحب ہے۔ شامی میں ہے:

ولذا صرّح في الذخيرة، إلخ." (فتاویٰ دارالعلوم قدیم:۱/۱۰۰)

اور حضرت تھانویؒ نے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے لکھا ہے:

حاصل مسئلۂ اولیٰ کا یہ ہے کہ گو بسم اللہ ہر سورہ کا جز نہ ہو، مگر باوجود عدم جزئیت روایۃً اس کا پڑھنا ہر سورہ پر منقول ہے۔ پس اگر کوئی شخص ہر سورہ پر نہ پڑھے تو اس کی قرأت اس روایت کے موافق نہ ہوئی، گو کوئی جز متروک نہ ہوا ہو، جبکہ کم از کم ایک سورہ پر پڑھ لے اور دوسرے مسئلہ کا حاصل یہ ہے کہ گو روایۃً ہر سورت پر بسم اللہ منقول ہو؛ لیکن ہر سورہ کا جز نہیں ہے، بلکہ جز مطلق قرآن کا ہے، اگر ایک جگہ بھی پڑھ لے تو قرآن پورا ختم ہوجائے گا، گو اس روایت کے موافق اس کی قرأت نہ ہو، پس امام عاصمؒ اور امام ابوحنیفہؒ کے قول میں کوئی تخالف نہیں، کیونکہ دونوں کی نفی اور اثبات کی حیثیتیں جدا جدا ہیں اور حیثیات کے بدلنے سے تعارض جاتا رہتا ہے، یہ جب ہے کہ ہر سورت پر بسم اللہ نہ پڑھے اور اگر پڑھ لے تو شبہ کی گنجائش ہی نہیں اور امام صاحب کے بھی خلاف نہیں، کیونکہ امام صاحب تسمیہ کو ہر سورت پر ضروری نہیں کہتے، یہ نہیں کہ جائز نہیں کہتے، درمختار یا ردالمحتار میں ہر سورہ پر تسمیہ کو حسن کہا ہے۔ (امداد الفتاوی:۱/۳۴۶-۳۴۷)

اس تفصیل کے بعد امید ہے کہ صورت مسئلہ آپ کے سامنے واضح ہوچکی ہوگی اور یہ بات بھی آپ کے سامنے آگئی ہوگی کہ تسمیہ بین الفاتحہ والسورہ کے حسن ہونے کا قول جو اختیار کیا گیا ہے، ایسا نہیں ہے کہ اس میں امام صاحب کے قول کو مرجوح قرار دے کر امام محمدؒ کے قول کو اختیار کرلیا گیا ہو، تاکہ اصول افتا کی اس بحث میں الجھنا پڑے، جو رسم المفتی سے آپ نے نقل کی ہے اور اسی طرح " عليه الفتوىٰ وهو المختار، أكد اور غير أكد "ہونے کی بحث بھی

یہاں نہیں پیدا ہوتی، جس کے لئے آپ نے عقود رسم المفتی کی عبارت نقل کی ہے، پھر اس بات کا خیال رکھئے کہ آپ کے پیش کردہ سارے دلائل نفی سنیت کو مفید ہیں، نفی حسن کو نہیں، لہذا آپ کا یہ کہنا کہ مجھے اس مسئلہ سے اختلاف ہے کہ بسم اللہ بین الفاتحہ والسورہ مستحب اور بہتر ہے، قابل غور ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

مجاہدالاسلام القاسمی۔۲۱/۵/۱۳۸۳ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ:۲/۴۰۰-۴۰۶)(۱)

درمیان سے سورۃ پڑھےتو بسم اللہ پڑھے یا نہیں:

سوال: جب کسی سورۃ کو درمیان سے پڑھےتو بسم اللہ کرے یا نہیں، اوروتر میں جب دعائے قنوت پڑھےتو بسم اللہ کرے یا نہیں؟ اور نمازِ جنازہ میں جب درود یا دعا پڑھےتو بسم اللہ کرے یا نہیں؟

الجواب

جب کسی سورۃ کو درمیان سے بھی پڑھےتب بھی بسم اللہ کرےاوروتر میں جب دعاءِ قنوت پڑھے،تب بھی بسم اللہ کرےاور جنازہ کی نماز میں جب درود یا دعا پڑھےاور بسم اللہ شروع میں پڑھے، کچھ حرج نہیں۔(۲)

کتبہ رشید احمد، الجواب صحیح: عزیز الرحمٰن۔(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۲۶۸)

☆ فاتحہ اور سورہ کے درمیان بسم اللہ کی بحث:

سوال: خلاصۃ الفتاویٰ جلد اول صفحہ:۵۲ میں ہے:

''والكلام فى التسمية علىٰ وجوه ... منها أنه يأتى بها فى أول الصلاة لاغيرفي رواية الحسن رحمه اللّٰه عن أبى حنيفة رحمه اللّٰه،وفى رواية أبى يوسف رحمه اللّٰه عن أبى حنيفة رحمه اللّٰه يأتى بها فى أول كل ركعة،وعن محمدرحمه اللّٰه يأتى بها فى أول كل ركعة وعند افتتاح كل سورة إلا إذا كانت صلوٰة يجهرفيها بالقراء ة لايأتى الإمام بالتسمية بين الفاتحة والسورة عندنا''.

اب ان اقوال میں سے کس قول پر فتویٰ دیا جاوے اور عمل کیا جاوے؟

الجواب

اس کا فیصلہ صاحب درمختار نے اس طرح کیا ہے:

(و) كما تعوذ (سمّي،إلخ)(سرًا فى)أول(كل ركعة،إلخ)(لا) تسن (بين الفاتحة والسورة مطلقاً)ولوسريةً ولا تكره اتفاقاً(قوله ولاتكره اتفاقاً) ولهٰذا صرح فى الذخيرة والمجتبىٰ بأنه إن سمّى بين الفاتحة والسورة المقروء ة سرًّاأوجهرًا كان حسناً عند أبى حنيفةرحمه اللّٰه رجحه المحقق ابن الهمام، الخ.(شامى)(الدرالمختارمع رد المحتار،باب صفة الصلاة: ۱/ ٤٥٧-٤٥٨،ظفير)

پس معلوم ہوا کہ مابین فاتحہ وسورۃ کے بھی بسم اللہ پڑھنا بہتر ہے، اگرچہ سنت مؤکدہ نہیں، جیسا کہ اول ہر رکعت میں ہے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۱۹۴-۱۹۵)

(۱) بعینہ یہ فتویٰ ''فتاوی قاضی مجاہدالاسلام قاسمی:۶۰-۶۷'' میں مذکور ہے۔ انیس

(۲) یعنی ان تمام صورتوں میں اگرچہ بسم اللہ پڑھنا مسنون نہیں ہے لیکن اگر پڑھ لےتو حرج بھی نہیں ہے۔ ==

== کما فی الشامی: ۵۸۱/۱ (کتاب الصلاة،باب ما یفسد الصلاة وما یکره فیها،فروع سمع إسم اللّٰہ تعالیٰ، انیس) فی بیان مفسدات الصلوٰۃ:(قوله سمع إسم اللّٰہ تعالیٰ فقال جل جلا له، إلخ)لأن نفس تعظیم اللّٰہ تعالیٰ والصلوٰۃ علی نبیه صلی اللّٰہ علیه وسلم لاینافی الصلوٰۃ ویؤیده مافی الدرالمختارفی بیان تالیف الصلوٰۃ:لاتسن البسملة بین الفاتحة والسورة مطلقاً ولوسرية ولا تکره اتفاقاً إلخ. (جمیل غفرلہ)

مذکورہ فتویٰ بعینہٖ ''باقیات فتاویٰ رشیدیہ:۱۷۱'' میں مذکور ہے۔انیس

سورۃ فاتحہ اورسورۃ کے درمیان تسمیہ کاحکم:

سوال: سورۃ فاتحہ کے بعد درمیانی سورۃ کے تسمیہ پڑھنا کیسا ہے،اگر پڑھ لیا جائے تو حنفیہ کے نزدیک کیا ہوگا؟ جہراً اور سراً بھی تشریح کردیں گے۔اس کے متعلق صاحب درمختار لکھتے ہیں:

''(ولا تسن أی التسمية) (بین الفاتحة والسورة مطلقاً) ولوسرية ولا تکره اتفاقاً ''. (باب صفة الصلوة) (الدر المختار،فصل فی بیان تألیف الصلوة إلٰی إنتهائها:۴۹۰/۱، سعید)

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیًا

ردالمحتار: ۴۵۷/۱ :(قوله:ولا تسن(أی التسمية)(بین الفاتحة والسورة مطقاً)(الدرالمختار)

(وفی ردالمحتار):ثم إن هذا قولهما وصححه فی البدائع وقال محمد:تسن إن خافت لا إن جهر...آه''.

''قوله:(ولاتکره،إلخ)ولِهٰذاصرح فی الذخیرة والمجتبی بأنه إن سمی بین الفاتحة والسورة المقروء ة سرًا أو جهرًاکا حسناً عند أبی حنیفة،ورجحه المحقق ابن الهمام وتلمیذه الحلبی لشبهة الاختلاف فی کو نهاآية من کل سورة.(ردالمحتار،کتاب الصلوة،فصل فی بیان تألیف الصلاة: ۴۹۰/۱، سعید)

اورشرح مراقی الفلاح میں تصحیح اورفتوی مذکور ہے۔(ثم اعلم أنه لافرق فی الإتیان بالبسملة بین الصلاة الجهرية والسرية،وفی حاشية المؤلف علٰی الدرر:واتفقوا علٰی عدم الکراهة فی ذکرها بین الفاتحة والسورة،بل هوحسن سواءٌ کانت الصلاة سرية أوجهرية ، و ینافیه ما فی القهستانی أنه لایسمی بین الفاتحة، والسورة فی قولهما وفی رواية عن محمد قال فی المضمرات:و الفتوٰی علی قولهما،وعن محمد أنها تسن فی السرية دون الجهرية لئلا یلزم الإخفاء بین جهرین،وهوشنیع واختاره فی العناية،والمحیط،وقال فی شرح الضیاء:لفظ الفتوی آکد من المختار،وما فی الحاشية تبع فیه الکمال وتلمیذه ابن أمیرحاج حیث رجحا أن الخلاف فی السنية ، فلاخلاف أنه لوسمّٰی لکان حسناً لشبهة الخلاف فی کونها آية من کل سورة''. (حاشية الطحاوی علی مراقی الفلاح،کتاب الصلاة،فصل فی بیان سننها: ۲۶۰ـ۲۶۱،قدیمی)

نیز بحر میں مذکور ہے،ملاحظہ فرمائیں۔''(قوله: فی کل رکعة):أی فی ابتداء کل رکعة فلا تسن التسمية بین الفاتحة والسورة مطلقاًعندهما،وقال محمد:تسن إذاخافت،لا إن جهروصحح فی البدائع قولهما.والخلاف فی الاستنان أما عدم الکراهة فمتفق علیه ولهذاصرح فی الذخیرة والمجتبی بأنه إن سمی بین الفاتحة والسورة کان حسناً عند أبی حنیفة ، سواءٌ کانت تلک السورة مقروء ةًسرًا أوجهرًا ورجحه المحقق ابن الهمام وتلمیذ الحلبی لشبهة الاختلاف فی کونهاآية من کل سورة''. (البحرالرائق،کتاب الصلاة،باب صفة الصلاة: ۵۴۵/۱،رشیدیة) (فتاویٰ محمودیہ:۵۹۳/۵ـ۵۹۴) ==

== **بسم اللہ بین الفاتحہ والسورۃ سراً ہے یاجہراً:**

سوال: نماز میں بسم اللہ سورہ فاتحہ کے بعد اور سورۃ کے قبل پڑھنی چاہئے یانہیں، اگر پڑھی جائے تو سرًا یا جہراً؟ صاحب ہدایہ تسمیہ کوابتداءِ سورۃ میں منع کرتے ہیں اور صاحب درمختار مستحب کہتے ہیں، ان دونوں میں سے کون صحیح اور قابل عمل ہے اور دوسرے کا کیا جواب، اور نیز فاتحہ کے ابتدا میں تسمیہ کا حکم اس کے موافق ہے یا مخالف، مخالف ہے تو کیوں؟

الجواب

عبارت درمختار یہ ہے:

"لا تسن (أی التسمیة) (بین الفاتحة والسورة مطلقاً) ولو سریةً ولاتکره اتفاقاً إلخ". (الدرالمختار علٰی هامش رد المحتار، باب صفة الصلوٰة: ۱/۴۵۷، ظفیر)

اس کا حاصل یہ ہے کہ ابتداءِ سورۃ میں بسم اللہ پڑھنا نہ مسنون ہے اور نہ مکروہ ہے اور محققین نے اس کو راجح فرمایا ہے کہ پڑھنا بہتر اور مستحب ہے۔ شامی میں ہے:

ولِهٰذا صرح فی الذخیرة والمجتبٰی بأنه إن سمی بین الفاتحة والسورة المقروء ة سرًا أوجهرًا کان حسناً عند أبی حنیفة رحمه اللّٰه تعالٰی ورجحه المحقق ابن الهمام إلخ. (رد المحتار، باب صفة الصلاة، قبیل مطلب قراء ة البسملة: ۱/۴۵۸، ظفیر)

(بسم اللہ آہستہ پڑھی جائے گی، **"أما الموضع الرابع فإنها تخفی عندنا، إلخ، عن أنس رضی اللّٰه تعالٰی عنه أن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم کان یسر ببسم اللّٰه الرحمن الرحیم" إلخ. (غنیة المستملی: ۳۰۱، ظفیر) (بیان صفة الصلاة، انیس)** فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲/۱۷۸-۱۸۲)

فاتحہ اورسورت کے درمیان بسم اللہ پڑھنا:

سوال: ہر نماز کی ہر رکعت میں قبل شروع کرنے سورہ فاتحہ اور بعد سورہ فاتحہ قبل سورۃ کے بسم اللہ کا پڑھنا جیسا کہ فتاویٰ نذیریہ جلد اول ص: ۴۰۷ میں اس حدیث کو نقل کیا ہے **"من ترکها فقد ترک مائة وأربع عشرة آیة، من کتاب اللّٰه تعالٰی. کذا فی المدارک"** سے ضروری معلوم ہوتا ہے۔ آپ کا کیا خیال ہے؟

الجواب

فاتحہ اور سورۃ کے درمیان بسم اللہ پڑھنا مسنون نہیں ہے، البتہ امام اور منفرد کو ہر رکعت کے شروع میں بسم اللہ آہستہ پڑھنی چاہئے۔ درمختار میں ہے:

وکماتعوذسمی غیرالمؤتم الخ سراً فی أول کل رکعة ولو جهریةلاتسن بین الفاتحة والسورةمطلقاًولوسریة. إلخ. (ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب صفةالصلاة: ۲/۱۹۱-۱۹۲، انیس)

معلوم ہوا کہ مذہب حنفیہ کا یہ ہے کہ امام اور منفرد کو ہر رکعت کے شروع میں بسم اللہ پڑھنی مسنون ہے اور درمیان فاتحہ اور سورۃ کے بسم اللہ پڑھنی مسنون نہیں ہے اور جو حدیث فتاویٰ نذیریہ سے نقل کی ہے، یہ قابل عمل نہیں ہے۔ **واللّٰہ تعالٰی أعلم**

کتبہ مسعود احمد۔ (امداد المفتین: ۲/۳۰۷) ==

== حکم قرأۃ بسملہ بین الفاتحۃ والسورۃ:

سوال: قرأہ بسم اللہ بین الفاتحہ والسورۃ کو علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے حسن کہا ہے:(وقوله ولا تكره اتفاقًا)ولهٰذا صرح في الذخيرة والمجتبى بأنه إن سمى بين الفاتحة والسورة المقرؤة سرًا أوجهراكان حسنًا عبدأبى حنيفة ورجحه المحقق ابن الهمام وتلميذه الحلبى بشهة الاختلاف فى كونها آية كل سورة بحر.(ردالمحتار: ١/ ٣٦٢،مصرى) لیکن اسی کے اوپر جو عبارت ہے وہ یہ ہے کہ!(قوله لاتسن)مقتضى كلام المتن أن يقال لا يسمى لكنه عدل عنه لايهامه الكراهة بخلاف نفى السنية ثم أن هذا قولهماوصححه فى البدائع قال محمد تسن إن خافت لاإن جهربحرونسب ابن الضياء فى شرح الغزنوية الأول إلٰى أبى يوسف فقط فقال وهٰذا قول أبى يوسف وذكر فى المصفى أن الفتوى علٰى قول أبى يوسف أنه يسمٰى فى أول كل ركعة ويخفيهاوذكرفى المحيط المختارقول محمد وهوأن يسمّى قبل الفاتحة وقبل كل سورة فى كل ركعة وفى رواية الحسن ابن زياده أنه يسمى فى الركعة الأولٰى لا غيروإنما أختيرقول أبى يوسف لأن نقطة الفتوٰى آكد وأبلغ من لفظة المختارولأن قول أبى يوسف وسط وخيرالاُموراَوسطها،كذا فى شرح عمدة المصلى،آه.(ردالمحتار: ٣٦٢/١،مصرى) اورعالمگیریہ کتاب الصلوٰۃ باب چہارم صفت نماز کی فصل،نماز کی سنتوں اوراس کے آداب کے بیان میں ہے:''تعوذ کے بعد آہستہ بسم اللہ پڑھے اور بسم اللہ قرآن کی ایک آیت ہے،سورتوں میں فصل کے واسطے اتری ہے''،یہ ظہیریہ میں مکروہات صلوٰہ کے بیان میں لکھا ہے،صرف بسم اللہ سے فرض قراءت ادا نہیں ہوتا،یہ الجوہرۃ النیرۃ میں لکھا ہے،بسم اللہ ہر رکعت کے اول میں پڑھے،یہ امام ابو یوسفؒ کا قول ہے۔،یہ محیط میں ہے اور حجۃ میں ہے کہ اسی پر فتویٰ ہے،یہ تاتارخانیہ میں ہے،فاتحہ اور سورۃ کے درمیان میں بسم اللہ نہ پڑھے،یہ وقایہ میں اور نقایہ میں لکھا ہے،یہی صحیح ہے،یہ بدائع اور جوہرۂ نیرہ میں لکھا ہے۔(فتاویٰ ہندیہ ترجمہ فتاویٰ عالمگیریہ صفحہ:۹۹،جلد:۱،مطبوعہ نولکشور ۱۳۳۵ھ)

افسوس ہے کہ فتاویٰ عالمگیریہ اصل عربی میں یہاں موجود نہیں ہے،میں نے حوالہ میں کتاب الصلوٰۃ اور باب اور فصل درج کردی،حضور اصل عربی میں ملاحظہ فرمالیں،عبارت عالمگیریہ سے صاف واضح ہے کہ بین الفاتحہ والسورۃ بسم اللہ نہ پڑھے اور لفظ فتویٰ اور لفظ صحیح کافی ووافی طور پر اس کے دلائل ہیں اور عبارت شامی میں ''وإنما اختير'' سے خط کشیدہ عبارت بین الفاتحہ والسورۃ بسم اللہ نہ پڑھنے کے اوپر دلالت صریحہ کر رہی ہیں۔

اس کے باوجود کہ لفظ''لفظة الفتوىٰ وآكد وأبلغ'' کے مقابلہ میں قول مختار امام محمدؒ کا بھی چھوڑ دیا گیا اور امام ابو یوسفؒ کا قول اختیار کیا گیا،بہشتی زیور میں بسم اللہ پڑھنا لکھا گیا ہے''پھر بسم اللہ پڑھ کر''الحمد''پڑھے اور''ولا الضالين'' کے بعد آمین کہے،پھر بسم اللہ پڑھ کے کوئی سورۃ پڑھے''بہشتی زیور مدلّل ومکمل حصہ دوم ص:۲۴،تو کیا فتویٰ کے مقابلہ پر حسن پر عمل کیا جائے گا،حالانکہ نہ پڑھنے کو صحیح کہا گیا ہے''عالمگیری''تو سوال یہ ہے کہ اول تو بہشتی زیور سے یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ بسم اللہ کا پڑھنا بطور مباح کے ہے یا بطور سنت کے پڑھنے کو لکھا ہے؛لیکن پھر بھی فتویٰ،آکد وابلغ کے مقابلہ پر حسن کا اختیار کرنا سمجھ میں نہ آیا،حضور والا تسلی وتشفی فرما کر احسان عظیم فرمادیں،اب تک میرا عمل نہ پڑھنے پر ہے اور یوں ہی دوسروں کو مسئلہ بتاتا ہوں، ==

تراویح یا نماز میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنا:

سوال: ایک شخص نماز تراویح یا اور کوئی نماز لوگوں کو پڑھاتا ہے اور ہر رکعت میں کئی کئی سورتیں پڑھتا ہے اور ہر سورت کے اول میں بسم اللہ بھی جہر سے کہتا ہے تو ہر سورت کے ساتھ نماز میں بسم اللہ کا ملانا جائز ہے یا نہیں اور نماز جہری میں بسم اللہ آواز سے پڑھنا افضل ہے یا آہستہ پڑھنا فضیلت رکھتا ہے اور اکثر حافظوں کا یہ دستور ہے کہ نماز تراویح میں کسی سورۃ کے اول تمام قرآن میں بسم اللہ نہیں پڑھتے۔ صرف سورۂ اخلاص کے اول بسم اللہ پڑھتے ہیں۔ سو یہ فعل ان کا ٹھیک ہے یا نہیں؟ اور اگر ہر سورت کے اول نماز تراویح میں بسم اللہ نہ پڑھی جاوے تو کچھ حرج ہے یا نہیں؟ بسم اللہ کے نہ پڑھنے سے قرآن کی قرأت کامل ہوگی یا ناقص رہے گی۔ بینوا توجروا؟

الجواب

مذہب حنفیہ میں بسم اللہ کا آہستہ پڑھنا سنت ہے اور جہر سے پڑھنا ترک اولیٰ ہے اور تراویح جو قرآن کا ختم ہوتا

== ہاں البتہ جب میں تراویح میں ختم کرتا ہوں تو بسم اللہ بین السورتین کرلیتا ہوں، بسبب تصادم روایت عاصمؒ کے کہ براویت ان کے ہر سورۃ کے شروع میں بسم اللہ سنت ہے، وبسمل بین السورتین ودرایۃ وتحملا تا کہ قرآن کے نقص کا احتمال نہ رہے، اور ایسا ہی آپ نے فتاویٰ امدادیہ میں جواب دیا ہے، اسی قسم کے ایک سوال کا، لیکن یہ بات عام نمازوں میں تو نہیں، پھر بھی فتویٰ کو چھوڑ دینا کیسا؟ بینوا بالدلائل توجروا بالفضائل۔

الجواب

قول ابی یوسفؒ پر فتویٰ ہونے کا یہ مطلب ہے کہ تسمیہ قبل سورۃ کو مسنون نہ کہا جاوے گا؛ لیکن بناء برمزید احتیاط اس کو حسن سمجھ کر پڑھ لیا جاوے تو اس فتوے کے خلاف نہیں ہے، کما لایخفی۔

اور بہشتی زیور میں جو ترکیب نماز کی بیان کی ہے، اس میں دوسرے افعال کے مسنون وغیرہ ہونے سے بھی تعرض نہیں جو ان میں تصریح کی حاجت ہوتی، **وفی الطحطاوی علٰی مراقی الفلاح (ص: ۱۵۱) عن الكمال و تلميذه ابن أمير حاج أن الخلاف فی السنية فلاخلاف أنه لو سمّٰی لكان حسناً لشبهة الخلاف فی كون آية من كل سورة،إلخ**۔ باقی رہا سوال تراویح میں ہر سورۃ کے شروع پر بسم اللہ پڑھنے کا، سو اس کے متعلق یہ عرض ہے کہ مولانا (اور امداد الفتاویٰ میں) مدفیوضہم ونیز دیگر اکابر کا یہی معمول ہے کہ ہر سورۃ پر بسم اللہ نہیں پڑھتے، بلکہ تمام قرآن میں فقط ایک سورۃ کے شروع میں پڑھتے ہیں، کیونکہ تسمیہ آیۃ من القرآن ہے، نہ کہ آیۃ من کل السورۃ، اور احکام نماز میں ائمۃ الفقہ کے قول پر عمل کرنا چاہئے اور امام عاصمؒ کا قول خارج صلوٰۃ قابل عمل ہے ونیز امام عاصمؒ کی روایت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ بسم اللہ کو بحیثیت جزء القرآن ہونے کے پڑھتے تھے، لہٰذا ختم قرآن میں شبہ نہ کیا جائے، بیش بریں نیست کہ ان کے نزدیک جو چیز مسنون تھی، وہ ترک ہوگئی، سو اس کا مضائقہ نہیں؛ کیونکہ ہم فقہ میں ان کے مقلد نہیں ہیں اور نماز جہریہ میں امام محمدؒ بھی تسمیہ کے قائل نہیں، اس لئے تسمیہ بین السورتین کو جو حسن کہتے ہیں، ان کے نزدیک بھی تراویح میں ہر سورۃ پر بسم اللہ پڑھنے کی گنجائش نہیں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

احقر عبدالکریم عفی عنہ الجواب صحیح ظفر احمد عفا عنہ۔ ۲۰/رمضان ۱۳۴۸ھ۔ (امداد الاحکام: ۱۹۶-۱۹۹)

ہے،اس میں بھی مذہب حنفیہ کے موافق یہی حکم ہے،مگر حفص قاری جن کی قرأت اب ہم لوگوں میں شائع ہے،ان کے نزدیک بسم اللہ جزو ہر سورت کا ہے اور جہر سے پڑھنا ان کے نزدیک ضروری ہے،پس اگر اقتداء سے ان کے کوئی ہر سورت پر جہر سے بسم اللہ پڑھے تو مضائقہ نہیں،جیسا بعض قراء کا دستور ہے تو اس حالت میں قرآن کا کامل ہونا حفص کے نزدیک جہر بسم اللہ پر موقوف ہے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایک دفعہ کہیں جہر سے بسم اللہ پڑھنا کافی ہے، بہر حال دونوں طرح درست ہے۔ایسے امور میں خلاف ونزاع مناسب نہیں کہ سب مذاہب صحیح ہیں۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم　　(رشید احمد گنگوہی)

یہ قول ٹھیک ہے اور لاریب احادیث سے بھی دونوں باتیں ثابت ہیں،یعنی بسم اللہ کا پڑھنا نماز میں جہراً بھی آیا ہے اور سراً بھی ہاں اتنی بات ہے کہ بسم اللہ کا جہراً پڑھنا متروک ہورہا ہے تو یہ سنت مردہ کے حکم میں ہے،پس اس کو رواج دینے میں امید ہے کہ سو شہیدوں کا ثواب ملے؛ پس اولیٰ یہ ہے کہ اکثر بسم اللہ کو جہر کے ساتھ نماز میں پڑھا کریں۔خواہ وہ فرض نمازیں ہوں جن میں قرأت جہر کے ساتھ پڑھی جاتی ہے،جیسے: فجر،عشاء،مغرب خواہ تراویح کی نماز ہو۔

حمیداللہ، مقیم مدرسہ مطلع العلوم میرٹھ۔(تالیفات رشیدیہ ا۲۷) ☆

☆ **ہر سورت کے شروع میں بسم اللہ کا پڑھنا:**

سوال: پانی پت کے قاری تراویح میں شروع ہر سورت پر بسم اللہ جہر سے پڑھتے ہیں،یہ درست ہے یا نہیں اگر درست ہے تو کس امام کے نزدیک؟

الجواب

بسم اللہ جہر سے پڑھنا مذہب حنفیہ کا نہیں ہے،مگر چونکہ یہ امر قراءت متعارف ہند کے موافق ہے،اس لیے ان پر اعتراض نامناسب ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم (تالیفات رشیدیہ:۲۷۰)

حکم جہر بسم اللہ در سورۂ اقرأ:

سوال: زید نے رمضان شریف میں نماز تراویح میں بروز ختم قرآن شریف سورہ اقرأ شروع کرتے وقت زور سے بسم اللہ الرحمٰن پڑھی تو عمرو نے اس پر اعتراض کیا کہ نہ پڑھنا چاہیے اور کیا کہتا ہے کہ قرآن شریف تسلسل کے ساتھ پڑھا جارہا تھا،بسم اللہ کو درمیان میں کیوں حائل کیا،زید کہتا ہے کہ بسم اللہ جزو قرآن ہے،اگر میں بسم اللہ جہر کے ساتھ نہ پڑھتا تو ایک جزو قرآن شریف کا رہ جاتا،لیکن عمرو زید کی اس گفتگو پر یقین نہیں کرتا۔اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید کا یہ فعل کس حد تک صحیح ہے اور کس کی بات تسلیم کی جائے اگر دونوں راہ حق پر نہیں ہیں تو براہ شرع شریف جو حکم ہو اس سے آگاہی فرما کر طمانیت بخشی جائے؟

الجواب

زید کا قول صحیح ہے،تمام قرآن میں ایک جگہ کسی سورۃ پر بسم اللہ کا جہر لازم ہے تاکہ ختم پورا ہوجائے،اور سورۂ اقراء پر جہر کرنا ہمارے اکابر کا مختار ہے،کیونکہ یہ سورۃ نزول میں مقدم ہے،اور عمرو کا یہ کہنا کہ اس سے تسلسل قرآن جاتا رہا بالکل غلط ہے؛ کیوں کہ بسم اللہ بھی تو قرآن ہی ہے،پس قرآن کی آیت سے تسلسل قرآن کیوں کمی آجائے گی۔

۲/ذیقعدہ ۱۳۴۵ھ۔(امداد الاحکام:۲/۲۰۱)

==

بسم اللہ کو تمام قرآن مجید میں کہاں پڑھے:

سوال: بسم اللہ شریف کو ختم قرآن شریف میں سورہ نمل کے سوا کہ جو جزوِ قرآن ہے، اس کو سورۂ اخلاص ہی پر پڑھنا چاہیے یا اور کسی سورت پر بھی پڑھنا بلا تخصیص درست ہے۔

الجواب

بسم اللہ ابوحنیفہؒ کے نزدیک قرآن کی آیت ہے اور کسی سورۃ کا جزو نہیں، (۱) اس کو ایک بار خواہ کہیں، پڑھ دیوے، درست ہے، خصوصیت ''قل هو الله'' کی نہیں، جہاں چاہے، پڑھ دیوے، البتہ یہ عقیدہ کرنا کہ سوائے ''قل هو الله'' کے اور کسی صورت پر درست نہیں بدعت ہوگا ورنہ کچھ حرج نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (تالیفات رشیدیہ: ۲۷۰)

بسم اللہ جزو قرآن ہے یا نہیں:

سوال: ''بسم الله'' قرآن شریف کا جزو ہے یا نہیں، اگر ہے تو جہری نماز میں بسم الله کو بالجہر کیوں نہیں پڑھتے؟ یہاں ایک حافظ نے ماہِ رمضان میں قرآن سناتے وقت صرف ''قل هو الله أحد'' کے شروع میں بسم الله بالجہر پڑھی۔

الجواب

حنفیہ کے نزدیک بسم الله ہر ایک سورۃ کا جزو نہیں ہے، محض فصل بین السورتین کے لئے اوائل سورۃ میں لکھی جاتی ہے اور سوائے سورۂ توبہ ہر ایک سورت کے اول میں لکھنا اس کا ثابت ہے، مگر جزو ہونا اس کا ثابت نہیں ہے، اس لئے جہر کرنا ہر ایک سورت کے ساتھ حکم نہیں ہے، صرف تمام قرآن شریف میں ایک آیت ''بسم الله'' بھی ہے، اس لئے تراویح میں جب قرآن شریف پورا پڑھا جاتا ہے تو ایک جگہ جہر کر دیا جاتا ہے۔ (۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲/۲۲۶)

== دو رکعتوں میں ایک چھوٹی سورۃ پڑھنا:

سوال: زید نے نماز تراویح میں ارأیت الذی میں دو رکعت اس طور پر کی کہ پہلی رکعت میں لفظ ''مسکین'' تک اور دوسری رکعت میں ختم تک آیا یہ دو رکعتیں ہوئیں یا نہیں، اگر نہیں ہوئیں تو اب اس کی مکافات کیا ہو سکتی ہے؟

الجواب

یہ دونوں رکعتیں صحیح ہو گئیں، مگر ایسا کرنا مناسب نہ تھا، ایسی چھوٹی سورتوں میں دو رکعتیں ایک سورۃ کے اندر نہ کونا (غور کر لیا جائے) چاہئے، کہ اس صورت سے ہر رکعت میں تین آیات نہیں ہوئیں۔ (امداد الاحکام: ۲/۲۰۱-۲۰۲)

(۱) (التسمية آية من القرآن وليست من الفاتحة) قال أبوبكر أحمد: ولا نعرف عن أصحابنا نصافي أن "بسم الله الرحمن الرحيم" من فاتحة الكتاب أو ليست منها. (شرح مختصر الطحاوي، باب صفة الصلاة: ۱/۵۸۹، دار البشائر الإسلامية. انيس)

(۲) وهي أي بسم الله إلخ آية واحدة من القرآن كله أنزلت للفصل بين السور، إلخ، وليست من الفاتحة ==

بسم اللہ کے جزء سورۃ ہونے میں امام عاصم اورامام صاحب کے مابین تعارض کاازالہ:

سوال: خاکسار نے الامداد میں ایک عبارت بعنوان سوال وجواب بسم اللہ کے بارہ میں دیکھی تھی ،جس کے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ بسم اللہ مبسملین کے یہاں جز و ہرسورت نہیں اورشاطبی(۱) کا جوشعر ہے ۔

وبسمل بين السورتين بسنته رجال نمو ها دريته وتحملا

اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ بسم اللہ مبسملین کے یہاں جز و ہرسورت ہے، بلکہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ انہوں نے ہر سورت کے پہلے بسم اللہ پڑھی ہے۔ بے شک یہ تو صحیح ہے؛لیکن شاطبی پشاوری جس کے حاشیہ پر دوشرحیں چڑھی ہیں، منجملہ ان کے شرح کنز المعانی بھی ہے، کنز المعانی کے صفحہ:۳۸ پر اسی شعرکی شرح کی ہے:

''ثم المبسملون بعضهم عدها آية من كل سورة سوى براءة وهم غيرقالو ن وعدها حمزة من التاركين آية من الفاتحة''فقط.

اس عبارت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ امام ابن کثیراورامام عاصم اورامام کسائی کے یہاں بسم اللہ سورۃ کا جز و ہے جناب اس کا جواب تحریر فرماویں؟

الجواب

مجھ کو بھی اس عبارت سے اپنے جواب میں تر دد واقع ہوگیا،اورجس سوال کا میں جواب دیا تھا وہ پھرمحتاج جواب ہوگیا،میرے پاس نہ کتب ہیں نہ وقت ،دوسرے علماء وقراء سے رجوع کیا جاوے اورکوئی شافی جواب ملے ۔ بشرط مہلت مجھ کو بھی اطلاع دیجئے میں اپنے کسی رسالہ میں نقل کردوں گا ایک توجیہ سمجھ میں آتی ہے وہ یہ کہ ہرسورت کے ساتھ بسم اللہ پڑھنا نہ پڑھنا تو روایت کے متعلق ہے اور جز و ہونا نہ ہونا اجتہاد کے متعلق ہے،روایت میں عاصم کا قول حجت ہوگا اوراجتہاد میں امام صاحبؒ کا،پس میرا اصلی جواب سالم رہا۔

۱۲رشوال ۱۳۳۹ھ-(امدادالفتاویٰ جدید:۱/۳۴۳-۳۴۴)

سوال: مخدوم مکرم دامت فیوضہم بعد سلام بصد تعظیم کے عرض یہ ہے کہ والا نامہ صادر ہوا، جناب قاری عبدالرحمٰن صاحب محدث انصاری پانی پتی تسمیہ کے بارہ میں ائمہ فقہ کے اقوال نقل کرکے یوں لکھتے ہیں:

''وہمہ اقوال حق اندواز قبیل اختلاف قرأۃ ہستند''۔

== ولامن كل سورة فی الأصح . (الدرالمختار علىٰ هامش رد المحتار،باب صفة الصلاة، بعد الفصل:۴۵۸/۱،ظفیر)

(۱) الشاطبية،باب البسملة (رقم القاعدة:۱۰۰) ۹/۱،مكتبة دارالهدىٰ و دارالغوثانی للدراسات القرآنية. انيس

اوراسی عبارت پرخود ہی منہیہ لکھتے ہیں، وہ یہ ہے:

''بدانکہ چوں درجز وبودن ونبودن بسم اللہ از ہرسورۃ اختلاف قراءۃ است پس برقاری قراءۃ مبسملین درتراویح قراءۃ بسملہ برہرسورۃ جہراواجب شدوالاترک یک صدوچہاردہ آیت درختم لازم آید،وآں جائز نیست ومعمول دیارحنفی المذہب برخلاف آں است پس سبب اہل ترک وغفلت معلوم نیست''۔

اوردوسرے رسالہ میں جوخاص اس مسئلہ میں ہے، یوں لکھتے ہیں:

تسمیہ کا مسئلہ اجتہادی بھی نہیں، چونکہ منصوصات میں اجتہاد جائز نہیں،لہذا ہم چونکہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے مقلد مسائل اجتہادیہ میں ہیں،نہ مسائل منصوصہ میں،تو ہم کواس بات کا قائل ہونا پڑا کہ ہم مسائل فقہیہ میں توامام ابوحنیفہؒ کے مقلد ہیں؛ کیونکہ وہ امام مجتہد مطلق تھےاورقراءۃ میں مقلدائمہ قرآن اورراویان قرأت کے ہیں؛ کیونکہ وہ ہرحرف اور ہرنقطہ کی سندمتصل اورمتواترآں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک رکھتے ہیں اورقرأۃ میں ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ بھی مقلد راویان قرآن کے تھےاوراحتمال اجتہاداس مسئلہ میں قابل پذیرائی نہیں ہوسکتا۔

اورآگے جاکے لکھتے ہیں:

دلائل مبسملین اورتارکین دونوں کےاحادیث صحیحہ ہیں، یہاں اجتہادکا کیادخل ہے،دونوں قرآن میں اجتہادکودخل نہیں دیتے،اگردخل دیتے ہیں توبتلاؤ نشان اجتہادعاصم اورابوحنیفہ کا،اگراجتہاد سےمرادفرض وتحسین ہےتومقبول نہیں ہوگااور اگرمرادقیاس فقہی ہےتویہاں مقیس اورمقیس علیہ اوروصف مشترک اورنص اوروصف اشتراک کےکیاہے؟انتہی۔

الجواب

فـی غیث النفع بعد نقل بعض الاختلافات فی البسملة تحت عنوان البسملة وسورة الفاتحة مانصه: وأیضا فإن المحققین من الشافعیة وعزاه الماوردی إلی الجمهور علی أنها آیة حکمًا لا قطعًا، قال النووی:والصحیح أنها قرآن علی سبیل الحکم ولوکانت قرأنًا علی سبیل القطع لکفرنا فیهاوهو خلاف الإجماع وقال المحلی عند قول منهاج فقههم:(والبسملة منها)أی من الفاتحة عملًا لأنه صلی اللّٰه علیه وسلم عدهاآیة منهاصححه ابن خزیمة والحاکم ویکفی فی ثبوتها من حیث العمل الظن،انتهی.

ومعنی الحکم والعمل أنه لاتصح صلوٰة من لم یات بهافی أول الفاتحة وهو نظیر کون الحجر من البیت أی فی الحکم باعتبار الطواف والصلاة فیه لا له باعتبار أنه من البیت إذ لم یثبت ذلک بقاطع وإذا قلنا إنها آیة قطعًا لاحکمًا کما هوظاهرعبارة کثیر فیکون من باب اختلاف القراء فی

اسقاط بعض الکلمات واثباتها وكل قرأ بما تواتر عنده والفقهاء تبع للقراء فی هذا وكل علم یسال عنه أهله والمسئلة طويلة الذيل وما ذكرنا ه لب كلامهم وتحقيقه.(۱۹)(۱)

اس عبارت سے صاف معلوم ہوا کہ میرا قول بھی گنجائش رکھتا ہے اور قاری صاحب کا بھی دوسرا امر قابل غور یہ ہے کہ اگر قاری صاحب کے سب مقدمات تسلیم کر لئے جاویں تو تراویح کی کیا تخصیص ہے، یہ مقدمات تو قرأت فی الفرض میں بھی جاری ہیں تو کیا احناف وجوب جہر بالبسملۃ فی الفرائض کا التزام کریں گے۔

۲۰ رشوال ۱۳۳۹ھ۔(ترجیح خامس ۱۱۹) (امداد الفتاویٰ جدید:۱/۳۴۴-۳۴۶)

أیضاً:

سوال: ایک امر قابل دریافت ہے وہ یہ کہ باب البسملۃ میں امام عاصم کے نزدیک بین السورتین بسملہ ضروری ہے اور امام ابوحنیفہؒ کے مذہب میں تراویح کے اندر ہر سورۃ پر بسم اللہ نہیں پڑھی جاتی تو اب اس صورت میں براویت حفص عن العاصم الکوفی ''ختم کلام مجید پورے طور پر کیونکہ ہوگا، اس لئے بسم اللہ ایک غیر معین سورۃ کے اول میں پڑھی جاتی ہے اور باقی ایک سو تیرہ سورۃ کے اول میں نہیں پڑھی جاتی، ختم کلام مجید میں امام عاصم کے قول پر عمل کرنا ضروری ہے اور اگر امام ابوحنیفہؒ کی رائے پر عمل کیا جائے تو ختم کلام مجید ناقص ختم ہوتا ہے خارج از نماز امام عاصمؒ کے قول پر عمل کرنے میں کوئی دشواری نہیں اندر نماز کے بسم اللہ پڑھنا احناف کے نزدیک پکار کر ہر سورت کے شروع میں جائز ہے یا نہیں اگر احناف کے نزدیک جائز ہے تو اس پر عمل کرنا فی زمانناکوئی حرج تو نہیں؟

الجواب

بسم اللہ کے باب میں ایک مسئلہ قراءۃ کے متعلق ہے اور ایک مسئلہ فقہ کے متعلق، عاصم کا قول اول مسئلہ کی تحقیق ہے اور امام ابوحنیفہؒ کا قول دوسرے مسئلہ کی تحقیق، حاصل مسئلہ اولیٰ کا یہ ہے کہ گو بسم اللہ ہر سورۃ کا جز و نہ ہو، مگر باوجود عدم جزئیت روایۃً اس کا پڑھنا ہر سورۃ پر منقول ہے، پس اگر کوئی شخص ہر سورت پر نہ پڑھے تو اس کی قراءۃ اس روایت کے موافق نہ ہوئی گو کوئی جز و متروک نہ ہوا ہو، جب کہ کم از کم ایک سورۃ پر پڑھ لے اور دوسرے مسئلہ کا حاصل یہ ہے کہ گو روایۃً ہر سورت پر بسم اللہ منقول ہو؛ لیکن ہر سورت کا جزو نہیں ہے، بلکہ جز و مطلق قرآن کا ہے، اگر ایک جگہ بھی پڑھ لے تو قرآن پورا ختم ہو جاوے گا، گو اس روایت کے موافق اس کی قرأت نہ ہو، پس امام عاصم اور امام ابوحنیفہؒ کے قول میں کوئی تخالف نہیں؛ کیونکہ دونوں کی نفی و اثبات کی حیثیتیں جدا جدا ہیں اور حیثیات کے بدلنے سے تعارض جاتا رہتا ہے، یہ جب ہے کہ ہر سورت پر بسم اللہ نہ پڑھے اور اگر پڑھ لے تو شبہ کی گنجائش ہی نہیں اور امام صاحب کے بھی خلاف

(۱)　غيث النفع في القراء ات السبع،سورة الفاتحة: ۳۹/۱،دارالكتب العلمية بيروت.انیس

نہیں؛ کیونکہ امام صاحب تسمیہ کو ہر سورت پر ضروری نہیں کہتے، یہ نہیں کہ جائز نہیں کہتے، درمختار یا ردمحتار میں ہر سورت پر تسمیہ کو حسن کہا ہے، رہا ہر جگہ پکار کر پڑھنا، یہ بلا شبہ احناف کے خلاف ہے اور امام عاصم بھی جہر کو ضروری نہیں کہتے، صرف تسمیہ کو ضروری کہتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم

۶ ربیع الثانی ۱۳۲۴ھ۔ (امداد: ۱/ ۷۲) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/ ۳۴۶۔۳۴۷)

سورہ توبہ کے شروع میں بسملہ کی تحقیق:

سیدی ومولائی، دام ظلکم العالی السلام علیکم

سوال: عرض یہ ہے کہ جناب نے ترک بسملہ کو ابتدأ تلاوت برأۃ سے ہو؛ اغلاط العوام میں داخل کیا ہے اور مکرر میں ہے:

وأجمع القراء على ترك البسملة في أول برأة سواء ابتداء بها أو وصلها بالأنفال. (۱)

ایسا ہی شاطبیہ میں ہے۔ (۲) لہذ اجناب کے قول اور مکرر میں، جو صورت تطبیق ہو، تحریر فرماویں؟

الجواب

واقع میں ان دونوں میں تطبیق نہیں ہوسکتی، مگر یہ مسئلہ فن قرأت کا نہیں، اس لئے میرے نزدیک اس میں قاری کا قول حجت نہیں، قواعد فقہیہ کا مقتضا میرے نزدیک وہی ہے جو میں نے لکھا ہے۔ واللہ اعلم (۱)

بعد تحریر سطور ہذا ایک وجہ تطبیق کی جو مجھ کو بہت لطیف معلوم ہوتی ہے، خیال میں آ گئی وہ یہ کہ!

---

(۱) المكرر في ماتواتر من القراء ات السبع وتحرر، باب البسملة: ۲۷/۱، دار الكتب العلمية بيروت. انيس

(۲) ومهما تصلها أو بدأت براء ة لتنزيلها بالسيف لست مبسملا. (الشاطبية، رقم القاعدة: ۱۰۵)

المعنى: إذا وصلت براء ة بالسورة قبلها وهي الأنفال أو ابتدأت بها القراء ة فلا تبسمل في أولها لأحد من القراء سواء كان مذهبه بين السورتين البسملة أو السكت أو الوصل. (الوافي في شرح الشاطبية، باب البسملة: ۴۸/۱، مكتبة السوادي للتوزيع. انيس)

(۱) یعنی تلاوت کے شروع میں بسم اللہ برکت کے لئے پڑھی جاتی ہے لہذا جس طرح سورہ براءۃ کی درمیان کی آیتوں سے تلاوت شروع کرتے وقت بسم اللہ برکت کیلئے پڑھتے ہیں، اسی طرح سورۂ برأت کے شروع سے تلاوت شروع کریں تو بھی برکت کے لئے بسم اللہ پڑھنا چاہئے۔

تكره (اى البسملة) ... في أول سورة برأة إذا وصل قراء تها بالأنفال كما قيده بعض المشائخ، آه. (ردالمحتار: ۸/۱، في تتمه الكلام حول الحمدلة)

جو لوگ منع کرتے ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ اس سورۃ کے شروع میں بسم اللہ لکھی ہوئی نہیں ہے پس اگر پڑھیں گے تو رسم واجماع کے خلاف ہوگا۔ لیکن مجوزین کی دلیل قوی ہے۔ (سعید احمد پالنپوری)

ابتداء بسورۃ تو بہ میں بسم اللہ پڑھنے کی دو حیثیتیں ہیں، ایک حیثیت ابتداء بمطلق القراءۃ کی، دوسری حیثیت ابتداء باسورۃ کی، پس اغلاط العوام میں اول کا اثبات ہے اور مکرر اور شاطبیہ میں ثانی کی نفی ہے۔ فلا تعارض و اللّٰہ أعلم

(ترجیح خامس: ۱۰۳) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/ ۳۴۲-۳۴۳)

قرأت میں قصار، اوساط اور طوال کی رعایت مسنون ہے یا مستحب اور ان کی تفصیل:

سوال: فجر وظہر میں طوال، عصر وعشا میں اوساط اور مغرب میں قصار کی قرأت مستحب یا مسنون ہے، مگر کہاں سے کہاں تک طوال اور کہاں سے کہاں تک اوساط اور کہاں سے کہاں تک قصار ہے؟

الجواب

یہ رعایت مسنون ہے، کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عمال کو بذریعہ خطوط کے اس کی تاکید فرمائی ہے اور احادیث مرفوعہ سے بھی اس کی تائید ملتی ہے۔

”والطوال من ”ق“ إلی ”البروج“ والأوساط منها إلٰی ”لم یکن“ والقصار منها إلٰی آخر القرآن هٰذا هو المشهور بين الحنفية وفيه أقوال أخر أيضًا. (۱)

۲۰/ شعبان ۱۳۴۸ھ۔ (امداد الاحکام: ۲/ ۱۹۶)

☆☆☆

(۱) والمفصل هو السبع السابع قيل: أوله عند الأكثرين من سورة الحجرات وقيل من سورة محمد أو من الفتح أو من ق والطوال من مبدئه إلى البروج وأوساطه منها إلى لم يكن وقصاره منها إلى آخره، وقيل طواله من الحجرات إلى عبس وأوساطه من كورت إلى الضحى والباقي وقصاره لما روى عن عمر أنه يقرأ في المغرب بقصار المفصل وفي العشاء بوسط المفصل وفي الصبح بطوال المفصل كالفجر لمساواتها في سعة الوقت وورد أنه كالعصر لاشتغال الناس بمهماتهم، الخ. (مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح، فصل في سننها: ۹۸، المكتبة العصرية. انيس)

مسئلہ: قرأت کے لئے اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ آہستہ کہنا سنت ہے۔

یہ صرف امام یا تنہا پڑھنے والا پڑھے، مقتدی نہ پڑھے۔

مسبوق چھوٹی ہوئی نماز پڑھنے کے لئے کھڑا ہو تب پڑھے۔

عیدین کی نماز میں امام تکبیروں کے بعد پڑھے۔

یہ صرف قرآن مجید کی تلاوت کے لئے سنت ہے اس لئے دوسری جگہ نہ پڑھے۔ (ملخص از شامی: ۱/ ۳۲۹)

اعوذ باللہ سے پہلے بسم اللہ پڑھ چکے تو اعوذ باللہ پڑھنے کے بعد پھر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھے۔ (شامی: ۱/ ۳۲۹) (طہارت اور نماز کے تفصیلی مسائل: ۲۴۵) (انیس)

سنن نماز

''تکبیرات، رکوع، قومہ، سجدہ وغیرہ''

تکبیراتِ انتقال، رکوع وسجدہ میں:

سوال: بعض ائمہ رکوع اور سجدہ میں آخر میں تکبیر کہتے ہیں، اور بعض رکوع اور سجدہ کی ابتدا ہی میں تکبیر مکمل کر لیتے ہیں، تکبیر کس طرح اور کب شروع کریں؟ (محمد عبدالحمید، بیدر)

الجواب

تکبیر کہنے کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ جونہی رکوع اور سجدہ کے لئے جھکے تکبیر کہنا شروع کرے اور رکوع اور سجدہ کی کیفیت میں پہنچنے تک تکبیر مکمل کرلے۔

''ویکبر مع الانحطاط قالوا: وهو الأصح... وابتداءه عند أول الخرور وفراغه عندالاستواء''.(۱)

البتہ اگر کوئی شخص تکبیر کو اتنا دراز کرنے میں مشکل محسوس کرتا ہو تو جیسے ہی جھکے تکبیر کہے؛ البتہ اگر امام ضعیف ہو اور اسے اندیشہ ہو کہ شروع میں تکبیر کہنے کی وجہ سے مقتدی اس سے پہلے ہی رکوع یا سجدہ میں چلے جائیں گے، تو اس کے لئے مناسب ہے کہ رکوع اور سجدہ کے قریب پہنچ کر تکبیر کہے؛ تاکہ کسی رکن میں مقتدی امام سے پہلے نہ چلے جائیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے سختی سے منع فرمایا ہے۔(۲) (کتاب الفتاویٰ:۲/۱۷۵-۱۷۶)

---

(۱) البحر الرائق : ۳۱۵/۱)(کتاب الصلاة،باب صفة الصلاة،آداب الصلاة.

(عن عبدالله بن مسعود قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يكبر عند كل خفض ورفع وقيام وقعود وأبوبكروعمر. (سنن الترمذى،باب ماجاء فى فى التكبيرعندالركوع (ح :۲۵۳)/مسندالبزار،عبدالرحمن بن الأسود عن علقمة عن عبدالله (ح: ۱۶۰۹)/سنن النسائى،باب التكبير عندالرفع من السجود (ح: ۱۱۴۲)/مسند أبى يعلىٰ الموصلى،مسند عبدالله بن مسعود (ح:۵۱۲۸)انيس)

(۲) دیکھئے:سنن أبي داؤد،رقم الحديث:۶۲۳.

(عن أبى هريرة عن النبى صلى االله عليه وسلم قال:أما يخشٰى -أو أما يخشٰى-أحدكم إذا رفع رأسه والإمام ساجد أن يحول اللّٰه رأسه رأس حمار أو صورته صورة حمار. (سنن أبى داؤد،باب فيمن ينصرف قبل الإمام/وكذا فى البخارى، باب إثم من رفع رأسه قبل الإمام (ح:۶۹۱)/الصحيح لمسلم،باب النهى عن سبق الإمام بركوع (ح:۴۲۷)انيس)

تکبیراتِ انتقالیہ مسنون ہیں:

سوال: نماز میں تکبیراتِ انتقالیہ کا کیا حکم ہے؟ یہ مستحب ہیں یا مسنون؟ اور یہ حکم امام ومقتدی اور منفرد کے لئے یکساں ہے یا کچھ فرق ہے؟ اس کے ترک سے نماز متأثر ہوگی یا نہیں؟ آج کل بعض مقتدی حضرات عامۃً اس کا اہتمام نہیں کرتے، تشفی بخش ومدلل جواب مرحمت فرمائیں؟ بینوا وتوجروا۔

الجواب

حامدًا و مصليًا و مسلمًا:

نماز کی تکبیرات انتقالیہ، اسی طرح امام کے لئے "سمع الله لمن حمده" اور مقتدی کے لئے ربنا لک الحمد اور منفرد کے لئے دونوں کہنا مسنون ہیں، اس پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین نے مواظبت فرمائی ہے، اور پوری امت کا تعامل رہا ہے، یہ تکبیرات، امام، مقتدی اور منفرد سب کے حق میں یکساں حیثیت رکھتی ہیں، صرف امام ومنفرد کے لئے مسنون ہوں اور مقتدی کے لئے نہ ہوں ایسا نہیں ہے۔ (دیکھئے! ردالمحتار مع الدرالمختار: ۳۳٤/۱)(۱) والطحطاوی علی الدر: ۲۲۰/۱)

وفی البدائع: ... وعن عائشة قالت: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذارفع رأسه من الركوع قال: سمع الله لمن حمده، ربنا لک الحمد ...عن أبی موسیٰ الأشعری، وأبی هريرة عن النبی صلی الله عليه وسلم أنه قال: "إنما جعل الأمام ليؤتم به فلا تختلفوا عليه، فإذا كبر فكبروا ... وإذا قال: سمع الله لمن حمده فقولوا: ربنا لک الحمد"... وحديث عائشة محمول علیٰ حالة الانفراد فی صلاة الليل. (۴۰۹/۱)(۲)

سنت مؤکدہ واجب کے قریب قریب ہے، تلویح میں لکھا ہے کہ سنت مؤکدہ کا ترک حرام کے قریب ہے۔

ترک السنة المؤكدة قريب من الحرام. (ردالمحتار: ۷۱/۱-و-۳۱۹- ۲۱۵/۵)(۳)

امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ جو لوگ سنت چھوڑنے کے عادی ہیں اگر اسلامی سلطنت ہوتو ان سے قتال کیا جائے گا، اور امام ابویوسفؒ فرماتے ہیں کہ ان کی سرزنش کی جائے گی۔

---

(۱) ثم يرفع رأسه من ركوعه مسمعًا ويكتفى به الإمام ويكتفى بالتحميد المؤتم ويجمع بينهما لو منفرداً. (الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الصلاة: ۱/ ۳۳٤، نعمانية، ديوبند) (كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فروع قرأ بالفارسية أو التوراة أو أو لإنجيل، انيس)

(۲) بدائع الصنائع: ۴۰۹/۱، دار الكتاب، ديوبند، كتاب الصلاة، فصل فی سنن الصلاة، انيس

(۳) ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الطهارة، مطلب فی السنة وتعريفها: ۷۱/۱__۳۱۹/۱، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب فی قولهم الإساءة دون الكراهة...: ۲۱۵/۵، كتاب الحظر والإباحة، ديوبند

فی الشامية: وقال محمدرحمه اللّٰه تعالٰی فی المصرين علی ترک السنة بالقتال وأبويوسف بالتأديب. (۳۱۹/۱)(۱)

سنت مؤکدہ کے ترک سے نماز ہوجاتی ہے، واجب الاعادہ نہیں رہتی ہے، البتہ اعادہ مستحب ہے۔

فی الدر: ترک السنة لا يوجب فساداًولا سهوا بل إساءةً لوعامداً. (۳۱۸/۱)(۲)

وفی الشامية: أقول وقد ذکرفی الإمداد بحثا أن کون الإعادة بترک الواجب واجبة لا يمنع أن تکون الإعادة مندوبة بترک سنة، ونحوه فی القهستاني. (۳۰۷/۱)(۳)

نماز کی سنتوں کے ترک سے اس کے وہ ثمرات وبرکات مرتب نہیں ہوتے جو سنتوں کی رعایت اور اہتمام کے ساتھ پڑھنے پر ہوتے ہیں، سنتوں کی رعایت کے ساتھ نماز پڑھنے پر اللہ رب العزت نے ایک وعدہ یہ فرمایا ہے:

﴿ إِنَّ الصَّلاَةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ ﴾(۴)

(کہ نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روک دیتی ہے۔)

چونکہ ہماری نماز اس میزان پر پوری نہیں اترتی، لہٰذا اس سے اثرات وثمرات بھی پورے طور پر ظاہر نہیں ہوتے، تو پھر قصور ہمارا ہے، یا ہماری نماز کا یا کسی اور کا؟

بلا عذر جان بوجھ کر سنتوں کا ترک ممنوع ہے اور مسلسل چھوڑنے والا قابل عتاب وسرزنش اور لائق ملامت ہے۔

فی الشامية عن التحرير: أن تارکها يستوجب التضليل واللوم اهـ. والمراد الترک بلا عذر علٰی سبيل الإصرارکما فی شرح التحريرلابن أميرالحاج. (۷۱/۱)(۵)

اگر سنت مؤکدہ کا ترک سستی وکاہلی اور لاپرواہی کی وجہ سے ہو تو یہ قابل عتاب وملامت ہے، لیکن اگر استہزا اور استخفاف کی وجہ سے ہو تو یہ کفر ہے، اسی طرح اسے از قبیل مشروعات نہ سمجھنا اور حق نہ جاننا بھی کفر ہے۔

فی الشامية: فإن الظاهرأن الحامل علی الإصرارعلی الترک هوالاستحفاف بمعنی التهاون وعدم المبالاة، لابمعنی الاستهانة والاحتقاروإلا کان کفراً کمامَرّ. (۳۱۹/۱)(۶)

---

(۱) رد المحتارعلی الدرالمختار، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب فی قولهم الإساءة دون الکراهة: ۳۱۹/۱، نعمانية، ديوبند

(۲) الدر المختارمع الرد، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۳۱۸/۱، نعمانيه، ديوبند

(۳) رد المحتارعلی الدر المختار، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب کل صلاة أديت مع کراهة التحريم تجب إعادتها: ۳۰۷/۱، نعمانيه، ديوبند

(۴) سورة العنکبوت: ٤٥۔

(۵) رد المحتارعلی الدر المختار، کتاب الطهارة، مطلب فی السنة وتعريفها: ۷۱/۱، نعمانيه، ديوبند

(۶) حواله سابق، رد المحتار: ۳۱۹/۱، نعمانية، ديوبند

وفیہ: ولو مستخفاً کفر، لما فی النهر عن البزازية: لو لم یر السنة حقًّا کفر، اھ؛ لأنه استخفاف ووجهه أن السنة أحد الأحكام الشرعية المتفق على مشروعيتها عند علماء الدين، فإذا أنكر ذلك ولم یرها شيئًا ثابتًا ومعتبرًا في الدين يكون قد استخف بها واستهانها وذلك كفر، تأمل. (۳۱۸/۱)(۱)

تفسیر عزیزی میں لکھا ہے کہ!

ومن تهاون بالسنة عوقب بحرمان الفرائض. (۲)

(جو شخص سنتوں میں سستی اور کاہلی سے کام لیتا ہے، اس کو فرائض سے محرومی کی سزا دی جاتی ہے۔)

ملا علی قاری فرماتے ہیں:

ترک السنن قد یؤدی إلیٰ الزندقة. (مرقات: ۱۹۱/۱)(۳)

(کہ سنتوں کے (بلا عذر) ترک کرتے رہنے سے زندقہ (بددینی) کا خطرہ ہے۔)

حاصل کلام یہ ہے کہ نماز کی تکبیرات انتقالیہ ہر ایک کے لئے مسنون ہے، نیز خواہ نماز کی سنتیں ہوں یا نماز کے باہر کی، سب کی سب لائق اعتنا اور قابل صد اہتمام ہیں، اسی میں ہمارے لئے دنیا وآخرت کی فلاح وکامیابی، اللہ ورسول کی رضا وخوشنودی کا سبب اور دلیل عشق ومحبت ہے، بلا عذر سنتوں کا ترک ایمانی شان کے منافی ہے، واللہ اعلم بالصواب

کتبہ: حبیب اللہ بستوی غفرلہ۔ ۲۸/۲/۱۴۱۹ھ۔ الجواب صحیح: محمد حنیف غفرلہ۔ (فتاویٰ ریاض العلوم: ۳۳۱/۲-۳۳۵) ☆

---

(۱) ردالمحتار علی الدرا لمختار، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب سنن الصلاة: ۳۱۸/۱، نعمانية، ديوبند

(۲) تفسير سورة البقرة: ۴۳۲)(تفسير عزيزی، سورة البقرة: ۴۳۲)

(۳) فيعلم أن من ترک سنة، أی سنة فقد حرم خيرًا كثيرًا فكيف المواظبة علٰى ترک سائرها فإن ذلک قد يؤدی إلٰی الزندقة. (مرقات المفاتيح، كتاب الإيمان، باب الإيمان بالقدر: ۱۹۵/۱، دارالفكر/ وكذا فی الكاشف عن حقائق السنن للطيبی، باب الوسوسة: ۵۸۲/۲، مكتبة البازمكة. انيس)

☆ اگر تکبیرات انتقالات چھوٹ جائیں، تو اس کا حکم:

سوال: تکبیر تحریمہ کے علاوہ دوسری تکبیرات کا کیا حکم ہے اگر کسی وجہ سے کوئی تکبیر چھوٹ جائے تو نماز پر اس کا کیا اثر پڑے گا؟

الجواب

تکبیر تحریمہ فرض ہے اور باقی تکبیراتِ انتقالاتِ سنت ہے، لہٰذا اگر کسی عذر کی وجہ سے رہ جائیں تو نماز متاثر نہیں ہوگی۔

لما قال العلامة محمد یوسف البنوری: تكبيرات الانتقالات سنة عند الجمهور. قال ابن المنذر: وبه قال أبوبكر الصديق وعمر وجابر وقيس بن عبادة رضی الله عنهم، والشعبی و الأوزاعی وسعيد بن عبد العزيز ومالک والشافعی وأبوحنيفة، إلخ. (معارف السنن، باب ما جاء فی التكبير عند الركوع والسجود: ۴۴۶/۲) (قال الشيخ ظفر أحمد العثمانی: باب كون التكبير سنة عند كل رفع وحفض عن عبد الله بن مسعود رضی الله عنه قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يكبر فی كل حفض ورفع وقيام وقعود... (أی التكبير) عام فی جميع الانتقالات فی الصلوة. (إعلاء السنن، كتاب الصلاة، باب كون التكبير سنة عند كل رفع وخفض: ۳/۳، رقم الحديث: ۷۳۱، انيس) (فتاویٰ حقانیہ: ۹۷/۳)

سہواً بیٹھ گیا تو اٹھتے وقت دوبارہ تکبیر مسنون ہے یا نہیں:

سوال: امام تیسری رکعت پر سہواً بیٹھ گیا، مگر لقمہ ملنے پر کھڑا ہو گیا، اس قیام کے وقت تکبیر دوبارہ کہنا مسنون ہے یا کہ سجدہ سے اٹھتے وقت جو تکبیر کہی تھی وہی کافی ہے، یہاں کے علما اس میں اختلاف کر رہے ہیں، بعض پہلی تکبیر کو کافی بتاتے ہیں، اور فرماتے ہیں کہ ایک انتقال میں تکبیر کا تعدد منقول نہیں، اس لیے دوسری تکبیر نہ کہے، دوسرے بعض کی دلیل یہ ہے کہ پہلی تکبیر سنت کے مطابق ادا نہیں ہوئی، سنت یہ ہے کہ اختتام انتقال کے ساتھ تکبیر ختم ہو، اس لیے دوسری تکبیر کہے، امید کہ آپ فیصلہ تحریر فرما کر تشفی فرمائیں گے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــــ باسم ملهم الصّواب

بندہ کے نزدیک اس میں یہ تفصیل ہے کہ قعود طویل موجب سجدۂ سہو کی صورت میں چونکہ یہ قعود شمار کیا گیا ہے، اس لیے یہ انتقال اول وثانی میں فصل ہوگا اور دو انتقال مستقل ہو گئے، لہٰذا ہر انتقال کے لیے تکبیر مستقل ہوگی اور اگر جلسہ خفیفہ ہو جو موجب سجدۂ سہو نہیں تو یہ جلسہ غیر معتبر ہونے کی وجہ سے سجدہ سے قیام تک ایک ہی انتقال شمار ہوگا، لہٰذا تکبیر بھی ایک ہی ہوگی، جدید تکبیر کے لیے یہ دلیل معقول نہیں کہ پہلی تکبیر خلاف سنت ہے، اس لیے کہ جدید تکبیر بھی خلاف سنت ہوگی؛ کیوں کہ اس کی ابتداء سجدہ سے نہوض کی ابتدا سے نہیں ہوئی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۹ / جمادی الآخرہ ۱۳۸۹ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ۳/ ۴۱-۴۲)

اگر بھول کر تیسری رکعت پر بیٹھ جائے اور فوراً لقمہ دیا جائے تو تکبیر کہہ کر کھڑا ہو:

سوال: کوئی امام بھول کر تیسری رکعت میں بیٹھ گیا، بعد میں مقتدی نے فوراً لقمہ دیا تو امام دوبارہ تکبیر کہہ کر کھڑا ہو، یا بلا تکبیر کھڑا ہو جائے؟

الجوابــــــــــــــــــ

کوئی صریح روایت فقہیہ اس میں نظر سے نہیں گذری؛ لیکن حدیث میں ہے:

"كان رسول الله صلى الله عليه و سلم يكبر عند كل خفض ورفع". (۱)

اور شرح منیہ وغیرہ میں اس تکبیر کی یہ صورت لکھی ہے کہ حرکت انتقال کے ساتھ شروع ہو اور ختم حرکت پر ختم ہو۔

حيث قال: بأن يكون ابتداء التكبير عند ابتداء الخرور وانتهائه عند انتهائه. (كبيرى: ۳۱۲)(۲)

(۱) سنن الترمذی، باب ماجاء فی التکبیر عندالرکوع (ح: ۲۵۳)/مسند البزار، عبدالرحمن بن الأسود عن علقمة عن عبدالله (ح: ۱۶۰۹)/سنن النسائی، باب التکبیر عندالرفع من السجود (ح: ۱۱۴۲)/مسند أبی یعلیٰ الموصلی، مسند عبدالله بن مسعود (ح: ۵۱۲۸) انیس

(۲) كذا فی رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۲/ ۲۰۲. انیس

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حرکت انتقال سے پہلے تکبیر ختم کر چکا ہو تو کھڑے ہونے کے وقت دوبارہ تکبیر کہنا چاہئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (امداد المفتین:۲/۴ ۲۷ـ۲۷۵)

مقتدی پر تکبیر کیوں ہے:

سوال: مقتدی پر قرأت نہیں ہے، تو تکبیر کیوں پڑھتے ہیں؟ (مستفتی: محمد عمر مالیگاؤں ۲۶/ رمضان ۱۴۲۳ھ)

الجواب

اس لئے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ایسا ہی ثابت ہے، نیز قرآن میں قرأت کے وقت سننے کا حکم ہے اور خاموش رہنے کا۔ ﴿وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهُ وَاَنْصِتُوْا﴾(۱) لیکن تکبیر کہنے سے نہیں روکا گیا ہے اور حدیث میں ہے:

”وإذا كبر الإمام فكبروا“. (الحديث)(۲) والله أعلم وعمله أتم

مفتی محمد شاکر خان قاسمی پونہ۔ (فتاویٰ شاکر خان:۱/ ۱۱۲ـ۱۱۳)

رکوع میں تطبیق کی روایت:

سوال: مولوی ثناء اللہ اپنی کتاب ”اہل حدیث کا مذہب“ کے صفحہ: ۵۳، میں لکھتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ رکوع کے وقت چونکہ تطبیق (۳) کرتے تھے، دونوں ہاتھوں کو زانوں پر نہ رکھتے تھے، چنانچہ صحیح مسلم میں ان کا یہی مذہب ثابت ہے۔ لہٰذا یہ سنت صحیح ہے یا لغو؟

الجواب

یہ قصہ تطبیق فی الرکوع کا صحیح ہے، اس کی تاویل علما نے یہ فرمائی ہے کہ ممکن ہے کہ اس کا نسخ ان کو معلوم نہ ہوا ہو، یا ان کا مذہب تخییر کا ہو، والتفصيل في الكتب. (۴) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۲/ ۱۶۹ـ۱۷۰)

(۱) سورة الأعراف: ۲۰٤، انيس

(۲) عن أبي موسىٰ الأشعري قال: إن رسول الله صلى الله عليه وسلم خطبنا فبين لنا سنتنا وعلمنا صلاتنا فقال: وإذا كبر الإمام فكبروا وإذا قال: ﴿غير المغضوب عليهم والضالين﴾ فقولوا: آمين، يجبكم الله. (الصحيح لابن خزيمة، باب ذكر إجابة الرب المؤمن عند فراغ قراءة الفاتحة الكتاب (ح: ١٥٨٤) انيس)

(۳) قال الجوهري: التطبيق في الصلاة: جعل اليدين بين الفخذين في الركوع. (النظم المستعذب في تفسير غريب ألفاظ المهذب، ومن باب صفة الصلاة: ۸۰/۱، المكتبة التجارية مكة المكرمة. انيس)

(۴) عن أبي عبدالرحمٰن السلمي قال: قال لنا عمر بن الخطاب رضي الله تعالىٰ عنه: إن الركب سنت لكم فخذوا بالركب، إلخ، والعمل علىٰ هذا عند أهل العلم من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم والتابعين ومن بعدهم لا خلاف بينهم إلا ماروي عن ابن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه وبعض أصحابه أنهم كانوا يطبقون، والتطبيق منسوخ عند أهل العلم، قال سعد بن أبي وقاص رضي الله تعالىٰ عنه: كنا نفعل ذلك فنهينا عنه و أمرنا أن نضع الأكف على الركب. (سنن الترمذي، أبواب الصلاة، باب ماجاء في وضع اليدين على الركبتين في الركوع: ۳٥/۱، ظفير)((ح:: ۲٥۸ـ ۲٥۹) انيس)

حالت رکوع میں الصاق کعبین:

سوال: ''اِلصاق کعبین'' رکوع کی حالت میں مسنون ہے یا نہیں اور ''درمختار، باب السنن'' میں جو روایت اور بحث اس کے متعلق ہے وہ روایت قابل عمل ہے یا نہیں؟

الجواب

اس پر عمل کرنا درست ہے، کیونکہ علامہ شامی کو کلام صرف اس میں ہے کہ یہ سنت ہے یا نہیں؟ باقی جواز، بلکہ استحباب میں کچھ شبہ معلوم نہیں ہوتا اور چونکہ سنت ہونا اس کا ثابت نہیں ہے، اس لئے اگر کوئی ''اِلصاق کعبین'' نہ کرے تو اس پر کچھ ملامت نہیں ہے۔ (۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲/۲۰۰-۲۰۱)

رکوع میں ٹخنوں کا ملانا سنت ہے یا نہیں:

سوال: رکوع میں دونوں ٹخنوں کا ملانا سنت ہے یا نہیں، اگر کوئی شخص اس پر عامل ہو تو اس کو منع کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

أقول وباللّٰه التوفيق:

شامی میں ہے:

''ويكره القيام علٰى أحد القدمين في الصلاة بلاعذر، وينبغي أن يكون بينهما مقدار أربع أصابع اليد؛ لأنه أقرب إلى الخشوع، هٰكذا روى عن أبي نصر الدبوسي أنه كان يفعله، كذا في الكبرٰى، وماروى أنهم ألصقوا الكعاب بالكعاب أريد به الجماعة: أي قام كل واحد بجانب الآخر، كذا في فتاوىٰ سمرقند، إلخ. (المجلد الأول: ۲۹۹) (۲)

اس روایت سے یہ امر معلوم ہوا کہ حالت قیام میں ہر دو قدم کے درمیان میں چار انگشت کا فاصلہ ہونا چاہئے اور یہ کہ ''اِلصاق کعاب بالکعاب'' کے معنی محاذات کے ہیں جو کہ احادیث ''سوّوا صفوفكم وتراصّوا وسدّدوا الخلل'' (۳) وغیرہ سے مستفاد ہے۔ پس جب کہ حالت قیام میں چار انگشت کا فاصلہ قدمین میں رکھنا چاہئے تو رکوع

(۱) ويسن أن يلصق كعبيه وينصب ساقيه (ويبسط ظهره) ويسوى ظهره بعجزه. (الدرالمختار علٰى هامش رد المحتار، باب صفة الصلاة: ۱/۴۴۴، ۴۶۱) (فروع قرأ بالفارسية أو التوراة والإنجيل، انيس)

اس جواب میں حالت رکوع میں الصاق کعبین کو مستحب فرمایا ہے اور آخر میں ''فرائض کے بعد سر پر ہاتھ رکھ کر دعا'' کے جواب میں ضمنی طور پر اسی قسم کا جواب ہے، مگر یہاں اس کے بعد والے جواب میں مفصل فتویٰ اس کے خلاف آ رہا ہے اور وہی تحقیقی جواب ہے، اس لئے اس جواب کو اور آخر والے ضمنی جواب کو مرجوع عنہ سمجھنا چاہئے۔ ظفیر الدین مفتاحی مرحوم

(۲) رد المحتار، باب صفة الصلٰوة، بحث القيام: ۱/۴۴۴، انيس

(۳) ان جملوں کے لئے دیکھئے! مشکٰوة، باب تسوية الصفوف. ظفير (عن أنس عن النبي صلى الله عليه وسلم) ==

میں بھی اسی حالت پر رہنا چاہئے۔ بہر حال معلوم ہوتا ہے کہ اصل سنت الصاق، محاذات وتسویہ صف سے حاصل ہوجاتی ہے اور تجربہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ رکوع اور سجود میں الصاق کعبین حقیقتاً متعذر رہے، یا بہت تکلف اور دقت سے ہوتا ہے، ایڑیوں کو تو ملایا جاسکتا ہے، مگر تجربہ سے معلوم ہوا کہ ایڑیوں کے ملانے سے کعبین نہیں ملتے، البتہ محاذات کعبین پوری طرح اس میں حاصل ہوجاتی ہے اور یہی مقصود شارع علیہ السلام معلوم ہوتا ہے، جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے اور اس کی زیادہ تحقیق اور تفصیل مع نقل عبارات مولانا میرک شاہ مدرس مدرسہ ہٰذا نے دوسرے پرچہ پر لکھی ہے، اس کو ملاحظہ کیا جائے۔ فقط (دیگر از مولانا میرک شاہ صاحب، مدرس دارالعلوم)

الجواب

أقول وبالله التوفيق:

یہ مسئلہ الصاق کعبین کا؛ اگرچہ متاخرین حنفیہ کی کتب میں ہے؛ لیکن ائمہ مذہب اور متقدمین حنفیہ کے نزدیک اس کی کوئی اصل نہیں پائی جاتی۔ چنانچہ متقدمین کی کتب معتبرہ میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے، بلکہ حق یہ ہے کہ اس مسئلہ کو سب سے پہلے زاہدی نے مجتبیٰ میں ذکر کیا ہے، پھر اس سے قہستانی نے جامع الرموز اور شرح کیدانی میں اور حلبی نے شرح منیہ میں اور ابن نجیم نے بحر اور تمرتاشی (تلمیذ صاحب بحر) نے نہج القضا میں نقل کیا ہے اور چونکہ کسی قسم کی تردید بھی نقل نہیں ہے، اس وجہ سے اس کو معمول بہ سمجھا گیا، چنانچہ صاحب بحر وصاحب درمختار نے صیغۂ جزم سے اسے نقل کیا ہے۔ ادھر سے بعض فقہا کے کلام سے اور توارث وتعامل سے معلوم ہوتا ہے کہ تفریج ہی سنت ہونا چاہئے۔ چنانچہ سعایہ میں مذکور ہے:

”ورأيت كلاماً للشيخ محمد حيات السندي يقضي إثبات سنية التفريج ونفي سنية الإلصاق، آه. (سعاية)(۱)

ان حالات کو دیکھ کر فقہاءِ متاخرین کی عبارت یا مؤول ہوگی یا مرجوع۔

== قال: سووا صفوفكم فإن تسوية الصفوف من إقامة الصلاة. (الصحيح للبخاري، باب إقامة الصفوف من تمام الصلاة (ح: ۷۲۳)/قال: سووا صفوفكم فإن تسوية الصفوف من تمام الصلاة. (الصحيح لمسلم، باب تسوية الصفوف (ح: ۴۳۳)/وقال: رصوا صفوفكم وقاربوا بينها وحاذوا بالأعناق فوالذي نفسي بيده إني لأرى الشيطان يدخل من خلل الصف كأنها الحذف. (سنن أبي داؤد، باب تسوية الصفوف (ح: ۶۶۷)/وقال: أقيموا صفوفكم وتراصوا. (الصحيح للبخاري، باب إقبال الإمام على الناس (ح: ۷۱۹) وكذا في مسند أبي داؤد الطيالسي، يزيد بن أبان عن أنس (ح: ۲۲۲۲)/وعن أبي هريرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: وسطوا الإمام وسدوا الخلل. (سنن أبي داؤد، باب مقام الإمام من الصف (ح: ۶۸۱) انيس)

(۱) السعاية في كشف مافي شرح الوقاية،

طوالع الانوار شرح درمختار میں شیخ محمد عابدؒ نے اس کی تاویل کرتے ہوئے الصاق کعبین سے محاذات کعبین مراد لی ہے اوراس میں علامہ رحمتی کے قول سے استیناس بھی کرلیا ہے، چنانچہ لکھتے ہیں:

"قوله: وإلصاق كعبيه أى حالة الركوع،قال الشيخ رحمتى:مع بقاء تفريج مابين القدمين، قلت:لعله أراد من الإلصاق المحاذاة وذلك بأن يحاذى كل من كعبيه لاٰخر فلايتقدم أحدهما على الاٰخر". (طوالع الأنوار)(۱)

یہ تو متاخرین کے اس قول کی تاویل کی صورت ہے جو طوالع الانوار شرح درمختار میں مذکور ہے اور جن فقہا نے اس کی تاویل کا ارادہ نہیں کیا ہے، وہ اس کو قول مرجوح اور زاہدی کے اوہام میں درج کرتے ہیں۔

كما فى السعاية نقلاً عن تعليق الشيخ أبى الحسن السندى على الدرالمختار،هٰذه السنة إنما ذكرهامن المتأخرين تبعاً للمجتبىٰ وليس لها ذكرفى الكتب المتقدمة ولم يرد فى السنة علىٰ ما وقفناعليه وكان بعض مشائخنا يرىٰ أنه من أوهام صاحب المجتبىٰ وكأنهم توهموا امما روى أن الصحابةرضى اللّٰه تعالىٰ عنه كانوايهتمون بسد الخلل فى الصفوف حتىٰ يضمون الكعاب والمناكب ولايخفى أن المراد هٰهنا إلصاق كل كعب بكعب صاحبه لاكعبه مع الكعب الاٰخر،آهـ. (سعاية)(۲)

خلاصہ یہ کہ دونوں ٹخنوں کو رکوع میں بالکل ملا دینا، جیسے کہ مجتبیٰ اور اس کے اتباع کی کتب میں واقع ہوا ہے، اپنے ظاہر مفہوم پر محمول نہیں اور اگر ظاہر مفہوم پر ہی محمول ہو تو صاحب مجتبیٰ کے اوہام میں سے ہوگا؛ لیکن سعایہ میں شق اول کو اختیار کیا ہے اور رکوع میں الزاق کعب بکعب کی سنیت کی نفی کو دلائل عدیدہ سے ثابت کیا ہے۔ **فليراجع فقط**

کتبہ میرک شاہ۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۲۰۲-۲۰۴) ☆

---

(۱) طوالع الأنوار شرح الدرالمختار

(۲) السعاية فى كشف ما فى شرح الوقاية

☆ ***رکوع میں الصاق رِجلین سنت ہے یا نہیں:***

سوال : باسمه تعالىٰ؛ أيها العلماء العاملون والفضلاء الكاملون ماتقولون فى إلصاق رِجل كعبيه فى الركوع والسجود؟ أيعدّ هومن سنن الصّلوٰة أم لا؟ وبأى حديث صحيح ثابت هو،و من القائل به من الأئمة المعتبرين،وكثيرمن علماءِ هٰذاالزمان ينكرون سنية ذلك ومنهم صاحب السعاية وغيره.بينو ابالتحقيق وتوجروا على اليقين ونحن نريد أن نطبع فتويٰكم.

الجواب

لم نجد حديثًا صريحًا فى سنية هذا الإلصاق فى الركوع والسجود ولم يذكره من فقهائنا إلا صاحب الدر وشارح المنية ومن تبعهما وهم قليل ولم يتعرض له القدورى ولاصاحب الكنز ==

رکوع میں الصاق کعبین:

سوال: ''إلصاق الكعبين فی الركوع والسجود سنة أم لا''؟
شامی کی روایت پر اکتفا کر کے عمل کرنا درست ہے یا نہیں؟
فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں کسی نے اس قسم کا سوال کیا، اس کے جواب میں مفتی صاحب نے کہا:
''شامی کی روایت پر عمل کرنا درست ہے، ہاں! اگر کوئی شخص نہ مانے تو اس پر ملامت نہیں کی جائے گی''؛(۱) لیکن مفتی صاحب کے عمل اور عدم عمل کی جانب میں سے کسی کو ترجیح نہ دینے کی وجہ سے اس مسئلہ نے معرکۃ الاراء صورت اختیار کر لی۔

اب سوال یہ ہے کہ اس مدت میں آپ کی تحقیق میں کوئی نئی بات آئی ہے یا نہیں؟ سعایہ میں ہے کہ إلصاق الكعبين فی الركوع والسجود مناسب ہے،(۲) کیا شامی معتبر کتابوں میں سے نہیں ہے؟ صاحب سعایہ کا کیا مطلب ہے؟ نیز کتب فقہیہ میں سعایہ کا درجہ کیا ہے؟ (مولانا عبدالحق صاحب، دارالعلوم بانسکنڈی، کچھاڑ، آسام)

== والوقاية وغيرهم من أصحاب المتون المعتبرة الناقلين لظاهر الرواية وفی ترجيح الراجح لشيخنا وقال العلامة عبدالحيی اللكهنوی فی السعاية: إن قدوة القائلين بسنية الإلصاق من الحنفية هو الزاهدی وهو وإن كان إمامًا جليلاً فی الفقة لكنه مشهور بنقل الروايات الضعيفة، صرح به ابن عابدين فی تنقيح الفتاویٰ الحامدية. وفی الفوائد البهية: أنه كان معتزلی العقائد حنفی الفروع. (النور، ص: ١٦، متعلق شعبان ١٣٤٢ھ)

وكلام الطحاوی فی معانی الآثار يفيد أن الإلصاق ليس مشروعاً فی شیء من الأعضاء فی الركوع ولا فی السجود (للرجال) بل المشروع عكسه أی التجافی بينهما. قال الطحاوی فی بحث التطبيق ثم التمسنا حكم ذلك من طريق النظر كيف هو فرأينا التطبيق فيه التقاء اليدين ورأينا وضع اليدين على الركبتين فيه تفريقهما فأردنا أن ننظر فی حكم إشكال ذلك فی الصلاة كيف هو فرأينا السنة جاء ت عن النبی صلى الله عليه وسلم بالتجافی فی الركوع والسجود وأجمع المسلمون علیٰ ذلك فكان ذلك من تفريق الأعضاء وكمن قال فی الصلوٰة أمر أن يراوح بين قدميه وقد روی ذلك عن ابن مسعود رضی الله تعالیٰ عنه وهو الذی روی التطبيق، فلما رأينا تفريق الأعضاء فی هذا بعضها من بعض أولیٰ من الإلصاق بعضها ببعض واختلفوا فی إلصاقها وتفريقها فی الركوع كان النظر علیٰ ذلك أن يكون ما اختلفوا فيه ذلك معطوفًا علیٰ ما جمعوا عليه منه فيكون كما كان التفريق فيما ذكرنا أفضل يكون فی سائر الأعضاء كذلك. آه. (١٣٥/١-١٣٦)

وبعد ذلك فلا حاجة إلیٰ إقامة الدليل علیٰ سنية هذا الإلصاق إذا ثبت ضعف نقله فی المذهب ونص الطحاوی علیٰ سنية التجافی بين الأعضاء فی الركوع والسجود جميعًا. والله تعالیٰ أعلم (امدادالاحکام: ۹۱/۲-۹۲)

(۱) فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، کتاب الصلوٰۃ، الباب الرابع فی صفۃ الصلاۃ، فصل ثالث سنن وکیفیت نماز: ۲۰۰/۲، امدادیہ، ملتان

(۲) السعاية فی كشف ما فی شرح الوقاية: ١٨٠/٢-١٨١، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، سہیل اکیڈمی لاہور

الجوابــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیًا

اس سے پہلے بھی اس مسئلہ پر آپ کے اطراف میں بہت بحث ہو چکی ہے، اہل علم حضرات نے زور قلم صرف کیا ہے، احقر کے خیال میں یہ اتنا اہم نہیں کہ اس طرح اس پر مناظرہ ومجادلہ کیا جائے۔

الصاق کعبین کی دونوں تفسیریں کی گئی ہیں: محاذاۃ، والزاق، (۱) اول تو قیام، رکوع وسجود سب ہی جگہ ہے، ثانی کو بعض نے رکوع کی سنت قرار دیا ہے، بعض نے سجود میں بھی مانا ہے اور قیام میں چار انگل کا فصل مسنون ہے جو کہ معنی ثانی کے منافی ہے:

"**وتفريج القدمين فى القيام قدرأربع أصابع آهـ**". (نور الإيضاح)(۲)

"**ويسن أن يلصق كعبيه وينصب ساقيه آهـ**". (الدر المختار)(۳)

"**قال السيد أبو السعود: وكذا فى السجود أيضاً. وسبق فى السنن أيضاً، آهـ والذى سبق هو قوله: وإلصاق كعبيه فى السجود سنة**". (الدر المختار)

"**ولايخفى أن هذا سبق نظر، فإن شارحنا لم يذكر لا فى الدر المختار ولا فى الدر المنتقىٰ، ولم أره لغيره أيضًا. فافهم**

نعم ربما يفهم ذلک من أنه إذا كان السنة فى الركوع إلصاق الكعبين ولم يذكروا تفريجهمابعده، فالأصل بقاء هما ملصقين فى حالة السجود أيضاً تأمل، آهـ". (ردالمحتار)(۴)

سعایہ میں اس کا التزام نہیں کہ قول راجح ہی کو نقل کیا جائے، اس کا بھی اہتمام نہیں کہ اقوال مختلفہ کو نقل کر کے قول راجح کو ترجیح دی جائے، اس لئے کہ وہ فتوے کی کتاب نہیں۔ شرح وقایہ کی شرح شروع کی تھی، مگر اس میں بسط بہت کیا گیا، قدر قلیل کی شرح ہو سکی، تمام نہیں ہوئی، یہ بھی ممکن ہے کہ نظر چوک گئی ہو۔

صاحب سعایہ میں بعض جگہ شان اجتہاد بھی معلوم ہوتی ہے، حتی کہ فقہ کے متون مسلمہ کے خلاف بھی اپنی ذاتی تحقیق کی بنا پر لکھ جاتے ہیں، چنانچہ ان کا ایک رسالہ ہے، جس میں جماعۃ النسا کے لئے ثبوت فراہم کیا ہے، جو کہ مسلک امام

---

(۱) والقول الفيصل أن يقال: إن كان المراد بإلصاق الكعبين أن يلزم المصلى أحد كعبيه بالأخر ولايفرج بينهما كما هو ظاهر عبارات الدر المختار والنهر وغيرهما، وسبق إليه فهم المفتى أبى سعود أيضاً، فليس هو من السنن على الأصح... وإن كان المراد به محاذاة أحدى الكعبين بالأخر كما أبد العلامة السندى، فهو أمر حق ولا بعد فى حمل الإلصاق على المحاذة، فإنه جاء استعماله فى القرب، آهـ. (السعاية فى كشف ما فى شرح الوقاية: كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۱۲۱/۲، سهيل اكيڈمى لاهور)

(۲) نور الإيضاح مع شرحه مراقى الفلاح، كتاب الصلاة، فصل فى بيان سننها، ص: ۲۶۲، قديمى

(۳-۴) الدر المختار، كتاب الصلاة، فصل فى بيان تأليف الصلوة إلى انتهائها: ۴۹۳/۱، سعيد

اعظم کے خلاف ہے،(۱) نصاب زکوۃ صدقۃ الفطر کے متعلق بھی ان کی رائے دیگر اکابر کے خلاف ہے، جس کی تغلیط کی گئی ہے،(۲) اسی طرح صدقۃ الفطر کے متعلق حضرت کی رائے ہے،(۳) حواشی لامع الدراری وغیرہ شروح حدیث میں کسی قول کا نقل کرنا فتوے کے لئے نہیں ہوتا، کبھی غرابت کے لئے بھی نقل کیا جاتا ہےاور بھی وجوہ نقل ہوئی ہیں۔ اسلم طریقہ احقر کے خیال میں وہ ہے، جو حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ نے اختیار فرمایا ہے۔فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔ (فتاویٰ محمودیہ:۶۲۶/۵-۶۲۸) ☆

---

(۱) رسالة مستقبلة،مسماة"تحفة النبلاء فی جماعة النساء"من مجموعة رسائل اللكنوی ج:٥، إرادة القرآن

(۲) إعلم أن الوزن المعروف فی بلادنا ماهجة وتولجة هو الذی يقال له:توله إثناعشرة ماهجة،وهو الذی يقال له:ماشة و الماهجة يكون ثمانية أجزاء،كل جزء منها يسمى بالفارسية سرخ،ويقال بالهندية:رتی،ونسميه بالأحمر،وهٰذا الجزء يكون بقدرأربع شعيرات،فيكون المثقال الذی هومائة شعيرةخمسة وعشرين جزء الأحمر،وهوثلث ماهجة و أحمر واحد،فيكون نصاب الذهب وهوعشرون مثقالاًمقدارخمس تولجة واثنتين ونصف ماهجة كما يعلم من ضرب ثلاث ماهجة،وأحمرفی عشرين،هٰذا فی الذهب.وأماالفضة فقدعرفت أن نصابه مائتادرهم،وكل درهم أربعة عشرقيراطاً يعنی سبعين شعيرةً،فتحصل فی درهم سبعة عشرونصف أحمروهوماهجتان وواحد ونصف من ذلک الأحمر،فيكون مقدارمائتی درهم ستاً وثلثين تولجة ونصف ماهجة".(۲۲۹/۱،سعيد)

(۳) "(قوله:بثمانية أرطال من الحنطة،اهـ)الرطل عشرون أستارًا،والأستاركما سيذكره الشارح أربعة مثاقيل ونصف مثقال،والمثقال درهم وثلثة أسباع درهم،والدرهم أربعة عشرقيراطاً،والقيراط خمس شعيرات،فيكون الدرهم سبعين شعيرًا،ويكون المثقال مائة شعيرأی عشرين قيراطاً،ويكون الأستارستة دراهم وثلثة أسباع درهم:أی أربع مائة وخمسين شعيرًا،ويكون الرطل تسعين مثقالاً:أی مائة وثمانية وعشرين درهم ونصف درهم ونصف سبع درهم.ويكون المن وهورطلان مائة وثمانين مثقالاً:أی مائتين وسبعة وخمسين درهماً وسبع درهم ويكون الصاع سبعمائة وعشرين مثقالاً أی:ألفاوثمانية وعشرين درهماً ونصف درهم ونصف سبع درهم،هٰذا علٰى مااختاره الشارح وذكرصاحب مجمع البحرين فی شرحه أن الصاع أربعة أمناء والمن رطلان والرطل عشرون أستارًا والأستارستة دراهم ونصف درهم والدرهم أربعة عشر قيراطًا والقيراط خمس شعيرات،فيكون الصاع بوزن الرطل ثمانية أرطال،وبوزن الأستارمائة و ستين أستارًا،وبوزن الدراهم ألفًاوأربعين درهماً.وهذا هوالذی اختاره فی الدرالمختار وغيره".(عمدة الرعاية حاشية شرح الوقاية،كتاب الزكٰوة،باب صدقة الفطر:۲۳۹/۱،سعيد)

☆ رکوع میں الصاق کعبین:

سوال: صورت الصاق کعبین (بوقت رکوع) وحکمش چیست؟

الجواب حامداً ومصلیًا

"(وسننها)...(تكبيرالركوع والرفع منه)بحيث يستوی قائماً(والتسبيح فيه ثلاثاً)وإلصاق كعبيه، آهـ".(الدرالمختار)(كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة،سنن الصلاة:۱۷۰/۲،دارالكتب العلمية،بيروت،انيس)==

ایضاً:

سوال: الصاق کعبین حالت رکوع میں سنت ہے یا نہیں؟ مع دلائل تحریر فرمائیں؟ سعایہ، ص:۱۸۰، میں عدم سنت کی دلیل نقل کی گئی ہے، (۱) اس کے رد میں اگر دلائل ہوں تو تحریر فرمائیں؟

الجو اب ـــــــــــــــــــ حامداً و مصلیًا

حالت رکوع میں الصاق کعبین کا مسئلہ فقہ کے متون متقدمہ میں موجود نہیں ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ظاہر الروایہ کا مسئلہ نہیں، اس لئے کہ جو متون ظاہر الروایۃ سے لئے گئے ہیں، وہ بھی اس سے خالی ہیں، بعض شروح میں البتہ اس کو سنت رکوع قرار دیا گیا ہے، ظاہر ہے کہ یہاں الصاق حقیقی مراد نہیں، بلکہ حکمی مراد ہے، جیسے: "**مررت بزيد: أي بمكان يقرب منه زيد**" غالبًا اس لئے لفظ "**يضم**" نہیں فرمایا گیا ہے، جیسے حالت سجود میں انگلیوں کے متعلق کہا گیا ہے "**ويضمها كل الضم**"۔ نیز اگر الصاق کعبین حقیقۃً کو سنت کہا جائے تو تمام قدم کا قدم سے الصاق ہونا چاہئے

== **قال الطحطاوی: "(قوله: إلصاق كعبيه) حالة الركوع، هذا إن تيسر له وإلا فكيف يتيسر له على الظاهر، آه". (ص: ۲۱۳) (حاشية الطحطاوی علی الدر المختار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۲۱۳/۱، دار المعرفة، بيروت)**

"قلت: لعله أراد من الإلصادق المحاذاة، وذلک بأن يحاذی كل من كعبيه الآخر، فلايتقدم أحدهماعلى الأخر. وظاهر لفظ الشارح يقتضی اللصوق ونفی التفريج، ولذا قال السيد أحمد هذا: أی إلصاق كعبيه إن تيسر له". (السعاية فی كشف ما فی شرح الوقاية، كتاب الصلاة، تتمة من السنن التی تسن فی الركوع: ۱۸۰/۲، سهيل اكيڈمی لاهور)

ازیں عبارت واضح شد کہ اگر آسان شود بحالت رکوع الصاق کعبین مسنون است، ولیکن بعض محققین انکار سنیتش نمودہ اند۔ **("قلت: لقد دارت هذا المسئلة فی سنة أربع وثمانين بعد الألف والمأتين بين علماء عصرنا، فأجاب أكثرهم بأن الصاق الكعبين فی الركوع والسجود ليس بمسنون ولا أثرله فی الكتب المعتبرة، والقول الفيصل أن يقال: إن كان المراد بإلصاق الكعبين أن يلزم المصلی أحد كعبيه بالأخر ولايفرج بينهما كما هو ظاهر عبارت الدر المختار والنهر وغيرهما، وسبق إليه فهم المفتی أبی سعود أيضاً، فليس هو من السنن على الأصح... وإن كان المراد به محاذاة أحد الكعبين بالأخر كما أبد العلامة السندی، فهو أمر حق و لا بعد فی حمل الإلصاق على المحاذة، فإنه جاء استعماله فی القرب". (السعاية فی كشف ما فی شرح الوقاية: ۲/ ۱۸۰ـ۱۸۱، كتاب الصلاة، تتمة من السنن التی تسن فی الركوع، سهيل اكيڈمی)** *فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم*

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور۔ ۱۳/۳/۱۳۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف۔ ۶/ ربیع الاول ۱۳۵۶ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۶۲۵/۵)

(۱) **السعاية، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۱۸۰/۲ـ۱۸۱، سهيل اكيڈمی، لاهور**

اور دوسرے کے مائل جنوب، حالانکہ فقہا انگلیوں کو قبلہ رخ رکھنے کی تاکید فرماتے ہیں حتی کہ حالت سجود اور حالت قعود میں بھی تاکید ہے اگر چہ اس میں دشواری ہوتی ہے، اگر قبلہ رخ کیا گیا الصاق کے ساتھ ہی تو محض کعبین کا الصاق نہیں ہوگا، بلکہ قدمین کا الصاق ہوگا، پھر الصاق کعبین سے تعبیر کرنے کی کیا وجہ ہے؟ نیز رکوع میں نماز کا نصف اول بحکم قیام رکھتا ہے اور حالت قیام میں قدمین کے درمیان اربع اصابع کا فاصلہ کتب فقہ میں مذکور ہے اور الصاق کعبین اس کے منافی ہے، کیونکہ اس قیام میں قدمین کا لفظ کعبین پر بھی مشتمل ہے۔ بعض روایات حدیث میں الصاق کعبین کا تذکرہ ہے تو وہ درحقیقت تسویۂ صفوف کے لئے ہے اور تائید میں ''حاذوا المناكب'' اور ''سووا'' وغیرہ الفاظ مذکورہ ہیں،(۱) یعنی صفیں سیدھی رکھنے کی تدبیر یہ ہے کہ کعبین محاذی رہیں اور ایک کا منکب دوسرے کے منکب سے مل جائے۔ کتب فقہ: فتح القدیر، بدائع، البحر، زیلعی، طحاوی، شامی، عالمگیری، خانیہ وغیرہ اور شروح احادیث بذل المجہود، منہل، معالم السنن وغیرہ سے ایسا ہی ظاہر ہوتا ہے۔(۲) **والله تعالىٰ أعلم بحقيقة الحال وإليه الرجوع في المبدأ والمآل.**

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔ یکم شعبان ۱۳۸۷/ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۶۲۹/۵-۶۳۰) ☆

(۱) وعن أبي أمامة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إن الله وملائكته يصلون على الصف الأول ... وقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "سووا صفوفكم، وحاذوا بين مناكبكم ولينوا في أيدي إخوانكم وسدوا الخلل إلخ". (مشكوة المصابيح، كتاب الصلاة، باب تسوية الصف، الفصل الثالث: ۹۸/۱، قديمي، (ح: ۱۱۰۱)/سنن ابن ماجة، باب فضل الصف المتقدم (ح: ۹۹۷)/سنن أبي داؤد، باب تسوية الصفوف (ح: ٦٦٦) انيس)

(۲) "وينبغي للقوم إذا قاموا إلى الصلاة أن يتراصوا ويسدوا الخلل ويسووا بين مناكبهم في الصفوف". (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة والحدث في الصلاة: ۳۵۰/۱، دار الكتب العلمية، بيروت)

☆ رکوع وسجدہ میں الصاق کعبین:

سوال: الصاق کعبین در رکوع وسجود سنت است یا چہ۔ آیا الصاق قدمین خود مراد است یا الصاق کعب بکعب غیر مراد است؟ (خلاصۂ سوال: رکوع وسجدے میں دونوں ٹخنوں کو ملانا سنت ہے یا کیا ہے۔ اور کیا خاص دونوں قدموں کو ملانا مراد ہے یا ٹخنے کا دوسرے کے ٹخنے سے ملانا مراد ہے؟ انیس)

الجواب

في الدر المختار: ويسن أن يلصق كعبيه، قال في الشامي: قال السيد أبو السعود: وكذا في السجود أيضاً، إلخ. (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، بعد الفصل: ٤٦١/١، ظفير)

پس ظاہر این است کہ کعبین خود را باہم ملصق کند وممکن است کہ مراد محاذات کعبین باشد وازارجاع ضمیر در کعبیہ بسوی مصلی احتمال ثالث ساقط شد یعنی ضم کعب خود بکعب غیر مراد نخواہد شد۔ فقط (خلاصۂ جواب: درمختار میں ہے کہ ''سنت یہ ہے کہ نمازی رکوع میں اپنے دونوں ٹخنوں کو ملالے''۔ علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ ''سید ابوسعودؒ نے فرمایا ہے کہ ''اسی طرح سجدے میں بھی ملالے''۔ ==

رکوع اور سجدہ میں الصاقِ کعبین کی بحث:

الصاقِ کعبین رکوع وسجود میں جیسا درمختار میں ہے، کسی کتاب حدیث سے اس کا نشان معلوم نہیں ہوتا اور چونکہ اس کی سنیت حیز خفا میں ہے، لہٰذا متروک ہے۔ بعض پہلے علما کو بھی اس میں تکرار رہا ہے، بخاری (۱) کا الصاق کعاب باہم مقتدیوں کا مراد ہے، (۲) اور اس سے محاذات مقصود ہے اور اتصال وتراص صفوف اور یہاں وہ بظاہر مراد نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

اگر سجود (۳) میں اِلصاق کعبین کیا جاوے تو توجہ أصابع رجلین إلی القبلة نہیں ہوسکتا، مگر ہاں! جس کا سارا پنجہ پاؤں کا مساوی اور سب انگشت پا برابر مساوی ہوویں، تو مضائقہ نہیں اور ایسا پا[ؤں] تو کہیں شاذ ونادر ہوتا ہے، تو اب حقیقی معنی الصاق میں توجہ أصابع إلی القبلة فوت ہوتی ہے، تو بظاہر یہ مراد نہیں، اگر محاذات (۴) پر حمل کیا جاوے تو رکوع وسجود کی خصوصیت کیا ہے، یہ قیام کی سنت ہونی چاہئے، مگر یہ معنی مراد نہیں ہوسکتے؛ کیوں کہ شامی سجدہ کی بحث میں کہتا ہے:

قدمنا أنه ربما يفهم منه أن السجود كذلك، إذ لم يذكروا تفريجها بعد الركوع فالأصل بقاؤهما هنا كذلك، إلخ. (۵)

== پس ظاہر یہ ہے کہ اپنے دونوں ٹخنوں کو باہم ملائے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ مراد دونوں ٹخنوں کی محاذات ہو، اور لفظ ''کعبیہ'' میں ضمیر کو نمازی کی طرف لوٹانے سے تیسرا احتمال ساقط ہوگیا، یعنی اپنا ٹخنا دوسرے کے ٹخنے سے ملانا مراد نہیں ہوگا۔ فقط۔ انیس) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳/۳۳۶-۳۳۷)

(۱) قال النعمان بن بشير، رأيت الرجل منا يلزق كعبه بكعب صاحبه. صحيح البخاري: ۱/ ۱۰۰، كتاب الصلاة، باب الزاقِ المنكب. [مرادآباد: ۱۴۱۵ھ۔ نیز ج: ۱ رقم الحديث: ۷۲۵ [الرياض الحديثة، ۱۴۰۴ آھ]

(۲) یہ سوال مقدر کا جواب ہے، بخاری شریف میں ٹخنے ملانے کا تذکرہ ہے (صحيح الخاری، كتاب الصلاة، باب الزاق المنكب) حضرت نے اس کا جواب دیا ہے کہ اس سے مقتدیوں کا ٹخنے ملانا بھی صفیں سیدھی کرنے کے لئے تھا، یعنی نماز شروع کرنے سے پہلے باہم ٹخنے ملا کر محاذات کرلیں، پھر ڈھنگ سے کھڑے ہوکر نماز شروع کریں اور اگر صفیں سیدھی کرنے کا کوئی اور ذریعہ ہو، مثلاً صف کی لکیر بنی ہوئی ہو یا صف بچھی ہوئی ہو، تو اس کے ذریعہ بھی صف سیدھی کی جاسکتی ہے، اس وقت ٹخنے ملا کر صف سیدھی کرنے کی کچھ زیادہ اہمیت نہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مسجد نبوی میں کچا فرش تھا، کوئی نشان نہیں تھا، اس لئے صحابہ ٹخنے ملا کر صف سیدھی کیا کرتے تھے، غیر مقلدین نے اس کو حالت قیام میں کھڑے ہونے کا طریقہ سمجھ لیا ہے، جو صحیح نہیں ہے۔ (پالن پوری)

(۳) یہ ایک دوسرے سوال مقدر کا جواب ہے، کہ اگر درمختار کے قول سے سجدہ میں ٹخنوں کو ملانا مراد لیا جائے تو کیا حرج، شاذ ونادر ہی کسی کے پاؤں کا پنجہ مساوی ہوتا ہے اور سب انگلیاں برابر ہوتی ہے اور حقیقی الصاق کی صورت میں عام لوگوں کی پیروں کی انگلیاں قبلہ کی طرف متوجہ نہیں ہوں گی، اس لئے بظاہر یہ بھی مراد نہیں۔ (پالن پوری)

(۴) یہ ایک اور سوال مقدر کا جواب ہے کہ بخاری میں ٹخنے ملانے کا جو مقصد محاذات ہے، درمختار کی روایت میں وہ کیوں نہ مراد لیا جائے؟ جواب یہ ہے کہ پھر رکوع وسجود کی خصوصیت کیا ہوگی، بلکہ یہ قیام کی سنت ہوگی مگر یہ معنی مراد نہیں لے سکتے، کیونکہ شامی نے صراحت کی ہے کہ سجدے رکوع کی طرح ہیں، پس اگر رکوع میں ٹخنے ملائے گئے، تو وہ سجدوں میں بھی ملے رہیں گے۔ (پالن پوری)

(۵) شامی (نسخہ ہندیہ) ص: ۳۳۹، ج: ۱۔ باب اطالة الركوع للجائی (مطبع مجتبائی دہلی: ۱۲۸۷ھ) ==

ترجمہ: اس سے پہلے ہم کہہ چکے ہیں، کبھی کبھی اس سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ سجدے بھی اس طرح ہیں، کیوں کہ ان دونوں کو رکوع کے بعد، کھولنے کا ذکر نہیں، تو اصل ان کا یہاں اس طرح باقی رہنا ہے۔

سو تفریج(۱) کے مخالف الصاق مراد رکھتے ہیں اور وہ معنی حقیقی کے مراد ہونے پر دال ہے اور اس الصاق کی کہیں سند نہیں ملی، پہلے بھی تحقیق کیا تھا۔ فقط

(مکتوبات بنام مولانا خلیل احمدؒ مکتوب نمبر۳۴)(باقیات فتاویٰ رشیدیہ:۱۷۱-۱۷۲)☆

== نیز شامی (رد المحتار) ص:۵۰۴، ج:۱- باب اطالة الركوع. (مطبوعہ دارالفکر بیروت: ۱۳۹۹ھ) [نور]

(۱) یہ بحث کا خلاصہ ہے کہ جولوگ الصاق کعبین کے قائل ہیں اور تفریج (کشادہ رکھنے) کے مخالف ہیں، وہ الصاق کے حقیقی معنی مراد لیتے ہیں، صرف محاذات مراد نہیں لیتے اور الصاق حقیقی کی کوئی دلیل نہیں، بلکہ طحاوی باب التطبيق في الركوع میں تفریق کے افضل ہونے کی صراحت ہے۔ (پالن پوری)

☆ رکوع میں ٹخنے ملانا:

سوال: درمختار میں ہے کہ رکوع میں مردوں کو ٹخنے ملالینا مسنون ہے، شامی سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، مگر زید اس کو تسلیم نہیں کرتا، اس بارے میں اپنی تحقیق تحریر فرما کر مطمئن فرمائیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــ باسم ملهم الصّواب

جب بندہ کی نظر سے درمختار کا یہ جزئیہ گزرا، اسی وقت قلب نے اس کو قبول نہیں کیا، اس لیے کہ یہ کلیات ذیل کے خلاف ہے:

(۱) مردوں کے لیے رکوع و سجود میں تجافی۔

(۲) پاؤں کی انگلیوں کا قبلہ رخ رہنا، الصاق کعبین سے انگلیاں قبلہ رخ نہیں رہ سکتیں۔

(۳) نماز میں بلاضرورت حرکت نہ کرنا۔

مندرجہ بالا کلیات احادیث صحیحہ سے ثابت ہیں اور بالاتفاق مسلم ہیں، امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ رکوع میں قول تطبیق پر یوں رد فرماتے ہیں:

فرأينا السنّة جاء ت عن النبي صلّى اللّٰه عليه وسلّم بالتجافي في الركوع والسجود وأجمع المسلمون علىٰ ذلك فكان ذٰلك من تفريق الأعضاء. (شرح معاني الآثار: ۱/۱۱۳)

کلیات مذکورہ کے خلاف ہونے کے علاوہ الصاق کعبین کی نہ کسی حدیث سے تائید ہوتی ہے اور نہ ہی ائمہ مذہب سے اس کا کوئی ثبوت ہے، اور نہ جمہور فقہا نے اس کو ذکر فرمایا ہے، اس لیے بندہ شروع ہی سے قولاً وعملاً اس کے خلاف رہا ہے، مگر اپنے اس نظریہ کی تائید میں اکابر میں سے کسی کی تحریر کی جستجو رہی، چنانچہ بحمد اللہ تعالیٰ امداد الفتاویٰ میں بحوالہ سعایہ اس کی تائید مل گئی، سعایہ کی مراجعت سے ثابت ہوا کہ علامہ لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی شان کے مطابق اس مسئلہ پر بھی کافی مدلل ومفصل بحث فرمائی ہے، جو باختصار درج ذیل ہے:

"ومنها إلصاق الكعبين ذكره جمع من المتأخرين وجمهور الفقهاء لم يذكروه ولا أثر له في الكتب المعتبرة كالهداية وشروحها النّهاية والعناية والبناية والكفاية وفتح القدير وغيرها والكنز وشرحه للعيني وشرح النقاية لإلياس زاده والبرجندي والشمني وفتاوى قاضيخان والبزازية وغيرها ==

== وإمام الدين أورد كما ذكره الزاهدى حيث قال فى المجتبٰى برمز بط يسن فى الركوع إلصاق الكعبين واستقبال الأصابع القبلة ونقله عنه القهستانى فى جامع الرموز وفى شرح الخلاصة الكيدانية والحلبى فى الغنية وابن نجيم فى البحر وتلميذه التمرتاشى فى منح الغفار وأقروه وذكره صاحب النهر وصاحب الدر المختار علٰى سبيل الجزم لكن لم يبين واحد منهم المراد من إلصاق الكعبين وقال خير المتأخرين شيخ مشايخنا محمد عابد السندى المدنى فى طوالع الأنوار شرح الدر المختار: (قوله وإلصاق كعبيه) أى حالة الركوع، قال الشيخ الرحمتى مع بقاء تفريج ما بين القدمين، قلت: لعلّه أراد من الإلصاق المحاذاة وذلك بأن يحاذى كل من كعبيه لاٰخر فلا يتقدم أحدهما على الاٰخر وظاهر لفظ الشارح يقتضى اللصوق و نفى التفريج ولذا قال السيّد أحمد هٰذا أى إلصاق كعبيه إن تيسّر له ورأيت كلاماً للشيخ محمّد حيات السّندى يقتضى إثبات سنية التفريج ونفى سنية الإلصاق انتهٰى كلامه، وقال أيضاً فى موضع اٰخر من الطوالع يسنّ فى حال الركوع كما فى المجتبى وزاد أبو السعود فى السجود أيضاً أن يلصق كعبيه قال الشيخ أبو الحسن السندى فى تعليقه على الدر المختار هٰذه السنّة إنما ذكرها من ذكرها من المتأخرين تبعًا للمجتبى وليس لها ذكر فى الكتب المتقدمة ولم يرد فى السّنة علٰى ما وقفنا عليه وكان بعض مشايخنا يرى أنه من أوهام صاحب المجتبى وكأنهم توهموا ممّا ورد أنّ الصحابة كانوا يهتمون بسدّ الخلل فى الصفوف حتٰى يضمون الكعاب و المناكب ولا يخفى أنّ المراد هٰهنا الصاق كل كعب كعب صاحبه لا كعبه من الكعب الاٰخر، انتهٰى كلام الشيخ.

قلت: لقد دارت هٰذه المسئلة فى سنة أربع وثمانين فى الركوع والسجود ليس بمسنون ولا أثر له فى الكتب المعتبرة والقول الفيصل أن يقال إن كان المراد بالصاق الكعبين أن يلزق المصلّى إحدى كعبيه بالاٰخر ولا يفرج بينهما كما هو ظاهر عبارة الدّر المختار وانهر وغيرهما و سبق إليه فهم المفتى أبى السعود أيضاً فليس هو من السنن على الأصح كيف وقد ذكر المحققون من الفقهاء أنّ الأولى للمصلّى أن يجعل بين قدميه نحو أربعة أصابع ولم يذكروا أنه يلزقهما فى حالة الركوع أو السجود وقال العينى فى البناية نقلاً عن الواقعات ينبغى أن يكون بين قدمى المصلّى قدر أربع أصابع اليد لأنّه أقرب إلى الخشوع والمراد من قوله عليه الصلاة والسّلام الصقوا الكعاب بالكعاب اجتماعهما، انتهٰى، فهٰذا صريح فى أنّ المسنون هو التفريج مطلقًا والا لقيده بحالة القيام وأنّ المراد بالصاق الكعب بالكعب الوارد فى الخبر خير الزادقهما ويؤيده ما أخرجه أبوداؤد وصححه ابن خزيمة وذكره البخارى تعليقًا عن النعمان بن بشير قال رأيت الرجل منا يلزم كعبيه بكعب صاحبه وفى رد المحتار نقلاً عن فتاوٰى سمرقند ينبغى أن يكون بين القدمين مقدار أربع أصابع وماروى أنهم الصقوا الكعاب أريد به الجماعة انهتٰى، وإن كان المراد به محاذاة إحدى الكعبين بالاٰخر كما أبدع العلاّمة السندى فهو أمر حق ولا بعد فى حمل الالصاق على المحاذاة فإنّه جاء استعماله فى القرب ويؤيّد عدم سنية الزاق الكعبين بالمنعى الأوّل أى ترك التفريج بينهما أنه يلزم فيه تحريك إحدى الكعبين إلى الأخرٰى وتحريك عضو فى الصلوٰة من غير ضرورة ليس بجائز عندهم حتٰى إن منهم من لم يجوز رفع اليدين عند الركوع لهٰذه العلّة والظاهر إن حمل كلامهم على المعنى الثانى أولٰى من جمله على المعنى الأوّل علٰى أنّه من أوهام صاحب المجتبى فاحفظ هذا التحقيق فإنّه من النفائس المختصة بهٰذا الكتاب وقل من تبّه عليه من العلماء إلا من شاء اللّٰه أن يتنبّه. (السعاية: ۱۸۲/۲) ==

بیٹھ کر نماز پڑھی جائے تو رکوع کس طرح کیا جائے:

سوال: اگر نشستہ نماز می خواند بحالت رکوع برداشتن سرین ضرور است یا نہ؟(۱)

الجواب

ضروری نیست۔(۲)

قال فی رد المحتار: ولو كان يصلی قاعدًا ينبغی أن يحاذی جبهته قدام ركبتيه ليحصل الركوع، آه.

قلت: ولعله محمول علٰى تمام الركوع وإلاّ فقد علمت حصوله بأصل طأطأة الرأس مع انحناء الظهر، إلخ. (شامی)(۳)(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲/۱۵۱-۱۵۲)

== امدادالفتاویٰ کے سوال مذکور میں سائل نے یہ بھی لکھا ہے:

ونسبت زاہدی در نافع کبیر وفوائد بہیمیہ نوشتہ اند:

وإن كان إماماً جليلاً فی الفقه لكنّه متساهل فی نقل الروايات وأيضًا هو معتزلی الاعتقاد وحنفی الفروع قال صاحب ردالمحتار فی تنقيح الفتاوی الحامدية فی كتاب الإجارة الحاوی الزاهدی مشهور بنقل الروايات الضعيفة، ولهٰذا قال ابن وهبان وغيره أنه لاعبرة بما يقوله الزاهدی مخالفا لغيره. (امدادالفتاویٰ: ۱/۱۴۹)

مگر سعایہ کی تحقیق کے مطابق زاہدی کے تخطئہ کی یہ نسبت ان کے قول کی تاویل بہت رہے، مجتبیٰ میں الصاق الکعبین کے ساتھ استقبال الاصابع القبلہ کا ذکر بین دلیل ہے کہ الصاق میں محاذاۃ اس لیے کہ الصاق بمعنی ضم کی صورت میں پاؤں کی انگلیاں مستقبل قبلہ نہیں ہوسکتیں۔

اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ کعبین میں محاذاۃ تو حالت قیام میں بھی مسنون ہے، پھر اس کو بالخصوص رکوع میں کیوں بیان فرمایا؟

اس کی دو وجہیں ہوسکتی ہے، ایک یہ کہ دراصل اس پر تنبیہ مقصود ہے کہ قدمین کی جو کیفیت حالت قیام مسنون ہے رکوع میں بھی وہی کیفیت سنت ہے، رکوع اور قیام میں کوئی فرق نہیں، دوسری وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ حالت رکوع میں پاؤں پر نظر پڑتی ہے، اس لیے اس سنت کی تعمیل میں اگر کوئی نقص ہو تو رکوع میں اس کی اصلاح کا موقع ہے۔

ان توجیہات کی اس لیے بھی ضرورت ہے کہ استقبال الاصابع القبلہ کو رکوع میں بیان کرنے پر بعینہٖ یہی اشکال وارد ہوتا ہے، جو توجیہ اس کی کی جائے گی وہی کعبین میں محاذاۃ کی بھی کرلی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۶/رمضان ۱۳۹۸ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ۳/۳۷-۴۰)

(۱) خلاصۂ سوال: بیٹھ کر نماز پڑھنے پر رکوع کی حالت میں سرین اٹھانا ضروری ہے یا نہیں؟ انیس

(۲) ضروری نہیں ہے۔ انیس

(۳) رد المحتار، باب صفة الصلاة، بحث الركوع والسجود: ۱/٤١٦، ظفير

بیٹھ کر نماز پڑھنے میں رکوع کس طرح کیا جائے:

سوال: اگر بیٹھ کر نماز پڑھے تو رکوع کرنے کی کیا حد ہے؟

الجواب

وقال الشامی:"ولو کان یصلی قاعدًا ینبغی أن یحاذی جبهته قدام رکبتیه لیحصل الرکوع آه .قلت:ولعله محمول علٰی تمام الرکوع وإلافقد علمت حصوله بأصل طأطأة الرأس أی مع انحناء الظهر". (۱)

اس سے معلوم ہوا کہ بیٹھ کر نماز پڑھنے میں کمال رکوع یہ ہے کہ پیشانی رکبتین کے مقابل ہو جاوے۔ فقط

(فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۱۷۴/۲) ☆

رکوع وسجدہ کتنا طویل ہو:

سوال: نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے رکوع وسجدہ دیر تک کرنا ثابت ہے؟ کیا آج کل امام صاحب اس کا اتباع کر سکتے ہیں یا صرف منفرد کو جائز ہے؟

الجوابــــــــــــ حامداً و مصلیًا

اگر مقتدیوں میں تحمل نہ ہو تو امام کو تین یا پانچ بار تسبیح پر قناعت کرنا چاہئے۔(۲) **فقط واللہ تعالیٰ أعلم**

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔ ۱۳۸۸/۳/۲۵ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۶۰۹/۵)

---

(۱) **رد المحتار،باب صفة الصلاة،بحث الرکوع والسجود: ۱/٤١٦،ظفیر**

☆ **بیٹھ کر نماز پڑھنے کی حالت میں ہیئت رکوع کیا ہو:**

سوال: بیٹھ کر نماز پڑھنے سے رکوع کی حالت میں سرین کو ایڑی سے اوپر اٹھانا چاہئے یا نہیں یا سر کو خوب جھکا دینا کافی ہے؟

الجواب

سر کو خوب جھکا دینا کافی ہے اور کمال رکوع کا ایسی حالت میں یعنی بیٹھے ہوئے نماز پڑھنے میں یہ ہے کہ رکوع میں پیشانی گھٹنوں کے مقابل ہو جاوے، لیکن اگر تھوڑا سا بھی سر کو جھکا دیوے گا کمر کی انحنا کے ساتھ تو یہ بھی کافی ہے۔

شامی میں برجندی سے منقول ہے:

"ولو کان یصلی قاعدًا ینبغی أن یحاذی جبهته قدام رکبتیه لیحصل الرکوع اهـ.قلت:ولعله محمول علٰی تمام الرکوع وإلا فقد علمت حصوله بأصل طأطأة الرأس أی مع انحناء الظهر. (رد المحتار،باب صفة الصلاة،بحث الرکوع والسجود : ۱/٤١٦،ظفیر) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۱۹۸/۲)

(۲) **فالأدنٰی فیهما ثلاث مرات،والأوسط خمس مرات،والأکمل سبع مرات،کذا فی الزاد.وإن کا ن إماماً لایزید علی وجه یمل القوم،کذا فی الهدایة ". (الفتاوٰی الهندیة،کتاب الصلاة،الباب الرابع فی صفة الصلاة،الفصل الثالث فی سنن الصلوة،وآدابها وکیفیتها: ۱/٧٥،رشیدیه)**

تسبیحات رکوع وسجود کی تعداد:

سوال: نماز میں تسبیحات رکوع وسجود، دس مرتبہ اور تین مرتبہ سے زیادہ کہنے سے نماز مکروہ ہوتی ہے یا مستحسن؟ قومہ میں ''ربنا لک الحمد'' کہنا'' سمع اللہ لمن حمدہ'' کے بعد مستحسن ہے یا نہیں؟ جلسہ میں ''رب اغفرلی وارحمنی وعافنی واھدنی وارزقنی'' کہنا مستحسن ہے یا نہیں؟

الجواب

تین مرتبہ تسبیح رکوع وسجود سے سنت تسبیح ادا ہو جاتی ہے اور فرائض میں تخفیف کا حکم ہے، اس لئے برعایت مقتدیان زیادہ طویل نہ کرنی چاہئے، جیسا کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کو تطویل قرأت کرنے سے '' اَفَتَّــــانٌ اَنْـــــتَ'' (۱) فرمایا؛ حالانکہ قرأت افضل اجزائے صلوٰۃ ہے؛ لیکن تین سے زیادہ ہونے کو حنفیہ مکروہ نہیں فرماتے، (۲) اور ''سمع اللہ لمن حمدہ'' کے بعد'' ربنا لک الحمد'' کہنا بھی مستحب ہے۔ (۳)

(۱) مشکوۃ، باب القراء ۃ فی الصلاۃ، فصل أول: ۷۹، عن البخاری ومسلم (ح: ۸۳۳)/الصحیح للبخاری، باب من شکا إمامه إذا طول (ح: ۷۰۵)/الصحیح لمسلم، باب باب القراء ۃ فی الصلاۃ (ح: ٤٦٥) انیس)

(۲) ویقول فی رکوعه''سبحان ربی العظیم''ثلاثاً وذلک أدناه، فلوترک التسبیح أصلاً أوأتی به مرۃً واحدۃً یجوزویکره (الهندیة، مصری: ۱/ ۷۹) ویقول فی سجوده''سبحان ربی الأعلیٰ''ثلاثاًوذلک أدناه، کذا فی المحیط، ویستحب أن یزید علی الثلاث فی الرکوع والسجود بعد أن یختم بالوتر، کذا فی الهدایة، فالأدنیٰ فیها ثلاث مرات والأوسط خمس مرات والأکمل سبع مرات، کذا فی الزاد، وإن کان إماماً لایزید علیٰ وجه یمل القوم، کذا فی الهدایة .(الفتاویٰ الهندیة، مصری، الباب الرابع فی صفة الصلاۃ، فصل ثالث، فی سنن الصلاۃ: ۱/ ۷۰) ظفیر مفتاحی)

عن أبی بکرۃ أن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم کان یسبح فی رکوعه (سبحان ربی العظیم) وفی سجوده (سبحان رب الأعلیٰ). رواه البزار والطبرانی وإسناده صحیح. (آثارالسنن: ۱/ ۱۱٤) إعلاء السنن، باب وجوب الاعتدال وسنیة الذکر فی الرکوع والسجود وسنة الذکرفیهما: ۳/ ۱٤ (ح: ۷٥۰) انیس)

(۳) إن کان إماماً یقول''سمع اللّٰه لمن حمده'' بالإجماع وإن کان مقتدیاً یأتی بالتحمید ولایأتی بالتسمیع بلاخلاف، وإن کان منفرداً الأصح أنه یأتی بهما، کذا فی المحیط، وعلیه الاعتماد، کذا فی التتارخانیة وهوالأصح هٰکذا فی الهدایة، ثم فی الروایة التی تجمع یأتی بالتسمیع حال الارتفاع وإذا استویٰ قائماً قال''ربنا لک الحمد، کذا فی الزاهدی وهو الصحیح کذا فی القنیة. (الفتاویٰ الهندیة، مصری، الباب الرابع فی صفة الصلاۃ، فصل ثالث، فی سنن الصلاۃ: ۱/ ۷۰، ظفیر)

أبوهریرۃ یقول: کان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم إذا قامم إلی الصلاۃ یکبر حین یقوم ثم یکبرحین یرکع ثم یقول: سمع اللّٰه لمن حمده حین یرفع صلبه من الرکعة ثم یقول وهوقائم ربنالک الحمد .(الصحیح للبخاری، باب التکبیر إذا قام من السجود (ح: ۷۸۹)/الصحیح لمسلم، باب إثبات التکبیر فی کل خفض ورفع فی الصلاۃ (ح: ۳۹۲) انیس)

اسی طرح جلسہ میں ” رب اغفر لی، إلخ“ کہنا جائز و مستحسن ہے؛ لیکن بہتر یہ ہے کہ یہ ادعیہ واذ کار نوافل میں پڑھے اور فرائض میں تخفیف رکھے۔(۱)

جیسا کہ امر ”فلیخفف“ (الحدیث)(۲) اس کو مقتضی ہے، وإذا أراد اللّٰہ بعبد خیرًا یفقّهه فی الدین. (۳) فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲/۱۵۶-۱۵۸)

رکوع وسجدہ میں تسبیحات کی مقدار:

سوال: ہمارے امام صاحب نماز میں بڑا لمبا سجدہ کرتے ہیں، ” سبحان ربی الأعلیٰ “ تین بار پڑھنا ہے، یا سات بار یا اس سے بھی زیادہ؟ (ذاکر شریف، گلبرگہ)

الجواب

رکوع اور سجدہ کی تسبیحات کم سے کم تین بار کہنی چاہئے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

---

(۱) ویقول فی رکوعه سبحان ربی العظیم ثلا ثاً وذلک أدناه فلو ترک التسبیح أصلاً لا أتی به مرةً واحدةً یجوز ویکره. (الهندیة، مصری: ۱/۷۹)

ویقول فی سجوده سبحان ربی الأعلیٰ ثلا ثاً وذلک أدناه، کذا فی المحیط ویستحب أن یزید علی الثلاث فی الرکوع والسجود بعد أن یختم بالوتر، کذا فی الهدایة، فالأدنیٰ فیهما ثلاث مرات والأوسط خمس مرات وإلا کمل سبع مرات، کذا فی الزاد، وإن کان إماماً لا یزید علیٰ وجه یمل القوم، کذا فی الهدایة. (الفتاویٰ الهندیة، مصری، الباب الرابع فی صفة الصلاة، فصل ثالث: ۱/۷۰ (ظفیر مفتاحی)

والسنة فیه أن یرفع رأسه حتیٰ یستوی جالساً ولیس فی هٰذا الجلوس ذکر مسنون عندنا، هٰکذا فی الجوهرة النیرة. (الفتاویٰ الهندیة: ۱/۷۰، ظفیر)

عن عائشة قالت: کان النبی صلی الله علیه وسلم یقول فی رکوعه وسجوده: سبحانک اللّٰهم ربنا ولک الحمد اللّٰهم اغفرلی. (الصحیح للبخاری، باب الدعاء فی الرکوع (ح: ۷۹٤)

وکذا لا یأتی فی رکوعه وسجوده بغیر التسبیح علی المذهب وما ورد محمول علی النفل. (الدرالمختار علی صدر ردالمحتار، باب صفة الصلاة: ۱/۵۰۵-۵۰٦، دارالفکر. انیس)

(۲) وہ حدیث یہ ہے: ”عن أبی هریرة قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: إذا صلیٰ أحدکم للناس فلیخفف، فإن فیهم السقیم والضعیف والکبیر وإذا صلیٰ أحدکم لنفسه فلیطول ماشاء“ متفق علیه. (مشکوٰة، باب ما علی الإمام: ۱۰۱، ظفیر غفرله) الفصل الأول (ح: ۱۱۳۱) / صحیح البخاری، باب إذا صلی لنفسه فلیطول ماشاء (ح: ۷۰۳) / صحیح لمسلم، باب أمر الأئمة بتخفیف الصلاة (ح: ٤٦۷) انیس)

(۳) دیکھئے: مشکوٰة، کتاب العلم، فصل أول: ۳۲، (ح: ۲۲۰) الفاظ مشکوٰۃ والی حدیث میں یہ ہیں: من یرد اللّٰه به خیرًا یفقّه فی الدین. ظفیر) / صحیح البخاری، باب من یرد اللّٰه به خیرا یفقه فی الدین (ح: ۷۱) / مسلم (ح: ۱۰۳۷) انیس)

''جب تم میں سے کوئی شخص رکوع کرے اور رکوع میں تین بار ''سبحان ربی العظیم'' اسی طرح سجدہ میں تین بار ''سبحان ربی الأعلٰی'' کہے تو اس نے رکوع و سجدہ مکمل کرلیا، لیکن فرمایا کہ یہ تسبیحات کی کم سے کم مقدار ہے''۔(۱)

اس لئے فقہا نے لکھا ہے:

''کم سے کم رکوع اور سجدہ میں تسبیح کی مقدار تین دفعہ ہے، اوسط درجہ پانچ ہے اور سب سے کامل درجہ سات دفعہ تسبیح پڑھنے کا ہے''۔(۲)

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم امام ہوتے تو عام معمول تین بار تسبیح پر اکتفا کرنے کا تھا، چنانچہ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع میں تین بار اور سجدہ میں تین بار پڑھا کرتے تھے''۔(۳)

البتہ تہجد کی نماز میں تسبیحات کی مقدار زیادہ ہوا کرتی تھیں، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رکوع اور سجدہ بہت طویل ہوتا، اور رکوع اور سجدہ کی مقدار بھی قریب قریب قیام ہی کی ہوتی تھی۔(۴)

امام کو چاہئے کہ اتنی تسبیحات پڑھے کہ مقتدیوں کو اکتاہٹ نہ ہو۔

''وإن كان إمامًا لايزيد علٰى وجه يمل القوم''.(۵)

---

(۱)　الجامع للترمذی، رقم الحديث: ۲۶۱، باب ماجاء في التسبيح في الركوع والسجود.

یہ مرفوع حدیث ہے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل فرماتے ہیں اور الفاظ حدیث یہ ہیں:

''عن ابن مسعود: أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: ''إذا ركع أحدكم فقال في ركوعه ''سبحان ربي العظيم'' ثلاث مرات، فقد تم ركوعه، وذلك أدناه، وإذا سجد فقال في سجوده ''سبحان ربي الأعلٰى'' ثلاث مرات، فقد تم سجوده، وذلك أدناه '' (الجامع للترمذی (ح: ۲۶۱) باب ماجاء في التسبيح في الركوع والسجود، محشی)

(۲)　الفتاویٰ الهندية: ۷۵/۱، الباب الرابع فی صفة الصلاة

(۳)　مجمع الزوائد: ۱۲۸/۲، (عن أبی بكرة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يسبح فی ركوعه ''سبحان ربی العظيم'' ''ثلاثا'' وفی سجوده سبحان ربی الأعلٰى'' ثلاثاً. (مجمع الزوائدومنبع الفوائد، باب مايقول فی ركوعه وسجوده (ح: ۲۷۷۷) والحديث رواه البزار، بقية حديث أبی بكرة (ح: ۳۶۸۶)) انيس)

(۴)　الصحيح لمسلم، رقم الحديث: ۱۷۹۹، باب صلاة النبي ودعاءه بالليل. محشی

(عن حذيفة قال: صليت مع النبی صلى الله عليه وسلم ذات ليلة فافتتح البقرة فقلت: يركع عندالمائة ثم مضى فقلت: يصلی بها فی ركعة فمضی فقلت: يركع بها ثم افتتح النساء فقرأها ثم افتتح آل عمران فقرأها يرقأ مترسلا إذا مر بآية فيها تسبيح سبح وإذا ر بسؤال سأل وإذا مر بتعوذ تعوذ ثم ركع فجعل يقول: سبحان ربی العظيم، فكان ركوعه نحوا من قيامه ثم قال: سمع الله لمن حمده ثم قام طويلا قريبا مما ركع ثم سجد فقال: سبحان ربی الأعلٰى، فكان سجوده قريبا من قيامه. (الصحيح لمسلم، باب استحباب تطويل القراءة فی صلاة الليل (ح: ۷۷۲) انيس)

()　الفتاوی الهندية: ۷۵/۱۔

اس لئے بعض اہل علم نے لکھا ہے کہ امام کو پانچ دفعہ تسبیحات پڑھنی چاہئے، تاکہ تیز پڑھنے والوں کو زیادہ انتظار کرنا نہ پڑے، اور آہستہ پڑھنے والوں کی تین تسبیحات پوری ہوجائیں:

”ینبغی للإمام أن یقول خمسًا لیتمکن القوم من الثلاث“. (۱) (کتاب الفتاویٰ: ۲/۱۷۶-۱۷۷)

نمازوں میں رکوع سجود کی تسبیحات زور سے پڑھے یا آہستہ:

سوال: بعض آمیوں کی عادت ہے کہ فرض، سنت، وغیرہ نمازوں میں ثناء، اور رکوع وسجود کی تسبیحات اور تکبیرات انتقالات اور تشہد، درود شریف، اور نماز کے بعد دعا اور وظیفہ وغیرہ زور سے پڑھتے ہیں کہ قریب نماز پڑھنے والے کو حرج ہوتا ہے اور نماز میں غلطی ہوتی ہے، خشوع اور خضوع فوت ہوتا ہے، تو اس قدر زور سے پڑھنے کا شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

فرض وغیرہ میں ثنا اور رکوع وسجود کی تسبیحات وغیرہ یا تلاوت قرآن مجید، ذکر واوراد اور وغیرہ، وظیفہ وغیرہ اس قدر زور سے پڑھنا کہ دوسروں کی توجہ بٹے، نماز پڑھنے والوں کو خلجان ہو، وہ بھول جائیں، یا ان کے خشوع وخضوع میں، یا اعتکاف کرنے والوں کی یکسوئی میں فرق آئے، یا سونے والوں کی نیند میں خلل پڑے، (اس طرح پڑھنا) درست نہیں۔ گناہ کا موجب ہے۔ لہٰذا ایسی عادت چھوڑ دینی چاہیے۔

وفی حاشیة الحموی عن الإمام الشعرانی: أجمع العلماء سلفاً وخلفاء علٰی استحباب ذکر الجماعة فی المساجد وغیرها الاأن یشوش جهرهم علٰی نائم أومصلی أو قاری، إلخ. (ردالمحتار: ۱/۶۱۸)

وقد ذکر الشیخ عبدالوهاب الشعرانی فی کتابه المسمی ”بیان ذاکر للمذکوروالشاکر للمشکور“ مانصه: وأجمع العلماء سلفاً وخلفاً علٰی استحباب ذکر اللّٰه تعالٰی جماعة فی المسجد وغیرها من غیر نکیر الاأن یشوش جهرهم بالذکر علٰی نائم أومصلی أوقاری، کماهو مقرر فی کتب الفقه. (الأشباه والنظائر مع شرح الحموی: ۵۶۰) **فقط واللّٰه أعلم بالصواب** (فتاویٰ رحیمیہ: ۳/۲۳-۲۴) ☆

(۱) مجمع الأنهر: ۱/۹۶، فصل صفة الشروع فی الصلاة. انیس

☆ **رکوع اور سجدے کی تسبیح تین سے کم پڑھنا مکروہ ہے:**

سوال: رکوع یا سجدے میں تسبیح تین مرتبہ سے کم پڑھنے میں کوئی مضائقہ ہے یا نہیں؟ بینوا وتوجروا۔

الجواب ــــــــــــــــــــ

حامدًا ومصلیًا ومسلمًا: ایسا کرنا مکروہ تنزیہی ہے۔

(والتسبیح فیه ثلا ثًا) فلوترکه أونقصه کره تنزیهًا. (الدرالمختار: ۱/۳۳۲) (الدرالمختار مع الرد، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۱/۳۳۲، نعمانیة، دیوبند، مطلب: فی التبلیغ خلف الإمام، انیس) **واللّٰه أعلم بالصواب**

کتبہ: حبیب اللہ القاسمی غفرلہ۔ الجواب صحیح: محمد حنیف غفرلہ۔ (فتاویٰ ریاض العلوم: ۲/۳۴۹-۳۵۰) ==

تسبیحات رکوع وسجدہ میں 'بحمدہ' کا اضافہ درست ہے یا نہیں:

سوال: زید اپنے فرض ونفلوں میں رکوع کے اندر "سبحان ربی العظیم وبحمدہ" اور سجدہ میں "سبحان ربی الأعلیٰ وبحمدہ" پڑھتا ہے۔ خالد کہتا ہے "وبحمدہ" پڑھنا کسی کتاب حنفی میں نہیں ہے اور نہ فقہانے لکھا ہے اور نہ حدیث سے ثابت ہے۔ آیا خالد حق پر ہے یا زید؟

الجواب

احادیث میں تسبیح رکوع وسجود میں ایسا ہی وارد ہوا ہے جیسا کہ خالد کہتا ہے اور فقہا حنفیہ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔(۱) باقی اگر "بحمدہ" کی زیادتی کردی جاوے تو کچھ مضائقہ نہیں ہے، یہ کچھ اختلاف کرنے کی بات نہیں ہے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۱۶۷-۱۶۸)

'تسبیحات رکوع' میں جو "عظیم" نہ کہہ سکے وہ "کریم" کہے یا نہیں:

سوال: جو شخص "سبحان ربی العظیم" کے الفاظ کو ادا نہ کرسکے، بلکہ رکوع میں بجائے "سبحان ربی العظیم" کے "سبحان ربی العجیم" پڑھے اس کو بجائے "عظیم" کے "سبحان ربی الکریم" کی تعلیم دینا درست ہے یا نہیں؟

الجواب

اس صورت میں بجائے "سبحان ربی العظیم" کے "سبحان ربی الکریم" کی تعلیم درست ہے، تاوقتیکہ وہ "عظیم" کا لفظ درست کریں۔(۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۱۷۰-۱۷۱) ☆

== ☆ **امام کا رکوع وسجدہ کی تسبیح بلند آواز سے پڑھنے کا حکم:**

سوال: اگر کوئی حافظ اور مولوی ہوتے ہوئے سجدہ میں "سبحان ربی الأعلیٰ" اتنی آواز سے ہمیشہ پڑھے کہ سارے مقتدی سنتے ہوں، تو کیا وہ نماز ہوگی، یا جماعت کا ثواب ملے گا یا نہیں؟

الجواب ـــــــ حامدًا ومصلیًا

کسی بھی رکن میں کسی بھی جملہ کو اس طرح پڑھنا کہ دوسروں کی نماز میں خلل ہو، غیر پسندیدہ ہے، البتہ اگر گاہ بگاہ کبھی کبھار غیر اختیاری طور پر کوئی لفظ زور سے نکل جائے، تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد حبیب اللہ القاسمی، ۱/۴/۱۳ ۱۴۱۳ھ۔ (حبیب الفتاویٰ:۴/۸۴-۸۵)

(۱) (ویضع یدیه) معتمدًا بهما (علیٰ رکبتیه إلخ ویسبح فیه وأقله) (ثلٰثة). (الدر المختار) السنة فی تسبیح الرکوع "سبحان ربی العظیم". (رد المحتار، باب صفة الصلاة، قبیل مطلب فی إطالة الرکوع للجائی: ۱/۴۶۲)

(۲) السنة فی تسبیح الرکوع سبحان ربی العظیم إلا أن کان لایحسن الظاء فیبدل به الکریم ==

تسبیح پُر نہ پڑھے تو کیا حرج ہے:

سوال: عامی لوگ نماز میں تسبیح رکوع ''**سبحان ربی العظیم**'' کو پُر نہیں پڑھتے تو نماز ہوجاتی ہے یا نہیں؟

الجواب

نماز ہوجاتی ہے۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۱۷۵)

== **لئلایجری علٰی لسانه العزیم تفسد به الصلاة،کذا فی شرح درر البحار،فلیحفظ.(ردالمحتار،باب صفة الصلاة،قبیل مطلب فی إطالة الرکوع: ٤٦٢/١،ظفیر)**

☆ رکوع میں ''سبحان ربی الکریم'' پڑھنا:

سوال: نماز کے اندر رکوع میں ''**سبحان ربی العظیم**'' کے بجائے ''**سبحان ربی الکریم**'' پڑھنا درست ہے یا نہیں؟ اگر کوئی شخص ''**العظیم**'' کے بجائے ''**أجیم**'' پڑھتا ہو تو وہ دائرہ اسلام میں رہتا ہے یا نہیں؟ اور اس کا ایمان کیسا ہے؟

الجوابـــــــــ حامداً و مصلیًا

حدیث پاک میں ''**سبحان ربی العظیم**'' ہے، ''**سبحان ربی الکریم**'' پڑھنا حدیث شریف کے خلاف ہے۔ (**عن ابن مسعود رضی اللّٰه تعالٰی عنه أن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم:''إذ رکع أحدکم،فقال فی رکوعه:سبحان ربی العظیم ثلاث مرات،فقد تم رکوعه،وذلک أدناه،إذا سجد فقال فی سجوده:سبحان ربی الأعلٰی ثلاث مرات، فقد تم سجوده،وذلک أدناه''.(سنن الترمذی،أبواب الصلاة،باب ماجاء فی التسبیح فی الرکوع والسجود: ٦٠/١،سعید)**

''[تنبیه]:السنة فی تسبیح الرکوع''سبحان ربی العظیم''.(ردالمحتار،کتاب الصلاة،باب صفة الصلاة،فصل فی بیان تألیف الصلاة إلی إنتهائها: ٤٩٤/١،سعید)

جو شخص ''عین'' و''ظا'' ادا نہیں کرتا وہ ''**أجیم**'' پڑھتا ہوگا، اس طرح پڑھنا غلط ہے۔ (**''ومنها زلة القاری،فلوفی إعراب... ولوزاد کلمةأونقص...أوبدله بآخر نحو...''انفجرت'' بدل: ''انفرجت''، ''إیاب بدل:''أواب''،لم تفسد مالم یتغیر المعنی،إلاما یشق تمییزه کا لضاد والظاء فأکثرهم لم یفسد ها''.(الدر المختار: ٦٣٠/١-٦٣٣)وقال ابن عابدین رحمه اللّٰه تعالٰی تحته:''إن الخطاء إما فی الإعراب...أوفی الحروف بوضع حرف مکان آخر''.(رد المحتار،کتاب الصلاة،باب مایفسد الصلاة ومایکره فیها،مسائل زلة القاری: ٦٣٠/١،سعید)**

لیکن اس سے کافر نہیں ہوتا؛ کیونکہ جو شخص ''ع'' و''ظ'' ادا نہیں کرپاتا وہ مجبور ہے، اس کو صحیح ادا کرنے کی کوشش لازم ہے۔ (**''وکذا من لا یقدرعلی التلفظ بحرف من الحروف،أولا یقدرعلٰی إخراج الفاء إل ابتکرار''.(الدر المختار)''فکل ذلک حکمه مامرمن بذل الجهد دائماً، وإلافلا تصح الصلاة به''.(ردالمحتار،کتاب الصلاة،باب الإمامة: ٥٨٢/١،سعید)(مطلب فی الألثغ،انیس)**

جب تک صحیح ادا نہ کرسکے اس کو ''**سبحان ربی الکریم**'' پڑھنا چاہئے۔ (**السنة فی التسبیح الرکوع سبحان ربی العظیم،إلاإن کان لایحسن الظاء فیبدل به الکریم؟لئلایجری علٰی لسانه العزیم،فتفسد به الصلاة''.(ردالمحتار،کتاب الصلاة،باب صفة الصلاة،فصل فی بیان تألیف الصلاة: ٤٩٤/١،سعید)فقط واللّٰه أعلم**

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔ ۱۳۸۸/۹/۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔ ۱۳۸۸/۹/۶ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ:۵/۶۰۷-۶۰۸)

(۱) **والتسبیح فیه ثلاثاً.(الدرالمختارعلٰی هامش رد المحتار،کتاب الصلاة،باب صفة الصلٰوة: ٤٤٤/١،ظفیر)**

رکوع میں امام عجلت کرے تو مقتدی کی نماز ہوگی یا نہیں:

سوال: امام رکوع وسجود میں ایسی جلدی کرتا ہے کہ مقتدی تین بار تسبیح نہیں پڑھ سکتے، مقتدیوں کی نماز ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــ

امام کو ایسی جلدی رکوع وسجود میں نہ کرنا چاہئے کہ مقتدی تین بار تسبیح نہ پڑھ سکیں۔ لیکن اگر مقتدیوں کی تین تسبیح پوری نہ ہوئی تو نماز مقتدیوں کی صحیح اور کامل ہوئی اس میں کچھ نقصان نہیں آیا۔(۱) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۲۰۸)

رکوع، سجدہ کی تسبیح کا موقع نہ ملے تو کیا کرے:

سوال: مقتدی نے رکوع وسجود میں تین تسبیح نہیں کہی کہ امام نے تکبیر کہہ دی، ایسی صورتوں میں شرکت ہوگی اور ایسی صورتوں میں امام کی متابعت ضروری ہے، یا تسبیح کی مقدار پوری کرے؟ حنفیہ کا اصح قول کیا ہے؟

الجو ابــــــــــــــ حامداً و مصلیًا

اگر امام اتنا تیز رفتا ہے کہ مقتدی تین دفعہ تسبیح رکوع پڑھے تو قومہ نہ پا سکے اور تسبیح سجدہ پڑھے تو دوسرے سجدہ میں پکڑنا مشکل ہوجائے تو ایک تسبیح پر قناعت کرلے اور امام کی متابعت کرتا رہے۔(۲) **فقط و اللّٰہ تعالیٰ أعلم**

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔۱۱/۶/۱۳۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین غفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔ (فتاویٰ محمودیہ:۵/۶۰۸)

تسمیع وتحمید:

سوال: بہشتی زیور حصہ دوئم میں فرض فرض نماز پڑھنے کے طریقہ کے بیان میں لکھا ہوا ہے کہ "**سمع اللّٰہ لمن حمدہ**" کہتے ہوئے کھڑے ہوجاوے(۳) اور بہشتی گوہر میں لکھا ہے کہ منفرد دونوں پڑھے، یعنی "**سمع اللّٰہ لمن حمدہ**" اور "**ربنا لک الحمد**"۔

سو اب دریافت طلب یہ ہے کہ مرد اور عورت دونوں کو پڑھنا چاہئے یا عورت کو صرف "**سمع اللّٰہ لمن حمدہ**" اور مرد کو دونوں یا صرف "**سمع اللّٰہ لمن حمدہ**" مرد کے لئے سنت ہے یا دونوں سنت ہیں؟ بعض کتابوں میں لکھا

(۱-۲) (ولو رفع الإمام رأسه) من الركوع والسجود (قبل أن يتم المأموم التسبيحات) الثلاث (وجب متابعته). (الدر المختار)

يسبح فيه ثلاثاً فإنه سنة على المعتمد المشهور في المذهب لافرض ولاواجب، كما مرّ فلايترك المتابعة الواجبة لأجلها. (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۱/۴۶۳، ظفير) (مطلب في إطالة الركوع للجائي، انيس)

(۳) بہشتی زیور، حصہ دوم، فرض نماز پڑھنے کے طریقہ کا بیان، ص: ۱۷، امدادیہ ملتان

ہوا ہے کہ رکوع سے کھڑے ہوکر منفرد "سمع اللّٰہ لمن حمدہ" کہے اور کوئی شخص نہ معلوم ہونے کی وجہ سے صرف "سمع اللّٰہ لمن حمدہ" پڑھ دیا بعد میں معلوم ہوا کہ دونوں پڑھنا چاہئے اس میں کوئی گناہ تو نہیں؟

الجو اب ــــــــــــــــ حامداً و مصليًا

مرد اور عورت دونوں کو جب کہ وہ منفرد ہوں "سمع اللّٰہ لمن حمدہ"، "ربنا لک الحمد" پورا پڑھنا چاہئے اگر مسئلہ نہ معلوم ہونے کی وجہ سے کسی نے صرف "سمع اللّٰہ لمن حمدہ" کہا "ربنا لک الحمد" نہیں کہا تو اس کے ذمہ گناہ نہیں، نماز ہوگئی۔ (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۶/۳/۱۳۵۵ھ۔ جواب صحیح ہے: سعید احمد غفرلہ۔

(فتاویٰ محمودیہ، ۵/ص: ۶۰۹-۶۱۰)

امام کے لئے تحمید افضل ہے:

سوال: امام "سمع اللّٰہ لمن حمدہ" کے بعد "ربنا لک الحمد" بھی کہے یا کہ صرف مقتدی کہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــ باسم ملهم الصواب

امام کی تحمید سے متعلق دونوں قول ہیں، کہنا افضل ہے۔

قال فی شرح التنویر فی سنن الصلاة: والتسميع للإمام والتحميد لغيره.

وقال ابن عابدين رحمه اللّٰه تعالىٰ: (قوله لغيره) أى لمؤتم ومنفرد لكن سيأتى أن المعتمد أن المنفرد يجمع بين التسميع والتحميد وكذا الإمام عندهما وهو رواية عن الإمام جزم بها الشرنبلالى فى مقدمته. (ردالمحتار: ۱/ ٤٤٥) فقط واللّٰه تعالىٰ أعلم

۳۰/ جمادی الآخرہ ۱۳۹۷ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ۳/۳۱۲)

"سمع اللّٰہ لمن حمدہ" کی جگہ "اللّٰہ أکبر" کہے:

سوال: زید نے عصر میں بھول کر "سمع اللّٰہ لمن حمدہ" نہیں کہا "اللّٰہ أکبر" کہہ کر سجدہ میں چلا گیا، سبھی مقتدیوں نے اقتدا کی، ایک نے اقتدا نہ کی اور سیدھا کھڑا ہونے کے بجائے رکوع سے سجدہ میں چلا گیا، اس کی نماز ہوئی یا نہیں، تمام مقتدیوں کی نماز ہوئی یا نہیں؟

---

(۱) وإن كان مقتدياً يأتى بالتحميد ولايأتى بالتسميع بلاخلاف، وإن كان منفرداً الأصح أنه يأتى بهما، كذا فى المحيط، وعليه الاعتماد، وكذا فى التاتارخانيه، وهو الأصح، هٰكذا فى الهداية" (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلاة، الباب الرابع فى صفة الصلاة، الفصل الثالث فى سنن الصلاة: ۱/ ٧٤، رشيدية)

هو المصوب

سب کی نماز ہوگئی، (۱) البتہ جس مقتدی نے رکوع سے ہی سجدہ کیا ہے اس کی نماز ناقص ہوئی، وہ نماز دہرا لے۔

تحریر: محمد ظہور ندوی۔ (فتاویٰ ندوۃ العلماء: ۹۳/۲)

رکوع سے اٹھتے وقت مقتدی "ربنا لک الحمد" کے ساتھ "اللّٰھم" کہے یا نہیں:

سوال: امام جب "سمع اللّٰہ لمن حمدہ" کہے تو مقتدی صرف "ربنا لک الحمد" کہے یا "اللّٰھم" بھی زیادہ کرے اور احسن کیا ہے؟

الجواب

امام جب "سمع اللّٰہ لمن حمدہ" کہے تو مقتدی صرف "ربنا لک الحمد" کہے اور اگر "اللّٰھم" بھی بڑھا دیوے تو بہتر ہے، حدیث شریف میں دونوں وارد ہیں اور بعض احادیث میں واو کی زیادتی بھی وارد ہے، یعنی "اللّٰھم ربنا ولک الحمد"، پس جو لفظ کہہ لیوے کافی ہے اور سنت ادا ہو جاتی ہے۔ (۲) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیو بند: ۱۶۲/۲-۱۶۳)

(۱) سئل يوسف بن محمد عمن رفع رأسه من الركوع ولم يقل عند الرفع سمع الله لمن حمده، قال لا يأتي به بعدمااستوٰى قائماًوكذا كل ذكر يؤتٰى به في حال الانتقال لا يؤتٰى به في غيرمحله كالتكبيرالذي يؤتٰى به عندالانحطاط من القيام إلى الركوع أومن الركوع إلى السجود(الفتاوى الهندية: ٧٤/١)(كتاب الصلاة،الباب الرابع في صفة الصلاة،الفصل الثالث في سنن الصلاة،انيس)

(۲) (و)يكتفي (بالتحميد المؤتم)وأفضله"اللّٰهم ربناولك الحمد" ثم حذف الواوثم حذف اللّٰهم فقط.(الدرالمختارعلٰى هامش ردالمحتار،باب صفة الصلاة : ٤٦٤/١ ،ظفير)(فروع قرأبالفارسية أوالتوراة أوالإنجيل،انيس)

☆ تحقیق جملہ "رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ":

سوال: رکوع سے اٹھ کر رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ پڑھا کرتا تھا، ایک معتبر عالم نے ایک مرتبہ بیان کیا کہ رکوع سے اٹھ کر ربنا ولک الحمد پڑھنے میں یہ فضیلت ہے اور فرشتے بہت کچھ اس بندہ کے لیے کرتے ہیں، اس دن سے واو کا اضافہ کر دیا، لیکن دل میں کھٹکا ہے، اس لیے دریافت طلب یہ ہے کہ کون سی صورت اختیار کی جائے ربنا لک الحمد بہتر ہے یا ربنا ولک الحمدُ، براہ کرم اس کے متعلق مدد فرمائیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب　　باسم ملهم الصواب

اس کے چار طریقے ہیں: (۱) اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا وَلَکَ الْحَمْدُ (۲) اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ (۳) رَبَّنَا وَلَکَ الْحَمْدُ (۴) رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ. فضیلت میں اول سب سے زیادہ ہے، پھر دوم پھر سوم اور پھر چہارم۔

قال في العلائية: وأفضله اللّٰهمَّ ربناولك الحمد،ثم حذف الواو،ثم حذف اللّٰهم،فقط. ==

''ربنا لک الحمد ''میں اضافہ:

سوال: ایک صاحب نے جماعت کی نماز میں امام صاحب کے ''سمع الله لمن حمده'' کہنے کے بعد اس طرح کہا: ''ربنا لک الحمد حمداً کثیراً طیباً مبارکاً فیه'' کیا اس طرح تحمید کے کلمات کہے جا سکتے ہیں؟

(جہانگیر الدین طالب، باغ امجد الدولہ)

الجواب

حضرت رفاعہ بن رافع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

''ہم لوگ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عیدگاہ میں نماز ادا کر رہے تھے، جب حضور صلی اللہ علیہ سلم نے رکوع سے سر اٹھایا تو فرمایا: ''سمع اللّٰه لمن حمده'' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے ایک شخص نے کہا: ''ربنا لک الحمد حمداً کثیراً طیباًمبارکاً فیه'' جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا یہ کہنے والا کون ہے؟ انہوں نے کہا: میں ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے تیس سے زائد فرشتوں کو دیکھا کہ اس کو لکھنے کے لئے ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کے لئے کوشاں ہیں''۔(۱)

== وقال ابن عابدين: وبقى رابعة وهى حذفهما والأربعة فى الأفضليّة على هٰذا الترتيب كما أفاده بالعطف بثم (رد المحتار: ۱/۴۶۴)(كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب فى إطالة الركوع للجائى، انيس)

حدیث میں تیس سے زائد فرشتوں کا جن کلمات کو لے جانے میں ایک دوسرے سے سبقت کرنے کا ذکر ہے، وہ کلمات یہ ہیں: ربنا ولک الحمد حمدًا کثیرًا طیّباً مبارکاً فیه. (رواه البخاری، رقم الحديث: ۷۹۹) مگر احناف کے قاعدہ کے مطابق اتنی طویل دعا فرائض میں نہیں پڑھنا چاہیے، صرف سنتوں اور نوافل میں پڑھی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۰/ربیع الاول ۱۳۹۷ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ۴۳/۳)

تحمید کے افضل کلمات:

سوال: تحمید کے افضل کلمات کون سے ہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

حامدًا ومصلیًا ومسلمًا: تحمید کے سب سے افضل کلمات یہ ہیں: ''اللّٰهم ربنا ولک الحمد''.

والأفضل اللّٰهم ربنا ولک الحمد ويليه اللّٰهم ربنا لک الحمد ويليه ربنا لک الحمد. (مراقى الفلاح: ۱۸۹)(مراقى الفلاح شرح نورالإيضاح، فصل فى كيفية تركيب أفعال الصلاة: ۱۸۹، مصرى) كذا فى شرح المنية الكبير: ۳۱۸، (غنية المستملى شرح منية المصلى، صفة الصلاة: ۳۱۸، سهيل اكيڈمى، لاهور) والدر المختار: ۳۳٤/۱) (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصلاة: ۳۳٤/۱، نعمانية، ديوبند) والله أعلم بالصواب

کتبہ: عبداللہ غفرلہ۔ الجواب صحیح: محمد حنیف غفرلہ۔ (فتاویٰ ریاض العلوم: ۳۳۰/۲)

(۱) صحیح البخاری: ۱/۱۱۰، حدیث نمبر: ۷۹۹، باب فضل اللّٰهم ربنا لک الحمد۔ محشی

اس سے معلوم ہوا کہ اگر نماز میں اس طرح تحمید کے کلمات کہے جائیں تو نماز فاسد نہیں ہوگی، البتہ صحابہ کا جو عام معمول تھا، وہ یہی کہ جماعت کی نماز میں صرف ”ربنا لک الحمد“ کہنے پر اکتفا کرتے، خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت بھی یہی منقول ہے کہ جب امام ”سمع اللّٰہ لمن حمدہ“ کہے تو تم ”ربنا لک الحمد“ کہو۔(۱)

اس لئے احناف اور اکثر فقہا کی رائے یہی ہے کہ فرض نمازوں میں اتنے ہی پر اکتفا کرنا بہتر ہے، البتہ نفل نماز میں تحمید کے وہ کلمات کہے جس کا آپ نے سوال میں ذکر کیا ہے، کیونکہ نفل میں بمقابلہ فرض کے گنجائش زیادہ ہے۔ رہ گیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد تو اس کا مقصد ان کلمات کی تحسین ہے، نہ کہ عمل کی توثیق، یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ مقصود نہیں کہ لوگ اس طرح کلمۂ تحمید کہا کریں، اگر یہ مقصد ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے صحابہ کو بھی اس طرح کہنے کی ترغیب دی ہوتی، بلکہ اس کا مقصد ان حمدیہ کلمات کی تحسین ہے۔ (کتاب الفتاویٰ:۲/۱۸۱-۱۸۲)

قومہ میں ہاتھ باندھنا ثابت نہیں:

سوال: رسالہ ”إتمام الخشوع“ بھیجتا ہوں، ملاحظہ فرما کر تصدیق وتنقید سے مطلع فرمایا جاوے؟

الجواب

بندہ نے رسالہ ”إتمام الخشوع“ کو دیکھا، کوئی حدیث صریح اس بارہ میں نقل نہیں کی گئی، جس سے ”بعد الرکوع“ صراحۃً ہاتھ باندھنا معلوم ہو، بلکہ روایت حضرت علی رضی اللہ عنہ جو صفحہ: ۷، کتاب مذکور میں منقول ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں: ”إنہ کان إذا قام إلی الصلوٰۃ وضع یمینہ علی الشمال فلایزال کذلک حتٰی یرکع“ سے معلوم ہوا کہ ! ”وضع یمین علی الشمال قبل الرکوع“ تک ہوتا تھا۔

بہر حال حنفیہ (کثرھم اللّٰہ تعالٰی)(۱) اور جمہور سلف وخلف کا یہی مذہب ہے کہ ”بعد الرکوع“ ہاتھ چھوڑے جاتے ہیں، پھر تعجب ہے کہ آپ بندہ کی رائے دریافت کرتے ہیں، بندہ کی رائے اپنے ائمہ اور جمہور کے خلاف کیسے ہوسکتی ہے۔ فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۲/۱۷۶-۱۷۷)☆

---

(۱) صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۷۹۶، باب فضل اللّٰھم ربنا لک الحمد۔ محشی

(۲) وأما فی القومة التی بین الرکوع والسجود ذکر شیخ الإسلام فی شرح کتاب الصلاة أنه یرسل علی قولهما کما هو قول محمد. (المحیط البرهانی، کتاب الصلاة: ۱/۳۵۵، دار الفکر)

وترسل فی القومة وبین تکبیرات العید. (الهدایة، باب صفة الصلاة: ۱/۴۹، دار إحیاء التراث، انیس)

☆ **قومہ میں ہاتھ باندھنا:**

سوال: الدر المختار، باب صفة الصلاة: ”وهو سنة قیام ... (له قرار فیه ذکر مسنون فیضع حالة الثناء وفی القنوت وتکبیرات الجنازة لا) (فی قیام بین رکوع وسجود) (و) لا بین (تکبیرات العید) لعدم الذکر مالم یطل القیام فیضع. (الدر المختار)
==

== ومقتضاه أنه يعتمد أيضًا فى صلاة التسابيح. (ردالمحتار، كتاب الصلاة،مطلب فى بيان المتواتر بالشاذ،انيس) (درمختار، باب صفۃ الصلوٰۃ میں ہے: اور وہ سنت ہے اس قیام کی جس میں قرار اور ذکر مسنون ہے، تو حالت ثنا میں اور قنوت میں اور تکبیرات جنازہ میں باندھے، نہ کہ رکوع کے بعد کے قیام اور سجدہ میں۔ ردالمحتار میں ہے: اور نہ تکبیرات عیدین میں کہ اس میں ذکر نہیں ہے، خواہ قیام کتنی ہی دیر کا ہو تو ہاتھ باندھ لے اور اس کا مقتضایہ ہے کہ صلوٰۃ التسبیح میں بھی وہ اس پر اعتماد کرے۔)

اس عبارت کا کیا مفہوم ہے؟ اس سے قومہ صلوٰۃ التسبیح میں ہاتھ باندھنا ثابت ہوتا ہے یا نہیں؟

الجواب

حالت قومہ میں ہاتھ نہ باندھنا چاہئے اور اس عبارت درمختار سے ہاتھ باندھنا نہیں نکلتا، بلکہ یہ کہتا ہے کہ اس قاعدہ سے یہ معلوم ہوتا ہے۔ فقط (تالیفات رشیدیہ: ۲۶۵)

☆ قومہ کی دعا:

سوال: يا أيها المفتى! ماتقول فى هٰذه المسئلة: رجل حنفى يتبع مذهب أبى حنيفة فى جميع الأفعال، لٰكن فى الصلاة بعد الركوع يقرأ" ربنا لك الحمد حمدًا كثيرًا طيباً مباركاً فيه"، لا من حيث أنه يخالف مذهب أبى حنيفة رحمه اللّٰه تعالىٰ بل يفهم ذلك من" ربنا لك الحمد" فقط. فما تقول فى هذه المسئلة صلاة صحيحة أم لا؟ إن كان صحيحة فبكراهة أو بلا كراهة؟

الجواب حامداً ومصليًا

"(ثم يرفع رأسه من ركوعه مسمعاً)... (ويكتفى به الإمام). وقالا: يضم التحميد سرًا، (و) يكتفى (بالتحميد المؤتم) وأفضله: أللّٰهم ربنا ولك الحمد، ثم حذف الواو، ثم حذف أللّٰهم فقط. (ويجمع بينهما لو منفردًا) علىٰ المعتمد يسمع رافعاً ويحمد مستوياً آه". (الدرالمختار)

"(قوله: وقالا: يضم التحميد) هو رواية عن الإمام أيضاً، وإليه مال الفضلى والطحاوى و جماعة من المتأخرين، معراج عن الظهيرية. واختاره فى الحاوى القدسى، ومشى عليه فى نور الإيضاح، لكن المتون علىٰ قول الإمام. (قوله: ثم حذف أللهم): أى مع إثبات الواو، وبقى رابعة: وهى حذفهما. والأبعة فى الأفضلية على هٰذ االترتيب كما أفاده بالعطف بثم. (قوله: على المعتمد): أى من أقوال ثلاثة مصححة، قال فى الخزائن: وهو الأصح، كما فى الهداية، والمجمع والملتقى، وصحح فى المبسوط أنه كالمؤتم، وصحح فى السراج معزياً لشيخ الإسلام أنه كالإمام. قال الباقانى: والمعتمد الأول آه". (رد المحتار: ۵۱۹/۱) (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فصل: إذا أرد الشروع: ۴۹۷/۱، سعيد)

"قال مولانا بحر العلوم: اعلم أنه قد جاء فى أدعية القومة زائدًا علىٰ ماذكرنا عن أبى سعيد الخدرى رضى اللّٰه تعالىٰ عنه قال: كان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم إذا رفع رأسه من الركوع قال:" أللهم ربنا لك الحمد ملأ السمٰوٰت وملأ الأرض وملأ ماشئت من شىء بعد أهل الثناء والمجد أحق ماقال العبد، وكلنا لك عبد، أللهم لامانع لما أعطيت ولا معطى لما منعت، و لا ينفع ذا الجد منك الجد". رواه مسلم. (رواه مسلم فى صحيحه فى كتاب الصلاة، باب ما يقول إذا رفع رأسه من الركوع: ۱۹۰/۱، قديمى) (رسائل الأركان، فصل فى صفة الصلاة: ۷۷، المطبع العلوى بلكهناؤ. انيس) ==

سجدہ میں جاتے ہوئے مقتدی کو تکبیر کہنا:

سوال: امام جب تکبیر کہتے ہوئے سجدہ میں جاتا ہے تو مقتدی تکبیر کہتے ہوئے سجدہ کریں یا بلا تکبیر؟

الجواب ــــــــــــــــ حامداً و مصلیًا

مقتدی بھی تکبیر کہے گا۔ جیسا کہ شامی میں ہے۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیو بند۔ ۲۶/۱۰/۱۳۹۵ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۲۱۸/۵)

سجدہ میں جاتے وقت ہاتھ سے پہلے گھٹنے رکھنے کا حکم:

سوال: بعد رکوع سجدہ میں جانے کے وقت پہلے ہاتھ ٹیک کر جاوے یا گھٹنا ٹیک کر جاوے؟

الجواب ــــــــــــــــ

احادیث اس میں مختلف ہیں کہ پہلے سجدہ میں گھٹنے رکھے یا ہاتھ۔ وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے "**وضع الركبتين قبل اليدين**" مروی ہے،(۲) اور ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے دو روایتیں ہیں، ایک روایت مذکورہ، دوسرے اس کا عکس۔

امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایات بوجہ تعارض کے مرتفع ساقط ہوئیں، وائل بن حجر کی حدیث تعارض سے سالم رہی، لہٰذا اس کو ترجیح دی گئی، (۳) اور یہی عمل حنفیہ کا ہے۔

(امداد، جلد: ۱، صفحہ: ۹۹) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱۹۵/۱)

== "وقيد في البذل الدعاء الطويل بانفراده صلى الله عليه وسلم، كذافي باب ماجاء في ما يقول إذارفع رأسه من الركوع ("والحديث الذى استدل به محمول على حالة الانفراد فى صلاة التطوع". (بذل المجهود، كتاب الصلاة، باب ماجاء فى مايقول إذارفع رأسه من الركوع: ٦٨/٢، مكتبة. إمدادية)

فقد ظهرمن العبارات المنقولة جواب المسئلة. وبسط الأدعية في "الحرزالثمين" ص: ٢٦٢ (الحرز الثمن للحصن والحصين لعلى بن سلطان محمد الهروى المعروف بالقارى نزيل مكة المكرمة): "إذاأقام من الركوع، قال: "ربناولك الحمد حمداً كثيراً طيباً مباركاً فيه". خ، د، س، آه". (حصن، ص: ٤٠) (حصن حصين للجزرى رحمه الله تعالىٰ، وإذاقام من الركوع، ص: ١٩٠، دارالإشاعت) (رواه البخارى فى صحيحه، فى كتاب الأذان، باب بلا ترجمة بعد باب فصل أللهم ربناولك الحمد: ١١٠/١، قديمى)

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور۔

صحیح: عبد اللطیف، الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۲۴/ جمادی الاولی ۱۳۵۹ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۶۱۰/۵-۶۱۲)

(۱) "وثمانية تفعل مطلقاً: الرفع لتحريمة، والثناء، وتكبير انتقال، آهـ". (الدر المختار)

"(وقوله: وتكبير انتقال): أى إلى ركوع أوسجود أورفع منه". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل: ١٢/٢، سعيد) (مطلب فى القنوت للنازلة، انيس) ==

پہلے سیدھا گھٹنا رکھنا مسنون نہیں:

سوال: ایک صاحب کہتے ہیں کہ سجدہ میں جاتے وقت پہلے سیدھا گھٹنا زمین پر لگانا اور اسی طرح سیدھا ہاتھ رکھنا پھر بایاں ہاتھ، ایسے ہی برعکس سجدہ سے اٹھتے وقت، کیا یہ طریقہ سنت ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــ باسم ملهم الصّواب

سنت طریقہ یہ ہے کہ پہلے دونوں گھٹنے ایک ساتھ زمین پر رکھے، اسی طرح دونوں ہاتھ ایک ساتھ رکھے اور اٹھتے وقت بھی برعکس ایسا ہی کرے، البتہ اگر عذر کی وجہ سے گھٹنے پہلے رکھنا مشکل ہ، واس لیے ہاتھ پہلے رکھنا چاہے تو اس حالت میں دایاں ہاتھ پہلے رکھے، پھر دونوں گھٹنے ایک ساتھ رکھے، غرضیکہ بوقت عذر جب ہاتھ پہلے رکھے جائیں، تو صرف ہاتھوں میں تیامن ہے، گھٹنوں میں نہیں۔

قال ابن عابدين رحمه اللّٰه تعالٰى تحت(قوله واضعًا ركبتيه ثم يديه): ويضع اليمنٰى منهماأوّلاً ثم اليسرى كما فى القهستاني،لكن الذى فى الخزائن: واضعًا ركبتيه ثم يديه إلاّ أن يعسرعليه لأجل خف أوغيره فيبدأ باليدين ويقدم اليمنىٰ،آهــ.ومثله فى البدائع والتاترخانية والمعراج و البحروغيرها،ومقتضاه أن تقديم اليمنى إنما هوعند العذرالداعى إلى وضع اليدين أوّلاً وأنه لا تيامن فى وضع الركبتين وهوالذى يظهرلعسرذلك. (رد المحتار: ٤٦٥/١)(١)**فقط واللّٰه تعالى أعلم**

۲۵ رمحرم ۱۳۹۱ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ۳۲/۳)

سجدہ میں جاتے ہوئے پہلے سر ٹیکے یا ناک......؟:

سوال: سجدہ میں جب جاتے ہیں تو پہلے سر ٹیکے یا ناک ٹیکے، اور جب اُٹھے تو پہلے سر اٹھاوے یا ناک اٹھاوے؟

الجواب ــــــــــــــــ

سجدے میں جاتے ہوئے پہلے سر رکھے پھر ناک اور اُٹھتے ہوئے کوئی ترتیب مذکور نہیں، اور ظاہر یہ ہے کہ دونوں ساتھ ہی اٹھائے جائیں۔

==(۲) حدیث یہ ہے: **عن وائل بن حجر قال: رأيت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم إذا سجد يضع ركبتيه قبل يديه وإذا نهض رفع يديه قبل ركبتيه.** (رواه الترمذى،باب ماجاء فى وضع الركبتين قبل اليدين فى الصلاة (ح: ٢٦٨)/ إعلاء السنن،طريق السجود: ٣٤/٢،رقم الحديث: ٧٧٩،انيس)

(۳) دیکھئے: شرح معانى الآثار: ١٥٠/١،باب مايبدأبوضعه فى السجود،إلخ ـسعيد (٢٥٥/١،عالم الكتاب،انيس)

حاشيه صفحه هذا:

(١) كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة،مطلب فى إطالة الركوع للجائى،انيس

قال فی الدر: (ثم وجهه)مقدماً أنفه لمامرّ أی لقربه من الأرض.

لـمـا قال الشامی: لكن فی البدائع:ومنها:أی من السنن أن يضع جبهته ثم أنفه،وقال بعضهم، أنفه ثم اهـ،جبهته ومقتضاه اعتماد تقديم الجبهة وأن العكس قول البعض،آه.

قال فی الدر:ويعكس نهوضه.

قـال الشامی:وهل يرفع الأنف قبل الجبهة:أی علی القول بأنه يضعه قبلها؟قال فی الحلية:لم أقف علی صريح فيه،آه.(۵۲۰/۱)(۱) والله أعلم

۱۶/رجب ۱۳۴۸ھ-(امداد الاحکام:۹۸/۲-۹۹)

سجدۂ مسنون:

سوال: رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لمبا سجدہ کرتے تھے۔کیا اس سے یہ مراد ہے کہ سجدہ میں دیر تک رہتے تھے؟

الجواب ــــــــــــــــ حامداً ومصلیًا

جب تنہا نماز پڑھتے تو سجدہ میں دیر تک رہتے تھے اور سجدہ ایسا کشادہ کرتے تھے کہ بکری کا بچہ آپ کے نیچے کو نکلنا چاہے تو نکل جائے۔(۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم (فتاویٰ محمودیہ:۶۱۸/۵-۶۱۹)

سجدہ کا طریقہ:

سوال: سجدہ میں ران اور پنڈلی کو کتنا کشادہ کیا جائے؟ کیا زاویہ قائمہ بنانا چاہیے یا کیا؟

الجوابــــــــــــــــ

درمختار میں ہے:

"(ويظهر عضديه)فی غير زحمة(ويباعد بطنه عن فخذيه)ليظهر كل عضو بنفسه،إلخ.(۳)

(۱) كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة،فروع بالفارسية أوالتوراة أوالإنجيل،انيس

(۲) عن ميمونة رضی الله عنها أن النبی صلی الله عليه وسلم:كان إذا سجد،جافٰی بين يديه،حتٰی لوأن بهمةً أرادت أن تمرتحت يديه،مرت".(سنن أبی داؤد،كتاب الصلوة،باب صفة السجود: ۱۳۰/۱، دارالحديث، ملتان)/(ح:۸۹۸)/سنن ابن ماجة،باب السجود (ح:۸۸۰)انيس

"(قوله:وجافٰی بطنه عن فخذيه):أی باعده لحديث مسلم:"كان إذا سجد،جافٰی بين يديه،حتی لوبهمةً أرادت أن تمرتحت يديه،مرت".ولحديث أبی داؤد فی صفة صلوته عليه السلام:"إذا سجد فرج بين فخذيه غيرحامل بطنه علٰی شیء من فخذيه".(البحرالرائق،كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة: ۵۵۹/۱-۵۶۰،رشيدية)

(۳) الدر المختارعلٰی هامش رد المحتار،باب صفة الصلاة: ۴۷۰/۱

پس معلوم ہوا کہ سجدہ میں سنت اسی قدر ہے اور زاویہ قائمہ بنانا ضروری نہیں ہے اور یہ بھی جب ہے کہ جماعت میں نہ ہو تنہا ہو یا امام ہو، ورنہ ایسا فعل نہ کرے، جس سے دوسرے مقتدیوں کو ایذا ہو۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲/۱۶۳-۱۶۴)

سجدہ میں دونوں گھٹنوں کو ملا کر رکھنا:

سوال: علم الفقہ (مصنفہ مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی) میں نماز کے سنتوں کے بیان میں ہے کہ!

''سجدہ کی حالت میں دونوں گھٹنوں کو ملا کر (جوڑ کر) رکھیں''۔(۱)

دریافت طلب امر یہ ہے کہ!

کیا ایسا کرنا واقعی مسنون ہے؟ آج تک میں کسی کتاب میں بھی نہیں دیکھا اور نہ کسی عالم سے سنا۔

الجو اب ــــــــــــــــ حامداً و مصلیًا

جوڑ کر یا ملا کر رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ دونوں کو ایک ساتھ رکھے، یہ نہ کرے کہ ایک گھٹنہ مثلاً داہنا پہلے رکھے اور دوسرا (بایاں) بعد میں رکھے اور یہ کتب فقہ میں موجود ہے کہ دونوں گھٹنے ایک ساتھ رکھے جائیں اور اس کو لفظ ''ملا کر'' سے تعبیر کیا ہے: ''**لا تیامن فی وضع الرکبتین**''. (ردالمحتار)(۲) فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔ ۱۹/۷/۱۳۹۳ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵/۶۳۱)

سجدہ میں الصاق کعبین:

سوال: **العرف الشذی**، ص: ۱۳۴، ''**باب ما جاء فی التسبیح فی الرکوع والسجود**'' میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نقل کیا ہے:

''**الرص بین العقبین فی السجدة أی ضمها، إلخ**''. (۳)

اس ''**الرص بمعنی الضم**'' سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ دونوں ایڑیاں صرف سجدہ میں ملائی جائیں اور پنجے الگ رہیں، اس ملانے کی حیثیت صرف مستحب کی ہوگی یا سنت کی؟ ورنہ اگر کوئی نہ ملائے، جیسا کہ عام معمول ہے تو نماز پر کیا اثر ہوگا، خلاف اولی یا کراہت؟ فقہ کی جو کتابیں عموماً پڑھائی جاتی ہیں، اس کا ان میں تذکرہ نہیں ملتا، وجہ بظاہر سمجھ میں نہیں آتی۔

---

(۱) علم الفقہ، حصہ دوم، متفرق مسائل، نماز کی سنتیں، ص: ۲۲۰، دارالاشاعت، کراچی

(۲) **ردالمحتار، کتاب الصلاة، فصل فی بیان تألیف الصلاة إلی انتهائها: ۱/۴۹۳، سعید**

(۳) **العرف الشذی علی جامع الترمذی، أبواب الصلاة، باب ماجاء فی التسبیح فی الرکوع والسجود: ۱/۶۹، سعید**

الجو اب ــــــــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیًا

چونکہ حالت سجود میں بھی الصاق کعبین کا حکم ہے:

''إذاکان السنة فی الرکوع إلصاق الکعبین ولم یذکروا تفریجهمابعده،فالأصل بقاؤهما ملصقین فی حالة السجود أیضاً''. (ردالمحتار: ۲۳۲/۱)(۱)

اور **إلصاق کعبین ضم عقبین** کو مستلزم ہے، اس لئے اس کے بغیر الصاق کعبین کما حقہ نہیں ہوگا اور جو چیز سنت کے لئے معین بنے وہ کم از کم استحباب کے درجہ میں ہوگی، (۲) خصوصاً جب کہ روایت مذکور فی السوال میں اس کی تائید ہوتی ہے، تاہم پنجوں میں کچھ فصل ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند۔ ۲۲/۶/۱۳۸۸ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۶۳۰/۵-۶۳۱)

سجدہ میں ٹخنے ملانا:

سوال: مرد سجدہ کی حالت میں دونوں پاؤں کے ٹخنے آپس میں ملاکر رکھیں یا علاحدہ؟ عرف شذی میں ٹخنے ملانے کی روایت ہے۔

وفی صحیح ابن حبان عن عائشة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنها: الرصّ بین العقبین فی السجدة أی ضمهماو أکثر الناس عن هذا غافلون. (العرف الشذی: ۱۳۵)

اس کے بارے میں اپنی تحقیق تحریر فرمائیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــــــــــــ باسم ملهم الصّواب

اعلاء السنن میں سوال میں مذکور حدیث کے بعد تفاجج بین القدمین کی حدیث بھی منقول ہے۔

عن عائشة رضی اللّٰه تعالیٰ عنها فی حدیث أوّله: فقدت رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم وکان معی علی فراشی فدجته ساجدًا راصًاعقبیه مستقبلاً بإطراف أصابعه القبلة. (رواه ابن حبان فی صحیحه بإسنادحسن)(التلخیص الحبیر: ۹۸/۱)(۳)

وللنسائی وقد سکت عنه: وهو ساجد وقدماه منصوبتان. (الحدیث)(سنن النسائی: ۱۶۶/۱)(۴)

---

(۱) ردالمحتار، کتاب الصلاة، فصل فی بیان تألیف الصلاة إلی انتهائها: ۴۹۳/۱، سعید/باب صفة الصلاة، انیس

(۲) ''لأن مالایتوصل إلی الفرض إلابه، فهو فرض''. (ردالمحتار، کتاب الصلاة، فصل فی بیان تألیف الصلاة إلی انتهائها: ۴۹۹/۱، سعید)(باب صفة الصلاة، مطلب فی إطالة الرکوع للجائی، انیس)

(۳) الصحیح لابن خزیمة، باب ضم العقبین فی السجود (ح: ۶۵۴)/صحیح ابن حبان، ذکر الخبر المدحض قول من زعم أن هذا الاخبر تفرد به عبداللّٰه بن عمر (ح: ۱۹۳۳)انیس)

(۴) سنن النسائی، باب نصب القدمین فی السجود (ح: ۱۱۰۰)انیس

عن البراء رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه کان صلّی اللّٰہ علیه وسلّم إذارکع بسط ظهره وإذا سجد وجه أصابعه قبل القبلة فتفاجّ. (یعنی وسع بین رجلیه. منه). (رواه البیهقی)(التلخیص الحبیر: ۹۸/۱)(۱)

قلت: احتج به الحافظ ابن حجر بعد ما ضعف روایة الدارقطنی عن عائشة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنها وسکت عنه فهو حسن أو صحیح عنده. (إعلاء السنن: ۱۳۸/۳)(۲)

بصورتِ تعارض اولاً تطبیق پھر ترجیح کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔

تطبیق:

حدیث اول میں رصّ بین العقبین تقریب پر محمول ہے۔

"کماحمل علیه العلامة الطحطاوی رحمه اللّٰہ تعالیٰ حدیث ضم الکفین فی الدعاء". (۳)

خود اسی حدیث میں حمل علی التقریب پر دو قرائن بھی ہیں، ایک استقبال الاصابع القبلہ، دوسرا نصب القدمین، یہ دونوں سنتیں رص بین العقبین کی صورت میں علی وجہ الکمال ادا نہیں ہوسکتیں، مزید بریں اس میں بلاضرورت پاؤں کو حرکت دینے کی قباحت بھی ہے۔

ترجیح:

حدیث ثانی مردوں کے لیے رکوع وسجود میں سنت تجافی کے مطابق ہے۔

وکفی به مرجحًا، وبهٰذا رجح الإمام الطحاوی رحمه اللّٰہ تعالیٰ حدیث وضع الیدین علی الرکبتین فی الرکوع علی حدیث التطبیق. (۴)

نیز نماز میں امر خشوع سے بھی اسی کی ترجیح ثابت ہوتی ہے کیوں کہ بلاضرورت حرکت خشوع کے منافی ہے۔

قال صلّی اللّٰہ علیه وسلّم فی مصل یعبث بلحیته: لوخشع قلبه لسکن جوارحه. (۵)

یہ بحث تبرعاً لکھ دی ہے ورنہ رجوع الی الحدیث وظیفہ مقلد نہیں، فقہ میں اس کا کوئی ثبوت نہیں، شامیہ میں صرف ابو السعود سے نقل کرکے صحت نقل میں کلام فرمایا ہے اور سعایہ میں رکوع وسجود میں الصاق الکعبین پر مفصل ومدلل تردید فرمائی ہے۔ احسن الفتاویٰ میں رکوع میں ٹخنے ملانے کی بحث میں سعایہ کی تحقیق منقول ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۷رشعبان ۱۴۰۰ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ۴۹/۳-۵۰)

---

(۱) السنن الکبریٰ للبیهقی، باب یضم أصابع یدیه فی السجود ویستقبلها بها (ح: ۲۶۹۷)/ مسندالسراج، باب الأمر بالاعتدال فی السجود (ح: ۳۵۲) انیس

(۲) باب طریق السجود: ۳۹/۳-۴۰، إدارة القرآن والعلوم الإسلامیة کراتشی. انیس

(۳)

(۴) شرح معانی الآثار، باب التطبیق فی الرکوع: ۲۳۰/۱-۲۳۲، عالم الکتاب، انیس

(۵) عن علی قال: أبصر رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم رجلا یعبث بلحیته فی الصلاة فقال: ==

سجدۂ صلاۃ زمین پر بلا واسطہ افضل ہے یا بالواسطہ:

سوال: زید اور بکر دونوں کا اس بارے میں شدید اختلاف ہے کہ سجدۂ صلاۃ وجہ ارض پر بغیر واسطہ افضل ہے؟ یا بالواسطہ؟ مثلا: چٹائی اور کپڑا وغیرہ بچھا کر؟ زید شق اول کا قائل ہے، اس کے پاس فقط یہ دلیل ہے کہ " **السجدة وضع الجبهة على الأرض** " کو کہتے ہیں، نیز وہ اس کا بھی قائل ہے کہ " **العبرة للعموم** " عمومی طور پر عامۃ الناس کو زمین میسر ہو سکتی ہے اور " **جعلت لي الأرض طهورًا ومسجدًا** " حدیث پاک سے مدد لیتا ہے اور حضرات صحابہ کا کنکریاں بچھا کر نماز ادا کرنا اور پیشانی پر بوقت سجدہ چپک جانے یا لگ جانے والے گرد وغبار کو مسئلہ فقہیہ کے اعتبار سے نہ جھاڑنا بھی اس کے ادلہ میں شامل ہے۔

اور بکر اس بات کا قائل ہے کہ وضع جبہ کا نام سجدہ ہے، اور ارض کی قید اتفاقی ہے اور ارض کو طہور یا مسجد فرمایا جانا افضلیت کا مرجح بایں معنی نہیں ہے کہ اس میں حرج اور تنگی ہے اور گرد وغبار کا پیشانی پر لگ جانا فرش و چٹائی پر بھی ممکن ہی نہیں ہے، بلکہ واقع ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

حامدًا ومصلیاً ومسلماً:

فریقین کے دلائل سے قطع نظر اس باب میں فقہائے کرام کا دوٹوک فیصلہ موجود ہے کہ نماز میں سجدہ زمین، اور اس سے اگنے والی چیزوں پر افضل ہے، اور حضرات فقہا کے کلام میں اس کی دو وجہیں ہم کو مل سکیں: اول یہ کہ یہ اقرب إلی التواضع ہے، دوم یہ کہ کپڑوں کے متعدد انواع پر سجدہ کرنا امام مالک کے نزدیک مکروہ ہے

اور زمین اور اس پر اگنے والی چیزوں پر سجدہ کرنے سے امام مالک کے اختلاف سے عملاً اجتناب ہو جاتا ہے، اور خرج من الخلاف اولیٰ ہے۔

في الشامي: ۳۶۸/۱: لكن الأفضل عندنا السجود على الأرض أو على ما تنبته. (۱)

وفي الكبير: ۳۴۷: (و) لكن الصلاة (على الأرض) بلا حائل (و) على (ما أنبتته الأرض)

== "لو خشع قلبه لخشعت جوارحه". العسكري في المواعظ وفيه زياد بن المنذر، متروك. (كنز العمال، فصل في مفسدات الصلاة ومكروهاتها: ۱۹۷/۸ (ح: ۲۲۵۳۰) / وفي المصنف لعبدالرزاق الصنعاني، باب العبث في الصلاة (ح: ۳۳۰۸) بلفظ: عن أبان قال: رأى ابن المسيب رجلا يعبث بلحيته في الصلاة فقال: "لو خشع قلبه لخشعت جوارحه". انيس)

(۱) ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۵۰۲/۱، دار الفكر بيروت، انيس

كالحصير والبوريا (أفضل) لأنه أقرب إلٰى التواضع وفيه خروج عن خلاف الإمام مالك فإن عنده يكره السجود على ما كان من نحو الصوف والقطن والكتان فكان أفضل.(۱)

وفى نور الإيضاح، فصل فيما لايكره للمصلى:

ولا بأس بالصلاة على الفرش والبسط واللبود ... والأفضل الصلاة على الأرض ... أوعلٰى ما تنبته، ووجهه صاحب المراقى بقوله: لقربه من التواضع وصاحب الطحطاوى: وفيه خروج عن خلاف الإمام مالك.(۲)**والله أعلم بالصواب**

کتبہ: عبداللہ غفرلہ۔ الجواب صحیح: بندہ عبدالحلیم عفی عنہ۔ الجواب صحیح: محمد حنیف غفرلہ۔ (فتاویٰ ریاض العلوم: ۲/ ۳۴۶-۳۴۷)

سجدے سے اٹھتے ہوئے سہارا لینا جائز ہے یا نہیں:

سوال: سہارا لینا سجدہ سے اٹھتے وقت بلا عذر جائز ہے یا مکروہ، اور گھٹنوں پر سہارا لینا یعنی! اعتماد علٰی الركبة اگرچہ جائز ہے، لیکن اس کا ترک مستحب ہے یا نہیں؟

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

ولايعتمد على الأرض بيديه عندقيامه وإنمايعتمد على الركبة ... وترك الاعتماد مستحب، إلخ.(۳)

اس عبارت کا کیا مطلب ہے اور اس صورت میں کیا حکم ہے؟

الجواب

درمختار میں ہے:

(ويكبر للنهوض) علٰى صدور قدميه (بلا اعتماد وقعود) استراحةٍ، إلخ.

شامی میں ہے:

(قوله: بلا اعتماد): أى على الأرض، إلخ، قال فى الكفاية: أشار به إلٰى خلاف الشافعى رحمة اللّٰه عليه فى موضعين، أحدهما: يعتمد بيديه علٰى ركبتيه، عندنا وعنده على الأرض، إلخ. (ردالمحتار: ۱/ ۳٤۰)(۴)

پس معلوم ہوا کہ مذہب حنفیہ کا "**اعتماد على الركبتين**" ہے اور مذہب امام شافعیؒ "**اعتمادعلى الأرض**" ہے۔

(۱) الحلبى الكبير شرح منية المصلى، كتاب الصلاة، بعد مكروهات الصلاة، فروع: ۳٦۰، مطبع سنده. انيس

(۲) مراقى الفلاح مع الطحطاوى، فصل فيما لا يكره للمصلى: ۲٤۸، مصرى

(۳) الفتاوىٰ الهندية، الفصل الثالث فى سنن الصلاة وآدابها: ۱/ ۷٥، دارالفكر بيروت. انيس

(۴) (رد المحتار، باب صفة الصلاة: ۱/ ٤۷۲-٤۷۳، ظفير) (فروع بالفارسية أوالتوراة أوالإنجيل، انيس

لہٰذا بلا عذر "**اعتماد علی الأرض**" نہ کرے، بلکہ "**اعتماد علی الرکبتین**" کر کے اٹھے اور عالمگیری میں جو یہ مذکور ہے: "**وترک الاعتماد مستحب**" (۱)، اس کا مطلب یہی ہے کہ ترک "**اعتماد علی الأرض**" مستحب ہے۔ فقط (فتاویٰ دار العلوم دیو بند: ۲/۱۸۵)

سجدے سے اٹھتے ہوئے سیدھا کھڑا ہونا سنت کے مطابق ہے:

سوال: غیر مقلد یہ بھی کہتے ہیں کہ حنفی لوگ سجدے سے سر اٹھانے کے ساتھ ہی سیدھے کھڑے ہو جاتے ہیں، غیر مشروع ہے اور اس سے نماز خلل پذیر ہوتی ہے، بلکہ سجدہ سے سر اٹھانے کے بعد کچھ بیٹھنا بھی چاہئے۔ یہ قول صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــــ

اس کا جواب صاحب ہدایہ نے مختصر الفاظ میں اس طرح دیا ہے:

"ولنا حديث أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم "كان ينهض في الصلوٰة علىٰ صدور قدميه"، وما رواه محمول علىٰ حالة الكبر، إلخ. (۲) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیو بند: ۲/۲۰۵-۲۰۶) ☆

(۱) الفتاویٰ الهندية، مصري، الباب الرابع في صفة الصلاة، الفصل الثالث في سنن الصلاة: ۱/۷۰، ظفیر

(۲) الهداية، باب صفة الصلاة: ۱/۱۰۱۔ (سنن الترمذي، باب منه أيضا (ح: ۲۸۸)/ عن عبد الرحمن بن يزيد قال: كان عبدالله ينهض على صدور قدميه. (المعجم الكبير للطبراني، باب (ح: ۹۳۲۸) انیس)

یعنی حضرت ابو ہریرہؓ کا بیان ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں سجدہ سے اٹھتے ہوئے سیدھے اپنے دونوں پاؤں کے سرے پر کھڑے ہو جاتے تھے، سجدہ سے سر اٹھانے کے بعد کچھ دیر بیٹھتے نہیں تھے، باقی جس روایت میں بیٹھ کر کھڑے ہونے کا ذکر ہے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑھاپے کا واقعہ ہے کہ اپنے ضعف کی وجہ سے ایسا کرتے تھے۔ اس طرح دونوں حدیثوں پر عمل کی صورت نکل آتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ ظفیر

☆ نماز میں اٹھتے وقت گھٹنوں پر ہاتھ ٹیکنا مستحب ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ کرام اس مسئلہ میں کہ رکوع سے سجدہ کی طرف جاتے وقت اور سجدہ سے قیام کی طرف آتے وقت ہاتھ کہاں رکھے، مستحب طریقہ کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ـــــــــــــــــــــ باسم ملهم الصّواب

قیام سے سجدہ کی طرف جاتے وقت ہاتھ گھٹنوں پر رکھنا مستحب نہیں، عوام اس کو مستحب سمجھتے ہیں، لہٰذا اس سے احتراز کرنا چاہیے، البتہ قعدہ یا سجدہ سے قیام کی طرف آتے وقت گھٹنوں پر ہاتھ ٹیکنا مستحب ہے۔

قال في العلائية ويكبر للنهوض علىٰ صدور قدميه بلا اعتماد وقعود استراحة ولو فعل لا بأس.

وفي الشامية: (قوله بلا اعتماد، إلخ) أي على الأرض قال في الكفاية أشار به إلىٰ خلاف الشافعي في موضعين أحدهما يعتمد بيديه علىٰ ركبتيه عندنا وعنده على الأرض والثاني الجلسة الخفيفة قال شمس الائمة الحلواني الخلاف في الأفضل حتىٰ لو فعل كما مذهبنا لا بأس به عند الشافعي ولو فعل كما هو مذهبه لا بأس به عندنا كذا في المحيط. (رد المحتار: ۱/ ۴۷۳) فقط والله تعالىٰ أعلم

۲۹/ محرم ۱۳۹۹ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ۳/۴۵)

نماز میں جلسۂ استراحت کا حکم:

سوال: نماز میں جلسۂ استراحت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــ وباللہ التوفیق

جلسۂ استراحت سے مراد آپ کی یہ ہے کہ پہلی رکعت یا تیسری رکعت میں دوسرے سجدے کے بعد بیٹھ کر کھڑا ہونا تو حنفیہ منع کرتے ہیں، اگر آپ حنفی ہیں تو آپ کو نہیں بیٹھنا چاہئے۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی ۱/۶/۱۳۷۷ھ۔(فتاویٰ امارت شرعیہ:۲/۱۳۰-۱۳۱)☆

(۱)　(ویکبر للنهوض)علٰی صدور قدمیه (بلا اعتماد و قعود)استراحة ولو فعل لا بأس.(الدر المختار)

قال في الحلية: والأشبه أنه سنة أو مستحب عند عدم العذر،فیکره فعله تنزیهًا لمن لیس به عذر.(رد المحتار،باب صفة الصلاة،فصل فی بیان تألیف الصلاة إلٰی انتهائها:۲/۲۱٤)

معلوم ہوا کہ کوئی عذر نہ ہو تو جلسۂ استراحت کے بغیر کھڑا ہو جانا مسنون و مستحب ہے، بغیر عذر جلسہ استراحت کرنے سے نماز میں کوئی خلل نہیں ہوگا؛ لیکن ایسا کرنا مکروہ تنزیہی اور خلاف اولیٰ ہوگا۔ [مجاهد]

☆　**طاق رکعتوں میں جلسۂ استراحت کی بحث:**

سوال: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طاق رکعتوں میں جلسۂ استراحت نہ کرنا یا کرنے سے منع کرنا ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــ

وعن أبی هریرة رضی اللّٰہ تعالٰی عنه قال:أن النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم کان ینهض فی الصلوٰة علٰی صدور قدمیه (الهدایة،باب صفة الصلاة:۱/۱۰۱،عن البخاری.ظفیر)

اور بہت سے صحابہ سے بھی منقول ہے۔(کذا فی شرح المنیة) (عن عبدالرحمن بن یزید یقول:رمقت عبدالله بن مسعود فی الصلاة فرأیته ینهض ولا یجلس قال:ینهض علی صدور قدمیه فی الرکعة الأولیٰ والثانیة.(المعجم الکبیر للطبرانی،باب (ح:۹۳۲۷)انیس) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۲/۱۸۶-۱۸۷)

جلسۂ استراحت درست ہے یا نہیں:

سوال: نماز میں دو سجدوں کے ختم کے بعد تھوڑی دیر بیٹھ کر دوسری رکعت کے لئے کھڑا ہونا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــ

حنفیہ کے نزدیک جلسۂ استراحت سجدہ کے بعد دوسری اور چوتھی رکعت کے لئے اٹھنے کے وقت نہیں ہے، ایسا نہ کیا جاوے۔

((و یکبر للنهوض... بلا اعتماد وقعود)استراحة ولو فعل لا بأس(الدر المختار)بلا اعتماد إلخ أی علی الأرض قال فی الکفایة:أشار به إلٰی خلاف الشافعی فی موضعین:أحدهما یعتمد بیدیه علٰی رکبتیه عندنا وعنده علی الأرض ، والثانی الجلسة الخفیفة،قال شمس الأئمة الحلوانی:الخلاف فی الأفضل حتٰی لو فعل کما هو مذهبنا لا بأس به عند الشافعی رحمه اللّٰہ تعالٰی ولو فعل کما هو مذهبه لا بأس به عندنا،کما فی المحیط آه.قال فی الحلیة:والأشبه أنه سنة أو مستحب عند عدم العذر،فیکره فعله تنزیهاً لمن لیس به عذر،آه.　==

التحیات سے قبل بسم اللہ پڑھنے کا حکم:

سوال: التحیات کے قبل بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر التحیات کو پڑھنا حدیث شریف سے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

التحیات میں پوری بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کسی حدیث میں ثابت نہیں، البتہ بعض احادیث میں اس طرح وارد ہے:

بسم اللّٰہ التحیات للّٰہ والصلوات للّٰہ والزاکیات للّٰہ إلخ. (۱)

باقی حنفیہ کے نزدیک سب سے افضل تشہد ابن مسعود ہے جوکہ ان بلاد میں رائج ہے، اس پر زیادت کرنا خلاف اولیٰ ہے، باقی اگر بسم اللہ پڑھا جاوے تو نماز میں کچھ خلل نہ آوے گا۔

قال فی الدر: (ویقرأ تشهد ابن مسعود) وجوباً کما بحثه فی البحر ، و لکن کلام غیره یفید ندبه، وجزم شیخ الإسلام الجد بأن الخلاف فی الأفضلیة، آه. (۱/۵۳۲)(۲) **واللّٰہ أعلم**

۴/رجب ۱۳۴۱ھ۔ (امداد الاحکام: ۲/۷۹) ☆

== وتبعه فی البحر وإلیه یشیر قولهم: لابأس فإنه یغلب فیما ترکه أولٰی. (رد المحتار، باب صفة الصلاة: ۱/۴۷۲، ظفیر، فروع قرأ بالفارسیة أو التوراة أو الإنجیل، انیس) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲/۱۹۱)

نماز میں جلسۂ استراحت:

سوال: سجدہ سے کھڑے ہوتے ہوئے بعض لوگ پہلے بیٹھتے ہیں، اور بیٹھ کر پھر اٹھتے ہیں، تو اس طرح بیٹھنے کا کیا حکم ہے؟ کیا ایسا کرنا سنت ہے؟ (عبدالسلام، ملے پلی)

الجواب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سجدہ سے اٹھنے کی دونوں کیفیتیں ثابت ہیں، بیٹھ کر پھر کھڑا ہونا، بغیر بیٹھے ہوئے کھڑا ہونا، (**صحیح البخاری**، حدیث نمبر: ۸۲۳، **باب من استوی قاعداً فی وتر من صلا ته ثم ینهض**، نیز دیکھئے: **مصنف ابن أبی شیبة، باب من کان یقول إذا رفعت رأسک ، إلخ.** محشی)

اس لئے دونوں صورتیں جائز ہیں، اس بیٹھک کو جلسۂ استراحت کہا جاتا ہے، بعض فقہا کے نزدیک جلسۂ استراحت مسنون اور بہتر ہے، اور حنفیہ کے نزدیک اصل مسنون طریقہ یہ ہے کہ بغیر بیٹھے ہوئے کھڑا ہو، بیٹھ کر اٹھنے والی روایت کے بارے میں احناف کا خیال ہے کہ غالباً آپ صلی اللہ علیہ وسلم بوڑھاپے اور جسم کے بھاری ہونے کے بعد اس طرح اٹھا کرتے تھے۔ (حوالہ سابق)

گویا یہ عذر کی بنا پر تھا۔

حنفیہ کی یہ بات قرین قیاس معلوم ہوتی ہے، بہتر جلسۂ استراحت نہیں کرنا ہے؛ لیکن کر لے تو جائز ہے، کراہت بھی نہیں، چنانچہ علامہ علاء الدین حصکفیؒ جلسۂ استراحت کے بارے میں فرماتے ہیں:

"**ولو فعل لابأس**". (الدر المختار علیٰ هامش الرد : ۲/۲۱۳) (کتاب الفتاویٰ: ۲/۱۸۷)

(۱) **موطأ الإمام مالک، تحقیق: الأعظمی، کتاب الصلاة، التشهد فی الصلاة: ۲/۱۲۵ (ح: ۳۰۱) انیس**

(۲) **کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فروع قرأ بالفارسیة أو التوراة أو الإنجیل، انیس** ==

تشہد عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وجوہ ترجیح:

سوال: مسند ابوعوانہ اور بیہقی وغیرہ میں تشہد ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں ''السلام علی النبی ورحمة اللّٰہ'' کے الفاظ ہیں، بعض دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین سے بھی مروی ہے کہ انہوں نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کے بعد خطاب کے صیغہ کو ترک کر دیا ہے، ہم اہل سنت والجماعت احناف پہلے الفاظ پر کیوں اڑے ہوئے ہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

عن القاسم قال: أخذ علقمة بيدى، وقال علقمة: أخذ ابن مسعود بيدى، وقال عبدالله: أخذ رسول الله صلى الله عليه وسلم بيدى، فقال: إذا جلست فى الصلاة فقل: "التحيات للّٰه والصلوات و الطيبات السلام عليك أيها النبى ورحمة الله وبركاته السلام علينا وعلى عباداللّٰه الصالحين أشهد أن لا اله الا الله وأشهد أن محمداً عبده ورسوله". (الحديث) (أخرجه محمد فى كتاب الحجة: ١٣٤ــــ وجماعة من المحدثين منهم أبو داؤد والطحاوى والدارمى والدارقطنى والبيهقى والبخارى ومسلم وغيرهم)(۱)

== ☆ قبل از التحیات بسم اللہ پڑھنا:

سوال: التحیات پڑھنے سے پہلے اگر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ لیا تو نماز درست اور سنت کے مطابق ہو جائے گی؟ یا اعادہ واجب ہوگا؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــــــ

حامدًا و مصليًا و مسلمًا:

چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے التحیات سے پہلے بسم اللہ پڑھنا منقول نہیں، اس لئے بسم اللہ پڑھنا سنت کے مطابق نہ ہوگا، البتہ مکروہ بھی نہ ہوگا اور نہ اعادہ واجب ہوگا۔ (بعض طرق میں بسم اللہ کی زیادت بھی ہے، لہٰذا سجدۂ سہو تو نہ ہوگا، مگر ایسا کرنا اچھا نہیں، اب اگر محض بسم اللہ زیادہ کیا تو یہ تو جائز ہے'' لکونہ وارداً'' اور اگر ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' زیادہ کیا، تو اس میں کراہتِ تنزیہی ہوگی'' لکونہ غیر واردٍ'' اور سجدۂ سہو نہ ہوگا''لكونه زيادة فى التشهد لا على التشهد''. (امداد الاحکام: ۱/۵۸۷، کراچی) واللہ اعلم بالصواب

کتبہ: محمد حمزہ غفرلہ ۱۷/۲/۱۴۱۴ھ۔ الجواب صحیح: محمد حنیف غفرلہ۔ (فتاویٰ ریاض العلوم: ۲/۳۴۱)

(۱) سنن الدارقطنى، باب صفة التشهد ووجوبه واختلاف الروايات فيه (ح: ١٣٣٣)/مسند أبى حنيفة رواية أبى نعيم: ٩٣/١، مكتبة الكوثر الرياض/السنن الكبرىٰ للبيهقى، باب باب تحليل الصلاة بالتسليم (ح: ٢٩٦٥)/كتاب الآثار لأبى يوسف، باب التشهد (ح: ٢٦٩)/صحيح البخارى، باب التشهد فى الآخرة (ح: ٨٣١)/الصحيح لمسلم، باب التشهد فى الصلاة (ح: ٤٠٢)/سنن أبى داؤد، باب التشهد (ح: ٩٦٨)/سنن الترمذى، باب ماجاء فى التشهد (ح: ٢٨٩)/مسند البزار، حماد بن أبى سليمان عن إبراهيم عن علقمة عن عبدالله (ح: ١٥٥٥)/سنن الدارمى، باب فى التشهد (ح: ١٣٧٩)/سنن النسائى، باب كيف التشهد (ح: ١٢٧٩)/مسند أبى يعلى الموصلى، مسند عبدالله بن مسعود (ح: ٥١٣٥)/مستخرج أبى عوانة، باب إيجاب قراءة التشهد عند القعدة (ح: ٢٠٢٦)/شرح معانى الآثار، باب لاتشهد فى الصلاة كيف هو؟ (ح: ١٥٥٦) انيس)

وجوہ ترجیح:

(۱) امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے تلمیذ خاص حضرت امام محمد رحمہ اللہ کا فیصلہ ہے کہ!

وليس فى التشهد شيء أوثق من حديث عبد الله ابن مسعود رضى الله تعالىٰ عنه. (كتاب الحجة: ۱۳۰)

اس سے زیادہ پختہ حدیث تشہد کے باب میں موجود نہیں۔

(۲) **وفى المؤطا: كان عبد الله بن مسعود رضى الله تعالىٰ عنه يكره أن يزاد فيه حرف أوينقص منه حرف.** (۱۵۷/۱)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشہد میں ایک حرف کی بھی کمی زیادتی کو جائز نہیں رکھتے تھے۔

(۳) ایسے ہی طحاوی شریف میں مروی ہے کہ ایک شخص نے تشہد سے قبل بسم اللہ کا اضافہ کیا تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: "**أتأكل**" کیا تو کھانا کھاتا ہے کہ بسم اللہ کہہ ڈالا ہے، یعنی بسم اللہ کے اضافہ پر بھی (حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے) تنبیہ فرمائی۔

(۴) ایسے ہی کسی شخص نے "**وحده لا شريك له**" کا اضافہ کرنا چاہا تو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شاگرد حضرت علقمہؒ نے اس کی اصلاح فرمائی۔

(۵) جتنے محدثین نے مذکورہ بالا حدیث کی تخریج کی ہے مسئولہ حدیث کی تخریج اتنے محدثین نے نہیں کی۔

(۶) یہ تشہد حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد فرمودہ ہے، مسئولہ تشہد تعلیل فرمودہ ہی نہیں۔

(۷) حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کسی حدیث میں یہ تفصیل بیان نہیں فرمائی کہ یہ تشہد میری زندگی تک ہے، میرے رخصت ہو جانے کے بعد اس میں یوں تبدیلی کر لینا۔

(۸) جب حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کمی وزیادتی کو مکروہ جانتے تھے تو پھر انہوں نے یہ تبدیلی کیسے کر لی، تبدیلی اور مکروہ کیسے جمع ہو گئے؟ نیز یہ تبدیل شدہ الفاظ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد فرمودہ الفاظ کے مقابلہ میں حجت نہ ہوں گے؛ کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں بھی جو صحابہؓ حاضر خدمت نہ ہوتے تھے، وہ بغیر تبدیلی کے تشہد پڑھتے تھے۔

(۹) حضرت امام ترمذیؒ فرماتے ہیں:

وهو أصح حديث عن النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فى التشهد والعمل عليه عند أكثر أهل العلم من أصحاب النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ومن بعدهم من التابعين. (الترمذى: ۶۱/۱)(۱)

---

(۱) أبواب الصلاة، باب ما جاء فى التشهد، رقم الحديث: ۲۸۹، انيس

یہ حدیث تشہد کے باب میں سب سے اصح ہے، اکثر حضرات صحابہؓ اور تابعین کا اسی پر عمل ہے۔فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ، نائب مفتی خیر المدارس ملتان۔۲۶/۱۱/۱۴۰۳ھ۔

الجواب صحیح: فقیر محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی جامعہ ہٰذا۔۲۹/۱۱/۱۴۰۳ھ۔ (خیر الفتاویٰ:۲/۲۸۰-۲۸۱)

تشہد میں ''وَالطَّیِّبَاتِ'' کو ''السَّلاَمُ'' کے ساتھ ملا کر پڑھنا:

سوال: تشہد میں لفظ ''والطیبات'' کو لفظ ''السلام علیک'' سے ملانا افضل ہے، یا جدا پڑھنا افضل ہے اور دوسرے لفظ ''وبرکاته'' کو ''السلام علیک'' سے ملانا افضل ہے یا جدا پڑھنا؟

الجواب ــــــــــــــــ حامداً و مصليًا

جدا کر کے پڑھنا افضل ہے، یہ مقولہ الگ الگ ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے۔(۱) فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیو بند۔ (فتاویٰ محمودیہ:۵/۶۳۴)

تشہد میں ''السلام علیک'' پر کیا نیت کرے:

سوال: ''جوہرہ نیرہ'' میں ایک مرتبہ دیکھا تھا کہ تشہد میں ''السلام علیک'' کہتے وقت حکایت صلوۃ کا خیال ہونا چاہئے جو معراج میں ہوئی تھی۔(۲) شامی میں اس کے برخلاف لکھا ہے کہ انشاء صلوۃ مدنظر رہنا چاہئے، اخبار اور حکایت نہیں (۳) ان دونوں قولوں میں کون صحیح ہے؟ دوسرے یہ انشاء صلوۃ کی صورت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب بالواسطہ ہوگا یا بلا واسطہ، اگر بالواسطہ ہوگا تو اس کی تصریح کہاں ہے اور اگر بلا واسطہ ہے تو کیا حضور صلی اللہ علیہ وتعالیٰ علیہ وسلم حاضر بھی ہیں؟ صاحب جوہرہ کون ہیں، ان کے ہمنوا اس مسئلہ میں کون کون ہیں؟

---

(۱) ''عن شقيق بن سلمة قال: قال عبد الله رضي الله تعالىٰ عنه: كنا إذا صلينا خلف النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قلنا: السلام على جبرئيل و ميكائيل ، السلام علىٰ فلان وفلان، فالتفت إلينا رسو ل الله تعالىٰ عليه وسلم فقال: إن اللّٰه هو السلام، فإذاصلى أحدكم فليقل: التحيات للّٰه والصلوات والطيبات، السلام عليك أيهاالنبي ورحمة الله وبركاته، السلام علينا وعلىٰ عبادالله الصالحين، فإنكم إذاقلتموها أصابت كل عبد للّٰه صالح في السماء والأرض، أشهد أن لاإلٰه إلا اللّٰه وأشهد أن محمداً عبده ورسوله''. (صحيح البخاري، كتاب الأذان، باب التشهد في الآخرة: ۱/۱۱۵، قديمي، سعيد) (ح: ۸۳۱) انيس)

(۲) قوله: السلام عليك أيها النبي ورحمة اللّٰه وبركاته): أي ذلك السلام الذي سلمه الله عليك ليلة المعراج، فهٰذا حكاية عن ذلك السلام لا إبتداء السلام، ومعنى السلام: أي السلامة من الآفات''. (الجوهرةالنيرة علىٰ المختصرالقدوري، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۱/۶۵، حقانية، ملتان)

(۳) ''(ويقصد بالفاظ التشهد) معانيها مرادةً له علىٰ وجه (الإنشاء) كأنه يحيىٰ الله تعالىٰ ويسلم علىٰ نبيه وعلىٰ نفسه وأوليائه، (لاالإخبار)''. (الدرالمختار، كتاب الصلاة، فصل في بيان تأليف الصلاةإلىٰ انتهائها: ۱/۵۱۰، سعيد)

الجو ابـــــــــــــــــــــــ حامداً و مصليًا

شامی کا قول اقرب معلوم ہوتا ہے۔خطاب حاضر وناظر جان کرنہیں، بلکہ اس اعتقاد کے ماتحت ہے کہ ملائکہ کے ذریعہ سے پیش کیا جائے، جیسا کہ خط میں کسی کو خطاب کیا جاتا ہےاور یہ عقیدہ نہیں ہوتا کہ مکتوب الیہ حاضر ہے، بلکہ یہ اعتقاد ہوتا ہے کہ ڈاک کے ذریعہ سے یہ خط مکتوب الیہ کے پاس پہونچ جائے گا، حدیث شریف میں موجود ہے کہ ''اللہ تعالیٰ نے ملائکہ مقرر فرما رکھے ہیں جو درود وسلام پہونچاتے ہیں'' البتہ روضۂ اقدس پر حاضر ہوکر جو درود وسلام پڑھا جائے، اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود سنتے ہیں۔(۱)

''عن عبد اللّٰه رضی اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه علیه وسلم: ''إن للّٰه ملائكة سياحين فى الأرض يبلغونى من أمتى السلام''. (للنسائی)(۲)

''عمار بن ياسر- إن اللّٰه وكّل بقبرى ملكاأعطاه أسماع الخلا ئق، فلايصلى علىٰ أحد إلىٰ يوم القيامة إلا أبلغنى باسمه واسم أبيه هٰذا فلان بن فلان قد صلىٰ عليک''. (للبزاربضعف)

''(عبداللّٰه بن دينار) رأيت ابن عمر رضى اللّٰه تعالىٰ عنهما يقف علىٰ قبرالنبى صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم، فيصلى النبى صلى اللّٰه وتعالىٰ عليه وسلم وأبى بكروعمر''. لمالک، آهـ. (جمع الفوائد: ۲/ ۲۷۲- ۲۷۳)(۳)**فقط واللّٰه أعلم**

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔(فتاویٰ محمودیہ: ۵/ ۶۳۳- ۶۳۴)

الفاظ تشہد میں اضافہ:

سوال: التحیات میں ''**أشهد أن لاإله إلا اللّٰه**'' کے بعد ''**وحده لاشريک له**'' پڑھنا چاہئے یا نہیں؟ یہ سنت ہے یا نہیں؟ (حافظ علی احمد، گودھام)

---

(۱) عن أبى هريرة رضى اللّٰه تعالىٰ عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: ''من صلى علىّ عند قبرى سمعته، ومن صلىٰ على نائياً ابلغته''. (رواه البيهقى فى شعب الإيمان) (مشكوٰة المصابيح، كتاب الصلاة، باب الصلاة علىٰ النبى صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم وفضلها: ۱/ ۸۷، قديمى) (ح: ۹۳٤) انيس)

(۲) سنن النسائى، كتاب السهو، باب السلام علىٰ البنى صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم: ۱/ ۱۸۹، قديمى) (ح: ۱۲۸۱) انيس)

(۳) جمع الفوائد من جامع الأصول ومجمع الزاوائد، كتاب الأذكاروالأدعية، الأستغفروالتسبيح و التهليل والتكبيروالتحميدوالحوقلة والصلوٰة علىٰ النبى صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم: ۲/ ٤۷٥، المكتبة الإسلامية سمندرى فيصل آباد، پاكستان)

مسند البزار، ابن الحميرى عن عمار (ح: ۱٤۲٥)/ موطأالإمام مالک، ت: الأعظمى، باب ماجاء فى الصلاة على النبى صلى الله عليه وسلم (ح: ٥۷٤) انيس

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً و مصليًا

اس جگہ "وحده لاشريک له" پڑھنا بعض روایات میں آیا ہے، (۱) لیکن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں نہیں، (۲) اسی کو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اختیار فرمایا ہے۔ (۳) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۶۳۲/۵)

---

(۱) عن أبي بشر سمعتُ مجاهدًا، يحدث عن ابن عمر عن رسول الله تعالىٰ عليه وسلم في التشهد التحيات لله والصلوات والطيبات، السلام عليک أيها النبي ورحمة الله وبركاته. قال: قال ابن عمر: زدت فيها وبركاته السلام علينا وعلىٰ عباد الله الصالحين أشهد أن لا إله إلاالله. قال ابن عمر: زدت فيها: وحده لاشريک له وأشهد أن محمداً عبده ورسوله". (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، أبواب تفريع استفتاح الصلاة بعدالتشهد: ١٤٦/١، مكتبة إمدادية) (ح: ٩٧١) انيس)

(۲) عن شقيق بن سلمة قال: قال عبدالله رضى الله تعالىٰ عنه: كنا إذاصلينا خلف النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قلنا: السلام علىٰ جبرئيل وميكائيل، السلام علىٰ فلان وفلان، فالتفت إلينا رسول الله تعالىٰ عليه وسلم فقال: "إن الله هو السلام، فإذاصلى أحدكم فليقل: التحيات لله والصلوات والطيبات السلام عليک أيهاالنبي ورحمة الله وبركاته، السلام علينا وعلىٰ عبادالله الصالحين، فإنكم إذاقلتموها أصابت كل عبد لله صالح في السماء والأرض أشهد أن لاإلٰه إلا الله وأشهد أن محمداً عبده ورسوله". (صحيح البخاري، كتاب الأذان، باب التشهد في الآخرة: ١٥٥/١، قديمي (ح: ٨٣١) انيس)

(۳) ويقرأ تشهد ابن مسعود رضى الله تعالى عنه وجوباً كما بحثه في البحر، لكن كلام غيره يفيدندبه، وجزم شيخ الإسلام الجدبأن الخلاف في الأفضلية، و نحوه في مجمع الأنهر". (الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب صفة الصلاة، فصل في بيان تأليف الصلوة إلى انتهائها: ٥١٠/١، سعيد)

☆ تشہد میں "وحده لاشريک له" کے الفاظ بڑھانا:

سوال: اگر کوئی تشہد میں "أشهد أن لا اله إلا الله" کے بعد "وحدہ لاشریک لہ" کا اضافہ کرے تو نماز کا کیا حکم ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تشہد مختلف طرق سے ثابت ہے، بعض روایات میں "وحده لا شريک له" إلخ، کا پڑھنا بھی ثابت ہے، مگر حنفیہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود کے تشہد کو اختیار کیا ہے اور مذکورہ الفاظ اس میں نہیں ہیں، اس لئے ان کا پڑھنا مناسب نہیں تاہم اگر کوئی ان الفاظ کو پڑھتا ہے تو اس کی نماز متاثر نہیں ہوگی۔

لماأخرجه أبوداؤد: من حطان بن عبد الله الرقاشي، بهٰذا الحديث، زاد فإذا قرأ فانصتوا وقال في التشهد بعدأشهد أن لا إلٰه إلاالله زاد وحده لا شرک له. (أبوداؤد، باب التشهد: ١٤٠/١) / (ح: ٩٧٣) انيس/ (عن ابن عمر عن النبي صلى الله عليه وسلم في التشهد... أشهد أن لا إلٰه إلا الله قال ابن عمرزدت فيها وحده لا شريک له وأشهد أن محمداً عبده ورسوله. (التلخيص الحبير، باب صفة الصلوة: ٢٦٦/١) (فتاویٰ حقانیہ: ۹۹/۳)

تحیات میں انگلیوں کا حلقہ:

سوال: التحیات میں کلمۂ شہادت کے اوپر انگلی کا حلقہ باندھنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب

التحیات میں انگشت وسطیٰ اور انگوٹھے کا حلقہ کرنا اور انگشت سبابہ سے اشارہ کرنا سنت ہے۔(۱) فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۱۶۱-۱۶۲)

بوقت اشارہ انگلیوں کا حلقہ کرنا جائز ہے یا نہیں:

سوال: نزدیک امام اعظمؒ کے بوقتِ تشہد وسطیٰ اور ابہام کا حلقہ کر کے اور خنصر و بنصر کو بند کر کے اشارہ کرنا جائز یا نہیں؟

الجواب

''أشارہ بالسبابہ'' کی تشہد میں یہ صورت جو سوال میں مذکور ہے کہ 'ابہام' اور 'وسطیٰ' کا حلقہ کرے 'بنصر' اور 'خنصر' کو بند کرے، کتب فقہ حنفیہ میں بھی اس کو لکھا ہے اور یہ جائز ہے اور شامی میں ہے:

فلذا قال فی منية المصلی: فإن أشار يعقد الخنصر والبنصر ويحلق الوسطٰى بالإبهام، الخ. (۲)

اور درمختار میں نقل کیا ہے:

''**الصحيح أنه يشير بمسبحة وحدها يرفعها عند النفی ويضعها عند الإثبات، إلخ.**'' (۳)

یعنی انگشت سبابہ کو ''لا إلٰہ'' کے ساتھ اٹھاوے اور ''إلا اللّٰہ'' پر رکھ دے۔ فقط۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۱۹۱-۱۹۲)

اشارہ کرنے کے لئے حلقہ کب بنایا جائے:

سوال: تشہد میں بیٹھتے ہی انگلیوں کا حلقہ بنالینا چاہئے یا جب ''أشهد أن لا إلٰه إلا اللّٰه'' پڑھیں، تب شہادت کی انگلی اٹھائیں اور باقی انگلیوں کا حلقہ بنائیں، فقہ حنفی کے مطابق جواب عنایت فرمائیں؟

(سائل: ممتاز احمد قاسمی)

---

(۱) لكن المعتمد، إلخ، أنه يشير لفعله عليه الصلاة والسلام (الدر المختار) فهو صريح فی أن المفتی به هو الإشارة بالمسبحة مع عقد الأصابع، إلخ. (ردالمحتار: ۱/۴۷۵، ظفير. كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فروع قرأ بالفارسية أو التوراة أو الإنجيل، انيس)

(۲) رد المحتار، باب صفة الصلاة: ۱/۴۷۵، ظفير) (فروع قرأ بالفارسية أو التوراة أو الإنجيل، انيس)

(۳) الدر المختار علٰى هامش رد المحتار، باب صفة الصلاة: ۱/۴۷۴، ظفير، فروع قرأ بالفارسية أو التوراة أو الإنجيل، انيس

الجواب

جب تشہد پر پہنچے، تب حلقہ بنائے۔

"والعقد وقت التشهد فقط فلا يعقد قبل ولا بعد وعليه الفتوىٰ فالظاهر يجعل المعقودة إلىٰ جهة الركبة، إلخ. (طحطاوى: ١٤٧) فقط والله أعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ، مفتی خیر المدارس ملتان۔ ۳/۴/۱۴۰۹ھ۔ (خیر الفتاویٰ: ۲/۲۶۱)

انگلیوں کا حلقہ تشہد میں کب تک باقی رکھے:

سوال: نماز کے اندر قعدہ میں جب انگشت شہادت اٹھاتا ہے تو اور چار انگلیوں کو بند کرنا ہوتا ہے، بعد تشہد کے تا سلام ان انگلیوں کو ویسا ہی رکھنا چاہئے یا کھول کر؟

الجواب

"لا إلٰه إلا الله" کہنے کے وقت جب کہ عقد اصابع یا ان کا حلقہ کرلیا ہے تو پھر اس کو فارغ ہونے تک ویسا ہی رکھنا چاہئے۔

كما نقل الشامى عن المحيط: أنها سنة يرفعها عند النفى، ويضعها عند الإثبات، وهو قول أبى حنيفة ومحمد، وكثرت به الاٰثار والأخبار فالعمل به أولىٰ، انتهىٰ. فهو صريح فى أن المفتىٰ به هو الإشارة بالمسبحة مع عقد الأصابع علىٰ الكيفية المذكورة. (ردالمحتار، المجلد الأول)(۱)

اس طرح کی متعدد عبارتیں ہیں کہ جن میں عقد اصابع واشارہ کے بعد اس کے کھولنے کا ذکر نہیں، جو کہ اس کی صریح دلیل ہیں کہ بعد عقد کھولنا مناسب نہیں۔ فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲/۲۰۲)

تشہد میں کب تک حلقہ بنائے ہوئے انگلی اٹھائے رکھے:

سوال: بہشتی زیور حصہ دوم میں لکھا ہے کہ تشہد پڑھتے وقت جب کلمہ پر پہنچے تو بیچ کی انگلی اور انگوٹھے سے حلقہ بنا کر کلمہ کی انگلی کو اٹھا دیوے اور سلام پھیرنے تک اسی طرح اٹھائے رہے؛ لیکن یہاں کے چند ملا صاحبان اس پر معترض ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ طریقہ شافعی مذہب کا ہے، حنفی مذہب میں آخر تک انگلی کو اٹھائے رکھنا، کسی کتاب میں نہیں ہے، چنانچہ ان لوگوں نے اردو کی کئی ایک کتابیں مجھے دکھلائیں، (جن میں شامی وکبیری وغیرہ کا حوالہ ہے) جس میں لکھا ہے کہ بروقت کہنے "أشهد أن لا إلٰه" کے انگلی کلمہ کی اٹھاوے اور جب "إلا الله" زبان سے کہے، اس وقت انگلی کو گرادے۔

---

(۱) رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، بحث القيام: ١/٤١٤، ظفير

عن عبدالله بن الزبير أن النبى صلى الله عليه وسلم كان إذا تشهد وضع يده اليسرىٰ على فخذه اليسرىٰ ووضع يده اليمنىٰ على فخذه اليمنىٰ وأشار بأصبعه السبابة لا يجاوز بصره إشارته. (صحيح ابن حبان، ذكر وصف ما يجعل المرء أصابه عندالإشارة (ح: ١٩٤٤) انيس)

الجواب

ذرا جھکاوے، یہ معنیٰ ہیں گرانے کے اور حلقہ بنائے رکھے اور بالکلیہ نہ گراوے۔ (۱)

صرح به ملا علی القاری فی رسالة "تزئين العبارة لتحسين الإشارة".

۱۴ر جمادیٰ الثانی ۱۳۳۳ھ۔ (تتمہ ثالثہ صفحہ: ۴۱) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۲۱۴)

تشہد میں آخر نماز تک ہاتھ کی انگلیوں کا حلقہ بنائے رکھنے اور اشارہ کی انگلی کو اسی طرح باقی رکھنے کی تحقیق:

سوال: رفع سبابہ (۲) کو سلام کے وقت تک رکھنے کی کیا دلیل ہے، میں نے بہت تلاش کی، مگر نہ ملی بلکہ مولانا عبدالحی صاحب نے "**التعليق الممجد**"، میں ملا علی قاریؒ کے حوالہ سے یہ نقل کیا ہے:

والصحيح المختار عند جمهور أصحابنا أن يضع كفيه علىٰ فخذيه ثم عند وصوله إلىٰ كلمة التوحيد يعقد الخنصر والبنصر ويحلق الوسطىٰ والإبهام ويشير بالمسبحة رافعاً لها عند النفي واضعاً عند الاثبات ثم يستمر علىٰ ذٰلک لأنه ثبت العقد عند ذٰلک بلا خلاف ولم يوجد أمر بتغييره فالأصل بقاء الشيء علىٰ ماهو عليه. (۳)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رفع سبابہ صرف نفی کے وقت ہونا چاہئے، بعدہ اس کا وضع چاہئے اور اسی طرح حلق مع وضع سبابہ اخیر صلوٰۃ تک چاہئے اور جو حدیث ترمذی کے (ابواب الدعوات، ترمذی شریف: ۲/۱۹۹) میں ہے، اس سے رفع سبابہ اِلی آخر الصلوٰۃ ظاہر نہیں ہوتا، بلکہ اس سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ قبض اَصابع وبسط سبابہ اخیر صلوٰۃ تک چاہئے، بہر کیف رفع سبابہ الیٰ آخر الصلوٰۃ کی کوئی روایت باوجود سعی کے نظر سے نہ گزری۔

الجواب

واقعی بقاء اشارہ میں روایت (۴) ترمذی کی صریح نہیں، گو محتمل ہے اور ملا علی قاریؒ کی عبارت کا مدلول بھی واقعی قبض

(۱) اس جواب سے رجوع فرمالیا گیا ہے، جو سوال "تشہد میں آخر نماز تک ہاتھ کی انگلیوں کا حلقہ بنائے رکھنے اور اشارہ کی انگلی کو اسی طرح باقی رکھنے کی تحقیق"، میں آرہا ہے۔ سعید

(۲) حضرت مجیب قدس سرہ کا ۱۳۳۳ھ کا ارقام فرمودہ فتویٰ سوال نمبر: ۱۹۸ پر آرہا ہے، (یہاں اس سے اوپر رکھ دیا گیا ہے۔ انیس) جس کا حاصل یہ ہے کہ سبابہ کو ذرا جھکادے، بالکلیہ نہ گرادے، بلکہ سلام پھیرنے تک اشارہ باقی رکھے۔ یہاں سائل اس فتویٰ پر نقد کر رہا ہے، چنانچہ حضرت مجیب قدس سرہ نے زیر نظر سوال کے جواب میں جو یکم صفر ۳۵ھ کا مرقوم ہے، اپنے سابق فتویٰ سے جو ۳۳ھ کا مرقوم تھا، رجوع فرمالیا ہے۔

اس کے بعد سوال نمبر ۱۹۷ میں اس سلسلہ میں طویل بحث آرہی ہے، جس میں سائل نے حضرت مجیب قدس سرہ کے رجوع پر نقد کیا ہے اور ابقاء اشارہ الیٰ آخر القعدہ کے دلائل بیان کئے ہیں؛ لیکن حضرت مجیب اپنے رجوع پر برقرار رہے ہیں اور سائل کی تمام دلیلوں کے جوابات دیئے ہیں۔ سعید احمد

(۳) **التعليق الممجد على موطأ الإمام محمد، باب العبث بالحصى فى الصلاة ومايكره: ۱/۴۶۳، دار القلم دمشق. انيس**

(۴) ترمذی شریف، ابواب الدعوات: ۱/۱۹۹، باب) کی یہ روایت سوال نمبر: ۱۹۷ کی وجہ ثانی میں آرہی ہے　==

اصابع وبسط سبابہ ہی کا بقا ہے نہ کہ اشارہ کا پس بہشتی زیور کے مضمون سے رجوع کرتا ہوں اور اس کو اس طرح بدلتا ہوں تشہد میں "لاإلٰــہ" کے وقت انگلی اٹھاوے اور "إلا الــلّٰــہ" پر جھکاوے مگر عقد اور حلقہ کی ہیئت کو آخر نماز تک باقی رکھے، **وجزاکم الله علىٰ هٰذا التنبيه.**

یکم صفر ۱۳۳۵ھ۔ (ترجیح جلد نمبر: ۵، ص:۲)

جواب بالا سے متعلق سوال وجواب:

سوال: سائل- ایک طالب علم سے مسموع ہوا کہ جناب والا نے ابقاء اشارہ الیٰ آخر القعدتین سے رجوع فرمالیا ہے، بندہ کو اس میں شبہ ہے جو بغرض حل عرض ہے، امید کہ جواب سے سرفراز فرما کر ممنون فرمایا جاوے۔

تقریر شبہ کی یہ ہے کہ رفع عند النفی ووضع عند الاثبات جسے صاحب محیط و برہان و درمختار و علی متقی و ملا علی قاری اور ان کے اتباع میں شیخ عبد الحق محدث دہلوی و مولانا عبد الحی لکھنوی وغیرھم رحمہم اللہ تعالیٰ نے اختیار فرمایا ہے، اس کا ثبوت کسی حدیث یا اثر یا روایت عن الائمہ سے نہیں ملتا، سوائے اس کے کہ شمس الائمہ حلوانیؒ سے مروی ہے اور نکتہ رفع للنفی ووضع للاثبات کو متضمن ہے۔

مجیب- شمس الائمہ حلوانی حسبِ تصریح شامی فقہا کے طبقہ ثالثہ سے ہیں کہ ہمارے لئے ان کا بلکہ ان کے مابعد والوں کا قول بھی حجت ہے۔ چنانچہ درمختار میں ہے:

وأما نحن فعلينا اتباع مارجحوه وما صححوه، إلخ. (۱)

پھر دوسرے مصنفین کثیرین کا نقل کرنا دال ہے کہ یہ قول منصوص اور معتمد ہے، شاذ یا مرجوح نہیں۔ اس لئے صاحب تزیین العبارۃ نے اس کو جمہور کا قول کہا ہے:

وقالوا (أى جمهور علمائنا): يرفع المسبحة عند قول لاالٰه ويضعها عند قول إلاالله، إلخ. (ص:۳)

اور ایک جگہ کہا ہے:

الـصـحيـح الـمختار عند جمهور أصحابنا أنه يضع (إلٰى قوله) ويشير بالمسبحة رافعاً لها عند النفي واضعاً لها عند الاثبات. (ص:۱۷)

پس ہم کو مقلد ہونے کی حیثیت سے ان کی مخالفت یا ان سے مطالبۂ دلیل کی گنجائش نہیں۔

== اور ملا علی قاریؒ کی عبارت سے وہ عبارت مراد ہے جو سوال میں ذکر کی گئی ہے۔ حضرت مجیبؒ کا سابق فتویٰ مرقومہ ۱۳۳۳ھ در بارۂ ابقاء اشارہ الیٰ آخر القعدۃ ملا علی قاریؒ کی اسی عبارت سے مستفاد تھا، لیکن عبارت کا مطلب سمجھنے میں تسامح ہوا تھا اب اس کا صحیح مطلب سمجھ میں آیا ہے اس لئے سابق فتویٰ سے رجوع کیا گیا ہے۔ سعید احمد

(۱) الدر المختار، مقدمة قبل، كتاب الطهارة: ۷۷/۱

فی رد المحتار تحت قول الدر المختار: کما لو أفتونا فی حیاتهم مانصه: أی کما نتبعهم لو کانوا إحیاء وأفتونا بذٰلک فإنه لا یسعنا مخالفتهم. (۸۰/۱)(۱)

البتہ اگر اس کے مقابل مذہب میں دوسرا قول بھی منقول ہوتا تو اس کی ترجیح ممکن تھی یا کوئی صحیح وصریح حدیث اس کے خلاف ہوتو پھر اس قول کا ترک واجب ہوتا اور اگر روایات حدیثیہ میں غور کیا جائے تو تخصیص اشارہ بوقت تہلیل کا پتہ بھی لگتا ہے۔

فی تزئین العبارة عن معا ذ بن جبل وفیه یشیر بأصبعه إذا دعا. (رواه الطبرانی فی الکبیر: ۹)(۲)

اور دعا کی تفسیر تشہد کے ساتھ مسلم ہے اور ظاہر ہے کلمۂ اذا توقیت کے لئے ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اشارہ صرف تہلیل کے وقت تھا، پس تہلیل کے ختم پر اشارہ بھی ختم ہوجاوے گا اور یہی حاصل ہے رفع عند النفی ووضع عند الاثبات کا اور ابوداؤد ونسائی کی روایت میں ہے:

رافعاً أصبعه السبابة وقد حناها شیئاً أی أمالها. (تزئین، ص: ۸)(۳)

اور اشارہ میں انگلی کا سیدھا ہوجانا مشاہد ہے۔ پس یہ انحناء اس وقت ہوسکتا ہے کہ اشارہ تو نہ رہے؛ لیکن ہیئت عقد کی باقی رہے، پس اس سے دو امر ثابت ہوئے، ایک اشارہ کا آخر تک مستمر نہ رہنا، دوسرے عقد کا مستمر رہنا، پھر عدم استمرار اشارہ کی تفسیر اوپر کی حدیث "**إذا دعا**" سے ہوگئی۔

سائل: بخلاف ابقاء اشارہ الیٰ آخر القعدتین کے کہ اس کے ثبوت میں متعدد وجوہ ذہن میں آتے ہیں، جن میں چند عرض ہیں۔

وجہ اول روایت ترمذی مندرجہ وجہ ثانی کو ملاعلی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ تزئین العبارۃ میں نقل کر کے فرماتے ہیں:

وروىٰ أبویعلٰی نحوه (أی نحوماروی الترمذی الاٰتی فی الوجه الثانی) وقال فیه بدل بسط: یشیر بالسبابة، انتهیٰ،(۴)**وهٰکذا نقل الشامی فی رفع التردد عن تزئین العبارة۔**

یہ حدیث ابویعلیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارہ کو آخر سلام تک باقی رکھنے پر صراحۃً دال ہے۔

مجیب: اس روایت کی مجھ کو تحقیق نہیں، اگر یہ قواعد کے موافق قابل احتجاج ہوتو بے شک اس پر عمل اور اس قول

---

(۱) الدر المختار، مقدمة قبل کتاب الطهارة: ۷۷/۱

(۲) رواه الطبرانی فی المعجم الکبیر عن عبداللّٰه بن الزبیر، معجم عبد اللّٰه بن الزبیر بن العوام (ح: ۱۴۸۲۱) انیس

(۳) سنن أبی داؤد، باب الإشارة فی التشهد (ح: ۹۹۱)/سنن النسائی، باب إحناء الالسبابة فی الإشارة (ح: ۱۲۷٤) انیس

عن عبداللّٰه بن الزبیر أن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم إذا قعد فی التشهد قال: هکذا - ووضع یحيٰ یده الیمنٰی علٰی فخذه الیمنٰی والیسریٰ علی فخذه الیسریٰ وأشار بالسباحة ولم یجاوز بصره إشارته. (مسند أبی یعلیٰ الموصلی، مسند عبداللّٰه بن الزبیر (ح: ٦٨٠٧) انیس)

مشہور کا ترک ضروری ہے اور جب تک احتجاج ہونا ثابت نہ ہو تو اس کا وجود کالعدم ہے اور اس قول کے ترک کی کوئی وجہ نہیں تو روایت ابویعلیٰ کے رجال کی تحقیق کرنی چاہئے۔

سائل: وجہ ثانی: **عن عاصم بن كليب عن أبيه عن جده قال دخلت علىٰ رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو يصلي وقد وضع يده اليسرىٰ علىٰ فخذه اليسرىٰ ووضع يده اليمنىٰ وقبض أصابعه وبسط السبابة وهو يقول يا مقلب القلوب ثبت قلبي علىٰ دينك.** (رواه الترمذي أبواب الدعوات: ۱۹۹/۲)

یہ روایت بھی روایت ابویعلیٰ کی مؤید ہے، اس لئے کہ عندالعقد والتحلیق سبابہ ذرا خمیدہ ہو جاتی ہے، بسط نہیں رہتا تاوقتیکہ ذرا اٹھائی نہ جائے۔

مجیب: یہ تو مشاہدہ کے خلاف ہے۔

سائل: پس اس روایت کا بھی مطابق نہ سہی التزامی مدلول استمرار اشارہ ہوگا، یہی وجہ ہے، جو رواۃ ماتحت میں سے کسی نے یشیر بالسبابۃ سے اور کسی نے بسط السبابۃ سے تعبیر کر دیا۔

مجیب: اس کے مبنیٰ کا خلافِ مشاہدہ ہونا مذکور ہو چکا۔

سائل: وجہ ثالث: **عن ابن عمر أن النبي صلى الله عليه وسلم كان إذا جلس في الصلوٰة وضع يديه علىٰ ركبتيه ورفع أصبعه اليمنىٰ التي تلي الإبهام ودعا بها.** (الحديث) وروا مسلم وأبوداؤد والترمذي.(۱)

وفي شرح معاني الآثار عن وائل بن حجر الحضرمي فلما قعد ... ثم عقد أصابعه وجعل حلقه بالابهام والوسطىٰ ثم جعل يدعوا بالأخرىٰ.(۲)

یہ احادیث بھی دعا کے وقت اشارہ کرنے پر دال ہیں اور اگر احادیث مذکورہ میں دعا سے دعا آخر صلوٰۃ مراد نہ لی جاوے اور دعا بمعنیٰ تشہّد یا تہلیل مراد لی جاوے تب بھی رفع عندالنفی ووضع عندالاثبات درست نہیں ہوتا، اس لئے کہ طحاوی وغیرہ نے **ثم جعل يدعوا بالأخرىٰ** روایت کی جو استمرار پر دال ہے اور یہ اس میں مقصود ہے۔

مجیب: دلالت علیٰ الاستمرار غیر مسلم ہے۔

سائل: وجہ رابع: امام طحاویؒ حدیث "**ثم جعل يدعوا بالأخرىٰ**" سے عدم تورک فی القعدۃ الاخیرۃ پر استدلال کرتے ہیں اور یہ تب ہی مستقیم ہو سکتا ہے کہ حدیث "**ثم جعل يدعوا**" میں دعاء آخر صلوٰۃ مراد ہو، پس اس سے طحاوی کا بھی استمرار اشارہ الیٰ آخر الصلوٰۃ کا قائل ہونا لازم آئے گا۔

---

(۱) الصحيح لمسلم، باب صفة الجلوس في الصلاة وكيفية وضع اليدين (ح: ۵۸۰)/سنن أبي داؤد، باب الإشارة في التشهد (ح:۹۸۷)/سنن الترمذي، باب ماجاء في في الإشارة (ح:۲۹۴)انيس

(۲) شرح معاني الآثار، باب صفة الجلوس في الصلاة كيف هو؟ (ح:۱۵۴۲)انيس

فی شرح معانی الآثار: قال أبو جعفر: فھٰذا یوافق ما ذھبوا إلیه من ذٰلک وفی قول وائل ثم عقد أصابعه یدعوا دلیل علٰی أنه کان فی آخر الصلوٰة. (۱)

مجیب: یدعو کی تفسیر میں طحاوی کا قول حجت لازمہ نہیں۔

سائل: وجہ خامس: **عن بشر أنه سمع ابن عمر یقول: إن رفعکم أیدیکم فی الصلوٰة لبدعة واللّٰه ما زاد رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم علٰی ھٰذا یعنی بأصبعه.** (رواه ابن أبی شیبة)(۲)

اس اثر سے معلوم ہوا کہ اشارہ فی الصلوٰۃ قائم مقام رفع یدین کے ہے اور ظاہر ہے کہ "**رفع یدین مع بسطھما**" سوال کے لئے موضوع ہے، نہ کہ تہلیل کے لئے کہ عادۃً سائل مسئول عنہ کی طرف ہاتھ پھیلا کر مانگتا ہے اور شریعت نے بھی اسے آداب دعا میں شمار کیا ہے، پس رفع یدین کا محل سوال ہی ہوگا، جس سے لازم آئے گا کہ اس کے نائب مناب (اشارہ بالسبابہ) کا محل بھی سوال؛ یعنی دعا آخر صلوٰۃ ہی ہو، یہ اور بات ہے کہ تہلیل مقدمہ دعا کا ہو کر کالجزء ہوجانے کی وجہ سے وہ بھی محل رفع یدین میں داخل ہوگئی اور اس کے واسطہ سے محل میں اس کے نائب کے بھی داخل ہوگئی، الخ، اس لئے ابتداءِ تہلیل ہی سے حکم اشارہ ہوا، علاوہ ازیں اشارہ میں جہۃ نیابت لرفع الیدین کے ساتھ ایک دوسری جہۃ اشارہ (فعلیہ) الیٰ التوحید والاخلاص کی تھی کہ بیہقی نے روایت کی:

"**أن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم کان یشیر بھا للتوحید**". (۳)

اور ابن تیمیمی سے مروی ہے:

سئل ابن عباس عن تحریک الرجل أصبعه فی الصلوٰة، فقال: ذٰلک الاخلاص. (۴)

لہٰذا ابتدا تہلیل ہی سے حکم ہوا کہ ادب دعاء ادا ہونے کے ساتھ ایک دوسری غایت یعنی اشارہ الیٰ التوحید والاخلاص بھی حاصل ہو کر قول وفعل میں مطابقت ہوجاوے، پھر لطف یہ کہ ان مقصدوں کے ساتھ اور فوائد بھی مثل **انقطاع طمع شیطان لإضلاله العبد والقائه فی الشرک**۔ ورفع سہو وقمع شیطان وتخویف شیطان بھی مترتب ہوتے

(۱) شرح معانی الآثار، باب صفةالجلوس فی الصلاة کیف ھو؟ : ۲۵۹/۱ (بعد رقم الحدیث: ۱۵۴۲) عالم الکتاب. انیس

(۲) وفی مسندالإمام أحمد، مسند عبداللّٰه بن عمر (ح: ۵۲٦٤) بلفظ: إن رفعکم أیدیکم بدعة مازاد رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم علی ھذا یعنی إلی الصدر. (انیس)

(۳) عن مقسم بن أبی القاسم قال: حدثنی رجل من أھل المدینة قال: صلیت إلی جنب خفاف بن إیماء بن رخصة فرآنی أشیر بأصبعی فی الصلاة فقال: ابن أخی، لم تفعل ھذا؟ قلت: إنی رأت خیار الناس وفقاء ھم یفعلونه قال: قدأصبت، رأیت رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم کان یشیر بأصبعه إذا جلس یتشھد فی صلاته وکان المشرکون یقولون: إنما یسحرنا، وإنمایریدالنبی اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم التوحید. (سنن البیھقی الکبریٰ، باب ماینوی مشیر بإشارته فی التشھد (ح: ۲۷۹۲) انیس)

(۴) مصنف عبدالرزاق الصنعانی، باب رفع الیدین فی الدعاء (ح: ۳۲٤٤) انیس

ہیں کہ وارد ہوا: " **لَهِيَ أى الاشارة أشد علٰى الشيطان من الحديد**". (رواه البيهقى) (۱) اور وارد ہوا: " **هى مذبّة الشيطان لايسهو أحدكم مادام يشير بأصبعه**" (۲) اور وارد ہوا: "**تحريک الأصبع فى الصلوٰة مذعرة للشيطان**". (رواه البيهقى) (۳)

الحاصل اشارہ بالمسبحہ قائم مقام رفع یدین للدعاء ہونے کی وجہ سے آخر سلام تک باقی رہے گا۔

مجیب: ابن عمرؓ کا قول اس میں صریح نہیں، یہ بھی معنیٰ ہو سکتے ہیں کہ حرکت رفع یدین ہیئت صلوٰۃ کے منافی ہے، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز میں اتنی حرکت سے زیادہ ثابت نہیں، پھر خواہ یہ حرکت کسی موقع پر ہو، اس سے روایت ساکت ہے اور دوسری روایات مبیّن ہیں کہ تشہّد کے وقت تھی، باقی احادیث مذکورہ وجہ ہٰذا کو، اگر ثابت بھی ہوں، مانحن فیہ سے کچھ مس نہیں اور حدیث اخیر کو تو ابن حجر نے ضعیف بھی کہا ہے، (کما فی المرقاۃ جلد اول: ۵۵۵) اور سائل نے جو تہلیل کو مقدمہ دعاء آخر صلوٰۃ ہونے کا سبب محل اشارہ ٹھہرایا ہے، اگر یہ امر صحیح ہوتا تو قعدۂ اولیٰ میں اشارہ نہ ہوتا کہ وہاں تہلیل مقدمۂ دعاء نہیں ہے، **وهو كما ترٰى**. دوسرے دعاء آخر صلوٰۃ مؤکد نہیں تو لازم آتا ہے کہ اس کے ترک پر اشارہ عبث ہو، **وهو كما ترٰى**.

سائل: وجہ سادس: جبکہ احادیث صحیحہ کثیرہ وآثار صحابہؓ سے سنّیت اشارہ ثابت ہوگئی اور اس کے مقابلہ میں کوئی حدیث یا اثر صحیح کیا ضعیف بھی ایسا نہیں پایا گیا، جو سنیتِ اشارہ کا نافع ہو تو قیاس جلی یوں چاہتا ہے کہ سنّیت اشارہ آخر قعدہ تک یوں ہی مستمر و باقی رہے کہ اصول کا مسئلہ ہے، شیء اپنی حالتِ سابقہ پر باقی رہتی ہے، تاوقتیکہ کوئی امر مغیر نہ پایا جاوے، پس حکم سنیت اشارہ آخر قعدہ تک مستمر و باقی رہے گا۔

مجیب: یہاں مغیر نہ پایا جانا یقینی نہیں، طبقہ ثالثہ کا فتویٰ دلیل ظنّی ہے، وجود مغیر کی، دوسرے ایک قیاس اس کا معارض بھی ہے، وہ یہ کہ اصل عدم اشارہ ہے اور اشارہ للعارض ہے، پس ارتفاع عارض سے اشارہ مرتفع ہو جاوے گا، جیسا رفع یدین کہ اصل نماز میں اس کا عدم ہے، مگر عارض انتقال سے اس کا تحقق ہوتا ہے، پھر اس کے ارتفاع سے وہ رفع بھی مبدل بوضع یا ارسال ہو جاوے گا، ورنہ سائل کے قیاس کا مقتضیٰ یہ ہے کہ مثلاً وتر کی رکعت ثالثہ میں جو بعد قرأت کے رفع یدین کیا جاتا ہے اور اس کے بعد وضع یا ارسال روایت میں منقول نہیں، تو چاہئے کہ وہی ہیئت رفع کی رکوع کے وقت تک مستمر رکھے اور قنوت اسی ہیئت رفع کی حالت میں پڑھا جاوے، فافہم، البتہ اس قیاس سے تزئین میں استمرار ہیئت عقد میں کام لیا ہے:

---

(۱) مسند الإمام أحمد، مسند عبدالله بن عمر بن الخطاب (ح: ٦٠٠٠) انيس

(۲) مسند الحميدى، أحاديث عبدالله بن عمر بن الخطاب ح: ٦٦٣) دار السقا دمشق، انيس

(۳) السنن الكبرىٰ للبيهقى، باب من رأى أنه أشار بها ولم يحركها (ح: ٢٧٨٨) انيس

"ویشیر بالمسبحة رافعاًلها عند النفی وواضعاً لها عند الاثبات ثم یستمر علیٰ ذلک لأنہ ثبت العقد عند الاشارة بلاخلاف ولم یوجد أمر یغیرہ فالأصل بقاء الشیء علیٰ ما ہو علیہ واستصحابہ إلیٰ آخر أمرہ ومالہ إلیہ ھٰذا. (ص:۱۷)

اوراس قیاس کا کوئی معارض بھی نہیں، بلکہ ترمذی کی حدیث اس کی مؤید ہے، پس استمرار عقد میں اس قیاس پر عمل ہوگا۔

سائل: وجہ اصابع ایسے ہی جبکہ ہمارے ائمہ ثلٰثہ ابوحنیفہ، صاحبین رحمہم اللہ سے حکم سنّیت اشارہ بروایت معتبرہ ثابت ہوگیا اوراس کے مقابلہ میں کوئی رافع نہیں پایا گیا تو حکم سنّیت اشارہ بنابر مذہب ائمہ کے بھی آخر تک باقی رہے گا۔

مجیب: **فیہ ما قد مر فی الجواب عن الوجہ السابق.**

التماس (۱) تزئین العبارۃ اگر وہاں ہو تو تکلیف فرما کر یہاں عاریۃً بھیج دیجئے، (۱) اُس کا مطالعہ ضروری معلوم ہوتا ہے۔

(۲) یہاں کتابیں نہیں ہیں، مجھ کو روایت مذکورہ وجہ اوّل سے کچھ تردد ہوگیا، اگر وہاں کے حضرات سے سب اجزاء کی تحقیق کر کے اخیر بات طے کرلی جاوے، میں اس کا اتباع کروں گا۔

۱۶/ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۵ھ۔ (ترجیح، ج:۵، ص:۶) (امداد الفتاویٰ جدید:۱/۲۰۶-۲۱۴)

تشہد میں انگلی اٹھانا کیسا ہے:

سوال: تشہد میں انگلی اٹھانا کیسا ہے، علماءِ احناف میں اختلاف ہے، بعض مستحب فرماتے ہیں اور خلاصہ کیدانی میں حرام لکھا ہے، وہ معتبر ہے یا نہیں؟

الجواب

معتبر فقہانے رفع سبّابہ کو سنت لکھا ہے، درمختار میں چند کتب کا حوالہ دیکر اس کو سنت ثابت کیا ہے اور عدم رفع کو خلاف روایت ودرایت لکھا ہے اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے موطأ میں مذہب امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا رفع سبّابہ لکھا ہے، پس خلاصہ کیدانی وغیرہ کے حوالہ سے اس کو حرام کہنا غلط ہے اور تفصیل اس کی کتب فقہ میں موجود ہے۔ درمختار، شامی، فتح القدیر وغیرہ کو دیکھنا چاہئے، خلاصہ کیدانی کے قول کا اس بارہ میں اعتبار نہ کیا جاوے، اس نے صریح غلطی کی ہے کہ فعل سنت کو حرام لکھا۔ فقط (۲) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۱۷۲-۱۷۳) ☆

(۱) چنانچہ وہ رسالہ مل گیا، اس کو دیکھ کر جواب ہذا میں کہیں کہیں اضافہ بھی واقع ہوا ہے۔ منہ

(۲) (ولایشیر بسبابتہ عند الشهادة وعلیہ الفتویٰ) کما فی الولوالجیة والتجنیس وعمدة المفتی وعامة الفتاویٰ، لکن المعتمد ماصححه الشراح، ولاسیما المتأخرون کالکمال و الحلبی والبهنسی والباقلانی وشیخ الإسلام الجد وغیرهم أنه یشیر لفعله علیه الصلوٰة والسلام ونسبوه لمحمد والإمام، ==

== بل فی متن در ر البحار و شرحه غررالأذکار: المفتیٰ به عندنا أنه یشیر باسطاً أصابعه کلها،وفی الشرنبلالیة عن البرهان:الصحیح أنه یشیر بمسبحته وحدها یرفعها عند النفی ویضعها عند الإثبات،واحترزبالصحیح عما قیل لا یشیر،لأنه خلاف الدرایة و الروایة وبقولنا بالمسبحة عما قیل یعقد عندالإشارة،آه.وفی العینی عن التحفة:الأصح أنها مستحبة،وفی المحیط:سنة.(الدرالمختار)

وفی المحیط أنها سنة یرفعها عند النفی ویضعها عند الإثبات هوقول أبی حنیفة ومحمد رحمهما اللّٰه وکثرت به الآثاروالأخبار فالعمل به أولیٰ،آه.فهوصریح أن المفتی به هوالإشارة بالمسبحة،إلخ.(ردالمحتار،باب صفة الصلاة: ۱/ ٤٧٤،ظفیر)(کتاب الصلاة،قبیل مطلب مهم فی عقد الأصابع عند التشهد ، انیس)

☆ تشہد میں انگشت شہادت اٹھانا:

سوال: تشہد میں انگشت شہادت کا اٹھانا مسنون ہے یا نہیں؟

الجواب

روایات متعلق رفع سبابہ یہ ہیں:

فی الدرالمختار:لٰکن المعتمد ماصححه الشراح،ولاسیما المتأخرون کالکمال والحلبی والبهنسی والباقانی وشیخ الإسلام الجد وغیرهم أنه یشیرلفعله علیه الصلوٰة والسلام،ونسبوه لمحمد والإمام،بل فی متن دررالبحاروشرحه غررالأذکار: المفتیٰ به عندنا أنه یشیر،إلخ،وفی الشرنبلالیة عن البرهان:الصحیح أنه یشیربمسبحته وحدها یرفعها عند النفی ویضعها عند الإثبات،واحترزبالصحیح عما قیل لایشیرلأنه خلاف الدرایة والروایة،إلخ. (الدرالمختار)(الدرالمختارعلیٰ هامش ردالمحتار،باب صفة الصلاة: ۱/ ٤٧٤،ظفیر)(فروع بالفارسیة أوالتوراة أوالإنجیل،انیس)

اورشامی میں ہے:

وفی المحیط:أنها سنة،یرفعها عند النفی،ویضعها عندالإثبات وهوقول أبی حنیفة و محمد رحمهمااللّٰه وکثرت به الآثاروالأخبارفالعمل به أولیٰ،آه،فهوصریح فی أن المفتی به هوالإشارة بالمسبحة مع عقد الأصابع،إلخ.

وقال فی الشرح الکبیر:قبض الأصابع عندالإشارة هوالمروی عن محمدرحمه اللّٰه فی کیفیة الإشارة وکذا عن أبی یوسف رحمه اللّٰه فی الأمالی وهذا فرع تصحیح الإشارة وعن کثیرمن المشائخ لایشیرأصلاً وهوخلاف الدرایة والروایة فعن محمد رحمه اللّٰه أن ماذکره فی کیفیة الإشارة قول أبی حنیفة رحمه اللّٰه انتهیٰ ومثله فی فتح القدیر،وفی القهستانی وعن أصحابنا جمیعاً أنه سنة فیحلق إبهام الیمنیٰ ووسطاها ملصقاً رأسها برأسها،ویشیربالسبابة إلخ.(ردالمحتار: ٣٢٤،المجلدالأول)(رد المحتار،کتاب الصلاة،باب صفة الصلاة،قبیل مطلب مهم فی عقدالأصابع عند التشهد: ۱ / ٣٧٤،ظفیر)

(ان روایات سے معلوم ہوا کہ تشہد میں انگشت شہادت اٹھانا مسنون ہے،اوراس کا طریقہ یہ ہے کہ دائیں ہاتھ کے انگوٹھے اور بیچ کی انگلی کے سروں کو ملا کر حلقہ بنائے اور شہادت کی انگلی سے اشارہ کرے۔ظفیر)(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/ ۱۸۰۔۱۸۱) ==

تشہد میں انگلی سے اشارہ کرنا کیسا ہے:

سوال: رفع سبابہ میں عقد شروع قعود وتشہد سے اور رفع وقت شہادت کے سنت صحیحہ سے ثابت ہے یا نہیں؟ با وجود ثبوت اس کے عامل کو برا جاننا اور لا مذہب کہنا کیسا ہے اور یہ مذہب حنفیہ میں بھی ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب

عمل رفع سبابہ کا تشہد میں سنت ہے، اس کے عامل کو برا جاننا زبوں امر ہے، حق تعالیٰ اس کو ہدایت فرمائے اور حنفیہ بھی اس کی سنیت کے مقر ہیں، اس پر لا مذہب کہنا سخت نا زیبا ہے۔ فقط (تالیفات رشیدیہ:۲۶۶) ☆

☆ تشہد کے وقت انگلی اٹھانا:

سوال: تشہد میں شہادت کی انگلی اٹھانا سنت ہے یا نہیں؟

الجواب

بعض نے اس کو مکروہ لکھا، مثلاً صاحب منیۃ المفتی اور بعض نے حرام، جیسا کہ خلاصہ کیدانی میں صراحت ہے اور بعض حضرات نے مستحب، چنانچہ تحفہ کے رمز الحقائق میں ہے اور بعض نے لکھا ہے کہ اشارہ نہ کرنا ہی مختار ہے، چنانچہ عالمگیریہ میں خلاصہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے؛ لیکن یہ سب اقوال تحقیقی نہیں ہیں، صحیح مسلک یہ ہے کہ اشارہ کرنا سنت ہے اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے اور امام محمدؒ نے اپنے موطأ میں لکھا کہ یہی میرا اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے۔ صحابہ کرام اور ائمہ سلف کا اس بارہ میں کوئی خلاف منقول نہیں اور جو شخص کہ اس کو حرام یا مکروہ کہتا ہے، وہ گنہگار ہے اور ملا علی قاریؒ نے اسی مسئلہ پر ایک رسالہ لکھا اور خلاصہ کیدانی والے کی خوب خبر لی۔ ملا علی قاری فرماتے ہیں:

لو يعلم من الصحابة ولا من علماء السلف خلاف في هذه المسئلة ولا في جواز هٰذه الإشارة بل قال إمامنا الأعظم وصاحباه وكذا الإمام مالك والشافعي وأحمد وسائر علماء الأمصار و الأعصار أجمعين علىٰ ما ورد به صحاح الأخبار والآثار وقد نص عليه مشائخنا المتقدمون والمتأخرون فلا اعتداد لما عليه المخالفون ولا عبرة لما ترك هٰذا السنة الأكثرون من سكان ماوراء النهر وأهل خراسان والعراق والروم وبلاد الهند، انتهىٰ (وعن المشايخ لايشير أصلاً، وهو خلاف الدراية والرواية. (مرقاة المفاتيح، باب صفة الصلاة: ۲/۲۶۳، دار الفكر. انيس)

اور البحر الرائق میں ہے:

”ورجح في فتح القدير القول بإشارة وأنه مروى عن أبي حنيفة كما قال محمد فالقول بعدمها مخالف للرواية والدراية، ورواها في الصحيح لمسلم من فعله صلى الله عليه وسلم وفي المجتبىٰ: لما اتفقت الروايات عن أصحابنا جميعًا في كونها سنة وكذا عن الكوفيين والمدنيين وكثرت الأخبار والآثار كان العمل بها أولىٰ، انتهىٰ (كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، آداب الصلاة: ۱/ ۵۶۵، دار الكتب العلمية، بيروت، انيس)

(مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحیٔ اردو:۲۲۲)

تشہد میں انگلی اٹھانے کی شرعی حیثیت:

سوال: کیا نماز میں التحیات میں کلمہ کی انگلی اٹھانا مسنون ہے؟

الجواب

رفع سبابہ نماز میں سنت ہے، یعنی التحیات میں أشهد أن لا إلٰه الا اللّٰه پڑھنے کے وقت انگشت شہادت اٹھانا سنت ہے اور یہ علماءِ حنفیہ کے نزدیک بھی سنت ہے، چنانچہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ کی تحقیق میں ایک رسالہ لکھا ہے اور اس میں پورے طور پر روایات نقل کی ہیں، اس کی عبارت یہاں نقل کی جاتی ہے اور وہ عبارت یہ ہے:

"رفعها إلى القبلة لحديث رواه البيهقي وأن ينوى برفعها التوحيد والاخلاص لحديث فيه رواه البيهقي وأن لايجوز بصره أشارته لاتباع المروى وأن يخصص الرفع بقوله لا إلٰه إلا اللّٰه كما فى رواية مسلم وأن يستمر على الرفع إلى آخر التشهد كما قاله البعض واحترز به عن قول جمع بأن الأولٰى عند الفراغ إعادتها، انتهٰى، والأول هو المعمول لأن الاعادة يحتاج رواية.

ترجمہ: یعنی اور مسنون ہے یہ کہ اٹھائی جائے انگشت شہادت قبلہ کی جانب اور یہ حکم حدیث سے ثابت ہے، روایت کیا اس حدیث کو بیہقی نے اور مسنون ہے کہ جب انگشت شہادت اٹھائی جائے تو نیت توحید اور اخلاص کی کرے اور یہ حکم بھی حدیث سے ثابت ہے اور یہ حدیث بھی بیہقی نے روایت کی ہے اور مسنون یہ ہے کہ تجاوز نہ کرے نظر مصلی کی اس کے اشارہ سے، تا کہ حدیث کی اتباع ہو اور خاص اس وقت انگشت شہادت کو اٹھائے، جب لا إلٰه إلا اللّٰه پڑھے اور ایسا ہی مسلم کی روایت میں ہے اور بعض علماءِ کرام کے نزدیک یہ ہے کہ آخر تشہد تک انگلی اٹھائے رہے اور یہ احتراز ہے ان لوگوں کے قول سے، جو کہتے ہیں کہ بہتر ہے کہ جب تشہد سے فارغ ہو تو پھر دوبارہ انگلی اٹھائے اور عمل اول قول پر ہے، اس واسطے کہ اس حکم کے ثبوت کے لئے ضروری ہے کہ کسی روایت سے ثابت ہو کہ تشہد سے فارغ ہونے کے بعد پھر دوبارہ انگلی اٹھانا چاہئے۔ (فتاویٰ عزیزی: ۲۷۳)

☆ اشارہ کے لیے انگلی اٹھانا:

سوال: نماز میں جب لوگ التحیات میں "عبده ورسوله" پڑھتے ہیں تو داہنے ہاتھ کی کلمہ کی انگلی اٹھاتے ہیں، یہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب

کلمے کی انگلی اٹھانا شہادتین پڑھنے کے وقت سنت ہے، احادیث صحیحہ سے ثابت ہے اور فقہ کی معتبر کتابوں سے بھی ثابت ہے، چنانچہ شرح وقایہ میں لکھا ہے:

"ومثل هٰذا جاء عن علمائنا أيضا". (باب صفة الصلاة: ۱۳۸/۱، مطبع یوسفی لکھنؤ. انیس)

ترجمہ: اور ایسا ہی ہمارے علماءِ کرام سے بھی ثابت ہے۔

==

تشہد میں بحث رفع سبابہ:

سوال: تشہد میں رفع سبابہ کے متعلق علمائے احناف کا کیا مذہب ہے، آیا سنت ہے یا واجب یا مستحب اور کس وقت سے کس وقت تک رفع کیا جاوے، حضرت مجدد صاحب رحمہ اللہ اس کے خلاف کیوں فرماتے ہیں اور حلقہ بنانا کیسا ہے؟

الجواب

صحیح یہ ہے کہ رفع سبابہ تشہد میں سنت ہے اور امام محمد رحمہ اللہ نے موطأ میں فرمایا ہے:

وهو قول أبي حنيفة رحمه الله. (موطأ الإمام محمد)

اور مستحب یہ ہے کہ نفی پر اٹھاوے اور اثبات پر رکھ دے۔

"وفي المحيط: أنها سنة يرفعها عند النفي، ويضعها عند الإثبات وهو قول أبي حنيفة ومحمد رحمهما الله وكثرت به الآثار والأخبار فالعمل به أولٰى، آه. (۱)

اور حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بر بناء علی المتون عدم رفع کو راجح سمجھا ہے؛ لیکن جمہور فقہا و محدثین نے اس کے خلاف کی تصحیح فرمائی ہے اور شراح نے متون کی روایت کو صحیح اور مفتیٰ بہ نہیں سمجھا ہے اور حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اتباع اور خلفا نے بھی قول امام ربانی کی تاویل فرمائی ہے اور اشارہ سبابہ کا سنت ہونا ثابت فرمایا ہے اور حلقہ کرنا ابہام اور وسطیٰ سے اور قبض کرنا خنصر اور بنصر کو اور اشارہ کرنا مسبحہ سے سنت ہے۔

"وصفتها: أن يحلق من يده اليمنٰى عند الشهادة والإبهام والوسطٰى ويقبض البنصر والخنصر ويشير بالمسبحة"، إلخ. (ردالمحتار) (۲) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲/۲۰۴-۲۰۵) ☆

== چنانچہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی موطأ میں اس مضمون کی حدیث نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کلمہ کی انگلی اٹھاتے تھے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کے بعد کہا کہ ہمارا عمل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل پر ہے اور یہی قول امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے اور بعض کتب فقہ میں جو لکھا ہے کہ بعض کا قول ہے کہ اس وقت اشارہ کرنا منع ہے تو یہ قول محض غلط ہے اس واسطے کہ اس قائل نے اپنے پیغمبر خدا اور اپنے مجتہد کے خلاف کہا ہے۔ اس کے قول کا اعتبار نہیں۔ (فتاویٰ عزیزی: ۲۶۸)

(۱-۲) رد المحتار، باب صفة الصلاة، فصل في تاليف الصلاة: ۱/۵۴۷، ظفير) (كتاب الصلاة، قبيل مطلب مهم في عقد الأصابع عند التشهد، انيس

☆ **رفع سبابہ کرنا چاہئے یا نہیں:**

سوال: رفع سبابہ اس طرف حنفی نہیں کرتے اور امام صاحبؒ کا ایک قول نہ کرنے کا حجت پکڑتے ہیں۔

الجواب

رفع سبابہ کے متعلق درمختار اور شامی نے پوری تفصیل فرمادی ہے اور رفع کو راجح کر دیا ہے اور بہت سی کتب سے ==

== اس کو نقل کیا ہے، اس کے بعد مقلد کو خلاف کی گنجائش نہیں ہے۔ موطا میں امام محمد رحمہ اللہ خود فرماتے ہیں کہ قول ہمارا اور ہمارے استاد امام ابوحنیفہؒ کا ہے۔(لٰکن المعتمد ماصححه الشراح،ولاسيما المتأخرون كالكمال والحلبي و البهنسي والباقاني وشيخ الإسلام الجد وغيرهم أنه يشير لفعله عليه الصلوٰة والسلام،إلخ،(الدر المختار علىٰ صدر رد المحتار، كتاب الصلاة،باب صفه الصلاة،فروع قرأ بالفارسية أو التوراة أو الإنجيل: ٤/١ ٤٧،ظفير) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۱۸۸/۲)

انگشت شہادت سے اشارہ:

سوال: نماز میں انگشت شہادت کا اٹھانا کثرت احادیث سے ثابت ہے مگر فقہا رحمہم اللہ معلوم نہیں کیوں منع فرماتے ہیں اور حرام کہتے ہیں۔ اگر مذہب حنفیہ میں جائز ہو تو تحریر فرمائیے۔

الجواب

فقہاءِ محققین حنفیہ نے بھی راجح اشارہ بالسبابہ کو فرمایا ہے اور اسی پر فتویٰ اور عمل ہے۔ درمختار میں ہے بعد نقل روایت منع کے:'' لٰکن المعتمد ماصححه الشراح،ولاسيما المتأخرون كالكمال والحلبي والبهنسي والباقاني وشيخ الإسلام الجد وغيرهم أنه يشير لفعله عليه الصلوٰة والسلام،ونسبوه لمحمد والإمام،بل في متن درر البحار وشرحه غرر الأذكار:المفتىٰ به عندنا أنه يشير باسطاً أصابعه كلها،والشرنبلالية عن البرهان:الصحيح أنه يشير بمسبحته وحدها إلخ وفي الشامي: فهو صريح في أن المفتىٰ به هو الإشارة بالمسبحة مع عقد الأصابع على الكيفية المذكورة،إلخ. (ردالحتار: ٣٤١/١)(رد المحتار،باب صفة الصلاة: ٤/١ ٤٧،ظفير)(كتاب الصلاة، قبيل مطلب مهم في عقد الأصابع عندالتشهد،انيس) (فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۱۸۹/۲-۱۹۰)

تشہد میں انگشت سے اشارہ:

سوال: سرحد کے علما تشہد میں انگشت اٹھانے سے منع کرتے ہیں کہ یہ فعل نماز میں نہ کیا جائے۔ مگر ہم کہتے ہیں کہ یہ فعل کرنا نماز میں سنت سے ثابت ہوا ہے لہذا جس طور پر اشارہ ثابت ہوا ہے بہ سند صحیح تحریر فرماویں۔

الجواب

صحیح عند الحنفیہ یہ ہے کہ تشہد میں اشارہ بالسبابہ سنت ہے اور اس کے خلاف کو خلاف روایت اور درایت لکھا ہے۔ درمختار میں متعدد کتب کے حوالہ سے اشارہ بالسبابہ کی تصحیح فرمائی ہے۔ حيث قال بعد نقل قول عدم الإشارة:

''لٰكن المعتمد ماصححه الشراح،ولاسيما المتأخرون كالكمال والحلبي والبهنسي والباقاني وشيخ الإسلام الجد وغيرهم أنه يشير لفعله عليه الصلوٰة والسلام،ونسبوه لمحمد والإمام،بل في متن درر البحار وشرحه غرر الأذكار:المفتىٰ به عندنا أنه يشير إلخ،وفي الشرنبلالية عن البرهان:الصحيح أنه يشير بمسبحة،إلخ،واحترز بالصحيح عماقيل لايشير لأنه خلاف الرواية والدراية،إلخ وفي العيني عن التحفة: الأصح أنها مستحبة،وفي المحيط:سنة.(الدرالمختار)(الدرالمختار علىٰ صدر ردالمحتار،باب صفة الصلاة ٤٧٤/١،ظفير)(كتاب الصلاة،قبيل مطلب مهم في عقد الأصابع عند التشهد،انيس) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۱۹۴/۲) ==

== **رفع سبابہ اور حضرت مجدد صاحبؒ:**

سوال: اکثر کتب فقہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ التحیات میں انگلی سبابہ کا اٹھانا سنت وموجب ثواب ہے اور حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ محدث دہلوی بھی اس کو سنت نبوی قرار دیتے ہیں۔لیکن حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اس فعل کو مکتوبات نمبر:۳۱۲میں حرام فرماتے ہیں۔ان دونوں حضرات میں سے کس کا قول معتبر ومستند ہے؟

الجواب

اس میں صحیح ومستند یہ ہے کہ اشارہ بالسبابہ تشہد میں سنت ومستحب ہے۔جمہور امت اسی طرف ہیں اور درمختار میں عدم رفع سبابہ کی روایت نقل کر کے پھر اس کے خلاف کو بہت روایات اور دلائل سے سنت ہونا ثابت کیا ہے اور محمد رحمۃ اللہ علیہ نے موطأ میں اپنا اور امام صاحبؒ کا سنیت رفع سبابہ کا مذہب نقل کیا ہے۔(تفصیلی حوالہ پہلے گذر چکا ہے۔ظفیر)

اور حضرت امام ربانی مجدّد الف ثانی رحمہ اللہ کی طرف سے بعض نے ان کی اولاد امجاد میں سے اور ان کے خلفا نے معذرت فرمائی ہے، بر بنا بعض روایات حنفیہ حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایسا فرمایا ہے۔لیکن امر محقق یہ ہے کہ رفع سبابہ سنت ہے اس کو ترک نہ کیا جاوے۔

هٰذا خلاصة ما فصله و حققه العلماء المحققون من الأحناف فلا إشكال فإن اختلاف الأمة رحمة من الله المتعال. فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۲۰۶)

رفع سبّابہ اور حضرت مجدد صاحبؒ:

سوال: جواب نمبر ۲۵۱۶ (یعنی مندرجہ بالا جواب) موصول ہوا، مخالفین نے الحمدللہ تسلیم کیا، مگر یہ کہا کہ کیدانی وغیرہ کے قول کو تمام علما نے رد کیا، مگر حضرت مجدد الف ثانی سرہندیؒ نے مکتوب نمبر:۳۱۲میں (کی شرح کرتے ہوئے) لکھا ہے بلکہ مکتوب کے حاشیہ پر قول امام محمدؒ در بارہ رفع سبّابہ کو رد کیا ہے اور عدم رفع کو ترجیح دی ہے، شرعاً اس کا کیا جواب ہے؟

الجواب

حضرت مجدد الف ثانیؒ کی اولاد امجاد میں سے ہی بعض حضرات نے یہ تحقیق کی ہے کہ رفع سبابہ سنت سے ثابت ہے، اس لئے اس پر عمل کرنا چاہئے اور جب کہ بہت سے فقہا محققین حنفیہ نے رفع سبابہ کو ترجیح دی ہے اور اختیار کیا ہے، تو مقلدین حنفیہ کو اپنے فقہا کے قول کو لینا چاہئے، جیسا کہ خود حضرت مجدد صاحبؒ نے اپنے مکتوبات میں بہت جگہ اس کی تصریح فرمائی ہے کہ!

’’احکام شریعت میں ائمۂ مجتہدین اور فقہا کے قول کو لینا ضروری ہے، اس میں حضرت جنید بغدادیؒ اور حضرت شبلیؒ اور دیگر اولیاء کبار اور مجتہدین فی الطریقہ کا قول معتبر نہیں اور ان کی تقلید جائز نہیں ہے‘‘۔(والأصح كما في السراجية: أنه يفتیٰ بقول الإمام على الإطلاق ثم بقول الثانی ثم بقول الثالث إلخ، (الدرالمختار علیٰ هامش ردالمحتار، مقدمة: ۶۵/۱، ظفير) فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۱۷۳-۱۷۴)

تشہد میں اشارۂ سبابہ:

سوال: قعدہ میں ''التحیات'' پڑھتے ہیں، بہت سے لوگ مٹھی باندھ کر کلمہ کی انگلی اٹھاتے ہیں اور آخیر تک رہنے دیتے ہیں، کیا یہ صحیح ہے، یا تمام انگلیاں پھیلی رہنے دینا چاہئے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیًا

''التحیات'' میں ''أشهد أن لا إلٰه إلا الله'' پر کلمہ کی انگلی سے اشارہ کرنا سنت ہے، اس طرح کہ دو انگلیاں ہتھیلی سے ملی رہیں، بیچ کی انگلی اور انگوٹھے کو ملا کر حلقہ بنالیا جائے، پھر ''إلا الله'' پر انگلی کا اشارہ کو ختم کر کے کچھ نیچے کو رخ کر دیا جائے اور یہ ہیئت اخیر تک باقی رہے، سب انگلیاں کھول کر نہ پھیلائی جائیں، (۱) اس مسئلہ پر بعض علما نے مستقل رسالے لکھے ہیں۔ (۲) فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند۔ ۱۲/۸/ ۱۳۸۹ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۶۳۵/۵-۶۳۶)

اشارہ کے سلسلہ میں تفصیلی بحث:

سوال: نماز میں التحیات پڑھتے وقت أشهد أن لا إلٰه إلا الله پر کلمہ کی انگلی اٹھانا کیا مستحب ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

سب تعریف اور احسان کے جملہ صفتیں اللہ تعالیٰ کے واسطے ہیں، رحمت کاملہ اور سلام صاحب شریعت؛ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی اولاد اور اصحاب پر نازل ہو کہ آپ کی آل اور اصحاب سے امر حق ظاہر ہوا، اور رحمت کاملہ اور سلام ائمہ پر نازل ہو، جاننا چاہئے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ کسی کے واسطے یہ حلال نہیں کہ ہمارے قول کو کسی مسئلہ میں دلیل قرار دے، جب تک اس کو یہ نہ معلوم ہو جائے کہ اس قول کا ماخذ کتاب یعنی قرآن

---

(۱) عن ابن عمر رضی الله تعالىٰ عنهما قال: كان رسول الله عليه وسلم: "إذا قعد فى التشهد وضع يده اليُسرىٰ علىٰ ركبته اليُسرى، ووضع يده اليمنىٰ علىٰ ركبته اليمنىٰ، وعقد ثلاثة وخمسين، وأشار بالسبابة، آهـ". رواه مسلم. (مشكوٰة المصابيح، كتاب الصلاة، باب التشهد، الفصل الأول: ٨٤/١، قديمى) (رقم الحديث: ٩٠٦، انيس)

"وصحيح فى شرح الهداية أنه يشير، وكذا فى الملتقط وغيره، وصفتها: أن يحلق من يده اليمنى عند الشهادة الإبهام والوسطىٰ ويقبض البنصر والخنصر، ويشير بالمسبحة أو يعقد ثلاثةً وخمسين بأن يقبض الوسطى والبنصر والخنصر، ويضع رأس إبهامه علىٰ حرف مفصل الوسطى الأوسط، ويرفع الأصبع عند النفى ويضعها عند الإثبات" آه. (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فصل فى بيان تأليف الصلاة إلىٰ انتهائها: ٥٠٨/١-٥٠٩، سعيد)

(۲) كتاب المسبحة لمحمد بن الحسن الشيبانى (رحمة واسعة) رفع التردد فى عقد الأصابع عند التشهد مع ذيلها. لمحمد أمين الشهير بابن عابدين رحمه الله تعالىٰ من مجموعة رسائل ابن عابدين: ١٢٠/١، سهيل اكيڈمی، لاهور

شریف اور سنت یعنی حدیث اور اجماع اور قیاس جلی میں سے کیا ہے؟ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا یہ اصول ہے؛ کیوں کہ فقہ چار اصل سے ماخوذ ہوتا ہے۔

پہلی اصل: کتاب اللہ؛ یعنی قرآن شریف۔

دوسری اصل: سنت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)؛ یعنی حدیث شریف۔

تیسری اصل: ایک وقت کے مجتہد کا اجماع۔

چوتھی اصل: قیاس نظری، اس مسئلہ میں جس میں نص نہ ہو اور قیاس نظری اس مسئلہ پر قیاس کرنے سے ثابت ہوتا ہے۔

جس میں نص ہو اور جو حکم کتاب اور سنت سے ثابت ہو، وہ کتاب اور سنت کے سوا دوسری چیز سے منسوخ نہیں ہوتا، وہ اجماع اور قیاس باطل ہے، جو کتاب یعنی قرآن شریف اور سنت کے خلاف ہو، یہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ثابت ہوا، وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد منسوخ نہیں ہوسکتا اور مجتہد سے کبھی خطا ہوتی ہے اور کبھی اس میں صحیح ہوتا ہے، جب مجتہد کی خطا کسی مسئلہ میں ظاہر ہو جائے تو اس مسئلہ اور اس مجتہد کی تقلید حرام ہے۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا یہ اصول ہے، اب خیال کرنا چاہئے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور صاحبین (امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے دو شاگرد امام محمد رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ) امام مالک اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد وغیرہم رحمہم اللہ کے نزدیک صحیح حدیثوں سے ثابت ہوا کہ حضرت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں جب التحیات پڑھتے تھے تو أشهد أن لا إله إلا الله پر اشارہ فرماتے تھے اور یہ اشارہ خداوند تعالی کی توحید کی جانب تھا اور متبعین آثار و اخبار نبویہ علیہ السلام نے یہ تصریح کی ہے کہ ایسی کوئی آیت اور حدیث نہیں، جس سے اشارہ ہفت ثابت ہوتی ہو، بعض لوگوں کو اماموں کے اقوال کی سند میں حدیث نہ ملی تو ان لوگوں نے اشارہ کو صرف قیاس سے منع کیا ہے، کتاب اور سنت سے منع نہ کیا، ایسا اجماع اور قیاس باطل ہے، جو نص کے خلاف ہو تو اس بارے میں لوگوں سے خطا ہوئی اور اس مسئلہ میں ان لوگوں کی تقلید حرام ہے، جس میں ان لوگوں کی خطا ظاہر ہو جائے، اس درجہ میں ایک مقدمہ اور تین فصلیں ہیں، مقدمہ اس بیان میں کہ امت محمدی میں جب مسائل میں اختلاف ہو تو حدیث پر عمل چاہئے۔

پہلی فصل صحیح حدیثوں کے بیان میں جو اشارہ کے بارے میں وارد ہوئیں۔

دوسری فصل فقہ کی روایتوں کے بیان میں جو اشارہ کے بارے میں ہوئیں۔

تیسری فصل ان لوگوں کی دلیلوں کے بیان میں ہے جو اشارہ کو منع کرتے ہیں اور ان کے جواب میں مقدمہ اس بیان میں ہے کہ امت محمدی میں جب مسائل میں اختلاف ہو تو سنت یعنی حدیث پر عمل کرنا چاہئے۔

یہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے:

﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَانَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا وَاتَّقُوْااللّٰه إِنَّ اللّٰه شَدِيْدُ الْعِقَابِ﴾(۱)

ترجمہ: یعنی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے تم لوگوں کو جو حکم فرمایا وہ کرو اور جس سے منع فرمایا اس سے باز رہو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ تعالیٰ سخت عذاب کرنے والا ہے۔

یعنی جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کرتا ہے، اللہ تعالی اس پر سخت عذاب کرتا ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے:

وقال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: من يعش منكم بعدى فسيرىٰ اختلافًا كثيرًا، فعليكم بسنتى وسنة الخلفاء الراشدين المهديين تمسكوا بها وعضوا عليها بالنواجذ. (رواه أحمدوالترمذى)(۲)

یعنی پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص تم لوگوں سے میرے بعد زندہ رہے گا، وہ لوگوں میں بہت اختلاف دیکھے گا، اس وقت تم لوگوں پر لازم ہوگا کہ میری سنت کو ہاتھوں اور دانتوں سے پکڑ لینا۔

یعنی سنت کو مظبوط پکڑ لینا اور اس پر تم لوگ عمل کرنا اور حدیث شریف میں ہے کہ!

وقال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: ومن أحيا سنتى، فقد أحبنى ومن أحبنى كان معى فى الجنة. (رواه الترمذى)(۳)

یعنی پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے میری سنت سے محبت کی اس نے بے شک میری محبت کی اور جس نے میری محبت کی وہ بے شک میرے ساتھ بہشت میں ہوگا۔

پہلی فصل:

ان صحیح حدیثوں کے بیان میں، جو اشارہ کے بارے میں وارد ہوئیں، روایت کی امام ربانی محمد بن شیبانی نے اپنے موطأ یعنی امام محمدؒ میں امام مالکؒ سے اور انہوں نے روایت کی مسلم بن ابی مریم سے اور انہوں نے روایت کی علی بن عبد الرحمٰن معادی سے کہ علی بن عبدالرحمٰن معادی نے کہا کہ عبداللہ بن عمرؓ نے مجھ کو دیکھا اور میں نماز میں سنگریزوں سے کھیل رہا تھا، جب میں نماز سے فارغ ہوا۔ تو عبداللہ بن عمرؓ نے مجھ کو منع کیا اور یہ کہا کہ تم نماز میں وہ فعل کرو جو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے تھے، میں نے کہا کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے تھے، تو عبداللہ بن عمرؓ نے کہا کہ!

''جب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں بیٹھتے تھے تو داہنے ہاتھ کی ہتھیلی کو داہنے ران پر رکھتے تھے اور سب انگلیوں

(۱) سورة الحشر:۷،انيس

(۲) حديث العرباض بن سارية عن النبى صلى اللّٰه عليه وسلم (ح:۱۷۱٤۲)/باب ماجاء فى الأخذ بالسنة وإجتناب البدع (ح:۲٦۷٦)انيس

(۳) كتاب العلم،باب ما جاء فى الأخذ بالسنة واجتناب البدع،رقم الحديث:۲٦۷۸،٥/٤٦،انيس

کو بند رکھتے تھے اور انگوٹھے کے نزدیک جو انگلی ہے اس سے اشارہ کرتے تھے اور بائیں ہاتھ کی ہتھیلی کو بائیں ران پر رکھتے تھے''۔

امام محمدؒ نے یہ کہا کہ ہم نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل اختیار کیا۔(۱) موطأ امام محمدؒ کی عبارت کا ترجمہ ہے۔

بدائع اور نہایہ میں یہ لکھا ہے کہ امام محمدؒ نے کتاب مسیحۃ میں اشارہ کرنے کے لئے تصریح کی ہے اور وہ اس بارے میں حدیث لائے ہیں کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم اشارہ کرتے تھے۔امام محمدؒ نے پھر یہ کہا کہ جو کچھ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا، ہم نے بھی وہی اختیار کیا اور امام ابوحنیفہؒ کا اور ہمارا یہی قول ہے۔(۲)

ذخیرہ اور شرح زاہدی میں لکھا ہے کہ امام محمدؒ نے یہ حدیث بیان کی، پھر یہ کہا کہ جو کچھ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا، ہم نے بھی وہی کیا اور امام ابوحنیفہؒ کا اور میرا یہی قول ہے۔کفایہ اور تاتارخانی میں امام محمد کی روایت سے یہ حدیث ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ کیا ہے، امام محمدؒ نے یہ حدیث بیان کی، پھر یہ کہا کہ میرا اور امام ابوحنیفہؒ کا یہی قول ہے۔عنایہ میں یہی قول لکھا ہے کہ امام محمدؒ نے کتاب مسیحۃ میں اس مسئلہ کی تصریح کی ہے، وہ اس بارہ میں حدیث لائے ہیں کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں اشارہ کرتے تھے۔(۳)

اور امام محمدؒ اور ابن السکیت نے بھی اپنے صحاح میں عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کی ہے کہ!

قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه و سلم:"الإشارة بالأصبع أشد على الشيطان من الحديد.(۴)

یعنی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انگلی سے اشارہ کرنا لوہے سے زیادہ شیطان پر سخت گذرتا ہے۔

اور حدیث کی کتابوں میں شافعی مذہب کے اماموں کی جو روایتیں ہیں، وہ قریب متواتر ہونے کے ہیں، چنانچہ صحیح مسلم میں عبداللہ بن زبیرؓ سے روایت ہے کہ!

جب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں بیٹھتے تھے تو داہنے ہاتھ کو داہنی ران پر رکھتے تھے اور بائیں ہاتھ کو بائیں ران پر رکھتے تھے اور کلمہ کی انگلی سے اشارہ کرتے تھے اور انگوٹھے کو درمیانی انگلی پر رکھتے تھے۔(۵)

عبدالرزاق نے ابوہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پیغمبری کے ستر جز ہیں، ایک

---

(۱) موطأ الإمام مالک بروایة محمدبن الحسن الشیبانی،باب العبث فی الصلاة ومایکره،الخ(ح:۱٤٤)انیس

(۲) بدائع الصنائع،وأما سنة التشهد،الخ:۲۱٤/۱،دارالکتب العلمیة.انیس

(۳) العنایة شرح الهدایة،باب صفة الصلاة:۳۱۲/۱،دارالفکر.انیس

(۴) پوری حدیث اس طرح ہے:عن نافع قال:کان عبد اللّٰه بن عمر رضی اللّٰه عنهما إذا جلس فی الصلاة وضع یدیه علیٰ رکبتیه أشار بأصبعه وأتبعها بصره،ثم قال:قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم:لهی أشد علیٰ الشیطان من الحدید یعنی السبابة.(مسند الإمام أحمد،مسند عبداللّٰه بن عمربن الخطاب (ح:٦۰۰۰)انیس)

(۴) الصحیح لمسلم،باب صفة الجلوس فی الصلاة ،الخ (ح:٥٧٩)انیس

جز سحری میں دیر کرنا ہے اور دوسرا جز افطار میں جلدی کرنا ہے اور یہ بھی ایک جز ہے، انگلی سے نماز میں اشارہ کرنا ہے۔(۱)

حاکم نے عقبہ بن عامرؓ سے روایت کی ہے کہ!

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی شخص نماز میں اشارہ کرتا ہے تو ہر اشارہ کے عوض میں دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں، ہر ایک انگلی کے مقابلہ میں ایک ایک نیکی لکھی جاتی ہے۔(۲)

اشارہ کی بہت سی فضیلتیں ہیں، اس مختصر میں ان کی گنجائش نہیں، اس کے حال پر افسوس ہے، جو اشارہ نہیں کرتا، ان فضیلتوں سے محروم رہتا ہے۔

دوسری فصل:

فقہ کی روایتوں کے بیان میں جو اشارہ کے بارے میں ہیں، یہاں وہ روایتیں حنفی مذہب کی معتبر کتابوں سے لکھی جاتی ہیں، ابن ہمام نے شرح ہدایہ میں لکھا ہے کہ اشارہ کو منع کرنا عقل اور نقل کے خلاف ہے۔ ملتقط میں لکھا ہے کہ اشارہ کرنے کے بارے میں علماءِ کرام کا اختلاف نہیں۔ خانیہ میں لکھا ہے کہ یہ بلا اختلاف علماءِ کرام سے ثابت ہے کہ التحیات میں لا إلٰہ إلا اللّٰہ پڑھنے کے وقت اشارہ کرنا چاہئے اور کفایہ میں مذکور ہے کہ علامہ نجم الدین زاہدی کا یہ قول ہے کہ بالاتفاق اس بارے میں ہمارے اصحاب سے روایتیں ثابت ہیں کہ اشارہ کرنا سنت ہے اور علماءِ کوفہ اور علماءِ مدینہ کا بھی یہی قول ہے اور اشارہ کرنے کے بارے میں بہت اخبار اور آثار ہیں تو ان پر عمل کرنا بہتر ہے، یعنی اشارہ کرنا چاہئے، امام ابن ہمامؒ نے شرح ہدایہ میں لکھا ہے اور صاحب کفایہ کا بھی یہ قول ہے اور محقق چلپی نے خفیۃ المہتدی میں لکھا ہے اور شیخ شمنی نے شرح نقایہ میں لکھا ہے کہ ''لا إلٰـهَ إلا اللّٰه'' پڑھنے کے وقت اشارہ کرنا بہتر ہے، انگلیوں کو بند کرے اور اشارہ کرے؛ تاکہ دونوں طریق پر عمل ہو جائے۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی امالی میں لکھا ہے کہ چھوٹی انگلی اور اس کے بعد کی انگلی کو بند کرے اور درمیان کی انگلی اور انگوٹھے سے حلقہ کرے اور کلمہ کی انگلی سے اشارہ کرے۔ شرح وقایہ میں لکھا ہے کہ ہمارے علماءِ کرام کے نزدیک اسی طور سے اشارہ کرنا ثابت ہے۔ صاحب ہدایہ نے مختار النوازل میں لکھا ہے کہ ''لا إلٰہَ إلا اللّٰہ'' پڑھنے کے وقت اشارہ کرنا بہتر ہے اور منیۃ المصلی میں یہ لکھا ہے کہ جب پڑھے ''أشهد أن لا إلٰه إلا اللّٰه وأشهد أن محمداً عبده ورسوله'' تو کلمہ کی انگلی سے اشارہ کرے۔

---

(۱) مصنف عبدالرزاق الصنعاني، باب رفع اليدين في الدعاء (ح: ٣٢٤٦) انيس

(۲) عن عقبة بن عامر الجهني يقول: إني يكتب في كل إشارة يشيرها الرجل بيده في الصلاة بكل أصبع حسنة أو درجة. (المعجم الكبير للطبراني، أبو المصعب مشرح بن هاعان عن عقبة (ح: ٨١٩) انيس)

تیسری فصل

ان لوگوں کی دلیلوں کے مطابق میں جو اشارہ کرنے کو منع کرتے ہیں اور یہ فصل ان لوگوں کی دلیلوں کے جواب میں بھی ہے۔ بعض علماءِ کرام نے جو یہ کہا ہے کہ اشارہ کرنا بہتر ہے اور ان کا یہ قول ہے کہ اسی پر فتوی ہے، اس واسطے کے نماز کی بنا سکون اور وقار ہے اور اشارہ کرنے میں سکون اور وقار نہیں رہتا، اس کا جواب یہ ہے کہ!

یہ دلیل کوئی آیت نہیں اور نہ حدیث اور نہ اجماع ہے، بلکہ قیاس ہے، جب کسی مسئلہ میں حدیث موجود ہو تو اس مسئلہ میں اس حدیث کے خلاف قیاس اور اجماع باطل ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ جس نے اشارہ کو منع کیا، اس کو صحیح حدیثیں نہ پہنچیں اور اس نے حنفی مذہب کے فقہ کی روایتوں کو نہ جانا، ورنہ جو شخص پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کے بارے میں یہ کہے کہ یہ فعل سکون اور وقار کے خلاف ہے، خصوصاً وہ نماز کے کسی فعل کے بارے میں ایسا کہے تو وہ شخص بالاتفاق تمام مسلمانوں کے نزدیک کافر ہو جائے گا۔

صلوٰۃ مسعودی میں لکھا ہے کہ اشارہ کرنا علماءِ متقدمین کی سنت ہے۔ علماءِ متاخرین نے آخر میں اشارہ کرنے سے منع کیا ہے۔ اس واسطے اشارہ کرنے کا حکم منسوخ ہو گیا۔ علماءِ متاخرین نے اشارہ کرنے کو اس واسطے منع کیا کہ علماءِ متقدمین نے رافضیوں کا یہ قول اختیار کیا ہے کہ اشارہ کرنا چاہئے۔

پہلی بات: جو یہ ہے کہ علماءِ متاخرین نے اشارہ کرنے کو منع کیا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ دلیل حضرت امام اعظمؒ رحمۃ اللہ علیہ کے اصول کے خلاف ہے، اس واسطے کہ یہ دلیل قیاس ہے اور جب حدیث صحیح ہو موجود ہو تو اس کے خلاف قیاس اور اجماع باطل ہے۔

دوسری بات: یعنی علماءِ متقدمین کا قول منسوخ ہو گیا، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ جائز نہیں کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی حکم منسوخ ہو۔

تیسری بات: یعنی یہ کہ علماءِ متقدمین نے رافضیوں کا یہ قول اختیار کیا تھا کہ اشارہ کرنا چاہئے اس واسطے علماء ِمتاخرین نے اشارہ کرنے کو منع کیا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ رافضیوں کی مخالفت ان کی بدعتوں میں چاہئے، رافضیوں کا جو یہ فعل فی الواقعہ سنت ہے، اس میں رافضیوں کی مخالفت نہ کرنا چاہئے، اس واسطے کہ جب رافضیوں کی مخالفت کے لحاظ سے کوئی سنت ادا نہ کی جائے گی تو اس میں مخالفت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہو جائے گی۔ یہ ظاہر ہے کہ رافضی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتے ہیں اور بسم اللہ سے کام کو شروع کرتے ہیں اور داہنے ہاتھ سے کھاتے ہیں اور بائیں ہاتھ سے استنجا کرتے ہیں تو رافضیوں کے ان افعال میں درود بھیجنا، بسم اللہ کہنا، حمد و ثنا کرنا، وضو میں پے درپے بدن کو دھونا اور ناخن کٹوانا اور بغل کے بال منڈوانا اور زیر ناف بال مونڈنا اگر اس غرض سے کہ

رافضیوں کی مخالفت ہوتو سنتوں کو چھوڑ نا ضروری ہوتو سنیوں کو چاہئے کہ اس خیال سے کہ رافضیوں کی مخالفت ہوتو اکثر ان سنتوں کو ترک کردیں، جو عادت اور عبادت کے متعلق ہیں اور اس بارے میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کو جائز سمجھیں اور پھر اپنے کو سنی کہیں اور یہ صرف شیطان کا فریب اور تعصب ہے۔

محیط میں یہ لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد کے قول سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اشارہ کرنا سنت ہے،(۱) اور ایسا ہی دوسری کتابوں میں بھی مذکور ہے، اگر وہ سب ہم یہاں ذکر کریں، تو بات طویل ہوجائے گی۔

حاصل کلام یہ ہے کہ یہ صرف ان لوگوں کی جہالت اور تعصب نفسانی ہے، جو دلیل یا کسی کے گمان کی بنا پر پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کریں اور امام کے خلاف مذہب کوئی مسئلہ اختیار کریں اور باوجود اس کے اپنے کو سنی سمجھیں، سنی وہ ہے جو سنت پر عمل کرتا ہے اور رافضی وہ ہے جو سنت کو ترک کرتا ہے اور امام کے خلاف مذہب اس کا عمل ہے۔

(سعایہ رسالہ عبدالعزیز عفا اللہ عنہ نے لکھا، تمام ہوا، رسالہ جو اس بارے میں ہے کہ نماز میں جب التحیات پڑھے تو لا إله إلا الله پڑھنے کے وقت کلمہ کی انگلی سے اشارہ کرنا چاہئے۔) (فتاویٰ عزیزی: ۴۶۸-۴۷۳) ☆

---

(۱) المحيط البرهاني،الفصل السادس عشر في التغني والإلحان: ۳۶۹/۱،دار الفكر. انيس

☆ **تشہد میں اشارہ بالسبابہ احادیث سے ثابت ہے:**

سوال: چہ می فرمایند علماءِ دین دریں مسئلہ کہ اشارہ بالسبابہ لطفاً از شما استدعا مینمایم، زیرا کہ فہم چیز است و در وطن ما یاں منفی است، و اگر یک ادم میکند او را بدے داند، کہ ایں وہابی شدہ است و پیش مایاں عاجزان نہ یک کتاب و نہ ایں قدر علمیت کہ برائے شان قناعت بدہم و نہ بخود شان این قدر حفظ از علم احادیث است، اگر ایں مسئلہ اشارت واضح موافق با کمال علمیت و وقوف خونوشتہ شود، در ہر کتاب کہ نفی اشارت میشد و میکند نان ایں کتاب و مرجوحیت قول ایں ہم لطفاً واضح شود؟ بینوا توجروا۔ (المستفتی: عبدالغفار، افغانستان)

الجواب

دریں باب بسیار احادیث مرفوعہ وارد شدہ اند، (فليراجع إلى مشكوة، باب التشهد) و بعد از وفات پیغمبر علیہ السلام از صحابہ اشارہ کردن ثابت شدہ است، (فليراجع إلى الموطأ للامام محمد) و ائمہ ما متقدمین در کتب ظاہر الروایۃ ہیچ نہ گفتہ اند، بے شک در غیر ظاہر الروایۃ بہ جواز تصریح کردہ اند، شیخ ابی یوسف رحمہ اللہ در امالی و امام محمد در موطاً و صاحب بحر در باب قضاء الفوائت، گفتہ است کہ در وقت عدم ظاہر الروایۃ واجب است مصیر بہ نادر الروایۃ و علماءِ متأخرین در اشارہ مختلف اند جمع عظیم بر جواز قائل است و جمع عظیم بر عدم جواز لاکن راجح جواز است زیرا نکہ آن متأخرین کہ جامع بین الفقہ والحدیث اند مثل صاحب الفتح والبحر والشرح الکبیر و ردالمحتار قائل بر جواز اند و صاحب الہدایۃ نیز بر جواز تصریح کردہ است در مختار نوازل و سکوت کردہ است در ہدایہ و بحث دریں مسئلہ بسیار است و فرصت نوشتن کم است لہٰذا بریں اشارات اکتفاء باید کرد۔ (مر التفصيل في الحاشية المحولة بمنهاج السنن شرح جامع السنن،باب ما جاء في الإشارات: ۱۶۶/۱) وهو الموفق (فتاویٰ فریدیہ: ۲/۲۵۶) ==

== **تشہد میں رفع سبابہ کا اثبات اور روایات نفی کا جواب:**

سوال: درمیان خلق مشہور است کہ در اشارت سبابہ روایات نہی و اثبات ہر دو آمدہ لیکن چونکہ نہی را بر اثبات ترجیح باشد لہٰذا نہی اشارت را ترجیح شد وبعض خلق می گوید کہ چوں معارضہ حل وحرمت بیاید ترجیح حرمت را باشد مثبتین اشارت را از یں چہ جواب است, دیگر آنکہ مانعین اشارت می گویند کہ لفظ علیہ الفتویٰ کہ از آکد الفاظ ترجیح است، بر نفی اشارت لفظ وعلیہ الفتویٰ بسیار در کتب مذکور است، چنانکہ در درمختار وغیرہ و بر اثبات اشارت لفظ وعلیہ الفتویٰ نیاوردہ لہٰذا نہی اشارت را ترجیح دادہ شود بر اثبات اشارت، عرض آنکہ در کتب درکدام کتاب معتمد علیہ بر اثبات اشارت لفظ وعلیہ الفتویٰ آوردہ یانہ اگر آوردہ باشد عبارت کتاب نوشتہ شود واگر نہ جواب مانعین را نوشتہ شود؟

الجواب

امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ موطأ میں بسند صحیح یہ حدیث نقل کرکے "كان (رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم) إذا جلس فى الصلٰوة وضع كفه اليُمنى علىٰ فخذه اليمنى، وقبض أصابعه كلها وأشار بأصبعه التى تلى الإبهام ووضع كفه اليُسرىٰ علىٰ فخذه اليسرىٰ، آه.

فرماتے ہیں:

قال محمد: وبصنيع رسول الله صلى الله عليه يؤخذ وهو قول أبى حنيفة. (ص: ١٠٦)(موطأ الإمام مالك برواية محمد بن الحسن باب: العبث فى الصلاة وما يكره من تسويته: ٦٧/١ (ح: ١٤٤) انيس)

ترجمہ: "کہا امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اور ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے فعل کو اختیار کرتے ہیں اور یہی قول ہے امام ابوحنیفہ کا، آھ۔

امام محمد کا یہ قول علیہ الفتویٰ سے آکد ومؤکد ہے، لما فيه من إسناده الأخذ إلىٰ صنع رسول الله صلى الله عليه وسلم.

اور مانعین اشارت کا یہ کہنا کہ اثبات اشارت پر لفظ فتویٰ نہیں ہے غلط ہے، درمختار میں ہے:

بل فى متن درر البحار وشرحه غرر الأذكار المفتىٰ به عندنا أنه يشير باسطًا أصابعه كلها وفى الشرنبلالية عن البرهان الصحيح أنه يشير بمسحته وحدها... واحترز بالصحيح عما قيل لا يشير لأنه خلاف الدراية والرواية، آه.

وقال فى رد المحتار ناقلاً عن غرر الأذكار: والفتوىٰ أى المفتىٰ به عندنا خلافه أى خلاف عدم الإشارة وهو الاشارة علىٰ كفية عقد ثلاثة وخمسين كما قال به الشافعي وأحمد وفى المحيط أنها سنة، يرفعها عند النفى ويضعها عند الإثبات، وهو قول أبى حنيفة ومحمد، وكثرت به الآثار والأخبار فالعمل به أولىٰ، آه. (٥٣٠/١)(كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، قبيل مطلب مهم فى عقد الأصابع عند التشهد، انيس)

اس سے معلوم ہوا کہ عدم اشارہ کے مقابل اثبات اشارہ کے لئے لفظ "معتمد وصحيح ومفتىٰ به وعليه الفتوىٰ والعمل به أولىٰ"، بہت سے الفاظ کتب فقہ معتمد علیہا میں موجود ہیں اور محمد رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں میں اسی کی تصریح ہے، پس یہی مذہب حنفیہ کا ہے اور احادیث سے اسی کی تائید ہوتی ہے اور کتب محمد رحمۃ اللہ علیہ کے مقابلہ میں خلاصہ وغیرہ کی کوئی ہستی نہیں اور حرمت وحلت کا تعارض اور ترجیح حرمت کا قاعدہ وہاں ہے، جب کہ حرمت وحلت کا ورود کلام شارع میں ہو اور اس مسئلہ میں کسی حدیث سے ممانعت اشارہ کی ثابت نہیں ہوئی، ==

انگشتِ شہادت اٹھانے کی وجہ:

سوال: ''التحیات' میں بوقت کلمہ شہادت 'انگشت شہادت' اٹھانے کا کیا سبب ہے؟

الجواب

''التحیات'' میں بوقتِ کلمہ شہادت 'انگشت سبابہ' سے توحید کا اشارہ ہوتا ہے؛ تاکہ جیسا کہ زبان سے ''أشهد أن لا إلٰه إلا الله''إلخ، کہا جاتا ہے،جس کا مطلب توحید کا اقرار ہے،اسی طرح عملاً بھی افعال جوارح سے اس کو ظاہر کیا جاوے۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۱۷۱) ☆

== باقی مصنفین کے کلام میں اگر حرمت وحلت کا تعارض ہے تو وہاں مطلقا حرمت کو ترجیح نہ ہوگی، بلکہ جو قول روایت ودرایت کے زیادہ موافق ہوگا وہی راجح ہوگا، پس اشارہ موافق سنت ہے، یہی راجح ہے، اور اہل سرہند و پنجاب جو اس سے روکتے اور انکار کرتے ہیں ان پر خوف عذاب شدید ہے۔ واللہ اعلم

۱۸/رمضان ۱۳۴۲ھ۔(امدادالاحکام:۲/۸۰-۸۲)

اشارہ بالسبابہ کی تحقیق:

سوال: رفع سبابہ کے متعلق کیا حکم ہے۔ کہتے ہیں کہ اشارہ کی احادیث ازقسم آحاد ہیں یہ صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب

اشارہ بالسبابہ سنت ہے اور شارح منیہ نے مانعین کے قول کو خلاف درایت وروایت ہونا لکھا ہے:''والمراد من العقد المذكور فی رواية مسلم العقد عند الإشارة(إلٰى أن قال) وأشاره بأصبعه التی تلی الإبهام،إلخ.(کبیری:۲۸۹)

اور ممانعت کرنے والا کا اس کو سجدہ شکر پر قیاس کرنا ناواقفی کی دلیل ہے اور اشارہ کا ثبوت احادیث صحیح سے ہے جیسا کہ روایت کبیری میں مذکور ہے اور نیز کبیری میں ہے:

''وعن كثيرمن المشائخ لايشير أصلاً وصححه فی الخلاصة وهوخلاف الدراية والرواية أما الدراية فما تقدم فی الحديث الصحيح ولامحل له إلاالإشارة وأما الرواية فعن محمد رحمه الله أن ماذكره فی كيفية الإشارة وهوقوله وقول أبی حنيفة رحمة الله عليه ذكره فی النهاية وغيرها قال نجم الدين الزاهدی لما اتفقت الروايات عن أصحابناجميعاً فی كونها سنة وكذا عن الكوفين والمدنين وكثرت الاخباروالآثاركان العمل بها أولٰى،إلخ.

ان عبارات سے آپ کے سب شبہات کا کافی جواب ہوگیا۔(واللہ تعالیٰ اعلم)(امدادالمفتین:۲/۲۷۵)

(۱) پس آں حضرت اشارت می کرد بایں انگشت بوحدانیت حق تعالیٰ۔(اشعۃ اللمعات، باب التشہد:۱/۴۲۸)

أشاربأصبعه وأتبعها بصره،ثم قال:قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:لَهِیَ أشد على الشيطان من الحديديعنی السبابة.(مشکوۃ)(پوری حدیث اس طرح ہے:عن نافع قال:كان عبد الله بن عمر رضی الله عنهما إذا جلس فی الصلاة وضع يديه علٰى ركبتيه أشار بأصبعه وأتبعها بصره،ثم قال:قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:لهی أشد علٰى الشيطان من الحديد يعنی السبابة.(مشکوۃ، كتاب الصلاة،باب التشهد،الفصل الثالث،رقم الحديث:۹۱۷،انیس)

بجہت اشارت کردن بوی توحید اثبات برایمان وقطع طمع شیطان از وقوع مصلی در شرک وکفر۔(اشعۃ اللمعات، باب التشہد:۱/۴۳۴،ظفیر)==

سبابہ سے کب اشارہ کرے:

سوال: کس وقت سبابہ یعنی شہادت کی انگلی سے اشارہ کرنا چاہئے؟

الجواب

نفی؛ یعنی "لا إلٰہ" کے وقت انگلی کو اٹھائے اور اثبات؛ یعنی "إلا اللّٰہ" کے وقت رکھ دے۔

ملا علی قاری فرماتے ہیں:

" قالوا: یرفع المسبحة عند قوله لاإلٰہ ویضعها عند قوله إلااللّٰه لمناسبة الرفع للنفی وملائمة الوضع للاثبات حتٰی تطابق القول الفعل فی التوحید والتفرید، انتھٰی، وھٰکذا فی البرھان والکفایة وغیرھما. (مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحئی اردو: ۲۲۲-۲۲۳) ☆

== ☆ تشہد کے وقت رفع سبابہ کی حکمت:

سوال: التحیات میں جو انگشت شہادت اٹھائی جاتی ہے اس کی کیا بنیاد ہے؟ شارع اسلام نے کوئی وجہ بیان فرمائی یا نہیں؟

الجواب

توحید کا اشارہ ہے جو شیطان کو بروئے روایات ناگوار ہوتا ہے۔

(تتمہ اولیٰ صفحہ ۴۱) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۲۰۶)

☆ تشہد میں انگلی کس وقت اٹھائی جائے:

سوال: نماز پڑھتے وقت جب التحیات پڑھی جائے، تو کن الفاظ پر شہادت کی انگلی اٹھانی چاہئے؟

الجواب وباللّٰہ التوفیق

أشھد أن لا إلٰـہ إلَّا اللّٰـہ پر انگلی اٹھائی جائے۔ ("لا إلٰـہ" پر انگلی اٹھائی جائے اور "إلا اللّٰـہ" پر گرادی جائے۔ [مجاھد] (وأشار بالمسبحة) من أصابعه الیُمنٰی في الشھادة علی الصحیح (یرفعھا عند النفي ویضعھا عندالإثبات) (مراقی الفلاح، ص: ۱۵۵ (کتاب الصلاة، فصل فی کیفیة ترکیب أفعال الصلاة، انیس) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی۔ ۴/۷/۱۳۷۶ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲/۱۳۰)

تشہد کے وقت انگلی کب سے کب تک اٹھائے رکھے:

سوال بعض اشخاص جس وقت التحیات میں بیٹھتے ہیں، اول ہی سے انگشت شہادت اٹھا لیتے ہیں، سلام پھیرنے تک، حالانکہ حنفیوں کا یہ مذہب ہے کہ جب تشہد پر پہنچے، تب انگلی اٹھائے، بعد میں پست کرلے، اس میں صحیح قول کیا ہے اور حنفی کو کس وقت سے کس وقت تک انگلی اٹھانا چاہئے اور اس میں امام اعظم صاحبؒ کیا فرماتے ہیں؟

الجواب

تشہد پر انگشت کو اٹھاوے اور سلام تک اٹھائے رکھے۔ فقط (تالیفات رشیدیہ ۲۶۶)

سبابہ سے اشارہ کرنے کا طریقہ:

سوال: سبابہ سے اشارہ کرنے کا کیا طریقہ ہے؟

الجواب

اس کے متعلق چند طریقے مذکور ہیں۔

(۱) انگوٹھا اور درمیانی انگلی کے کناروں کو ملا کر حلقہ بنائے، خنصر و بنصر کو بند کرے اور انگشت مسبحہ کو کھول کر اشارہ کرے۔ کفایہ میں ابوجعفر رحمہ اللہ سے یہی طریقہ مذکور ہے اور رسائل الارکان میں اس کو مختار کہا گیا ہے:

وقال الشمنی فی شرح النقایة ذکر أبویوسف فی الأمالی أنه یعقدالخنصر والأصبع التی تلیها ویحلق الوسطی والإبهام ویشیر بالسبابة،انتهٰی.(۱)

وقال البرجندی فی شرح النقایة وقدجاء عن علمائنا فی بعض الروایات أنه یفعل کما یفعل الشافعی وهوأن یعقد الخنصروالبنصرویحلق بین الوسطی والإبهام برأسهما ویشیربالسبابة عند التلفظ بالشهادتین،انتهٰی.

(۲) دستِ راست کو اپنی ران پر سیدھا رکھ کر انگلیوں کو قبلہ کی جانب رکھے اور سبابہ سے اشارہ کرے، نہ حلقہ بنانے کی ضرورت ہے اور نہ خنصر و بنصر کو بند کرنے کی۔ صاحب برہان نے اسی طریقہ کو پسند کیا ہے اور درمختار میں درر البحار اور اس کی شرح غرر الاذکار کے حوالہ سے منقول ہے:

المُفتٰی به عندنا أنه یشیرباسطاً إصابعه کلها،انتهٰی.(۲)

(۳) خنصر و بنصر اور درمیانی انگلی کو بند کرے اور انگوٹھے کو سبابہ کی جڑ میں رکھ کر سبابہ کو کھول کر اشارہ کرے اور امام شافعیؒ کا مذہب یہی ہے اور امام احمد سے بھی ایک روایت یہی ہے۔ (**کذا فی شرح المشکوٰة وفی الکفایة**) **وفی قول المدنیین یجب أن یعقد الثلٰث والخمیس ویشیربالسبابة،انتهٰی**

(۴) انگشتِ شہادت کے علاوہ چاروں انگلیوں کو بند کر کے سبابہ سے اشارہ کرے۔ امام مالک رحمہ اللہ نے موطأ میں یہی طریقہ ذکر کیا ہے۔ (مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحیؒ اردو: ۲۲۳-۲۲۴) ☆

(۱) رسائل الأرکان،بیان رفع السبابة: ۸۱،المطبع العلوی لکهنؤ.انیس

(۲) الدرالمختار علی صدرردالمحتار،فروع قرأبالفارسیة أوالتوراة أوالإنجیل: ۵۰۹/۱،دارالفکر.انیس

☆ **تشہد پڑھتے وقت انگلی سے اشارہ کیسے کیا جائے:**

سوال حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب محدث پانی پتی کتاب ''مالابدمنہ'' میں فرماتے ہیں وانگشت خنصر و بنصر از دست راست عقد کند و وسطیٰ وابہام را حلقہ کند وانگشت شہادت را کشادہ دارد و وتشہد نخواند و وقت شہادت اشارہ کند۔ ==

اشارہ کے وقت انگلی کو حرکت دینا:

سوال: سبابہ سے اشارہ کرتے وقت اس کو حرکت دینی چاہئے یا نہیں؟

الجواب

ابوداؤد حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم انگلی کو حرکت نہ دیتے تھے،(۱) اور جن روایات سے حرکت کا ثبوت ملتا ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ آپ انگلی کو اشارہ کرنے کے لئے اٹھاتے تھے اور ظاہر ہے کہ اس میں حرکت بھی ہو جاتی تھی۔ (مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحیٔ اردو: ۲۲۳)

== (اورسیدھے ہاتھ کی چھوٹی اور اس کے بازو کی انگلیوں سے گرہ لگائے اور بیچ کی انگلی اور انگوٹھے کو حلقہ بنائے اور شہادت کی انگلی کو کھول کر تشہد پڑھے اور شہادت کے وقت اشارہ کرے۔) یہ عبارت موافق مذہب امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہے یا نہیں؟ اس سے ابتداءً رفع سبابہ شروع التحیات سے معلوم ہوتا ہے۔ لہٰذا وقت شہادت کے رفع کیا جاوے یا دل ہی سے مرقوم فرمایئے؟

الجواب

بعض علمائے حنفیہ اول کھول کر ہاتھ رکھتے ہیں اور وقت اشارہ کے عقد کرتے ہیں۔ اس کا پتہ بھی حدیث سے ملتا ہے اور ملا علی قاری نے لکھا کہ اول سے ہی عقد کر کے ہاتھ رکھے، یہ بھی درست معلوم ہوتا ہے، دونوں طرح پر عمل درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(تالیفات رشیدیہ: ۲۶۵-۲۶۶)

رفع سبابہ کی بہتر صورت:

سوال: رفع سبابہ کا حکم کیسے ہے اور کس طریقہ سے اگر انگشت نہ اٹھائی جاوے تو کیا حکم ہے انگشت اٹھانا سنت مؤکدہ ہے یا غیر مؤکدہ ہے، انگشت اٹھا کر اختتام نماز سلام تک مشت بند رکھی جاوے یا پہلی ہیئت پر انگلیاں دراز کر کے زانوں پر رکھی جاوے؟

الجواب وباللّٰہ التوفیق

رفع سبابہ کی کئی صورتیں کتب فقہ میں منقول ہیں اور سب درست ہیں؛ لیکن بہتر یہ ہے کہ جب "أشهد أن لا إلٰه إلا اللّٰه" پر پہنچے تو بیچ کی انگلی اور انگوٹھے سے حلقہ بنا کے انگشت شہادت اوپر کو اٹھائے اور پھر خیال اس طرف سے اٹھا کر نماز کی طرف متوجہ کر لے، انگلی شہادت کو طبعی حالت پر چھوڑ دے، گر جائے یا اٹھی رہ جائے، اس طرف التفات نہ کرے، اسی طرح انگلیوں سے حلقہ جو بندھا ہوا تھا، اس کو اس طرح بندھا چھوڑ دے اور نماز پوری کر لے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ العبد نظام الدین الاعظمی عفی عنہ، مفتی دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: سید احمد علی سعید نائب مفتی دارالعلوم دیوبند۔ (نظام الفتاویٰ، جلد پنجم، جزء اول: ۱۵۷)

(۱) عن عبداللّٰه بن زبير أن النبى صلى اللّٰه عليه وسلم كان يشير بأصبعه إذا دعا ولا يحركها.(سنن أبى داؤد، باب الإشارة فى التشهد (ح: ۹۸۹) انیس)

رفع سبابہ کے وقت نگاہ کہاں ہونی چاہئے:

سوال: بندہ نماز میں قعدہ کے وقت نظر گود میں رکھتا ہے، تو کیا رفع سبابہ کے وقت نظر سبابہ کی طرف رکھنی چاہئے؟ اور کیا سلام پھیرنے تک نظر سبابہ کی طرف رکھنی چاہئے؟

الجواب

قعدہ کے وقت نظر گود ہی کی طرف رکھنی چاہئے، سبابہ کی طرف نظر کرنا میری نظر سے نہیں گذرا۔

قال في مراقي الفلاح: ۱۶۱/۱: ومنها نظر المصلي سواءٌ كان رجلاً أو امرأة إلىٰ موضع سجوده قائمًا (إلىٰ أن قال) وإلىٰ حجره جالسًا، إلخ. (۱)

بعد میں ایک حدیث نظر سے گذری جس کو نسائی نے روایت کیا ہے:

عن عبد اللّٰه بن عمر في حديث طويل وفيه: أشار بأصبعه التي تلي الإبهام في القبلة، ورمىٰ ببصره إليها أو نحوها ثم قال: هٰكذا رأيت النبي صلى اللّٰه عليه وسلم يصنع، آه. (۲)

اس سے اشارہ کے وقت سبابہ کی طرف نظر کرنا ثابت ہے، مگر قرار ثابت نہیں۔ واللہ اعلم (امداد الاحکام: ۲/۷۸-۷۹)

اشارہ کے وقت نظر کس جگہ رکھے:

سوال: اشارہ کرتے وقت نظر انگلی پر رکھے یا کسی دوسری جگہ۔

الجواب

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم انگلی اٹھانے اور اشارہ کرنے کے وقت نظر مبارک انگشت پر رکھتے اور کسی دوسری جانب نہیں دیکھتے تھے۔

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم كان يشير بأصبعه إذا دعا ولا يحركها، (۳) ولا يجاوز بصره إشارته، انتهىٰ. (۴)

ابوالحسنات محمد عبدالحئی۔ (مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحئی اردو: ۲۲۳)

---

(۱) كتاب الصلاة، فصل من آدابها، انيس

(۲) باب موضع البصر في التشهد (ح: ۱۱۶۰) ۲/۲۳۶، مكتب المطبوعات الإسلامية حلب، انيس

(۳) سنن أبي داؤد، باب الإشارة في التشهد (ح: ۹۸۹) / سنن النسائي، باب بسط اليسرىٰ على الركبة (ح: ۱۲۷۰) / معرفة السنن والآثار، كيفية وضع اليدين في التشهد (ح: ۳۶۵۲) انيس

(۴) سنن أبي داؤد، باب الإشارة في التشهد (ح: ۹۹۰) انيس

بوقت تشہد ہاتھ رکھنے کی جگہ:

سوال: قعود کی حالت میں دونوں ہاتھ دونوں رانوں پر رکھے یا نہیں؟

الجواب

دونوں ہاتھ رانوں پر رکھے۔

عالمگیریہ میں ہے:

"وضع يديه علىٰ فخذيه وبسط أصابعه، كذافي الهداية، ولايأخذالركبة في الأصح، كذافي الخلاصة، إنتهىٰ (۱) (مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحیؒ اردو:۲۲۴)

تشہد میں انگلی اٹھا کر کس لفظ پر گرائی جائے:

سوال: نماز میں "التحیات" پڑھتے وقت جو انگلی "أشهد أن لا إلٰه إلا اللّٰه" کے وقت اٹھائی جاتی ہے، وہ کس وقت گرانی چاہیئے؟

الجواب

شرح منیہ میں امام حلوانیؒ سے نقل کیا ہے کہ! "لا إلٰه" پر انگشت کو اٹھاوے اور "إلا الله" پر رکھ دیوے۔(۲) فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۱۸۹)

اشارہ کے بعد انگلیوں کو کھولنا:

سوال: اشارے کے طریقوں میں جو کھولنا اور بند کرنا مذکور ہے، کیا اشارہ کے بعد بھی اسی کو باقی رکھے یا تمام انگلیوں کو کھول دے؟

الجواب

اسی طریقہ کو باقی رکھے۔ ملا قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

والصحيح المختار عند جمهور أصحابنا أنه يضع كفيه علىٰ فخذيه ثم عند وصوله إلىٰ كلمة

(۱) الفتاویٰ الهندية، الفصل الثالث في سنن الصلاة وآدابها: ۱/۷۵، دارالفكر بيروت. انيس

(۲) يرفعها عند النفي ويضعها عند الإثبات. (الدر المختار)

وفي المحيط: أنها سنة يرفعها عند النفي ويضعها عند الإثبات وهو قول أبي حنيفة ومحمد رحمهما الله تعالىٰ وكثرت به الآثار والأخبار فالعمل به أولىٰ. (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، قبيل مطلب مهم في عقد الأصابع عند التشهد: ۱/۴۷۵ / كبيری، صفة الصلاة: ۳۲۸)

التوحيد يعقد الخنصر والبنصر ويحلق الوسطى والإبهام ويشير بالمسبحة رافعاً لها عند النفي وواضعاً لها عند الإثبات ثم يستمر علىٰ ذلک لأنه ثبت العقد عند الإشارة بلا خلاف ولم يوجد غيره، فالأصل إبقاء الشيء علىٰ ما هو عليه وأصحابه إلىٰ آخره، انتهىٰ. (مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحیٔ اردو: ۲۲۴)

متون میں رفع سبابہ کا ذکر کیوں نہیں:

سوال: متون میں رفع سبابہ کا ذکر کیوں نہیں کیا اور یہ کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب

درمختار میں اس کی تفصیل دیکھ لیں، اس میں بعض متون سے بھی رفع سبابہ نقل کیا ہے اور رفع سبابہ کی تصحیح کی ہے اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو اپنا اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول لکھا ہے۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲/۲۰۱)

دائیں ہاتھ کی انگشت نہ اٹھا سکتا ہو تو کیا کرے:

سوال: ایک شخص داہنے ہاتھ کی انگلی شہادت اٹھانے سے مجبور ہے، تشہد میں بائیں ہاتھ کی انگلی اٹھاتا ہے، زید منع کرتا ہے؟

الجواب

اگر داہنے ہاتھ میں عذر ہے اور انگشت نہیں اٹھا سکتا تو وہ انگشت نہ اٹھاوے، بائیں ہاتھ کی انگشت اٹھانے کا حکم نہیں ہے۔(۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲/۱۹۲) ☆

(۱) مفصل حوالہ گذر چکا۔ وهو قول أبي حنيفة ومحمد رحمهما اللّٰه وكثرت به الأثار والأخبار فالعمل به أولىٰ. (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، قبيل مطلب مهم في عقد الأصابع عند التشهد: ۱/۴۷۵، ظفير)

(۲) الصحيح أنه يشير بمسبحة وحدها، يرفعها عند النفي. (الدر المختار)

(قوله: بمسبحة وحدها) فيكره أن يشير بالمسبحتين كما في الفتح وغيره. (رد المحتار، باب صفة الصلاة: ۱/۴۷۴، ظفير) (كتاب الصلاة، قبيل مطلب مهم في عقد الأصابع عند التشهد، انيس)

☆ **معذوری کی وجہ سے داہنے ہاتھ سے رفع سبابہ ممکن نہ ہو تو:**

سوال: اگر کسی شخص کا داہنا ہاتھ کٹا ہوا ہو یا انگشت سبابہ کٹی ہو یا داہنا ہاتھ مفلوج ہو اور انگشت شہادت کا اٹھانا قابو میں نہ ہو تو تشہد میں اس کے بدلے بائیں ہاتھ کی انگلی اٹھا سکتا ہے یا اٹھانا چاہئے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

اس کے متعلق کوئی نقل نظر سے نہیں گذری کہ بائیں ہاتھ سے اشارہ کرے، اس لئے ظاہر یہ ہے کہ اس صورت میں اشارہ کا استحباب ساقط ہے کیوں کہ جو فعل اس کا سنت سے منقول ہے وہ موجود نہیں اور کسی دوسرے عضو کو اس کا قائم مقام کرنا محض قیاس سے درست نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم (اضافہ) (امداد المفتین: ۲/۲۷۵)　==

افضل درود شریف:

سوال: نماز کے باہر کون سا درود شریف پڑھنا چاہئے، وہ درود شریف تحریر کیجئے؛ جس کی فضیلت احادیث میں آئی ہو؟

الجواب ______________ حامداً و مصلیًا

سب سے افضل درود شریف وہی ہے جو نماز میں پڑھا جاتا ہے۔(۱) فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، یو پی۔ الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

(فتاویٰ محمودیہ:۵/۶۴۴-۶۴۵)

== کسی وجہ سے انگشت شہادت سے اشارہ ممکن نہ ہو تو کسی اور انگلی سے نہ کریں:

سوال: میری شہادت کی انگلی میں کافی دنوں سے پھوڑا نکلا ہوا ہے انگلی کو حرکت دینے سے ٹیسیں اٹھتی ہیں تو بوقتِ تشہد اس انگلی کے بجائے دوسری انگلی سے اشارہ کر سکتا ہوں یا نہیں؟ (قمر الدین مکتبہ ربانیہ نزد خیر المدارس ملتان)

الجواب ______________

اگر تکلیف کی وجہ سے انگشتِ شہادت سے اشارہ مشکل ہو تو اشارہ ترک کر دیں، کسی اور انگلی سے نہ کریں؛ کیونکہ اشارہ اسی انگلی سے مستحب ہے۔

”لایشیر بغیر المسبحة حتیٰ لو کانت مقطوعة أو علیلة لم یشر بغیرها من أصابع الیمنیٰ و الیسریٰ کمافی النووی علیٰ مسلم.(طحطاوی:۱٤۷)(فصل فی بیان سننها،انیس)فقط واللّٰہ أعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ، مفتی خیر المدارس ملتان۔ ۷/۷/۱۴۱۰ھ۔(خیر الفتاویٰ:۲/۲۶۰-۲۶۱)

(۱) أفضل العبارات علی ما قال المرزوقی: ”اللهم صل علیٰ محمد وعلیٰ آل محمد،آه“.(ردالمحتار،خطبة الکتاب،مطلب أفضل صیغ الصلاة : ۱/۱۳،سعید)

”حدثنا شعبة عن الحکم،قال:سمعت ابن أبی لیلیٰ قال:لقینی کعب بن عجرة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه فقال:ألا أهدی لک هدیةً،خرج علینا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم،فقلنا:قد عرفنا کیف نسلم علیک،فکیف نصلی علیک؟قال:”قولوا:اللّٰهم صلی علیٰ محمد وعلیٰ آل محمد کما صلیت علیٰ إبراهیم إنک حمید مجید،اللهم بارک علیٰ محمد وعلیٰ آلِ محمد کما بارکت علیٰ ابراهیم،إنک حمید مجید“.(الصحیح لمسلم،کتاب الصلاة،باب الصلاة علی النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم بعد التشهد: ۱/۱۷۵، قدیمی)(رقم الحدیث:٤٠٦،انیس)

”قال:سئل محمد عن الصلوٰة علی النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم،فقال:یقول”اللّٰهم صل علیٰ محمد وعلیٰ آل محمد کما صلیت علیٰ إبراهیم وعلیٰ آل إبراهیم إنک حمید مجید،وبارک علیٰ محمد وعلیٰ آل محمد کما بارکت علیٰ إبراهیم وعلیٰ آل إبراهیم إنک حمید مجید“،وهی الموافقة لما فی الصحیحین وغیرهما“.(رد المحتار،کتاب الصلاة،فصل فی بیان تألیف الصلوٰة إلیٰ انتهائها: ۱/۵۱۲،سعید)

درود میں سیدنا کا اضافہ کیسا ہے:

سوال: جو درود شریف بعد تشہد کے نماز میں پڑھا جاتا ہے اور بدونِ لفظ ''سیدنا'' مروی ہے، آیا بلا ''سیدنا'' پڑھنا چاہئے، یا اضافہ لفظ ''سیدنا'' کیا جاوے؟

الجواب

اضافہ لفظ ''سیدنا'' میں کچھ مضائقہ نہیں ہے؛ لیکن تشہد نماز میں جیسا کہ وارد ہوا ہے بلا لفظ ''سیدنا''، ویسا ہی بہتر ہے۔(۱) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۱۶۸-۱۶۹)

درود شریف میں لفظ سیدنا کا اضافہ اولیٰ ہے:

سوال: ایک سائل کو یہ جواب تحریر فرمایا جو درج ذیل ہے۔سوال کا حاصل صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ خارج صلوٰۃ یا داخل صلوٰۃ درود شریف میں لفظ سیدنا کا اضافہ کرنا کیسا ہے؟　　(محمد خالد عفا اللہ عنہ)

الجواب

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے لفظ سیدنا کا اضافہ صلوٰۃ میں اولیٰ لکھا ہے تو غیر صلوٰۃ میں بھی بالا ولیٰ ہوگا اور کتابت میں بھی لکھنا اولیٰ ہے۔فقط

خلیل احمد عفی عنہ۔(فتاویٰ مظاہر علوم:۱/۹۷-۹۸) ☆

---

(۱) وصلّٰی علی النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم إلخ وندب السیادۃ،لأن زیادۃ الإخبار بالواقع عین سلوک الأدب، فھو أفضل من ترکہ،ذکرہ الرملی الشافعی وغیرہ وما نقل ''لاتسودونی فی الصلاۃ'' فکذب.(الدر المختار)

قال:سئل محمد عن الصلوٰۃ علی النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم،فقال:یقول''اللّٰھم صلّ علٰی محمد وعلٰی آل محمد إلخ وھی الموافقۃ لما فی الصحیحین وغیرھما إلخ...واعترض بأن ھٰذا مخالف لمذھبنا لما مر من قول الإمام من أنہ لوزاد فی تشھدہ أونقص فیہ کان مکروھاً،قلت:فیہ نظر فإن الصلوٰۃ زائدۃ علی التشھد.(رد المحتار،باب صفۃ الصلوٰۃ: ۴۷۸/۱-۴۷۹،ظفیر)(کتاب الصلاۃ،قبیل مطلب فی جواز الترحم علٰی النبی ابتداء ومطلب فی جواز التراحم علٰی النبی ابتداءً،انیس)

☆ **درود میں 'سیدنا' کا اضافہ افضل ہے:**

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نماز میں درود شریف ''**اللّٰھمّ صلّ علٰی محمد**'' کہنا افضل ہے، یا ''**اللّٰھمّ صلّ علی سیّدنا محمّد**'' کہنا افضل ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملھم الصّواب

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابراہیم علیہ السلام دونوں کے ساتھ لفظ ''سیدنا'' کا اضافہ افضل ہے۔ ==

درود شریف نہ پڑھنے سے نماز ہو جاتی ہے:

سوال: زید نے نماز میں درود شریف قصداً نہ پڑھا، بکر کہتا ہے کہ نماز نہیں ہوئی، زید کہتا ہے نماز ہوگئی، تو کس کا قول صحیح ہوگا؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــ باسم ملهم الصّواب

نماز ہو جائے گی، کیوں کہ درود شریف پڑھنا سنت ہے، اور سنت کے ترک سے نماز ہو جاتی ہے، مگر نماز کا اعادہ بہتر ہے، بالخصوص درود شریف کے ترک سے اعادہ کی اہمیت اس لیے زیادہ ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں قعدۂ اخیرہ میں درود شریف فرض ہے، لہٰذا جلدی کی صورت میں بھی **اللّٰهمّ صلِّ علیٰ محمّد** تک پڑھ لینا چاہیے۔

قال فی الدر: وسنّة فی الصلاة، ومستحبّة فی کلّ أوقات الإمکان.

وفی الشامیة (قوله سنّة فی الصلاة) أی فی قعود أخیر مطلقًا وکذا فی قعود أوّل فی النوافل غیر الرواتب، تأمل وفی صلاة الجنازة. (رد المحتار: ۴۸۳/۱)(۱)

== قال فی الدر: وندب السیادة؛ لأنّ زیادة الإخبار بالواقع عن سلوک الأدب، فهو أفضل من ترکه ذکره الرّملی الشافعی وغیره. وقال المحشی: (قوله ذکره الرملی الشافعی) أی فی شرحه علیٰ منهاج النّووی ونصّه: "والأفضل الإتیان بلفظ السیادة کما قاله ابن ظهیریة وصرّح به جمع وبه أفتی الشارح لأنّ فیه الإتیان بما أمرنا به وزیادة الإخبار بالواقع الذی هو أدب، فهو أفضل من ترکه، آه (إلیٰ قوله) وأنه یأتی بها مع إبراهیم علیه السلام. (رد المحتار: ۴۷۹/۱) **(کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، قبیل مطلب فی الکلام علی التشبه فی کما صلیت علیٰ إبراهیم، انیس) فقط والله تعالیٰ أعلم**

۲ رجب ۱۳۸۶ھ۔ (احسن الفتاویٰ، جلد: ۳/۲۷)

نماز والے درود شریف میں "سیدنا ومولانا" کا اضافہ کرنا:

سوال: نماز میں التحیات اور تشہد کے بعد والے درود میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ناموں سے پہلے "سیدنا ومولانا" پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب ــــــــــــ

ہمارے ائمہ سے تو یہ مسئلہ منقول نہیں، درمختار میں اس کو شافعیہ کے حوالے سے مستحب لکھا ہے اور اس سے موافقت کی ہے۔ **(وندب السیادة لأنّ زیادة الإخبار بالواقع عن سلوک الأدب فهو أفضل من ترکه، ذکره الرملی الشافعی وغیره.**

(الدر المختار: ۵۱۳/۱، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، طبع ایچ ایم سعید) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۵۱/۷)

علماء احناف نے کلمۂ تشہد میں اضافہ سے منع کیا ہے، دارالعلوم دیوبند کا فتویٰ مذہب حنفی کے اسی اصول کے تحت ہے، مذہب شافعی میں اضافہ کرسکتا ہے، واضح رہے کہ اضافہ سے معنی میں کوئی فرق واقع نہیں پڑتا ہے، اس لیے بڑھانا نہ بڑھانا دونوں درست ہے، فرق صرف اتنا ہے کہ اضافہ کی صورت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف میں اضافہ ہوتا ہے اور یہ محمود عمل ہے، اس لیے بڑھانا افضل ہے۔ انیس

(۱) **کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فروع قرأ بالفارسیة أو التوراة أو الإنجیل، انیس**

وفی سنن الصلاۃ من الدّر: ترک السّنۃ لایوجب فسادًا ولا سھوًا بل اساءۃً لوعامدًا غیر مستخف.

وفی الشامیۃ: فلوغیرعامد فلا إساءۃ أیضًا، بل تندب إعادۃ الصلاۃ کما قدمناہ فی أوّل بحث الواجبات. (رد المحتار: ۱/۴۴۲)(۱)

ونصّہ ھناک أقول: وقد ذکر فی الإمداد بحثًا: أن کون الإعادۃ بترک الواجب واجبۃ لا یمنع أن تکون الإعادۃ مندوبۃ بترک سنّۃ آہ. ونحوہ فی القھستانی بل قال فی فتح القدیر: والحق التفصیل بین کون تلک الکراھۃ کراھۃ تحریم فتجب الإعادۃ، أوتنزیہ فتستحب، اھ. (رد المحتار: ۱/۴۲۵)(۲) **فقط واللّٰہ تعالٰی أعلم**

۱۷/صفر ۱۳۸۷ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ۳/۲۹، ۳۰)

نماز میں درود کے بعد کی دعا:

سوال: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نماز میں التحیات کی جگہ کون سی دعا پڑھی ہے؟ حدیث سے ثابت کیجئے۔ اور قعدہ میں درود ابراہیمی کی جگہ کون سی دعا پڑھی ہے یا درود پڑھی ہے؟ حدیث سے ثابت کیجئے۔ اور فرض نماز میں کیا پڑھا ہے؟ وہ لکھئے؟

الجواب ــــــــــــــــ حامداً و مصلیًا

حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز میں ہر دو رکعت پر قعدہ میں التحیات پڑھا کرتے تھے اور جب سلام پھیرنا ہوتا تو التحیات کے بعد درود ابراہیمی پڑھا کرتے تھے اور اس کے بعد دعا بھی پڑھتے تھے۔ ایک دعا یہ ہے:

"اللّٰھم إنی أعوذبک من عذاب جھنم" (۳) "وأعوذبک من عذاب القبروأعوذبک من فتنۃ المسیح الدجال وأعوذ بک من فتنۃ المحیا والممات، اللّٰھم إنی أعوذبک من المأثم والمغرم". (۴)

---

(۱) کتاب الصلاۃ، باب صفۃ الصلاۃ، مطلب: سنن الصلاۃ، انیس

(۲) کتاب الصلاۃ، باب صفۃ الصلاۃ، مطلب: کل صلاۃ أدیت مع کراھۃ التحریم تجب إعادتھا، انیس

(۳) عن أبی ھریرۃ رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ قال: قال رسول اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم: "إذا تشھد أحدکم فلیستعذ باللّٰہ من أربع یقول: اللّٰھم إنی أعوذبک من عذاب جھنم ومن عذاب القبرومن فتنۃ المحیاوالممات، ومن شرفتنۃ المسیح الدجال". (الصحیح لمسلم، کتاب الصلاۃ، باب استحباب التعوذ من عذاب القبر: ۱/۲۱۷، قدیمی، (ح: ۵۸۸) انیس)

(۴) وقدوری مسلم ھذا الدعاء بسندہ عن عائشۃ رضی اللّٰہ تعالٰی عنھا زوج البنی صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ و سلم، أخبرتہ، أن النبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم کان یدعوفی الصلاۃ: "اللّٰھم أعوذبک من عذاب القبر". إلٰی آخرالحدیث. (الصحیح لمسلم، کتاب الصلاۃ، باب استحباب التعوذ من عذاب القبروعذاب جھنم: ۱/۲۱۷، قدیمی، (ح: ۵۸۹) انیس)

اور بھی دعائیں منقول ہیں۔(۱)

رسالہ "تعلیم الاسلام" میں پوری طرح نماز کی ترکیب شروع سے اخیر تک درج ہے، یہ رسالہ عام طور پر اردو کتب فروشوں کی دوکانوں میں مل جاتا ہے۔فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ۔(فتاویٰ محمودیہ:۶۴۵/۵-۶۴۶)

درود شریف کے بعد کئی دعائیں پڑھنے کا حکم:

سوال: امامت کراتے ہوئے یا اکیلا نماز پڑھتے ہوئے درود پاک کے بعد "رَبِّ اجْعَلْنِیْ" اور "رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً" الخ، یہ دونوں دعائیں پڑھ سکتا ہے یا ایک پڑھے؟

الجواب

پڑھ سکتا ہے، بہتر ہے کہ بصورت امامت ایک دعا پڑھے۔(۲) فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ، رئیس الافتاء جامعہ خیر المدارس ملتان۔۱۰/۷/۱۴۰۳ھ۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ، مرتب خیر الفتاویٰ۔(خیر الفتاویٰ:۲۶۸/۲-۲۶۹)

دعا کے بغیر سلام پھیر دیا:

سوال: التحیات کے بعد سلام پھیر دیا گیا، یا درود بھی پڑھ لیا؛ مگر دعا نہیں پڑھی اور سلام پھیر دیا، تو نماز ہوگئی، یا نہیں؟

---

(۱) عن حنظلة بن على أن محجن بن الأدرع رضى الله تعالىٰ عنه حدثه،قال:دخل رسول الله تعالىٰ عليه وسلم المسجد، فإذا هو برجل قدقضى صلاته وهويتشهد وهويقول:اللّهم إنى أسئلک يا الله الأحد الصمد الذى لم يلد ولم يولد،ولم يكن له كفواًأحد،أن تغفرلى ذنوبى،إنک أنت الغفور الرحيم،قال:فقال:"قد غفرله قد غفرله ثلاثاً".(سنن أبى داؤد، كتاب الصلاة،باب مايقول بعد التشهد:۴۱۲-۴۱۴/۱، سعيد)(ح:۹۸۵)انيس)

والتفصيل فى(الفتاوىٰ الهندية،كتاب الصلاة،الباب الرابع فى صفة الصلاة،الفصل الثالث فى سنن الصلاة و آدابها:۷۶/۱،رشيدية)

"ويتشهد...وصلى على النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم...ودعاء بما يشهه ألفاظ القرآن،والأدعية الماثورة آه".(الهداية،كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة:۱۱۲/۱-۱۱۳،مكتبة شركة علمية،ملتان)

(۲) وكره للإمام تطويل الصلاة،لما فيه من تنفير الجماعة لقوله عليه السلام:"من أم فليخفف"آه.(مراقى الفلاح) (قوله تطويل الصلاة)بقراءة أوتسبيح أوغيرهما رضى القوم أم لا،لإطلاق الأمر بالتخفيف،آه.(الطحطاوى :۱۶۶)(فصل فى بيان الأحق بالإمامة،انيس)

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیًا

ہوگئی۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔ ۱۷/۶/۱۳۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین غفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔ ۱۷/۶/۱۳۹۲ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۶۴۱/۵)

نماز سے نکلنے کا سنت طریقہ:

سوال: نماز سے نکلنے کا سنت طریقہ کیا ہے؟ لفظ سلام میں وبرکاتہ بھی کہے یا صرف ''السلام علیکم'' کہے؟ مذاھب اربعہ کی روشنی میں جواب عنایت کریں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

ائمہ ثلاثہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ نماز سے نکلنے کا سنت طریقہ یہ ہے کہ پہلے داہنی طرف لفظ ''السلام علیکم ورحمة اللّٰہ'' کہے پھر بائیں طرف ''السلام علیکم ورحمة اللّٰہ'' کہے نہ اس سے کم کرے اور نہ اس میں اضافہ کرے، یہی متوارث عمل ہے، البتہ امام مالک کے نزدیک صرف ''السلام علیکم'' سنت ہے، ''ورحمة اللّٰہ'' کی زیادتی مسنون نہیں۔

(۱) مذہب احناف:

ملاحظہ ہو؛ مبسوط میں ہے:

(ثم یسلم تسلمتین أحداهما عن یمینیه ''السلام علیکم ورحمة اللّٰہ''، والأخریٰ عن یسارہ مثل ذلک) لقول النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم ''وتحلیلها السلام''. (المبسوط للإمام السرخسی: ۳۰/۱، مطلب فی حکم التسلیم، إدارۃ القرآن)(۲)

شرح منیة المصلی میں ہے:

''ویسلم عن یمینیه ویقول ''السلام علیکم ورحمة اللّٰہ''، ولایقول فی ھذا السلام... ''وبرکاته'' کذا ذکرفی المحیط فإن المروی فیه عن ابن مسعود رضی اللّٰہ عنه أن النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم کان یسلم عن یمینه ''السلام علیکم ورحمة اللّٰہ''، حتیٰ یریٰ بیاض خدہ الأیمن و

(۱) (وسننها) ترک السنة لایوجب فسادًا ولاسهوًا، بل إساءةً لوعامدًا غیرمستخف، وقالوا: الإساءة أدون من الکراھة، ثم ھی علیٰ ماذکرہ ثلاثة وعشرون: (رفع الیدین للتحریمة... والصلاة علی النبی، والدعاء). (الدر المختار، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۴۷۳/۱ـ۴۷۷، سیعد)

(۲) کیفیة الدخول فی الصلاة، انیس

عن يساره ''السلام عليكم ورحمة الله'' حتى يرى بياض خده الأيسر، رواه أصحاب السنن الأربعة، وقال الترمذى رحمه الله حديث حسن صحيح ولا يتوهم ان مراده هذا السلام الأول وأنه يقول فى السلام الثانى ''وبركاته'' كما يفعله بعض الجهال، لأن ذلك خلاف السنة، كما فى هذا الحديث الصحيح و خلاف عمل الأمة. (شرح منية المصلى: ٣٣٦، سهيل/وكذا فى الطحطاوى على مراقى الفلاح: ٢٧٤، قديمى/وفى الفتاوىٰ الهندية: ٧٦/١)

(۲)　مذہب مالکیہ:

قال العلامة شمس الدين الدسوقى: وظاهر كلام أهل المذهب أنها (ورحمة الله و بركاته) غير سنة وإن ثبت بها الحديث لأنها لم يصحبها عمل أهل المدينة بل ذكر فى المنح: أن الأولى الاقتصار على ''السلام عليكم'' وإن زيادة ورحمة الله وبركاته هُنا خلاف الأولى. (حاشية الدسوقى: ٣٧٩/١، وكذا فى مواهب الجليل: ٢١٩/٢. وفى شرح مختصر خليل: ٣٤٤/٣. وفى المدونة الكبرى: ٢٦٦/١)(١)

وقال الإمام مالك: فى ''السلام'' يقول: ''السلام عليكم''، بلا ''ورحمة الله''. (الاستذكار لابن عبدالبر: ٢٨٩/٤)

(۳)　مذہب شوافع: ملاحظہ ہو کتاب الام میں ہے:

(قال الشافعى) وبهذا الحديث كلها نأخذ فنأمر كل مصل أن يسلم تسليمتين إمامًا كان، أو مأمومًا، أو منفردًا ونأمر المصلى خلف الإمام إذا لم يسلم الإمام تسليمتين أن يسلم هو تسليمتين ويقول فى كل واحد منهما ''السلام عليكم ورحمة الله''. (كتاب الأم: ١٤٦/١، باب السلام فى الصلاة، دار الفكر. وكذا فى شرح المهذب: ٤٧٣/٣. فرضية السلام فى الصلاة، دار الفكر)

(۴)　مذہب حنابلہ: المغنی میں ہے:

مسئلة: قال: ثم يسلم عن يمينه فيقول: ''السلام عليكم ورحمة الله'' وعن يساره كذلك لما روى ابن مسعود رضى الله عنه قال: رأيت النبى صلى الله عليه وسلم... قال الترمذى: حديث ابن مسعود رضى الله عنه حديث حسن صحيح. (المغنى لابن قدامة الحنبلى: ٥٨٨/١، وكذا فى الشرح الكبير: ٥٨٨/١، دار الكتب العلمية، لبنان)(٢) والله سبحانه تعالى أعلم (فتاویٰ دار العلوم زکریا: ۱۶۴/۲-۱۶۶)

---

(١)　الشرح الكبير وحاشية الدسوقى، فصل فى فرائض الصلاة: ٢٤١/١، دار الفكر/مواهب الجليل فى مختصر خليل، مسألة الحركة إلى الأركان هل هى واجبة لنفسها أولغيرها فى الصلاة: ٥٢٣/١، دار الفكر/ شرح مختصر خليل للخرشى، فصل فى فرائض الصلاة: ٢٧٣/١، دار الفكر. انيس

(٢)　مسألة إذا فرغ من صلاته وأراد الخروج منها: بعد فصل يسلم تسليمتين عن يمينه ويساره، انيس

سلام پھیرتے وقت جو ملے، وہ تشہد پورا کرے یا نہیں:

سوال: جس شخص نے امام کی اقتدا سلام پھیرنے کے وقت کی ہو تو کیا بعد سلام امام اس کو تشہد پورا کرنا ضروری ہے؟

الجواب

شامی جلد:۱/۳۴۳، میں ہے کہ مختار اس صورت میں یہ ہے کہ تشہد پورا کر کے کھڑا ہو اور اگر پورا نہ کیا اور کھڑا ہو گیا تو یہ بھی جائز ہے۔(۱) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۱۶۴-۱۶۵)

امام کے سلام پھیرتے وقت مقتدی دعا پوری نہ کر سکا ہو تو کیا کرے:

سوال: امام سلام پھیر دے اور مقتدی کی کچھ دعا باقی ہو، تو فوراً امام کے ساتھ سلام پھیر دے، یا ختم کر کے سلام پھیرے؟

الجواب

اگر تھوڑی سی دعا باقی رہی ہے، تو جلدی سے پورا کر کے کچھ بعد میں سلام پھیر لے، تو اس میں بھی کچھ حرج نہیں ہے۔(۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۱۶۵)

مقتدی کے تشہد مکمل کرنے سے قبل امام کھڑا ہو جائے تو مقتدی کیا کرے:

سوال: تشہد کا پڑھنا کیسا ہے؟ کیا امام کی اقتدا تشہد میں بھی ضروری ہے جب کہ امام صاحب تشہد میں جلدی کرتے ہیں، بعض مقتدی کو تشہد میں دیر ہوتی ہے اور امام صاحب کھڑے ہو جاتے ہیں یا نماز ختم کر لیتے ہیں تو کیا مقتدی تشہد مکمل کرے یا نہ کرے؟

الجواب وباللہ التوفیق

تشہد پڑھنا واجب ہے اور امام کی اتباع بھی واجب ہے، صورت مذکورہ میں تشہد مکمل کر لینے کے بعد بھی اگر مقتدی کھڑا ہوگا تو امام کی اتباع ہو جائے گی، لہٰذا مقتدی تشہد مکمل کر کے اس کے بعد امام کی اتباع کے لئے کھڑا ہو۔

"ومتابعة الإمام".(الدر المختار)

---

(۱) **وشمل بإطلاقه مالو اقتدیٰ به فی أثناء التشهد الأول أو الأخير، فحين قعد قام إمامه أو سلم، و مقتضاه أنه يتم ثم يقوم ولم أره صريحاً، ثم رأيته فی الذخيرة ناقلاً عن أبی الليث: المختار عندی أن يتم التشهد وإن لم يفعل أجزاه.(رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۱/۴۶۳، بعد مطلب فی إطالة الركوع للجائی، ظفير)**

(۲) **ولو سلم والمؤتم فی أدعية التشهد تابعه لأنها سنة والناس عنه غافلون.(الدر المختار علی هامش رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فصل إذا أراد الشروع: ۱/۴۶۳، بعد مطلب فی إطالة الركوع للجائی، ظفير)**

(قولہ:ومتابعة الإمام)قال فی شرح المنیة:لاخلاف فی لزوم المتابعة فی الأرکان الفعلیة إذ هی موضوع الاقتداء.واختلف فی المتابعة فی الرکن القولی وهو القراءة،فعند مالایتابع فیها بل یستمع وینصف وفیما عدا القراءة من الأذکاریتابعه.والحاصل أن متابعة الإمام فی الفرائض و الواجبات من غیرتأخیرواجبة،فإن عارضها واجب لاینبغی أن یفوته بل یأتی به ثم یتابع،کما لوقام الامام قبل أن یتم المقتدی التشهد فإنه یتمه ثم یقوم لأن الإتیان به لا یفوّت المتابعة بالکلیة،وإنمایؤخرها،والمتابعة مع قطعه تفوّته بالکلیة،فکان تأخیرأحد الواجبین مع الإتیان بهما أولٰی من ترک أحدهما بالکلیة،بخلاف ماإذاعارضها سنة،کما لورفع الإمام قبل تسبیح المقتدی ثلاثًا فالأصح أنه یتابعه؛لأن ترک السنة أولٰی من تأخیرالواجب، آه.(رد المحتار، کتاب الصلاة،باب صفة الصلاة،مطلب:مهم فی تحقیق متابعة الإمام: ۱۶۵/۲)

محمد نعمت اللہ قاسمی ۔۱۴۰۹/۵/۲۱ھ ۔(فتاویٰ امارت شرعیہ:۲/ ۳۸۷۔۳۸۸)

مقتدی کے بعد درود کی دعا پڑھنے سے پہلے امام سلام پھیر دے تو وہ کیا کرے:

سوال: اگر امام نے سلام پھیر دیا اور مقتدی نے صرف 'التحیات' اور صرف 'درود' ہی پڑھا ہے، دعا نہیں پڑھی،تو کیا مقتدی کو بھی امام کے ساتھ سلام پھیر دینا چاہیے یا دعا پڑھ کر؟

الجواب

اس صورت میں مقتدی امام کے ساتھ سلام پھیر دیوے۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۱۶۹/۲)

مقتدی کس وقت سلام پھیرے:

سوال: مقتدی کو کس وقت سلام پھیرنا چاہیے؟

---

(۱) ولوسلّم(الإمام)والمؤتم فی أدعیة التشهد تابعه لأنها سنة والناس عنه غافلون.(الدرالمختار)

(قولہ:فی أدعیة التشهد)یشمل الصلوٰة علی النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم.(رد المحتار،کتاب الصلاة،باب صفة الصلاة،فصل إذا أراد الشروع: ۴۶۳/۱،ظفیر)(مطلب فی إطالة الرکوع للجائی،انیس)

عن أنس بن مالک أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم رکب فرساً فصرع عنه فجحش شقه الأیمن فصلی صلاة من الصلوات وهو جالس فصلینا جلوساً فلما انصرف قال:إنما جعل الإمام لیؤتم به إذا صلی قائما فصلوا قیاماً وإذا رکع فارکعوا وإذا قال سمع اللّٰہ لمن حمده فقولوا ربنا ولک الحمد وإن صلی قاعداً فصلوا قعوداً أجمعین.

قال محمد:وبهذا نأخذ،صلاة الرجل قاعداً للتطوع مثل نصف صلاته قائماً فأما ماروی من قوله إذا صلی الإمام جالساً فصلوا جلوساً أجمعین فقدروی ذلک وقد جاء ماقدنسخه.(مسند الإمام مالک بروایة محمدبن الحسن،باب صلاة القاعد (ح:۱۵۷): ۷۱/۱،المکتبة العلمیة.انیس)

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ

مقتدی کے لئے بہتر یہ ہے کہ امام جب دائیں طرف سلام پھیرے تو مقتدی بھی دائیں طرف سلام پھیرے اور جب امام دائیں طرف سے فارغ ہوکر بائیں طرف پھیرے تو مقتدی امام کے بعد بائیں طرف سلام پھیرے، یعنی امام سے مقدم نہ ہو۔(۱)

لما قال فخر الدين قاضى خان رحمة الله عليه: قال الفقيه أبو جعفر رحمه الله المختار أن ينتظر إذا سلم الإمام عن يمينيه فيسلم المقتدى عن يمينيه وإذا فرغ الإمام عن يساره يسلم المقتدى عن يساره. (فتاوىٰ قاضى خان علىٰ هامش الهندية، فصل فيمن يصح الاقتداء به فيمن لا يصح: ۸۸/۱) (۲) (فتاویٰ حقانیہ: ۱۰۷/۳)

مقتدی کے لئے امام کی اتباع:

سوال: امام تکبیر کہتا ہوا سجدہ سے کھڑا ہوا اور مقتدیوں میں سے بعض نے اٹھنے میں اتنی تاخیر کی کہ امام نے قرأت شروع کردی، یہ فعل درست ہے یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

مقتدیوں کو امام کی پیروی کرنی چاہئے، نہ امام سے سبقت کرنی چاہئے اور نہ زیادہ تاخیر کرنی چاہئے۔ اگر کسی مقتدی کی حرکت کراہت کا سبب ہو تو اسی کی نماز میں کراہت آئے گی دوسرے کی نماز میں کوئی کراہت نہیں آئے گی۔(۳)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی۔ ۲۸/ ۱۰/ ۱۳۷۰ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۱۲۵/۲)

---

(۱) **عن أبى هريرة قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يعلمنا، يقول: لا تبادروا الإمام إذا كبر فكبروا وإذا قال "ولا الضالين" فقولوا: آمين، وإذا ركع فاركعوا وإذا قال سمع الله لمن حمده فقولوا: اللّٰهم ربنا لك الحمد. (الصحيح لمسلم، باب النهى عن مبادرة الإمام فى التكبير (ح: ٤١٥) انیس)**

(۲) **قال الفقيه أبو جعفر رحمه الله: المختار أن ينتظر إذا سلم الإمام عن يمينه يسلم المقتدى عن يمينيه وإذا فرغ عن يساره يسلم المقتدى عن يساره، آه. (الفتاوىٰ الهندية، الفصل الثالث فى سنن الصلاة وآدابها إلخ: ۷۷/۱) (الباب الرابع فى صفة الصلاة، انیس)**

(۳) **والحاصل أن متابعة الإمام في الفرائض والواجبات من غير تأخير واجبة، فإن عارضها واجب لا ينبغي أن يفوته بل يأتي به ثم يتابع، كما لو قام الإمام قبل أن يتمّ المقتدي التشهد فإنه يتمّه ثم يقوم لأن الإتيان به لا يفوت المتابعة بالكلية وإنما يؤخّرها، والمتابعة مع قطعه تفوته بالكلية، فكان تأخير أحد الواجبين مع الإتيان بهما أولىٰ من ترك أحدهما بالكلية، بخلاف ما إذا عارضها سنة، كما لو رفع الإمام قبل تسبيح المقتدي ثلاثًا فالأصح أنه يتابعه، لأن ترك السنة أولىٰ من تأخير الواجب. (رد المحتار، مطلب؛ مهم فى تحقيق متابعة الإمام: ۱٦٥/۲، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، انیس)**

ختم نماز "السّلام علیکم" پرہونا چاہئے:

سوال: " السّلام علیکم ورحمة الله "، پرنماز ختم کردینا چاہئے، یالفظ " برکاته" بھی پڑھا جائے؟

الجواب

صرف لفظ "السّلام علیکم ورحمة اللّه" کہنا سنت ہے، کما فی الأنوار الساطعة عن منية المصلي: "وأن يقول: السّلام عليكم ورحمة اللّه" مرتين، اهـ. (۱)

اوراسی طرح اورحدیث میں بھی وارد ہے، صرف ابوداؤد کی ایک روایت میں "وبرکاته" کا لفظ بھی وارد ہوا ہے، مگر حنفیہ کے یہاں روایت مشہورہ ہی مسنون ہے، "وبرکاته" کے زائد کرنے کی ضرورت نہیں۔ (۲)

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۹۶/۲)

"السّلام علیکم" کہتے وقت مقتدی کا سانس امام سے پہلے ٹوٹ جائے:

سوال: مقتدی کا سانس سلام پھیرتے وقت السلام علیکم کہنے میں امام سے پہلے ٹوٹ جاوے تو مقتدی کی نماز ہوجاتی ہے یا نہیں؟

---

(۱) ويقول "السلام عليكم ورحمة اللّه" ولا يقول في هذا السلام أي في سلام الخروج من الصلاة سواءٌ كان عن اليمين أو اليسار "وبركاته". (غنية المستملي: ۳۲۶، ظفير. باب صفة الصلاة، انيس)

عن جابر بن سمرة قال: كنا إذا صلينا مع رسول اللّه صلى اللّه عليه وسلم قلنا: السلام عليكم ورحمة اللّه، السلام عليكم ورحمة اللّه، الخ. (الصحيح لمسلم، باب الأمر بالسكون في الصلاة (ح: ۴۳۱)/ وقد تقدم مرارًا حديث عبداللّه بن مسعود رضي اللّه عنه رواه أبوداؤد، باب في السلام (ح: ۹۹۶) انيس)

(۲) ثم يسلم، إلخ، قائلاً "السلام عليكم ورحمة اللّه" هو السنة، إلخ وأنه لايقول هنا "وبركاته" وجعله النووي بدعة، ورده الحلبي وفي الحاوي أنه حسن. (الدرالمختار)

(رده الحلبي) حيث قال في الحلية شرح المنية بعد نقله قول النووي إنها بدعة: ولم يصح فيها حديث بل صح في تركها غير ما حديث مانصه، لٰكنه متعقب في هذا، فإنها جاء ت في سنن أبي داؤد من حديث وائل بن حجر بإسناد صحيح، وفي صحيح ابن حبان من حديث عبداللّه بن مسعود ثم قال: اللّٰهم إلا أن يجاب بشذوذها وإن صح مخرجها، إلخ. (الدرالمختار مع رد المحتار، باب صفة الصلاة، بعد الفصل: ۴۹۱/۱، ظفير) (الفصل إذا أراد الشروع، مطلب: في وقت إدراک فضيلة الافتتاح، انيس)

عن وائل بن حجر قال: صليت مع النبي صلى اللّه عليه وسلم فكان يسلم عن يمينه: السلام عليكم ورحمة اللّه وبركاته، وعن شماله: السلام عليكم ورحمة اللّه. (سنن أبي داؤد، باب في السلام (ح: ۹۹۷)/ صحيح ابن حبان، ذكر كيفية التسليم الذي ينتقل المرء به من الصلاة (ح: ۱۹۹۳) انيس)

الجواب

مقتدی کی نماز میں اس صورت میں کچھ خلل نہیں آیا۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۱۶۳) ☆

سلام میں صرف منھ پھیرے سینہ نہ پھیرے:

سوال: نماز سے خروج کیلئے سلام پھیرتے وقت قبلہ سے فقط منھ ہی پھیرے یا سینہ بھی؟

الجواب

صرف منھ پھیرنا دونوں طرف سلام کے ساتھ کافی ہے۔(۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۲۰۷)

سلام کے دوران امام اور ملائکہ کی نیت کرنا:

سوال: نمازی کو سلام کے دوران کیا کرنا چاہیئے؟

الجواب

نمازیوں کی تین قسمیں ہیں: (۱) امام (۲) مقتدی (۳) منفرد۔

---

(۱) لو أتم المؤتم التشهد،بأن أسرع فيه وفرغ منه قبل إتمام إمامه فأتى بما يخرجه من الصلاة كسلام أو كلام أوقيام جازأى صحت صلا ته لحصوله بعد تمام الأركان الخ وإنما كره للمؤتم ذلک لترکه متابعة الإمام بلاعذرفلوبه الخ فلاكراهة.(رد المحتار،باب صفة الصلاة: ۴۹۰/۱، ظفير)(كتاب الصلاة،مطلب:فی خلف الوعيد وحكم الدعاء بالمغفرة للكافرولجميع المؤمنين،انيس)

☆ **"السّلام علیکم ورحمة اللّٰہ" میں امام سے سبقت:**

سوال: اگر کوئی مقتدی امام سے پہلے "السّلام علیکم ورحمة اللّٰہ" کہنے میں سانس توڑ دے یا امام کے منھ پھیرنے سے پہلے منھ پھیر دے تو اس کی نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب

نماز اس صورت میں صحیح ہے، مگر امام سے پہلے سلام پھیرنا مکروہ ہے۔

وإنما كره للمؤتم ذلک لترک متابعة الإمام بلا عذر،إلخ. (ردالمحتار،المجلدالأول)(رد المحتار،باب صفة الصلاة،فصل إذا أراد الشروع : ۴۹۰/۱، ظفير) (كتاب الصلاة،مطلب:فی خلف الوعيد وحكم الدعاء بالمغفرة للكافرولجميع المؤمنين،انيس) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۱۹۳)

(۲) وتحويل الوجه يمنة ويسرة للسلام أى من السنن(الدر المختارعلىٰ هامش ردالمحتار، كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة،مطلب سنن الصلاة: ۴۴۵/۱،(ولها آداب)تركه لايوجب إساءةً ولا عتاباً...لكن فعله أفضل إلخ وإلىٰ منكبه الأيمن والأيسرعند التسليمة الأولىٰ والثانية)لتحصيل الخشوع،أيضاً،آداب الصلاة: ۴۴۶/۱،ظفير)

اگر نمازی مقتدی ہوتو سلام کے دران اگر امام دائیں طرف ہوتو دائیں طرف سلام پھیرتے وقت ملائکہ اس طرف کے مقتدیوں اور امام کی نیت کرنی چاہیے اور اگر امام بائیں طرف ہوتو مقتدی کے لئے ملائکہ وغیرہ کے علاوہ امام کی بھی نیت کرنی چاہیے اور اگر مقتدی صف کے وسط میں امام کے پیچھے کھڑا ہوتو دونوں طرف سلام میں امام کی نیت کرے اور اگر نمازی امام ہوتو امام کو دونوں طرف کے مقتدیوں کی نیت کرنی چاہیے اور اگر نمازی منفرد ہوتو منفرد سلام میں ملائکہ (حفظہ) کی نیت کرنی چاہئے۔

لما في الهندية:وينوى من عنده من الحفظة والمسلمين فى جانبيه...والمقتدى يحتاج إلٰى نية الإمام مع نية من ذكرنا فإن كا ن الإمام فى الجانب الأيمن نواه فيهم وإن كان فى الجانب الأيسر نواه فيهم وإن كان بحذائه نواه فى الجانب الأيمن عند أبى يوسف وعند محمد ينويه فيهما وهو رواية عن أبى حنيفة وفى الفتاوٰى هو الصحيح والمنفرد ينوى الحفظة لاغير ولاينوى فى الملا ئكة عددًا محصورًا. (الفتاوٰى الهندية،الفصل الثالث فى سنن الصلاة وآدابها: ۷۷/۱)(۱) (فتاویٰ حقانیہ:۳/۱۰۷-۱۰۸)

---

(۱)　الباب الرابع فى صفة الصلاة،انيس)

قال العلامة عبد الرحمن الجزائرى:يسن أن ينوى المصلى بسلامه الأول من علٰى يمينه وبسلامه الثانى من علٰى يساره(كتاب الفقه علٰى مذاهب الأربعة: ۲٦٦/۱)

عن أبى هريرة يقول (فى حديث طويل قال فيه): قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : فإذا صلى لم تزل الملائكة تصلى عليه مادام فى مصلاه ، اللّٰهم صل عليه، اللّٰهم ارحمه ، ولايزال أحدكم فى صلاة ما انتظر الصلاة.(الصحيح للبخارى،باب فضل صلاة الجماعة (ح:٦٤٧)انيس)

مسئله: رکوع کی حالت میں دونوں گھٹنے دونوں ہاتھوں سے پکڑنا سنت ہے۔(مراقی:۱۴۵)

مسئله: رکوع کی تسبیح میں سبحان ربی العظیم کہنا سنت ہے لیکن جس سے صحیح ادا نہ ہو اور ظاء کو زاء کہ دے وہ سبحان ربی الکریم کہے ورنہ اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔(شامی:۱/۲۳۲)

مسئله: رکوع نہ کرے اور قیام سے سیدھے سجدہ میں چلا جائے اونٹ کی طرح تو رکوع کے بدلہ ہو جائے گا۔(عالمگیری:۱/۷۰)

مسئله: جس کی پشت رکوع کی طرح ٹیڑھی ہو وہ رکوع کے لئے ہلکا سا سر جھکائے اس اشارہ سے اس کا رکوع ہو گیا۔(عالمگیری:۱/۷۰)

مسئله: رکوع کا وقت قراءت سے فارغ ہونے کے بعد ہے۔(عالمگیری:۱/۷۰)

مسئله: قومہ میں امام کا سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہ کہنا اور مقتدی کا رَبَّنَا لَکَ الْحَمْد کہنا اور اکیلے پڑھنے والے کا دونوں کہنا سنت ہے۔(تعلیم الاسلام:۳/۶۹)

افضل اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَلَکَ الْحَمْد ہے اس کے بعد رَبَّنَا وَلَکَ الْحَمْد اور سب سے ادنیٰ درجہ رَبَّنَا لَکَ الْحَمْد ہے۔(الفقہ علی المذاہب الأربعۃ:۱/۲۵۱) (طہارت اور نماز کے تفصیلی مسائل:۲۲۶-۲۲۷-۲۵۳) (انیس)

نماز کے آداب ومستحبات

مسنون لباس میں نماز:

سوال: یہاں افریقہ میں مکان ہے، باہر بازار وغیرہ میں بغیر کوٹ پتلون پہنے ہوئے نکلنے کا رواج نہیں ہے، یہاں کا یونیفارم ہی کورٹ پتلون ہے تو جو شخص اپنے مکان میں یا مسجد میں کورٹ یا پتلون نکال کر پائجامہ پہن کر نماز پڑھے گا تو اس کی نماز بغیر کراہت ہوگی یا کراہت کے ساتھ؟

الجواب ــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

جو لباس مسنون ہے، اس کو پہن کر نماز پڑھنا مکروہ نہیں؛ بلکہ افضل ہے، اگر چہ وہاں کا یونیفارم اس کے خلاف ہو۔(۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم (فتاویٰ محمودیہ:۶۴۷/۵)

پگڑی کے ساتھ نماز کثرت ثواب کا ذریعہ ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ!

امام کے لئے عمامہ (پگڑی) ضروری ہے یا نہیں؟ نیز واضح کریں کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ پگڑی اور عمامہ باندھنے سے ثواب ستر گناہ درجہ زیادہ ہیں کیا یہ صحیح ہے؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: فضل کریم صوابی......۲۷/ ذیقعدہ/۱۳۹۵ھ)

---

(۱) وقوله تعالیٰ: ﴿خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ﴾ (سورة الأعراف: ۳۱)

يدل علىٰ أنه مندوب في حضور المسجد إلىٰ أخذ ثوب نظيف مما يتزين به، وقد روى عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أنه قال: ”ندب إلىٰ ذلك في الجمع والأعياد“. كما أمر بالاغتسال للعيدين والجمعة وأن يمس من طيب أهله. (أحكام القرآن للجصاص: ۵۱/۳، قديمى)

”ولهٰذه الآية وما ورد في معناها من السنة يستحب التجمل عند الصلاة“. (تفسير ابن كثير: ۲۸۱/۲، مكتبة دار الفيحاء، دمشق)

عن طاؤس في قوله عزوجل ﴿خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ﴾ قال: الثياب. (معرفة السنن والآثار، جماع لبس المصلى: ۱۴۹/۳ (ح: ۴۰۸۱) جامعة الدراسات الإسلامية كراتشى، انيس)

الجواب

عمامہ پہننا ہر مسلمان کے لئے کارِ خیر اور مستحب ہے، خصوصاً نماز کی حالت میں کثرت ثواب کا ذریعہ ہے۔
"کما فی الفردوس الدیلمی: عن جابر رکعتان بعمامة خیر من سبعین رکعةً بلا عمامة.
وفیه أیضاً: الصلاة في العمامة عشر آلاف حسنة. (کما فی کشف الحقائق، ص: ۷۷)(۱)
البتہ امام کے ساتھ اس کی تخصیص کرنا جہالت ہے۔ وهو الموفق (فتاویٰ فریدیہ: ۲۸۲/۲-۲۸۳)

پگڑی کے مسنون ہونے کا حکم انقلابات زمانہ سے تبدیل نہیں ہوتا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ دین شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ!
جس مقام پر پگڑی کا استعمال نہ ہوتا ہو، اس مقام پر پگڑی میں نماز پڑھنا جائز ہے یا ناجائز؟ اور یہ بات کس کتاب میں لکھی ہوئی ہے کہ جہاں پگڑی کا استعمال نہ ہوتا ہو، وہاں پگڑی میں نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، کتاب کا حوالہ لکھ کر ممنون فرماویں؟ بینوا توجروا۔ (المستفتی: محمد نثار برطانیہ......۱۹/محرم الحرام/۱۳۹۵ھ)

الجواب

امر مسنون تا قیامت مسنون رہے گا، عرف کے انقلابات سے سنت میں انقلاب نہیں آتا۔ (کما فی تنقیح الفتاویٰ: ۳/۱)(۲) وهو الموفق (فتاویٰ فریدیہ: ۲۴۸/۲-۲۴۹)

---

(۱) قال القاری: وکذا ما أورده الدیلمی من حدیث ابن عمر مرفوعاً: صلاة بعمامة تعدل خمسا وعشرین ... ومن حدیث أنس مرفوعاً الصلاة فی العمامة بعشرة آلاف حسنة قلت: مروی ابن عمر نقله السیوطی عن ابن عساکر فی جامعه الصغیر مع التزامه بأنه لم یذکر فیه الموضوع. (الموضوعات الکبریٰ للقاری: ۱۴۷، رقم الحدیث: ٥٦٣)

وقال النجم بعد إیراد ماذکر: لکن أورد السیوطی فی الجامع الصغیر عن جابر بلفظ: "رکعتان بعمامة خیر من سبعین رکعة من غیر عمامة" فهو غیر موضوع لأن الجامع المذکور جرده مؤلفه عن الموضوع. (کشف الخفاء، حرف الصاد المهملة: ۲۸/۲، المکتبة العصریة. انیس)

حدیث جابر رواه أبو الشجاع الدیلمی فی الفردوس بمأثورة الخطاب، باب الراء (رقم الحدیث: ۳۲۳۳) ۲۶٥/۲، دار الکتب العلمیة بیروت.

والحدیث الثانی روی عن أنس رضی الله عنه، باب الصاد (رقم الحدیث: ۳۸۰٥) ٤۰٦/۲. انیس

(۲) قال العلامة محمد أمین ابن عابدین: وفی القنیة: لیس للمفتی ولا للقاضی أن یحکما علیٰ ظاهر المذهب ویترکا العرف ... وأصلها قوله علیه الصلاة والسلام" ماراٰه المسلمون حسناً فهو عند الله حسن". أقول: لکن صرحوا بأن العرف المخالف للنص لایعتبر بأنه لایصح بیع الشرب مقصودًا وإن تعورف. (العقود الدریة فی تنقیح الفتاویٰ الحامدیة، قبیل کتاب الطهارة (مقدمة): ۳/۱) فوائد تتعلق بآداب المفتی، دار المعرفة. انیس)

امام سے عمامہ باندھ کرنماز پڑھانے کا مطالبہ درست نہیں:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر ایک شخص لوگوں کے روبرو یہ بات کہہ دے کہ پگڑی سر پر باندھنا سنتِ رسول ہے اور جو علما سر پر پگڑی نہیں باندھتے ، وہ لعنتی اور خبیث ہیں،اس کہنے والے کا کیا حکم ہے؛ کیونکہ ہمارے معاشرے میں اکثر علما سر پر پگڑی نہیں باندھتے ؛ بلکہ اکثر ٹوپی اور قراقلی پہنتے ہیں؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی:عبدالرزاق، پی اوایف واہ کینٹ،۹/۱/۱۹۹۱ء)

الجواب

عمامہ پہننا سنت رسول،(۱)اور سنتِ ملائکہ ہے، (۲)اور اس کا پہننا ہر مسلمان کے لئے سنتِ زائدہ اور مستحب ہے،(۳)علمائے کرام یا ائمہ کرام کے ساتھ اس کا خاص کرنا غلطی ہے،(۴)البتہ کپڑے یا چمڑے کی ٹوپی پر اکتفا کرنا بھی جائز ہے،(۵)اور جو شخص عمامہ کو بالکلیہ ترک کردے، یا استخفاف اور قلت مبالات کی وجہ سے ترک کردے، یا

(۱) فی منهاج السنن:أن العمامة سنة ولها فضيلة مثل سائر السنن الزائدة وأما روايات فضيلة الصلاة فيها خمسا وعشرين صلاة أوسبعين صلاة وعشرة آلاف حسنة فباطلة وموضوعة صرح به القاری وغيره،و تمام هٰذه المسائل فی التحفة الأحوذی.(منهاج السنن شرح جامع السنن:۲۱۲/۵،باب سدل العمامة بين الكتفين)

نوٹ: حدیث مذکور کے بارے میں علما کا اختلاف ہے،اکثر محدثین نے موضوع کہا ہے،البتہ ملاعلی قاری ودیگر علما کی یہ رائے کہ علامہ سیوطیؒ نے الجامع الصغیر میں اس حدیث کونقل کیا، واضح رہے کہ علامہ سیوطیؒ نے جامع صغیر میں موضوع حدیث کونقل نہیں کیا ہے،اس حدیث کے نقل کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ یہ حدیث قابل قبول ہے،البتہ اس حدیث سے سنت مؤکدہ ثابت نہیں کیا جاسکتا ہے، بلکہ استحباب کوثابت کیا جاسکتا ہے۔اس لیے اگر کوئی شخص بغیر عمامہ کے نماز پڑھائے تو اس پر لعن طعن نہیں کیا جاسکتا ہے۔انیس

(۲) قال العلامة الحافظ ابن كثير:(قوله:من الملائكة مسوّمين)قال:"معلمين وكان سيما الملائكة يوم بدر عمائم سود ويوم حنين عمائم حمر"وروى من حديث حصين بن مخارق عن سعيد عن الحكم عن مقسم عن ابن عباس قال لم تقاتل الملائكة إلا يوم بدر ... عن ابن عباس قال:كان سيما الملائكة يوم بدرعمائم بيض قد أرسلوها فى ظهورهم ويوم حنين عمائم حمر...حدثنا هشام بن عروة عن يحيىٰ بن عباد أن الزبير رضى اللّٰه تعالىٰ عنه كان عليه يوم بدر عمامة صفراء معتجرا بها فنزلت الملائكة عليهم عمائم صفر.(تفسيرابن كثير:۵۲۳/۱،سورة آل عمران:۱۲۵،انيس)

(۳) قال فی شرح الوقاية:السنة ما واظب النبی عليه السلام مع الترک أحياناً فإن كانت المواظبة المذكورة علٰى سبيل العبادة فسنن الهدٰى وإن كانت علٰى سبيل العادة فسنن الزوائد كلبس الثياب والأكل باليمين وتقديم الرجل اليمنٰى فی الدخول ونحو ذلک.(شرح الوقاية:۶۹/۱،الولاء والتيامن فی الوضوء،كتاب الطهارة)

(۴) قال العلامة حسن بن عمار بن علی:والمستحب أن يصلی فی ثلاثة أثواب إزار وقميص وعمامة وقال الزيلعی والأفضل أن يصلی فی ثوبين لقوله عليه السلام إذا كا ن لأحدكم ثوبان فليصل فيهما يعنی مع العمامة ؛لأنه يكره مكشوف الرأس.(إمداد الفتاح شرح نورالإيضاح:۲۲۹،باب شروط الصلاة وأركانها)

(۵) وقال فی منهاج السنن:فی الغرائب رجل صلٰى مع قلنسوة وليس فوقها عمامة أو شئ آخر يكره وما ذكره الفردوس الديلمی عن جابرركعتان بعمامة خيرمن سبعين ركعة بلا عمامة،وبالجملة أن ترک العمامة ترک الأولٰى نعم جازترک مالايكون مطلوباً شرعاً عند مصلحة العوام.(منهاج السنن شرح جامع السنن:۲۲۵/۲،باب ما جاء فی الصلاة فی الثوب الواحد)

تکاسل کی وجہ سے ترک کردے تو وہ حدیث بیہقی " لعنتهم ولعنهم الله وكل نبى مجاب والتارك لسنتي "(۱) کی بناپر ملعون ہے۔(۲)وهو الموفق

نوٹ: ماحول اور معاشرہ کے تاثر سے سنت رسول ترک کرنا اضعف ایمان کی علامت ہے۔فقط

(فتاویٰ فریدیہ:۲/۲۹۱-۲۹۳)

عمامہ کے لئے رومال کا استعمال اور عمامہ کی مقدار:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ آج کل رومال کا جو استعمال ہے کیا اس کو سر پر باندھنے سے عمامہ کی سنت ادا ہوگی ؟ نیز از روئے احادیث عمامہ کی اقل مقدار اور اکثر مقدار کتنے گز تک ثابت ہے ؟ نیز کیا عمامہ صرف امام کے لئے سنت ہے یا مقتدی اور منفرد کے لئے بھی؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: حبیب گل......۱۹۷۴ء)

الجواب

واضح رہے کہ عمامہ پہننا ہر مسلمان کے لئے سنت ہے،لثبوتها بالأحاديث القولية والفعلية كمالايخفىٰ اور فقہائے کرام نے اس کو مستحبات نماز میں شمار کیا ہے۔(كما فى شرح الكبير: ٣٢٤)(۳)

---

(۱) عن على بن الحسين يقول:قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:ستة لعنتهم،لعنهم الله وكل نبى مجاب: الزائد فى كتاب الله،والمكذب بقدرالله،والتارك لسنتي والمتسلط بالجبرية ليذل من أعزالله ويعزمن أذل الله والمستحل من عترتي ماحرم الله يعنى والمستحل لحرم الله.(القضاء والقدر للبيهقى،باب ماورد من التشديد على من كذب بقدر (ح:٤٢٤):٢٨٥/١،مكتبةالعبيكان الرياض.انيس)

(۲) وقال فى منهاج السنن:ذكر العلى القارى أيضاً والمجد الشيرازى وغيرهما من أرباب السيرأن النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كان يلبس القلانس تحت العمائم وبغير العمائم ويلبس العمائم بغير القلانس انتهىٰ.فإن قيل قد روى الترمذى مرفوعاً :"إن فرق ما بينا وبين المشركين العمائم علىٰ القلانس"،قلنا:قال الترمذى :إسناده ليس بالقائم،وقيل قصده صلى الله تعالىٰ عليه وسلم الانكارعلىٰ الاعتجاز.(منهاج السنن شرح جامع السنن: ٢٣٧/١، باب ماجاء فى المسح علىٰ الجوربين والعمامة)

قال العلامة عبد الحى اللكهنوى:وقد ذكروا أن المستحب أن يصلى فى قميص وإزاروعمامة ولايكره الاكتفاء بالقلنسوة ولاعبرة لما اشتهر بين العوام من كراهة ذلك.(عمدة الرعاية علىٰ هامش شرح الوقاية: ١٩٨/١، قبيل باب الوتروالنوافل)(كتاب الصلاة،باب ما يفسد الصلاة ومايكره فيها،انيس)

(۳) قال العلامة الحلبى:(المستحب أن يصلى)الرجل فى (ثلاثة أثواب إزار وقميص وعمامة)ولوصلىٰ فى ثوب واحد متوحشاً به جميع بدنه كما يفعل القصارفى المقصرة جاز من غيركراهة ... ولكن فيه ترك الاستحباب) (غنية المستملى:٣٣٧،فصل فيما يكره فى الصلاة)

اس میں امام اور غیر امام کا حکم یکساں ہے،صرف امام کے ساتھ خاص ہونا کسی دلیل سے ثابت نہیں ہے۔(۱)

نیز واضح رہے کہ عمامہ ہر وہ کپڑا ہوتا ہے جو کہ سر پر پیچیدہ کیا جائے۔(**كما فی التعليق الممجد**) اور یہ معنٰی رومال میں بھی موجود ہے،لہٰذا لغت عربی کی رو سے یہ عمامہ ہوگا،اگر چہ ہماری لغت میں اسے عمامہ نہیں کہا جاتا ہے اور چونکہ عمامہ کے لئے شرعاً کوئی مقدار مقرر نہیں ہے،لہٰذا رومال کے صغر سے کوئی نقص لازم نہ ہوگا،البتہ ملاعلی قاری نے مرقات میں میں لکھا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا چھوٹا عمامہ سات شرعی گز تھا اور بڑا عمامہ بارہ شرعی گز تھا؛(۲) لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس خاص مقدار سے کم وبیش عمامہ مسنون نہ ہوگا،**كما فی الرداء والإزار.** (۳) **فافهم وهو الموفق** (فتاویٰ فریدیہ:۲۸۸/۲-۲۸۹)

امام کے لئے پگڑی کی مقدار:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ امام مسجد کے لئے پگڑی کی کم ازکم مقدار کتنی ہونی چاہئے؟ بینوتوجروا۔

(المستفتی: مثل زادہ ترلاندی صوابی......۱۲/۵/۱۹۶۹ء)

---

(۱) قال العلامة عبد الحی اللكهنوی:وقد ذكروا أن المستحب أن يصلی فی قميص وإزار وعمامة ولايكره الاكتفاء بالقلنسوة ولاعبرة لما اشتهر بين العوام من كراهة ذلك.(عمدة الرعاية علٰى هامش شرح الوقاية: ۱۹۸/۱، قبيل باب الوتر والنوافل)(كتاب الصلاة،باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها،انيس)

وفی منهاج السنن:أن العمامة سنة ولها فضيلة مثل سائر السنن الزائدة وأما روايات فضيلة الصلاة فيها خمساً وعشرين صلاة أوسبعين صلاة وعشرة آلاف حسنة فباطلة وموضوعة صرح به القاری وغيره.(منهاج السنن شرح جامع السنن:۲۱۲/۵،باب سدل العمامة بين الكتفين)

(۲) ... كان له صلى الله عليه وسلم عمامة وقصيرة وعمامة طويلة وأن القصيرة كانت سبعة أذرع والطويلة اثنی عشرذراعاً.(مرقاةالمفاتيح شرح مشكاة المصابيح،كتاب اللباس:۲۷۷۸/۷،دارالفكربيروت.انيس

(۳) وفی منهاج السنن:والعمامة هی ما اعتم بالرأس ولا حد لها شرعاً، نعم ذكر فی شرح المواهب:كانت له صلی اللّٰه تعالٰى عليه وسلم عمامة قصيرة ستة أذرع عمامة طويلةاثنا عشر ذراعاً.

وفی السعاية:ذكرعلی القاری فی رسالته فی العمامة ذكربعض علماء نا الحنفية أن العمامة التی كان يلبس دائماً طولها سبعة أذرع والتی تلبس فی الجمعة والعيدين طولها اثنا عشرة ذراعاً ويؤيده ما ذكره الجزری فی تصحيح المصابيح قد تتبعت الكتب وتطلبت من كتب السيروالتواريخ لأقف علٰى قدرعمامته صلی اللّٰه تعالٰى عليه وسلم فلم أقف علٰى شئ حتٰى أخبرنی من أثق به أنه وقف علٰى شئ من كلام الشيخ محی الدين النووی ذكر فيه أنه عليه السلام كان له عمامة قصيرة وعمامة طويلة وإن القصيرة كانت سبعة أذرع والطويلة اثنی عشر،انتهٰى.(منهاج السنن شرح جامع السنن:۲۳۷/۱،باب ما فی المسح علی الجوربين والعمامة)

الجواب

پیغمبر علیہ السلام کی پگڑی مختلف قسم کی تھی؛ لیکن سنت ہر پگڑی سے ادا ہوتی ہے، جیسا کہ قمیص اور چادر اور ازار، جتنا بھی ہو، اس سے سنت ادا ہوسکتی ہے، یہ ضروری نہیں ہے کہ موافق مقدار منقولہ کی ہو۔(۱) **وهو الموفق** (فتاویٰ فریدیہ:۲/۲۸۷)

پگڑی کی شرعی حیثیت اور مقدار:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ پگڑی صرف نماز کے لئے باندھی جائے گی یا دیگر اوقات میں بھی مسنون ہوگی، اس کی شرعی حیثیت کیا ہے اور کیا رومال جو عام طور پر کندھوں پر استعمال کیا جاتا ہے، اس سے سنت کا اتباع ہوگا یا نہیں؟ نیز حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پگڑی کی مقدار کیا تھی؟ بینوا توجروا۔

(**المستفتی**: روح الامین فائنل شعبۂ نفسیات، پشاور یونیورسیٹی ۳۰/ذی الحجہ/۱۴۰۲ھ)

الجواب

پگڑی نماز اور غیر نماز دونوں حالتوں میں مسنون ہے۔(۲)

پگڑی کی کوئی حد شرعی نہیں ہے، البتہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ساڑھے تین گز، چھ گز دو قسم پگڑیاں (مختلف رنگوں کی) استعمال کی ہیں۔ (سعایہ وزرقانی) **وهو الموفق** (فتاویٰ فریدیہ:۲/۲۸۴)

(۱) العمامة ما اعتم بالرأس ولا حد لها شرعاً، نعم ذكر في شرح المواهب: كانت له (صلى الله تعالىٰ عليه وسلم) عمامة قصيرة ستة أذرع، وعمامة طويلة إثناعشر ذراعاً كما في الطبراني، ولكن قال ابن حجر لا أصل له. (المواهب:۹۹)

وفي السعاية: ذكر علي القاري في رسالته في العمامة ذكر بعض علماء نا الحنفية أن العمامة التي كان يلبس دائماً طولها سبعة أذرع والتي تلبس في الجمعة والعيدين طولها اثنا عشرة ذراعاً ويؤيده ماذكره الجزري في تصحيح المصابيح: قد تتبعت الكتب وتطلبت من كتب السير والتواريخ لأقف علىٰ قدر عمامته صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فلم أقف علىٰ شئ حتىٰ أخبرني من أثق به أنه وقف علىٰ شئ من كلام الشيخ النووي ذكر فيه أنه كان له عمامة قصيرة ستة أذرع وعمامة طويلة إثنا عشر ذراعًا وأن القصيرة كانت سبعة أذرع. (مواهب) (الفصل الثالث فيما تدعو ضرورته إليه من غذائه، النوع الثاني في لباسه وفراسته: ٦/٢٥٧/ كذا جمع الوسائل في شرح الشمائل، باب ماجاء في عمامته صلى الله عليه وسلم: ١٦٨، المطبعة الشرفية مصر، انيس)

وقال الشيخ أحمد عبد الجواد الدومي عن ابن القيم لم تكن عمامته صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كبيرة يؤذي الرأس حملها ولا صغيرة لا تقي الرأس من حر ولا برد بل كانت وسطاً بين ذلك وخير الأمور الوسط. (اتحافات: ١٥٥)

(۲) عمامہ (پگڑی) پہننا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں میں سے ایک سنت ہے، حضرات انبیاء اور صالحین کے لباس کا حصہ ہے، علامہ قسطلانی لکھتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ایک عمامہ تھا جس کو سحاب کہا جاتا تھا، آپ اس عمامہ کے نیچے سر پر مڑی ہوئی ٹوپی پہنتے تھے۔ (المواہب مع زرقانی: ۵/۹)

==

عمامہ کے دو شملوں کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ عمامہ کے دو شملے چھوڑ نا جائز ہے، یا نہیں؟ بینوا تو جروا۔　　(المستفتی: حامد انور......۱۲/۳/۱۹۷۵ء)

الجواب

بین الکتفین وعذبہ(۱) جائز ہیں۔ (أشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ)(۲) وھو الموفق (فتاویٰ فریدیہ:۲/۲۸۸)

== اور شرح مواہب میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک عمامہ چھ گز اور ایک بارہ گز کا تھا، اور سعایہ میں ہے کہ ملاعلی قاری نے اپنے رسالہ عمامہ میں ذکر کیا ہے کہ ہمارے بعض حنفی علمانے ذکر کیا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمیشہ جو عمامہ پہنتے تھے اس کا طول سات گز تھا اور جمعہ وعیدین میں بارہ گز کا عمامہ باندھتے تھے، اور اس کی تائید علامہ جزری کے قول سے بھی ہوتی ہے جو انہوں نے تصحیح المصابیح میں ذکر کیا ہے۔

حتٰی أخبرنی من أثق به أنه وقف علٰی شیئ من کلام الشیخ محی الدین النووی ذکر فیه أنه علیه السلام کان له عمامة قصیرة وعمامة طویلة وإن القصیرة کانت سبعة أذرع والطویلة اثنی عشر.

حافظ ابن القیم نے زاد المعاد۔(۱/۲۷) اور ملاعلی قاری نے مرقاۃ اور مجد الشیر ازی وغیرہ ارباب السیر نے ذکر کیا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جس طرح ٹوپی استعمال فرماتے تھے اسی طرح عمامہ بھی باندھتے تھے، چنانچہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اکثر ٹوپی پہن کر اس پر عمامہ باندھتے تھے، نیز بغیر عمامہ کے صرف ٹوپی بھی پہنتے تھے اور بغیر ٹوپی کے بھی عمامہ استعمال فرماتے تھے اور اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ ترمذی میں مرفوع روایت ہے:

أن فرق مابینا وبین المشرکین العمائم علی القلانس.

تو اس کا ایک جواب محدثین نے یہ ذکر کیا ہے کہ امام ترمذی نے کہا ہے، إسناده لیس بالقائم، اور منہاج السنن میں ہے کہ اس حدیث میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مراد اعتجاز پر انکار ہے۔

رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے صرف حالت، احرام میں برہنہ سر ہونا ثابت ہے اور عموماً آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عادت یہ تھی کہ آپ کے سرِ مبارک پر عمامہ یا ٹوپی سجی رہتی تھی اور یہ سنت ملائکہ ہیں، تفسیر ابن کثیر (ص:۵۲۳، جلد:۱) میں متعدد روایات اس بارے میں وارد ہیں، صحابہ کرام بھی ٹوپی یا عمامہ سے اپنے سروں کو ڈھانکتے تھے، عبد اللہ بن عتیک اور عبد اللہ بن عدی میں سے ہر ایک کے عمامہ کا ذکر بخاری شریف میں آیا ہے اسی طرح کتب احادیث میں انس بن مالک، عمار بن یاسر اور حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہم جیسے صحابۂ کرام کے عمامہ کا ذکر آیا ہے، نیز دوسرے صحابۂ کرام کے عمامے پہننے اور شملہ چھوڑنے کی کیفیت تک کا تذکرہ حدیث کی کتابوں میں موجود ہے تابعین اور تبع تابعین کے متعلق عمامے کا استعمال مروی ہے، ابن بطال مالکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام مالکؒ نے بیان فرمایا کہ انہوں نے یحییٰ بن سعید، ربیعہ اور ابن ہر مزرحمہم اللہ میں سے ہر ایک کو عمامہ باندھتے ہوئے پایا اور میں ربیعہ کی مجلس میں تھا ان میں اکتیس شرکاء تھے، ہر ایک عمامہ باندھے ہوئے تھا حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں، قوم عمامہ اور ٹوپی پر سجدہ کرتی تھی (بخاری:۱/۵۶)(از مرتب)

(۱)　عذبة: شملہ عمامہ

(۲)　وفی المنهاج: وکما ثبت إرسال العذبة بین الکتفین کذلک ثبت إرسالها من الجانب الأیمن نحو الأذن فی حدیث إمامة، أخرجه الطبرانی فی الکبیر... وکذلک ثبت ارخاء ها بین یدی المعتم ومن خلفه ==

نماز حنفی یا شافعی طریقہ پر:

سوال: مجھے بچپن سے شافعی طریقہ پر نماز پڑھنا سکھایا گیا ہے، اب مجھے میرے سسرال والے نماز کا طریقہ بدلنے اور حنفی طریقہ پر نماز پڑھنے کو کہتے ہیں، ایسی صورت میں ہمیں کیا کرنا چاہئے؟ (ایکس وائی زیڈ چھتہ بازار)

الجواب

حنفی طریقہ ہو، یا شافعی، سب کا مقصود قرآن وحدیث کے مطابق عمل کرنا ہے، البتہ قرآن وحدیث کو سمجھنے اور تحقیق میں اختلافِ رائے ہوسکتا ہے، یہ اختلافات ہدایت وضلالت اور حق وباطل کے نہیں ہیں؛ بلکہ صواب وخطأ اور اکثر مواقع پر زیادہ بہتر اور کم بہتر کا اختلاف ہے،(۱) اس لئے آپ کے سسرال والوں کو اس پر اصرار نہیں کرنا چاہئے کہ آپ حنفی ہی طریقہ پر نماز پڑھیں، تاہم اگر آپ حنفی طریقہ پر نماز ادا کیا کریں اور مستقل طور پر اس پر عمل کریں تو اس میں بھی حرج نہیں، بہرحال جس فقہ پر عمل کریں، اس پر استقلال برتیں، ایسا نہ ہو کہ کبھی ایک اور کبھی دوسرے مسلک پر عمل کیا جائے، اس سے نفس پرستی کے رجحان کو تقویت پہونچتی ہے، اور ایسی صورت میں اندیشہ ہے کہ لوگ دین کو کھلونا بنالیں گے۔ (کتاب الفتاویٰ:۱۲۹/۳-۱۳۰)

== في حديث عبدالرحمٰن بن عوف رواه أبوداؤد وفي إسناده شيخ مجهول وفي حديث ثوبان أخرجه الطبراني في الأوسط... اعلم أن سدل الطرف الأسفل يسمٰى عذبة في الإصطلاح وأما غرزالطرف الأعلٰى وارساله من خلفه فيسمٰى عذبة لغة وهو ثابت في رواية أبي الشيخ من رواية ابن عمر، كان رسول الله صلٰى الله تعالىٰ عليه وسلم يدير كور العمامة علٰى رأسه ويغرزهامن روراءه ويرخىٰ لها ذؤابة بين كتفيه. (منهاج السنن جامع السنن:٢١٢/٥،باب سدل العمامة بين الكتفين)

(أخرجه أبوالشيخ في أخلاق النبي،باب ذكرعمامته صلى الله عليه وسلم (ح: ٣٠٦):١٩٥/٢،دارالمسلم للنشروالتوزيع /وكذا رواه الطبراني في المعجم الكبير،من مسند عبدالله بن عمر بن الخطاب (ح:١٤٠٣٩)

وقال الألباني بعد ذكرهذا الحديث: منكر،أخرجه أبوالشيخ في أخلاق النبي صلى الله عليه وسلم، ص:١٢٣، وابن حبان في الضعفاء: ١٥٣/٣،والبيهقي في الشعب: ١٧٤/٥-٦٢٥٢،من طريق أبي معشر البراء قال:حدثنا خالدالحذاء قال:حدثنا أبوالسلام قال:قلت لابن عمر: كيف كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يعتم؟ قال:فذكره وقال ابن حبان: أبوالسلام يروى عن ابن عمر مالايشبه حديث الإثبات لايجوزالاحتجاج به ثم ساق له هذا الحديث.(سلسلة الأحاديث الضعيفة والموضوعة وأثرهاالسيء في الأمة: ٢٦٣/٩،دارالمعارف الرياض. انيس)

(١) ومنها أن أكثرصورالاختلاف بين الفقهاء لا سيما في المسائل التي ظهر فيها أقوال الصحابة في الجانبين كتكبيرات التشريق وتكبيرات العيدين ونكاح المحرم وتشهد ابن عباس وابن مسعود والاخفاء بالبسملة وبآمين والاشفاع والايتارفي الإقامة ونحوذلك إنما هو في ترجيح أحدالقولين وكان السلف لايختلفون في أصل المشروعية وإنما كان خلافهم في أولي الأمرين ونظره اختلاف القراء في وجوه القراءة وقد عللوا كثيرا من هذا الباب بأن الصحابة مختلفون وأنهم جميعا على الهدىٰ.(حجة الله البالغة: ٢٧١/١،دارالجيل بيروت. انيس)

نمازی کے آگے سترہ کا حکم:

سوال: اکثر عورتیں گھروں میں نماز ادا کرتی ہیں اور ہر گھر میں پلنگ وغیرہ ہوتے ہیں، انہیں کے سامنے نماز ادا کر لیتی ہیں، کیا ایسی صورت میں نماز ہو جاتی ہے اور چارپائی و پلنگ کے سامنے کیوں نماز نہیں پڑھ سکتے اور پڑھ سکتے ہیں تو کس صورت میں تفصیل سے جواب دیں؟ بہت سی جگہ قلت جگہ کی وجہ سے پلنگ پر اتنا سامان ہوتا ہے کہ کھڑا کرنا دشوار ہوتا ہے تو اس قسم کی چارپائی و پلنگ کھڑا کئے بغیر اسی کے سامنے نماز پڑھ سکتے ہیں؟

الجواب ــــــــــــــــ وباللہ التوفیق

نماز صحیح ہونے کے لیے اتنا کافی ہے کہ نمازی کے آگے کوئی نہ ہو، اگر کوئی ہو یا آگے سے گذرے تو صرف کوئی ایک چیز خواہ انگلی کی طرح پتلی اور قریب ایک ہاتھ اونچی سامنے رکھ لے، پھر نماز پڑھے تو نماز بلا شبہ صحیح ادا ہوگی۔(۱) پس گھر میں اس قاعدہ سے سترہ (حائل) کر لے اور بلا خوف و خدشہ پڑھے، اتنا سترہ ہو جانے پر پھر چارپائی پلنگ آگے کھڑا کرنے وغیرہ کی ضرورت نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ العبد نظام الدین الاعظمی عفی عنہ، مفتی دارالعلوم دیوبند۔۲۲/۲/۱۴۰۹ھ۔

الجواب صحیح: حبیب الرحمٰن خیرآبادی، مفتی دارالعلوم دیوبند۔ (نظام الفتاویٰ، جلد پنجم، جزء اول:۱۶۹)

---

(۱) والمستحب لمن يصلى فى الصحراء أن ينصب بين يديه عوداً أو يضع شيئاً أدناه طول ذراع كى لايحتاج إلى الدرء لقول النبى صلى الله عليه وسلم:إذا صلى أحدكم فى الصحراء فليتخذ بين يديه سترة... وإنما قدر أدناه بذراع طولا دون اعتبارالعرض وقيل ينبغى أن يكون فى غلظ أصبع لقول ابن مسعود:يجزى من السترة السهم،ولأن الغرض منه المنع من المرور ومادون ذلك لا يبدوللناظر من بعيد فلايمنع ويدنو من السترة لقوله صلى الله عليه وسلم من صلى إلى سترة فليدن منها،الخ.(بدائع الصنائع،فصل بيان مايستحب فى الصلاة ومايكره: ۲۱۷/۱، دار الكتب العلمية بيروت)/المبسوط للسرخسى،باب الحدث فى الصلاة: ۱۹۱/۱،دارالمعرفة بيروت)

عن سبرة بن معبد الجهنى عن النبى صلى الله عليه وسلم قال:ليستر أحدكم فى صلاته ولو بسهم.(المعجم الكبير للطبرانى، الربيع بن سبرة عن أبيه (ح: ٦٥٤٠)/الآحاد والمثانى لابن أبى عاصم،سبرة بن معبد بن مجازة بن خديج بن ذهل (ح: ٢٥٧٠)/مصنف ابن أبى شيبة،قدركم يستر المصلى؟ (ح: ٢٨٦٢)

عن أبى جحيفة ان النبى صلى الله عليه وسلم صلى بهم البطحاء وبين يديه عنزة، الظهر ركعتين والعصر ركعتين تمربين يديه المرأة والحمار.(الصحيح للبخارى،باب سترة الإمام سترة من خلفه (ح: ٤٩٥)/سنن أبى داؤد، باب مايستر المصلى (ح: ٦٨٨)

والعنزة عصا فى أسفلها حديدة ويقال: العنزة قدرنصف الرمح أو أطول شيئاً فيها سنان مثل سنان الرمح والعكازة نحومنها، قيل:العنزة مادورنصله والآلة والحربة العريضة النصل.(شرح أبى داؤدللعينى،باب مايستر المصلى: ٢٤٥/٣، مكتبةالرشدالرياض. انيس)

نماز شروع ہونے سے پہلے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہونا:

سوال: کوئی شخص نماز پڑھنے سے قبل صفوں کے درمیان اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے ناف کے نیچے ایک دوسرے ہتھیلیوں کے اوپر رکھ کر کھڑا رہے، تو کیا یہ سنت کے خلاف ہے؟ اگر خلاف سنت ہے تو اس کی صحیح حدیثوں کے ذریعہ مدلل جواب سے ممنون فرمائیں؟

هو المصوب

نماز شروع ہونے سے قبل قیام کی حالت میں جب صف لگائی جارہی ہو، اس وقت ہاتھ باندھنا نہ مسنون ہے؛ بلکہ اختیار ہے، جس طرح چاہیں ہاتھ رکھیں، نہ مستحب، نماز سے قبل ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونے کا ثبوت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نہیں ہے اور نہ صحابہ کرام سے ہے، لہٰذا اس وقت ہاتھ باندھنے کو مسنون سمجھنا اور نہ باندھنے والے کو غلط سمجھنا درست نہیں ہے، لہٰذا ایسی باتوں سے احتراز کرنا چاہیے؛ تاکہ لوگ غلط فہمی کا شکار نہ ہوں، نماز سے قبل نماز کی ہیئت بنانا شبہ کا باعث ہے، اسی لئے سلام پھیرنے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم فوراً پلٹ کر بیٹھ جایا کرتے تھے۔(۱)

تحریر: محمد طارق ندوی۔ تصویب: ناصر علی ندوی۔ (فتاویٰ ندوۃ العلماء:۲/۸۰)

نماز شروع کرتے وقت "بسم اللّٰه":

سوال: جب کوئی مصلی پر نماز پڑھنے کے لئے کھڑا ہو تو بسم اللہ شریف پڑھنے کا حکم ہے یا نہیں اور اگر حکم ہے تو کتب نماز میں درج کیوں نہیں؟ فقط

الجواب حامداً و مصلياً

کھڑے ہونے کے وقت بسم اللہ شریف پڑھنے کا حکم نہیں، بلکہ الحمد شریف شروع کرنے کے وقت حکم ہے۔(۲)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم (فتاویٰ محمودیہ:۵/۵۸۸-۵۸۹)

---

(۱) عن قبيصة بن هلب عن أبيه قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يؤمنا فينصرف على جانبيه جميعاً على يمينه وعلى شماله. (سنن الترمذى، باب ماجاء فى الانصراف عن يمينه وعن يساره (ح: ۳۰۱) انيس)

(۲) "و فى ذكر التسمية بعد التعوذ إشارة إلى محلها فلو سمى قبل التعوذ أعادها بعده لعدم وقوعها فى محلها، ولو نسيها حتى فرغ من الفاتحة، لايسمى لأجل فوات محلها". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، آداب الصلاة: ۵۴۵/۱، رشيدية)

ويسمى سراً أول كل ركعة لا بين الفاتحة والسورة. (مجمع الأنهر: ۱۴۳/۱، باب صفة الصلاة، فصل فى الخشوع، دار الكتب العلمية بيروت. انيس)

پہلے ہاتھ اٹھائیں پھر تکبیر کہیں:

سوال: تکبیر تحریمہ کہتے وقت ہاتھ کب اٹھانے چاہئیں، پہلے یا بعد میں یا ساتھ ساتھ؟

الجواب

تینوں قول منقول ہیں، پہلے کا بھی، بعد کا بھی، ساتھ ساتھ کا بھی؛ لیکن راجح یہ ہے کہ پہلے ہاتھ اٹھائے پھر تکبیر کہے۔

(ورفع يديه)قبل التكبير وقيل معه،آه. (الدرالمختار)

قوله:(قبل التكبير وقيل معه)الأول نسبه في المجتمع إلىٰ أبي حنيفة ومحمد وفي غاية البيان إلىٰ عامة علمائنا وفي المبسوط إلىٰ أكثر مشايخنا وصححه في الهداية والثاني اختاره في الخانية والخلاصة والتحفة والبدائع والمحيط،بأن يبدأ بالرفع عند بداء ته التكبير ويختم به عند ختمه وعزاه البقالي إلىٰ أصحابنا جميعاً،ورجحه في الحلية وثمة قول ثالث وهو أنه بعد التكبير والكل مروي عنه عليه الصلاة و السلام وما في الهداية أولىٰ كما في البحر والنهر ولذا اعتمده الشارع فافهم،آه.(ردالمحتار: ۴۵۱/۱)(۱)فقط والله أعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ، مفتی خیر المدارس ملتان۔ (خیر الفتاویٰ:۲۴۰/۲)

تکبیر تحریمہ کے لئے ہاتھ اٹھانے کے بعد نیچے نہ لے جائیں:

سوال: بعض لوگوں کو دیکھا ہے کہ تکبیرِ تحریمہ کے لئے ہاتھ اٹھاتے ہیں تو اللہ اکبر کہہ کر ہاتھوں کو نیچے لے جاتے ہیں؛ یعنی رانوں کے برابر کر لیتے ہیں اور پھر باندھتے ہیں، اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

ہاتھ اٹھانے کے بعد نیچے نہ لے جائیں، بلکہ ہاتھ باندھ لیں۔

(ويسن وضع الرجل يده اليمنىٰ) كما فرغ من التكبير للإحرام بلا إرسال،آه.(۲)فقط والله أعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ، مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان۔ ۲۷/۱۱/۱۴۰۹ھ۔ (خیر الفتاویٰ:۲۷۳/۲)

---

(۱) كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة،مطلب:في حديث:الأذان جزم،انيس

عن أبي قتادة قال:كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا قام إلى الصلاة رفع يديه حتى يحاذي بهما منكبيه ثم يكبر حتى يقر كل عظم في موضعه،الخ.(سنن الدارمي باب صفة صلاة رسول الله صلى الله عليه وسلم (ح:۱۳۹۶)

عن ابن عمر قال:كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا قام إلى الصلاة رفع يديه حتى تكونا حذو منكبيه ثم كبر،الخ.(الصحيح لمسلم،باب استحباب رفع اليدين حذو المنكبين (ح:۳۹۰)

عن مالك بن الحويرث أن النبي صلى الله عليه وسلم كان إذا كبر رفع يديه حتى يحاذي أذنيه وإذا أراد أن يركع وإذا رفع رأسه من الركوع.(سنن الدارمي في رفع اليدين في الركوع والسجود (ح:۱۲۸۶)انيس)

(۲) حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح : ۱۴۰ (كتاب الصلاة،فصل في بيان سننها،انيس) ==

تکبیراتِ انتقال کہنے کا طریقہ:

سوال: بہت سے ائمہ حضرات جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو ہاتھ باندھنے کے بعد ''اللّٰہ أکبر'' کہتے ہیں اور سجدہ وقعدہ سے آدھی دور تک اٹھنے کے بعد ''اللّٰہ أکبر'' کہتے ہیں، کیا یہ درست ہے؟

(عبدالغفور، فیل خانہ)

الجواب

حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے کہ رسول اللہ جب نماز شروع کرتے تو دونوں ہاتھ اٹھاتے پھر ''اللّٰہ أکبر'' کہتے، (۱) اس لئے مسنون طریقہ یہ ہے کہ پہلے دونوں ہاتھوں کو کانوں تک اٹھائے، ''اللّٰہ أکبر'' کہتے ہوئے ہاتھ نیچے لائے اور باندھ لے۔(۲)

اسی طرح ایک رکن سے دوسرے رکن کی طرف منتقل ہونے کے لئے جو تکبیرات اوراذکار ہیں، ان کے سلسلہ میں بھی اصول یہی ہے کہ جونہی اگلے رکن کی طرف منتقل ہونا شروع ہو، ''اللّٰہ أکبر'' کہنا شروع کرے اور دوسرے رکن میں پہنچنے تک تکبیر ختم کرلے، جب قیام سے رکوع میں جائے تو جونہی جھکے تکبیر شروع کرلے اور رکوع کی کیفیت میں پہنچنے سے پہلے تکبیر ختم کردے۔

''فیبتدئ بالتکبیر مع إبداء الانحناء ویختمه بختمه''. (۳)

اسی طرح دوسرے ارکان میں بھی تکبیرات کہنی ہیں۔ (کتاب الفتاویٰ:۲/۱۷۴-۱۷۵)

تکبیر تحریمہ، رفع یدین اور تکبیرات انتقالات کا صحیح طریقہ:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ کرام اس بارے میں کہ تکبیر تحریمہ جو فرض ہے، اس کو ہاتھ باندھنے سے پہلے کہے یا ہاتھ باندھنے کے بعد۔

(۱) اگر کوئی امام کان تک ہاتھ اٹھالینے کے بعد، یا ناف تک ہاتھ لانے کے بعد، تکبیر تحریمہ کہے، تو نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟

== عن وائل بن حجر رضی اللّٰہ عنه قال: رمقت النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم فلما افتتح الصلاة رفع یدیه حتی بلغ بهما أذنیه وکبر ثم وضع یده الیمنیٰ علی الیسریٰ ،الخ. (مسندالبزار،مسند وائل بن حجر (ح:۴۴۸۵)انیس)

(۱) دیکھئے: صحیح البخاری، حدیث نمبر:۷۳۸، باب إلی أین یرفع یدیه/الصحیح لمسلم، حدیث نمبر:۳۹۰، باب استحباب رفع الیدین الخ. محشی

(۲) البحر الرائق: ۱/۳۰۵.

(۳) مراقی الفلاح: ۱۰۴ (کتاب الصلاة، فصل فی کیفیة ترتیب أفعال الصلاة، انیس)

(۲)　اگر امام ناف تک ہاتھ لانے کے بعد تکبیر شروع کرے اور ہاتھ باندھنے کے بعد تکبیر پوری کرے، تو نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟

(۳)　نماز کے لئے تکبیر تحریمہ کا آغاز کب کرے اور تکبیر پوری کب کرے؟

(۴)　رکوع اور سجدہ کی تکبیرات کا صحیح وقت کونسا ہے؟ اور صحیح طریقہ کیا ہے؟

(۵)　اگر امام ہر نماز میں تکبیرات خلاف سنت کہے تو شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب

تکبیر تحریمہ یعنی تکبیر اولیٰ اور رفع یدین کے بارے میں تین قول ہیں:

(۱)　پہلے رفع یدین کرے یعنی دونوں ہاتھ کان تک اٹھا کر تکبیر شروع کرے اور تکبیر ختم ہونے پر دونوں ہاتھ باندھ لے۔

(۲)　تکبیر اور رفع یدین دونوں ساتھ ساتھ شروع کرے اور دونوں ساتھ ساتھ ختم کرے۔

(۳)　پہلے تکبیر شروع کر کے ہاتھ اٹھا کر ساتھ ساتھ ختم کرے۔

وفیه ثلٰثة أقوال: القول الأول:　أنه یرفع مقارنا للتکبیر وهو المروی عن أبی یوسف قولاً والمحکی عن الطحاوی فعلاً واختاره شیخ الإسلام وقاضی خان وصاحب الخلاصة والتحفة والبدائع والمحیط حتٰی قال البقالی: هٰذا قول أصحابنا جمیعا. ویشهدله المروی عنه علیه الصلاة والسلام أنه کان یکبر عند کل خفض ورفع ومارواه أبوداؤد أنه صلی اللّٰه علیه وسلم کان یرفع یدیه مع التکبیر وفسر قاضی خان المقارنة بأن تکون بداءته عند بدأته وختمه عند ختمه.

القول الثانی:　وقته قبل التکبیر ونسبه فی المجمع إلٰی أبی حنیفة رحمه اللّٰه ومحمد رحمه اللّٰه، وفی غایة البیان إلٰی عامة علمائنا وفی المبسوط إلٰی أکثر مشایخنا، وصححه فی الهدایة. ویشهد له مافی الصحیحین عن ابن عمر قال کا ن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم إذا فتتح الصلاة رفع یدیه حتی یکونا حذو منکبیه ثم کبّر.

القول الثالث:　وقته بعد التکبیر فیکبر أولاً ثم یرفع یدیه ویشهد له مافی الصحیح لمسلم أنه صلی اللّٰه علیه وسلم کا ن إذا صلی کبر ثم رفع یدیه. (البحرالرائق: ۱/۳۰۵. الدرالمختار مع ردالمحتار: ۱/۴۶۵)(۱)

مذکورہ صور ثلٰثہ میں پہلی دوسری صورت افضل ہے، تیسری صورت بھی جائز ہے، لیکن معمول بہا نہیں ہے۔

---

(۱)　کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، آداب الصلاة، انیس

وا لأصح أنه يرفع يديه أولاثم يكبر لأن فعله نفى الكبرياء عن غير اللّٰه تعالٰى والنفى مقدم على الايجاب)(الهداية: ۶۸/۱ / ردالمحتار / البحرالرائق)(۱)

''جوہرہ'' میں ہے اصح یہ ہے کہ اولاً نمازی دونوں ہاتھ اٹھائے جب ہاتھ کان کے برابر پہنچ جائے تب تکبیر شروع کرے۔

والأصح أنه يرفع أولاً فاذااستقرتافى موضع المحاذاة كبر. (الجوهرة: ۴۹/۱)(۲)

صورت مسئولہ میں نماز صحیح ہوگئی؛ لیکن ہاتھ باندھنے تک تکبیر میں تاخیر کرنا یعنی ہاتھ باندھ کر تکبیر کہنے کی عادت کرلینا غلط اور مکروہ ہے۔ یہ وقت ہے ثنا پڑھنے کا، نہ کہ تکبیر کہنے کا، تکبیر ہاتھ باندھنے پر ختم کردی جائے، ہاتھ باندھنے تک تاخیر کرنے میں دوسری خرابی یہ ہے کہ کم سننے والا اور بہرا مقتدی، امام کو ہاتھ اٹھاتے دیکھ کر تکبیر تحریمہ کہے گا، تو امام سے پہلے تکبیر کہنے کی وجہ سے اس کی اقتدا اور نماز صحیح نہ ہوگی، اگر لفظ اللہ کہنے میں مقتدی پہل کرے بلکہ لفظ اللہ امام کے ساتھ شروع کرے لیکن لفظ اکبر کو امام کے ختم کرنے سے پہلے مقتدی ختم کردے تب بھی اقتدا درست نہ ہوگی۔

''**فلوقال اللّٰه مع الإمام وأكبرقبله (أى قبل فراغه)لم يصح.** (الدرالمختارمع ردالمحتار: ۴۴۸/۱)(۳)

لہٰذا امام کو چاہیے کہ یہ عادت ترک کردے۔

رکوع اور سجدے کی تکبیرات کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ رکوع میں جاتے وقت تکبیر بھی ساتھ ساتھ شروع کردے اور ساتھ ساتھ ختم کرے، اسی طرح سجدے میں جاتے وقت بھی تکبیر ساتھ ساتھ شروع کرے اور ساتھ ہی ختم کرے، رکوع وسجدہ میں پہونچنے کے بعد تکبیر کہنا سنت کے خلاف ہے اور اس میں دو کراہتیں بھی لازم آتی ہیں، ایک کراہت کے وقت کو ضائع کرنے کی اور دوسری کراہت بے وقت تکبیر کہنے کی؛ کیونکہ یہ وقت رکوع وسجدے کی تسبیح پڑھنے کا ہے، تکبیر کا نہیں۔

''**(فلما فرغ من القراءة يخر راكعًا يكبر تكبيرًا وينبغي أن يكون إبتداء تكبيره عند أول الخرور والفراغ) منه عندالاستواء وبعضهم قالوا إذاأتم القراءة حالة الخرورلابأس به بعد أن يكون ما بقى من القراءةحرفاً أوكلمة والأول أصح.**(منية المصلى:۸۸)(۴)

وفى موضع آخروأن يأتى بالأذكارالمشروعة فى الانتقالات بعد تمام الانتقال وفيه كراهتان تركها عن موضعه وتحصيلها فى غيرموضعه. (الكبيرى: ۳۴۵)(فتاویٰ رحیمیہ: ۱۹/۳-۲۱)

(۱-۲) كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة،انيس

(۳) باب صفة الصلاة،فصل فى بيان تأليف الصلاة،انيس

(۴) الكبيرى،باب صفة الصلاة : ۳۱۴،انيس

تکبیرات انتقالیہ کو پورے انتقال پر محیط کرنے کا حکم:

سوال: رکوع، سجدہ میں جاتے وقت یا اُٹھتے وقت جو تکبیر پڑھی جاتی ہے اس کو جلد ختم کرنا چاہئے یا پورے انتقال پر محیط اور شامل کرنا چاہئے؟

الجواب

تکبیرات انتقالیہ کو پورے انتقال پر محیط اور شامل کرنا مستحب ہے اور اس کے خلاف کرنا، خلاف مستحب ہے۔
ملاحظہ ہو؛ علامہ عینیؒ فرماتے ہیں:

قوله:ثم يكبر حين يركع ... دليل على مقارنة التكبيرلهذه الحركات وبسطه عليها،فيبدأ بالتكبيرحين يسرع فى الانتقال إلٰى الركوع ويمده حتٰى يصل إلٰى حد الراكعين.ثم يشرع فى تسبيح الركوع،ويبدأبالتكبيرحين يسرع فى الهوٰى إلٰى السجود ويمده حتى يضع جبهته على الأرض،ثم يسرع فى تسبيح السجود.وفيه:يبدأ فى قوله:سمع اللّٰه لمن حمده،حتٰى يسرع فى الرفع من الركوع،ويمد حتٰى ينتصب قائمًا،...وفيه:أنه يسرع فى التكبير للقيام من التشهد الأول ويمده حتى ينتصب قائمًا. (عمدة القارى: ٤/ ٥٤٢،دارالحديث ملتان)(١)

بدائع الصنائع میں ہے:

وإذا فرغ من القراء ة ينحط للركوع ويكبرمع الإنحطاط...لما روى عن على رضى اللّٰه عنه وابن مسعود رضى اللّٰه عنه وأبى موسىٰ الأشعرى رضى اللّٰه عنه وغيرهم أن البنى صلى اللّٰه عليه وسلم كان يكبرعندكل خفض ورفع وروى أنه كان يكبروهويهوى والواوللحال ولأنه الذكرسنة فى كل ركن ليكون معظمًا للّٰه تعالٰى فيماهومن أركان الصلاة بالذكركما هومعظم له بالفعل فيزداد معنى التعظيم والانتقال من ركن إلٰى ركن بمعنى الركن لكونه وسيلة إليه فكان الذكرفيه مسنونًا. (بدائع الصنائع: ١/ ٢٠٧، سعيد)(٢)

مرقات میں ہے:

قوله(ثم يكبرحين يرفع رأسه)أى من السجود قال ابن الهمام:وفيه ترجيح مقارنة الانتقال بالتكبيركما هوفى الجامع الصغير. (مرقات المفاتيح: ٢/ ٢٦٠/وكذا فى الفتاوىٰ الهندية: ١/ ٧٤)(٣)
واللّٰه سبحانه تعالٰى أعلم (فتاویٰ دارالعلوم زکریا: ۲/ ۱۴۱-۱۴۲) ☆

---

(١) كتاب الأذان،باب يهوى بالتكبير حين يسجد (ح: ٨٠٤) انيس
(٢) فصل فى سنن الصلاة،انيس
(٣) كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة (ح: ٧٩٩)انيس

==

بیٹھ کر نماز پڑھنے کی ترکیب:

سوال: بیٹھ کر نماز پڑھنے کی کیا شرطیں ہیں؟ ہمارے مدرسہ کے مدرس مولوی حیدر علی کہتے ہیں کہ جو لوگ بیٹھ کر نماز پڑھتے ہیں اور چوتڑ اٹھا کر سجدہ کرتے ہیں، ان کی نماز نہیں ہوتی؛ بلکہ عورتوں کی طرح سجدہ کرنا چاہئے۔

الجواب

یہ قول ان کا غلط ہے، مردوں کو عورتوں کی طرح نماز نہ پڑھنی چاہئے، مردوں کو سجدہ میں پچھلا حصہ اٹھانا چاہئے۔(۱)

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۱۵۹)

== ☆ رکوع وسجدہ کی تکبیر کی ابتدا وانتہا کی تعیین:

سوال: رکوع اور سجدہ کی تکبیر کی ابتدا کہاں سے ہونی چاہئے اور اس کی انتہا کہاں ہونی چاہئے؟

الجواب حامدًاو مصليًا

رکوع کے لئے جب جھکنا شروع کرے تو رکوع کی تکبیر کی ابتدا کرے اور جھکنے کے اختتام پر تکبیر کی انتہا کرے، اسی طرح سجدہ میں جاتے ہوئے تکبیر کی ابتدا ہونی چاہیئے اور پیشانی کے رکھنے کے وقت تکبیر کی انتہا ہونی چاہیئے۔

''(ثم كبر كل مصل(راكعًا)فيبتدى بالتكبيرمع ابتداء الانحناء ويختمه بختمه...(ثم كبر) كل مصل(خارًا للسجود)ويختمه عند وضع جبهته للسجود.(مراقى الفلاح: ١٨٩)كتاب الصلاة،فصل فى كيفية ترتيب أفعال الصلاة،انيس)فقط والله تعالىٰ أعلم بالصواب

حررہ العبد حبیب اللہ القاسمی۔(حبیب الفتاویٰ:۲/۴۰)

(۱) ويضع يديه فى السجود حذاء أذنيه،الخ، ولايفترش ذراعيه ويجافى بطنه عن فخذيه والمرأة لاتجافى فى ركوعها وسجودها وتقعد علىٰ رجليها وفى السجدة تفترش بطنها على فخذيها.(الفتاوىٰ الهندية:باب رابع صفة الصلوٰة، الفصل الثالث:١/٧٠،ظفير)(فى سنن الصلاة وآدابها وكيفيتها،انيس)

ويظهرعضديه، الخ، ويباعد بطنه عن فخذيه، الخ، (والمرأة تنخفض)فلا تبدى عضديها (وتلصق بطنها بفخذيها)، الخ .(الدرالمختارعلىٰ هامش ردالمحتار،باب صفة الصلوٰة،فصل فى تأليف الصلوٰة: ١/٤٧٠،ظفير) (فروع إذا قرأ بالفارسية أوالتوراة أوالإنجيل،انيس)

عن عائشة رضى الله عنها قالت: فى حديث طويل ... وكان (رسول الله صلى الله عليه وسلم) يفرش رجله اليسرىٰ وينصب رجله اليمنىٰ وكان ينهى عن عقبةالشيطان وينهى أن يفترش الرجل ذراعيه افتراش السبع وكان يختم الصلاة بالتسليم.(الصحيح لمسلم،باب مايجمع صفةالصلاة ومايفتتح به.(ح:٤٩٨)

عن إبراهيم أنه كان يفترش رجله اليسرىٰ يصعها بين إليتيه وينصب اليمنىٰ فيقعد عليها فى الصلاة ويكره أن يقعد على اليمنىٰ إلا من عذر.(كتاب الآثارلأبى يوسف (ح:٣٢٨): ١/٦٧،دارالكتب العلمية بيروت)

عن ميمونة قالت:كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا سجد جافى حتى لو شاء ت بهمة تمر تحته لمرت.(سنن الدارمى،باب التجافى سى السجود (ح:١٤٦٩)/سنن أبى داؤد،باب صفة السجود (ح:٨٩٨)انيس)

بیٹھ کے نماز پڑھنے والا کیسے بیٹھے:

سوال: جو معذور بیٹھ کر نماز پڑھتا ہو، اس کے لئے بیٹھنے کا کوئی خاص طریقہ منقول ہے، یا جیسے چاہے، بیٹھ جائے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

اگر مشقت نہ ہو تو بحالتِ التحیات بیٹھنا بہتر ہے اور اگر اس طرح بیٹھنے سے تکلیف ہوتی ہو تو پھر جیسے آسانی ہو، بیٹھ جائے۔

(ثم المريض يقعد في الصلاة من أولها إلٰى آخرها كما يقعد في التشهد)إن استطاع ذكر السروجي أن هٰذا قول زفر(و) نقل عن أبي الليث رحمه اللّٰه أنه (عليه الفتوىٰ)؛لأنه القعود المعهود في الصلاة وقال قاضي خان رحمه اللّٰه يقعد كيف شاء في رواية محمد عن أبي حنيفة إلٰى قوله والظاهر ما أفتٰى به أبو الليث كما ذكره المصنف عند عدم حصول المشقة به والتخيير عند حصولها به،آه. (كبيري: ٢٦٤)(۱)**فقط واللّٰه أعلم**

الجواب صحیح: بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ۔ ۱۳/ ۷/ ۱۴۰۷ھ۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ، مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان۔ (خیر الفتاویٰ: ۲/ ۲۷۰)

بیٹھ کر نماز پڑھنا اور اس سلسلہ میں ایک غلط روایت:

سوال: **”من صلّٰى قاعدًا لايرفع الإليتين في الركوع والسجود فإن رفع إليتين فيهما تفسد صلاته،الخ“** یہ روایت صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب

یہ روایت خلاف قواعد ہے اور بے اصل ہے اور کسی کتاب معتبر میں نہیں ہے؛ بلکہ کتب فقہ میں جو عام حکم سجدہ کے بارے میں ہے **”ويظهر عضديه ويباعد بطنه عن فخذيه“**. (الدر المختار)(۲)

یہ حکم سجدہ مصلی قائم اور قاعد دونوں کو شامل ہے اور رفع الیتین اس میں لازم ہے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲/ ۱۶۱)

(۱) کتاب الصلاة،فرائض الصلاة،الثاني:القيام،انيس

(۲) الدرالمختار علٰى هامش رد المحتار، باب صفة الصلوٰة،فصل إذا أراد الشروع: ٤٧٠/١،ظفير

عن أنس رضي اللّٰه عنه أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال:اعتدلوا في السجود ولايفترش أحدكم ذراعيه افتراش الكلب.(سنن أبي داؤد،باب صفة السجود (ح:٨٩٧)انيس)

قعدہ میں سیدھا پاؤں کھڑا نہ رکھ سکے یا بلا عذر اس کی عادت بنالے تو کیا حکم ہے:

سوال: ہمارے امام صاحب کے پیر میں چوٹ لگ گئی، اس کی وجہ سے جب وہ قعدہ میں بیٹھتے ہیں تو سیدھا پاؤں کھڑا رہ کر انگلیاں قبلہ رخ نہیں رکھ پاتے تو ان کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟ کیا نماز میں کوئی کراہت پیدا ہوگی؟ اسی طرح جب وہ تقریر کرتے ہیں تو سمجھ میں نہیں آتا، اس وجہ سے بھی لوگ نماز پڑھنا پسند نہیں کرتے تو ان کی امامت کا کیا حکم ہے؟ بینوا وتوجروا۔

الجواب

مرد کے لئے قعدہ میں بیٹھنے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھے اور دایاں پاؤں کھڑا کرے اور دائیں پاؤں کی انگلیوں کو قبلہ رخ رکھے، بلا عذر مسنون طریقہ کے خلاف بیٹھنا مکروہ ہے، البتہ عذر کی وجہ سے اس طرح نہ بیٹھ سکے تو کراہت نہیں۔

(و)يسن(افتراش)الرجل(رجله اليسرىٰ ونصب اليمنىٰ)وتوجيه أصابعها نحو القبلة كما ورد عن ابن عمر رضى الله تعالىٰ عنهما. (مراقى الفلاح مع الطحطاوى:١٤٦ سنن الصلوة)(۱)

مکروہات الصلوۃ میں ہے:

(والتربع بلا عذر) لترك سنة القعود (قوله:بلاعذر) أمابالعذرفلا كراهة لأن العذريبيح ترك الواجب فأولىٰ السنة (قوله:لترك السنة القعود) هذا يفيد أنه مكروه تنزيهًا أفاده الشرح. (مراقى الفلاح مع طحطاوى:١٩٢)(۲)

صورت مسئولہ میں اگر آپ کے امام صاحب کسی عذر کی وجہ سے سنت طریقہ کے مطابق نہ بیٹھ سکیں تو نماز میں کوئی کراہت پیدا نہ ہوگی، ان کے پیچھے نماز پڑھنا بلا کراہت جائز ہے، البتہ اگر بلا عذر اس طرح بیٹھتے ہوں اور اس کی عادت بنالی ہو، تو اس طرح بیٹھنا مکروہ ہوگا، ان کو چاہئے کہ اپنی اصلاح کرلیں اور سنت طریقہ اختیار کریں، تقریر کرنا اور تعلیم کرنا ان پر لازم اور ضروری نہیں ہے اور اس مقصد کے لئے ان کا تقرر بھی نہیں کیا گیا ہے، اگر وہ نماز میں قرآن مجید تجوید کے مطابق صحیح صحیح پڑھتے ہوں اور سنت طریقہ کے مطابق نماز پڑھاتے ہوں تو ان کے پیچھے نماز پڑھنا بلا کراہت جائز ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب (فتاویٰ رحیمیہ:۸/۹۷-۹۸)

---

(۱) عن وائل بن حجر قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا جلس فى الصلاة أضجع رجله اليسرىٰ وقعد عليها وينصب رجله اليمنىٰ. (مسند أبى حنيفة رواية الحصكفى، كتاب الصلاة (ح: ٣٦)الآداب مصر/مسند الحميدى، حديث وائل بن حجر الخضرمى رضى الله عنه (ح:٩٠٩)انيس)

(۲) عن عبد الله بن عبدالله بن عمر أنه كان يرى عبدالله بن عمر يتربع فى الصلاة إذا جلس، قال: ففعلته وأنا يومئذ حديث السن فنهانى عبدالله وقال: إنما سنة الصلاة أن تنصب رجلك اليمنىٰ وتثنى رجلك اليسرىٰ، ==

بیٹھ کر نماز پڑھتے وقت بحالت رکوع وسجود سرین اٹھانے کا حکم:

سوال: بیٹھ کر نماز پڑھتے وقت رکوع وسجود کی حالت میں سرین اٹھانا چاہئے یا نہیں؟

الجواب

بیٹھ کر نماز پڑھتے وقت رکوع کا اکمل طریقہ یہ ہے کہ پیشانی گھٹنوں کے مقابل آجائے، (حتیٰ یحاذی جبهته رکبتیه) اوراس میں سرین اٹھانا لازم نہیں آتا اور سجدہ جس طرح عام طور پر کیا جاتا ہے، اسی طرح کرے اوراس میں سرین کا اٹھنا لازمی چیز ہے۔

ملاحظہ ہو ہدایہ میں ہے:

ویعتمد بیدیه علی الأرض؛لأن وائل بن حجر رضی اللّٰه عنه وصف صلاة رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وعلیٰ آله وسلم فسجد وأدعم علی راحتیه ورفع عجیزته. (الهداية: ۱۰۸/۱، باب صفة الصلاة شركة علمية)(۱)

البحر الرائق میں ہے:

قوله:(وجافی بطنه عن فخذیه)أی باعده لحدیث مسلم:کان إذا سجدجافی بین یدیه حتی لوأن بهیمة أرادت أن تمربین یدیه مرت ولحدیث أبی داؤد فی صفة صلاته علیه الصلاة والسلام: و إذا سجد فرج بین فخذیه غیرحامل بطنه علی شیء من فخذیه ... والمجافاة أن یظهر کل عضو بنفسه فلا تعتمد الأعضاء بعضها علی بعض. (البحرالرائق: ۳۲۰/۱،کوئٹة) (۲)

== فقلت له:فإنک تفعل ذلک،فقال:إن رجلی لا تحملانی.(موطأالإمام مالک،ت:عبدالباقی،باب العمل فی الجلوس فی الصلاة (ح:۵۱)دارإحیاء التراث العربی بیروت.انیس)

(۱) عن البراء بن عازب أن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم کان یضع وجهه بین کفیه إذا سجد.(مسند أبی یعلی الموصلی،مسندالبراء بن عازب (ح:۱۶۶۹)

عن أبی إسحاق قال:وصف لنا البراء بن عازب فوضع یدیه واعتمد علی رکبتیه ورفع عجیزته وقال هکذا کان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم یسجد.(سنن أبی داؤد،باب صفة السجود (ح:۸۹۶))انیس

(۲) کتاب الصلاة،باب صفة الصلاة،آداب الصلاة،انیس

عن میمونة بنت الحارث قالت:کان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم إذا سجد جافی حتی من خلفه وضح إبطیه، قال وکیع:یعنی بیاضهما.(الصحیح لمسلم،باب مایجمع صفة الصلاة وما یفتتح به (ح:۴۹۷)

وفی روایة عن میمونة رضی اللّٰه عنها أنها قالت:کان النبی صلی اللّٰه علیه وسلم إذا سجد لو شاءت بهمة أن تمر بین یدیه لمرت.(المرجع السابق،ح:۴۹۶)

حدیث أبی داؤد فی باب افتتاح الصلاة رقم الحدیث:۷۳۵.انیس

حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

وإن ركع جالساً ينبغي أن يحاذي بجبهته ركبتيه،أبو السعود. (حاشية الطحطاوي على الدرالمختار ، باب صفة الصلاة: ۲۰۳/۱،سعيد)

شامی میں ہے:

(ومنها الركوع)... وفي حاشية الفتال عن البرجندي: ولو كان يصلي قاعداً ينبغي أن يحاذي جبهته قدام ركبتيه ليحصل الركوع،اهـ.قلت:ولعله محمول على تمام الركوع،وإلا فقد علمت حصوله بأصل طاطأة الرأس أي مع انحناء الظهر، تأمل.(ردالمحتار: ۴۴۷/۱،باب صفة الصلاة)(۱)

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

فإن ركع جالساً ينبغي أن تحاذي جبهته ركبتيه ليحصل الركوع.ولعل مراده انحناء الظهر عملا بالحقيقة لا أنه يبالغ فيه حتى يكون قريباً من السجود. (حاشية الطحطاوي علىٰ مراقي الفلاح: ۲۲۹، قديمي)(۲)

آپ کے مسائل میں ہے:

بیٹھ کر نماز پڑھتے وقت اتنا جھکیں کہ سر گھٹنوں کے برابر آجائے۔(آپ کے مسائل اوران کا حل:۱۹۵/۲)واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ دارالعلوم زکریا:۱۵۰/۲-۱۵۱)

بیٹھ کر نماز پڑھے تو حالت قعود ورکوع میں نگاہ کہاں رکھے:

سوال: جو شخص بیٹھ کر نماز پڑھے وہ بیٹھنے کی حالت میں اپنی نظر کس جگہ رکھے اور جب رکوع کرے تو کہاں نظر کرے؟

الجواب

جو شخص بیٹھ کر نماز پڑھے، بیٹھنے کی حالت میں اس کے لئے فقہا نے یہ مستحب لکھا ہے کہ حجر کی طرف نظر کرے اور حجر کے معنی کئی ہیں: گود کے بھی ہیں اور پہلو وغیرہ کے بھی ہیں اور شامی میں یہ بھی لکھا ہے کہ اپنا کرتہ وغیرہ جو سامنے ہے اس کو دیکھے۔غرض یہ ہے کہ جس میں خشوع حاصل ہو اور ایک طرف نظر ہو اور اِدھر اُدھر نہ ہو وہ امر کرے اور یہ بھی شامی میں ہے کہ اندھیرے میں اور نابینا آدمی اللہ کی عظمت اور بڑائی کا خیال کرے۔(۳)

(۱) مطلب:قديطلق الفرض علىٰ ما يقابل الركن وعلىٰ ما ليس بركن ولا شرط،بحث الركوع والسجود،انيس

(۲) باب شروط الصلاة وأركانها،انيس

(۳) نظره إلىٰ موضع سجوده حال قيامه الخ وإلىٰ حجره حال قعوده.(الدرالمختار)

(قوله:إلىٰ حجره)مابين يديک من ثوبک،قاموس،وقال أيضاً:الحجرمثلثة:المنع وحضن الإنسان،==

اس کے بعد واضح ہو کہ فقہا نے بیٹھے ہوئے نماز پڑھنے کے لئے بحالت رکوع کوئی مقام نظر کیلئے معین نہیں کیا۔لہٰذا اس کے لئے یہی مستحب ہوگا کہ رکوع میں جہاں نظر پڑے، وہیں نظر رکھے اور متوجہ إلی اللّٰه ہو، اصل حکم یہی ہے کہ تمام نماز اس طرح پڑھے گویا اللہ کو دیکھتا ہے۔ **کما ورد: أن تعبد اللّٰه کأنک تراه.** (الحدیث)(۱) فقط

(فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۲/۲۱۴-۲۱۵)☆

رکوع، سجدہ اور سلام کے وقت مصلی کو کہاں نظر رکھنی چاہئے:

سوال: رکوع، سجدہ اور سلام کی حالت میں مصلی کو کہاں نظر رکھنی چاہئے؟

الجواب ______________

حالت سجدہ میں ناک کی طرف حالت رکوع میں ظاہر قدم پر اور داہنی طرف سلام پھیرتے وقت داہنے کندھے پر اور بائیں طرف سلام پھیرتے وقت بائیں کندھے پر نظر رکھنا یہ نماز کے آداب میں سے ہے اور تکمیل فرائض کے لئے وسیلہ ہے۔ درمختار میں ہے:

ولها آداب... (نظره إلٰی موضع سجوده حال قیامه، وإلٰی ظهر قدمیه حال رکوعه، وإلٰی أرنبة أنفه حال سجوده، وإلٰی حجره حال قعوده، وإلٰی منکبه الأیمن والأیسر عند التسلیمة الأولٰی و الثانیة لتحصیل الخشوع. (الدر المختار: ۴۷۷/۱، سعید)(۲)

امداد الفتاح میں ہے:

ونظر المصلی إلٰی موضع سجوده قائمًا وإلٰی ظاهر القدم راکعًا لأنه أدعی إلی الخشوع و نظره إلٰی أرنبة أنفه ساجدًا لأن تصویب النظر إلیها أقرب إلی الخشوع... ولئلا ینظر إلٰی مایشغله

== والمناسب هنا الأول لأنه فسر الحضن بمادون الإبط إلٰی الکشح أو الصدر والعضدان، الخ (قوله: لتحصیل الخشوع) علة الجمیع؛ لأن المقصود الخشوع وترک التکلف، الخ، وإذا کان فی الظلام أو کان بصیراً یحافظ علیٰ عظمة اللّٰه تعالٰی؛ لأن المدار علیها. (رد المحتار، باب صفة الصلاة، فصل آداب الصلاة: ۴۴۶/۱، ظفیر)

(۱) مشکوة، کتاب الإیمان، فصل أول رقم الحدیث: ۲. ظفیر

☆ **بیٹھ کر نماز میں نظر کہاں رکھیں:**

سوال: نفل نماز بیٹھ کر پڑھنے میں تلاوت کے وقت نگاہ سجدہ کی جگہ بہتر ہے یا گود میں؟

الجواب ______________ حامداً و مصلیاً

گود میں مناسب ہے۔(''وإلٰی حجره حال قعوده''. (الدر المختار، کتاب الصلوة، باب صفة الصلوة، آداب الصلاة: ۴۷۸/۱، سعید) فقط (فتاویٰ محمودیہ: ۶۴۸/۵)

(۲) باب صفة الصلاة، آداب الصلاة، انیس

عما هو فيه من الخشوع استحضارًا لعظمة مولاه...ويكون ملاحظًا قوله صلى الله عليه وسلم "اعبد الله كأنك تراه فإن لم تكن تراه فإنه يراك" وإلى المنكبين مسلمًا فينظر إلىٰ أيمنه فى الأول، وإلىٰ أيسره فى الثانى، لأن المقصود الخشوع، وترك التكلف فإذا تركه صار ناظرًا إلىٰ هذه المواضع قصد أو لم يقصد. (إمداد الفتاح: ٣٠٦، بيروت/ وكذا فى البحر الرائق: ٣٠٤/١، كوئٹہ/ ومراقى الفلاح: ١٠٢، مكة المكرمة/ والطحطاوى: ٢٧٧/ وبدائع الصنائع: ٢١٥/١، سعيد/ والفتاوىٰ الهندية: ٧٢/١) (١) والله سبحانه تعالىٰ أعلم (فتاویٰ دار العلوم زکریا: ۱۶۳/۲-۱۶۴)

سورہ کے آخری حرف کو رکوع کی تکبیر کے ساتھ پڑھے، تو کیا حکم ہے:

سوال: نماز میں سورۂ کوثر اور سورۂ اخلاص کے آخری حرف کو رکوع کی تکبیر کے ساتھ ملا لے؛ یعنی سورۂ کوثر میں "هو الأبتر الله أكبر" اور سورۂ اخلاص میں "كُفُوًا اَحَدٌ الله أكبر" پڑھ کر رکوع کرے تو نماز میں کوئی خرابی پیدا ہوگی یا نہیں؟

الجواب

جہاں سورۃ کا آخری حرف اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کا ہو، وہاں تکبیر کے ساتھ ملا سکتے ہیں اور جہاں ایسا نہ ہو، وہاں وصل نہ کیا جائے۔ لہٰذا "كُفُوًا اَحَدٌ الله أكبر" پڑھنے میں کوئی حرج نہیں، مگر "هو الأبتر الله أكبر" نہ پڑھنا چاہئے "هو الابتر" پر وقف کر کے رکوع کی تکبیر کہے۔

إذا فرغت من القرأة وتريد أن تكبر للركوع إن كان الختم بالثناء فالوصل بالله أكبر أولىٰ ولو لم يكن بالثناء فالفصل أولىٰ كقوله تعالىٰ إنّ شانئك هو الأبتر، هٰكذا فى التتارخانية. (الفتاوىٰ الهندية: ٨١/١) (٢) (فتاویٰ رحیمیہ: ۱۸۴/۱-۱۸۵)

سجدہ میں جاتے وقت گھٹنوں پر ہاتھ ٹیکنا:

سوال: قومہ سے جاتے ہوئے ہاتھوں کو کس ہیئت پر رکھا جائے گا، آیا "وضع اليدين على الركبتين" پر عمل کیا جائے گا یا ارسال یدین پر عمل کیا جائے گا؟ نیز بہشتی زیور کی عبارت کہ گھٹنوں پر ہاتھ رکھے ہوئے سجدہ میں جائے، (۳) اس پر نہ کوئی حاشیہ اور نہ کسی حدیث صحیح سے ثابت ہے، نیز فقہاء کرام نے بھی اس مسئلہ سے کوئی تعرض نہیں

(١) عن ابن سيرين قال: كان النبى صلى الله عليه وسلم يرفع بصره إلى السماء فأمر بالخشوع فرفع بصره نحو مسجده. (مصنف عبدالرزاق الصنعانى، باب رفع الرجل بصرى إلى السماء (ح: ٣٢٦١) انيس)

(٢) الباب الرابع فى صفة الصلاة، الفصل الخامس فى زلة القارى، انيس

(۳) بہشتی زیور، حصہ یازدہم، فرض نماز کے بعد مسائل ص: ۷۵۲، دار الاشاعت، کراچی

کیا، کسی فقہی کتاب سے یہ مسئلہ ثابت نہیں۔ پھر علمائے ہند حالت مذکور میں وضع کو مستحب اور علمائے پاکستان ارسال کو افضل کیوں بتاتے ہیں؟ جیسے کہ احسن الفتاوی کی عبارت سے ظاہر وباہر ہے۔(۱)

پس وضع یا ارسال اگر کسی صحیح حدیث سے ثابت ہو، تحریر فرمائیں، نیز افضل ومفضول کو بھی تحریر فرمائیں، نیز دونوں شقوں میں سے کونسی شق پر عمل کرنا زیادہ اولی وانسب ہوگا؟

الجواب ـــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

صراحۃً یہ جزئیہ کسی کتاب میں نہیں دیکھا، معمول یہ ہے کہ ہاتھوں کو رانوں اور گھٹنوں پر رکھ؛ یعنی سہارا لے کر قومہ سے سجدہ میں چلے جاتے ہیں، جیسے کہ سجدہ سے اٹھ کر رانوں اور گھٹنوں پر سہارا لے کر کھڑے ہوتے ہیں۔

"ویمکن أن یشم راحة الاستدلال من حدیث :"استعینوا بالرکب، آھـ". (الجامع الصغیر) (۲)

فقط واللہ تعالی أعلم

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔۲۲/۷/۱۴۰۶ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ:۶۱۷/۵۔۶۱۸)

سجدہ کی طرف جاتے وقت ہاتھ گھٹنوں پر نہ رکھے:

سوال: رکوع کے بعد سجدہ میں جاتے ہوئے ہاتھ گھٹنوں پر رکھنا سنت ہے یا مستحب؟ بینوا توجروا۔

الجواب ـــــــــــــــــ باسم ملھم الصّواب

اٹھتے وقت گھٹنوں پر ہاتھ رکھنا مستحب ہے، سجدہ کی طرف جانے کی حالت میں گھٹنوں پر ہاتھ رکھنا ثابت نہیں، عدم ثبوت کے علاوہ اس میں مزید دو قباحتیں ہیں۔

(۱) عوام اس کو مسنون یا مستحب سمجھنے لگے ہیں۔

(۲) قومہ سے سجدہ کی طرف جانے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ گھٹنے زمین پر ٹکنے سے قبل کمر اور سینہ نہ جھکے، اس وقت گھٹنوں پر ہاتھ رکھنے کی عادت کا یہ اثر دیکھا گیا ہے کہ گھٹنے زمین پر لگنے سے قبل ہی اوپر کا دھڑ جھک جاتا ہے، لہٰذا یہ عادت سبب ترک سنت ہونے کی وجہ سے قابل احتراز ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۲/رجب ۱۴۰۰ھ۔ (احسن الفتاویٰ:۵۰/۳)

---

(۱) أحسن الفتاوی، باب صفة الصلوٰة ومایتعلق بھا: ۵۰/۳، سعید

(۲) عن أبی ھریرة رضی اللہ تعالی عنه قال: إشتکی أصحاب النبی صلی اللہ علیه وسلم إلی النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم مشقة السجود علیھم إذا تفرجوا، فقال:"استعینوا بالرکب". (سنن الترمذی، أبواب الصلوة، باب ماجاء فی الاعتماد فی السجود: ۶٤/۱، سعید)/(ح:۲۸٦)انیس)

سجدہ کا طریقہ:

سوال (الف) کیا سجدہ میں دونوں پیر زمین سے اٹھا کر رکھنے کی صورت میں نماز ہو جاتی ہے؟

(ب) سجدہ میں ہاتھوں کی انگلیوں کو کھلا رکھنا چاہئے، یا پھیلا کر؟

(ج) سجدہ میں جاتے وقت پہلے دونوں ہاتھ زمین پر رکھیں یا دونوں گھٹنے؟

(این، محمد شرف الدین ارشد، مشیر آباد)

الجواب

(الف) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن اعضا پر سجدہ کرنے کا حکم فرمایا ہے، ان میں ایک دونوں پاؤں بھی ہے، (۱) لہذا اگر کسی شخص نے سجدہ کیا اور بلا عذر پاؤں زمین پر نہیں رکھا، تو اس کا سجدہ درست نہیں ہوگا، اگر ایک پاؤں زمین پر رکھا اور ایک اٹھائے رکھا، تو سجدہ ادا ہو جائے گا؛ لیکن یہ صورت مکروہ ہے، پاؤں رکھنے سے مراد پاؤں کی انگلیوں کو زمین پر رکھنا ہے، اگر پاؤں کی انگلیوں کے بجائے تلوے کے مقابل پاؤں کے اوپری حصہ کو زمین پر رکھا تو یہ کافی نہیں، انگلی نہیں رکھی تو بھی سجدہ ادا نہیں ہوگا، کیوں کہ پاؤں کے رکھنے کا مقصود انگلیوں کو قبلہ کی سمت متوجہ رکھنا ہے:

أنّ المراد بوضع الأصابع توجيهها نحو القبلة ليكون الاعتماد عليها وإلا فهو وضع ظهر القدم. (۲)

(ب) سجدہ میں ہاتھ اس طرح رکھنا چاہئے کہ انگلیاں ملی ہوئی ہو، "**ضاما أصابع يديه**" (۳) رکوع میں انگلیوں کو کھلا رکھنا اور سجدہ کی حالت میں ملا کر رکھنا مسنون ہے، دوسرے مواقع پر حالتِ اعتدال میں رکھنا چاہئے، یعنی اس کیفیت پر جس پر عام طور پر انگلیاں ہوا کرتی ہیں۔ (۴)

(ج) سجدہ کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ زمین سے جو عضو جتنا قریب ہو، اسی ترتیب سے اعضاءِ سجدہ زمین پر رکھے جائیں؛ یعنی پہلے گھٹنہ، پھر ہاتھ، اس کے بعد ناک، پھر آخر میں پیشانی۔

"**إذا أرادالسجود يضع أولاً ما كان أقرب إلى الأرض**". (۵) (کتاب الفتاویٰ: ۲/۱۸۳-۱۸۴)

(۱) الجامع للترمذی، رقم الحديث: ۲۷۲۔

(عن العباس بن المطلب أنه سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: إذا سجد العبد سجد معه سبعة آراب (وفي رواية: أطراف) وجهه وكفاه وركبتاه وقدماه. (باب ماجاء في السجود على سبعة أعضاء) الصحيح لمسلم، باب أعضاء السجود (ح: ٤٩١) انيس)

(۲-۳) رد المحتار: ۲/۲۰۳، زكريا/ كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب: في إطالة الركوع للجائي، انيس

(۴) الكبيری شرح منية المصلی: ۲۸۰۔

(۵) الفتاوى الهندية: ۱/۷۵ (الباب الرابع في صفة الصلاة، الفصل الثالث في سنن الصلاة، انيس) ==

سجدہ میں ہاتھ کس طرح رکھیں:

سوال: سجدہ میں دونوں ہاتھوں کو کہنی تک زمین پر بچھائے رکھنے سے کیا نماز ادا ہو جائے گی؟ سجدہ میں ہاتھوں کو رکھنے کا صحیح طریقہ کیا ہے؟ (محمد عبدالمنعم ،نرمل)

الجواب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے منع فرمایا ہے کہ سجدہ کی حالت میں دونوں ہاتھوں کو زمین پر بچھایا جائے ،آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کوئی شخص کتے کے بچھانے کی طرح اپنے ہاتھ نہ بچھایا کرے۔(۱)

سجدہ میں ہاتھوں کو رکھنے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ گٹوں سے کہنیوں تک کا حصہ زمین سے الگ رہے،آپ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں تشریف لے جاتے تو ہاتھ کا زمین اور بازو کا پہلو سے اتنا فاصلہ ہوتا کہ بغل مبارک کی سفیدی نظر آجاتی۔

" **كان إذاصلى فرج بين يديه حتى يبدو بياض إبطيه**". (۲)

البتہ عورتیں بازو کو پہلو سے اور پیٹ کو رانوں سے ملا کر اور سمٹ کر نماز ادا کریں گی ،رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ہدایت فرمائی ہے،(۳) اور خواتین کے لئے اس میں زیادہ ستر ہے۔(۴) (کتاب الفتاویٰ:۲/۱۸۴-۱۸۵)

== عن نافع عن ابن عمر رضي اللّٰه عنه أنه كان يضع ركبتيه إذا سجد قبل يديه ويرفع إذا رفع قبل ركبتيه". (مصنف ابن أبي شيبة : ۲۳۶/۱ ،رقم الحديث: ۲۷۰۶) محشي (كتاب الصلاة،في الرجل إذا الخط إلى السجود أي شئ يقع منه قبل إلى الأرض،انيس)

(۱) سنن نسائي،عن أنس،رقم الحديث: ۱۱۰۳،باب النهي عن بسط الذراعين في السجود (عن أنس عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال:لا يفترش ذراعيه في السجود إفتراش الكلب. (انيس)

"عن عبد اللّٰه بن سعيد عن جده عن أبي هريرة رضى الله عنه يرفعه أنه قال:إذاسجد أحدكم فليبدئ بركبتيه قبل يديه ولايبرك بروك الفحل". (مصنف ابن أبي شيبة: ۲۳۶/۱،رق الحديث: ۲۷۰۲. محشي. (كتاب الصلاة،في الرجل إذا الخط إلى السجود أي شئ يقع منه قبل إلى الأرض،انيس)

(۲) صحيح البخاري،رقم الحديث: ۳۹۰. محشي. (كتاب الصلاة،باب يبدئ ضبعيه ويجافى في السجود،انيس)

(۳) سنن البيهقي: ۲۲۳/۲۲ - ۲۲۲۔

قال إبراهيم النخعي: كانت المرأة تؤمر إذا سجدت أن تلزق بطنها بفخذيها كيلا ترتفع عجزتها ولا تجافى كما يجافي الرجل. (سنن البيهقي الكبرىٰ،باب مايستحب للمرأة من ترك التجافى في الركوع والسجود (باب:۳۰۵)انيس)

(۴) عن عبداللّٰه بن عمر قال:قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم:إذا جلست المرأة في الصلاة وضعت فخذها على فخذها الأخرىٰ وإذا سجدت ألصقت بطنها في فخذيها كأستر مايكون لها وإن اللّٰه تعالىٰ ينظر إليها ويقول:يا ملائكتي أشهدكم أني قد غفرت لها. (سنن البيهقي الكبرىٰ، باب مايستحب للمرأة من ترك التجافى في الركوع والسجود (ح:۳۱۹۹)انيس)

سجدہ کی حالت میں دونوں پاؤں کیسے رہیں:

سوال: سجدہ کی حالت میں دونوں پاؤں آپس میں کیسے رہیں؟

حامداو مصليًا الجواب ــــــــــ وباللّٰه التوفيق

سجدہ کی حالت میں دونوں طریقے جائز ہیں؛ خواہ دونوں پاؤں ملے ہوئے رہیں، یا کچھ فاصلے پر رہیں۔(۱) واللہ تعالیٰ اعلم (مرغوب الفتاویٰ:۲/۱۴۳)

سجدہ میں عقبین ملانے کے بارے میں روایت کی تحقیق:

سوال: نماز میں عقبین کا ملانا سجدہ کی حالت میں بعض احادیث میں وارد ہے، مثلاً: صحیح ابن خزیمہ، بیہقی، طحاوی وغیرہ میں حدیث موجود ہے: "**فوجدته ساجدًا راصًا عقبيه**". اس کی کیا حیثیت ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

یہ حدیث مختلف طرق کے ساتھ مختلف کتب میں مذکور ہے؛ لیکن یہ الفاظ " **فوجدته ساجداً راصاً عقبيه**" صرف یحی بن ایوب نقل کرتے ہیں اور دوسرے ثقات کی مخالفت کرتے ہیں، لہذا یہ زیادتی شاذ ہے۔

حدیث کی تحقیق ملاحظہ ہو:

یہ حدیث مندرجہ ذیل کتابوں میں مذکور ہے۔

(۱) الإسناد الأول: ابن خزيمة (٦٥٤)، ابن حبان: (١٩٣٣) شرح معاني الأثار: (٢٣٤/١) الحاكم: (٢٢٨/١) البيهقي في الكبير: (١١٦/٢) ابن عبد البر في التمهيد: (٣٤٨/٢٣) وإسناده عند جميعهم من طريق سعيد بن أبي مريم عن يحى بن أيوب عن عمارة بن غزية عن أبي النصر عن عروة عن عائشة رضى الله تعالىٰ عنها.

سعيد بن أبي مريم	**متفرد**
يحيٰى بن أيوب	**علل الذهبي أحاديثه**
	رد أحمد روايته في الوتر ليس بذلك القوى.
	قال أبوحاتم: لا يحتج به
	وقال النسائي: ليس بالقوى.
	وقال الدارقطني: في حديثه اضطراب.

(۱) "قوله: (و يسن أن يلصق كعبيه) قال السيد أبوالسعود وكذا في السجود أيضاً. (ردالمحتار، مطلب في قراءة البسملة بين الفاتحة: ١٩٦/٢) (كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، انيس)

ولفظه راصاً عقيبيه عند الكل،يحيٰى بن أيوب ليس بذالك القوى وخالف الأقوىٰ هُنا فشذت روايته.

(۲) الاسناد الثاني:رواه مسلم:(۳۵۲/۱)وأحمد:(۸۵/۶-۲۰۱)وأبوداؤد:(۵۴۷/۱) والنسائي:(۱۰۲/۱)وابن عبد البر:(۳۴۹/۲۳)عن:

أبوبكر بن أبى شيبة	ثقة	ميزان الاعتدال:۴۵۴۹.
أبو أسامة	ثقة	لسان الميزان.
عبيد اللّٰه بن عمر	حجة من العدول	بيان مشكل الآثار تحفة الأحوذى:۲۴۰/۳.
محمد بن يحيٰى	ثقة	التاريخ الكبير
الأعرج	ثقة	الاكمال.
أبو هريرةؓ	الصحابى	

ولفظه عند الكل"فوقعت يدى علىٰ بطن قدميه".

(۳) الاسناد الثالث:رواه مالك:(۲۱۴/۱)والترمذى:(۴۸۹/۵) والطحاوى : (۳۴۱) و البغوى:(۱۶۶/۵)عن:

يحيٰى بن سعيد الأنصارى	ثقة	ولفظه عند الكل"فوقعت يدى
محمد بن ابراهيم التميمى	ثقة	علىٰ بطن قدميه".
عائشة رضى اللّٰه تعالىٰ عنها	أم المؤمنين	

والخلاصة:الحديث أصله صحيح فى شرح مسلم:(۳۵۲/۱) وأحمد:(۸۵-۲۰۱) وأبوداؤد: (۵۴۷/۱) والنسائى: (۱۰۲/۱)وابن عبد البر:(۳۴۹/۲۳)ومالك:(۲۱۴/۱) والترمذى: (۴۸۹/۵) والطحاوى:(۳۴۱) والبغوى:(۱۶۶/۵)وليس عندهم رص العقبين، فهٰذا شاذ كما ذكر الحاكم.(ملخص من رسالة " لاجديد فى أحكام الصلاة")واللّٰه سبحانه تعالىٰ أعلم

(فتاویٰ دارالعلوم زکریا:۲/۱۵۴-۱۵۶)

رسالہ "سجدہ میں ایڑیوں کا ملانا":

قال المرتب: شامی میں ہے:

قوله:(ويسن أن يلصق كعبيه)قال السيد أبوالسعود وكذا فى السجود،أيضاً.(۱)

"اِعلاء السنن" میں حضرت عائشہؓ کی روایت ہے:

(۱) ردالمحتار،مطلب فى قراءة البسملة بين الفاتحة:۱۹۶/۲)(كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة،انيس

میں نے ایک رات آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نہیں پایا حالانکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میرے ساتھ ہی میرے بستر پر لیٹے ہوئے تھے، پس میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حالتِ سجدہ میں پایا اس طرح کہ پاؤں کی ایڑیاں ایک دوسرے کے ساتھ مضبوطی سے ملی ہوئی تھیں۔(۱)

حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانیؒ رقمطراز ہیں:

"وأما سنية إلصاق الكعبين في السجود فيدل عليه حديث عائشة...وفيه"فوجدته ساجدًا راصًا عقبيه"أي ملصقاًأحدهما بالآخر".(۲)

حضرت مولانا احمد نقشبندی کا ایک واقعہ:

حضرت مولانا غلام محی الدین صاحب متبحر اہل حدیث عالم تھے، ان کا ایک کتب خانہ بھی تھا، ہمیشہ تقوی اور اعتدال کی راہ پر گامزن رہتے، حضرت (مولانا احمد خان) کی خدمت میں خانقاہ سراجیہ تشریف لائے اور چار پانچ روزہ قیام کے دوران اپنا تعارف تک نہ کروایا، رخصت ہوتے وقت اتنا کہا کہ آپ کا باطنی معاملہ جو اللہ کے ساتھ ہے، اسے تو آپ ہی بہتر جانتے ہوں گے، میں نے تو یہ دیکھا ہے کہ نماز اور اس کے واجبات کی ادائیگی میں آپ کا عمل کامل طور پر سنت مطہرہ کے مطابق ہے اور اس سلسلے میں آپ کی ذات مجدد کی حیثیت رکھتی ہے، البتہ آپ کا سجدے کی حالت میں ایڑیوں کا جوڑنا کتب احادیث سے ثابت نہیں، حضرت نے فوراً ''بیہقی'' منگواکر درج ذیل حدیث پیش کی، جس سے وہ مطمئن ہوگئے۔

"عن عروة بن الزبير رضى الله تعالىٰ عنه يقول: قالت عائشة رضى الله تعالىٰ عنها زوج النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: فقدتُ رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وكان معى على فراشى فوجدته ساجدًا راصاً عقيبيه مستقبلاً بأطراف أصابعه القبلة فسمعته يقول:أعوذ برضاك من سخطك وبعفوك من عقوبتك وبك منك أثنى عليك لا أبلغ كل ما فيك" إلىٰ آخر الحديث.(۳)

حضرت عروہ بن زبیرؓ سے روایت ہے کہ ام المؤمنین حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ میں نے (ایک رات) بستر پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ پایا، حالانکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میرے پاس ہی لیٹے ہوئے تھے، پس میں نے صلی

(۱) فقدت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وكان معى علىٰ فراشى،فوجدته ساجداً راصاً عقيبيه.(إعلاء السنن ،كتاب الصلاة،باب طريق السجود:۳۹/۳،رقم الحديث:۷۸٦،انيس)

(۲) إعلاء السنن،كتاب الصلاة،باب طريق السجود:۴۲/۳،رقم الحديث:۷۹۰،انيس

(۳) السنن الكبرىٰ للبيهقى،كتاب الصلاة،باب ما جاء فى ضم العقبين فى السجود:۱۱٦/۲ (ح:۲۷۱۹)

اللہ علیہ وسلم کو اس حالت میں پایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سجدے میں تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں پاؤں کی ایڑیاں ایک دوسری کے ساتھ مضبوطی سے ملی ہوئی تھیں اور پاؤں کی انگلیوں کا رخ قبلہ کی جانب تھا، پس میں نے سنا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ دعا فرما رہے تھے، (اے اللہ!) میں تیری ناراضگی سے رضا کی، تیرے عذاب سے تیرے عفو کی اور تجھ سے تیری پناہ کا طلب گار ہوں، تیری حمد وثنا کرتا ہوں اور تیرے اوصاف کا احاطہ نہیں کرسکتا۔ آخر حدیث تک۔ (بیس مرداں حق:۱/۵۳۵)

یہ سنت عام طور پر متروک ہے، بہت کم اس پر عمل کرتے دیکھا گیا۔ میرے استاذ حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب مدظلہ نے ایک رسالہ میں اس کو شائع فرما کر زندہ کرنے کی کوشش کی تو بعض حضرات نے اس کے خلاف ''احسن الفتاویٰ''(۱) کا فتویٰ پیش کیا۔ موصوف نے اس پر تبصرہ تحریر فرمایا، جو یہاں نقل کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔

(مرغوب)

''احسن الفتاویٰ'' کا جواب:

سوال: مرد سجدہ کی حالت میں دونوں پاؤں کے ٹخنے آپس میں ملا کر رکھیں یا علیحدہ؟ ''عرف الشذی'' میں ٹخنے ملانے کی روایت ہے:

''وفي صحيح ابن حبان عن عائشة رضى اللّٰه تعالىٰ عنها الرص بين العقيبين فى السجدة أى ضمها وأكثر الناس عن هٰذا غافلون''.

اس کے بارے میں اپنی تحقیق تحریر فرمائیں؟

الجواب ــــــــــ باسم ملهم الصواب

''إعلاء السنن''(۲) میں سوال میں مذکور حدیث کے بعد ''تفاجج بين القدمين'' کی حدیث بھی منقول ہے:

''وللنسائى وقد سكت عنه وهو ساجد وقدماه منسوبان. الحديث(النسائى: ١/١٦٦)(۳)

عن البراء رضى اللّٰه تعالىٰ عنه كان صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم إذا ركع بسط ظهره، وإذا سجد وجه أصابعه قبل القبلة فتفاج (ينبغى وسع بين رجليه). (رواه البيهقى)

---

(۱) احسن الفتاویٰ:۳/۴۹-۵۰

(۲) عن عائشة رضى اللّٰه تعالىٰ عنها فى حديث أوله فقدتُ رسول اللّٰه صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم وكان معى على فراشى فوجدته ساجدًا راصاً عقيبيه مستقبلاً بأطراف أصابعه القبلة، رواه ابن حبان فى ''صحيحه'' بإسناد صحيح. (التلخيص الحبير: ١/٩٨)

(۳) إعلاء السنن ، كتاب الصلاة، باب طريق السجود، رقم الحديث: ٧٨٦، انيس

قلتُ: احتج به الحافظ بن حجر بعد ما ضعف رواية الدارقطنی عن عائشة رضی اللّٰه تعالیٰ عنها، وسکت عنه فهو حسن أو صحيح عنده.(۱)

بصورت تعارض اولاً تطبیق پھر ترجیح کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔

تطبیق: حدیث اول میں ''رص بین العقبین'' تقریب پر محمول ہے، کما حمل عليه العلامة الطحاوی رحمه اللّٰه تعالیٰ حدیث ضم الکفین فی الدعاء.

خود اسی حدیث میں حمل علی التقریب پر دو قرائن بھی ہیں: ایک استقبال الأصابع القبلة، دوسرا نصب القدمین، یہ دونوں سنتیں ''رص بین العقبین'' کی صورت میں علی وجہ الکمال ادا نہیں ہوسکتیں۔ مزید بریں اس میں بلاضرورت پاؤں کو حرکت دینے کی قباحت بھی ہے۔

ترجیح: حدیث ثانی مردوں کے لئے رکوع وسجود میں سنت تجافی کے مطابق ہے۔

''وکفی به مرجحاً وبهذا رجح الإمام الطحاوی رحمه اللّٰه تعالیٰ حدیث وضع الیدین علی الرکبتین فی الرکوع علی حدیث التطبیق''.

نیز نماز میں امر خشوع سے بھی اسی کی ترجیح ثابت ہوتی ہے، کیونکہ بلاضرورت حرکت خشوع وخضوع کے منافی ہے۔

''قال النبی صلی اللّٰه تعالیٰ إلیه وسلم: فی مصل یعبث بلحیته لو خشع قلبه یسکن جوارحه.(۲)

یہ بحث تبرعاً لکھدی ہے ورنہ رجوع الی الحدیث وظیفۂ مقلد نہیں۔ فقہ میں اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ شامیہ میں صرف ابوالسعود سے نقل کر کے صحت نقل میں کلام فرمایا ہے اور ''سعایہ'' میں رکوع وسجود میں الصاق الکعبین پر مفصل ومدلل تردید فرمائی ہے ''احسن الفتاویٰ'' میں رکوع میں ٹخنے ملانے کی بحث میں ''سعایہ'' کی تحقیق منقول ہے۔(۳)

سجدہ میں ایڑیوں کا ملانا:

''احسن الفتاویٰ'' کے جواب پر تبصرہ!

از: حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب اعظمی مدظلہ

---

(۱) إعلاء السنن، کتاب الصلاة، باب طریق السجود: ۳۹/۳، رقم الحدیث: ۷۸۷.

(۲) عن أبی هریرة عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم أنه رأی رجلا یعبث بلحیته فی الصلاة فقال علیه السلام: ''لو خشع قلب هذا خشعت جوارحه'' انتهی، وسلیمان بن عمرو هذا أن یکون هو أبوداؤد النخعی فإنی لم أجد أحدا فی هذه الطبقة غیره وقد اتفقوا علی ضعفه، قال ابن عدی: أجمعوا علی أنه یضع الحدیث. (تخریج أحادیث الکشاف، سورة المؤمنین: ۴۰۰/۲، دار ابن خزیمة الریاض. انیس)

(۳) احسن الفتاویٰ: ۴۹/۳-۵۰

الجواب ـــــــــــــــــ واللّٰہ ھو الموفق للصواب

”عن عائشة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنھاقالت: فقدتُ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم وكان معی علیٰ فراشی فوجدته ساجدًا راصاً عقبیه،مستقبلاً بأطراف أصابعه القبلة“.(۱)

”صحیح ابن حبان“ کی جس روایت کا ذکر”**العرف الشذی**“ اور”**التلخیص الحبیر**“میں ہے وہ ”صحیح ابن حبان“ میں بھی انہی الفاظ کے ساتھ مذکور ہے۔”ابن خزیمۃ“ نے اس حدیث کو”**باب ضم العقبین فی السجود**“ کے تحت ذکر کیا ہے۔میں نے وہیں سے اس کو نقل کیا ہے۔یہ جان کر خوشی ہوئی کہ حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ نے بھی اس سنت کی طرف توجہ دلائی ہے۔(**فالحمد للّٰہ علیٰ ذلک**)

اس حدیث کے خلاف کوئی صریح حدیث نہیں ہے،اس لئے ہمارے خیال میں ضم عقبین کے ظاہر ہی پر عمل کرنا چاہئے، کسی تاویل کی ضرورت نہیں۔فقہ کی کتابوں میں اس کا ذکر نہ ہونا عمل سے روکنے یا تاویل کرنے کے لئے کافی نہیں۔

”إعلاء السنن“ میں ہے:

”وأما سنية الصاق الكعبین فی السجود فیدل علیه حدیث عائشة رضی اللّٰہ تعالیٰ“.(۲)

دیکھئے! حضرت مولانا ظفر صاحبؒ نے اس کی کوئی تاویل نہیں کی؛ بلکہ شامی سے مفتی ابوالسعود کا قول نقل کیا:

”والصاق كعبیه فی السجود سنة“اھ.(۳)

حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب مدظلہ نے حدیث میں لفظ”**فتفاج**“(۴) کو حضرت عائشہؓ کی حدیث کے معارض سمجھا،یہ سمجھنا ہمارے خیال میں صحیح نہیں۔

(۱) اولاً تو اس لئے کہ حافظ نے ابن حجرؒ نے حضرت براءؓ کی حدیث کو” **التلخیص**“میں”**تفریج بین الركبتین**“ کی دلیل میں پیش کیا ہے،جیسے ابوحمید ساعدیؓ کی حدیث میں جس میں ”**إذاسجد فرج بین فخذیه**“ کا لفظ ہے اور ضم فخذین کا مسئلہ ضم عقبین سے الگ ہے،یہ دو مسئلے ہیں،”ابن خزیمۃ“ نے دونوں کے لئے الگ الگ باب قائم کیا ہے اور دونوں میں الگ الگ حدیثیں ذکر کی ہیں۔

---

(۱) **التلخیص الحبیر: ۲۵٦/۱،صحیح ابن خزیمة : ۳۲۸/۱)(كتاب الصلاة،باب ضم العقبین فی السجود،رقم الحدیث: ٦٥٤،انیس)**

(۲) **إعلاء السنن،باب طریق السجود:۴۲/۳)(كتاب الصلاة،رقم الحدیث: ۷۹۰،انیس)**

(۳) **ردالمحتار: ۱۹٦/۲،دارالباز /كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب:قراءة البسملة بین الفاتحة والسورةحسن، انیس**

(۴) جس کی تفسیر حافظ ابن حجر نے ”**وسع بین رجلیه**“ سے کی ہے

(۲)　ثانیاً حافظ نے جو معنی لئے ہیں، وہ متعین نہیں؛ بلکہ "فتفاج" جو "فج" سے ہے، جس کے معنیٰ کشادگی کا ہے، وہ "تجافٰی" کے قریب قریب ہے، حضرت براءؓ کی ایک دوسری روایت "بیہقی" نے ذکر کی ہیں، "جنح" کا لفظ ہے اس کا مطلب خود بیہقی نے شیخ ابوزکریا العنبری سے یہ نقل کیا ہے:

"جخ الرجل فی صلاته إذا مد ضبعيه وتجافٰی فی الركوع والسجود".(۱)

اسی صفحہ میں حضرت جابرؓ کی روایت ان الفاظ سے پیش کی ہے:

"إذا سجد تجافٰی حتٰی یری بیاض إبطيه" آه.(۲)

یہ مضمون بہت سی حدیثوں میں آیا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کھل کر سجدہ کرتے تھے کہ بغل کھلی رکھتے اور پیٹ پر ران کو نہ رکھتے، نیز حافظؒ نے "تلخیص" میں حضرت براءؓ سے ایک اور لفظ نقل کیا ہے:

"كان إذا سجد بسط كفيه ورفع عجينته".

پھر لکھا ہے کہ!

رواه ابن خزيمة والنسائی وغيرهما بلفظ إذا سجد جخ يقال جخ الرجل فی صلاته إذا مد ضبعيه.

ان سب الفاظ سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت براءؓ سجدہ نبوی کی جو مشہور کیفیت ہے اس کو بیان کر رہے ہیں ،یعنی بغل کھلا رکھنا اور پیٹ اور رانوں کو جدا رکھنا، اس مطلب کی رو سے اس کا ضم عقبین سے کوئی تعارض نہیں۔

اسی طرح ابوحمیدؓ کی حدیث میں "فرج بين فخذيه" کا مطلب "بذل المجہود" میں یہی بیان کیا ہے کہ "باعد بين فخذيه وبطنه" اور آگے روایت میں یہ جو لفظ ہے "غير حامل بطنه علٰی شیٔ من فخذيه" اس کو اس کی تاکید بتایا، پھر اس مطلب کی تائید ابن نجیم صاحب بحرؒ کے قول سے پیش کی۔ (۳)

لطف یہ ہے کہ "بیہقی" نے بھی "سنن کبریٰ" میں "تفریج بین الرکبتین" کا باب قائم کیا؛ لیکن اس کے ذیل میں صرف ابوحمیدؓ کی حدیث ذکر کی، تفریج کے اثبات کے لئے حضرت براءؓ کی حدیث ذکر نہیں کی، جس سے معلوم ہوا کہ "فتفاج" کا مطلب "بیہقی" نے وہ نہیں لیا جو حافظؒ نے لیا؛ بلکہ دوسرا مطلب لیا؟(۴)

تطبیق کی ضرورت ہے، نہ ترجیح کی، اس لئے حضرت مفتی صاحب مدظلہ کا یہ فعل بلا ضرورت ہے۔

---

(۱)　السنن الكبرٰى للبيهقی، كتاب الصلاة، باب يجافٰی مرفقيه عن جنبيه: ۱۱۵/۲، رقم الحديث: ۲۷۰۹، انیس

(۲)　السنن الكبرٰى، كتاب الصلاة، باب يجافی مرفقيه عن جنبيه: ۱۱۵/۲، رقم الحديث: ۲۷۱۰، انیس

(۳)　دیکھئے! بذل المجهود: ۸٦/۲.

(۴)　السنن الكبرٰى: ۱۱۵/۲۔

ضم فخذ ین:

رہا مسئلہ ضم فخذ ین کا جو ''ابن خزیمۃ'' اور ''ابوداؤد'' میں ''ولیضم فخذیہ'' کے لفظ سے مروی ہے تو اس کے معارضہ میں حدیث ابوحمید ''فرج بین فخذیہ'' وہ لوگ پیش کریں گے، جو یہ مطلب لیتے ہیں کہ دونوں رانوں کو آپس میں ملاتے نہیں تھے ''بیہقی'' اور ''شوکانی'' نے بھی یہی معنی لئے ہیں۔(۱)

اور حافظؒ نے ''فتفاج'' سے جو سمجھا وہ بھی اس کے معارض ہوگا، اس مسئلہ میں تطبیق یا ترجیح دی جائے تو ان دونوں حدیثوں کے ایک معنیٰ کے لحاظ سے بظاہر تعارض ہونے کی وجہ سے معقول ہوگا، چنانچہ ''بیہقی'' نے ''السنن الکبریٰ'' میں تفریج کو ترجیح دی ہے اور اس کو نماز کی ہیئت سے زیادہ مشابہ قرار دیا ہے اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ نے ''بذل المجہود'' میں ''بین الفخذین'' کا وہ معنی لینا چاہا ہے، جو اوپر مذکور ہوا، جس کی رو سے تعارض نہیں رہتا اور حضرت تھانویؒ نے دونوں میں تطبیق دے کر تقریب کا معنیٰ لیا ہے۔(۲)

میرا بھی اسی طرف رجحان ہے، اسی پر عمل بھی ہے، اس لئے کہ دونوں رانوں کو بالکل ملانا مشکل ہے۔

تنبیہ: مولانا عبدالحی صاحبؒ نے ''سعایۃ'' میں اصالۃ رکوع میں الصاق کعبین کی تردید فرمائی ہے اور ہم اس میں ان کے ساتھ اتفاق رکھتے ہیں، ضمناً سجدہ میں الصاق کی تردید بھی ہوگئی ہے، یہ صحیح ہے؛ لیکن اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ ضم عقبین کی حدیث حضرت مولاناؒ کی نظر میں نہیں ہے، اسی لئے الصاق کعبین فی الرکوع کی تردید میں شیخ ابوالحسن سندھی کا کلام نقل کیا ہے: ''ولم یرد فی السنة علیٰ ماوقفناعلیه''.(۳)

اور مولاناؒ نے سجدہ کے بیان کے وقت اس مسئلہ سے تعارض نہیں کیا۔ ہاں سجدہ کے بیان میں ضم فخذ ین کو سنت بتایا اور ابوداؤد کی حدیث کا حوالہ دیا ''ولیضم فخذیه''.(۴)

باوجودیکہ اس سنت کو بھی ہمارے فقہا نے ذکر نہیں کیا اور حضرت مولاناؒ نے اس لفظ ضم کی کوئی تاویل بھی نہیں کی، اس لئے یہ کہنا صحیح ہے کہ کوئی سنت حدیث معتبرہ سے ثابت ہوتی ہو تو اس پر عمل کریں گے، یہ کہہ کر اسے چھوڑ نہیں دیں گے کہ ہماری فقہ کی کتابوں میں اس کا ذکر نہیں، اسی لئے علامہ انور شاہ کشمیریؒ جن کی نظر حدیث وفقہ پر بہت وسیع اور عمیق ہے ضم عقبین کی سنت کی طرف توجہ دلا رہے ہیں۔

---

(۱) دیکھئے! السنن الکبریٰ: ۱۱۵/۲. وبذل المجهود: ۸۶/۲.

(۲) دیکھئے! إعلاء السنن، باب طریق السجود: ۳۲/۳۔

(۳) السعایة: ۱۸۱/۲.

(۴) دیکھئے! السعایة: ۱۹۷/۲.

اسی طرح کوئی عمل فقہ کی کتابوں میں سنت بتایا گیا ،لیکن حدیث میں اس کا ذکر کہیں نہیں ملا تو اس کو سنت نہیں سمجھیں گے ،جیسا کہ ''الصاق کعبین فی الرکوع'' کے ساتھ ہمارے اکابر نے کیا، باوجودیکہ اس کو'' کبیری شرح منیۃ المصلی'' اور'' الدرالمختار'' میں سنت بتایا؛لیکن ہمارے محققین نے اس کے سنت نہ ہونے کو ترجیح دی، جیسا کہ ''سعایۃ'' سے ظاہر ہے، (۱) اگر ضم عقبین کی حدیث ان کے سامنے ہوتی تو کبھی وہ اس کی تردید نہ فرماتے ۔ واللہ اعلم

حضرت مولانا رشید احمد صاحب مدظلہ کی چند باتوں کا جواب

قولہ: ''رص بین العقبین'' کو تقریب پر محمول کریں گے، جیسا کہ ''طحاوی'' نے ''ضم الکفین فی الدعاء'' کو تقریب پر محمول کیا۔(۲)

جواب: رص اور ضم میں لغۃً فرق ہے۔ ﴿كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ﴾ (۳) سے ظاہر ہے کہ رص بالکل ایک دوسرے سے مل جانے کو کہتے ہیں، برخلاف ضم کے کہ وہ قریب پر بھی بولا جاتا ہے۔

قولہ: استقبال قبلہ اور نصب القدمین، یہ دونوں رص کے ساتھ علی وجہ الکمال نہیں ہوسکتے ۔ (معنیً)

جواب: یہ نص حدیث کے خلاف ہے، حضرت عائشہؓ رص اور استقبال قبلہ دونوں بول رہی ہیں، جو کچھ حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کیا، وہی ہمارے لئے سنت ہے۔

ہم نے عملاً کرکے دیکھ لیا ہے کہ یہ تینوں کام مکمل ہوسکتے ہیں، (من شاء فلینظرنا) اس وقت دونوں پاؤں قریب کرلئے جائیں گے۔

قولہ: اس میں بلاضرورت پاؤں کو حرکت دینے کی قباحت بھی ہے۔

جواب: بلاضرورت نہیں سنت کی ادائیگی کے لئے ہے، جیسے ہاتھ کی انگلیوں کو سجدہ میں ملانا سنت ہے، باوجودیکہ رکوع میں پھیلانا سنت تھا، اس میں حرکت کو کون منع کرتا ہے؟ وتر میں قنوت سے پہلے احناف رفع یدین کی حرکت کرتے ہیں ۔عیدین میں کرتے ہیں۔ بین السجدتین بائیں پاؤں کو پھیلا کر اس پر بیٹھتے ہیں ، کیوں ابن عباسؓ کی حدیث پر عمل نہیں کرتے ،جس میں عقبین پر بیٹھنا آیا ہے، اس میں حرکت نہیں ہوگی۔

اور جیسا کہ شہادت کی انگلی شہادت کے وقت اٹھانا۔ بعض لوگوں نے مفتی صاحب مدظلہ والی علت کی وجہ سے اس اشارہ سے انکار کیا تو محققین نے حدیث پیش کرکے تردید کی۔ (فتدبر و کن علی بصیرة)

---

(۱) السعایة: ۱۸۲/۲.

(۲) احسن الفتاویٰ: ۴۹/۳

(۳) سورة الصف: ٤، انیس

اصل میں یہ سب بناء فاسد علی الفاسد ہے۔تعارض سمجھ کر ایسا فرمار ہے ہیں، وھوممنوع۔

قولہ: حدیث ثانی سنت تجافی کے مطابق ہے۔

جواب: حدیث ثانی کا حال معلوم ہو چکا ہے کہ اس میں جوسنت تجافیٰ بیان ہوتی ہے وہ ضم عقبین کے ساتھ حاصل ہےاوراگر حافظ کا مطلب لیجئے؛یعنی” تفريج بين الركبتين أو الفخذين“تو یہ بھی ضم عقبین کے ساتھ جمع ہوسکتا ہے۔

حاصل یہ ہے کہ اس مسئلہ میں نہ تطبیق کی ضرورت ہے نہ ترجیح کی،اس لئے کہ روایتوں میں کوئی تعارض نہیں۔

علامہ انورشاہ صاحب کشمیریؒ اور حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانیؒ اور مفتی ابوالسعود صاحب کے فرمانے کے مطابق اس سنت پر عمل کرنا چاہئے۔

البتہ ضم فخذین کے مسئلہ میں من وجہٍ دلائل میں ظاہری تعارض اور فی نفسہ حقیقی ضم مشکل ہونے کی وجہ سے تقریب پر عمل کریں گے۔واللہ تعالیٰ اُعلم بالصواب (۱)

فضل الرحمٰن اعظمی-۲؍ذی الحجہ ۱۴۱۵ھ ۲؍مئی ۱۹۹۵ء منگل۔(مرغوب الفتاویٰ:۲؍۱۴۵-۱۵۳)

سجدہ سے اٹھنے کا مستحسن طریقہ:

سوال: نماز میں سجدہ کے بعد جب کھڑا ہونا چاہیں،تو گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر اٹھیں؟

الجواب: ہاں!

تتمہ السوال: یا زمین سے ہاتھ ٹیک کر کھڑا ہو؟

الجواب: نہیں،الابعذر۔

تتمہ السوال: یا کسی جگہ ہاتھ نہ ٹیکے جائیں، بہر حال کھڑے ہونے کا مستحسن دستور کیا ہے؟

الجواب: اوپر لکھدیا۔

”في الدر المختار: (ويكبر للنهوض) علٰى صدور قدميه (بلا اعتماد وقعود) استراحة.

في رد المحتار: (بلا اعتماد): أي علٰى الأرض. قال في الكفاية: أشار به إلٰى خلاف الشافعي في موضعين: أحدهما يعتمد بيديه علٰى ركبتيه عندنا وعنده على الأرض والثاني الجلسة الخفيفة، إلخ. (۲)

۱۹؍ربیع الاول ۱۳۵۵ھ (النور صفحہ:۷؍صفر المظفر ۱۳۵۶ھ) (امداد الفتاویٰ جدید:۱؍۲۲۱)

---

(۱) ماخوذ از ”علمی مکتوبات“

(۲) رد المحتار، فصل في بيان تاليف الصلوٰة، قبل مطلب مهم في عقد الأصابع عند التشهد: ۵۹۶/۱.

دوسری رکعت سے کس طرح کھڑا ہو:

سوال: دوسری رکعت میں بعد قعدہ کے جب کھڑا ہو،تو ہاتھ بدستور رانوں پر رکھ کر کھڑا ہو، یا زمین پر سہارا دے کر کھڑا ہو؟

الجواب

ہاتھ گھٹنوں اور رانوں پر رکھ کر کھڑا ہونا بہتر ہے اور اگر بضرورت زمین پر رکھ کر کھڑا ہو تو یہ بھی درست ہے۔(۱) فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۱۹۰)

نماز میں قعدہ کے وقت نظر کہاں رکھے:

سوال: نماز پڑھتے ہوئے قعدہ میں نظر سجدہ کی جگہ پر رکھے یا چھاتی پر؟

الجواب

دونوں جگہ درست ہے،غرض خیال ونظر بندی ہے۔(۲)

(بدست خاص،سوال:۸۸)(باقیات فتاویٰ رشیدیہ:۱۷۳)

تشہد کی حالت میں نگاہ کہاں ہو:

سوال: تشہد کی حالت میں کس جگہ نگاہ رکھے؟

الجواب

آدابِ نماز میں سے ہے کہ حالت قیام میں سجدہ کی جگہ نظر رکھیں اور حالت رکوع میں پشت قدم کی طرف اور حالت سجود میں ناک کے کنارہ کی طرف اور حالت قعود وتشہد میں اپنی گود کی طرف،الخ۔(درمختار)(۳) فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۲۰۸-۲۰۹)

---

(۱) (و يكبر للنهوض)علىٰ صدور قدميه(بلا اعتماد وقعود)استراحة ولو فعل لابأس.(الدر المختار)

(بلا اعتماد)أى علىٰ الأرض،قال فى الكفاية:أشار به إلىٰ خلاف الشافعى فى موضعين:أحدهما يعتمد بيد يه علىٰ ركبتيه عندنا وعنده على الأرض و الثانى الجلسة الخفيفة،الخ.(رد المحتار،باب صفة الصلوٰة: ٤٧٢/١، ظفير)(قبيل مطلب:مهم فى عقد الأصابع عند التشهد،انيس)

(۲) (والأفضل للمصلى أن يكون نظره فى قيامه إلى موضع سجوده وفى ركوعه إلى قدمه وفى سجوده إلى أنفه وفى قعوده إلى حجره).(شرح مختصر الطحاوى للجصاص،باب صفة الصلاة: ٦٤٨/١،دارالبشائر الإسلامية.انيس)

(۳) نظره إلىٰ موضع سجوده حال قيامه،وإلىٰ ظهر قدميه حال ركوعه،وإلىٰ أرنبة أنفه حال سجوده وإلىٰ حجره حال قعوده.(الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار: ٤٤٦/١،ظفير)(كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة،آداب الصلاة،انيس)

قعدہ میں ہاتھ رکھنے کا طریقہ:

سوال: جس قعدہ میں تشہد پڑھا جاتا ہے تو گھٹنوں کے برابر ہاتھ کو موڑ کر رکھنا ہے یا اپنی ران پر سیدھا رکھنا ہے، شرعی اعتبار سے کیا صحیح ہے؟ (محمد شجاع الدین، کالے پتھر)

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ

قعدہ کی حالت میں ہاتھ ران پر اس طرح رکھنا چاہئے کہ ہاتھ کا آخری حصہ گھٹنوں پر رہے، ہاتھ موڑنا نہ چاہئے، کیونکہ مقصود انگلیوں کو قبلہ رخ رکھنا ہے،(۱) اور اگر گھٹنوں کی طرف موڑ لیا جائے تو انگلیوں کا رخ قبلہ کی طرف باقی نہیں رہے گا۔ (کتاب الفتاویٰ:۲/۱۸۷۔۱۸۸)

قعدہ میں بیٹھے ہوئے ہاتھ رکھنے کی کیفیت:

سوال: نماز کے قعدے میں کیا ہاتھ جانگھ پر کہنی سے پنجوں تک رکھے جائیں گے اور کیا گھٹنے کی چکی پر انگلیاں رہیں گی؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

قعدہ میں ہاتھ جانگھ پر رکھے انگلیاں گھٹنے کے پاس رہیں، پھر جتنا حصہ ہاتھ کا جانگھ پر ہے، اس کو جانگھ پر رکھے جو زائد پڑے اور یا باہر پڑے، پڑنے دے۔(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ العبد نظام الدین الاعظمی عفی عنہ، مفتی دارالعلوم دیوبند۔۱۱/۵/۱۳۸۷ھ۔الجواب صحیح: محمود عفی عنہ۔

الجواب صحیح: سید احمد علی سعید، نائب مفتی دارالعلوم دیوبند۔ (نظام الفتاویٰ، جلد پنجم، جزء اول:۱۷۳)

قعدہ میں بیٹھنے کا طریقہ:

سوال: اسی طرح قعدہ اخیرہ کے بارے میں امام ابوداؤد نے اپنی سنن ابوداؤد میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ یہ بیان فرمایا ہے کہ جب اس سجدے سے سر اٹھائے جس کے بعد سلام ہے تو بایاں پاؤں ایک طرف نکال

---

(۱) دیکھئے: الهداية مع حاشية عبد الحي اللكنوى: ۳۳٦/۱، نیز دیکھئے: سنن أبى داؤد، حدیث نمبر:۹۷۵، باب كيف الجلوس فى التشهد. محشى

(۲) (ويستقبل بأصبع رجله اليمنىٰ القبلة كما يفعل فى السجود ثم يبسط كفيه على ركبتيه وينشر أصابعه ولايشير بشيء منها). (شرح مختصر الطحاوى للجصاص، باب صفة الصلاة: ٦۲۸/۱ـ٦۲۹، دارالبشائر)

عن أبى حميد قال: أنا أعلمكم بصلاة رسول الله صلى الله عليه وسلم فذكر الحديث بطوله وقال: جلس فافترش رجله اليسرىٰ وأقبل بصدر اليمنىٰ على قبلته ووضع كفه اليمنىٰ على ركبته اليمنىٰ وكفه اليسرىٰ على ركبته اليسرىٰ وأشار بأصبعه السبابة. (صحيح ابن خزيمة، باب سنة الجلوس فى التشهد الأول (ح:٦۸۹) انيس)

دیتے اور بائیں سرین پر ٹیک دے کر بیٹھتے، جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم قعدہ میں اس طرح بیٹھتے تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اس طریقہ کو مدنظر رکھتے ہوئے ہماری رہنمائی فرمائیں؟

هو المصوب

قعدہ میں بائیں طرف پیر نکال کر بائیں سرین پر ٹیک لگا کر بیٹھنے کا جو طریقہ بیان کیا گیا ہے، وہ بلاشبہ روایت سے ثابت ہے، (۱) اور حضرت امام شافعیؒ کا مسلک بھی یہی ہے؛ لیکن امام ابوحنیفہؒ اور دیگر حنفیہ کے نزدیک جو طریقہ راجح ہے، وہ یہ ہے کہ دائیں قدم کو کھڑا رکھے اور بائیں پاؤں پر بیٹھ جائے، (۲) یہ طریقہ کتب حدیث میں موجود ہے، (۳) حنفیہ نے اسی کو ترجیح دی ہے اور ابوداؤد کی جو روایت ہے اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ طریقہ ہے، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑھاپے میں جسم بھاری ہو جانے پر اختیار فرمایا تھا، ورنہ عام معمول اور طریقہ وہی رہا ہے، جس کو حنفیہ نے اختیار کیا ہے، حضرت عمرؓ اور دیگر صحابہؓ نے بھی یہی اختیار فرمایا ہے، ترمذی شریف میں حضرت وائل بن حجرؓ کی روایت ہے:

فلما جلس يعني للتشهد افترش رجله اليسرٰى، ووضع يده اليسرىٰ يعني علٰى فخذه اليسرٰى ونصب رجله اليمنٰى. (۴)

ترمذی کے حاشیہ میں مذکور ہے کہ حضرت عمرؓ نے اس کو سنت صلاۃ قرار دیا ہے، حضرت عائشہؓ بھی یہی فرماتی ہیں۔ (۵)

تحریر: محمد ظفر عالم ندوی۔ تصویب: ناصر علی۔ (فتاویٰ ندوۃ العلماء: ۲/۱۰۸-۱۰۹)

(۱) حتٰى إذا كانت السجدة التي فيها التسليم أخر رجله اليسرىٰ وقعد متوركاً علٰى شقه الأيسر. (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب من ذكر التورك في الرابعة، رقم الحديث: ٩٦٣)

(۲) (وبعد فراغه من سجدتي الركعة الثانية يفترش) الرجل (رجله اليسرىٰ) فيجعلها بين إليتيه ويجلس عليها وينصب رجله اليمنىٰ ويوجه أصابعه) في المنصوبة. (الدر المختار مع رد المحتار: ٢/٢١٦) (كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، انيس)

(۳) وكان يفرش رجله اليسرى وينصب رجله اليمنىٰ...، (الصحيح لمسلم، كتاب الصلاة، باب ما يجمع صفة الصلاة: ٢٠٤، رقم الحديث: ٤٩٨)

عن عبد اللّٰه بن عمر رضي اللّٰه تعالٰى عنهما قال: من سنة الصلاة أن تنصب القدم اليمنٰى واستقباله بأصابعها القبلة والجلوس علٰى اليسرٰى. (سنن النسائي، كتاب الافتتاح، باب الاستقبال بأطراف أصابع القدم (ح: ١١٥٩)

(۴) سنن الترمذي، أبواب الصلاة، باب ماجاء كيف الجلوس في التشهد: ٢/٨٦، رقم الحديث: ٢٩٢، قال الترمذي هذا حيث حسن صحيح)

(۵) وقول عائشة رضي اللّٰه تعالىٰ عنها كان رسول اللّٰه صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم يفتتح الصلاة إلٰى أن قالت وكان يفترش رجله اليسرىٰ وينصب رجله اليمنىٰ. (حاشية الترمذي: ١/٦٥ (مطبوعه مكتبة رشيدية، دهلي)

مقتدیوں کو آواز پہونچانے کی غرض سے ”ورحمة الله“ کو دراز کرنا:

سوال: امام نماز کے سلام میں ”ورحمة اللّٰه“ اس غرض سے دراز کرے کہ مقتدیوں تک آواز پہونچے، جائز ہے یا نہیں؟

حامدًا و مصليًا الجواب ــــــــــــــ و بالله التوفيق

کلمہ ”ورحمة اللّٰه“ کو طویل کرنا جائز ہے اور جب کہ غرض صحیح ہے اور مجمع بڑا ہے تو آواز کو طویل کرنا بہتر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (مرغوب الفتاویٰ:۲/۱۴۳)

ایک سانس میں دونوں سلام:

سوال: نماز کے ختم پر دائیں جانب سلام پھیرنے پر کتنے وقفے کے ساتھ بائیں جانب سلام پھیرنا چاہئے؟ ایک ہی سانس میں دونوں جانب سلام پھیر دیوے تو اس میں کیا مضائقہ ہے؟

الجو اب ــــــــــــــ حامداً و مصليًا

اس کے متعلق کوئی تصریح نہیں دیکھی۔(۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم (فتاویٰ محمودیہ:۵/۶۴۱)

امام کے لئے انحراف عن القبلہ کن نمازوں کے بعد مستحب ہے:

سوال: بعد فریضۂ نماز کے سلام پھیرنے کے، اہل حدیث تو ہر نماز کے بعد مقتدیوں کی طرف متوجہ ہوکر دعا مانگتے ہیں، مگر حنفی امام کو اکثر دیکھا ہے کہ جس کے بعد تطوع نہیں مثلاً فجر وعصر وہاں تو وہ بھی اہل حدیث کی طرح ہی سلام پھیر کر مقتدیوں کی طرف منھ کر لیتے ہیں، مگر جس نماز کے بعد تطوع ہیں مثلاً ظہر، مغرب، عشا، وہاں وہ روقبلہ ہی ہوکر دعا مانگتے ہیں۔ ان میں سے کون طریق اقرب الی السنۃ ہے، مع حوالہ تحریر ہو؟

حدیث بخاری ”كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا صلى أقبل علينا بوجهه“ سے استمرار ثابت ہوتا ہے، یہ صحیح ہے یا نہیں؟

---

(۱) اس سلسلہ میں فقہ حنفی میں کوئی صراحت نہیں ملی، فقہ شافعی کے حوالہ سے موسوعہ فقہیہ کویت میں اس کی وضاحت موجود ہے، اس لیے بہتر یہ ہے کہ دونوں سلام کے درمیان فصل کیا جائے۔

ذكر الفقهاء أنه يسن لمن يأتي بالتسليمتين فى آخر الصلاة للخروج منها أن يفصل بينهما. (الموسوعة الفقهية الكويتية، وصل التسليمتين: ۱۶۶/۴۳، وزارة الأوقات الكويت)

ويسن إذا أتى بهما أن يفصل بينهما. (مغنى المحتاج، باب صفة الصلاة: ۳۸۵/۱، دار الكتب العلمية. انيس)

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــــ

درمختار میں ہے:

”ویکره تأخير السنة إلا بقدر: ”اللّٰهم أنت السلام“ الخ.

وفي الخانية: يستحب للإمام التحول ليمين القبلة: يعني يسار المصلى لتنفل أو ورد وخيره في المنية بين تحويله يمينًا وشمالاً وأمامًا وخلفًا وذهابه لبيته واستقباله الناس بوجهه، الخ. (۳۵۷/۱)(۱)

وعن عائشة رضى اللّٰه تعالىٰ عنها قالت: كان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم لم يقعد إلا مقدار ما يقول: ”اللّٰهم أنت السلام ومنك السلام تباركت ياذاالجلال والإكرام“. (مشكوٰة: ۸۱)(۲)

ان روایت فقہیہ اور حدیث مشکوٰۃ شریف سے یہ واضح ہوتا ہے کہ جن نمازوں کے بعد سنتیں ہیں، روبقبلہ دعا مانگ کر سنتوں کے لئے کھڑے ہوجاتے ہیں اور حدیث بخاری شریف ”كان النبي صلى اللّٰه عليه وسلم إذا صلى صلاة أقبل علينا بوجهه“ (۳) ان نمازوں پر محمول ہے جن کے بعد سنتیں نہیں ہیں۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲/۱۹۵-۱۹۶)

ہر فرض نماز کے بعد انحراف کیسا ہے:

سوال: فجر اور عصر میں امام مقتدی کی طرف منہ کر کے دعا کرتے ہیں، یہ صحیح ہے، لیکن مغرب، عشا اور ظہر کی نماز میں مقتدی کی طرف منہ کر کے دعا کرنا کیسا ہے؟ میرے یہاں امام مسجد پانچوں وقت کی نماز میں مقتدی کی طرف منہ کر کے دعا کرتے ہیں، ان کا یہ عمل شرعاً کیا جائز ہے؟

الجواب ـــــــــــــــــــ وباللّٰه التوفيق

پچھم سے پورب، اتر، دکھن رخ بدلنے کی وجہ یہ ہے کہ آنے والوں کو دھوکا نہ ہو کہ لوگ نماز میں مشغول ہیں، جن نمازوں کے بعد سنت نہیں ہے، ان نمازوں کے بعد کچھ ذکر وغیرہ کر کے دعا کی جاتی ہے، اگر ذکر قبلہ رخ کر کے کیا گیا تو آنے والوں کو دھوکا ہوسکتا ہے کہ اب تک لوگ نماز میں مشغول ہیں اور اس دھوکا میں آکر کہیں اقتدا نہ کرلیں، (۴)

---

(۱) الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، باب صفة الصلاة: ۱/۴۹۵، ظفير

(۲) باب الذكر بعد الصلاة، الفصل الأول (مصنف ابن أبي شيبة، من كان يستحب إذا سلم أن يقوم أو ينحرف (ح: ۳۰۸۵)/الصحيح لمسلم، باب استحباب الذكر بعد الصلاة (ح: ۵۹۲) انيس

(۳) كتاب الأذان، باب يستقبل الإمام الناس إذا سلم: ۱/۱۷۲، رقم الحديث: ۸۴۵، عن سمرة بن جندب رضى اللّٰه عنه انيس

(۴) ولأن المكث يوجب اشتباه الأمر على الداخل، فلا يمكث ولكن يقوم يتنحى عن ذلك المكان، ثم يتنفل. (بدائع الصنائع، ما يستحب للإمام أن يفعله عقيب الفراغ من الصلاة: ۱/۴۳۲)

مذکورہ نمازوں میں لوگوں کو دھوکا میں پڑنے کا گمان کم ہے۔لہذا ان نمازوں کے بعد رخ بدلنا جائز تو ہوگا؛ لیکن بہتر نہیں ہوگا۔

امدادالفتاویٰ (۱/۷۸۸) اورفتاویٰ عالمگیری (۱/۷۷) دیکھا جائے۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد نعمت اللہ قاسمی ۔۱۲/۸/۱۴۰۴ھ۔(فتاویٰ امارت شرعیہ:۲/۳۹۵-۳۹۶)☆

(۱) ”وإذا سلم الإمام من الظهر والمغرب و العشاء كره له المكث قاعدًا لكنه يقوم إلٰى التطوع ولايتطوع فى مكان الفريضة ولكن ينحرف يمنة ويسرة أويتأخر وإن شاء رجع إلٰى بيته يتطوع فيه،وإن كان مقتديا أويصلى وحده إن لبث فى مصلاه يدعو جاز...وفى صلاة لا تطوع بعدها كالفجر والعصريكره المكث قاعدًا فى مكانه مستقبل القبلة والنبى عليه الصلاة والسلام سمى هذا بدعة ...و يستقبل القوم بوجهه إذا لم يكن بحذائه مسبوق فإن كان ينحرف يمنه أويسرة والصيف والشتاء سواء هوالصحيح،كذا فى الخلاصة“.(الفتاوىٰ الهندية: ۷۷/۱)(الباب الرابع فى صفة الصلاة،الفصل الثالث فى سنن الصلاة،انيس)

☆ نماز پنجگانہ میں امام کا مقتدیوں کی طرف رخ کرنا:

سوال: پنج وقتہ نمازوں میں نماز کے اختتام پر امام کا مقتدیوں کی طرف رخ کرنا کیسا ہے؟ بینواتوجروا۔

الجواب

حامدًا مصليًا مسلمًا : سلام کے بعد امام کے لئے پانچوں نمازوں میں مقتدیوں کی طرف رخ کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔(عن قبيصة بن هلب عن أبيه قال:كان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يؤمنا فينصرف على جانبيه جميعاً على يمينه وعلى شماله.(سنن الترمذى،باب ماجاء فى الانصراف عن يمينه وعن يساره (ح:۳۰۱)

عن عبد اللّٰه قال: لايجعلن أحدكم للشيطان من نفسه جزءاً لا يرى إلا أن حقا عليه أن لاينصرف إلا عن يمينه، أكثر ما رأيت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم ينصرف عن شماله.(الصحيح لمسلم،باب جوازالانصراف من الصلاة (ح:۷۰۷)/الصحيح للبخارى،باب الانتقال والانصراف عن اليمين والشمال (ح:۸۵۲)

عن السدى قال:سألت أنساً كيف أنصرف إذا صليت؟عن يمينى أو عن يسارى قال:أما أنا فأكثر ما رأيت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم ينصرف عن يمينه.(الصحيح لمسلم،باب جوازالانصراف من الصلاة (ح:۷۰۸)

عن سمرة بن جندب قال: كان النبى صلى اللّٰه عليه وسلم إذا صلى صلاة أقبل علينا بوجهه.(الصحيح للبخارى،باب يستقبل الإمام الناس إذا سلم (ح:۸۴۵)

قال النووى: ومذهبنا أنه لا كراهة فى واحد من الأمرين لكن يستحب أن ينصرف فى جهة حاجته سواء كانت عن يمينه أو شماله فإن استوى الجهتان فى الحاجة وعدمها فاليمين أفضل لعموم الأحاديث المصرحة بفضل اليمين فى باب المكارم ونحوها ،اه (۲۴۷/۱) قلت:وهذا مذهبنا أيضاً،قال فى مراقى الفلاح:وإن شاء الإمام انحرف عن يساره وجعل القبلة عن يمينه وإن شاء عن يمينه وجعل القبلة عن يساره وهذا أولىٰ لما فى مسلم:كنا إذا صلينا خلف رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم أحببنا أن نكون عن يمينه حتى يقبل علينا بوجهه،وإن شاء ذهب لحوائجه قال تعالىٰ:﴿فإذا قضيت الصلاة فانتشروا فى الأرض وابتغوا من فضل اللّٰه﴾والأمر للإباحة،اه.(إعلاء السنن،باب الانحراف بعدالسلام وكيفيته وسنيةالدعاء والذكر بعدالصلاة:۱۸۴/۳،إدارةالقرآن والشؤون الإسلامية كراتشى.انيس) ==

سلام پھیرنے کے بعد امام کا رخ کدھر ہونا چاہئے:

سوال: امام کو بعد سلام پھیرنے کے ان نمازوں میں جن کے بعد سنتیں نہیں ہیں، کس طرف کو بیٹھنا چاہیے، داہنی طرف یا بائیں طرف، یا قبلہ کو پشت کر کے جملہ مقتدیوں کی طرف؟ بینوا توجروا۔

الجواب

حدیث مسلم میں ہے:

"وعن البراء رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه قال: کنا إذا صلینا خلف رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم أحببنا أن نکون عن یمینه یقبل علینا بوجهه، قال: فسمعته یقول: ربِّ قنی عذابک یوم تبعث أو تجمع عبادک". (رواہ مسلم)(۱)

وفی حدیث عبد اللّٰہ بن مسعود رضی اللّٰہ عنه قال: لایجعل أحدکم للشیطان شیئاً من صلاته یریٰ أن حقاً علیه أن لاینصرف إلا عن یمینه، لقد رأیت النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم کثیرًا ینصرف عن یساره. (رواہ البخاری ومسلم)(۲)

وعن أنس أن النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم کان ینصرف عن یمینه. (رواہ مسلم)(۳)

وعن سمرة بن جندب قال: کان النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم إذا صلیٰ صلاةً أقبل علینا بوجهه. (رواہ البخاری: ۹۷، مشکوٰۃ)(۴)

== **"فی الدر: فی الخانیة: یستحب للإمام التحول لیمین القبلة: یعنی یسار المصلی لتنفل أو ورد واخیره فی المنیة بین تحویله یمینًا وشمالاً وأمامًا وخلفًا وذهابه لبیته، واستقباله الناس بوجهه.**

وفی الرد عن البدائع: لأن المقصود من الانحراف وهوزوال الاشتباه أی اشتباه أنه فی الصلاة یحصل بکل منهما. (ردالمحتار: ۳۵۷/۱)(مطلب: فیمالوزادعلیٰ العددفی التسبیح عقب الصلاة، انیس)(الدرالمختارمع ردالمحتار، کتاب الصلاة، قبیل فصل فی القراء ة: ۳۵۷/۱، نعمانیة، دیوبند) واللّٰہ أعلم بالصواب

کتبہ عبداللہ غفرلہ ۱۲/۱۱/۳ ۱۴۱۲ھ۔ الجواب صحیح: محمد حنیف غفرلہ۔ (فتاویٰ ریاض العلوم: ۴۰۷/۲)

(۱) مشکوٰۃ، باب الدعاء فی التشهد، فصل أول: ۸۷ (ح: ۹٤۷) ظفیر/ (الصحیح لمسلم، باب استحباب یمین الإمام (ح: ۷۰۹) انیس)

(۲) مشکوٰۃ، کتاب الأذان، باب الانفتال والانصراف عن الیمین والشمال: ۱۷۲ (ح: ۸۵۲)/ الصحیح للبخاری، باب الانتقال والانصراف عن الیمین والشمال (ح: ۸۵۲) انیس

(۳) مشکوٰۃ، کتاب صلاة المسافرین وقصرها، باب جواز الانصراف من الصلاة عن الیمین والشمال: ۲۸۰ (ح: ۷۰۸)/ الصحیح لمسلم، باب جواز الانصراف من الصلاة (ح: ۷۰۸) انیس

(۴) مشکوٰۃ، کتاب الأذان، باب یستقبل الإمام الناس إذا سلم (ح: ۸٤۵)/ الصحیح للبخاری، کتاب الأذان، باب یستقبل الإمام الناس إذا سلم: ۱۷۲/۱، رقم الحدیث: ۸٤۵. انیس

ان روایات سے معلوم ہوا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اکثر اوقات داہنی طرف کو بیٹھتے تھے اور منصرف ہوتے تھے اور کبھی بائیں طرف کو اور کبھی اقبال علی الناس بوجہ فرماتے تھے، جس سے یہ بھی مطلب حاصل ہوسکتا ہے کہ مستد بر قبلہ ہو کر لوگوں کی طرف متوجہ ہوتے تھے اور یہ بھی اس کا مطلب ہوسکتا ہے کہ یہ اقبال بوجہ وہی ہے، جس کو یمین اور یسار کی طرف انصراف سے تعبیر کیا گیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ فقہا نے بھی اس میں اختیار دیا ہے کہ خواہ داہنی طرف کو ہو کر بیٹھے اور خواہ بائیں طرف کو اور خواہ مستقبل الی الناس اور مستد بر قبلہ ہو کر بیٹھے۔

درمختار میں ہے:

"وفی الخانية: يستحب للإمام التحول ليمين القبلة يعنی يسار المصلی الخ وخيره فی المنية بين تحويله يميناً وشمالاً الخ واستقباله الناس بوجهه، الخ. (۱)

اور اکثر فعل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا داہنی طرف ہو کر بیٹھنے کا تھا، **كما ذكره الشراح وعليه عمل أكابرنا كالشيخ المحدث گنگوهی ومولانا النانوتوی قدس اللّٰه أسرارهما. فقط** (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۱۹۲-۱۹۳)

امام کا مقتدیوں کی جانب یا بجانب شمال رخ کر کے بیٹھنا:

سوال: ہر نماز کے بعد امام کا مقتدیوں کی طرف یا بجانب شمال رخ کر کے بیٹھنا سنت ہے یا کسی خاص وقت کی نماز کے بعد؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیًا

جس نماز کے بعد سنتیں نہیں، اس کے بعد شمال یا جنوب مقتدیوں کی طرف رخ کر لینا ثابت ہے اور جس نماز کے بعد سنتیں ہیں، اس کے بعد ثابت نہیں، بلکہ مختصر دعا کر کے سنتیں پڑھنے میں مشغول ہوجانا چاہئے۔ (طحطاوی:۱۷۱، (۲) بدائع) (۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم (فتاویٰ محمودیہ:۵/۶۷۹-۶۸۰)

---

(۱) **الدرالمختار علیٰ هامش ردالمحتار، باب صفة الصلوٰة: ۱/۴۹۵،** تفصیل کے لئے دیکھئے: **غنية المستملی: ۲۳۰، ظفير**

(۲) **(الأذكار الواردة بعد) صلاة (الفرض) ... (القيام إلٰی) أداء (السنة) التی تلی الفرض (متصلاً بالفرض مسنون) غير أنه يستحب الفصل بينهما كما كان عليه السلام إذا سلم يمكث قدرما يقول: "أللّٰهم أنت السلام ومنك السلام، الخ، ثم يقوم إلٰی السنة... ويستحب (أن يستقبل بعده): أی بعد التطوع وعقيب الفرض إن لم يكن بعده نافلة يستقبل (الناس) إن شاء، الخ. (حاشية الطحطاوی علٰی مراقی الفلاح، كتاب الصلاة، فصل فی صفة الأذكار: ۳۱۱-۳۱٤، قديمی)**

(۳) **وأما بيان ما يستحب للإمام أن يفعله عقيب الفراغ من الصلاة: فنقول: إذا فرغ الإمام من الصلاة فلايخلو إما إن كانت صلاةً لا تصلی بعدها سنة أو كانت صلاةً تصلی بعدها سنة، فإن كانت صلاةً لا تصلی بعدها سنة كالفجر والعصر، فإن شاء الإمام قام وإن شاء قعد فی مكانه يشتغل بالدعاء ...**　==

نماز کے بعد کس طرف رخ کیا جائے:

سوال: نماز فجر کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہر چہار جانب دعا کرنا ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــ حامداً و مصليًا

تین جانب بیٹھنے کا ثبوب ملتا ہے، قبلہ رو اور شمال وجنوب ۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔ ۱۳۹۵/۴/۲۴ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۶۵۱/۵)

== لما روى: "أن النبي صلى الله عليه وسلم كان إذا فرغ من صلاة الفجر، استقبل بوجهه أصحابه"... ثم اختلف المشايخ في كيفية الانحراف ... وقال بعضهم: هومخيرإن شاء انحرف يمنة، وإن شاء يسرةً، وهو الصحيح... وإن كانت صلاة بعدها سنة،يكره له المكث قاعدةً.(بدائع الصنائع،كتاب الصلاة،فصل و أما بيان ما يستحب للإمام،الخ: ۳۹۳/۱ـ۳۹٤،رشيدية)

(۱) عن البراء بن عازب رضي الله تعالىٰ عنه قال:كنا إذا صلينا خلف رسول الله تعالىٰ عليه وسلم ،أحببنا أن نكون عن يمينه،فيقبل علينا بوجهه صلى الله عليه وسلم ". (مشكوٰة،باب الدعاء فى التشهد،الفصل الأول: ۸۷، رقم الحديث: ۹٤۷،انيس)

"وقد ورد الروايا ت المختلفة في الإنصراف عن الصلاة،فروى البخارى من حديث سمرة بن جندب رضى الله تعالىٰ عنه قال: كان رسول الله تعالى عليه وسلم إذاصلىٰ صلوة أقبل علينا بوجهه ".(صحيح البخارى، كتاب الأذان،باب يستقبل الإمام الناس إذا سلم (ح: ۸٤۵) انيس)

وأخرج مسلم من حديث أنس رضى الله تعالى عنه قال كان النبى صلى الله تعالى عليه وسلم ينصرف عن يمينه " (كتاب صلاة المسافرين وقصرها،باب جواز الانصراف من الصلاة عن اليمين والشمال: ۲۸۰(ح: ۷۰۸)انيس)

وأخرجاعن عبدالله بن مسعود رضى الله تعالى عنه...لقد رأيت البنى صلى الله عليه وسلم كثيراًينصرف عن يساره"(كتاب الأذان،باب الانفتال والانصراف عن اليمين والشمال: ۱۷۲(ح: ۸۵۲)انيس)

وقال بعضهم هومخيرإن شاء انحرف يمنةً وإن شاء ينحرف يسرة،وهوالصحيح؛لأن ما هوالمقصود من الانحراف وهو زوال الاشتباه يحصل بالأمرين جميعاً".(بذل المجهود ،كتاب الصلاة،باب الإمام ينحرف بعد التسليم: ۳٤٤/۱ (ح: ٦۱۲) إمدادية)

"عن قبيصة بن هلب عن أبيه رضى الله تعالى عنه،قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يؤمنا فينصرف علىٰ جانبيه جميعاً:على يمينه وعلىٰ شماله".وعليه العمل عند أهل العلم:أنه ينصرف على أى جانبيه شاء،إن شاء عن يمينه،وإن شاء عن يساره.وقد صح الأمران عن النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم،ويروى عن على بن أبى طالب رضى الله تعالىٰ عنه أنه قال:إن كا نت حاجته عن يمينه أخذ عن يمينه وإن كانت حاجته عن يساره أخذ عن يساره".(جامع الترمذى،كتاب الصلوة،باب ما جاء فى الانصراف عن يمينه وعن شماله: ٦٦/۱ (ح: ۳۰۱) سعيد)

وخيره فى المنية بين تحويله يميناً وشمالاًوأماماً وخلفاً".(الدرالمختار، كتاب الصلوة،باب صفة الصلاة،فصل فى بيان تأليف الصلوةإلىٰ انتهائها: ۵۳۱/۱ .سعيد)

نماز کی چند صورتوں میں امام کس طرف رخ کرے:

سوال: وضوکند برھمان نماز بنا کند، اگر منفرد باشداورازسرنونماز خواندن اَفضل است و اگرامام باشدخلیفه گیرد، وضوکندوداخل مقتدیان شود، ومقتدی وضوکرد بازآید بمکان که آنجابود۔

(۱) سوال یہ ہے کہ نماز پڑھنے والے امام مقتدی اور منفرد تین قسم کے لوگ ہیں، پہلے ایک حکم ہے، درنماز حدث لاحق شودوضوکند، پھرامام اورمنفردومقتدی کے لئے الگ الگ حالتیں بیان کی گئیں، اس عبارت کا صحیح محمل کیا ہے؟

(۲) دوآدمی برابر کھڑے نماز پڑھ رہے تھے، ایک امام تھا، دوسرا مقتدی، تیسرے شخص نے امام کوآگے بڑھا کرامام کی جگہ کھڑا کردیا اورخوداسی ایک مقتدی کے ساتھ صف میں کھڑا ہوگیا، اب بعد سلام کے امام اپنی جگہ علی حالہ بیٹھا رہے یاداہنے طرف مڑکر بیٹھے پھردعا کرے؟ یہ عصر کی نماز تھی۔

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیًا

(۱) منفرد کے لئے اس صورت میں استیناف افضل ہے، اس کا اپنا تنہا کا معاملہ ہے، امام کے لئے خلیفہ بنا دینا افضل ہے، اس کے پیچھے دوسرے لوگ بھی ہیں، ان سب کی نماز بھی اس کے ساتھ وابستہ ہے، اس کوخلیفہ بنا دینا افضل ہے؛ تاکہ وقت حدث تک جتنی نماز پڑھ چکے ہیں، وہ خراب اور بیکار نہ ہو، ان کواستیناف (۱) شاق ہوگا، بنا میں یہ بات نہ ہوگی۔ (۲)

(۲) دائیں یا بائیں اس طرح مڑکر بیٹھ سکتا ہے کہ مسبوق کی طرف اس کا رخ نہ ہو۔ (۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۶۵۲/۵-۶۵۳)

---

(۱) ازسرنوع پڑھنااور پڑھی ہوئی کوبیکارقراردینا۔

(۲) ((والاستينافه أفضل)تحرزًا عن الخلاف. (الدرالمختار)

قلت: هذاظاهرفي المنفرد،لأن مانواه هوعين صلاته من كل وجه،بخلاف الإمام أوالمقتدى تأمل. (ردالمحتار ،كتاب الصلوة،باب الاستخلاف: ٦٠٣/١،سعيد)

(۳) وعن السدى عن أنس أن النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كان ينصرف عن يمينه،عن عبد الله قال: لايجعلن أحدكم للشيطان من نفسه جزأ لا يرى إلا أن حقاً عليه،أن لاينصرف إلاعن يمينه أكثرمارأيت رسول الله عليه وسلم ينصرف عن شماله". (الصحيح لمسلم،كتاب المساجد،باب جوازالانصراف من الصلوةعن اليمين والشمال: ٢٤٧/١، رقم الحديث: ٧٠٧-٧٠٨ ، قديمى)

وإن كان لايتنفل بعد ها يقعد مكانه،وإن شاء انحرف يميناً أوشمالاً،وإن شاء استقبلهم بوجهه إلاأن يكون بحذائه مصل،سواء كان فى الصف الأول أوفى الأخيروالاستقبال إلى المصلى مكروه،هذاماصححه فى البدائع. (البحر الرائق،كتاب الصلوة،باب صفة الصلوة: ٥٨٥/١،رشيدية)

نماز کے ختم پر دائیں بائیں منہ پھیرنا:

سوال: نماز میں سلام دائیں اور بائیں پھیرنا چاہئے؛ لیکن کہیں منہ قبلہ کی طرف ہی کر کے پھیر دیا تو اس کا کیا حکم ہے؟ سلام ہوا یا نہیں؟

الجو اب ـــــــــــــــــــ حامداً و مصلیًا

دائیں بائیں منہ پھیرنا سنت ہے۔

”(و)یسن(الالتفات یمینًا،ثم یسارًابالتسلیمتین)“.(مراقی الفلاح:١٦٣)(١)

”(ثم یسلم عن یمینه ویساره)حتٰی یری بیاض خده،ولوعکس سلم عن یمینه فقط“.(٢)

(فتاویٰ محمودیہ:۶۴۹/۵)

نماز کے بعد داہنی یا بائیں طرف رخ کرنا:

سوال: ایک مقامی مسجد جس میں دس سال سے تبلیغی مرکز ہے اور ہفتہ واری اجتماع ہوتا ہے، اجتماع ایک روز جمعہ کی نماز میں مقرر امام کے نہ آنے کی وجہ سے ایک اجنبی شخص نے امامت کی، بعد سلام تسبیح اور دعاء کے لئے بجائے داہنی طرف مڑنے کے یہ خیال کرتے ہوے کہ بائیں طرف مڑنا سنت ہے اور عام طور پر امامت کرتے بھی نہیں ہیں، بائیں جانب مڑکر تسبیح پڑھی اور دعا کے فراغ عوام میں چہ می گوئیاں ہوئیں کہ نیا طریقہ اس نے کہاں سے نکالا، چند روز بعد بعض مخلص سمجھدار معاونین وکارکنان جماعت نے اس دن فجر کے وقت امام صاحب کو اپنی مخلصانہ رائے پیش کی کہ یہاں کی فضا میں عوام کو ابھی تک تبلیغی کام سے مناسبت نہیں ہوئی ہے اور آپ سے بھی ابھی تک عوام کا ربط نہیں ہوا ہے۔ برائے کرم شرعی حکم سے مطلع فرمائیں؟

الجو اب ـــــــــــــــــــ حامداً و مصلیًا

داہنی طرف رخ کرنے سے اصل امام یا کوئی بھی اس کا نائب گناہ گار نہیں، جب دونوں ہی سنت ہیں، داہنی طرف رخ کرنا بھی، بائیں طرف رخ کرنا بھی، تو کسی ایک طریقہ پر عمل کرنے سے ترک سنت نہیں ہوگا، اس کے شواہد شریعت میں بے شمار ہیں؛ لیکن کسی ایک طریقہ کو لازم قرار دینا، جس سے یہ مفہوم ہونا ہو کہ دوسرا سنت سے ثابت شدہ طریقہ غلط اور خلاف شرع ہے، جائز نہیں، مشکوۃ شریف، ص:۸۷ سے ظاہر ہے کہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ تعالی

(١) مراقی الفلاح شرح نور الإیضاح،کتاب الصلاة،فصل فی بیان سننها:٢٧٤،قدیمی

(٢) الدر المختار،کتاب الصلاة،فصل فی بیان تألیف الصلاة إلی انتهائها:٥٢٤/١،سعید

علیہ وسلم سے ــــــــــ داہنی طرف رخ فرمانا بھی ثابت ہے اور بائیں طرف رخ کرنا یہ بھی ثابت ہے۔(۱)

بہتر یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی احادیث کوئی عالم نمازیوں کو سنایا کرے تاکہ ان کے سامنے ہر چیز کا سنت طریقہ آئے اور جن غلط فہمیوں میں وہ گرفتار ہیں وہ دور ہوں فتنہ سے پورا پرہیز کیا جائے اور ایسا عمل اختیار نہ کیا جائے جن سے غلط عقیدہ کی تائید ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۶۴۹/۵-۶۵۱) ☆

(۱) عن أنس رضی اللّٰہ تعالٰی عنه قال: كان النبی صلی اللّٰہ تعالی علیه وسلم ینصرف عن یمینه. رواه مسلم. (كتاب صلاة المسافرین وقصرها، باب جواز الانصراف من الصلاة عن الیمین والشمال: ۲۸۰ (ح: ۷۰۸) انیس)

عن عبد اللّٰہ بن مسعود رضی اللّٰہ تعالٰی عنه قال: لایجعل أحدكم للشیطان شیئاًمن صلوٰته یر ی أن حقاًعلیه أن لا ینصرف إلا عن یمینه ،لقد رأیت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم كثیرًا ینصرف عن یساره. متفق علیه". (مشكوة المصابیح، كتاب الصلٰوة، باب الدعاء فی التشهد، الفصل الأول: ۸۷/۱، رقم الحدیث: ۹۴۶، قدیمی) (كتاب الأذان، باب الانفتال والانصراف عن الیمین والشمال: ۱۷۲، رقم الحدیث: ۸۵۲، انیس)

وإن كان لایتنفل بعد ها یقعد مكانه، وإن شاء انحرف یمیناً أوشمالاً، وإن شاء استقبلهم بوجهه إلاأن یكون بحذائه مصل، سواء كان فی الصف الأول أوفی الأخیر. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۵۸۵/۱، رشیدیة)

☆ دعا کے وقت امام کا رخ کس جانب ہونا چاہئے:

سوال: دعا کے وقت امام کا بائیں طرف منھ کر کے بیٹھنا نہایت ہی مذموم سمجھتے ہیں، اس صورت میں شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب ــــــــــ

دعا کے وقت امام کو داہنی طرف اور بائیں طرف پھرنا دونوں حدیث میں آئے ہیں اور دونوں امر کی شرعاً اجازت ہے اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کوئی شخص اپنی نماز میں شیطان کا حصہ نہ کرے کہ یہ سمجھے کہ داہنی طرف ہی پھرنا ضروری ہے، میں نے بار بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ بائیں طرف کو پھرے۔ انتہی (عن عبد اللّٰہ بن مسعود قال: لایجعل أحدكم للشیطان شیئًا من صلا ته یری أن حقاً علیه أن لاینصرف إلاعن یمینه لقد رأیت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم كثیرًا ینصرف عن یساره. (متفق علیه، مشكوٰة، كتاب الصلاة، باب الدعاء فی التشهد، الفصل الأول: ۸۷، رقم الحدیث: ۹۴۶، ظفیر)

لیکن یہ بھی حدیث سے ثابت ہے کہ زیادہ تر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم داہنی طرف کو پھرتے تھے۔ (عن أنس رضی اللّٰہ عنه قال: كان النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم ینصرف عن یمینه، رواه مسلم. (أیضاً) ظفیر) كتاب صلاة المسافرین وقصرها، باب جواز الانصراف من الصلاة عن الیمین والشمال: ۲۸۰، رقم الحدیث: ۷۰۸، انیس)

پس معمول یہ رکھنا چاہئے کہ اکثر داہنی طرف کو پھرے اور کبھی کبھی بائیں طرف کو بھی پھر جایا کرے۔ ((فإذا تمت صلاة الإمام فهومخیرإن شاء انحرف عن یساره) وجعل القبلة عن یمینه (وإن شاء انحرف عن یمینه) وجعل القبلة عن یساره وهذا أولٰی لما فی مسلم من حدیث البراء: "كنا إذا صلینا خلف النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم أحببنا أن نكون عن یمینه حتی یقبل علینا بوجهه"، فإن مفهومه أن وجهه عند الإقبال علیهم كان یقابل من هوعن یمینه وذلك إنمایكون إذاكان المسجد عن یمینه والقبلة عن یساره، الخ. (غنیة المستملی، باب صفة الصلاة: ۳۳۰/۱، ظفیر) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۸۸/۲-۸۹)

جن نمازوں کے بعد نوافل نہیں، ان کے بعد امام کس طرف منھ کر کے بیٹھے:

سوال: جن نمازوں کے بعد سنت مؤکدہ نہیں ہیں، ان نمازوں میں امام کس طرف متوجہ ہو دا ہنی طرف یا بائیں طرف، یا مقتدیوں کی طرف؟ زید کہتا ہے کہ دا ہنی طرف متوجہ ہو، عمر کہتا ہے کہ مقتدیوں کی طرف متوجہ ہو، ان میں سے کون سا قول صحیح ہے اور کس قول پر فتویٰ ہے؟

الجواب ـــــــــــــــــــ حامداً و مصلیًا

تینوں طرح درست ہے، کسی ایک کا التزام درست نہیں، دا ہنی جانب متوجہ ہونا کہ قبلہ بائیں جانب ہو جائے، اولیٰ ہے۔

وعقب الفرض إن لم يكن بعده نافلة يستقبل (الناس) إن شاء إن لم يكن في مقابلة مصل لما في الصحيحين: "كان النبي صلى الله عليه وسلم: إذا صلىٰ أقبل علينابوجهه". وإن شاء الإمام انحرف عن يمينه وجعل القبلة عن يساره وهذا أولىٰ لما في مسلم: "كنا إذاصلينا خلف رسول الله صلى الله عليه وسلم أحببنا أن نكون عن يمينه حتى يقبل علينا بوجهه". وإن شاء ذهب لحوائجه، قال تعالىٰ: ﴿فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ﴾ والأمر للإباحة" آه. (مراقي الفلاح: ١٧٦)(١)

عن أنس أن النبي صلى الله عليه وسلم كان ينصرف عن يمينه. قال النووي رحمه الله تعالىٰ: "وجه الجمع بينهما أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يفعل تارةً هذا وتارةً هذا فأخبر كل واحد بما اعتقد أنه الأكثر فيما يعلمه، فدل علىٰ جوازهماولا كراهية في واحد منهما... لكن يستحب أن ينصرف في جهة حاجته سواء كانت عن يمينه أو شماله. فإن استوى الجهتان في الحاجة وعدمها فاليمين أفضل لعموم الأحاديث المصرحة بفضل اليمين في باب المكارم". (٢) فقط والله سبحانه تعالىٰ أعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵/۶۷۸-۶۷۹)

عصر وفجر میں دکھن جانب رخ کر کے دعا مانگنا:

سوال (۱) زید بعد سلام نماز عصر وفجر میں کبھی کبھی دکھن جانب پھر کر دعا مانگتا ہے۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے یا نہیں؟

---

(١) حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الإمامة، فصل في صفة الأذكار: ٣١٤، قديمي

(٢) الصحيح لمسلم مع شرحه للنووي، كتاب المساجد، كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب جواز الانصراف من الصلوٰة عن اليمين وعن الشمال: ١/ ٢٤٧، قديمي، انيس)

ہندوستان میں ''انصراف إلی الیمین و الیسار'' کا رواج:

(۲) ہندوستان میں بھی علمائے کرام دکھن رخ ہوکر دعا کرتے ہیں یا نہ؟

انصراف مذہب حنفی کے موافق ہے یا نہیں:

(۳) زید کا یہ فعل موافق مذہب امام ابوحنیفہؒ کے ہے یا مخالف؟

حدیث میں انصراف کی مراد کیا ہے:

(۴) حدیث میں ''ینصرف عن یمینه وعن یساره'' کا جولفظ آتا ہے، آیا یہ ''انصراف للذهاب إلی المنزل'' تھا، یا ''انصراف للدعاء'' تھا؟

''انصراف للدعاء'' کی دلیل:

(۵) ''انصراف للدعاء'' کے عدم ثبوت پر اتر جانب پھر کر دعا مانگنے کی کیا دلیل ہے؟

الجواب

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اکثر داہنی طرف اور کبھی کبھی بائیں طرف بھی پھرتے تھے۔(۱) اسی لئے فقہاءِ کرام نے بھی دونوں طرف ہوکر بیٹھنے اور دعا مانگنے کو مستحب لکھا ہے۔(۲)

(۲) اکثر عوام وخواص زیادہ تر داہنی طرف پھر کر بیٹھتے ہیں اور گاہ گاہ بائیں طرف پھر کر بیٹھتے ہیں۔(۳)

(۳) کبھی کبھی بائیں طرف، یعنی دکھن کی طرف منھ کر کے بیٹھنا فعل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب بھی یہی ہے کہ کبھی کبھی بائیں طرف کو بھی بیٹھنا اچھا ہے اور مستحب ہے۔(۴)

---

(۱) عن عبد اللّٰه بن مسعود قال: لايجعل أحدكم للشيطان شيئًا من صلوٰته يریٰ أن حقاً عليه أن لاينصرف إلا عن يمينه ،لقد رأيت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم كثيرًا ينصرف عن يساره. متفق عليه. (مشكوٰة المصابيح، كتاب الصلاة، باب الدعاء فی التشهد، الفصل الأول: ۸۷ ،حديث نمبر: ۹٤٦، ظفير)

عن أنس كان النبی صلی اللّٰه عليه وسلم ينصرف عن يمينه. (رواه مسلم) (كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب جواز الانصراف من الصلاة عن اليمين والشمال (ح: ۷۰۸) انيس)

(۲-۴) فإذا تمت صلاة الإمام فهو مخيّر إن شاء انحرف عن يساره) وجعل القبلة عن يمينه (وإن شاء انحرف عن يمينه) الخ (وإن شاء استقبل الناس بوجهه، الخ، هذا إذا لم يكن بعد) الصلوٰة (المكتوبة)... تطوع كالفجر والعصر. (غنية المستملی، صفة الصلاة: ۳۳۰، ظفير)

(۴)　اس انصراف کا مطلب ''انصراف للدعاء'' کا بھی ہوسکتا ہے۔(۱)

(۵)　جبکہ انصراف ''انصراف للدعاء'' کو شامل ہے تو یہی دلیل کافی ہے۔ فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند م:۲/۱۶۶-۱۶۷)☆

---

(۱)　والمراد من الانصراف الالتفات عن جهة الصلاة وهى القبلة أعم من أن يجلس بعده أولا فلذا قال(وإن شاء ذهب إلٰى حوايجه)؛لأنه قضى صلا ته، الخ.(غنية المستملى،صفة الصلاة: ۳۳۰ ، ظفير)

☆　امام کا فجر اور عصر بعد قبلہ رو ہوکر دعا کرنا:

سوال:　امام صاحب کا بعد نماز فجر وعصر قبلہ رو ہوکر دعا مانگنا مکروہ ہے؟ اگر مکروہ ہے تو کس قسم کا؟ اور دائیں، بائیں یا مقتدیوں کے سامنے ہوکر دعا مانگنا اگر سنت ہے تو یہ سنت مؤکدہ ہے یا غیر مؤکدہ؟

حامدًا و مصليًا الجواب ــــــــــــ و بالله التوفيق

بعد نماز فجر وعصر مستحب ہے کہ امام داہنی جانب یا بائیں جانب خواہ مصلیوں کی طرف ہوکر بیٹھے۔

(قال العلامة الكاسانى: ''فلا يمكث،ولكنه يستقبل القوم بوجهه إن شاء''،الخ.

آگے تحریر فرماتے ہیں:

''ثم اختلف المشايخ فى كيفية الانحراف،قال بعضهم:ينحرف إلٰى يمين القبلة تبركاً بالتيامن،وقال بعضهم:ينحرف إلى اليسار،ليكون يساره إلى اليمين،وقال بعضهم:هومخيرإن شاء انحرف يمينه،وإن شاء يسرة،وهو الصحيح''.(بدائع الصنائع،كتاب الصلاة،بيان مايستحب للإمام: ۱/۳۹٤)

اور ضروری تسبیحات پڑھ کر دعا کرے۔ ہمیشہ قبلہ رخ بیٹھ کر دعا کرنا مستحب کے خلاف ہے اور اکثر داہنی طرف رخ کر کے بیٹھنا اولیٰ ہے۔(مسلم) (كان النبى صلى اللّٰه تعالٰى عليه وسلم ينصرف عن يمينه.مسلم.(مشكوٰة،باب الدعاء فى التشهد: ۸۷) / (الصحيح لمسلم،كتاب صلاة المسافرين وقصرها،باب جواز الانصراف من الصلاة عن اليمين والشمال: ۲۸۰ (ح:۷۰۸)انيس)

اور تینوں طریقوں میں سے کسی ایک طریقہ کو ضروری سمجھ کر خاص کر لینا بدعت وخلاف سنت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے تینوں طریقے ثابت ومنقول ہیں۔(یمین ویسار کی روایت کا حوالہ گذر چکا، تیسرے طریقے کی روایت یہ ہے:عن سمرة بن جندب رضى اللّٰه تعالٰى عنه قال:كان النبى صلى اللّٰه تعالٰى عليه وسلم إذا صلى صلاة أقبل علينا بوجهه،رواه البخارى (مشكٰوة، باب الدعاء فى التشهد:۸۷)(البخارى،كتاب الأذان،باب يستقبل الإمام الناس إذا سلم (ح:۸٤٥)انيس)

قبلہ رو بیٹھ کر دعا کرنا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے منقول نہیں، اس لئے مستحب کے خلاف ہوگا۔ مکروہ ہونا کہیں نظر سے نہیں گذرا۔(''بدائع'' میں کراہت کا قول موجود ہے:''إلا أنه يكره المكث علٰى هيئته مستقبل القبلة.(بدائع الصنائع،كتاب الصلاة ،بيان ما يستحب للإمام : ۱/۳۹۳)اولیت کے خلاف ہونے کی وجہ سے مکروہ تنزیہی کہہ سکتے ہیں۔(مراقى الفلاح: ۲/۵۷) (مكروه تنزيهًا وهو ما تركه أولٰى من فعله،الخ.(حاشية الطحطاوى،فصل فى المكروهات: ۸۰)واللّٰه تعالٰى أعلم وعلمه أتم وأحكم(مرغوب الفتاویٰ:۲/۱۹۸-۱۹۹)

==

امام کے دائیں بائیں گھومنے کیلئے مقتدی کی کوئی تعداد نہیں:

سوال: یہ مسئلہ صحیح ہے یا نہیں کہ جب تک امام کے ساتھ دس یا اور کوئی عدد مخصوص کے مقتدی نہ ہوں تو بعد سلام نماز کے دائیں بائیں گھوم کر نہ بیٹھے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

یہ مسئلہ صحیح نہیں ہے۔

کما فی الشامی: (ولو دون عشرة) أی أن الاستقبال مطلق لا تفصیل فیه بین عدد وعدد، الخ، ولا یلتفت إلٰی ما ذکره بعض شراح المقدمة من أن الجماعة إن کانوا عشرة یلتفت إلیهم، الخ، فإن هٰذا الذی ذکره لا أصل له فی الفقه، الخ. (۱) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲/۱۸۴و۱۸۵)

نماز کی جگہ بدلنا:

سوال: باجماعت نماز پڑھنے کے بعد اکثر لوگوں کو اپنی جگہ بدلتے دیکھا ہے، کیا ایسا کرنا درست ہے؟ اگر درست ہے، تو کس سمت کو جگہ بدلنی چاہئے؟ نیز ایسا کرنا سنت ہے یا بدعت؟

امام بھی ایسا ہی کرتا ہے کہ باجماعت نماز پڑھانے کے بعد محراب چھوڑ کر پیچھے چلا آتا ہے اور اپنی جگہ کسی اور کو بھیج دیتا ہے، کیا یہ بھی سنت ہے؟ (سائل: محمد کریم دبئی، یو، اے، ای)

الجواب ــــــــــــــــــــ باسمه تعالی

فرض نماز سے فارغ ہوکر امام اور مقتدی دونوں کے لئے جگہ بدل لینا مستحب ہے۔

== **امام کا ہمیشہ داہنی طرف گھوم کر دعا مانگنا:**

سوال: امام صاحب کا ہمیشہ نماز کے بعد داہنی طرف گھوم کر دعا مانگنا کیسا ہے؟

حامدًا و مصلیًا الجواب ــــــــــــ و باللّٰه التوفیق

داہنی طرف گھومنے کو لازم سمجھ لینا حسب ارشاد حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نماز میں شیطان کا حصہ مقرر کر لینا ہے۔ **(عن عبد اللّٰه بن مسعود قال: لا یجعل أحدکم للشیطان شیئًا من صلاته یری أن حقاً علیه أن لا ینصرف إلا عن یمینه لقد رأیتُ رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم کثیرًا ینصرف عن یساره'' متفق علیه. (مشکوة، الفصل الأول، باب الدعاء فی التشهد: ۸۷) (کتاب الصلاة، باب الدعاء فی التشهد، الفصل الأول، رقم الحدیث: ۹٤٦، انیس)** حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دونوں طرف پھیرنا ثابت ہے۔ **فقط و اللّٰه تعالٰی أعلم وعلمه أتم و أحکم** (مرغوب الفتاویٰ: ۲/۱۹۸)

(۱) رد المحتار، باب صفة الصلاة، قبیل فصل فی القراءة: ٤۹٦/۱، ظفیر (مطلب: فیما زاد علی العدد فی التسبیح عقب الصلاة، انیس)

سنن ابی داؤد میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے:

" أيعجز أحدكم أن يتقدم أو يتأخر عن يمينه أو عن شماله يعني في السبحة". (۱)

" کیا تم میں سے ایک آدمی اس بات سے قاصر ہے کہ فرض نماز کے بعد جب سنت شروع کرے، تو ذرا آگے پیچھے دائیں بائیں ہولیا کرے"۔

کتبہ: محمد یوسف لدھیانوی، بینات۔ ربیع الثانی: ۱۴۰۰ھ۔ (فتاویٰ بینات: ۲/۲۶۹)

فرض ادا کرنے کے بعد امام سنت کہاں ادا کرے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ظہر، مغرب اور عشا کی نمازوں کے بعد امام کے لئے محراب میں سنت پڑھنا مکروہ ہے کیا یہ درست ہے؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: ملک جہاں نزیب آفریدی درہ آدم خیل کوہاٹ......۳۰/اگست ۱۹۸۹ء)

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــ

جس فرض کے بعد سنت ہو تو فرض پڑھانے والے امام کے لئے مستحب ہے کہ آگے یا پیچھے ہو جائے اور جانب چپ یا راست (دائیں یا بائیں) کو ہو جائے اور یا گھر کو چلا جائے۔ (۲) فقط (فتاویٰ فریدیہ: ۲/۲۸۲)

نمازی کے آگے سے ہٹنے کا مسئلہ:

سوال: اگر میں کسی نمازی کے بالکل آگے بیٹھا ہوا ہوں اور وہ نمازی نماز میں مشغول ہے تو اگر میں اپنی جگہ سے ہٹ کر کسی اور جگہ جانا چاہوں تو کیا ہٹ سکتا ہوں؟ کیا بیٹھے رہنا اور نمازی کے نماز ختم کرنے کا انتظار کرنا اولیٰ ہے؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــ و باللہ التوفیق

ہاں بیٹھے رہنا اور ختم نماز کا انتظار کرنا اولیٰ ہے اور ہٹ جانا بھی درست ہے، البتہ اگر نمازی دائیں جانب کچھ ہٹا ہوا ہے تو اس کے بائیں جانب سے ہٹے اور اگر بائیں جانب ہٹا ہوا ہے تو دائیں جانب سے ہٹے اور اگر بالکل ہی محاذات میں ہو تو ہر طرف سے ہٹ سکتے ہیں۔ (۳) فقط واللہ اعلم

کتبہ العبد نظام الدین الاعظمی عفی عنہ، مفتی دارالعلوم دیوبند۔ (نظام الفتاویٰ، جلد پنجم، جزء اول: ۱۶۸)

---

(۱) سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب في الرجل يتطوع في مكانه الذي صلى فيه المكتوبة: ١/١٤٤، ط: مير محمد، رقم الحديث: ١٠٠٦)

(۲) قال الحصكفي: يستحب للإمام التحول ليمين القبلة الخ. قال العلامة ابن عابدين رحمه الله: وإن كان بعدها تطوع وقام يصليه يتقدم أو يتأخر أو ينحرف يميناً أو شمالاً أو يذهب إلى بيته فيتطوع ثمة. (رد المحتار: ١/٣٩٢، مطلب فيما لو زاد على العدد في التسبيح عقب الصلاة، آداب الصلاة) (كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، انيس)

(۳) کیوں کہ ان صورتوں میں مرور (گذرنا) لازم نہیں آتا ہے۔ انیس

صبح کی نماز کے بعد سلام کرنا کیسا ہے:

سوال: اکثر لوگ صبح کی نماز کے بعد ''سلام علیک'' کرتے ہیں، یہ سنت ہے یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــ

ہمیشہ اس کا التزام کر لینا بدعت ہے۔ (فتاوی عزیزی:۶/۴۷)

ساتھ والے کو دیکھ کر نماز پوری کرنا:

سوال: زید نماز میں شامل ہوا جب کہ ایک رکعت ہو چکی تھی، جب بقیہ رکعتیں ادا کرنے کے لئے کھڑا ہوا تو یاد نہ رہا کہ میری کتنی رکعت باقی ہیں، اس کے ساتھ ایک اور آدمی نماز میں شامل ہوا تھا، زید نے سوچا کہ اس کو دیکھ کر نماز پوری کرلوں گا، چنانچہ اس کے ساتھ ساتھ نماز پوری کر لی، کیا اس کی نماز درست ہوگئی؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــ

اگر اس دوران زید تین دفعہ ''**سبحان ربی العظیم**'' کہنے کی مقدار کہیں خاموش منتظر نہیں رہا تو زید کی نماز ہوگئی۔

ولو نسی أحد المسبوقین المتساویین کمیة ماعلیه فقضٰی ملاحظاً للاٰخر بلا اقتداء به صح، هٰکذا فی الخلاصة، آه. (الفتاویٰ الهندیة: ۱/ ۹۲)(۱)**فقط واللّٰه أعلم**

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ، مفتی جامعہ ہٰذا۔ (خیر الفتاویٰ:۲/۲۷۳)

بعض حروف ادا کرتے وقت گردن جھکانا:

سوال: ہمارے امام صاحب نماز پڑھاتے وقت گردن اور سر کو جہاں بھی ''ع'' یا ''ح'' ہو، اس طرح کرتے ہیں، جیسے مرغا اذان پڑھتا ہے اور اپنی گردن کو اوپر نیچے کرتا ہے، کبھی ایک ٹانگ کے اوپر کھڑے ہو جاتے ہیں، یعنی ایک ہی ٹانگ پر سارا زور دیکر کھڑے ہوتے ہیں تو ان صورتوں میں حنفیہ کے نزدیک نماز ہو جاتی ہے، یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

قیام طویل ہو تو کبھی ایک ٹانگ پر بوجھ دینا، کبھی تھک جائے تو دوسری پر بوجھ دینا درست ہے، اس سے نماز خراب نہیں ہوتی، (۲) البتہ ''ع'' اور ''ح'' ادا کرتے وقت سر کو جھکانے کی ضرورت نہیں، یہ بلا ضرورت ہے، اگرچہ اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی، تاہم اس سے احتیاط کی ضرورت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند۔ ۱۹/ ۱۰/ ۱۳۹۵ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ:۵/ ۶۵۷)

---

(۱) الباب الخامس فی الإمامة، الفصل السابع فی المسبوق واللاحق، انیس

(۲) وللمتطوع الاتکاء علیٰ شیء کعصا وجدار (مع الإعیاء): أی التعب بلا کراهة وبدونه یکره. (الدر المختار) ==

نماز میں متعدد امور کی کوتاہی:

سوال: وہ ارکان جن کی ادائیگی دانستہ طور پر اس طرح کی جاتی ہے اور اب ایک رواج کی صورت تک پہنچ چکی ہے۔

(الف) قومہ صحیح ادا نہ کرنا، رکوع سے حسب سابق سیدھا کھڑا نہ ہونا اور سجدہ میں چلے جانا۔

(ب) جلسہ صحیح ادا نہ کرنا، پہلے سجدہ کے بعد حسب سابق سیدھا نہ بیٹھنا اور فوراً دوسرے سجدہ میں چلے جانا۔

(ج) دوران نماز خصوصاً قیام میں بار بار کھانسنا، بار بار ہاتھ اٹھا کر کسی جگہ کھجلانا، کپڑا سمیٹنا۔

(د) التحیات میں بیٹھتے ہی دونوں ہاتھوں سے قمیص کے دامن کو کھینچ کر درست کرنا،

(ہ) دوان رکوع اپنے ہاتھ گھٹنے سے ہٹا کر پنڈلی اور ران وغیر کو کھجلانا،

(و) دوران سجدہ ایک ہاتھ اٹھا کر کانوں، منہ وغیرہ کو کھجلانا، اسی طرح پاؤں کو دوران سجدہ اٹھا لینا۔

(ز) دوران نماز آستین چڑھا کر رکھنا، جب کہ قمیص بھی پوری آستین والی ہے۔

ان تمام امور سے نماز فاسد ہوتی ہے یا نہیں؟ اگر فاسد نہیں ہوتی تو مکروہ ہوتی ہے یا نہیں؟

الجو اب ــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

ان جملہ امور میں احکام شرعی کی رعایت لازم ہے۔

بعض کے ارتکاب میں کراہت ہلکی ہے، بعض میں شدید ہے، بعض میں فساد نماز کا بھی مظنہ ہے، نماز ام العبادات ہے، تھوڑی سی بے توجہی اور غفلت سے اس کو ناقص اور فاسد کردینا بڑا خسارہ ہے، اپنے عمدہ لباس پر معمولی دھبہ

== "قوله:(وللمتطوع)لعل وجهه أن التطوع قد يكثر كالتهجدفيؤدی إلى التعب فلم يكره له الاتكاء ،بخلاف الفرض فإنه زمنه يسير،وإلافالمفترض إن عجزفقد مرحكمه،وإن تعب فالظاهر أنه لايكره له الاتكاء،تأمل".(رد المحتار، كتاب الصلاة،باب صلاة المريض: ١٠١/٢،سعيد)

وقال العلامة الرافعي رحمة اللّٰه تعالىٰ:(فالظاهر أنه لايكره له الاتكاء)لكن مقتضى تقييدهم بالمتطوع أن المفترض يكره له الاتكاء ولومع الإعياء وكأنه لأن زمنه يسيرفلم يكن الإعياء فيه نافياً للكراهة".(تقريرات الرافعي،كتاب الصلاة،باب صلاة المريض: ١٠٤/٢،سعيد)

ويكره القيام على أحد القدمين فی الصلاة بلاعذر".(ردالمحتار،كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة: ٤٤٤/١، سعيد)(مطلب:قد يطلق الفرض علىٰ ما يقابل الركن وعلىٰ ما ليس بركن ولا شرط،بحث القيام،انيس)

"قوله:(وللمتطوع) قيدبه؛لأن المفترض إذا لم يقدرعلى القيام إلابه،لزمه" آه.(حاشية الطحطاوی على الدر المختار،كتاب الصلاة،باب صلاة المريض: ٣٢٠/١،دارالمعرفة بيروت)

(قوله:وبدونه يكره)؛لأنه إساءة أدب فالكراهة تنزيهية".(حاشية الطحطاوی على الدرالمختار،كتاب الصلاة،باب صلاة المريض: ٣٢٠/١،دارالمعرفة بيروت)

برداشت نہیں کیا جاتا، جوفریضہ اورتحفہ حق تعالی شانہ کی بارگاہ عالی میں پیش کیا جائے،اس کوبہتر سے بہتر طریقہ پر ہر قسم کے دھبہ سے صاف رکھ کر پیش کیا جائے۔(۱) فقط واللہ تعالی اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔۲۰/۶/۱۳۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین غفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔۲۲/۶/۱۳۸۸ھ۔(فتاویٰ محمودیہ:۶۵۵/۵)

آداب صلوۃ ترک ہوجانے کا حکم:

سوال: اگرکسی سے آداب یعنی مستحبات نماز رہ جائیں تواس سے نماز پرکیا اثر پڑے گا؟ نماز کا دوبارہ پڑھنا ضروری ہے یانہیں؟

الجواب

نماز کے اندرآداب کالحاظ رکھنا افضل اور بہتر ہے البتہ اگرکسی وجہ سے کبھی رہ جائیں نماز بلاکراہت صحیح اوردرست ہے دوبارہ پڑھنے کی ضرورت نہیں۔

قال العلامة الحصكفي:(ولهاآداب)تركه لايوجب إساءةً ولا عتاباً كترك السنة الزوائد لكن فعله أفضل.(۲)(فتاویٰ حقانیہ:۱۰۶/۳)

---

(۱) عن أبي هريرة رضي الله عنه :أن رجلاًدخل المسجد ورسول الله صلى الله عليه وسلم جالس في ناحية المسجد، فصلّى ثم جاء فسلم عليه ،فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم:"وعليك السلام ،ارجع فصل فإنک لم تصل فرجع فصلّى،ثم جاء فسلم فقال:"وعليک السلام،ارجع فصل فإنک لم تصل"فقال:في الثالثة أوفي التي بعدها:علمني يا رسول الله ! فقال :"إذاقمت إلى الصلوٰة فأسبغ الوضوء،ثم استقبل القبلة فكبر،ثم اقرأ بما تيسرمعک من القرآن ،ثم اركع حتّى تطمئن راكعاً،ثم أرفع حتى تستوى قائماً،ثم اسجد حتى تطمئن ساجداً،ثم ارفع حتى تطمئن جالساً،ثم اسجد حتّى تمطئن ساجداً،ثم ارفع حتى تطمئن جالساً".وفي رواية :"ثم ارفع حتى تستوى قائماً،ثم افعل ذلک في صلوٰتک كلها".متفق عليه.(مشكوة المصابيح ،كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة،الفصل الأول: ۷۵/۱،رقم الحديث: ۷۹۰ ،قديمي)

"ومن الواجبات تعديل الأركان عند أبي حنيفة ومحمد رحمهما الله.وفي المغرب:والمراد بتعديل أركان الصلاة: تسكين الجوارح في الركوع والسجود والقومة بينهماوالقعدة بين السجدتين ". (الفتاوى التاتارخانية ، كتاب الصلوة،الفصل الثاني في فرائض الصلوةوواجباتها وسننها وآدابها: ۵۱۰/۱،إدارة القرآن والعلوم الاسلامية كراچي)

(۲) الدرالمختارعلى صدرردالمحتار،باب صفة الصلاة: ۴۷۷/۱۔

(قال العلامة السيد أحمد الطحطاوي : (تحت قوله(الأدب مافعله الرسول)صلى الله عليه وسلم مرة أومرتين ولم يواظب عليه)وتركه لا يوجب إساءةً ولا عتابًا لكن فعله أفضل،آهـ .(طحطاوي حاشية مراقي الفلاح، فصل من آدابها: ۲۲۴)

ہر رکن میں دھیان کا حاضر رہنا:

سوال: ہر رکن میں دھیان نہیں رہتا کہ اب رکوع میں ہوں، یا قومہ میں، یا سجدہ میں، یا قعدہ میں، تو کیا نماز ہو جائے گی؟

الجواب ــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

انشاء اللہ تعالیٰ ہو جائے گی، مگر کوشش کرتا رہے۔ (۱) فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۶۴۱/۵-۶۴۲)

جمائی روکنے کا طریقہ:

سوال: بحالت نماز اگر جمائی آئے تو اس کو کیسے روکیں؟ خاص کر رکوع و سجود میں۔

الجواب ــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

داہنے ہاتھ کی پشت منھ پر رکھ لی جائے۔ (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۶۵۳/۵)

---

(۱) "أن تعبد اللّٰہ کأنک تراہ، فإنک إن لا تراہ فإنہ یراک". (الصحیح لمسلم، کتاب الإیمان: ۲۷/۱، قدیمی) (باب بیان الإیمان والإسلام، رقم الحدیث: ۵، انیس)

"فلو اشتغل قلبہ بتفکر مسألۃ مثلاً فی أثناء الأرکان، فلا تستحب الإعادۃ. وقال البقالی: لم ینقص أجرہ إلا إذا قصر". (ردالمحتار، کتاب الصلاۃ، باب شروط الصلاۃ: ۴۱۷/۱، سعید) (مطلب: فی حضور القلب والخشوع، انیس)

ولو تفکر فی صلاتہ فتذکر حدیثاً أو شعرًا أو خطبۃً أو مسئلۃً، یکرہ ولا تفسد صلاتہ، ھکذا فی السراج الوھاج. (الفتاوی الھندیۃ، کتاب الصلاۃ، الباب السابع فیما یفسد الصلاۃ وما یکرہ فیھا، الفصل الأول فیما یفسدھا: ۱۰۰/۱، رشیدیۃ)

(۲) عن أبی ھریرۃ رضی اللّٰہ عنہ أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: "العطاس من اللّٰہ والتثاؤب من الشیطان، فإذا تثاؤب أحدکم، فلیضع یدہ علی فیہ آھـ". (جامع الترمذی، أبواب الاستیذان الأدب عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم، باب ما جاء أن اللّٰہ یحب العطاس ویکرہ التثاؤب: ۱۰۳/۲، رقم الحدیث: ۲۷۴۶، سعید)

(وإمساک فمہ عند التثاؤب، فإن لم یقدر غطاہ) بظھر (یدہ) الیسری، وقیل: بالیمنی لو قائماً، وإلا فیسراہ، اھـ مجتبٰی". (الدر المختار). "وعبارۃ الشارح فی الخزائن: أی بظھر یدہ الیمنی الخ، فالمناسب إبدال الیسریٰ بالیمنٰی". (رد المختار، کتاب الصلاۃ، باب صفۃ الصلاۃ، آداب الصلاۃ: ۴۷۸/۱، سعید)

وقال علامۃ الرافعی: "(فالمناسب إبدال الیسری بالیمنی)، الذی رأیتہ فی عدۃ نسخ من الشرح بظھر یدہ الیمنی. (تقریرات الرافعی، کتاب الصلاۃ، باب صفۃ الصلاۃ: ۵۹/۱، سعید)

داہنے ہاتھ سے کھجائے یا بائیں ہاتھ سے کھجائے:

سوال: نماز میں قیام کی حالت میں اگر کسی جگہ بدن پر خارش آئے اور کسی وجہ سے بائیں ہاتھ سے کھجایا تو نماز ٹوٹ گئی یا نہیں؛ کیونکہ ہمارے یہاں امام صاحب کہتے ہیں کہ نماز نہیں ہوئی، داہنے ہاتھ سے کھجایا جائے؟ فقط

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

اگر خارش کو ضبط نہیں کرسکتا تو حالت قیام میں داہنے ہاتھ سے کھجائے؛ لیکن اگر بائیں ہاتھ سے بھی کھجایا تو محض بایاں ہونے کی وجہ سے نماز فاسد نہیں ہوئی۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔ ۱۶/۷/۱۳۷۹ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۶۵۴/۵)

نماز میں ترجمہ پر توجہ:

سوال: نماز ہی میں سورۂ فاتحہ اور سورتوں کا ترجمہ سوچنا اور اس پر غور وفکر کرنا کیسا ہے؟ اگر اس طرح کیا جائے تو دھیان اِدھر اُدھر نہیں جاتا؟ (محمد سیف اللہ، حافظ بابانگر)

الجوابــــــــــــــــــــ

اگر کوئی شخص ترجمہ سے واقف ہو اور کلماتِ قرآنی کو پوری توجہ سے سنتے ہوئے اپنے ذہن کو اس کے معانی کی طرف متوجہ رکھے تو کچھ حرج نہیں؛ کیونکہ قرآن کی بالخصوص جہری تلاوت کا مقصد ظاہر ہے کہ صرف الفاظِ قرآنی سے کان کو محظوظ کرنا نہیں؛ بلکہ اس کے معانی ومقاصد بھی مطلوب ہیں، اگر قرآن کے معانی پر بھی توجہ ہو تو نماز میں خشوع اور انابت الی اللہ کی کیفیت بڑھ جاتی ہے، اس لئے اس میں کوئی مضائقہ نہیں، ہاں! معانئ قرآن کے سواء دوسری

---

(۱) (وعبثه به):أی بثوبه (وبجسده)للنهی،إلالحاجة،لابأس به.(الدرالمختار)

قوله:(إلا لحاجة) كحك بدنه لشيء أكله وأضره،وسلت عرق يؤلمه ويشغل قلبه،وهٰذالو بدون عمل كثير، قال فی الفيض:الحک بيدو احدة فی ركن ثلاث مرات يفسد الصلاة إن رفع يده فی كل مرة.(رد المختار، كتاب الصلاة،باب ما يفسد الصلاةوما يكره فيها: ٦٤٠/١،سعيد)(مطلب:فی الكراهة التحريمية والتنزيهية،انيس)

وإمساک فمه عند التثاؤب،فإن لم يقدرغطاه بظهر يده اليسرى،وقيل:باليمنى لو قائماً،وإلافيسراه،آهـ، مجتبى.(الدرالمختار)

وفی ردالمحتار:وعبارة الشارح فی الخزائن :أی بظهر يده اليمنى الخ،فالمناسب إبدال اليسرى باليمنى. (كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة: ٤٧٨/١،سعيد)

(فالمناسب إبدال اليسرى باليمنى)،الذی رأيته فی عدة نسخ من الشرح بظهريده اليمنى .(تقريرات الرافعی ،كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة: ٥٩/١،سعيد)

باتوں کی طرف قصداً ذہن کو متوجہ رکھنا مکروہ ہے؛ لیکن نماز اس سے بھی فاسد نہیں ہوتی، علامہ ابن نجیم مصریؒ لکھتے ہیں کہ اگر نماز میں غور وفکر کرے اور شعر اور خطبہ یاد کرلے اور ان دونوں کو دل ہی دل میں پڑھ لے، زبان سے اس کا تکلم نہ کرے تو نماز فاسد نہیں ہوگی۔

"فقرأهما بقلبه ولم يتكلم بلسانه، لاتفسد صلاته". (۱) (کتاب الفتاویٰ:۲/۲۰۵-۲۰۶)

سجدۂ شکر کرنا کیسا ہے:

سوال: سجدۂ شکر کا کیا حکم ہے اور بعد صلاۃ کرنا چاہئے، یا کس وقت اور بعد نماز بلا وجہ سجدہ کرنا کیسا ہے؟

الجواب

سجدۂ شکر عند تجدد النعمۃ مستحب ہے۔

فی الدرالمختار: وسجدة الشكر مستحبة. (۲)

اور بعد نماز کے بلا وجہ مکروہ ہے۔

كما فيه أيضًا: لكنها تكره بعد الصلاة لأن الجهلة يعتقدونها سنةً أو واجبةً وكل مباح يؤدى إليه فمكروه، الخ. (۳) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۱۶۲)

خشوع نہ ہونے کی صورت میں نفل کا اعادہ کیسا ہے:

سوال: اگر نماز میں خشوع نہ ہوا اور اعادہ کرے تو کچھ حرج تو نہیں یا غیر اللہ کا خیال آنے سے نیت توڑ دے، نفل میں ایسا کرنا کیسا ہے؟

الجواب

اعادہ نہ کرے اور نیت بھی نہ توڑے، ایسا کرنے سے شیطان کو زیادہ موقع وسوسہ کا ملتا ہے، اس لئے نفل میں بھی نہ کرے۔ (۴) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۱۷۵)

بغیر ٹوپی کے نماز پڑھنے کا حکم:

سوال: بعض لوگ کہتے ہیں کہ ٹوپی پہن کر نماز پڑھنا ضروری نہیں ہے اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ٹوپی کو سترہ بنایا تھا کیا یہ صحیح ہے؟

---

(۱) البحرالرائق: ۲/۱٤، ط: پاکستان، کوئٹة) (کتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة ومايكره فيها، انيس

(۲-۳) الدرالمختار علىٰ هامش رد المحتار، كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة: ۱/۷۳۱، ظفير

(۴) فلو اشتغل قلبه بتفكر مسئلة مثلاً في أثناء الأركان فلا تستحب الإعادة، وقال البقالي: لم ينقص أجره إلا قصر. (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، مطلب في حضور القلب والخشوع: ۱/۳۸۷، ظفير)

الجواب

بغیر ٹوپی کے نماز پڑھنا مکروہ ہے اور ٹوپی کو سترہ بنانے والی حدیث ضعیف ہے، (۱) اس سے استدلال درست نہیں، نیز مختلف روایات میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہ اور اسلاف امت کا عمل بھی ٹوپی پہن کر نماز پڑھنا منقول ہے۔

ملاحظہ ہو، درمختار میں ہے:

(فی باب مکروهات الصلاة) :(وصلاته حاسرا)أی کاشفا (رأسه للتکاسل)وفی الشامی: (للتکاسل) أی لأجل الکل بأن استثقل تغطیته ولم یرها أمرا مهمافی الصلاة فترکهالذلک. (الدرالمختارمع الشامی: ٦٤١/١، مکروهات الصلاة ، سعید وکذا فی شرح منیة المصلی:٣٤٨،سهیل)

فتاویٰ رحیمیہ میں ہے:

کھلے سر پھرنا آج کل فیشن ہوگیا ہے اور اس کو فساق وفجار نے اختیار کیا ہے اور یہ بہت قبیح ہے۔

علامہ ابن جوزیؒ فرماتے ہیں:

”ولا یخفی علی عاقل أن کشف الرأس مستقبح وفیه إسقاط مروءة وترک أدب“. (تلبیس إبلیس: ۳۷۳)(۲)

عاقل پر پوشیدہ نہیں ہے کہ سر کھولنا قبیح ہے اور مروت کو ختم کرنا اور ادب اور شریفانہ تہذیب کے خلاف ہے۔

قطب ربانی محبوب سبحانی عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں:

”ویکره کشف رأسه بین الناس“. (غنیة الطالبین: ۱۳/۱)(۳)

لوگوں کے درمیان سر کھولنا مکروہ ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ:۳۵۱/۶)

سنت اور فرض کے درمیان کھانا پینا یا باتیں کرنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ صبح کی نماز میں فرض اور سنت کے

(۱) حدیث:”کان یلبس القلانس تحت العمائم وبغیرعمامة وربما نزع قلنسوته من رأسه فجعلها سترة بین یدیه ثم یصلی إلیها“ أخرجه الطبرانی وأبوالشیخ والبیهقی فی شعب الإیمان من حدیث ابن عمر: کان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم یلبس قلنسوة بیضاء ،ولأبی الشیخ من حدیث ابن عباس: کان لرسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم ثلاث قلانس، قلنسوة بیضاء مضربة وقلنسوة بردحبرة قلنسوة ذات آذان یلبسها فی السفر وفربماوضعها بین یدیه إذا صلی، وإسنادهما ضعیف ،الخ. (تخریج أحادیث إحیاء علوم الدین،بیان آدابه وأخلاقه فی اللباس: ٨٦١/١،دارابن حزم بیروت. انیس)

(۲) تلبیس إبلیس،ذکرتلبیس إبلیس علی الصوفیة فی الوجد: ٢٣٢/١،دارالفکربیروت. انیس

(۳) غنیة لطالبین،فصل فی الإستئذان: ٥١/١،دارالکتب العلمیة بیروت. انیس

درمیان یا نماز ظہر کی سنت اور فرض کے درمیان کھانا پینا اور باتیں کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اس سے سنت کا اعادہ لازم ہے یا نہیں؟ بینوتو جروا۔

(المستفتی: مولوی نصیب خان حسن خیل شمالی وزیرستان......۱۰/ نومبر/ ۱۹۸۹ء)

الجواب ___________________

فرائض اور سنن کے درمیان یہ امور منقص ثواب ہیں؛ لیکن موجب اعادہ نہیں ہیں۔ (شرح التنویر علی هامش ردالمحتار: ۱/ ٤٥٧)(۱) **وهو الموفق** (فتاویٰ فریدیہ: ۲/ ۲۸۶)

---

(۱)　**قال العلامة الحصكفي: ولو تكلم بين السنة والفرض لا يسقطها ولكن ينقص ثوابها، وقيل تسقط. (الدر المختار علٰى هامش ردالمحتار: ۱/ ۵۰۳، مبحث مهم في الكلام على الضجعة بعد سنن الفجر، باب الوتر والنوافل)**

والكلام بين السنة والفرض وكل عمل ينافي التحريمة لايسقطها ولكن ينقص ثوابها على الأصح. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، فصل في بيان النوافل: ۳۸۹، دارالكتب العلمية بيروت. انيس)

نماز کے اندر کچھ چیزیں ایسی ہیں جن کا کرنا مستحب ہے اور زیادہ ثواب کا باعث ہے اور نہ کرنے سے کوئی گناہ نہیں ہے ان کے چھوڑنے والے کو بُرا بھلا نہیں کہا جائے گا اور نہ اس پر غصہ کیا جائے گا لیکن ان کا کرنا افضل ہے (درمختار بر شامی: ۱/ ۳۲۱)

۱-　آستین کے اندر ہتھیلی ہو تو تکبیر تحریمہ کے وقت مرد کو اس کو باہر نکالے۔

(الف)　لیکن ٹھنڈ ہو تو نہ نکالے۔　(ب)　عورتیں اپنی ہتھیلیاں چھپائے رکھیں۔

۲-　مرد و عورت دونوں کھڑے ہونے کی حالت میں سجدہ کی جگہ اور رکوع کی حالت میں دونوں پاؤں کے قدم کی پشت (اوپر) کو اور سجدہ کی حالت میں ناک کا بانسہ (نرم حصہ) کو بیٹھنے کی حالت میں گود کو اور دائیں جانب سلام کرتے وقت مونڈھے کو اور بائیں جانب سلام کرتے وقت بائیں مونڈھے کو دیکھنا۔ (مراقی: ص ۱۵۱)

۳-　جہاں تک ہو سکے کھانسی کو روکنا۔ (مراقی: ص ۱۵۱)

(الف)　اگر کھانسی روکنے میں ضرر ہو یا روکنے میں دل میں مشغول ہونے سے قراءت میں یا بلند آواز سے پڑھنے میں رکاوٹ ہو تو نہ روکے۔ (طحطاوی: ۱۵۱)

(ب)　اگر کھانسنے میں کوئی حرف کی آواز نکل جائے یا ڈکارنے میں نکل جائے تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ (طحطاوی: ۱۵۱)

۴-　جمائی کے وقت منہ بند کرنا۔ (مراقی: ۱۵۱)

(الف)　منہ پر ہاتھ رکھے بغیر بند ہو سکے تو ہاتھ یا آستین سے بند کرنا مکروہ ہے۔ (طحطاوی) ورنہ نہیں۔ (مراقی: ۱۵۱)

(ب)　ہاتھ سے بند کرنے کی صورت میں یہ ہے کہ ہاتھ باندھے ہو تو دائیں ہاتھ کی پشت منہ پر رکھے، ورنہ بائیں ہاتھ کی پشت منہ پر رکھیں۔

۵-　امام محراب سے دور ہو اور صفوں کے پیچھے آگے سے آئے تو جس صف کے پاس سے گزرے وہ صف کھڑی ہو جائے اور امام آگے سے مسجد میں داخل ہو تو امام کو دیکھتے ہی سب مقتدی کھڑے ہو جائیں اور اگر امام و مقتدی سب لوگ موجود ہوں تو جلدی اٹھ کر صف سیدھی کریں اور حی علی الفلاح کے بعد کوئی بیٹھا نہ رہے۔ (طحطاوی علی الدرالمختار وغیرہ) (طہارت اور نماز کے تفصیلی مسائل: ۲۶۰-۲۶۱) (انیس)

نماز میں قرأت کے احکام ومسائل

قرأت میں ترتیب کا لحاظ:

سوال: نماز میں سورۂ فاتحہ کے ساتھ سورتیں جوضم کی جاتی ہیں، ان کی ترتیب حسب ذیل کی جاتی ہے۔

یعنی! اول ''إِذَاجَاءَ'' پھر'' تَبَّتْ'' یا اسی طرح اول'' أَلَمْ تَرَكَيْفَ''اور دوسری میں'' لِإِيْلَافِ'' یہ صورت تو مسنون اور جائز کہی جاتی ہے، کیا اس کے خلاف بھی جائز ہے؟ مثلاً: پہلی رکعت میں '' تَبَّتْ''اور دوسری میں ''إِذَا جَاءَ''، وغیرہ وغیرہ۔

ایک شخص اول رکعت میں ''إِذَا جَاءَ'' پڑھتا ہے اور دوسری میں ''قُلْ هُوَاللّٰهُ'' یا سورۂ ناس ملاتا ہے، کیا یہ درست ہے؟ ایک شخص اول رکعت میں نصف ''سورۂ مزمل'' مثلاً پڑھ کر پھر ''قُلْ هُوَاللّٰهُ'' پڑھ کر جمعہ کی نماز میں رکوع کرتا ہے اور دوسری رکعت میں معوذتین دونوں پڑھ کر رکوع کرتا ہے، یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

سورتوں کو ترتیب سے پڑھنا واجب ہے،(۱) پس پہلی رکعت میں '' تَبَّتْ''اور دوسری میں '' إِذَا جَاءَ'' پڑھنا ... درست نہیں ہے اور فرائض میں ایک چھوٹی سورت کا فاصلہ کرنا، مثلاً پہلی رکعت میں '' إِذَا جَاءَ'' اور دوسری رکعت میں ''قُلْ هُوَاللّٰهُ'' پڑھنا مکروہ ہے،(۲) اور نوافل میں ایسا کرنا درست ہے اور ایک رکعت میں نصف ''سورۂ مزمل'' مثلاً پڑھ کر ''قُلْ هُوَاللّٰهُ'' اس کے ساتھ ملانا مکروہ ہے۔ اسی طرح دوسری رکعت میں معوذتین یعنی دو سورتیں پڑھنا بھی اچھا نہیں ہے، اگر چہ نماز صحیح ہے۔(۳) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۲۲۲-۲۲۳)☆

---

(۱) ... وفي التجنيس: لو قرأ سورة ثم قرأ الثانية سورة قبلها ساهياً لايجب عليه السجود لأن مراعاة ترتيب السور من واجبات نظم القرآن، لا من واجبات الصلاة، فتركها لايوجب سجود السهو. (البحرالرائق، سجود السهو: ۱۰۲/۲، دارالكتاب الإسلامي بيروت. انيس)

(۲) اگر کوئی اس طرح پڑھ لے تو نماز کراہت کے ساتھ جائز ہوگی، سجدۂ سہو واجب نہیں ہوگا۔ انیس

(۳) ويكره الفصل بسورة قصيرة وأن يقرأ منكوسًا إلا إذا ختم فيقرأ من البقرة...و لا يكره في النفل شيء من ذلك. (الدرالمختار)

وفي التاترخانية: إذا جمع بين سورتين في ركعة رأيت في موضع أنه لابأس به. وذكرشيخ الإسلام: لاينبغي له أن يفعل، إلخ. (رد المحتار، فصل في القراءة: ۵۱۰/۱، ظفير)

==

نماز میں ترتیب سوَر کا لحاظ:

سوال: ترتیب سوَر قرآنیہ کا نماز میں کیا حکم ہے؟ مثلاً ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ﴾ کے بعد ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب

فرائض وواجبات میں اس تقدیم وتاخیر کو مکروہ لکھا ہے اور نوافل میں درست ہے۔ (۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/ ۲۳۶-۲۳۷) ☆

== (کتاب الصلاة،باب صفة الصلاة،مطلب الاستماع للقرآن فرض کفاية،قبيل باب الإمامة،انيس)

☆ قرأت میں ترتیب:

سوال: ہماری مسجد میں امام صاحب نے عشا کی نماز کی پہلی رکعت میں سورۂ بقرہ کا آخری رکوع اور دوسری رکعت میں دوسرے پارہ کے دوسرے رکوع کی تلاوت فرمائی، نماز ختم ہونے کے بعد ایک صاحب نے یہ اعتراض کیا، تلاوت میں تسلسل کا لحاظ نہیں کیا گیا ہے، نیز سجدۂ سہو بھی نہیں کیا گیا، اس لئے نماز کا اعادہ ضروری ہے، ان کے اصرار کے بعد نماز کو دوبارہ لوٹا لیا گیا تو کیا اس صورت میں نماز کا لوٹانا ضروری ہے؟　　(محمد افضل، عثمانیہ یونیورسٹی کالونی، شیخ پیٹھ)

الجواب

جو صورت آپ نے ذکر کی ہے، اس میں نماز ادا ہوگئی، نماز کو دہرانے کی ضرورت نہیں تھی؛ تاہم اس طرح قرآن پڑھنا بہتر نہیں ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

”ولو قرأ في ركعة من وسط سورة أومن آخرسورة وقرأ فى الركعة الأخرىٰ من وسط سورة أخرى أومن آخر سورة أخرى لاينبغي له أن يفعل ذلك علىٰ ما هوظاهرالرواية،و لكن لوفعل ذلك لا بأس به،كذا فى الذخيرة“.(الفتاوى الهندية،كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة: ۸۷/۱،الفصل الرابع فى القراء ة.محشی)

ترجمہ: ”اگر ایک رکعت میں کسی سورہ کا وسطی یا آخری حصہ پڑھے، اور دوسری رکعت میں دوسری سورت کا وسطی یا آخری حصہ، تو یہ مناسب نہیں، یہی ظاہر روایت ہے؛ لیکن اگر ایسا کر ہی گزرے، تو جائز ہے“۔

اگر دوسرے پارہ سے مراد کوئی اور پارہ نہیں، بلکہ پارہ سیقول ہے، تو یہ صورت خلاف ترتیب قرآن پڑھنے کی ہے، قصداً ترتیب کی خلاف ورزی مکروہ ہے؛ لیکن نماز ہو جاتی ہے۔ (کتاب الفتاویٰ:۲/ ۱۹۶-۱۹۷)

(۱) ويكره الفصل بسورة قصيرة وأن يقرأ منكوسًا ... ولايكره فى النفل شيء.(الدرالمختار)

(قوله وأن يقرأ منكوسًا)بأن يقرأ فى الثانية سورة أعلىٰ مما قرأ فى الأولىٰ؛لأن ترتيب السور فى القراء ة من واجبات التلاوة.(رد المحتار،فصل في القراء ة: ۵۱۰/۱،ظفير)(كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة،فصل فى القراء ة، مطلب الاستماع للقرآن فرض كفاية،قبيل باب الامامة: ۵۴٦/۱،دارالفكر،انيس)

☆ نماز میں سورتوں کے درمیان ترتیب:

سوال: قرآن میں جس ترتیب سے سورتیں ہیں، اسی ترتیب سے نماز میں سورتیں پڑھنا ضروری ہے یا نہیں؟
(عائشہ جبین، تالاب کٹہ) ==

آیتوں میں ترتیب:

سوال: نماز میں کسی نے ایک آیت طویل اور تین آیتیں چھوٹی پڑھیں، تو ان تین آیتوں میں ترتیب ضروری ہے یا نہیں؟ اور اگر کسی نے ایک آیت چھوٹی پڑھی، اس کے بعد دو یا تین آیت سہواً چھوڑ کر پھر تین یا چار آیت پڑھی، تو نماز ہوئی یا نہیں؟ مثلاً سورۂ صف کی اول آیت پڑھی اور دوسری تیسری سہواً چھوڑ کر چوتھی آیت سے آخر رکوع تک پڑھ کر رکعت پوری کی۔

الجواب ــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

سورۂ صف کے پڑھنے میں اگر ایک دو آیتیں پڑھنے کے بعد چند آیتیں سہواً چھوٹ گئیں اور اس کے بعد کی آیتیں ترتیب کے ساتھ پڑھی گئیں تو نماز درست ہوگئی، نہ اعادہ کی حاجت ہے اور نہ سجدۂ سہو کی۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

ابوالمحاسن محمد سجاد کان اللہ لہ-۱۱/۲/۱۳۴۷ھ-(فتاویٰ امارت شرعیہ:۱/۴۴) ☆

==　　　　الجواب ــــــــــــــــ

فقہا نے لکھا ہے کہ نماز میں سورتوں کو ترتیب سے پڑھنا واجب ہے، لیکن اگر کسی وجہ سے ترتیب قائم نہ رہ سکی، تو نہ سجدۂ سہو واجب ہوگا اور نہ نماز کو لوٹانا، گویا اس کی نماز کچھ نقص کے ساتھ ہوگئی۔

"إذا قرأ في الركعة الأولىٰ سورة وقرأ في الركعة الثانية سورة قبلها لا سهو عليه". (الفتاویٰ التاتارخانية: ۱/۱۷۷)

ترتیب سے مراد یہ ہے کہ پہلی رکعت میں جو سورت پڑھی گئی ہے، دوسری رکعت میں اس کے بعد والی سورت پڑھی جائے۔(کتاب الفتاویٰ:۲/۲۰۳-۲۰۵)

(۱) وإذا انتقل من آية إلى آية أخرىٰ من سورة أخرىٰ أو من هذه السورة وبينهما آيات يكره. (المحيط البرهاني، الفصل الرابع في كيفيتها: ۱/۳۰۴، دارالكتب العلمية بيروت. انيس)

☆ نماز میں آیات وسورتوں کا خلاف ترتیب پڑھنا:

سوال: کوئی امام پہلی رکعت میں انتیسویں پارہ کی کوئی سورۃ پڑھے اور دوسری رکعت میں دوسرے پارہ کی آیات پڑھے، تو نماز ہوئی یا نہیں، اگر ہوئی تو کیسی نماز ہوئی؟

الجواب ــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

قرآن شریف جس ترتیب سے ہے، اس کے خلاف نماز میں پڑھنا مکروہ ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

ابوالمحاسن محمد سجاد کان اللہ لہ-۱۹/۱۱/۱۳۴۴ھ-(فتاویٰ امارت شرعیہ:۱/۴۳-۴۴)

خلاف ترتیب سورتیں نماز میں پڑھنا مکروہ تحریمی ہے:

سوال: امام یا منفرد نماز فرض یا سنت ونفل میں پہلی رکعت میں ''لِإِيلَافِ'' اور دوسری میں ''سورۂ فیل'' یا پہلی رکعت میں ''سورۂ فیل'' اور دوسری میں '' أَلَمْ نَشْرَحْ'' پڑھیں تو نماز مکروہ تحریمی ہوئی یا مکروہ تنزیہی اور نماز قابل اعادہ ہے یا نہیں؟

الجواب

نماز فرض وواجب میں اس طرح برعکس ترتیب یعنی معکوس پڑھنا مکروہ تحریمی ہے،(۱) اور نوافل میں مکروہ نہیں ہے۔

''وأن يقرأ منكوسًا،الخ، ولايكره فى النفل شئ من ذلك''الخ.(۲)

اور امام ومنفرد کا حکم اس بارہ میں برابر ہے۔(فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۲/۲۲۴) ☆

(۱) قالوا:يجب الترتيب فى سور القرآن،فلوقرأ منكوسًا أثم لكن لايلزمه سجود السهو؛لأن ذلك من واجبات القراءة لا من واجبات الصلاة،كما ذكره فى البحرفى باب السهو،الخ. (رد المحتار،باب صفة الصلاة: ۱/۴۲۶، ظفير) (مطلب كل صلاة أديت مع كراهة التحريم تجب إعادتها،انيس)

(۲) الدرالمختار علٰى هامش رد المحتار، فصل فى القراءة:۱/۵۱۰-۵۱۱،ظفير)(كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة، فصل فى القراءة،مطلب الاستماع للقرآن فرض كفاية،قبيل باب الإمامة،انيس)

☆ قراءت خلاف ترتیب کی کراہت:

سوال: استفتاء نمبر:۲۴۹۵،موصول ہوا، آپ نے نمبر:۳ میں تحریر فرمایا ہے کہ فرائض اور واجبات میں اس تقدیم وتاخیر کو مکروہ لکھا ہے اور نوافل میں درست ہے، مجھے اس میں کچھ کلام ہے۔

آج میری نظر سے بخاری شریف کی ایک حدیث گذری، جس میں یوسف بن مالک راوی ہیں کہ آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا کہ!''اے ام المومنین مجھے اپنا قرآن شریف دکھا دیجئے؟ آپ نے فرمایا: کیوں؟ کہا: اس لئے کہ اس کی ترتیب کے موافق اپنا قرآن کراؤں، اس لئے کہ لوگ بے ترتیب پڑھ رہے ہیں، آپ نے فرمایا کہ تیرا کچھ حرج نہیں ہے، جونسی آیت چاہے پڑھ لے''۔(الصحيح للبخاري،باب تأليف القرآن (ح:۴۹۹۳)انيس)

اور مجھے یاد پڑتا ہے کہ بخاری شریف میں کہیں لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز پڑھائی، تو پہلی رکعت میں سورۂ کہف اور دوسری میں سورۂ یوسف پڑھی۔(صحیح البخاری تعلیق:۱/۱۵۴،دارطوق النجاۃ۔انیس) اس سے معلوم ہوا کہ یہ تقدیم وتاخیر مکروہ نہیں ہے۔

الجواب

بندہ نے جو کچھ دربارہ کراہت خلاف ترتیب فرائض میں پڑھنے کو لکھا تھا، وہ حنفیہ کا مذہب ہے اور اس میں احتیاط ہے، باقی یہ اس کا مطلب نہ تھا کہ اس میں کسی کا خلاف نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ بعض دیگر حضرات اس کو مکروہ نہ کہتے ہوں، مگر حنفیہ کا مذہب وہ ہے جو بندہ نے لکھا ہے، چنانچہ درمختار میں اس کی تصریح ہے۔(ويكره الفصل بسورة قصيرة و أن يقرأ منكوسًا... ولايكره فى النفل شئ من ذلك.(الدرالمختار علٰى هامش رد المحتار،فصل فى القراءة: ۱/۵۱۰، ظفير)(كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة،فصل فى القراءة ،مطلب الاستماع للقرآن فرض كفاية،قبيل باب الامامة،انيس) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۲/۲۴۹)

خلاف ترتیب قرأت کا کیا حکم ہے:

سوال: فرضوں کی پہلی رکعت میں ﴿قُلْ هُوَ اللّٰه﴾ اور دوسری میں ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ﴾ پڑھی جاوے، تو جائز ہے یا مکروہ؟ اور تراویح کی پہلی رکعت میں "قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ" اور دوسری میں سورۂ بقرہ کی چند آیات پڑھنا کیسا ہے؟ اور پہلی رکعت میں غلطی سے سولہویں پارہ کا رکوع پڑھا اور دوسری میں پندرہویں پارہ کا رکوع پڑھا، یہ صورت مکروہ ہے یا کیا؟

الجواب

پہلی رکعت فرض میں ﴿قُلْ هُوَ اللّٰه﴾ اور دوسری رکعت میں ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَق﴾ پڑھنا جائز ہے، مکروہ نہیں ہے۔(۱) اسی طرح تراویح میں پہلی رکعت میں ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾ اور دوسری رکعت میں اول سورۂ بقرہ سے چند آیات پڑھنا جائز ہے، (۲) اور سہواً اگر پہلی رکعت میں سولہویں پارہ کا رکوع اور دوسری رکعت میں پندرہویں پارہ کا رکوع پڑھا گیا، تو اس میں بھی کچھ کراہت نہیں ہے، البتہ فرضوں میں قصداً ایسا نہ کرنا چاہئے کہ مکروہ ہے بھول کر ہو تو کچھ حرج نہیں ہے۔ (۳) (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲/۲۵۷-۲۵۸) ☆

---

(۱) اس میں کراہت کی کوئی وجہ نہیں ہے، اس لئے کہ ترتیب کے مطابق ہے، البتہ خلاف ترتیب مکروہ ہے۔

"ویکره الفصل بسورة قصیرة وأن یقرأ منکوسًا. (الدر المختار علی هامش رد المحتار، باب صفة الصلاة، فصل فی القراءة: ۱/۵۱۰)

اور اگر شبہ ہو کہ ﴿قُلْ هُوَ اللّٰه﴾ چھوٹی ہے اور ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَق﴾ بڑی، تو یہ برائے نام ہے اور کراہت کے لئے تین آیت سے زیادہ ہونا چاہئے۔

"(وإطالة الثانیة علی الأولٰی یکره) تنزیهًا (إجماعًا إن بثلاث آیات) الخ (وإن بأقل لا) یکره. (أیضًا: ۱/۵۰۶) والله أعلم، ظفیر) (کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فصل فی القراءة، قبل باب الإمامة، انیس)

(۲) وإذا قرأ فی الأولٰی ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾ ینبغی أن یقرأها فی الثانیة أیضًا إلخ وفی الولوالجیة: من یختم القرآن فی الصلاة إذا فرغ من المعوذتین فی الرکعة الأولٰی یرکع ثم یقوم فی الرکعة الثانیة یقرأ بفاتحة الکتاب وشئ من البقرة. (غنیة المستملی: ۴۶۳، ظفیر)

(۳) أفاد أن التنکیس أو الفصل بالقصیرة إنما یکره إذا کان عن قصد، فلو سهوًا فلا، کما فی شرح المنیة. (رد المحتار، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فصل فی القراءة، مطلب الاستماع للقرآن فرض کفایة، قبیل باب الإمامة: ۱/۵۱۰، ظفیر)

☆ خلاف ترتیب قراءت کا کیا حکم ہے:

سوال: در قراءة تقدیم "اَلَمْ نَشْرَحْ" وتاخیر "وَالضُّحٰی" جائز است یا نہ؟ واگر سہواً ایں چنیں کند سجدۂ سہو ہست یا نہ؟ (قراءت میں "اَلَمْ نَشْرَحْ" کو مقدم کرنا اور "وَالضُّحٰی" کو مؤخر کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر سہواً ایسا کرے، تو سجدۂ سہو ہے یا نہیں؟) ==

پہلی رکعت میں مزمل کا حصہ اور دوسری میں بقرہ کا حصہ پڑھا، تو نماز ہوئی یا نہیں:

سوال: امام نے مغرب کی اول رکعت میں بعد الحمد شریف پہلا رکوع سورہ مزمل کا پڑھا، دوسری رکعت میں پہلا رکوع ''الٓم'' کا پڑھا اور سجدۂ سہو بھی نہیں کیا، نماز صحیح ہوئی یا نہیں؟

الجواب

اس صورت میں نماز صحیح ہوگئی اور سجدۂ سہو لازم نہیں ہوا، مگر آئندہ اس طرح خلاف ترتیب قرآنی نہ پڑھنا چاہئے کہ اس طرح پڑھنا فرائض میں مکروہ ہے۔ **کذا فی الدر المختار:**

''ویکره الفصل بسورة قصيرة وأن يقرأ منكوسًا''. (۱) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲/۲۳۷)

پہلی رکعت میں پارہ ستائیس سے اور دوسری میں پہلے سے پڑھے، تو کیا حکم ہے:

سوال: نماز جمعہ میں رکعت اول میں ستائیسویں پارہ میں سے ایک رکوع پڑھا گیا اور رکعت دوئم میں پارہ اول میں سے ایک رکوع پڑھا، نماز درست ہوئی یا نہیں؟

الجواب

اس طرح پڑھنا فرائض میں مکروہ ہے، اس لئے کہ یہ خلاف ترتیب قرآنی ہے۔

درمختار میں ہے:

''ويكره الفصل بسورة قصيرة وأن يقرأ منكوسًا''. (الدرالمختار)

(قوله وأن يقرأ منكوسًا) بأن يقرأ في الثانية سورة أعلىٰ مما قرأ في الأولىٰ لأن ترتيب السور في القراءة من واجبات التلاوة، الخ. (ردالمحتار: ۳٦٧) (۲) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲/۲۴۱)

==

الجواب

قصداً تقدیم ''اَلَمْ نَشْرَحْ'' وتاخیر ''وَالضُّحٰی'' نکند وبحالت سہو، سجدۂ سہو نیست۔ (قصداً ''اَلَمْ نَشْرَحْ'' کو مقدم اور ''وَالضُّحٰی'' کو مؤخر نہ کرے، اور سہو کی حالت میں سجدۂ سہو نہیں ہے۔) **(في الدرالمختار: ''ويكره الفصل بسورة قصيرة وأن يقرأ منكوسًا''. قال الشامي: لأن ترتيب السور في القراءة من واجبات التلاوة (إلىٰ أن قال) إنما يكره إذا كان عن قصد فلو سهوًا فلا. (ردالمحتار، باب صفة الصلاة، في فصل القراءة، مطلب الاستماع للقرآن فرض كفاية: ۱/۵۱۰، جميل الرحمن)** (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲/۲٦۸)

(۱) **ردالمحتار، فصل في القراءة: ۱/۵۱۰، ظفير) (الدر المختار علىٰ صدر ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب الاستماع للقرآن فرض كفاية، قبيل باب الإمامة، انيس)**

(۲) **رد المحتار، باب صفة الصلاة، فصل في القراءة، مطلب الاستماع للقرآن فرض كفاية: ۱/۵۱۰، ظفير**

نماز میں مختلف سورتوں کا رکوع پڑھنا کیسا ہے:

سوال: ایک سورۃ کا رکوع پڑھنا رکعت اول میں اور اسی سورت یا دوسری سورت کا رکوع پڑھنا دوسری رکعت میں، یا دوسری پوری سورت کا پڑھنا دوسری رکعت میں، یا ایک سورت کو دو رکعت میں پڑھنا جائز ہے یا خلاف اولیٰ؟

الجواب

جواب اول یہ ہے کہ یہ سب خلاف استحباب ہے۔ حنفیہ کے نزدیک مسنون و مستحب یہ ہے کہ پوری سورت ایک رکعت میں مفصل میں سے موافق ترتیب فقہا کے پڑھے جو معروف ہے اور کتب فقہ میں مذکور ہے۔

قال الشامی: لأن السنة فی الحضر فی کل رکعة سورة تامة، کما یأتی. (۱)

وفیه بعد صفحة: مع أنهم صرحوا بأن الأفضل فی کل رکعة الفاتحة وسورة تامة. (۲)

پس جزء سورت کا پڑھنا خلاف افضل وخلاف مستحب ہے، جس کا مآل کراہت تنزیہی ہے نہ کہ کراہت تحریمی۔ (۳) فقط

(فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲/۲۵۲-۲۵۳)

نماز میں متفرق پاروں سے قرأت جائز ہے:

سوال: میں نے بیشتر فرائض میں متفرق سیپاروں کے رکوع اور مختلف سیپاروں اور سورتوں کی آیات پڑھی ہیں، یہ جائز ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو اس سے نمازوں میں کچھ فرق تو نہیں آیا؟

الجواب

جو عمل آپ کا پہلے رہا ہے متفرق آیات نماز میں پڑھنے کا، اس میں کچھ گناہ نہیں ہوا اور نمازوں میں کچھ فرق نہیں آیا۔ البتہ آئندہ کو فرائض میں ہر ایک رکعت میں پوری سورۃ پڑھا کریں، یہ سنت ہے۔ ایک سورت کو دو رکعت میں نہ کریں، متفرق آیات ورکوع بھی نہ پڑھا کریں۔ نفلوں میں درست ہے۔ (۴) (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲/۲۵۹)

---

(۱) **رد المحتار، فصل فی القراءة: ۱/۵۰۳، ظفیر (کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب السنة تکون سنة عین وسنة کفایة، انیس)**

(۲) **أیضًا: ۱/۵۰۵۔**

(۳) **وفی الخلاصة: إذا قرأ سورة واحدة فی رکعتین اختلف فیه، والأصح أنه لایکره، ولکن لاینبغی أن یفعل ولو فعل لابأس به، ولو قرأ وسط السورة أو آخر سورة فی الأولیٰ، وفی الثانیة وسط سورة أو آخر سورة أخریٰ: أی لاینبغی أن یفعل، ولو فعل لابأس به، وفی نسخة الحلوانی: قال بعضهم یکره. (فتح القدیر، کتاب الصلاة، فصل فی القراءة، فروع مهمة فی القراءة خارج الصلاة: ۱/۲۹۹، ظفیر)**

(۴) **الأفضل أن یقرأ فی کل رکعة الفاتحة و سورة کاملة فی المکتوبة، إلخ ولو قرأ بعض السورة فی رکعة ==**

رکعات نماز میں مختلف سورتوں کے رکوع پڑھیں، تو کوئی مضائقہ نہیں:

سوال: کوئی امام اگر اس طرح قرأت پڑھا کرے کہ مثلاً اس کو ہر پارہ کا ایک ایک رکوع یاد ہے اور ہر نماز میں ایک رکوع پڑھتا ہے، اسی طرح بالترتیب تمام ختم کر لیتا ہے پھر بعد ختم ابتدا سے شروع کرتا ہے۔ اس طرح جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

اس طرح پڑھنے سے نماز ہو جاتی ہے، لیکن افضل یہ ہے کہ ہر ایک میں پوری سورۃ پڑھے، اس طریقے سے کہ جس طرح فقہا نے لکھا ہے کہ صبح اور ظہر کی نماز میں طوال مفصل اور عصر وعشا میں اوساطِ مفصل اور مغرب میں قصارِ مفصل میں سے کوئی سورت پڑھے۔(۱) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۲/۲۴۶)

فرض میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جز وسورۃ کا پڑھنا صراحتاً ثابت نہیں:

سوال: فرض نماز میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی وقت میں علاوہ سورتوں کے رکوع پڑھے ہیں یا نہیں؟

الجواب

کتب فقہ میں یہ لکھا ہے کہ ہر ایک رکعت میں پوری سورت پڑھنا مستحب اور سنت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اکثر پوری ہی سورت پڑھی اور شاید کبھی علاوہ سورت کے کہیں سے کوئی رکوع پڑھا ہو، مگر تصریح نہیں ہے۔(۲) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۲/۲۳۸)

== والبعض فی ركعة قيل:يكره،وقيل: لايكره وهوالصحيح ،...ولكن لاينبغي أن يفعل ولوفعل لابأس به،كذا في الخلاصة،ولوقرأ في ركعة من وسط سورة أومن آخرسورة وقرأ في الركعة الأخرىٰ من وسط سورة أخرىٰ أومن آخرسورة أخرىٰ لاينبغي لـه أن يفعل ذلک علىٰ ما هوظاهرالرواية و لكن لوفعل ذلک لابأس به ... هذا كله في الفرائض وأما في السنن فلايكره.(الفتاوىٰ الهندية،كشورى،الباب الرابع فى صفة الصلاة،الفصل الرابع فى القراء ة: ۷۷/۱،ظفير)

(۱) واستحسنوا في الحضرطوال المفصل في الفجروالظهر،وأوسطه في العصروالعشاء و قصاره في المغرب الخ الأفضل أن يقرأ في كل ركعة الفاتحة وسورة كاملة في المكتوبة، الخ.(الفتاوىٰ الهندية، المصرية،الباب الرابع في صفة الصلاة،الفصل الرابع في القراء ة: ۷۲/۱_۷۳،ظفير)

عن سليمان بن يسارعن أبي هريرة أنه قال:مارأيت رجلا أشبه بصلاة رسول الله صلى الله عليه وسلم من فلان لإمام كان بالمدينة قال سليمان بن يسار:فصليت خلفه،فكان يطيل الأوليين من الظهر ويخفف الأخريين ويخفف العصر ويقرأ في الأوليين من المغرب بقصار المفصل ويقرأ في الأوليين من العشاء من وسط المفصل ويقرأ في العداة بطوال المفصل.(مسندالإمام أحمد،مسند أبي هريرة (ح:۸۳٦٦)

عن الحسن وغيره قال:كتب عمرإلى أبي موسىٰ أن اقرأ في المغرب بقصارالمفصل وفي العشاء بوسط المفصل وفي الصبح بطوال المفصل.(مصنف عبدالرزاق،باب مايقرأ في الصلاة (ح:۲٦۷۲)انيس)

(۲) مع أنهم صرحوا بأن الأفضل في كل ركعة الفاتحة وسورة تامة.(رد المحتار،فصل في القراءة: ۵۰۵/۱) (كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة،مطلب السنة تكون سنة عين وسنة كفاية،انيس)

سنت ووتر میں متفرق آیات پڑھنے کا حکم:

سوال: سنت مؤکدہ اور وتر میں متفرق آیات پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب

وتر اور سنت مؤکدہ میں بھی بہتر پوری سورۃ پڑھنا ہے؛ لیکن متفرق آیات پڑھنا بھی جائز ہے۔(۱)

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۲۵۹-۲۶۰)

پہلی رکعت میں رکوع اور دوسری میں سورۃ کی قرأت کی جائے، تو کیا حکم ہے:

سوال: جو لوگ اول رکعت میں رکوع اور دوسری رکعت میں سورۃ جو رکوع سے بڑی نہیں ہوتی پڑھتے ہیں، یہ جائز ہے یا مکروہ؟

الجواب

کراہت اس میں کچھ نہیں ہے؛(۲) البتہ فضیلت اس میں ہے کہ دونوں رکعت میں پوری پوری سورت پڑھی جاوے۔(کذا فی الشامی) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۲۳۵) ☆

(۱) لوقرأ فی رکعة من وسط سورة أومن آخرسورة وقرأ فی الرکعة الأخریٰ من وسط سورة أخریٰ أومن آخر سورة أخریٰ لاینبغی له أن یفعل ذلک علیٰ ما هوظاهرالروایة ولکن لوفعل ذلک لابأس به (إلیٰ قوله)هذا کله فی الفرائض وأما فی السنن فلایکره.(الفتاویٰ الهندیة،الباب الرابع فی صفة الصلاة، کشوری،الفصل الرابع فی القراء ة:۱/۷۷)

(۲) وکذا لوقرأ فی الأولیٰ من وسط سورة أومن سورة أولها ثم قرأ فی الثانیة من وسط سورة أخریٰ،الخ، أوسورة قصیرة الأصح أنه لایکره.(رد المحتار،فصل فی القراء ة: ۱/۵۱۰)(کتاب الصلاة،باب صفة الصلاة،مطلب الاستماع للقرآن فرض کفایة،قبیل باب الإمامة ،انیس)

مع أنهم صرحوا بأن الأفضل فی کل رکعة الفاتحة وسورة تامة.(أیضًا،مطلب السنة تکون سنة عین وسنة کفایة: ۱/۵۰۵،ظفیر)

☆ فجر کی ایک رکعت میں ایک رکوع پڑھا اور دوسری میں کوئی سورت تو کیا حکم ہے:

سوال: فجر یا کسی نماز میں کسی سورۃ کا رکوع، اور دوسری رکعت میں کسی سورۃ کا جزو یا کل پڑھا تو درست ہے یا نہیں؟

الجواب

مستحب یہ ہے کہ ہر رکعت میں پوری سورۃ پڑھے۔(والأفضل أن یقرأ فی کل رکعة سورةتامة ولوقرأ بعض السورة فی رکعة وباقیها فی رکعة قیل یکره والصحیح أنه لا یکره،إلخ.(الکبیری: ٤٦٢) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۲۶۶)

پہلی رکعت میں ایک سورۃ کا ایک حصہ اور دوسری میں دوسری سورت کا حصہ پڑھا جائے تو درست ہے یا نہیں؟

سوال: اگر امام اول رکعت میں ایک سورت کا پہلا رکوع پڑھے، اور دوسری رکعت میں دوسرا رکوع پڑھے، تو جائز ہے یا نہیں؟

سورۂ ناس کا نصف پہلی رکعت میں اور نصف دوسری میں پڑھنا:

سوال: ایک شخص نے رکعت اولیٰ میں سورۃ الناس شروع کردی، نصف سورت پڑھ کر رکوع کردیا اور نصف سورت رکعت ثانی میں پڑھی، آیا نماز ہوئی یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ

نماز ہوگئی۔ (۱) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۲۴۲) ☆

ایک سورۃ کوئی حصے کرکے نماز میں پڑھنے کا حکم:

سوال: بعض امام جو سورت قرآن کی دو رکعتوں میں دو ٹکڑے کرکے پڑھتے ہیں، یا کہیں سے رکوع پڑھ دیتے ہیں، یہ سنت ہے یا خلاف اولیٰ ہے یا مکروہ ہے؟

== لجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ

نماز درست ہے۔(ولوقرأ بعض السورة فی ركعة والبعض فی ركعة قيل يكره وقيل لايكره وهو الصحيح، كذا فی الظهيرية.(الفتاویٰ الهندية المصرية،الباب الرابع فی صفة الصلاة،الفصل الرابع فی القراء ة :۷۳/۱، ظفير) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۲۳۵)

(۱) ولوقرأ بعض السورة فی ركعة وباقيها فی ركعة قيل يكره والصحيح أنه لايكره. (غنية المستملی شرح منية المصلی، تتمات: ۴۶۲،ظفير)

عن ابن مسعود أنه قرأ سورة بنی إسرائيل إلی قوله ﴿قل ادعوا الله أو ادعوا الرحمن﴾ فی الركعة الأولیٰ ثم قام إلی الثانية وختم السورة.(بدائع الصنائع:۲۰۶/۱،دارالكتب العلمية.انيس)

☆ **ایک سورت کو دو رکعت میں تقسیم کرکے پڑھنے کا حکم:**

سوال: ایک شخص نے ایک سورت کی تلاوت شروع کی، ایک رکعت میں دو تہائی سورہ پڑھ کر رکوع کرلیا، سورت کا بقیہ حصہ دوسری رکعت میں پڑھا، اس طرح کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــ حامدًا و مصليًا

ایک رکعت میں پوری سورت پڑھنی چاہئے، لیکن اگر دو رکعت میں تقسیم کرکے پڑھا ہے، تو بھی نماز ہوجائے گی۔

"الأفضل أن يقرأ فی كل ركعة الفاتحة وسورة كاملة فی المكتوبة ولوقرأ بعض السورة فی ركعة والبعض فی ركعة قيل:يكره وقيل:لا يكره،وهو الصحيح، كذا فی الظهيرية.ولكن لاينبغی أن يفعل ولوفعل لابأس به". (الفتاویٰ الهندية: ۷۸/۱)(الباب الرابع فی صفة الصلاة،إلخ،الفصل الرابع فی القراء ة،انيس) فقط والله تعالیٰ أعلم بالصواب

حررہ العبد حبیب اللہ القاسمی۔ (حبیب الفتاویٰ:۳/۵۲)

الجواب

فی الهندية: الأفضل أن يقرأ فی كل ركعة الفاتحة وسورة كاملة فی المكتوبة، فإن عجز الآن يقرأ السورة فی الركعتين كذا فی الخلاصة. ولو قرأ بعض السورة فی ركعة والبعض فی ركعة قيل: يكره وقيل لايكره وهو الصحيح كذا فی الظهيرية، ولكن لاينبغی أن يفعل ولو فعل لا بأس به، كذا فی الخلاصة، ولو قرأ فی ركعة من وسط سورة أو من آخر سورة وقرأ فی الركعة الأخرى من وسط سورة أخرىٰ أو من آخر سورة أخرىٰ لا ينبغی له أن يفعل ذلک علىٰ ماهو ظاهر الرواية، و لكن لو فعل ذلک لا بأس به كذا فی الذخيرة، فی الحجة لو قرأ فی الركعة الأولىٰ آخر سورة و فی الركعة الثانية سورة قصيرة كما لو قرأ آمن الرسول فی ركعة وقل هو اللّٰه أحد فی ركعة لايكره، كذا فی التتارخانية. قراءة آخر السورة فی الركعتين أفضل من قراءة السورة بتمامها إن كان آخرها أكثر آية من السورة وإن كانت السورة أكثر آية فقرأتها أفضل، هٰكذا فی الذخيرة. (۱)

روایات مرقومہ سے معلوم ہوا کہ صورت مسئولہ میں بقول اصح مکروہ نہیں؛ مگر عادۃ اس کے خلاف اولیٰ ہے اور اگر احیاناً ہوتو ایک درجہ میں مسنون بھی ہے۔

روی مسلم عن ابن عباس قال: كان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يقرأ فی ركعتی الفجر ﴿قُوْلُوْا آمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْنَا﴾ والتی فی آل عمران ﴿قُلْ يَآ أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ﴾ (۲)

۳؍محرم ۱۳۲۸ھ (تتمہ اولی، صفحہ: ۲۴) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱؍۲۴۹-۲۵۰)

نصف آیت سے قرأت کی ابتدا مناسب نہیں:

سوال: زید ہمیشہ نماز میں قرأت نصف آیت سے شروع کرتا ہے، نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟

الجواب

نماز ہو جاتی ہے؛ لیکن ایسا نہ کرنا چاہئے کہ یہ امر نا مشروع اور خلاف قواعد ہے۔ (۳) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲؍۲۴۰)

(۱) الباب الرابع فی صفة الصلاة، الفصل الرابع فی القراءة: ۱/ ۴۹.

(۲) مشكوٰة المصابيح، كتاب الصلوٰة، فصل أول من باب القراءة فی الصلوٰة: ۱/ ۲۶۷ (الصحيح لمسلم، باب استحباب ركعتی سنة الفجر (ح: ۷۲۷) انیس)

(۳) والأفضل أن يقرأ فی كل ركعة سورة تامة. (غنية المستملی: ۴۶۲)

==

آیت کا شروع چھوڑ کر قرأت کی جائے تو نماز ہوئی یا نہیں:

سوال: امام نے بعد سورۂ فاتحہ، سورۂ فتح کے آخر رکوع کی آخیر آیت ﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ﴾ چھوڑ کر یعنی ﴿وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ اَشِدَّآءُ﴾ (الآیة) یعنی ﴿مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ أَجْرًا عَظِيْمًا﴾ تک پڑھا نماز ہوئی یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــــــــــ

نماز ہوگئی، مگر شروع آیت کا چھوڑنا اچھا نہیں ہوا۔(۱) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۲۶۳)

سورۂ بنی اسرائیل کی آیت ﴿سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا﴾ سے قرأت کی ابتدا کرنا خلاف اولیٰ ہے:

سوال: ایک شخص نے سورۂ بنی اسرائیل سے قرأت اس طرح کی کہ ﴿سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَا﴾ سے ابتدا کی اور اس کے بعد ختم رکوع تک پڑھتا چلا گیا، نماز کے بعد زید نے کہا کہ نماز فاسد ہوگئی؛ کیوں کہ معنی متغیر ہوگئے، اگر ﴿وَاِنْ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ﴾ سے ابتدا کی جاتی تو نماز درست ہوجاتی، عمرو نے کہا کہ نماز اب بھی درست ہوگئی ہے، اعادہ واجب نہیں، پس فیصلہ فرمایا جائے کہ ان دونوں میں صحیح قول کس کا ہے؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــــــــــ

اس طرح قرأت کرنا خلاف اولیٰ ضرور تھا؛(۲) مگر نماز صحیح ہوگئی، اعادہ کی ضرورت نہیں۔

لأن فواصل الآی فی أنفسها مقاطع فاذا جاز الوقف علیٰ قوله ﴿اِلَّا قَلِيْلاً﴾ جاز الابتداء بقوله ﴿سنة من قد أرسلنا﴾ أيضًا لجواز الفصل بين الحال وذی الحال کقوله تعالیٰ ﴿صِبْغَةَ اللّٰهِ﴾ وهو حال من قوله ﴿بَلْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيْمَ حَنِيْفًا﴾ (علیٰ قول وهو کما) تری مفصول واللّٰه تعالیٰ أعلم

۱۸/رجب ۱۳۴۷ھ۔ (امداد الاحکام:۲/۱۹۵-۱۹۶)

== سورۃ کے بعض حصے کو پڑھنا اور کچھ بعض حصہ کو نہ پڑھنے کو فقہا نے مکروہ لکھا ہے تو آیت ادھوری پڑھنا کب مناسب ہوگا۔

ولوقرأ بعض السورة فی رکعة وباقيها فی رکعة قيل يکره والصحيح أنه لايکره. (أيضًا، ظفير)

(۱) الأفضل أن يقرأ فی کل رکعة الفاتحة وسورة کاملة فی المکتوبة إلخ ولوقرأ فی رکعة من وسط سورة أومن آخرسورة وقرأ فی الرکعة الأخریٰ من وسط سورة أخریٰ أومن آخرسورة أخریٰ لاينبغی له أن يفعل ذلک علیٰ ما هو ظاهر الرواية ولکن لوفعل ذلک لابأس به کذا فی الذخيرة، (الفتاویٰ الهندية المصرية، الباب الرابع فی صفة الصلاة، الفصل الرابع فی القراءة: ۷۳/۱، ظفير)

(۲) لکون الوصل بين الحال وذی الحال حسناً.

فرض نماز میں بتدریج پورا قرآن:

سوال: زید نے فرض نماز میں امام ہوکر تمام قرآن شریف تین چار ماہ میں پڑھا، اخیر پارہ ایک ایک رکعت میں کئی کئی سورہ اور اخیر رکعت میں کسی قدر ﴿الٓمٓ﴾ سے ﴿مفلحون﴾ تک پڑھا، تو اس فرض نماز میں کچھ کراہت ہے یا نہیں؟

الجواب

اس میں تو کچھ حرج نہیں ہے کہ اگر پہلی رکعت میں قرآن شریف ختم کرے، مثلاً ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾ پڑھی تو دوسری رکعت میں سورۂ بقرہ میں سے کچھ آیتیں پڑھیں۔ کما فی الشامی عن شرح المنیة :

من یختم القرآن فی الصلاة إذا فرغ من المعوذتین فی الرکعة الأولٰی یرکع ثم یقرأ فی الثانیة بالفاتحة وشیء من سورة البقرة لأن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم قال: خیر الناس الحال المرتحل: أی الخاتم المفتتح، الخ. (۱)

لیکن فرائض کی ایک ایک رکعت میں کئی کئی سورتیں پڑھنا تو اچھا نہیں؛ یعنی خلاف اولیٰ ہے۔ (۲) فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲/۲۴۹، ۲۵۰)

نماز میں سورۃ انشقاق وغیرہ پڑھنے کا حکم:

سوال: فرضوں میں سورۂ اقرأ، سورۂ انشقاق یعنی سجدہ والی سورت ارادةً پڑھنی کیسی ہیں اور ان کے پڑھنے سے نماز ہوجاتی ہے یا نہیں؟

---

(۱) رد المحتار، فصل فی القراءة: ۱/۵۱۰، ظفیر (کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب الاستماع للقرآن فرض کفایة، انیس)

عن رجل من الأسکندریة قال: قیل یا رسول اللّٰه ! أی العمل أفضل ؟قال: الحال المرتحل، قال: قیل له: ما الحال المرتحل؟ قال: الخاتم المفتتح .(الزهد والرقائق لابن المبارک والزهد لنعیم بن حماد (ح: ۸۰۰)/ ورواه الدارمی عن زرارة بن أوفٰی عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم، باب فی ختم القرآن (ح: ۳۵۱۹)/ ورواه الترمذی عن زرارة بن أوفٰی عن ابن عباس عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم ، باب منه (ح: ۲۹۴۸) : ۵/۴۸، دار الغرب الإسلامی بیروت لبنان وقال الترمذی: هذا حدیث غریب لانعرفه من حدیث ابن عباس إلا من هذاالوجه وإسناده لیس بالقوی ، حدثنا محمد بن بشار قال: حدثنا مسلم بن إبراهیم قال: حدثنا صالح المری عن قتادة عن زرارة بن أوفٰی عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم نحوه بمعناه ولم یذکر فیه عن ابن عباس وهذا عندی أصح من حدیث نصر بن علی عن الهیثم بن الربیع. انیس)

(۲) ولوجمع بین سورتین فی رکعة لاینبغی أن یفعل ولوفعل لابأس به. (فتح القدیر، فصل فی القراءة: ۱/۲۹۹، ظفیر)(کتاب الصلاة، فروع مهمة فی الفتاوٰی، انیس)

الجواب

اگر مقتدی زیادہ نہ ہوں تو سورۂ انشقاق پڑھنے میں کچھ کراہت نہیں اور اگر زیادہ ہوں (جن کے اشتباہ میں پڑنے کا اندیشہ ہو) تو سورۂ انشقاق اور اسی طرح وہ سورتیں، جن میں آیت سجدہ کے بعد تین آیتیں ہوں، ان کا پڑھنا مکروہ ہے۔(۱) (امدادالاحکام:۲/۱۹۶)

نماز میں سورۂ لہب کی تلاوت:

سوال: میرے ایک عزیز کہتے ہیں کہ نماز میں سورۂ لہب نہیں پڑھنی چاہئے، تو کیا نماز میں اس سورہ کے پڑھنے کی ممانعت ہے؟ (محمد جہانگیرالدین، باغ امجدالدولہ)

الجواب

قرآن مجید کی کوئی بھی سورت نماز میں پڑھی جاسکتی ہے۔

''یقرأ فاتحة الكتاب وسورةً أوثلث آيات من أي سورة شاء''.(۲)

اگراس سورہ کے پڑھنے میں کوئی قباحت ہوتی، تو یہ سورت نازل ہی نہیں ہوتی، یا نازل ہوتی تو تلاوت منسوخ کردی جاتی؛ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔اس لیے عوام میں جو یہ بات مشہور ہے کہ سورۂ لہب نہیں پڑھنی چاہئے، یہ درست نہیں۔

(کتاب الفتاویٰ:۲/۲۰۲-۲۰۳)

---

(۱) وإذا قرأ آية السجدة من بين آى السورة فالأولٰى أن يقرأ معها آيات وإن اكتفٰى بقراءة آية السجدة لم يضره لأن قراءة آية السجدة من بين الآى كقراءة سورة من بين السور وذلک لا بأس به والمستحب أن يقرأ معها آيات ليكون أدل على المعنٰى والإعجاز ولأنه ربما يعتقد هو أو بعض السامعين منه زيادة فضيلة فى آية السجدة ومن حيث إن قراءة الكل سواء فلهذا يستحب أن يقرأ معها آيات.(المبسوط للسرخسى،باب سجود التلاوة: ٤/٢، دار المعرفة بيروت)

وإذا قرأ الإمام آية السجدة فى صلاة الجمعة فعليه أن يسجد ويسجد معه أصحابه لأن الجمعة ظهر مقصورة فيقاس بالظهر الممدودة فعليه أن يسجد ويسجد معه أصحابه فكذا إذا قرأها فى الجمعة، قال شمس الأئمة الحلوانى رحمه اللّٰه:قال مشائخنا:المسألة فى زماننا إذا قرأها الإمام فى الجمعة أن لايسجد لها لامتداد الصفوف وكثرة القوم فإن المكبر إذاكبر لها ظن القوم أنه كبر للركوع فيركعون وفيه من الفتنة مالا يخفٰى وهكذا فى صلاة العيد، قال شمس الأئمة:هكذا سألت القاضى الإمام الأستاذ رحمه اللّٰه هل يكره لإمام أن يقرأ سورة فيها سجدة يوم الجمعة كما يكره فى صلاة الظهر؟قال:ليست فيه رواية وينبغى أن يكره لأن الجمع فى حق من لا يسمع قراءة الإمام كصلاة مايجهر فيهابالقراءة.(المحيط البرهانى فى الفقه النعمانى،الفصل الحادى والعشرون فى سجدة التلاوة: ٢١/٢، دارالفكر بيروت.انيس)

(۲) الهداية، كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة: ٨٧/١.

امام کو مخصوص سورتوں کا حکم:

سوال: امام کو حکم کرنا کہ فلاں فلاں سورت نماز میں پڑھو اور امام کو ایسا کرنا جائز ہے یا مکروہ؟

الجواب

اگر موافق سنت سورۃ کا امر کیا جاوے، تو اس میں کچھ حرج نہیں ہے۔(۱) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۲۵۰)

ایک رکعت میں دو سورتیں پڑھنا کیسا ہے:

سوال: عشا یا صبح کی نماز میں امام ایک رکعت میں دو سورتیں پڑھے، تو کچھ کراہت تو نماز میں نہیں آئی؟

الجواب

ایک رکعت میں دو سورتیں پڑھنا خلاف اولیٰ ہے، نماز ہو جاتی ہے اور خلاف اولیٰ سے مراد کراہت تنزیہی ہے۔

قال فی الشامی: وذکر شیخ الإسلام لاینبغی له أن یفعل علٰی ما هو ظاهر الروایة، اه، وفی شرح المنیة: الأولٰی أن لایفعل فی الفرض ولوفعل لایکره أی لایکره تحریمًا. (۲) فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۲۵۵) ☆

(۱) عن جابر. رضی اللّٰه تعالٰی عنه. قال: کان معاذ بن جبل. رضی اللّٰه تعالٰی عنه. یصلی مع النبی صلی اللّٰه علیه وسلم ثم یأتی فیؤم قومه فصلی لیلة مع النبی صلی اللّٰه علیه وسلم العشاء، ثم أتی قومه فأمهم، فافتتح بسورة البقرة، فانحرف رجل فسلم، ثم صلی وحده وانصرف، فقالوا له، أنافقت یا فلان! قال: لا واللّٰه، ولاٰتین رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فلأخبرنه. فأتی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فقال: یارسول اللّٰه! إنا أصحاب نواضح، نعمل بالنهار وأن معاذًا صلی معک العشاء ثم أتی قومه فافتتح بسورة البقرة فأقبل رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم علٰی معاذ فقال: یا معاذ! أفتان أنت؟ اقرأ، ''وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا، وَالضُّحٰی، وَ اللَّیْلِ اِذَا یَغْشٰی، وَسَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلٰی''. متفق علیه. (مشکوٰة، کتاب الصلاة، باب القراءة فی الصلاة: ۷۶، ظفیر)

(۲) اس عبارت سے پہلے یہ ہے: إذا جمع بین سورتین فی رکعة رأیت فی موضع أنه لابأس به، ظفیر) (رد المحتار، باب صفة الصلاة، فصل فی القراءة، مطلب الاستماع للقرآن فرض کفایة: ۱/۵۱۰، انیس)

وکذا لوجمع بین سورتین فی رکعة واحدة الأولٰی أن لایفعل فی الفرض ولوفعل لایکره. (غنیة المستملی: ۴۶۲)

ولوجمع بین سورتین فی رکعة لاینبغی أن یفعل ولوفعل لابأس به. (فتح القدیر، فصل فی القراءة: ۱/۲۹۹، ظفیر)

☆ سورۂ فاتحہ کے ساتھ ایک رکعت میں دو سورتیں:

سوال: اگر امام سورۂ فاتحہ کے بعد دو سورتوں کی تلاوت کرے تو کیا نماز میں کوئی فرق آئے گا؟ اور نماز ہو جائے گی یا دوبارہ نماز پڑھنی ہوگی؟ (حکیم محمد اکبر نقشبندی، درگاہ یوسفین، نامپلی) ==

مختلف سورتوں کے متفرق رکوع ایک نماز میں پڑھنے کا حکم:

سوال: اگر کسی نے مثلاً: سورۂ بقرہ کا دوسرا رکوع نصف، ایک رکعت میں پڑھا اور سورۂ آل عمران کا دوسرا رکوع نصف، دوسری رکعت میں، یا سورۂ بقرہ کا ہی تیسرا رکوع نصف، دوسری رکعت میں پڑھا، تو نماز ہوئی یا نہیں، یا مکروہ ہوئی؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

سب طرح درست ہے۔ فقط

(بدست خاص، ص:۱۸) (باقیات فتاویٰ رشیدیہ:۱۷۱)

فرض نمازوں میں دو سورتیں کامل یا ان کے کچھ کچھ حصّے پڑھنے کا حکم:

سوال: فرض نمازوں میں دو سورتیں کامل یا دو سورتوں کے کچھ کچھ حصے پڑھ سکتے ہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

یہ سوال سمجھ میں نہیں آیا، کیا یہ مطلب ہے کہ ایک رکعت میں دو سورتیں کامل یا دو سورتیں کے کچھ کچھ حصے پڑھے، یا دو رکعتوں میں ایسا کرے کہ پہلی صورت میں فرض نمازوں میں مکروہ ہے اور دو رکعتوں میں دو سورتیں کامل پڑھنے میں شبہ کیا ہے، ایسا ہی کرنا چاہئے کہ ہر رکعت میں ایک سورت کامل پڑھے اور اگر ایک رکعت میں ایک سورت کا کچھ حصہ اور دوسری میں دوسری سورت کا کچھ حصہ پڑھ دیا تو یہ بھی جائز ہے، مگر خلافِ اولیٰ ہے۔ اس لئے گاہے تو مضائقہ نہیں مگر عادی نہ ہونا چاہئے۔(۱)

۲۴؍شعبان ۱۳۴۲ھ۔ (امداد الاحکام:۲/۱۸۲-۱۸۳)

==

الجواب ــــــــــــــــــــ

ایک رکعت میں سورہ فاتحہ کے ساتھ مسلسل دو سورتیں ملانے میں کوئی حرج نہیں، اگر ایک سورت پڑھ کر درمیان میں ایک یا چند سورتیں چھوڑ کر آگے سے کوئی سورت ملائے، تو نماز تو اس صورت میں بھی ہو جائے گی؛ لیکن ایسا کرنا مکروہ ہے۔ (فتاویٰ ہندیہ:۱/۷۸)

(کتاب الفتاویٰ:۲/۲۰۴-۲۰۵)

(۱) قرأ سورة في ركعتين فالأصح أنه لايكره لكن لا ينبغي أن يفعل ولو فعل لابأس به ... وكذا لو قرأ وسط سورة أو آخرها في الأولىٰ وفي الثانية كذلك من أخرىٰ فلا بأس به إلا أنه لايفعله، وفي القنية قرأخاتمة السورة في ركعتين مكروه إتفاقاً،وفي نسخة الحلواني قال بعضهم:يكره،وفي الفتاوىٰ:القراءة في ركعتين من آخرالسورة أفضل أم سورة بتمامها؟ العبرة للأكثر وينبغي أن يقرأ في الركعتين آخر سورة واحدة لا آخر سورتين فإنه مكروه عندالأكثر ولا بأس بأن يقرأ سورة ويعيدها في الثانية كما روى عن ذلك من فعله عليه الصلاة والسلام، كذا في الشرح ==

جو سورت پہلی رکعت میں پڑھی بھول سے دوسری میں اسی کو دہرادیا تو کیا حکم ہے:

سوال: ایک شخص نے سہواً جو رکعت اولیٰ میں سورۃ پڑھی تھی وہی رکعت ثانیہ میں پڑھ لی تو نماز میں کچھ نقصان آیا یا نہیں؟

الجواب

نماز میں کچھ نقصان نہیں آیا۔(۱) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۲۴۲) ☆

== وجزم فی القنیة بالکراهة والظاهر أنها تنزیهیة ولفظ لا بأس لا ینافیها ویحمل فعله علیه الصلاة والسلام علی بیان الجواز هذا إذا لم یضطر فإن اضطر بأن قرأ فی الأولٰی قل أعوذ برب الناس أعادها فی الثانیة إن لم یختم القرآن فی رکعة فإن فصل قرأ فی الثانیة من البقرة، کذا فی المجتبیٰ ولا ینبغی أن یجمع بین سورتین فی رکعة فإن فعل لابأس وحکی فی القنیة قولین فی الکراهة وعدمها والانتقال من أی سورة إلی أخریٰ أو من هذه السورة إلی غیرها وبینهما آیات مکروه وکذا الجمع بین سورتین بینهما سور أو سورة فی رکعة أما فی رکعتین فإن کان بینهما سورتان لا یکره أو سورة قیل یکره وقیل لا یکره ولو قرأ فی الأولٰی سورة وفی الثانیة ما فوقها کره فإن جری ذلک علی لسانه فتذکر قطع وقیل یتمها ،الخ. (النهر الفائق، خاتمة فی مسائل القراءة: ۱/۲۳۶-۲۳۷، دار الکتب العلمیة. انیس)

(۱) لابأس أن یقرأ سورة ویعیدها فی الثانیة. (الدرالمختار)

أفاد أنه یکره تنزیهًا وعلیه یحمل جزم القنیة بالکراهة ویحمل فعله علیه الصلوٰة والسلام لذلک علیٰ بیان الجواز، هذا إذا لم یضطر فإن اضطر بأن قرأ فی الأولٰی ﴿قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾ ... أعادها فی الثانیة إن لم یختم. (رد المحتار، فصل فی القراءة: ۱/۵۱۰، ظفیر) (کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب الاستماع للقرآن فرض کفایة، انیس)

البتہ ایسا کرنا مکروہ تنزیہی ہے۔انیس

☆ دو رکعتوں میں ایک ہی سورت کی مکرر قرأت:

سوال: نماز میں ایک ہی سورت کو پہلی اور دوسری رکعت میں پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ کیوں کہ مجھے صرف پانچ سورتیں یاد ہیں۔
(بشریٰ بانو، مہدی پٹنم)

الجواب

قرآن کا پڑھنا نماز میں فرض ہے، اس کے بغیر نماز درست نہیں ہوتی اور کچھ متعینہ مقدار مسنون ہے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات ومعمولات سے ثابت ہے، اس لیے کم از کم اتنا قرآن یاد رکھنا ضروری ہے کہ پنج وقتہ نمازیں ادا کی جاسکیں، ورنہ گناہ ہوگا اور کوشش کرنی چاہئے کہ مسنون قراءت کی مقدار یاد کرلیں، کیوں کہ مسلسل ترکِ سنت بھی باعث گناہ ہے، اس لیے آپ مزید قرآن مجید یاد کرنے پر توجہ دیں؛ فرائض وواجبات میں تکرار سورت مکروہ تنزیہی ہے۔ صاحبِ درمختار لکھتے ہیں:

''لا بأس أن یقرأ سورة ویعیدها في الثانیة''. (الدرالمختار مع رد المحتار: ۲/۲۶۲) (باب صفة الصلاة، فصل فی القراءة، مطلب الاستماع للقرآن فرض کفایة، انیس)

اس عبارت پر علامہ شامیؒ اپنا وضاحتی نوٹ یوں لکھتے ہیں: ==

ہر رکعت میں سورہ کے ساتھ سورۂ اخلاص پڑھنا کیسا ہے:

سوال: ایک امام نے نماز جہری میں بعد الحمد کے جو سورہ پڑھی، اس سورت کے ساتھ ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ﴾ پڑھ کر رکوع وسجود کیا اور دوسری رکعت میں الحمد کے ساتھ کوئی اور سورہ ملا کر اس کے بعد ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ﴾ پڑھے، تو حنفیہ کے نزدیک یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

فرائض میں عند الحنفیہ ایسا کرنا مکروہ ہے۔(۱)

شرح منیہ میں ہے:

"والحاصل أن تكرار السورة الواحدة في ركعة واحدة مكروه في الفرض ذكره في فتاویٰ قاضي خان وكذا تكرارها في ركعتين منه بأن قرأها في الأولیٰ ثم كررها في الركعة الثانية يكره ذكره في القنية لكن هذا إذا كان بغير ضرورة بأن كان يقدر قراءة سورة أخریٰ أما إذا لم يقدر فلا يكره، إلخ، ولا يكره تكرار السورة في ركعة أو في ركعتين في التطوع، الخ.(۲)

پس معلوم ہوا کہ فرائض میں ایسا کرنا مکروہ ہے اور نوافل میں جائز ہے۔ فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲/۲۳۴-۲۳۵) ☆

== "أفاد أنه يكره تنزيهًا". (رد المحتار مع الدر المختار: ۲/۲۶۲)

البتہ نفل نمازوں میں تکرار سورت میں حرج نہیں۔ (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/۲۶۳) جب آپ کو پانچ سورتیں یاد ہیں تو آپ فرض کی دو یا واجب کی تین رکعتوں میں علاحدہ سورتیں بھی پڑھ سکتیں ہیں۔ (کتاب الفتاویٰ: ۲/۲۰۶-۲۰۷)

(۱) کیوں کہ صورت مسئولہ میں سورہ اخلاص کا تکرار بلاضرورت ہے۔ انیس

(۲) غنية المستملي: ۳۴۳. (مکروہ سے مراد مکروہ تنزیہی ہے۔ انیس)

☆ ہر رکعت میں سورۂ اخلاص کا تکرار فرائض میں نہیں چاہئے:

سوال: امرتسر کے گرد ونواح میں گاؤں کے رہنے والے حضرات پہلی رکعت میں بعد سورۂ فاتحہ کے سورۂ اخلاص پڑھتے ہیں اور دوسری رکعت میں بھی سورۂ اخلاص پڑھتے ہیں۔ آیا ایسا کرنا چاہئے یا نہیں؟ اگر کوئی دہقانی نہ جانتا ہو تو اس کے لئے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

طریق سنت یہ ہے کہ ایک سورۃ کو بار بار پہلی اور دوسری رکعت میں نہ پڑھیں، بلکہ مختلف سورتیں ہر رکعت میں بہ رعایت ترتیب پڑھیں، مثلاً پہلی رکعت میں ﴿قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ﴾ اور دوسری رکعت میں ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ﴾ پڑھنی چاہئے۔ اسی طرح کبھی کوئی سورت، کبھی کوئی سورت پڑھنی چاہئے، یہ نہیں کہ پہلی رکعت میں ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ﴾ اور دوسری رکعت میں بھی ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ﴾ پڑھی جاوے، یہ طریقہ غیر مقلدوں کا ہے کہ ہر ایک رکعت میں سورۂ اخلاص ہی کو مکرر پڑھا جاوے۔ (ولا يتعين شئ من القرآن لصلاة على طريق الفرضية، الخ، ويكره التعيين. (الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار، باب صفة الصلاة، فصل في القراءة: ۱/۵۰۸)

==

حکم تکرار ﴿قُلْ هُوَ اللّٰه اَحَدٌ﴾:

سوال: قُلْ هُوَ اللّٰه ُ کے بارے میں مشہور ہے کہ تین مرتبہ پڑھنا مسنون ہے، اگر کوئی شخص صرف ایک مرتبہ تلاوت کرتا ہے، تو اس پر اعتراض کیا جاتا ہے، اس بارہ میں جو شرع شریف کا حکم ہو، اس سے آگاہی بخشی جاوے۔

الجواب

تکرار قُلْ هُوَ اللّٰه فی نفسہ مباح ہے؛ مگر جہاں ترک تکرار سے اعتراض ہوتا ہو، وہاں ترک لازم ہے؛ تاکہ لوگ اس کو واجب نہ سمجھ لیں۔(۱) واللہ اعلم

۲/ذیقعدہ ۱۳۴۵ھ۔ (امداد الاحکام:۲/۲۰۲)

== لابأس أن يقرأ سورة ويعيدها في الثانية. (الدرالمختار)(قوله لابأس،إلخ)أفاد أنه يكره تنزيهًا وعليه يحمل جزم القنية بالكراهة ويحمل فعله عليه الصلوٰة والسلام لذلک علٰی بيان الجوازهذا إذا لم يضطر. (رد المحتار،باب أيضًا: ۱/۵۱۰، ظفير)(صفة الصلاة،فصل فی القراء ة، مطلب الاستماع للقرآن فرض كفاية،انيس)

البتہ جس شخص کو اور کوئی سورۃ یاد نہ ہو، اس کو مجبوری ہے۔ پس آپ لوگ جو حنفی ہیں موافق طریق سنت کے قراءۃ پڑھیں، ہر ایک رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد مختلف سورتیں ترتیب کے موافق پڑھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ مختلف سورتیں نماز میں پڑھی ہیں، ایسا نہیں کیا کہ صرف سورۂ اخلاص کو ہر ایک رکعت میں پڑھا ہو۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۲۴۲-۲۴۳)

(۱) عن رجل من جهينة أنه سمع النبی صلی اللّٰه عليه وسلم يقرأ فی الصبح ﴿إِذَا زُلْزِلَتِ﴾ فی الركعتين كلتيهما فلا أدری أنسی رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم أم قرأ ذلک عمداً؟. (سنن أبی داؤد،باب الرجل يعيد سورة واحدة فی الركعتين (ح:۷۹٤)

وبهذا الحديث قال بعض مشايخنا: إنه إذا كرر سورة فی ركعتين لا يكره، وقيل يكره، وفی الأصل إذا قرأسورة واحدة فی ركعتين اختلف المشايخ فيه والأصح أنه لايكره ولكن ينبغی أن لا يفعل ولوفعل لا بأس به. (شرح أبی داؤد للعينی:۳/٤۸۳، مكتبة الرشد الرياض)

ولو كرر سورة فی الركعتين يكره إلا فی النفل. (شرح الحكام شرح غررالأحكام، مكروهات الصلاة :۱/۱۱۱، دارإحياء الكتب العربية)

ويكره أن يتخذ شيئاً من القرآن مؤقتاً لشیء من الصلوات يعنی لا يقرأ غيرها فی تلک الصلوات لأن فی هجرها سوءاً وإذا فعل ذلک فی بعض الأوقات لا بأس به، وفی بعض شروح الجامع الصغير أن هذه الكراهة فيما إذا اعتقد أن الصلاة لا تجوز بدونها إلا أن قراء ة هذه السورة أيسر عليه لا بأس به وإذا كرر آية واحدة مراراً فإن كان ذلک فی التطوع الذی يصلی وحده فكذلک غيرمكروه فقد ثبت عندنا عن جماعة من السلف أنهم كانوا يحيون ليلتهم بآية العذاب أو آية الرحمة أو آية الرجاء أو آية الخوف وإن كان ذلک فی صلاة الفريضة فهو مكروه لأنه لم ينقل إلينا عن واحد من السلف أنه فعل ذلک وهذا كله فی حالة الاختيار وأما فی حالة العذر والنسيان فلا بأس به واللّٰه أعلم. (المحيط البرهانی فی الفقه النعمانی،الفصل الرابع فی كيفيتها: ۱/۳۰۵، دارالكتب العلمية بيروت. انيس)

نماز میں آیت کے دہرانے سے نماز فاسد نہیں ہوتی:

سوال: زید فرض مغرب کے پڑھا رہا ہے، اول رکعت میں بعد سورۂ فاتحہ کے سورۂ فیل شروع کی اور ﴿طَيۡرًا اَبَابِيۡلَ﴾ کو دو مرتبہ پڑھا، اول مرتبہ ''لام'' کو سکون اور دوسری مرتبہ ''لام'' کو زبر کے ساتھ کہہ کر رکوع کر دیا اور دوسری رکعت میں بعد ختم سورۂ فاتحہ کے سورۂ قریش شروع کی اور پوری سورت پڑھی آیا نماز ہوگئی یا نہیں، یا سجدۂ سہو کرنا چاہئے تھا؟

الجواب

اس صورت میں نماز صحیح ہوگئی۔ سجدۂ سہو کی اور اعادہ کی ضرورت نہ تھی۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۲۳۸)

☆☆☆

(۱) وقرأ بعدها وجوبًا (سورة أوثلاث آيات)و لو كانت الآية والآيتان تعدل ثلاث ايات قصار.(الدرالمختار علىٰ هامش رد المحتار،باب صفة الصلاة،فروع:قرأ بالفارسية أوالتوراة أوالإنجيل: ١/٤٥٩، ظفير)

إذاكررآية واحدة مرارًا إن كان في التطوع الذى يصليه وحده فذلک غيرمكروه وإن كان في الفريضة فهو مكروه،وهذا في حالة الاختيارأما في حالة العذروالنسيان فلابأس به.(غنيةالمستملى: ٤٦٢،ظفير)

مسنون ومستحب قرأت کے مسائل

نماز فجر میں طوال مفصل:

سوال: فقہا صبح کی نماز میں طوال مفصل کو پڑھنا اور چالیس آیت پڑھنا مسنون کہتے ہیں اور بعض سور طوال مفصل بیس آیت ہیں، دوسورتیں پڑھنے سے چالیس آیتیں ہوں گی، کیا کرنا چاہئے؟

الجواب

افضل اور بہتر یہ ہے کہ ہر ایک رکعت میں پوری سورت پڑھے، پس صبح کی نماز کی ہر ایک رکعت میں پوری سورت طوال مفصل کی پڑھے، سنت ادا ہو جاوے گی، آیتوں کا لحاظ نہ کرے، خواہ چالیس ہوں یا کم وبیش۔(۱) فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۲۴۴) ☆

(۱) (و)يسن (في الحضر) لإمام ومنفرد، الخ (طوال المفصل)من الحجرات إلىٰ اٰخرالبروج (في الفجروالظهر،الخ)أي في كل ركعة سورة مما ذكر.(الدرالمختار)

أي من الطوال والأوساط والقصار،ومقتضاه أنه لانظرإلىٰ مقدارمعين من حيث عدد الآيات،الخ.(رد المحتار،باب صفة الصلاة،فصل في القراء ة،مطلب السنة تكون سنة عين وسنة كفاية: ۱/ ۵۰۵،ظفير)

أبوهريرة يقول:مارأيت أحداً أشبه بصلاة رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم من فلان لأمير كان بالمدينة قال سليمان:فصليت أنا وراء ه فكان يطيل في الأوليين ويخفف الأخريين ويخفف العصر وكان يقرأ في المغربين بقصارالمفصل وفي الأوليين من العشاء بوسط المفصل وفي الصبح بطول المفصل.(صحيح ابن خزيمة،باب ذكرالليل على أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم،الخ : ۱/ ۲۶۱،رقم الحديث: ۵۲۰،المكتب الإسلامي بيروت/الصحيح لابن حبان،ذكرالإباحة للمرء أن يقتصر على القمار،رقم الحديث: ۱۸۳۷/السنن الكبرىٰ للبيهقي،باب قدرالقراء ة في المغرب.انيس)

☆ فجر میں قرأت کی مقدار:

سوال: فجر کی نماز میں کس قدر قرأت پڑھنا سنت ہے؟

الجواب

طوال مفصل کی سورتیں صبح کی نماز میں پڑھنا سنت ہے، یعنی سورۂ حجرات سے سورۂ بروج تک۔((و)يسن (في الحضر) لإمام ومنفرد،الخ (طوال المفصل)من الحجرات إلى اٰخرالبروج(في الفجروالظهر). (الدرالمختارعلىٰ هامش رد المحتار : ۱/ ۵۰۳،باب صفة الصلاة،فصل في القراء ة،مطلب السنة تكون سنة عين وسنة كفاية،ظفير) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۲۶۱)

وقت کی تنگی کے وقت نمازِ فجر میں چھوٹی سورتیں درست ہیں:

سوال: صبح کی نماز میں وقت تھوڑا تھا، اس وجہ سے اول رکعت میں ''سورۂ کافرون'' اور دوسری رکعت میں ''سورۂ اخلاص'' پڑھی، بعد نماز ایک صاحب نے یہ فرمایا کہ نماز مکروہ تحریمی ہوئی، بڑی سورت پڑھنی چاہئے تھی؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــ

وہ نماز بلا کراہت صحیح ہوگئی، یہ کہنا کسی کا کہ یہ نماز مکروہ تحریمی ہوئی، غلط ہے۔ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز میں ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ﴾ اور ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾ پڑھی ہے۔پس معلوم ہوا کہ جبکہ وقت تھوڑا ہو، یا سفر وغیرہ عجلت ہو تو چھوٹی سورتوں کا فجر کی نماز میں پڑھنا درست ہے۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۲۳۷)

کسی مقتدی کو جماعت میں شریک نہ کرنے کے لئے امام کا قرأت مختصر کرنا:

سوال: باوجود ہونے معمولی وقت کے، اگر امام کسی مقتدی کو دیکھ کر بایں خیال کہ یہ مقتدی جماعت میں شامل نہ ہو، فجر کی نماز میں ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ وقُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاس﴾ پڑھے، تو نماز مکروہ ہوئی یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــ

اگر امام فی الواقع مخالفت مقتدی کی وجہ سے اور غرض فاسد سے چھوٹی قرأت پڑھتا (کرتا) ہے تو گنہگار ہے اور اگر غرض صحیح ہے تو کچھ حرج نہیں اور کوئی کراہت نہیں۔(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (تالیفات رشیدیہ:۲۸۰)

(۱) (ويسن في السفر مطلقًا) أى حالة قرار أو فرار... (الفاتحة) وجوبًا (وأى سورة شاء) وفي الضرورة بقدر الحال. (الدرالمختار) وفي الشامية: أى سواء كان في الحضر أو السفر... (رد المحتار، فصل في القراء ة: ۵۰۳/۱، ظفير)

... لأنه عليه الصلوٰة والسلام قرأ في الفجر بالمعوذتين، الخ. (رد المحتار، كتاب الصلاة، مطلب السنة تكون سنة عين وسنة كفاية: ۵۰۵/۱، انيس)

عن عقبة بن عامر قال: كنت مع النبي صلى الله عليه وسلم في سفر فلما طلع الفجر أذن وأقام ثم أقامني عن يمينه وقرأ بالمعوذتين فلما انصرف قال: كيف رأيت؟ قلت: قد رأيت يارسول الله قال: فاقرأ بهما كلما نمت وكلما قمت. (مصنف ابن أبي شيبة، في المعوذتين (ح: ۳۰۲۱۱)/ مسندالروياني، جبير بن نفير عن عقبة بن عامر (ح: ۲۴۴)/ صحيح ابن حبان، باب ذكر الإباحة للمرء أن يقتصر في القراء ة في صلاة الصبح (ح: ۱۸۱۸) انيس)

(۲) عن قيس قال: أخبرني أبومسعود أن رجلاً قال: والله يارسول الله إني لأتأخر عن صلاة الغداة من أجل فلان مما يطيل بنا فما رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم في موعظة أشد غضباً منه يومئذٍ ثم قال: إن منكم منفرين فأيكم ما صلى بالناس فليتجوز فيهم الضعيف والكبير وذا الحاجة. (الصحيح للبخاري، باب تخفيف الإمام في القيام وإتمام الركوع والسجود (ح: ۷۰۲)

قال الملا على القاري: وفيه وعيد على من يسعى في تخلف الغير عن الجماعة، قلت: ولو بإطالة الطاعة. (مرقاة المفاتيح، باب ما على الإمام: ۸۷۲/۳، دارالفكر بيروت. انيس)

کھڑے ہوکر مختصر قرأت یا بیٹھ کر طویل قرأت:

سوال: میری عمر تقریباً چوراسی سال ہے، مجھے بلڈ پریشر و دل کی خرابی کی بیماری بھی ہے، علاج جاری ہے، چلنے سے سانس پھولتی ہے، پنج وقتہ نماز کے لئے مسجد جایا کرتا ہوں، بعض اوقات اندھیرے کی وجہ سے یا بارش یا کمزوری کی وجہ سے مسجد نہیں جاپاتا ہوں، گھر پر ہی نماز پڑھ لیتا ہوں، مسجد میں نماز باجماعت پڑھنے سے ظاہر ہے بہت زیادہ ثواب ہے، اس لئے میں گھر میں زیادہ ثواب کے خیال سے بڑی بڑی سورتیں پڑھنا چاہتا ہوں؛ لیکن صحت اجازت نہیں دیتی، سانس پھولتی ہے، جس کی وجہ سے بجائے کھڑے ہوکر نماز پڑھنے کے اسٹول پر بیٹھ کر تخت پر سجدہ کرتے ہوئے بڑی بڑی سورت جو چالیس تا پچاس آیتوں پر مشتمل ہوتی ہے، پڑھتا ہوں، دریافت طلب امر یہ ہے کہ صحت یا موسم کی خرابی کی وجہ سے گھر پر زیادہ ثواب کے خیال سے بڑی بڑی سورت اسٹول پر بیٹھ کر ادا کرنا بہتر رہے گا یا گھر پر ہی کھڑے ہوکر تین چار آیتوں کی تلاوت سے نماز فرض وسنت، تہجد، صلاۃ التسبیح وغیرہ ادا کرنا بہتر رہے گا؟

(ایک قاری، قلعہ گولکنڈہ)

الجواب

اگر بیماری، بارش یا تاریکی کی وجہ سے مسجد جانے میں دشواری ہو تو ایسے شخص کے حق میں جماعت میں شرکت واجب نہیں، گھر پر بھی نماز ادا کرنا درست ہے۔

" فسقط الجماعة بعذر من ... المطر الشديد ... والمرض ".(۱)

عذر کی بنا پر فرائض و واجبات بھی بیٹھ کر ادا کی جاسکتی ہیں؛ لیکن اگر کھڑے ہوکر مختصر قرأت پڑھنے پر قادر ہو اور بیٹھ کر طویل قرأت کرسکتا ہو تو فرائض و واجبات میں کھڑے ہوکر ہی نماز ادا کرنی چاہئے؛ کیونکہ قیام فرض ہے،(۲) اور طویل قرأت جس کا احادیث میں ذکر آیا ہے،(۳) مسنون یا مستحب، تو محض ایک مستحب کے لئے فرض کیونکر چھوڑا جاسکتا ہے؟ بلکہ فقہا نے لکھا ہے کہ اگر تکبیر تحریمہ یا قرأت کے کچھ حصہ کے بقدر کھڑے ہونے پر قادر ہو تو واجب ہے کہ اتنا حصہ کھڑا ہوکر ادا کرے اور باقی بیٹھ کر۔

---

(۱) الهداية: ۱/۱۶۱ (وتسقط بالأعذار كالريح في الليلة المظلمة لا بالنهار، كما في السراج، والمطر والطين والبرد الشديد والظلمة الشديدة في الأصح .(النهر الفائق، باب الإمامة: ۱/۲۳۹، دارالكتب العلمية بيروت. انيس)

(۲) لأن القيام ركن في باب الصلاة.(بدائع الصنائع، فصل في شرائط ركن التيمم: ۱/۴۸، دارالكتب العلمية. انيس)

(۳) دیکھئے: صحيح البخاري، رقم الحديث: ۷۷۹، باب يطول في الركعة الأولىٰ . محشی

(عن أبي قتادة أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يطيل في الركعة الأولىٰ من صلاة الظهر ويقصر في الركعة الثانية ويفعل ذلك في صلاة الصبح. انيس)

”حتی لو قدر أن یکبر قائما للتحریمة ... أو کان یقدر علی القیام لبعض القراء ة دون تمامها، فإنه یؤمر أن یکبر قائما ویقرأ ما یقدر علیه قائما ثم یقعد إذا عجز“. (۱)

نفل نمازیں بلا عذر بھی بیٹھ کر ادا کی جاسکتی ہیں، اس لئے نماز تہجد، صلاۃ التسبیح وغیرہ طویل قرأت کے ساتھ بیٹھ کر ادا کرلیں، اس میں کوئی حرج نہیں۔ (کتاب الفتاویٰ:۲/۱۹۳-۱۹۵)

سورۂ ضحیٰ کے ختم پر تکبیر کہنا:

سوال: سورۂ ضحیٰ سے سورۂ ناس تک ہر سورہ کے آخر میں تکبیر کہنا جنت سے متعلق آیات کی تلاوت کے وقت اس کی تمنا کرنا یا دوزخ سے متعلق آیات کی قرأت کے وقت اس سے پناہ مانگنا اور اسی طرح ”سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلٰی“ کی تلاوت کے وقت ”سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی“ کہنا، یا اسی طرح اور دوسری آیات وغیرہ، کیا یہ تمام صورتیں فرائض اور نفل نماز میں یا خارج صلوۃ تلاوت کے وقت حنفی اور شافعی مذہب میں جائز ہیں اور ان کا کیا مرتبہ ہے؟

الجواب

امام احمد وابوداؤد نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ”سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلٰی“ کی تلاوت کے وقت ”سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی“ فرماتے، (۲) اور علامہ جلال الدین محلی اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ سورہ ضحیٰ کے نازل ہونے پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تکبیر کہی اور دوسرے لوگوں کو سورہ ضحیٰ اور اس کے بعد کی تمام سورتوں کے آخر میں تکبیر کے لئے حکم فرمایا۔ (۳) علامہ سیوطی نے تفسیر اتقان میں احادیث جمع کیں اور امام مسلم نے اپنی صحیح میں نقل کیا، حضرت حذیفہ فرماتے ہیں کہ ایک رات میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رکعت میں سورہ بقرہ، سورہ آل عمران اور سورۂ نسا

(۱) الجوهرة النيرة، كتاب الصلاة، باب صلاة المريض: ۱/۹۵/ تبيين الحقائق، باب صلاة المريض: ۱/۲۰۰، بولاق

قال الفقيه أبو جعفر رحمه الله: يؤمر بأن يقوم مقدار ما يقدر فإذا عجز قعد حتى إنه إذا كان قادراً على أن يكبر قائماً ولا يقدر على القيام للقراء ة أو كان يقدر على القيام ببعض القراء ة دون تمامها إنه يؤمر بأن يكبر قائماً ويقرأ ما يقدر عليه قائماً ثم يقعد إذا عجز وبه أخذ الشيخ الإمام شمس الأئمة الحلواني رحمه الله. (المحيط البرهاني، الفصل الحادي والثلاثون في صلاة المريض: ۲/۱۴۱، دار الكتب العلمية بيروت. انيس)

(۲) عن ابن عباس أن النبي صلى الله عليه وسلم كان إذا قرأ سبح اسم ربك الأعلى، قال: سبحان ربي الأعلى. (مسند الإمام أحمد بن حنبل، مسند عبدالله بن عباس (ح: ۲۰۶۶)/ سنن أبي داؤد، باب الدعاء في الصلاة (ح: ۸۸۳) انيس)

(۳) والسنة في قراء ة أهل مكة من أول سورة "والضحى" على رأس كل سورة حتى يختتم القرآن فيقول: الله أكبر ... فلما نزلت والضحى كبر رسول الله صلى الله عليه وسلم فرحاً بنزول الوحي فاتخذوه سنة والله تعالى أعلم. (تفسير الخازن لباب التأويل في معاني التنزيل، تفسير سورة الضحى: ۴/۴۴۰، دار الكتب العلمية. انيس)

پڑھی اور جب ایسی آیت تلاوت کرتے ،جس میں تسبیح کا ذکر ہوتا تو خود تسبیح پڑھتے اور اگر سوال کا ذکر ہوتا تو خود سوال فرماتے اور تعوذ کی صورت میں تعوذ فرماتے اور کتب احادیث وتفاسیر میں اس قسم کی بے شمار مثالیں ملیں گی،اس کے بارے میں تفصیل یہ ہے۔

بعض شافعیہ اس کو مستحب اور بعض اس کو مسنون مانتے ہیں۔نماز اور خارج نماز دونوں حالتوں میں حکم یہی ہے۔
علامہ سیوطی تفسیر اتقان میں فرماتے ہیں:

یستحب التکبیر من الضحی إلٰی آخر القرآن و ھی قراءۃ المکین ... وسواء فی التکبیر فی الصلاۃ وخارجھا، صرح به السخاوی وأبو شامة،انتھٰی ملخصًا.(۱)

اور علامہ سلیمان جمل حاشیہ جلالین میں ذکر کرتے ہیں:

فالتکبیر یسن بعد ھذہ السور سواء قرأ القاری فی الصلٰوۃ أو فی خارجھا،انتھٰی.(۲)

اور امام نووی شرح مسلم میں فرماتے ہیں:

فیه استحباب ھذہ الأمور لکل قاری فی صلٰوۃ أو غیرھا ومذھبنا استحبابه للإمام والمأموم والمنفرد،انتھٰی ملخصًا.(۳)

اور حنفیہ کے نزدیک فرائض واجبات اور تراویح میں بھی ان کلمات کا کہنا امام ومقتدی دونوں کے لئے مکروہ اور خلافِ سنت ہے،نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور نہ صحابہ کرامؓ سے،البتہ تراویح کے علاوہ دوسری نوافل مثلاً نوافل شب میں کہ اس وقت ایک دو مقتدی ہوتے ہیں،اگر ان کلمات سے مقتدی کو ناگواری ہوتی ہو تو امام کے لئے ان کلمات کا کہنا مناسب نہیں؛لیکن اگر ان کو ناگوار نہ ہو تو ان کا ترک بھی اولیٰ نہیں اور اگر وہ منفرد ہے تو فرائض اور تراویح میں نہ کہے؛کیوں کہ ان دونوں کے بارے میں ثبوت نہیں،دوسری نوافل کے بارے میں اس کو اختیار رہے۔

درمختار میں ہے:

وکذا الإمام لایشتغل بغیر القرآن وما ورد حمل علی النفل منفردًا،انتھٰی.(۴)

اور علامہ شامی ردالمحتار میں فرماتے ہیں:

(وقوله حمل علی النفل منفردًا)أفاد أن کلا من الإمام والمقتدی فی الفرض والنفل سواء،

---

(۱) **الإتقان فی علوم القرآن،النوع الخامس والثلاثون فی آداب تلاوته: ۳۸۳/۱ـ۳۸٤،الھیئة المصریة العامة للکتاب.انیس**

(۲) **الجمل حاشیة الجلالین:**

(۳) **شرح النووی علی صحیح مسلم،باب استحباب تطویل القراءۃ فی صلاۃ اللیل: ٦٢/٦،دارإحیاء التراث العربی.انیس**

(۴) **الدرالمختار علی صدر ردالمحتار،فصل فی القراءۃ: ٥٤٥/١،دارالفکر بیروت.انیس**

قال فی الحلیة: أمّا الإمام فی الفرائض فلما ذکرنا من أنه صلی اللّٰہ علیه وسلم لم یفعله فیها، وکذا الأئمة من بعده إلٰی یومنا ھذا، فکان من المحدثات، ولأنه تثقیل علی القوم فیکرہ، و أمافی التطوع فإن کان فی التراویح فکذلک، وإن کان فی غیرھا من نوافل اللیل التی اقتدٰی به فیها واحد أواثنان فلایتم ترجح الترک علی الفعل لما روینا: ...أی عن حذیفة رضی اللّٰہ عنه أنه قال: صلیت مع رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم ذات لیلة إلٰی أن قال وما مر بآیة رحمة إلا وقف عندھا فسأل، ولا بآیة عذاب إلا وقف عندھا وتعوذ...اللّٰھم إذا کان فی ذلک تثقیل علی المقتدی... وأماالمأموم فلأن وظیفته الإستماع والإنصات فلا یشتغل بمایخله لکن قد یقال إنما یتم ذلک فی المقتدی فی الفرائض والتراویح أمّا المقتدی فی النافلة المذکورة إذاکان إمامه یفعله فلا بعدم الإخلال بما ذکرفلیحمل علٰی ماعدا ھذہ الحالة، انتھٰی.(۱)

اورطحطاوی حاشیہ درمختار میں بیان کرتے ہیں:

(قوله: وکذا الإمام، إلخ)أما المنفرد ففی الفرض کذلک وفی النفل یسئل الجنة ویتعوذ من النارعند ذکرھما، انتھٰی.(۲)

اورعلامہ ابن الہمام فتح القدیر میں بیان کرتے ہیں:

وکذا الإمام لایشتغل بغیرالقراءة سواء أم فی الفرض أوالنفل أما المنفرد ففی الفرض کذلک، وفی النفل یسأل الجنة ویتعوذمن النارعند ذکرھما ویتفکرفی آیة المثل، وقد ذکروا فیه حدیث حذیفة: ”صلیت مع رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم صلاة اللیل فما مربآیة، فیها ذکر الجنة إلا وقف وسأل اللّٰہ تعالٰی الجنة، ومامربآیة فیها ذکرالنارإلاوقف وتعوذ من النار“وھذا یقتضی أن الإمام یفعله فی النافلة وھم صرحوا المنع إلا أنهم عللوہ بالتطویل علی المقتدی فعلی ھذا لوأم من یعلم منه طلب ذلک یفعله، انتھٰی.(۳)

اورشیخ عبدالحق محدث دہلوی نے ”ما ثبت من السنة“ میں یہ جوفرمایا: والمسنون المعمول علیه فی الحرمین وسائردیارالعرب التکبیرعند الختم من والضحی إلٰی اٰخرالقرآن والمختارفیه لا إلٰه إلا اللّٰہ واللّٰہ أکبرولواکتفی باللّٰہ أکبرصح، انتھٰی (۴) تو یہ قول محمول ہے خارج صلوۃ پر اورفقہاء حنفیہ کی سابقہ تصریحات اس کا قرینہ ہیں۔ واللہ اعلم

(۱) باب صفة الصلاة، فصل فی القراءة، مطلب: السنة تکون سنة عین وسنة کفایة: ۵٤٥/۱، انیس

(۲) حاشیة الطحطاوی علی الدرالمختار، کتاب الصلاة، فصل یجھر الإمام: ۲۳۷/۱، انیس

(۳) فتح القدیر، کتاب الصلاة، فصل فی القراءة: ۳٤۲/۱، دارالفکر بیروت. انیس

(۴) ما ثبت من السنة للشیخ عبدالحق المحدث،

راقم الحروف ۱۲۷۹ھ کو مکہ معظمہ میں موجود تھا اور میں نے مصلی حنفی پر تراویح میں اس بات کونہیں پایا، البتہ مولد شریف کی متبرک مجالس میں شرکت کا موقع ملا، جس میں عادۃ سورۂ ضحیٰ سے آخر قرآن تک تمام سورتوں کی تلاوت کی جاتی ہے اور ہر سورہ کے ختم پر تکبیر پڑھنے کا دستور ہے اور یہ طریقہ مکہ معظمہ، مدینہ منورہ اور جدہ تینوں جگہ دیکھا۔ واللہ اعلم

ابوالحسنات محمد عبدالحیٔ۔ (مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحیٔ اردو: ۲۲۸-۲۳۰)

قرأت مسنونہ:

سوال: خالد کہتا ہے کہ جولوگ نماز میں طوال مفصل، قصار مفصل اور اوساط مفصل کے بغیر اجزاء السور سے پڑھتے ہیں، ان کی نماز خلافِ سنت ہوتی ہے، چونکہ اجزاء السور سے پڑھنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں، اس لئے خلافِ سنت ہے۔ زید کہتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجزاء السور سے پڑھنا ثابت ہے، مشکوٰۃ شریف کے باب القرأۃ میں آیا ہے اور قاضی خان نے بھی اجزاء السور سے پڑھنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت کیا ہے، جو فعل حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو، اس کو خلاف سنت کہنا جہالت ہے یا عناد ہوگا، آج کل علما وغیر علما کو عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ طوال، اوساط اور قصار کی پابندی نہیں کرتے، کیا یہ سب حضرات نماز خلاف سنت ادا کرر ہے ہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ـــــــــــــــــــ باسم ملهم الصّواب

قال فی شرح التنویر: (و)یسنّ (فی الحضر) لإمام ومنفرد، ذكره الحلبی، والناس عنه غافلون (طوال المفصل) من الحجرات إلی اٰخر البروج (فی الفجر والظهر و)منها إلیٰ اٰخر -لم يكن- (أوساطه فی العصر والعشاء، و) باقيه (قصاره فی المغرب) أی فی كلّ ركعة سورة ممّاذكره الحلبی.(۱)

وقال ابن عابدين رحمه اللّٰه تعالیٰ: أی من الطوال والأوساط والقصار، ومقتضاه أنه لا نظر إلیٰ مقدارمعين من حيث عدد الاٰيات مع أنه ذكر فی النهرالقرأة أن من المفصّل سنة و المقدار المعيّن سنة أخری، ثم قال: وفی الجامع الصغير يقرأ فی الفجرفی الركعتين سورة الفاتحة وقدر

---

(۱) (و) ... (فی الحضر) ...(إذا خاف فوت الوقت يقرأ قدرمالاتفوته الصلاة) ... (وإن لم يخف فوت الوقت) فالسنة فی حقه أنه (يقرأ فی صلاة الفجر)فی الركعتين(بأربعين)آية وسطاً وهو الأدنیٰ(أوخمسين أوستين آية)... (و)يقرأ (فی الظهر مثله) ...(أو)...(دونه) ...(و)يقرأ(فی العصروالعشاء)كذلک ...(قال القدروی:يقرأ فی الفجر) ...(بطوال المفصل)...(وفی الظهر والعصر والعشاء بأوساط المفصل) ...(و)يقرأ(فی المغرب بقصار المفصل)... (أما الطوال) ... (فمن سورة الحجرات إلی سورة البروج وأماالأوساط فمن سورة البروج إلی سورة لم يكن وأما القصار فمن سورة لم يكن إلی آخرالقرآن)هذا هوالذی عليه الجمهورفی تفسير طواله وأوساطه وقصاره.(شرح منية المصلی،باب صفة الصلاة: ۳۱۰-۳۱۲،مطبع سنده.انيس)

أربعين أوخمسين واقتصر في الأصل علىٰ الأربعين وفي المجرد:ما بين الستين إلىٰ المائة والكل ثابت من فعله عليه الصلوٰة والسلام ويقرأ في العصر والعشاء خمسة عشر في الركعتين في ظاهر الرواية،كذا في شرح الجامع لقاضي خان،وجزم به في الخلاصة وفي المحيط وغيره يقرأعشرين وفي المغرب خمس اٰيات في كل ركعة،آهـ ،أقول:كون المقروء من سور المفصّل علىٰ الوجه الذي ذكره المصنّف وهوالمذكورفي المتون كالقدوري والكنز و المجمع والوقاية والنقاية وغيرها وحصرالمقروء بعدد على ما ذكره في النهر والبحرممّا علمته مخالف لما في المتون من بعض الوجوه كما نبّه عليه في الحلية فإنه لو قرأ في الفجرأوالظهر سورتين من طوال المفصّل تزيد أن علىٰ مائة اٰية كالرحمن والواقعة أو قرأ في العصر أوالعشاء سورتين من أوساط المفصّل تزيد ان على عشرين أو ثلاثين اٰية كالغاشية والفجر يكون ذلك موافقا للسّنة على ما في المتون لا على الرواية الثانية ولا تحصل الموافقة بين الروايتين إلا إذا كانت السورتان موافقة للعدد المذكور ويلزم على ما مرعن النهرمن أن المقدارالمعيّن سنة أخرىٰ أن تكون قرأة السورتين الزائدتين على ذلك المقدار خارجة عن السّنة إلاّ أن يقتصر من كل سورة منهما على ذلك المقدار مع أنهم صرّحوا بأن الأفضل في كل ركعة الفاتحة وسورة تامة فالذي ينبغي المصيرإليه أنهما روايتان متخالفتان اختارأصحاب المتون إحداهما ويؤيده أنه في متن الملتقى ذكرأوّلاً أن السّنة في الفجرحضراً أربعون اٰية أوستون،ثم قال:واستحسنوا طوال المفصّل فيهاوفي الظهر،إلخ، فذكر أن الثاني استحسان فيترجح علىٰ الرواية الأولى لتأيده بالأثر الوارد عن عمررضي اللّٰه عنه أنه كتب إلى أبي موسى الأشعري رضي اللّٰه تعالىٰ عنه ان اقرأ في الفجر والظهربطوال المفصّل وفي العصر والعشاء بأوساط المفصل وفي المغرب بقصار المفصل، قال في الكافي وهوكالمروي عن النبي صلّى اللّٰه عليه وسلّم لأن المقادير لا تعرف إلاسماعاً،آهـ .(رد المحتار:۱/ ۵۰۵)(۱)

تحقیق مذکور سے ثابت ہوا کہ سنیت قرأت سے متعلق دوروایتیں ہیں،ایک میں آیات کی متعین تعداد کو سنت قرار دیا ہے اور دوسری میں سور مفصل کو نہر میں صورت تطبیق یہ بیان کی ہے کہ سور مفصل میں سے آیات کی متعین تعداد مسنون ہے،علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس پر اشکال ظاہر فرمایا ہے اور اس کو ترجیح دی ہے کہ یہ دونوں مستقل روایتیں ہیں، اور سورہ مفصل کی روایت عام متون کی ہے اور یہی راجح ہے۔

پھر اس میں یہ تفصیل ہے کہ پوری سورت پڑھنا افضل ہے اور اگر جزء سورت پڑھنا چاہے تو آخر سے پڑھے۔آخر

---

(۱)　باب صفة الصلاة،فصل في القراء ة،مطلب:السنة تكون سنة عين وسنة كفاية:۱/ ۵۳۹ـ ۵۴۱،انيس

سورت کا ترک مکروہ تنزیہی ہے، غرضیکہ مفصل سورت پڑھنا سنت ہے، اس کے خلاف جو معمول بن چکا ہے وہ صحیح نہیں، خانیہ ومنیہ میں قرأت مفصل کا استحباب مذکور ہے، مگر علامہ حلبی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہاں استحباب سے سنت مراد ہے، اور بفرض استحباب بھی اس کے ترک کو مکروہ تنزیہی قرار دیا ہے، ترکِ سنت اور کراہت تنزیہیہ کا ارتکاب بالخصوص اس پر دوام واصرار قابل اصلاح ہے، سور مفصل کے سوا جہاں کہیں کسی سورت کا ثبوت ملتا ہے وہ احیاناً مقتضائے حال پر مبنی ہے۔

قال ابن عابدين رحمه اللّٰه تعالىٰ: (قوله واختارفي البدائع عدم التقدير، إلخ) والظاهر أن المراد عدم التقدير بمقدارمعين لكل أحد وفي كل وقت كمايفيده تمام العبارة بل تارة يقتصر علىٰ أدنىٰ ما ورد كاقصرسورة من طوال المفصل في الفجر أواقتصر سورة من قصاره عند ضيق وقت أو نحوه من الأعذار؛"لأنّه عليه الصلوٰة والسلام قرأ في الفجر بالمعوذتين لما سمع بكاء صبي خشية أن يشق علىٰ أمّه" وتارة يقرأ أكثر ما ورد إذا لم يمل القوم، فليس المراد إلغاء الوارد ولو بلا عذر ولذا قال في البحر عن البدائع والجملة فيه أنه ينبغي للإمام أن يقرأ مقدارما يخف علىٰ القوم ولا يثقل عليهم بعدأن يكون على التمام وكذا في الخلاصة، آهـ. (رد المحتار: ۱/۵۰۵)(۱) **فقط والله تعالى أعلم**

۸/محرم ۱۳۸۴ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ۳/۷۳-۷۴)

سفر کی نمازوں میں مسنون قرأت کا حکم:

سوال: ایک شخص کو بہت عجلت تھی، ٹرین اس کی صرف ۳/منٹ کے لئے رکی ہے، اسٹیشن پر اتر کر فجر کی نماز ادا کرنا چاہتا ہے، کیا طوال مفصل کی قرأت ضروری ہے یا کوئی بھی سورت پڑھ سکتا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــ حامدًا و مصلياً

کوئی بھی سورت پڑھ سکتا ہے۔

"تخفف القراءة في السفر والصلواتِ كلها". (فتاویٰ غياثية: ۳۸)(۲)**فقط والله تعالىٰ أعلم بالصواب**

حررہ العبد حبیب اللہ القاسمی۔ (حبیب الفتاویٰ: ۳/۹۱)

---

(۱) كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فصل في القراءة، مطلب: السنة تكون سنة عين وسنة كفاية، انيس

(۲) الفتاویٰ الغياثية معه فتاویٰ ابن نجيم، باب صلاة المسافر، نوع منه: ۳۸، المطبعة الأميرية بولاق. انيس

عن عقبة بن عامر قال: كنت أقود برسول الله صلى الله عليه وسلم ناقته في السفر فقال لي: يا عقبة ألا أعلمك خيرسورتين قرئنا فعلمني قل أعوذ برب الفلق وقل أعوذبرب الناس، قال: فلم يرني سررت بهما جداً فلما نزل لصلاة الصبح صلى بهما صلاة الصبح للناس فلما فرغ رسول الله صلى الله عليه وسلم من الصلاة التفت إلي فقال: يا عقبة كيف رأيت؟. (سنن أبي داؤد، باب في المعوذتين (ح: ۱۴۶۲) انيس)

سری اور جہری نمازوں میں مسنون قرأت:

سوال: مساجد میں اکثر اماموں کو دیکھا گیا ہے کہ سری نمازیں بہت جلد پڑھا دیتے ہیں اور جہری نماز بہت دیر تک پڑھاتے ہیں، مثلاً ظہر کی چار رکعت میں زیادہ سے زیادہ ۵؍منٹ کا وقت صرف ہوتا ہے اور عشا میں بھی چار ہی رکعتیں ہیں؛ لیکن جہری ہیں تو اس میں ۱۰؍۱۲؍منٹ لگ جاتا ہے تو دریافت طلب امر اینکہ جہری نمازوں میں قاعدے کے مطابق خوب ٹھہر ٹھہر کر امام صاحب قرأت کرتے ہیں اور سری نماز میں جلدی تو نماز درست ہوگی کہ نہیں؟ اگر ہوگئی تو کوئی کراہت وغیرہ آئے گی یا نہیں؟ بعض علما سے سنا گیا ہے کہ اس صورت میں نماز نہ ہوگی، آیا یہ صحیح ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

فجر اور ظہر کی نماز میں طوال مفصل اور عصر وعشاء میں اوساط مفصل اور مغرب کی نماز میں قصار مفصل کا پڑھنا مسنون ہے؛(۱) لیکن جہری نمازوں کو طویل کرنا اور سری نمازوں کو بلا عذر شرعی مختصر کرنا اخلاص کے منافی ہے،(۲) حضرات علما نے لکھا ہے کہ سری نمازوں میں اسی طرح مخارج کی رعایت کر کے قرأت کرنی چاہیے، جس طرح جہری نمازوں میں رعایت کی جاتی ہے؛(۳) لیکن یہ کہنا کہ اس طرح نماز نہیں ہوگی، غلط ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

حررہ العبد حبیب اللہ القاسمی۔ (حبیب الفتاویٰ:۳؍۹۱-۹۲)

(۱) الحلبی الکبیر شرح منیة المصلی، باب صفة الصلاة: ۳۱۰-۳۱۲، مطبع سنده. انیس

(۲) وفی أحادیث أخر فی غیر الباب وهی فی الصحیحین أن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم کان أخف الناس صلاة فی تمام وأنه صلی اللّٰه علیه وسلم قال: إنی لأدخل فی الصلاة أرید إطالتها فأسمع بکاء الصبی فأتجوز فی صلاتی مخافة أن تفتن أمه، قال العلماء: کان صلاة رسول اللّٰه علیه وسلم تختلف فی الإطالة والتخفیف باختلاف الأحوال فإذا کان المامومون یؤثرون التطویل ولا شغل هناک له ولا لهم طول وإذا لم یکن کذلک خفف وقد یرید الإطالة ثم یعرض ما یقتضی التخفیف کبکاء الصبی ونحوه وینضم إلی هذا أنه قد یدخل فی الصلاة فی أثناء الوقت فیخفف وقیل إنما طول فی بعض الأوقات وهو الأقل وخفف فی معظمها فلاإطالة لبیان جوازها والتخفیف لأنه الأفضل وقد أمر النبی صلی اللّٰه علیه وسلم بالتخفیف وقال: إنکم منفرون فأیکم صلی بالناس فلیخفف فإن فیهم السقیم والضعیف وذاالحاجة ... وعلی الجملة السنة التخفیف کما أمر به النبی صلی اللّٰه علیه وسلم للعلة التی بیناها. (شرح النووی لصحیح مسلم، باب القراء ة فی الظهر والعصر: ۱۷۴/۴، دار إحیاء التراث العربی بیروت. انیس)

(۳) تصحیح الحروف أمر لابد منه ولا تصیر قراء ة إلا بعد تصحیح الحروف. (المحیط البرهانی، الفصل الرابع فی کیفیتهما: ۲۹۶/۱، دار الکتب العلمیة. انیس)

(۳) وفی المحیط معزیاً إلی الفتاویٰ: الإمام إذا طول القراء ة فی الرکعة الأولیٰ لکی یدرکها الناس لا بأس إذا کان تطویلاً لا یثقل علی القوم، اھ، فأفاد أن التطویل فی سائر الصلوات إن کان لقصد الخیر فلیس بمکروه وإلا ففیه بأس وهو بمعنی کراهة التنزیه. (البحر الرائق، آداب الصلاة: ۳۶۲/۱، دار الکتاب الإسلامی. انیس)

مغرب میں قرأت لمبی کرنے کا حکم:

سوال: اگر امام مغرب میں یہ جان کر رکعت میں لمبی سورت پڑھ جائے کہ مقتدی لوگ شرکت کرلیں اور کوئی امیر نہیں ہے، بغیر امیر کے امام لمبی رکعت کردے، اس حالت میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب ـــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

مغرب کی نماز میں قصار مفصل کا پڑھنا مسنون ہے،(۱) اور قصار مفصل کی بعض سورتیں بڑی بھی ہیں، اگر اس میں سے کوئی بڑی سورت پڑھ دی تو کوئی مضائقہ نہیں، نیز کبھی کبھار قرأت لمبی کردینا؛ تاکہ مقتدی شریک ہوجائیں، اس میں کوئی بھی مضائقہ نہیں، بشرطیکہ امام اس کا عادی نہ بن جائے، گو اس کا بھی ترک افضل ہے۔ (شامی:۱/۴۹۴)(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

حررہ العبد حبیب اللہ القاسمی۔ (حبیب الفتاویٰ:۳/۹۵-۹۶)

بروز جمعہ فجر میں سورۂ سجدہ پڑھنا:

سوال: زید کہتا ہے کہ نماز فجر میں جمعہ کے روز پہلی رکعت میں سورۂ سجدہ اور دوسری میں سورہ دہر پڑھنا مستحب ہے، عمرو کہتا ہے کہ فقہا حنفیہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس کو مکروہ لکھا ہے، دونوں میں سے کس کی بات صحیح ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ـــــــــــــــ باسم ملهم الصّواب

نماز فجر میں جمعہ کے روز پہلی رکعت میں سورۂ سجدہ اور دوسری میں سورۂ دہر پڑھنا فی نفسہٖ مستحب ہے؛ لیکن اس پر مداومت کرنا مکروہ ہے؛ تاکہ عوام اس کو واجب نہ سمجھنے لگیں، آج کل ائمہ مساجد نے اس مستحب امر کو بالکل ہی ترک کر رکھا ہے، یہ غفلت ہے اور اس کی اصلاح لازم ہے۔

قال فی الدر (ویکره التعیین) کالسجدة، وهل أتیٰ لفجر کلّ جمعة، بل یندب قرأتهما أحیاناً.

وقال ابن عابدین رحمه الله تعالی وفی فتح القدیر: لأن مقتضی الدلیل عدم المداومة لا المداومة علی العدم کما یفعله حنفیة العصر، فیستحب أن یقرأ ذلک أحیانًا تبرکاً بالمأثور فإن

(۱) عن أبی هریرة قال: ما صلیت وراء أحد أشبه صلاة برسول الله صلی الله علیه وسلم من فلان ... یقرأ فی المغرب بقصار المفصل. (سنن النسائی، تخفیف القیام والقراءة (ح: ۹۸۲) انیس))

(۲) ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فصل فی القراءة: ۱/۵٤۱، دارالفکر بیروت. انیس

وأما فی زماننا فالأفضل أن یقرأ القوم علی حسب حال القوم من الرغبة والکسل فیقرأ قدر مالایوجب تنفیر القوم عن الجماعة لأن تکثیر الجماعة أفضل من تطویل القراءة. (بدائع الصنائع، فصل فی سنن صلاة التراویح: ۱/۲۸۹، دارالکتب العلمیة. انیس)

لزوم الإيهام ينتفی بالترک أحياناً (إلٰی قوله) وقيد الطحاوی والإسبيجابی الکراهة بماإذا رأی ذٰلک حتماً لا يجوز غيره، أما لوقرأه للتيسير عليه أو تبرکاً بقراء ته عليه الصلوٰة والسلام فلاکراهة لٰکن بشرط أن يقرأ غيره إحياناً لئلا يظن الجاهل أن غيرها لا يجوز. (رد المحتار: ۵۰۸/۱)(۱)فقط واللّٰه تعالی أعلم

۳/ربیع الاول ۱۳۹۸ھ۔(احسن الفتاویٰ:۸۲٫۸۱/۳)

سورۂ فاتحہ کی ہر آیت پر وقف افضل ہے:

سوال: ایک مولوی صاحب کہتے ہیں کہ سورۂ فاتحہ جب نماز میں پڑھی جائے تو ہر آیت پر وقف کرنا مستحب وافضل ہے، دوسرے مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ بدون وقف کئے مسلسل پڑھنا افضل ہے،دونوں میں سے کس کا قول صحیح ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــــ باسم ملهم الصّواب

سورۂ فاتحہ کی ہر آیت پر وقف کرنا افضل ہے۔

عن ابن جريج،عن ابن أبی مليكة،عن أم سلمة رضی اللّٰه تعالی عنها قالت:كان رسول اللّٰه صلّی اللّٰه عليه وسلّم يقطع قراء ته يقول(الحمد للّٰه رب العالمين)،ثم يقف،ثم يقول:(الرّحمن الرّحيم)ثم يقف.{رواه الترمذی}(مشکوٰةالمصابيح: ۱۹۱، شمائل الترمذی: ۵۹۲)(۲)

(۱) باب صفة الصلاة،فصل فی القراء ة،مطلب:السنة تكون سنة عين وسنة كفاية.

عن أبی هريرة أن النبی صلی اللّٰه عليه وسلم كان يقرأ فی الصبح يوم الجمعة بـ"الم تنزيل"فی الركعة الأولٰی وفی الثانية "هل أتٰی علی الإنسان حين من الدهر لم يكن شیء مذكوراً". (الصحيح لمسلم،باب مايقرأ فی يوم الجمعة (ح: ۸۸۰)انيس)

وأی سورة قرأ فی صلاة العيد جاز وقد بلغنا عن النبی صلی اللّٰه عليه وسلم أنه كان يقرأ فيها﴿سبح اسم ربک الأعلٰی﴾و﴿هل أتاک حديث الغاشية﴾ فإن تبرک باقتداء برسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم فی قراء ة هاتين السورتين فحسن ولكن يكره أن يتخذ شيئاً من القرآن حتما فی صلاة لا يقرأ فيها غيره فربما يظن ظانٌّ أنه لاتجوزتلک الصلاة إلا بقراء ة تلک السورة فكان هو مدخلا فی الدين ما ليس منه وقال عليه الصلاة والسلام: "من أدخل فی ديننا ما ليس منه فهو رد". (المبسوط للسرخسی،باب صلاة العيدين: ۴۰/۲،دارالمعرفة)/نحوه فی البدائع، فصل بيان مايستحب فی يوم الجمعة ومايكره: ۲۶۹/۱،دارالكتب العلمية. انيس)

(۲) مشكاة المصابيح، كتاب فضائل القرآن،باب آداب التلاوة و دروس القرآن (ح: ۲۲۰۵)/سنن الترمذی، باب فی فاتحة الكتاب (ح:۲۹۲۷)

عن أم سلمة قالت: كان رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم إذا قرأ يقطع قراء ته آية آية {بسم اللّٰه الرحمن الرحيم o الحمدللّٰه رب العالمين o الرحمن الرحيم o مالک يوم الدين o.[واللفظ لعبداللّٰه بن محمدإسناده صحيح وكلهم ثقات،الخ].(سنن الدارقطنی،باب وجوب قراء ة بسم اللّٰه الرحمن الرحيم،الخ (ح: ۱۱۹۱)انيس)

وفی کنز العمال عن أبی عثمان النهدی عن عمر بن الخطاب رضی اللّٰه تعالی عنه أن النبی صلّی اللّٰه علیه وسلّم کان یقطع قرأته بسم اللّٰه الرحمن الرحیم،الحمد للّٰه رب العالمین إلیٰ آخرها،السلفی فی انتخاب حدیث الفراء،ورجاله ثقات.(کنز العمال:۷۱/۸)(۱)

حدیث ذیل سے بھی اس کی فضیلت ثابت ہورہی ہے:

عن أبی هریرة رضی اللّٰه تعالیٰ عنه عن النبی صلّی اللّٰه علیه وسلّم قال:"من صلّی صلوٰةً ثم لم یقرأفیها بأم القرآن فهی خداج "ثلاثاً،غیرتمام فقیل لأبی هریرة رضی اللّٰه تعالی عنه:إنا نکون وراء الإمام فقال:اقرأ بها فی نفسک،فإنی سمعت رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم یقول :قال اللّٰه تعالیٰ:قسمت الصلوٰة بینی وبین عبدی نصفین ولعبدی ما سأل،فإذا قال العبد الحمد للّٰه ربّ العٰلمین،قال اللّٰه تعالیٰ:حمدنی عبدی،وإذا قال:الرحمن الرحیم ، قال اللّٰه تعالیٰ:أثنی علیّ عبدی،وإذا قال:مالک یوم الدین،قال:مجدنی عبدی،وقال:مرة فوّض الیّ عبدی،فإذا قال: إیّاک نعبد وإیّاک نستعین،قال:هٰذابینی وبین عبدی ولعبدی ما سأل،فإذا قال:إهدنا الصّراط المستقیم صراط الذین أنعمت علیهم غیرالمغضوب علیهم ولاالضالّین،قال:هٰذا لعبدی ولعبدی ما سأل.(الصحیح لمسلم:۱۶۹/۱)(۲) فقط واللّٰه تعالیٰ أعلم

۳/جمادی الاولیٰ ۹۸ھ۔(احسن الفتاویٰ:۸۲/۳۔۸۳)

بوقت بارش مقدار مسنون سے کم قرأت کرے:

سوال: اگر عین جمعہ کی جماعت کے وقت بارش ہونے لگے،امام صاحب کے علم میں یہ بات ہو کہ سینکڑوں نمازی مسجد کے صحن میں کھڑے بھیگ رہے ہیں تو ایسی صورت میں کیا یہ اقرب بہ سنت نہ ہوگا کہ امام صاحب بہت چھوٹی سورتوں سے نماز پڑھائیں؟ بینواتوجروا۔

الجواب ــــــــــــــــــ باسم ملهم الصّواب

جی ہاں!

قال ابن عابدین رحمه اللّٰه تعالی:فقد ظهرمن کلامه(الکمال) أنه لاینقص عن المسنون إلا لضرورة کقراءته بالمعوذتین لبکاء الصبیّ .(رد المحتار:۵۲۸/۱)(۳) فقط واللّٰه تعالیٰ أعلم

۱۶/جمادی الآخرہ ۱۳۹۱ھ۔(احسن الفتاویٰ:۸۳/۳)

---

(۱) کنزالعمال،فصل فی أذکار التحریمة ومایتعلق بها:۱۰۸/۸،رقم الحدیث:۲۲۱۱۸،مؤسسة الرسالة.انیس

(۲) الصحیح لمسلم،کتاب الصوم،باب وجوب قراءة الفاتحة (ح:۳۹۵) بیت الأفکار،انیس

(۳) کتاب الصلاة،باب الإمامة،مطلب:إذا صلیٰ الشافعی قبل الحنفی هل الأفضل الصلاة مع الشافعی أم لا؟==

نماز میں درمیان سورت سے پڑھنا:

سوال: آج کل عام طور پرائمہ مساجد نمازوں میں پوری سورت پڑھنے کی بجائے درمیان سے کوئی رکوع پڑھتے ہیں، کیا یہ صحیح ہے یا کہ اس میں کوئی کراہت ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــ باسم ملهم الصّواب

مروج دستور میں بڑی قباحت یہ ہے کہ نمازوں میں سنت کے مطابق مفصل سورتیں نہیں پڑھی جاتیں؛ حالانکہ یہ سنت ہے۔ مفصل سورتوں کا جزء پڑھنے میں یہ تفصیل ہے کہ ایک سورت کے آخر سے دونوں رکعتوں میں قرأت کرنے میں کوئی کراہت نہیں، اس کے سوا دوسری صورتیں مثلاً اول سورت یا وسط سورت سے پڑھنا، یا ایک رکعت میں ایک سورت کا آخر اور دوسری رکعت میں دوسری سورت کا آخر پڑھنا مکروہ تنزیہی ہے۔

قال فی شرح التنویر: لا بأس أن یقرأ سورة ویعیدها فی الثانیة،وأن یقرأ فی الأولٰی من محل وفی الثانیة من اٰخرولو من سورة إن کان بینهما اٰیتان فأکثر.

وقال ابن عابدین رحمه الله تعالی: قال فی النهر وینبغی أن یقرأ فی الرکعتین اٰخر سورة واحدة لا اٰخر سورتین فإنه مکروه عند الأکثر،آهـ،لکن فی شرح المنیة عن الخانیة:الصحیح أنه لا یکره، وینبغی أن یراد بالکراهة المنفیة التحریمیّة،فلا ینافی کلام الأکثر ولا قول الشارح: لا بأس،تأمل، ویؤیده قول شرح المنیة عقب ما مرّ وکذا لو قرأ فی الأولٰی من وسط سورة أومن سورة أولها ثم قرأ فی الثانیة من وسط سورة أخریٰ أومن أولهاأوسورة قصیرة الاصح أنه لا یکره لٰکن الأولی أن لا یفعل من غیر ضرورة آهـ (قوله ولو من سورة،إلخ) واصل بما قبله:أی لو قرأ من محلین بإن انتقل من اٰیة إلی اخریٰ من سورة واحدة لا یکره إذا کان بینهما اٰیتان فأکثر لکن الأولٰی أن لا یفعل بلا ضرورة لأنه یوهم الإعراض والترجیح بلا مرجّح. (شرح المنیة) وإنما فرض المسألة فی الرکعتین لأنّه لو انتقل فی الرکعة الواحدة من اٰیة إلٰی اٰیة یکره وإن کان بینهما اٰیات بلا ضرورة فإن سها ثم تذکر یعودمراعاة لترتیب الأٰیات. (شرح المنیة) .(رد المحتار: ۱/ ۵۱۰)(۱) فقط والله تعالی أعلم

۲۳ر رمضان ۹۸ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ۳/ ۸۵-۸۶)

== أقول: الدعوة إلی الحق لا تتم فائدتها إلا بالتیسیروالتنفیر یخالف الموضوع والشیء الذی یکلف جمهورالناس من حقه التخفیف کما صرح النبی صلی الله علیه وسلم حیث قال:إن منکم منفرین.(حجةالله البالغة، الجماعة: ۲/ ٤٢،دارالجیل بیروت.انیس)

(۱) باب صفة الصلاة،فصل فی القراء ة،مطلب:الاستماع للقرآن فرض کفایة،انیس

دونوں رکعتوں میں ایک ہی سورت پڑھنا:

سوال: ایک رکعت میں سورۂ اخلاص پڑھی، دوسری میں بھی سورۂ اخلاص پڑھی، تو نماز مکروہ ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ـــــــــــــــــــــــ باسم ملهم الصّواب

فرائض میں عمداً ایسا کرنا مکروہ تنزیہی ہے، نوافل میں کوئی کراہت نہیں۔

قال فی العلا ئیة: لابأس أن یقرأ سورة ویعیدها فی الثانیة.(۱)

وفی الشامیة: أفاد أنه یکره تنزیهًا.(رد المحتار: ۵۱۰/۱)(۲)

وفی العلائیة: ولایکره فی النفل شئ من ذلک.(۳)والله تعالٰی أعلم

۲۷/شعبان ۱۳۸۸ھ۔(احسن الفتاویٰ: ۷۶/۳)

---

(۱) الدرالمختارمع ردالمحتار،باب صفة الصلاة: ۲۶۸/۲/ وکذا فی مجمع الأنهر فی ملتقی الأبحر، فصل فی أحکام القراء ة فی الصلاة: ۱۰۶/۱،دارإحیاء التراث العربی.انیس

لا بأس أن یقرأ سورة فی الأولٰی ثم یعیدها فی الثانیة لما روی أنه علیه الصلاة والسلام قرأ فی الرکعة الأولٰی من المغرب ﴿إذا زلزلت الأرض﴾ثم قام وقرأها فی الثانیة.(تبیین الحقائق،فصل الشروع فی الصلاة وبیان إحرامها: ۱۳۱/۱،بولاق مصر)

عن رجل من جهینة أنه سمع النبی صلی الله علیه وسلم یقرأ فی الصبح إذا زلزلت الأرض فی الرکعتین کلتیهما فلا أدری أ نسی رسول الله صلی الله علیه وسلم أم قرأ ذلک عمداً.(سنن أبی داؤد،باب الرجل یعید سورة واحدة فی الرکعتین (ح: ۸۱۶)/سنن البیهقی الکبرٰی،باب التجوز فی القراء ة فی صلاة الصبح (ح: ۴۰۲۱)

عن سعید بن المسیب قال: صلی رسول الله صلی الله علیه وسلم الفجر فقرأ فی الرکعة الأولٰی بـ"إذا زلزت" ثم قام فی الثانیة فأعادها.(المراسیل لأبی داؤد،باب فری القراء ة (ح: ۴۰)انیس)

عن عروة أن أبا بکر الصدیق صلی الصبح فقرأ فیها بسورةالبقرة فی الرکعتین کلتیهما.(موطأ الإمام مالک، ت:الأعظمی،القراء ة فی الصبح (ح: ۲۷۰)انیس)

(۲) باب صفة الصلاة،فصل فی القراء ة ، مطلب:الاستما ع للقرآن فرض کفایة،انیس

(۳) رد المحتار.باب صفة الصلاة: ۵۱۱/۱.

ولو قرأ السورة فی رکعة ثم کررها فی الثانیة یکره إلا فی النوافل.(قنیة المنیة لتتمیم الغنیة، باب فی القراء ة والتسبیح والتعوذ والثناء: ۱۶،طبع کلکتة.انیس)

قال فی الخلاصة: هذا کله فی الفرائض،أما فی النوافل فلا یکره،وعندی فی الکلیة نظر، الخ.(فتح القدیر، فصل فی القراء ة: ۳۴۳/۱،دارالفکر بیروت.انیس)

سنت فجر اور وتر میں متعین سورتیں پڑھنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ نمازوں میں مخصوص سورتیں پڑھنا، جیسے فجر کی سنتوں میں پہلی رکعت میں الکافرون اور دوسری میں سورۂ اخلاص اور وتر کی پہلی رکعت میں سورۃ التکاثر دوسری میں سورۃ الکافرون اور تیسری میں سورۂ اخلاص ہمیشہ پڑھنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــــــ باسم ملهم الصّواب

فجر کی سنتوں میں سورۂ کافرون واخلاص اور وتر میں سورۂ اعلیٰ، کافرون اور اخلاص پڑھنا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، (۱) وتر کی پہلی رکعت میں سورۂ تکاثر کی کوئی وجہ تخصیص نہیں، مع ہذا اگر سورۂ غیر مأثورہ بغرض سہولت یا سورۂ ماثورہ بہ نیت تبرک اختیار کرتا ہے تو اس میں کوئی کراہت نہیں، مگر اس کو لازم نہ سمجھے اور کبھی کبھی ناغہ کردینا بہتر ہے، البتہ وتر کی امامت میں ان سورتوں پر دوام مکروہ ہے، اس لیے کہ اس سے ناواقف کو شبہ وجوب ہوسکتا ہے، اسی لیے فرائض کی امامت میں بھی مخصوص سورت پر دوام مکروہ ہے۔ (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲؍رجب ۱۳۹۷ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ۸۰/۳)

☆☆☆

---

(۱) عن عبداللّٰه بن عمر قال: رمقت النبی صلی اللّٰه علیه وسلم شهراً فکان یقرأ فی الرکعتین قبل الفجر قل یا أیها الکافرون وقل هو اللّٰه أحد. (مسند الإمام أحمد، مسند عبدالله بن عمر (ح: ۵۶۹۱)/موارد الظمآن إلی زوائد ابن حبان، باب ماجاء فی رکعتی الفجر وما یقرأ فیهما (ح: ۶۰۹) انیس)

عن عبد الرحمن بن أزدی قال: کان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم یقرأ فی الوتر فی الرکعة الأولیٰ بـ"سبح اسم ربک الأعلیٰ" وفی الثانیة "قل للذی کفروا یعنی قل یا أیها الکافرون" وهی هکذا فی قراء ة ابن مسعود رضی الله عنه وفی الثالثة "قل هو اللّٰه أحد".

قال محمد: إن قرأت بهذا فهو عندنا حسن وما قرأت من القرآن فی الوتر مع فاتحة الکتاب فهو أیضاً حسن إذا قرأت مع فاتحة الکتاب بثلاث آیات فصاعدا وهو قول أبی حنیفة رحمه اللّٰه. (کتاب الآثار لمحمد بن الحسن الشیبانی، باب الوتر ومایقرأ فیها: ۳۲۶/۱، دارالکتب العلمیة بیروت. انیس)

(۲) ولا ینبغی أن یوقت شیئاً من القرآن فی الوتر لمامر، ولو قرأ فی الرکعة الأولیٰ ﴿سبح اسم ربک الأعلیٰ﴾ ...إتباعاً للنبی صلی اللّٰه علیه وسلم کان حسناً لکن لا یواظب علیه کی لا یظنه الجهال حتماً. (بدائع الصنائع، فصل فی القنوت: ۲۷۳/۱، دارالکتب العلمیة. انیس)

مکروہاتِ قرأت

دوسری رکعت کو پہلی سے لمبی کرنا اور درمیان میں چھوٹی سورت چھوڑ نا مکروہ ہے:

سوال: ایک شخص اول رکعت کی قرأت سے دوسری رکعت کی قرأت کو طویل کرتا ہے اور چھوٹی سورت درمیان میں چھوڑتا ہے، یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

دوسری رکعت میں بہ نسبت قرأت اول رکعت کی تین آیتوں سے زیادہ طول کرنا مکروہ ہے،(۱) اسی طرح چھوٹی سورت کا فاصلہ کرنا مکروہ ہے۔(کذافی الدر المختار)(۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۲۱۷-۲۱۸)

(۱) یہاں کراہت سے مراد مکروہ تنزیہی ہے، ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فجر کی نماز میں معوذتین کی قراءت ثابت ہے، ظاہر ہے کہ سورہ فلق سے سورہ ناس لمبی ہے۔

عن عقبة بن عامر: أن النبی صلی الله علیه وسلم أمهم بالمعوذتین فی صلاة الصبح. (مسند الرویانی، جبیربن نفیر عن عقبة بن عامر (ح:۲٤٤)/صحیح ابن حبان، ذکر الإباحة للمرء أن یقتصر فی القراءة فی الفجر(ح:۱۸۱۸)

البتہ دوسری روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول نہیں تھا، بلکہ آپ نے بچے کی رونے چلانے کی آواز سنی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیا۔

عن أنس بن مالک أن رسول الله صلی الله علیه وسلم جوز ذات یوم فی صلاة الفجر فقیل: یارسول الله! لم جوزت؟ قال: سمعت بکاء صبی فظننت أن أمه معنا تصلی فأردت أن أفرغ له أمه. (مسند الإمام أحمد، مسند أنس بن مالک (ح:۱۳۷۰۱)/حدیث السراج، الجزء الثالث منحدیث أبی العباس محمد، الخ (ح:۵۸۹) انیس)

(۲) وتطال أولی الفجر علیٰ ثانیتها... (فقط) وقال محمد: أولی الکل حتیٰ التراویح، قیل: وعلیه الفتویٰ (وإطالة الثانیة علی الأولیٰ یکره) تنزیهًا (إجماعاً إن بثلاث آیات) إن تقاربت طولاً وقصراً و إلا اعتبر الحروف والکلمات، الخ (وإن بأقل لایکره) إلخ ویکره الفصل بسورة قصیرة (الدرالمختار علیٰ هامش رد المحتار، باب صفة الصلاة، فصل فی القراءة:۱/۵۰۵-۵۰۶-۵۱۰، ظفیر)

دوسری رکعت کی قرأت کرنے کی صورت میں اگر چھوٹی سورت کے برابر فصل ہو تو مکروہ ہے، البتہ اگر لمبی سورت دونوں رکعت میں پڑھے، مگر اس طور پر کہ اس کی وجہ سے دوسری رکعت لمبی ہو جائے تو یہ مکروہ نہیں ہے۔

أما بسورة طویلة بحیث یلزم منه إطالة الرکعة الثانیة إطالة کثیرة فلا یکره. (ردالمحتار، فصل فی القراءة :۱/۵٤٦، دارالفکر. انیس)

دوسری رکعت میں لمبی قرأت مکروہ تنزیہی ہے:

سوال: مسئلہ جو مشہور ہے کہ پہلی رکعت میں چھوٹی سورت اور دوسری میں بڑی سورت مکروہ ہے، یہ مکروہ کونسا مکروہ ہے، تحریمی یا تنزیہی اور بڑی چھوٹی ہونے میں کچھ حد ہے کہ اتنی بڑی یا اتنی چھوٹی ہو یا نہیں، اگر کوئی شخص پہلی رکعت میں سورۂ کوثر پڑھے اور دوسری رکعت میں سورۂ اخلاص، یہ مکروہ ہوگا یا نہیں، اور سورتوں میں جو ترتیب ہے یہ سنت ہے یا واجب اس کے ترک سے سجدۂ سہو لازم ہوگا یا نہ؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

في الدر المختار: (وإطالة الثانية علٰى الأولٰى يكره) تنزيهًا (إجماعًا إن بثلاث آيات) إلخ.(۱)

پس معلوم ہوا کہ اگر کسی نے پہلی رکعت میں سورۂ کوثر اور دوسری رکعت میں سورۂ اخلاص پڑھی تو یہ مکروہ نہیں؛ کیوں کہ دوسری سورت میں تین آیتوں کی زیادتی نہیں ہے۔(۲) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲/۲۲۱)

فجر کی دوسری رکعت میں قرأت پہلی سے لمبی کردے تو مکروہ ہے یا نہیں:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع مبین اس مسئلہ میں کہ امام صبح کی نماز میں اول رکعت سے دوسری رکعت میں قرأت کو قصداً دو چار آیات طول دیوے، اس صورت میں بلا کراہت نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

اس صورت میں نماز صحیح ہے، بلا کراہت۔

شامی میں ہے کہ بڑی سورتوں میں تین آیات کی زیادتی کا اعتبار نہیں ہے، البتہ چھوٹی سورتوں میں دوسری رکعت میں تین آیات کی زیادتی مکروہ تنزیہی ہے۔(۳) فقط واللہ اعلم

کتبہ عزیز الرحمٰن عفی عنہ، مفتی مدرسہ دیوبند۔ (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲/۲۴۸)

---

(۱) الدر المختار علٰى هامش رد المحتار، باب صفة الصلاة، فصل في القراءة: ۱/۵٤۲، دار الفكر، ظفير

(۲) (وإن بأقل لا) يكره. (أيضاً: ۱/۵٤۳، ظفير)

(۳) بل الذي ينبغي أن الزيادة إذا كانت ظاهرة ظهورًا تامًا تكره وإلا فلا للزوم الحرج في التحرز عن الخفية.

وأيضاً قال: والذي تحصل من مجموع كلامه وكلام القنية، أن إطلاق كراهة إطالة الثانية بثلاث آيات مقيد بالسور القصيرة المتقاربة الآيات لظهور الإطالة حينئذ فيها أما السور الطويلة أو القصيرة المتفاوتة فلا يعتبر العدد فيهما بل يعتبر ظهور الإطالة من حيث الكلمات وإن اتحدت آيات السورتين عدداً. فقط والله أعلم. (ردالمحتار: ۱/۵۰۷) (باب صفة الصلاة، فصل في فضائل القراءة، مطلب: السنة تكون سنة عين وسنة كفاية: ۱/۵٤۳، انيس)

پہلی رکعت میں سورہ ''سبح اسم ربک، الخ''

اوردوسری میں سورۃ الغاشیۃ پڑھنے کا حکم؛ درانحالیکہ سورۂ غاشیہ کی آیات زائد ہیں:

سوال: ''سورۃ سبح اسم'' اور ''ھل أتاک حدیث الغاشیۃ'' ان دونوں صورتوں میں سورۂ غاشیہ کی آیات سورۂ اعلیٰ سے زیادہ ہیں، نماز میں ان دونوں کو پڑھنے سے کسی قسم کی کراہت تو نہیں؟

الجواب

لکونہ ماثورًا فیستثنی من الکراھۃ.(۱)

۲۳/رجب ۱۳۴۹ھ۔ (امدادالفتاویٰ جدید:۱/)

دوسری رکعت کوطول دینے میں کس چیز کا اعتبار ہے:

سوال: نماز میں اول رکعت سے دوسری رکعت میں زیادہ قرأت مکروہ ہے، یہ بحساب آیتوں کے ہے یا بحساب حروف کے یا بحساب کلمات کے؟

الجواب

اگرآیتیں برابر یا قریب برابر کے ہیں تو عدد آیات کا اعتبار ہے کہ دوسری رکعت کی قرأت تین آیات سے زیادہ نہ ہواور اگر آیات متفاوت ہوں، طول وقصر میں تو حروف وکلمات کا اعتبار ہے۔(۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۲۵۵)

(۱) یہ سوال وجواب النورمحرم ۱۳۵۰ھ سے لکھا گیا ہے، اس میں چند نمبراور بھی تھے جن کا تبویب میں دوسری جگہ آنا مناسب تھا، وہاں درج کردئے گئے۔ بندہ محمد شفیع

حاصل جواب: چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جمعہ اورعیدین کی نمازوں میں سورۃ الاعلیٰ اورسورۃ الغاشیۃ پڑھنا ثابت ہے، لہٰذا کراہت نہیں ہے۔ سعید احمد

عن النعمان بن بشیر أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قرأ فی الجمعۃ والعیدین ب''سبح اسم ربک الأعلیٰ'' و''ھل أتاک حدیث الغاشیۃ''.(مسندأبی داؤدالطیالسی،النعمان بن بشیر (ح: ۸۳۲)/سنن الدارمی،باب القراء ۃ فی صلاۃ الجمعۃ (ح: ۱۶۰۹)/الصحیح لمسلم،باب مایقرأ فی صلاۃ الجمعۃ (ح: ۸۷۸)/سنن أبی داؤد، باب مایقرأ بہ فی صلاۃ الجمعۃ (ح: ۱۱۲۲)/سنن الترمذی،باب القراء ۃ فی العیدین (ح: ۵۳۳)/مسند البزار،مسند النعمان بن بشیر (ح: ۳۲۳۰) /سنن النسائی،باب القراء ۃ فی العیدین بسبح اسم ربک الأعلیٰ (ح: ۱۵۶۸)/المنتقی لابن الجارود،ماجاء فی العیدین (ح: ۲۶۵)/مسند أبی حنیفۃ روایۃ أبی نعیم،إبراھیم بن محمدبن المنتشر بن الأجدع : ۱/۵۲،مکتبۃ الکوثر الریاض)

عن سمرۃ بن جندب أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قرأ فی صلاۃ الجمعۃ''سبح اسم ربک الأعلیٰ'' و ''ھل أتاک حدیث الغاشیۃ''.(مسند أبی داؤدالطیالسی،وما أسند عن سمرۃ بن جندب (ح: ۸۲۹)/سنن النسائی، القراء ۃ فی صلاۃ الجمعۃ بسبح اسم ربک الأعلیٰ (ح: ۱۴۲۲)انیس)

(۲) (وإطالۃ الثانیۃ علی الأولی یکرہ) تنزیھاً (إجماعًاإن بثلاث آیات)إن تقاربت طولاً وقصرًا،وإلا اعتبرت الحروف والکلمات،الخ (وإن بأقل لا)یکرہ.(الدرالمختارعلیٰ صدرردالمحتار،باب صفۃ الصلاۃ،فصل فی القراء ۃ : ۱/۵۰۶)

وتر کی رکعتوں میں بڑی چھوٹی سورتوں کی قرأت کی تو نماز ہوئی یا نہیں:

سوال: وتر میں امام صاحب نے پہلی رکعت میں ''والعصر''، دوسری میں ''التکاثر''، تیسری میں ''الهمزة'' پڑھی، تیسری سورت دوسری سے دوگنی ہے تو نماز وتر ہوئی یا نہیں؟

الجواب

نماز وتر ہوگئی، اس قدر سورتوں کے بڑے چھوٹے ہونے سے نماز میں کچھ کراہت نہیں آتی۔(۱)

سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ ترتیب قرآن کے خلاف سورتیں پڑھی گئیں، یہ بھی مکروہ ہے، اس سے پرہیز کرنا چاہئے، یوں نماز ہوگئی۔(۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲/ ۲۳۵-۲۳۶)

چھوٹی سورت کا فصل مکروہ ہے:

سوال: اگر کوئی چھوٹی سورتوں میں سے ایک سورۃ پڑھ کر درمیان میں ایک سورۃ چھوڑ کر دوسری رکعت میں تیسری سورت پڑھے یا پہلی رکعت میں چھوٹی سورۃ اور دوسری میں بڑی سورۃ پڑھے تو کیا حکم ہے؟

الجواب

سورۂ قصیر کا فصل کرنا فرائض میں مکروہ ہے۔(۳)

---

(۱) (وإطالة الثانية على الأولٰى يكره) تنزيهًا(إجماعاً إن بثلاث آيات)إن تقاربت طولاً وقصرًا وإلا اعتبرت الحروف و الكلمات واعتبرالحلبي فحش الطول لا عدد الآيات،واستثنى فى البحر ماوردت به السنة،واستظهرفى النفل عدم الكراهة مطلقًا(وإن بأقل لا)يكره.(الدرالمختار)

(قوله: فحش الطول ،إلخ)كما لوقرأ فى الأولٰى والعصروفى الثانية الهمزة فرمزفى القنية أولاً أنه لايكره،ثم رمزثانياً أنه يكره وقال: لأن الأولٰى ثلاث آيات والثانية تسع وتكره الزيادة الكثيرة،الخ.(رد المحتار،فصل فى القراءة :۱/ ۵۰۶-۵۰۷)(باب صفة الصلاة،مطلب:السنة تكون سنة عين وسنة كفاية،انيس)

(۲) ويكره الفصل بسورة قصيرة وأن يقرأ منكوساً.(الدرالمختار)

لأن ترتيب السور فى القراءة من واجبات التلاوة .(رد المحتار،فصل فى القراءة : ۱/ ۵۱۰،ظفير)(باب صفة الصلاة،مطلب:الاستماع للقرآن فرض كفاية،انيس)

ويكره أن يقرأ سورة أو آية فى ركعة ثم يقرأ فى الثانية مافوقها وعليه جمهورالفقهاء وعن عبدالله أنه سئل عمن يقرأ القرآن منكوساً فقال:ذلك منكوس القلب،وهو بأن يقرأ سورة ثم يقرأ بعدها سورة قبلها فى النظم وبه قال أحمد،ولم يكرهه مالك.(حاشية الشلبي على تبيين الحقائق،فصل الشروع فى االصلاة وبيان إحرامها: ۱/ ۱۳۱، المطبعة الأميرية بولاق مصر.انيس)

(۳) ويكره الفصل بسورة قصيرة،إلخ،ولايكره فى النفل شئ من ذالك.(الدرالمختارعلٰى هامش رد المحتار،باب صفة الصلاة،فصل فى القراءة: ۱/ ۵۱۰،ظفير)

==

اوردوسری رکعت میں بقدر تین آیت یا زیادہ، پہلی رکعت سے قرأت زیادہ کرنا مکروہ تنزیہی ہے۔

(وإطالة الثانية على الأولٰى يكره) تنزيهاً (إجماعًا إن بثلاث آيات)، إلخ. (الدر المختار)(۱) فقط

(فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲/۲۲۴)

ترتیب قرآنی، دوسورتوں کے درمیان فصل کی صورت میں سجدۂ سہو کا حکم:

سوال: اگر سورۂ کافرون پڑھ کر "إنا أعطينا يا لإيلٰفِ" وغیرہ پڑھے، تو ترتیب قرآنی کے خلاف پڑھنے میں نماز ہوگی یا نہیں اور اگر سجدۂ سہو کر لے تو کراہت جاتی رہے گی یا نہیں؟

(۲) اول رکعت میں "إنا أعطينا"، دوسری رکعت میں اذا جاء پڑھے، تو نماز مکروہ ہوگی کہ نہیں؛ اس لئے کہ اس نے چھوٹی سورت ایک درمیان میں چھوڑ کر کے، پڑھی سجدۂ سہو کرنے سے نماز کی کراہت جاتی رہے گی کہ نہیں؟

(۳) اول رکعت میں چھوٹی سورت پڑھے دوسری میں بڑی سورت پڑھے تو نماز مکروہ ہوگی کہ نہیں اور سجدۂ سہو سے نماز ٹھیک ہوگی یعنی کراہت جاتی رہے گی یا نہیں؟

الجواب

(۱) فى الدر المختار، فصل القراءة: ويكره الفصل بسورة قصيرة وإن يقرأ منكوسًا. (۲)

اس سے معلوم ہوا کہ نماز ہوگئی اور سجدۂ سہو لازم نہیں، خصوصاً جبکہ بلا قصد ہوا ہو تو کراہت بھی نہیں۔

لما فى (۴) الرد: (قوله ثم ذكريتم) أفاد أن التنكيس أو الفصل بالقصيرة إنما يكره إذا كان عن قصد فلو سهوًا فلا كما فى شرح المنية، آه. (ص: ۵۷۱)(۳)

(۲) فى الدر المختار: ويكره الفصل بسورة قصيرة.

فى ردالمحتار: أما بسورة طويلة بحيث يلزم منه إطالة الركعة الثانية إطالةً كثيرةً فلا يكره، شرح المنية. (۵)

== (و) يكره (فصله بسورة بين سورتين قرأهما فى ركعتين) لما فيه شبهة التفضيل والهجر، وقال بعضهم: لايكره، إذا كانت السورة طويلة كما لو كان بيهمنا سورتان قصيرتان. (مراقى الفلاح شرح نور الإيضاح، فصل فى المكروهات: ۱۲۹، المكتبة العصرية. انيس)

(۱) الدر المختار علٰى هامش رد المحتار. باب صفة الصلاة، فصل فى القراءة: ۱/۵۰٦، ظفير

(۲) الدر المختار مع ردالمحتار، فروع فصل القراءة قبل باب الامامة: ۱/۵٤٦۔

(۳) ردالمحتار: ۱/۵٤۷، قبل باب الإمامة (باب صفة الصلاة، فصل فى القراءة، مطلب: الاستماع للقرآن فرض كفاية، انيس)

(۴) یہاں پر تصحیح الاغلاط ص: ۱۰ سے عبارت میں اضافہ کیا گیا ہے۔

(۵) الدر المختار مع ردالمحتار، فروع فصل القراءة قبل باب الإمامة: ۱/۵٤٦ (باب صفة الصلاة، مطلب: الاستماع للقرآن فرض كفاية، انيس)

اس سے معلوم ہوا کہ چھوٹی سورت درمیان میں چھوڑنا، جو مکروہ ہے، تو اس میں شرط یہ ہے کہ سورت متروکہ اول سورت سے بڑی نہ ہو،(۱) ورنہ مکروہ نہیں اور چونکہ صورت مسئولہ(۲) میں سورت متروکہ یعنی "قل یاأیها الکافرون" سورت "إنا أعطیناک الکوثر" سے بڑی ہے، اس لئے یہ ترک مکروہ نہیں ہوا، البتہ دوسری رکعت کا طویل ہونا موجب کراہت ہوا، کما فی الدر المختار أیضا: وإطالة الثانیة علی الأولیٰ یکره تنزیهًا؛ لیکن سجدۂ سہولازم نہیں۔

(۳) مکروہ بمعنی خلاف سنت ہے، لما مر فی الجواب عن السوال الثانی؛ لیکن سجدہ سہو واجب نہیں۔ واللّٰہ تعالیٰ أعلم وعلمه أتم

۲/ذی الحجہ ۱۳۲۳ھ۔ (امداد صفحہ: ۱/ ۶۸) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/ ۲۵۹-۲۶۰)

درمیان میں چھوٹی سورت نہ چھوڑی جائے:

سوال: کہا جاتا ہے کہ "إِذَا جَاءَ" کے بعد "تَبَّتْ" پڑھنی چاہئے اس کو ترک کر کے "قُلْ هُوَ اللّٰهُ" نہ پڑھے ... پڑھنے والے کو "إِذَا جَاءَ" اور "قُلْ هُوَ اللّٰهُ" سے محبت ہے تو کیا کرنا چاہئے؟

الجواب

ایک چھوٹی سورت کا فاصلہ کرنا فرائض وواجبات میں فقہا نے مکروہ لکھا ہے،(۳) پس اگر "قُلْ هُوَ اللّٰهُ" دوسری رکعت میں پڑھنی ہے تو پہلی میں "قُلْ يَا أَيُّهَا" پڑھ دے اور اگر پہلی رکعت میں "إِذَا جَاءَ" پڑھی ہے تو دوسری میں "قُلْ أَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ" پڑھے۔ فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲/ ۲۳۶)

چھوٹی سورت کی تعریف:

سوال: جو آیت سورۂ کوثر کے برابر ہو بڑی آیت شمار ہوگی، کسی کتاب فقہ کی عبارت تحریر فرمادیجئے کہ کم سے کم بڑی آیت کی مقدار کیا ہے؟

الجواب

درمختار میں ہے:

(وضم) أقصر (سورة) کالکوثر أو ماقام مقامها وهو ثلاث آیات قصار، نحو ﴿ثُمَّ نَظَرَ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ثُمَّ أَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ﴾.

(۱) اس سلسلہ میں مفصل بحث سوال نمبر: ۲۱۴ کے جواب اور اس کے حاشیہ میں گذری ہے۔

(۲) اس جگہ بھی تصحیح الاغلاط ص: ۱۰ سے عبارت میں ترمیم کی گئی ہے۔ محمد شفیع عفی عنہ

(۳) مراقی الفلاح شرح نور الإیضاح، فصل فی المکروهات: ۱۲۹، المکتبة العصریة. انیس

وفی ردالمحتار: (قوله: تعدل ثلا ثاً قصاراً) أی مثل "ثُمَّ نَظَرَ، إلخ" وهی ثلاثون حرفاً فلوقرأ آیة طویلة قدرثلاثین حرفاً یکون قد أتی بقدرثلاث آیات، إلخ. (۱) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲/۲۲۶)

چھوٹی سورت کی مقدار کیا ہے اور وہ کونسی ہیں:

سوال: وہ چھوٹی سورتیں کونسی ہیں جن کو پہلی رکعت اور دوسری رکعت کی قرأت کے درمیان چھوڑنے سے نماز مکروہ ہوتی ہے؟

الجواب

وہ سورتیں قصار مفصل کی "لم یکن" سے آخر قرآن شریف تک ہیں۔ (۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲/۲۴۴)

چھوٹی تین آیتوں کی پہچان:

سوال: قرآن مجید کی چھوٹی سی تین آیتیں جو ایک رکعت میں کافی ہوسکتی ہیں کونسی ہیں؟ آیت گول O ٹکڑے کی مانی جاتی ہیں، یا ج، ص، ز، ط وغیرہ پر مانی جاتی ہے؟ ایک بڑی آیت کے مقابلہ میں چھوٹی تین آیت کافی ہوسکتی ہیں یا کیا؟

الجواب

واجبات نماز میں سے یہ ہے کہ سورۂ فاتحہ کے بعد تین آیات چھوٹی یا ایک آیت بڑی جو چھوٹی تین آیتوں کے برابر ہو پڑھے، چھوٹی سورت جس میں تین آیتیں ہیں ﴿اِنَّـا اَعْـطَـیْـنٰـکَ الْـکَوْثَر﴾ ہے، یہ سورت یا اس کے مانند کوئی دوسری سورت "الحمد" کے بعد پڑھنے سے واجب ادا ہوجاتا ہے اور آیت وہی سمجھی جاتی ہے، جس پر گول نشان اس صورت سے O ہو اور بڑی آیت کی مثال "آیۃ الکرسی" یا "آیۃ مداینۃ" وغیرہ ہے اور چھوٹی آیات کی مثال: ﴿ثُمَّ نَظَرَ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ثُمَّ أَدْبَرَ وَاسْتَکْبَرَ﴾ ہے۔ (۳) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲/۲۴۵) ☆

---

(۱) الدرالمختار مع ردالمحتار، باب صفة الصلوٰة، مطلب واجبات الصلوٰة: ۱/۴۲۷، ظفیر (مطلب: کل صلاة أدیت مع کراهة التحریم تجب إعادتها، انیس)

(۲) (و) منها إلی آخر "لم یکن" (أوساطه، الخ) وباقیه (قصاره). (الدرالمختار علیٰ هامش ردالمحتار، باب صفة الصلاة، فصل فی القراءة: ۱/۵۰٤، ظفیر)

(۳) (وضم) أقصر (سورة) کالکوثر أوما قام مقامها، وهو ثلاث آیات قصار نحو "ثُمَّ نَظَرَ... ﴿ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ثُمَّ أَدْبَرَ وَاسْتَکْبَرَ﴾ الخ. (الدرالمختار علیٰ هامش رد المحتار، باب صفة الصلاة، واجبات الصلاة: ۱/۴۲۷، ظفیر)

☆ **تین چھوٹی آیتوں سے مراد:**

سوال: نماز میں سورۂ فاتحہ کے ساتھ سورہ ملانے کے مسئلہ میں کہا جاتا ہے کہ اگر ایک آیت تین چھوٹی آیتوں ==

قرأت کی مقدار:

سوال: زید نے مغرب کی نماز میں امام بن کر دوسری رکعت میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کے بعد سورۂ مزمل کی اخیر کی آیتوں میں سے ﴿وَاَقِيۡمُوا الصَّلٰوةَ وَآتُوا الزَّكٰوةَ وَاَقۡرِضُوا اللّٰهَ قَرۡضًا حَسَنًا وَمَا تُقَدِّمُوۡا لِاَنۡفُسِكُمۡ مِّنۡ خَيۡرٍ تَجِدُوۡهُ عِنۡدَ اللّٰهِ هُوَخَيۡرًا وَّاَعۡظَمَ اَجۡرًا وَاسۡتَغۡفِرُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ﴾(۱) تک جہاں تین جگہ اور اخیر میں علامت آیت موجود ہے، پڑھی اور باقی رکعت کو حسب دستور ادا کیا، فاتحہ کے بعد اسی قدر آیت قرآنی پڑھنے سے اس کی نماز صحیح ہوئی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

هو المصوب

صورت مسئول عنہا میں زید کی نماز مع الکراہۃ صحیح ہوئی؛ کیوں کہ اس کو پہلی دو رکعت میں فاتحہ کے بعد ایک سورت یا چھوٹی تین آیتیں یا بڑی ایک آیت پڑھنا واجب تھا؛ لیکن اس نے قصداً ایک آیت سے بھی کم پڑھ کر واجب کو ترک کیا، اس لئے اس پر نماز پھر پڑھنی واجب ہے اور نماز کو اعادہ نہ کرنے سے وہ فاسق اور گنہگار رہوا، چنانچہ فتاویٰ عالمگیری وغیرہ کی عبارت اس پر شاہد ہے۔ عالمگیری میں ہے:

ويجب قراءة الفاتحة وضم السورة أو ما يقوم مقامها من ثلٰث آيات قصار أو آية طويلة في الأوليين بعد الفاتحة، كذا في النهر الفائق، انتهٰى. (۲)

اور درمختار میں ہے:

و(لها واجبات) لا تفسد بتركها وتعاد وجوبًا في العمد والسهو إن لم يسجد له، وإن لم يعدها يكون فاسقًا آثمًا، انتهٰى. (۳)

== کے برابر کی پڑھ لے تو نماز درست ہو جائے گی، تو تین چھوٹی آیتوں سے کون سی چھوٹی آیتیں مراد ہیں؟ (عبدالحفیظ، ناپلی)

الجواب

فقہا نے قرآن کی سب سے چھوٹی تین آیات کی حیثیت سے ان آیات کا ذکر کیا ہے:

﴿ثُمَّ نَظَرَ، ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ، ثُمَّ اَدۡبَرَوَاسۡتَكۡبَرَ﴾ (المدثر: ۲۱-۲۳، ازمحشی)

یہی بات قاضی خان اور علامہ حلبیؒ وغیرہ نے لکھی ہے، (دیکھئے: فتاوی قاضی خان: ۱/۱۶۱، کبیری: ص: ۲۷۴)

ان آیات میں تلفظ کے اعتبار سے ۲۹؍حروف ہوتے ہیں۔ لہذا سورۂ فاتحہ کے ساتھ کم سے کم ایک ایسی آیت کا پڑھنا واجب ہے، جو ۲۹؍حروف پر مشتمل ہو۔ (کتاب الفتاویٰ: ۲/۱۹۳)

(۱) سورة المزمل: ۲۰، انيس

(۲) الفتاوٰى الهندية، الفصل الثاني في واجبات الصلاة: ۱/۷۱، دار الفكر / النهر الفائق، باب صفة الصلاة: ۱/۱۹۷، دار الكتب العلمية بيروت. انيس

(۳) باب صفة الصلاة، واجبات الصلاة: ۲/۱٤٦، انيس

اور ردالمحتار میں ہے:

(قوله وتعاد وجوبًا)أی بترک هذه الواجبات أوواحد منها،انتهٰی.(۱)

اور ہدایہ کے مکروہات الصلوٰۃ میں ہے:

والصلاة جائزة فی جميع ذلک لاستجماع شرائطها وتعاد علٰی وجه غيرمكروه وهذا الحكم فی كل صلوٰة أديت مع الكراهة.(وفی الحاشية:كما إذا ترک واجبًا من واجبات الصلوٰة)،انتهٰی.(۲)

اور جامع الرموز میں ہے:

وواجبها...(قراءة) خصوص (الفاتحة) (وضم)مقدار (سورة) من آية طويلة أوثلٰث قصار، وفی الكلام إشارة إلٰی أنه يجب تأخير السورة عن الفاتحة وإلٰی أنه يجب أن يقرأ مرة،كما فی المحيط وإلٰی أنها واجبة ولذاكان تاركها يؤمر بالإعادة،كما فی القنية وإلٰی أن نفس السورة واجبة أيضًا،كما قال القاضی فی الجامع.(۳)

اس لئے صورت مسئول عنہا میں امام مذکور کی قرأت میں بعد فاتحہ کے ایک آیت بھی نہیں پائی گئی؛ کیونکہ وہاں تین جگہ اوراخیر میں،علامت آیۃ موجود ہے،اسی سبب سے وہ تارک واجب ہوا،اور پھر نماز کو اعادہ نہ کرنے کی وجہ سے شرعاً فاسق اور گنہگار بھی ہوا،هكذا حكم الكتاب والله أعلم بالصواب وإليه المرجع والمآب.

حرره الراجی رحمة ربه الولی محمد رمضان علی الكوشاكالوی

أقول وباللّٰه التوفيق وبيده أزمة التحقيق،الجواب جواب لايماثله جواب والمنكرعلی خلاف الصواب،لأن البعض قد استشكله بعبارة الهندية والشامی حيث حررت فی مقامها أنه لو قرأ بعض آية الكرسی فی ركعة والبعض فی ركعة أخرىٰ لايجوزعند الإمام وعند العامة يجوز ويكتفی فلاتثبت من قول الجوازوالكفاية الصحة الكاملة لترک الواجب وهوقراءة الأية التامة فی ركعة واحدة فعليه أن يعيد وجوبًا فی العمد والسهوإن لم يسجد له وإن لم يعدها يكون فاسقًا آثمًا كما فی الوقاية فرض القراءة آية...والمكتفی بها مسیء لترک الواجب.

وفی القدوری:يقرأ فاتحة الكتاب وسورة معهاأوثلاث آيات من أی سورة شاء.(۴)

---

(۱) ردالمحتار،باب صفة الصلاة،مطلب:واجبات الصلاة:۱۴۶/۲،انيس

(۲) الهداية،كتاب الصلاة،باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها،فصل فی مكروهات الصلاة:۲۵/۲،انيس

(۳) جامع الرموز،كتاب الصلاة،فصل شروط الصلاة:۷۹،انيس)

اس کے بعد مجیب نے اوقاف قرآن کی بحث طرداً لکھی ہے،ہم نے اختصاراً حذف کردیا۔

(۴) مختصرالقدروی،كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة:۲۷،انيس

وفی الذخیرة:قراء ة ثلاث آیات قصار أو آیة طویلة من واجبات الصلوٰة بالإجماع فلو قرأ مع الفاتحة اٰیة قصیرة سهوًا فعلیه السهو.(۱)

وفی الهندیة:لو قرأ أقل من آیة وإن کان حرفًا یکره.(۲)

وفی الدر المختار:کل صلوٰة أدیت مع کراهة التحریم تجب إعادتها.(۳)واللّٰه أعلم

محمد تبارک علی وا شگنج۔

الجواب: حقیقت یہ ہے کہ جو مقدار قرأت کی فرض ہے، وہی مقدار سورۂ فاتحہ کے بعد واجب ہے؛ کیوں کہ فقہائے کرام جو الفاظ یعنی ''سورة أو ما یقوم مقامها'' وغیرہ فرض قراءت میں ذکر کرتے ہیں، وہی الفاظ واجبات میں ذکر کرتے ہیں، کما لا یخفی، بس اب یہ دیکھنا باقی ہے کہ آیت طویلہ کا حصہ جو تین چھوٹی آیتوں کے برابر ہو، وہ تین آیتوں کے قائم مقام ہے یا نہیں، سو عالمگیری شامی وغیرہ کتب فقہ میں مصرح ہے:

إذا قرأ آیة طویلة فی الرکعتین نحو آیة الکرسی و آیة المداینة البعض فی رکعة والبعض فی أخری ... وعامتهم علی أنه یجوز،کذا فی المحیط.(۴)

اس سے ثابت ہوا کہ آیت طویلہ کا جز ومطلقاً کافی ہے؛ یعنی بدون فاتحہ کافی عن الفرض ہے اور مع الفاتحہ کافی عن الواجب ہے، پس جواب مرسل کی تصدیق میں جو لکھا ہے، فی الوقایة فرض القراءة آیة والمکتفی بها مسیء لترک الواجب، (۵) اس میں اکتفاء علی الآیۃ بدون الفاتحہ کا ذکر ہے اور ہندیہ سے جو ''لو قرأ أقل من آیة وإن کان حرفًا یکره'' (۶) نقل کیا ہے، وہ عبارت اس وقت ملی نہیں، اگر اس میں ہو تو مراد کراہت تنزیہہ لی جاوے گی، للجمع بین الروایات، اور عبارات فقہیہ جو واجبات صلوٰۃ میں ہیں کہ وضم السورة أو ما یقوم مقامها من ثلاث آیات قصار أو آیة طویلة (۷) یہ بر سبیل تمثیل ہے، آیۃ طویلہ کے حصہ کا اس میں ذکر نہیں نفیاً نہ اثباتاً، اور

(۱) وفی فتاوٰی النسفی:قراء ة ثلاث آیات قصار أو آیة طویلة واحدة بالإجماع.(البنایة شرح الهدایة،أدنٰی ما یجزی من القراء ة فی الصلاة: ۳۰۳/۲،دارالکتب العلمیة بیروت.انیس)

(۲) الفتاوٰی الهندیة،الباب الرابع فی صفة الصلاة،الفصل الرابع فی القراء ة: ۸۷/۱،انیس

(۳) کتاب الصلاة،باب صفة الصلاة: ۱۴۷/۱،انیس

(۴) ردالمحتار،واجبات الصلاة: ۴۵۹/۱،دارالفکر/الفتاوٰی الهندیة،الفصل الأول فی فرائض الصلاة: ۶۹/۱، دارالفکر بیروت/المحیط البرهانی،الفصل الرابع فی کیفیتهما: ۲۹۸/۱،دارالکتب العلمیة بیروت.انیس

(۵) شرح الوقایة معه عمدة الرعایة،فصل فی القراء ة: ۱۴۰/۱،المطبع الیوسفی لکناؤ.انیس

(۶) الفتاوٰی الهندیة،الفصل الخامس فی زلة القاری: ۷۹/۱،دارالفکربیروت.انیس

(۷) الفتاوٰی الهندیة،الفصل الثانی فی واجبات الصلاة: ۷۱/۱،دارالفکربیروت.انیس

دوسری جگہ آیت کے جُزو کا کافی ہونا مصرح ہے، تو اس محکم کو مقدم رکھنا ضروری ہے، اس تمثیل کی بناپر اس محکم جزئیہ میں کلام نہیں ہوسکتا۔

لہذا صورتِ سوال میں نماز بالکل درست ہوگئی، ترکِ واجب نہیں ہوا، البتہ عالمگیریہ کی روایت جس کے متعلق گذر چکا ہے کہ ہمیں نہیں ملی، اس کی بناپر خلاف اولیٰ کا حکم ضرور کیا جاوے گا، لترک السنة.

کتبہ عبدالکریم۔ ۲۳؍رجب ۱۳۵۳ھ۔ (امدادالاحکام:۲؍۲۰۲۔۲۰۴)

پہلی رکعت میں ''إِذَا جَاءَ'' اور دوسری رکعت میں ''قُلْ هُوَ اللّٰهُ'' تو کوئی نقصان ہوا یا نہیں:

سوال: امام نے پہلی رکعت میں ''إِذَا جَاءَ'' اور دوسری رکعت میں ''قُلْ هُوَ اللّٰهُ'' تو نماز میں کچھ نقصان ہوا، یا نہیں؟

الجواب

فرضوں میں قصداً اس طرح پڑھنا کہ ایک چھوٹی سورت کا فاصلہ کیا جاوے، جیسا کہ صورت مسئولہ میں ہے، مکروہ ہے اور نماز ہوجاتی ہے اور اگر سہواً ہوگیا تو کچھ کراہت نہیں ہے اور نوافل میں کچھ کراہت نہیں ہے۔(۱) فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲؍۲۳۹۔۲۴۰) ☆

(۱) ویکره الفصل بسورة قصيرة الخ ولايكره فى النفل شئ من ذالک.(الدرالمختار)
أفادأن التنكيس أوالفصل بالقصيرة إنما يكره إذا كان عن قصد فلوسهوًا فلا ، كما فى شرح المنية.(رد المحتار، فصل فى القراء ة: ۱/ ۵۱۰، ظفير)(باب صفة الصلاة،مطلب:الاستماع للقرآن فرض كفاية،انيس)

☆ پہلی رکعت میں ''إِذَا جَاءَ'' اور دوسری میں ''قُلْ هُوَ اللّٰهُ'' کیا حکم ہے:

سوال: امام نے پہلی رکعت میں سورۃ ''إِذَا جَاءَ'' پڑھی اور دوسری رکعت میں ''قُلْ هُوَ اللّٰهُ''. نماز کو پھر پڑھنا چاہئے یا کیا؟

الجواب

فرائض میں قصداً ایسا کرنا مکروہ ہے اور سہواً اگر ایسا ہوگیا تو کچھ کراہت نہیں ہے، اعادہ نماز کا لازم نہیں ہے۔(ويكره الفصل بسورةقصيرة.(الدرالمختار)أفاد أن التنكيس أوالفصل بالقصيرة إنما يكره إذاكان عن قصد فلوسهوًا فلا كما فى شرح المنية.(رد المحتار، فصل فى القراء ة: ۱/ ۵۱۰،ظفير)(باب صفة الصلاة،مطلب:الاستماع للقرآن فرض كفاية،انيس)

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲؍۲۶۳۔۲۶۴)

فرائض ونوافل میں ایک سورۃ درمیان میں چھوڑ کر قراءت درست ہے یا نہیں:

سوال: فرائض یا نوافل میں ایک سورۃ درمیان میں چھوڑ کر پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

فرائض میں ایک چھوٹی سورت کا فصل کرنا مکروہ ہے اور نوافل میں درست ہے۔(كذا فى الدرالمختار)(ويكره الفصل بسورة قصيرة وأن يقرأ منكوساً الخ ولايكره فى النفل شئ من ذلک.(الدرالمختارعلىٰ هامش رد المحتار، باب صفة الصلاة، فصل فى القراءة: ۱/ ۵۱۰ ، ظفير)(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲؍۲۶۳)

==

== **نماز میں دوسورتیں اس طور پر پڑھنا کہ درمیان میں ایک سورت رہ جائے:**

سوال: نماز میں دوسورتیں اس طور پڑھنا کہ درمیان میں ایک سورت چھوٹ جائے، مثلاً اول میں سورۂ فتح یعنی: ''اِذَا جَاءَ'' دوسری میں سورۂ اخلاص پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب

اگر درمیان میں بڑی سورت چھوٹ جاوے، جس میں دو رکعت ہوسکیں جائز ہے، چھوٹی ناجائز۔(۱) واللہ اعلم

۶ ررمضان ۱۳۱۹ھ۔(امداد:۱/۹۶)(امدادالفتاویٰ جدید:۱/۲۲۶-۲۲۸)

(۱) یہ میں نے یاد سے لکھا تھا، مگر پھر کوئی روایت مساعد نہیں ملی، تتبع سے معلوم ہوا کہ مطلب اس کا کہ بڑی سورت کا بیچ میں چھوڑ نا جائز ہے یہ ہے کہ وہ سورت پہلے سے بڑی ہو کہ اس کے پڑھنے سے دوسری رکعت پہلی رکعت سے طویل ہوجاوے جیسا اذا جاء کے بعد سورۂ تبت پڑھنے میں یہی امر لازم آتا ہے۔ **کذا فی رد المحتار، فصل القراءة. منه**

اضافہ از سعید احمد پالنپوری: فقہاء کرام کی عبارتوں سے تو متبادر وہی ہوتا ہے جو حضرت قدس سرہ نے اپنے سابق جواب میں تحریر فرمایا ہے یعنی بڑی سورۃ وہ ہے جس میں دو رکعت ہوسکیں اور چھوٹی وہ ہے جس میں دو رکعت نہ پڑھی جاسکیں؛ لیکن صحیح وہ ہے جو حضرت قدس سرہ نے حاشیہ میں تحریر فرمایا ہے، حضرتؒ کا اس سلسلہ میں ایک مدلل جواب نمبر:۲۲۹ پر بھی آرہا ہے، چونکہ اس مسئلہ میں عام طور پر غلط فہمی پائی جاتی ہے، اس لئے قدرے تفصیل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

دوسورتوں کے درمیان ایک سورت چھوڑنے کی کراہت کی وجہ ہجر و تفضیل کے شبہ سے بچنا ہے۔

ویکره فصله بسورة بین سورتین قرأهما فی رکعتین لما فیه من شبهة التفضیل والهجر، اھ. (مراقی الفلاح: ١٩٤)

پس اولیٰ یہ ہے کہ پہلی رکعت میں جو سورۃ پڑھی ہے اسی سے متصل بعد والی سورۃ دوسری رکعت مین پڑھی جائے اگر ایک سورت چھوڑ کر پڑھے گا تو اسکا ہجر (چھوڑنا) اور بعد والی کی تفضیل (ترجیح بلا مرجح) لازم آئے گی۔

إذا قرأ فی کل رکعة الحمد والسورة فانه یقرأ سورة أخری فی الرکعة الثانیة متصلة بالسورة الأولیٰ، وإن أراد أن تفضل بینهما ینبغی أن لا یفصل بسورة أوبسورتین، وإنما یفصل بسور هکذاروی فی الحدیث. (الحموی علی الأشباه ۲۱۱/۱)

لیکن دوسورتوں کا چھوڑنا احادیث سے ثابت ہے، حضو پاک صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کی رات میں مغرب کی نماز میں سورۃ الکافرون اور سورۃ الاخلاص تلاوت فرماتے تھے۔

ولو ترک سورتین فالصحیح أنه لایکره أیضًا لماروی جابر بن سمرة: کان النبی صلی اللّٰه علیه وسلم یقرء فی المغرب لیلة الجمعة قل یأیها الکافرون وقل هواللّٰه أحد. رواه أبوداؤد وابن ماجة، آه. (الکبیری: ٤٤٢)

لہذا دوسورتوں کا فصل جائز ہوا اوران مین ہجر و تفضیل کا شبہ نہ رہا کراہت صرف ایک سورت کے چھوڑنے میں ہوگی خواہ وہ سورت چھوٹی ہو یا بڑی۔ لیکن اگر بعد والی سورت اتنی بڑی ہو کہ اسے دوسری رکعت میں پڑھنے سے اس کا پہلی رکعت سے طویل ہونا لازم آتا ہو تو اس عارض کی وجہ سے ایسی طویل سورت کا چھوڑنا جائز ہوگا کیونکہ ہر رکعت میں کامل سورت پڑھنا افضل ہے اور دوسری رکعت کو طویل کرنا مکروہ ہے اور جہاں یہ عارض نہ ہو وہاں پہلی سورت سے متصل جو سورت ہے اسی کو پڑھنا اولیٰ ہے اور اس کو چھوڑ کر (خواہ وہ بڑی ہو جس میں دو رکعت ہوسکیں یا چھوٹی ہو) بعد والی سورت پڑھنا مکروہ تنزیہی یعنی خلاف اولیٰ ہے اور یہ کراہت فرائض میں ہے نوافل میں ایک سورت چھوڑنا جائز ہے۔ ==

ایک رکعت میں سورہ بقرہ پھر دوسری رکعت میں سورۃ النساء پڑھی تو کیا حکم ہے:

سوال: ایک شخص نے ایک رکعت میں سورۂ بقرہ اور دوسری رکعت میں سورہ نساء پڑھی، تو نماز مکروہ ہوئی، یا کیسی ہوئی؟ اور ایک سورہ درمیان [سے] چھوڑ کر پڑھنا چھوٹی سورتوں میں مکروہ ہے، یا بڑی سورتوں میں بھی یہی حکم ہے۔

الجواب

یہ صورت مکروہ تنزیہی ہے، چھوٹی بڑی سورت سب کا ایک حکم ہے۔(۱)

(بدست خاص، ص:۱۸) (باقیات فتاویٰ رشیدیہ:۱۷۰)

دو رکعت میں ایک سورت کے پڑھنے میں چند آیتوں سے فصل کرنے کا حکم:

سوال: امام نے صبح کی نماز میں سورۂ دہر پڑھی اول رکعت میں هل أتٰی سے مشکوراً تک؛ یعنی ایک رکوع پڑھا، دوسری رکعت إن هٰؤلاء سے ختم سورہ تک پڑھا، درمیان میں چھوٹی چھوٹی تین آیات چھوڑ دیں، مقتدیوں میں کسی شخص نے ایک سلام پھیرنے کے بعد تکبیر سجدہ سہو کے واسطے کہی، امام نے سجدہ سہو نہ کیا اور کہا کہ نماز ہوگئی، تکبیر کہنے والے نے کہا کہ ہو تو گئی، مگر کراہت رہی؛ کیوں کہ درمیان میں دو سورت چھوٹی یا بقدر انہیں سورتوں کے عبارت چھوڑنی چاہئے، جس میں دو رکعت پڑھی جا سکیں، امام کہتا ہے کہ دو سورتوں کا چھوڑنا کوئی ضروری بات نہیں، اگر ہے تو

== ویکره الفصل بسورة قصيرة،آه.(الدرالمختار)أما بسورة طويلة بحيث يلزم منه إطالة الركعة الثانية إطالة كثيرة فلا يكره شرح المنية كماإذا كانت سورتان قصيرتان،آه.(ردالمحتار: ۱/ ٤٠٤)(باب صفة الصلاة،فصل فى القراء ة،مطلب:الاستماع للقرآن فرض كفاية، انيس)

ولوقرأفى كل ركعة سورة وترك بين سورتين سورة يكره لماقلنا(اى لانه يوهم الاعراض و الترجيح بلا مرجح) إلا أن تكون تلك السورة اطول من التى قرأها فى الركعة الأولىٰ بحيث يلزم منه إطالة الركعة الثانية إطالة كثيرة فحينئذٍ لايكره،آه. (الكبيرى:٤٦٣)

☆ ایک سورت بیچ میں چھوڑ کر پڑھے یا بے موقع وقف کرے تو کیا حکم ہے:

سوال: اگر کوئی نماز میں ایک سورت پڑھ کر ایک چھوڑ کر تیسری سورت پڑھ لے اور قراءت میں بے موقع وقف کر دے تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب

ویكره الفصل بسورة قصيرة،الخ ... ولايكره فى النفل شئ. (الدرالمختارعلىٰ هامش رد المحتار، باب صفة الصلاة،فصل فى القراء ة:۱/ ۵۱۰،ظفير)

حاصل یہ ہے کہ چھوٹی سورت کا فاصلہ کرنا مکروہ ہے، مگر نوافل میں مکروہ نہیں ہے، اگر درمیان آیت سانس ٹوٹ جاوے اس وجہ سے وقف کیا تو اعادہ اس آیت کا کرنا چاہئے، باقی تفصیلی حکم کسی قاری صاحب سے دریافت کرنا چاہئے۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/ ۲۶۴)

(۱) اکثر علماء کی رائے ہے کہ چھوٹی سورت کے فصل کی صورت میں مکروہ تنزیہی ہے، بڑی سورت میں نہیں۔ انیس

چھوٹی ہی سورتوں میں ہے، بڑی سورت میں جتنا جی چاہے چھوڑ کر پڑھے، حتی کہ اگر ایک چھوٹی سی آیت بھی درمیان قرأت دو رکعت کے چھوڑ دے، تب بھی بلا کراہت نماز ہو جائے گی، تکبیر کہنے والے نے کہا کہ میری نماز نہ ہوئی، ایک تو اسی وجہ سے جو اوپر مذکور ہوئی، دوسرے اس وجہ سے کہ امام صاحب کے ٹخنے ازار سے ڈھکے ہوئے تھے اور قبل نماز کے بھی کہا گیا تھا کہ ازار اوپر کو کیجئے خیر اوپر کو کی بھی تو نہ ہوئی، یعنی ٹخنے نہ کھلے انہی وجوہات کو مدنظر رکھ کر دوبارہ نماز پڑھی گئی اور تکرار جماعت میں امام صاحب بھی شریک ہوئے، آیا صورت مذکورہ بالا میں نماز بلا کراہت ہوئی یا بکراہت، اگر با کراہت ہوئی تو یہ کراہت تحریمی ہے، یا تنزیہی اور درمیان قرأت دو رکعت کے عبارت کس قدر چھوڑنی چاہئے، جس میں کسی قسم کی کراہت نہ رہے؟ بینوا بالکتاب توجروا یوم الحساب۔

الجواب

فی الدرالمختار: ولا بأس... أن یقرأ فی الأولیٰ من محل وفی الثانیة من آخر ولو من سورة إن کان بینهما آیتان فأکثر. (الدرالمختار)

وفی ردالمحتار (تحت قوله: ولو من سورة): لکن الأولی أن لا یفعل بلا ضرورة، لأنه یوهم الإعراض والترجیح بلا مرجح، شرح المنیة. (۵۷۰/۱)(۱)

روایت ہذا سے ثابت ہوا کہ درمیان میں تین آیتیں چھوڑ دینے سے کراہت نہیں ہوئی البتہ خلاف اولیٰ ہوا؛ لیکن یہ کہنا کہ اگر ایک چھوٹی سی آیت بھی درمیان قرأت دو رکعت کے چھوڑ دی، تب بھی بلا کراہت نماز ہو جاوے گی، یہ غلط ہے، **لمامر فی الروایة من قوله إن کان بینهما آیتان فأکثر فقط واللّٰه أعلم**

۱۵/ربیع الثانی ۱۳۲۷ھ۔ (تتمہ اولیٰ صفحہ: ۱۵) (امداد الفتاویٰ جدید: ۲۲۸/۱-۲۲۹)

بے جگہ وقف کرے یا جزء سورہ نماز میں کوئی پڑھے تو نماز ہو جائے گی:

سوال (۱) زید ایک قاری، وقف اضطراری بہت کثرت سے کرتا ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ نہایت ترتیل سے پڑھتا ہے، عشا اور فجر میں اکثر جزء سورت پڑھتا ہے، مصلیوں میں اور لوگ بھی قرآن صحیح بلا وقوف اضطراری پڑھ سکتے ہیں۔ مصلیوں میں سے بعض ایسے پڑھنے کو طبعًا بہت مکروہ سمجھتے ہیں، بڑی آیت میں کئی جگہ اور چھوٹی میں ایک جگہ کبھی دو جگہ وقف کیا جاتا ہے۔ مثلاً: "اَطْعَمَهُمْ" اضطراری، "اَلَّذِیْ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ وَّ آمَنَهُمْ" اضطراری "مِنْ خَوْفٍ" اور مثلاً: "اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ وَمَا"، اضطراری "وَمَا اَدْرَاکَ مَا لَیْلَةُ الْقَدْرِ" اس طرح وقف کرنا جائز ہے یا مکروہ؟

(۲) اور جزو سورہ پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

(۱) ردالمحتار، فصل فی القراءة، فروع فی القراءة خارج الصلاة: ۵۴٦/۱، دار الفکر بیروت. انیس

(۳) بعض مصلیان کا مکروہ سمجھنا ترک امامت کیلئے دلیل ہے یا نہیں؟

(۴) جب قاری مذکور تدویر سے بلاوقف اضطراری پڑھ سکتا ہے تو ایسے پڑھنے سے اس کو منع کیا جائے گا یا نہیں؟

الجواب

(۱) اس طرح وقوف اضطراری میں دوبارہ آیت کا اعادہ کر لینے سے کچھ کراہت نہیں رہتی اور مقتدیوں کو بھی اس سے کراہت کرنا نہ چاہئے؛ لیکن جبکہ دوسرا شخص صحیح پڑھنے والا قرآن شریف کا موجود ہے، جو کہ اس قدر کثرت سے وقف اضطراری نہیں کرتا تو اس کا امام ہونا اچھا ہے؛ کیوں کہ مقتدیوں کی رعایت بہتر ہے۔(۱)

(۲) جز وسورہ ہمیشہ پڑھنا خلاف سنت ہے اور غیر اولیٰ ہے، بہتر یہ ہے کہ نماز میں پوری سورہ پڑھی جاوے۔ شامی میں ہے:

صرحوا بأن الأفضل فی کل رکعة الفاتحة وسورة تامة،الخ .(۲)

(۳) مصلیان کا کسی امام کی امامت کو مکروہ سمجھنا اگر بوجہ امام کی خرابی کے ہو تو اس امام کو امامت کرانا مکروہ ہے اور اگر امام میں کچھ خرابی نہیں تو مقتدیان کا مکروہ سمجھنا بُرا ہے۔(کذا فی الدر المختار)(۳)

(۴) بے شک اگر تدویر سے بدونِ اوقاف اضطراری کے پڑھ سکتا ہے ویسا ہی پڑھنا چاہئے۔فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/ ۲۲۹-۲۳۰)

قرأت کی چند صورتوں کے متعلق سوال:

سوال: اگر فرض نماز میں اول رکعت میں سورۂ ہمزہ، دوئم میں سورہ فیل یا اول رکعت میں سورۂ ہمزہ، دوئم میں سورہ قریش، یا اول میں سورۂ ہمزہ دوئم میں سورۂ ماعون، یا اول میں سورۂ فیل دوئم میں ہمزہ، یا اول میں سورۂ قریش دوئم میں سورۂ فیل، یا اول میں ماعون دوم میں فیل پڑھے عمداً یا سہواً، تو نماز میں کسی قسم کی خرابی تو نہ ہوگی؟

---

(۱) وهـو مـافـی الـصحیحین :"إذا صلٰی أحدکم للناس فلیخفف فإن فیهم الضعیف والسقیم والکبیر وإذا صلٰی لـنفسه فلیطول ماشاء". (رد المحتار،باب الإمامة : ۵۱۷/۱،ظفیر)(إذا صـلٰی الشافعی قبل الحنفی هل إلا فضل الصلاة مع الشافعی أم لا؟)/موطأ الإمام مالک بروایة محمدبن الحسن الشیبانی،عن أبی هریرة رضی اللّٰه عنه، طول القراء ة فی الصلاة (ح:۲٤۸)/الـصحیح للبخاری،باب إذا صلی لنفسه فللیطول ماشاء (ح: ۷۰۳)/الصحیح لمسلم،باب باب أمر الأئمة بتخفیف الصلاة (ح:٤٦۷)/السنن المأثورة للشافعی،باب ماجاء فی الصلاة علی الراحلة (ح: ۱۲۰)انیس)

(۲) رد الـمـحتار، کتاب الصلاة،باب صفة الصلوٰة،فصل فی القراء ة: ۵۰۵/۱،ظفیر)(مطلب:السنة تکون سنة عین وسنة کفایة،انیس)

(۳) و لـو أم قـومـاً وهـم له کارهون ،إن الکراهة (لفساد فیه أولأنهم أحق بالإمامة منه کره)له ذلک تحریماً إلخ (وإن هوأحق لا)،والکراهة علیهم.(الدر المختارعلٰی هامش ردالمحتار،باب الإمامة : ۵۲۲/۱،ظفیر)

الجواب

اول صورت بلا کراہت درست ہے، دوسری مکروہ، تیسری جائز، چوتھی مکروہ، پانچویں مکروہ، ششم مکروہ ہے اور جس میں کراہت ہے عمداً اپڑھنے میں ہے اور فرض میں ہے، نفل میں ہر طرح جائز ہے۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۲۱۸)

قرأت مکروہ:

سوال: کسی امام نے دورکعت میں فاتحہ کے بعد ”قُلِ اللّٰهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ“ سے دوچار آیتیں پڑھ کر بدستور نماز کو تمام کرلیا، یہ نماز مکروہ ہوئی یا نہیں۔

ردالمحتار قبیل باب الإمامة میں جولکھا ہے:

” قوله: وأن يقرأ في الأولٰى من محل إلخ قال في النهر: وينبغي أن يقرأ في الركعتين اٰخر سورة واحدة لا اٰخر سورتين فإنه مكروه عند الأكثر آه“ اس عبارت کا کیا مطلب ہے؟

الجواب

اس صورت میں نماز مکروہ تحریمی نہیں ہے؛ کیونکہ عبارت ردالمحتار میں مکروہ اس کو لکھا ہے کہ دورکعت میں دوسورتوں کا آخر پڑھے اور ایک سورت کے آخر کی آیتیں دونوں رکعت میں پڑھنا مکروہ نہیں ہے، یعنی مکروہ تحریمی نہیں ہے؛ لیکن غیر اولیٰ یعنی مکروہ تنزیہی ہے؛ کیوں کہ افضل واولیٰ وسنت یہ ہے کہ ہر ایک رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد پوری سورت پڑھے۔

كما في الدر المختار: بأن الأفضل في كل ركعة الفاتحة وسورة تامة،إلخ. (۲)

اور ظاہر ہے کہ غیر اولیٰ کا مآل مکروہ تنزیہی ہوتا ہے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۲۲۱-۲۲۲)

ہر نماز کے بعد سورت متعین کرنے کی کراہت:

سوال: ہم چنانکہ تعیین سورۃ در فرائض مکروہ است آیا در نوافل ہم مکروہ است یا نہ؟ (۳)

الجواب

في الهندية: ويكره أن يوقت شيئًا من القرآن بشيءٍ من الصلوٰت،إلخ. (۱/۴۹)(۴)

---

(۱) ويكره الفصل بسورة قصيرة و أن يقرء منكوساً إلخ ولايكره في النفل شئ من ذالك. (الدر المختار) (قوله: ثم ذكريتم) أفاد أن التنكيس أو الفصل بالقصيرة إنما يكره إذاكان عن قصد فلوسهواً فلا، كما في شرح المنية، رد المحتار، فصل في القراءة: ۱/۵۱۰، ظفير) (باب صفة الصلاة، مطلب: الاستماع للقرآن فرض كفاية، انيس)

(۲) ردالمحتار، فصل في القراءة: ۱/۵۰۵، ظفير (باب صفة الصلاة، مطلب: السنة تكون سنة عين وسنة كفاية، انيس)

(۳) ترجمۂ سوال: جس طرح فرائض میں سورۃ متعین کرلینا مکروہ ہے، نوافل میں بھی مکروہ ہے یا نہیں

(۴) الباب الرابع في صفة الصلاة، الفصل الرابع في القراءة: ۱/۸٦، دارالفكر. انيس ==

ازیں روایت معلوم شد کہ فرائض ونوافل دریں حکم برابرست۔(۱)

یکم محرم ۱۳۳۴ھ۔(امداد الفتاویٰ جدید:۱/۲۵۶-۲۵۷)

نماز میں آیتِ سجدہ کا چھوڑ نا مکروہ ہے:

سوال: امام آیتِ سجدہ پر پہنچ کر آیت سجدہ چھوڑ کر رکوع کرے تو کیا حکم ہے؟

الجواب

درمختار میں ہے:

وكره ترك آية سجدة وقراءة باقي السورة،إلخ.(۲)

پس معلوم ہوا کہ آیت سجدہ کو بالقصد چھوڑ دینا مکروہ ہے۔فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۲۲۵) ☆

== ولأنه لاتوقيت في القراءة لشيء من الصلوات ففي دعاء القنوت أولى.(بدائع الصنائع،فصل فى القنوت :۲۷۳/۱،دارالكتب العلمية.انيس)

(ولا تتعين سورة لصلاة) بحيث لا يجوز غيرها(ويكره التعيين)يعنى يكره أن يعين المصلى سورة لصلاة ويواظب عليها لما فيه من هجران الباقي،قال الطحاوى:هذا إذا اعتقد أن الصلاة لا تجوز بغيرها أما إذا لم يعتقد ذلك ولازمها أنها أيسر فلا يكره.(شرح المجمع لابن ملك،فصل فى صفة الصلاة:۱۲۲/۱،دارالكتب العلمية.انيس)

(۱) خلاصۂ جواب:فرائض ونوافل دونوں کا حکم یکساں ہے۔

(۲) الدرالمختارعلى هامش رد المحتار،باب سجود التلاوة:۷۲۹/۱،ظفير

(وكره أن يقرأ سورة)فيها سجدة (ويدع) أى يترك (آية السجدة) قال محمد فى الجامع الصغير: لأن فيه هجر شيء من القرآن وذلك ليس من أعمال المسلمين ولأنه فرارمن السجدة وذلك ليس من أخلاق المؤمنين.(النهرالفائق،باب سجودالتلاوة:۳۴۳/۱،دارالكتب العلمية بيروت)

ويكره أن يقرأ السورة فى الصلاة أو غيرها ويدع آية السجدة، قال الحاكم الشهيد رحمه الله:إنما كره لمعان:أحدها:أن ترك الآية من بين السورة يقطع النظم وإعجاز القرآن فأشبه تحريف القرآن عن موضعه فيكون فيه رعايةً على تحريفه قابل ما فى الباب أن يكره.والثانى:أن فيه ترك القراءة سنة فإن السنة أن يقرأ فيها السورة على نحوها،قال عليه السلام لبلال:إذا قرأت سورة فاقرأها على نحوها وخلاف السنة مكروه.والثالث:أن ترك الآيتين به من بين السورة يؤدى إلى إلغاء القرآن ومن ألغى القرآن فقد أجرم فيكره لقوله تعالىٰ:وقال الذين كفروا لا تسمعوا لهذا القرآن والغوا فيه لعلكم تغلبون.(فصلت: ۲۶).والرابع:أن فى تركها فراراً من السجدة فيكره لقوله تعالىٰ: وإذا قيل لهم اسجدوا للرحمن قالوا ومالرحمن أنسجد لما تأمرنا وزادهم نفوراً.(الفرقان: ۶۰). والخامس: أن ترك السجدة من بين السورة يؤدى إلى هجرالقرآن فيكره لقوله تعالىٰ:وقال الرسول يٰرب إن قومى اتخذوا هذا القرآن مهجوراً.(الفرقان: ۳۰).وقال النبى صلى الله عليه وسلم:ليس شيء من القرآن بمهجور، فلاينبغى أن يدع آية السجدة،الخ.(المحيط البرهانى،الفصل الحادى والعشرون فى سجدة التلاوة:۱۹/۲،دارالفكر.انيس)

☆ **آیت سجدہ کا ترک:**

سوال: سجدہ والی سورت میں دوایک آیت چھوڑ دینا سجدہ کی وجہ سے کیسا ہے؟ ==

قرأت خفی کی حالت میں سانس لیتے ہوئے قرأت جاری رکھنا:

سوال: اثناءِ نماز قرأت خفی کی حالت میں سانس لیتے ہوئے قراءت کا جاری رکھنا؛ جب کہ کوئی فتور قرأت میں نہ پڑھے، جائز ہے یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــ

اگر قرأت میں فتور نہ آئے تو جائز ہے، ورنہ مکروہ ہے۔(۱)

۲۶؍شعبان ۱۳۴۶ھ (امداد الاحکام:۲؍۱۹۳)

==

الجواب ـــــــــــــــــــــــ

سجدہ کی آیت کو پڑھنا اور سجدہ کرنا بہتر ہے اس کو نہ چھوڑے۔((وکرہ ترک آیة سجدة وقراء ة باقي السورة)؛ لأن فيه قطع نظم القرآن وتغيير تأليفه واتباع النظم والتأليف مأمور به بدائع. ومفاده أن الكراهة تحريمية(لا) يكره (عكسه)(الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار، باب سجود التلاوة: ۱/۷۲۹، ظفیر) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۲؍۲۴۴)

(۱) سانس لینے سے کوئی قباحت نہیں آتی ہے، خشوع وخضوع برقرار رکھتے ہوئے سانس لینے میں کوئی قباحت نہیں ہے، کیوں نماز میں انسان اپنے رب کے سامنے اس طرح کھڑا ہوتا ہے کہ گویا وہ اپنے رب کو دیکھ رہا ہوتا ہے۔انیس

عن ابن عمر قال: ... قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: اعبد اللّٰه كأنك تراه فإن لم تكن تراه فإنه يراك. (الصحيح للبخاري، باب سوال جبريل النبي صلى الله عليه وسلم (ح: ۵۰)/الصحيح لمسلم، باب معرفة الإيمان والإسلام والقدر (ح:۸)/سنن أبي داؤد، باب في القدر (ح:۴۶۹۵) انيس)

قرأت:

یعنی نماز میں قرآن مجید پڑھنا۔اس کی تین قسمیں ہیں:

(۱) فرض (۲) واجب (۳) سنت

مسئلہ: ایک بڑی آیت یا تین چھوٹی آیتیں پڑھنا فرض ہے۔(مراقی) آیۃ الکرسی یا ایسی بڑی ایک آیت دو رکعتوں میں آدھا آدھا پڑھے تو جائز ہے۔(عالمگیری:۱؍۶۹)

مسئلہ: فرض نماز کی صرف دو رکعتوں میں اور وتر ونوافل (سنن وغیرہ سب نمازوں) کی سبھی رکعتوں میں قرأت فرض ہے۔(شامی:۱؍۳۰۰)

مسئلہ: اس طرح قراءت کرے کہ خود سنے اگر خود بھی نہ سنے تو قرأت نہ ہوگی۔(عالمگیری:۱؍۶۹)

مسئلہ: فرض کی دو رکعتوں میں اور وتر، سنت نفل کی سب رکعتوں میں سورہ فاتحہ پڑھنا واجب ہے۔

مسئلہ: فرض کی تیسری یا چوتھی یا دونوں رکعتوں میں سورہ ملادی تو نماز صحیح ہے سجدۂ سہو کی بھی ضرورت نہیں ہے۔(شامی)

مسئلہ: مقتدی قرأت نہ کرے، امام بلند آواز سے پڑھے تو وہ سنے اور آہستہ پڑھے تو وہ خاموش رہے۔مقتدی کا قرأت کرنا مکروہ تحریمی ہے۔(مراقی:۱۲۳)

مسئلہ: نماز میں جتنا قرآن مجید پڑھنا فرض ہے، اس کو زبانی یاد کرنا بھی فرض ہے اور پورا قرآن مجید حفظ کرنا فرض کفایہ ہے۔(شامی:۱؍۳۶۱)

(طہارت اور نماز کے تفصیلی مسائل:۲۲۴-۲۲۵)(انیس)

غیر عربی میں قرأت کے مسائل

قرآن کا ترجمہ نماز میں پڑھنا کیسا ہے:

سوال: ایک زبردست عالم کا بیان ہے کہ اگر قرآن شریف کی کسی آیت کا ترجمہ اردو میں پڑھ لیا جاوے تو نماز ادا ہو جاتی ہے؛ کیوں کہ قرآن شریف کلام اللہ نہیں ہے، بلکہ اس کا ترجمہ ہے، جو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے عربی زبان میں کیا اور قرآن شریف کے نزول کا یہ ذریعہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں ڈال دیا، انہوں نے اپنی زبان مبارک سے ادا کیا، یہ بیان اس مولوی صاحب کا صحیح ہے یا غلط؟

الجواب

اس زبردست عالم کے حوالے سے جو مسئلہ آپ نے لکھا ہے، وہ بالکل غلط ہے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ صاحب دین کے عالم نہیں ہیں، افسوس ہے کہ ایسے ایسے غلط مسئلے نام کے عالم بیان کر دیتے ہیں، الحمد یا کسی سورت کا ترجمہ نماز میں پڑھنے سے نماز نہیں ہوتی؛ کیوں کہ قرآن شریف نام ہے، اس عربی کلام اللہ کا، جو ما بین الدفتین ہے؛ یعنی دو پٹھوں کے درمیان میں جو کلام اللہ ہے، یہی قرآن شریف ہے اور یہی کلام اللہ ہے، اہل سنت وجماعت کا یہ عقیدہ ہے۔(۱) پس اس مولوی کا یہ کہنا کہ یہ عربی قرآن شریف کلام اللہ نہیں ہے، بلکہ اس کا ترجمہ ہے، الخ، بالکل غلط ہے اور افتراء ہے۔

خدا تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ اِنَّا اَنۡزَلۡنَاهُ قُرۡاٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ﴾(۲)

(۱) کما صح لو شرع بغیر عربیة،إلخ (أو قرأ بها عاجزاً)فجائز إجماعاً قید القراء ة بالعجز لأن الأصح رجوعه إلٰی قولهما وعلیه الفتویٰ،قلت:وجعل العینی الشروع کالقراء ة لاسلف له فیه ولا سند له یقویه.(الدر المختار)

وإنما المنقول أنه رجع إلٰی قولهما فی إشتراط القراء ة بالعربیة إلا عند العجز إلخ لأن الإمام رجع إلٰی قولهما فی إشتراط القراء ة بالعربیة لأن المامور به قراء ة القرآن،وهو إسم للمنزل باللفظ العربی المنظوم هذا النظم الخاص المکتوب فی المصاحف المنقول إلینا نقلاً متواتراً،إلخ،(رد المحتار،باب صفة الصلوٰة،فصل فی بیان تالیف الصلوٰة، مطلب:الفارسیة: ۱/ ٤٥١،ظفیر)

(۲) سورة یوسف:۲،ظفیر

اسی طرح بہت جگہ قرآن کو عربی فرمایا ہے اور ایک جگہ یہ بھی ارشاد ہے:

﴿وَلَوُ جَعَلْنَاهُ قُرْاٰناً اَعُجَمِيّاً لَّقَالُوْا لَوُلاَ فُصِّلَتُ اٰيَاتُهُ أَاَعُجَمِيٌّ وَّعَرَبِيٌّ﴾(۱)

یعنی: اللہ فرماتا ہے کہ اگر ہم قرآن کو عربی زبان میں نہ اتارتے اور عجمی کر دیتے یعنی سوائے عربی کے دوسری زبان میں اتارتے تو کفار یہ اعتراض کرتے کہ عربی پیغمبر پر عجمی قرآن اتارا گیا یہ عجیب بات ہے۔

اور فقہ کی کتابوں میں صاف یہ لکھا ہے کہ نماز میں قرآن شریف کا ترجمہ پڑھنے سے نماز نہیں ہوتی، البتہ جو شخص نومسلم کوئی ایسی موٹی زبان کا ہے کہ اس سے عربی لفظ نہیں کہے جاتے، اس کو تا وقتیکہ وہ سیکھے اور قرآن پڑھ سکے، یہ درست ہے کہ ترجمہ ہی پڑھ لے؛(۲) کیوں کہ وہ معذور ہے، قرآن کے پڑھنے سے اور یہ کہنا اس کا کہ خدا تعالیٰ نے آپ کے دل میں ڈال دیا، آپ نے اپنی زبان سے عربی الفاظ میں بیان کر دیا، یہ عقیدہ بھی بالکل اس کا اہل سنت کے خلاف ہے، یہ نیچریت اور مرزائیت کے معتقد معلوم ہوتے ہیں، اہل سنت، اہل اسلام کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت جبرئیل کے ذریعہ سے قرآن شریف نازل ہوا ہے، خود قرآن شریف میں آیا ہے: نَزَلَ بِهِ الرُّوُحُ الْاَمِيُنُ (۳) کہ اس قرآن کو روح امین یعنی جبرئیل علیہ السلام نے اللہ کے پاس سے اتارا ہے۔(۴)

الغرض ایسے بدعقیدہ والے کی بات نہ سننی اور نہ ماننی چاہئے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲/۲۶۴-۲۶۶)

---

(۱) سورة حٰم سجدة: ٤٤ ،ظفير

(۲) (عن أبي حنيفة في رجل افتتح الصلاة بالفارسية أو قرأ فيها بالفارسية أو ذبح أو سمٰى بالفارسية وهو يحسن العربية أجزاه وقال أبويوسف ومحمد لا يجزيه)هذا تنصيص على أن من قرأ القرآن بالفارسية لا تفسد صلاته إتفاقاً وإنما الشان في جواز الصلاة معها،هما يقولان إنه مأمور بالنظم والمعنى جميعاً فإذا ترك النظم يجب أن لايجزيه وأبوحنيفة يقول:بأنه مأموربهما لكن النظم غيرلازم في حق جواز الصلاة وذكرأبوبكرالرازي أنه رجع إلى قولهما وعليه الاعتماد.(وإن لم يحسن العربيةأجزاه).(الجامع الصغيروشرحه النافع الكبير،باب في تكبيرة الافتتاح: ۱/۹٤-۹٥، عالم الكتاب بيروت.انيس)

(۳) سورة الشعراء: ۱۹۳ ،ظفير

(۴) وإن القرآن كلام اللّٰه منه بدأ بلا كيفية قولاً وأنزله على رسوله وحياً وصدقه المؤمنون على ذلك حقاً وأيقنوا أنه كلام الله تعالٰى بالحقيقة ليس بمخلوق ككلام البرية فمن سمعه فزعم أنه كلام البشر فقد كفر وقد ذمه اللّٰه وعابه وأوعده بسقر حيث قال﴿إِنْ هٰذَا إِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ﴾(سورة المدثر: ٢٥)علمنا وأيقنا أنه قول خالق البشر ولا يشبه قول البشر.(العقيدةالطحاوية)

هذه قاعدة شريفة وأصل كبير من أصول الدين ضل فيه طوائف كثيرة من الناس وهذا الذي حكاه الطحاوي رحمه اللّٰه وهو الحق الذي دلت عليه الأدلة من الكتاب والسنة لمن تدبرها وشهدت به الفطرة السليمة التي لم تغير بالشبهات والشكوك والآراء الباطلة.(شرح الطحاوية للأذرعي الحنفي،القرآن كلام اللّٰه: ۱/۱٦٨،دارالسلام للنشر والتوزيع.انيس)

نماز میں ترجمۂ قرآن پڑھا جائے تو نماز ہوگی یا نہیں:

سوال (۱) اگر نماز کے اندر قرآن مجید کا ترجمہ دوسری زبان میں کیا جائے تو نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟

قرآن سے مقصود لفظ ہے یا معنی:

(۲) قرآن مجید سے مقصود دراصل لفظ ہے یا معنیٰ؟

الجواب

قرأت قرآن میں مقصود اصلی دونوں ہیں، لفظ بھی اور معنی بھی اور قرآن نام ہے، اس کلام اور عبارت خاص کا؛ جو کہ مکتوب فی المصاحف ہے اور عربی زبان میں ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ قُرْآناً عَرَبِيّاً لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ﴾(۱)

پس جو نظم عربی نہیں ہے وہ قرآن نہیں ہے اور نہ حکم تلاوت قرآن کا اس پر صادق آتا ہے اور نہ وہ ثواب حاصل ہوسکتا ہے، حدیث شریف میں ہے:

قال رسول اللّٰہ صلى اللّٰہ عليه وسلم: من قرأ حرفاً من كتاب اللّٰہ فله به حسنة، والحسنة بعشر أمثالها، لا أقول: الٓمّ، حرف، ألف حرف، ولام حرف، وميم حرف. (رواه الترمذی وغيره عن ابن مسعود رضی اللّٰہ عنه)(۲)

شامی میں ہے:

لأن الإمام رجع إلىٰ قولهما فی إشتراط القراء ة بالعربية ...لأن المأمور به قراء ة القرآن، وهو إسم للمنزل باللفظ العربی المنظوم هذا النظم الخاص، ألمكتوب فی المصاحف المنقول إلينا نقلاً متواترًا، إلخ. (۳)

اس کا حاصل یہ ہے کہ امام صاحب اور صاحبین اس میں متفق ہوگئے ہیں کہ نماز میں قرأت قرآن انہی کلمات عربیہ

---

(۱) سورة يوسف: ۲، ظفير

(۲) مشكوٰة كتاب فضائل القرآن، الفصل الثانی: ۱۸۶، رقم الحديث: ۲۱۳۷، ظفير (سنن الترمذی، باب ماجاء فيمن قرأ حرفاً من القرآن (ح: ۲۹۱۰)/شعب الإيمان، باب فی إدمان تلاوة القرآن (ح: ۱۸۳۰) انيس)

(۳) رد المحتار، باب صفة الصلوٰة، مطلب: فی حكم القراء ة بالفارسية: ۴۵۲/۱، ظفير

أما الكتاب: فالقرآن المنزل على رسول اللّٰہ المكتوب فی المصاحف المنقول عن النبی صلى اللّٰہ عليه وسلم نقلاً متواتراً بلاشبهة. (أصول البزدوی على صدر كشف الأسرار، أصول الشرع ثلاثة الكتاب والسنة والإجماع: ۲۱/۱-۲۲، دار الكتاب الإسلامی)

کے ساتھ ہونی چاہئے جو کہ حقیقۃً قرآن ہے اور مصاحف میں لکھا ہوا ہے۔(۱)

الحاصل نماز کے اندر ترجمہ قرآن شریف کا پڑھنے سے نماز نہ ہوگی؛ کیوں کہ نماز میں قرأت قرآن مجید فرض ہے اور قرآن نام منظّم عربی کا ہے، ترجمہ کو قرآن نہیں کہا جائے گا، مگر مجازاً۔

كما قال في رد المحتار: والأعجمي إنما يسمى قرآناً مجازًا ولذا يصح نفي إسم القرآن عنه، إلخ. (ردالمحتار)(۲) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیو بند:۲/ ۲۳۱-۲۳۲)

قرأت بغیر حرکتِ لَب معتبر نہیں:

سوال: اگر کوئی شخص نماز بلا حرکتِ لب جی میں پڑھے تو نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب

قرأت وغیرہ ایسے معتبر نہیں ہے۔(۳) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیو بند:۲/ ۲۴۰)

☆☆☆

---

(۱) (ويروى رجوعه في أصل المسألة إلى قولهما وعليه الإعتماد) أي على القول بالرجوع الإعتماد ولتنزيله منزلة الإجماع فإن القرآن إسم للنظم والمعنى جميعاً بالإجماع. (البناية شرح الهداية، باب صفة الصلاة: ۱۷۹/۲، دارالكتب العلمية بيروت. انيس)

(۲) ردالمحتار، باب صفة الصلاة، مطلب: الفارسية: ۱٤۸/۱، انيس

(۳) (و) أدنى (الجهر إسماع غيره) و (أدنى المخافتة إسماع نفسه، الخ) (ويجرى ذلک) المذكور (في كل مايتعلق بنطق، كتسمية على ذبيحة ووجوب سجدة تلاوة وعتاق وطلاق وإستثناء) وغيرها. (الدرالمختار)

إعلم أنهم اختلفوا في حد وجود القراءة على ثلاثة أقوال: فشرط الهندواني والفضلي لوجودها خروج صوت يصل إلى أذنه وبه قال الشافعي رحمه الله تعالى وشرط بشرالمريسي وأحمد خروج الصوت من الفم وإن لم يصل إلى أذنه، إلخ، ولم يشترط الكرخي وأبوبكرالبلخي السماع واكتفيا بتصحيح الحروف، إلخ. (رد المحتار، فصل في القراءة: ۱/ ٤۹۸-٤۹۹، ظفير) (باب صفة الصلاة، مطلب: في الكلام على الجهروالمخافتة، انيس)

دوران قرأت آیتوں کا چھوڑنا

ایک آیت پڑھ رہا تھا چھوڑ کر دوسری جگہ سے پڑھنے لگا:

سوال: امام نے قرأت شروع کی اور اس کو سہو ہوا؛ حالانکہ بقدر ایک آیت کے پڑھ چکا تھا، اس نے اس موقعہ کو چھوڑ کر دوسری جگہ سے پڑھا یہ کیسا ہوا؟

الجواب

یہ اچھا کیا۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۲۲۰)

مقدارِ واجب پڑھنے کے بعد بھول گیا اور امام نے رکوع کے بجائے نماز توڑ دی تو کیا حکم ہے:

سوال (۱) امام نے نماز شروع کی اور تین یا چار آیت پڑھ کر بھول گیا، تو اب اس کو رکوع کرنا تھا، اس نے نماز توڑ دی، پھر دوبارہ الحمد سے شروع کی تو کیسا ہے؟

دو آیت پڑھ کر بھول گیا، امام نے بیچ کی آیت چھوڑ کر آگے سے پڑھا:

(۲) امام نے نماز شروع کی، دو آیت پڑھ کر بھول گیا تو چوتھی یا پانچویں آیت سے شروع کی یا دوسری سورہ، تو نماز ہوگئی یا نہیں اور سجدہ سہو ہے یا نہیں؟

اگر دو آیت پڑھ کر بھول گیا تو دوسری سورت پڑھے یا نہیں:

(۳) امام دو آیت پڑھ کر تیسری نصف آیت سے بھول گیا تو چوتھی یا پانچویں آیت سے، یا دوسری سورہ شروع کر دی تو نماز ہوگی یا نہیں اور سجدہ سہو ہے یا نہیں؟

---

(۱) یکره أن یفتح من ساعته کمایکره للإمام أن یلجئه إلیه،بل ینتقل إلیٰ آیة أخریٰ لایلزم من وصلها مایفسد الصلاة أوإلیٰ سورة أخریٰ أویرکع إذا قرأ قدرالفرض،إلخ ، وفی روایة: قدرالمستحب (رد المحتار،باب مایفسد الصلوٰة: ۵۸۲/۱، ظفیر)(مطلب:المواضع التی لا یجب فیها ردالسلام)

ینبغی للمقتدی أن لایعجل بالفتح لأنه ربما یتذکر الإمام فیکون التلقین من غیرحاجة وللإمام أن لا یلجئهم إلیه بل یرکع إذا قرأ قدرالفرض وإلا انتقل إلی آیة أخریٰ.(تبیین الحقائق،باب مایفسد الصلاة ومایکره فیها: ۱۵۷/۱، المطبعة الأمریة بولاق،انیس)

الجواب

(۱) نماز توڑنے کی ضرورت نہ تھی؛ لیکن جب دوبارہ اس نماز کو پڑھ لی تو ادا ہوگئی۔(۱)

(۲) نماز صحیح ہے اور سجدہ سہو لازم نہیں ہوا۔(۲)

(۳) اس صورت میں بھی نماز ہوگئی اور سجدہ سہو لازم نہیں ہے۔(۳) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیو بند:۲/۲۳۲-۲۳۳)

نماز میں تین آیت سے کم پڑھ کر دوسری جگہ سے پڑھنے کا حکم:

سوال: اگر کسی نے ضم سورت کے لئے تلاوت شروع کی؛ لیکن ایک دو چھوٹی آیت کے بعد اگلی آیت یاد نہیں آئی اور اس نے دوسری سورت پڑھ کر نماز کی تکمیل کر لی تو کیا ایسی صورت میں اس کو سجدہ سہو کرنا ہوگا، یا بغیر سجدہ سہو کے نماز ہو جائے گی؟ (محمد عبدالقیوم، عیدی بازار)

الجواب

سورۂ فاتحہ کے بعد ایک ہی جگہ سے تین آیتیں، یا تین چھوٹی آیتوں کے برابر ایک بڑی آیت کا پڑھنا واجب ہے،(۴) یاد ہونے کے باوجود ایک ہی رکعت میں مختلف جگہوں سے قرأت کرنا مکروہ ہے۔

"لو انتقل فی الرکعة الواحدة من آیة إلٰی آیة یکره". (۵)

اگر اتنا نہ پڑھ سکا اور آگے کسی اور جگہ سے تلاوت شروع کر دی تو سجدہ سہو کرنا واجب ہے،(۶) اور اگر قرأت کے درمیان ہی پہلے پڑھی ہوئی آیات کا سلسلہ یاد آجائے تو جو آیت پڑھ رہا ہے، اس کو پوری کر کے پچھلی آیات کی طرف لوٹ آئے اور اسے مکمل کرے؛ تاکہ ترتیب کی رعایت ہو سکے:

" فإن سها ثم تذکر یعود مراعاةً لترتیب الآیات". (۷) (کتاب الفتاویٰ:۲/۲۰۲)

---

(۱) (وضم) أقصر (سورة) کالکوثر أو ما قام مقامها وهو ثلاث آیات قصار نحو "﴿ثُمَّ نَظَرَ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ثُمَّ اَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ﴾" إلخ (الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار، باب صفة الصلوٰة، مطلب واجبات الصلوٰة: ۱/۴۲۷، ظفیر)

(۲) یکره أن یفتح من ساعته کما یکره للإمام أن یلجئه إلیه، بل ینتقل إلٰی آیة أخری لا یلزم من وصلها ما یفسد الصلاة. (رد المحتار، باب ما یفسد الصلوٰة وما یکره فیها: ۱/۵۸۲) (مطلب: المواضع التی لا یجب فیها رد السلام)

(وینبغی للمقتدی أن لا یعجل بالفتح وللإمام أن لا یلجئهم إلیه) بأن یردد الآیة أو یقف ساکتاً (بر یرکع إذا جاء أوانه أو ینتقل إلی آیة أخری). (البنایة شرح الهدایة، باب ما یفسد الصلاة وما یکره فیها: ۱/۴۰۰. انیس)

(۳) ولو قرأ آیة تعدل أقصر سورة جاز، إلخ وقدرها من حیث الکلمات عشر، ومن حیث الحروف ثلاثون. (أیضاً، فصل فی القراءة: ۱/۵۰۲، ظفیر) (باب صفة الصلاة، مطلب: تحقیق مهم فیما لو تذکر فی رکوعه أنه لم یقرأ، الخ، انیس)

(۴) تجب قراءة الفاتحة وضم السورة أو ما یقوم مقامها من ثلاث آیات قصار أو آیة طویلة فی الأولیین بعد الفاتحة، کذا فی النهر الفائق. (الفتاوی الهندیة: ۱/۷۱. محشی) (الباب الرابع فی صفة الصلاة الخ، الفصل الثانی فی واجبات الصلاة، انیس)

(۵) رد المحتار: ۲/۲۱۹. (باب صفة الصلاة، فصل فی القراءة، مطلب: الاستماع للقرآن فرض کفایة، انیس)

(۶) الفتاوی التاتارخانیة: ۱/۵۸۰، محشی

(۷) رد المحتار: ۲/۲۶۹، قبیل باب الإمامة. (باب صفة الصلاة، فصل فی القراءة، مطلب: الاستماع للقرآن فرض کفایة، انیس)

مختلف قرأتوں کے احکام ومسائل

نماز میں متواترہ قرأتیں:

سوال: فن قرأت میں اصول وفروع دوقسم ہے اورسات ائمہ اور چودہ روایت سے مروی ہے تو نماز کے اندر تمام کی قرأت جمع کرکے پڑھ سکتے ہیں یا فقط فرع کی؟ یعنی اختلاف فرش الحروف کا نماز کے اندر اجراء کرسکتے ہیں یانہیں، ایک کلمہ ایک راوی کا اور ایک کلمہ دیگر راوی کا نماز میں اجراء کرسکتے ہیں یانہیں؟

الجواب

نماز جملہ روایات متواترہ کے ساتھ صحیح ہے؛ لیکن روایات غریبہ غیر معروفہ کو پڑھنا نماز میں اچھا نہیں، اگرچہ وہ متواترہ ہوں؛ کیوں کہ عوام کو اس میں مضرت ہے۔

كما فى الدرالمختار: ويجوزبالروايات السبع.

وفى الشامى: بل يجوزبالعشر أيضاً.

لكن الأولىٰ أن لايقرأ بالغريبة عند العوام صيانةً لدينهم، إلخ. (الدرالمختار)

وفى الشامى: (قوله بالغريبة) أى بالروايات الغريبة والإمالات؛ لأن بعض السفهاء يقولون مالايعلمون فيقعون فى الإثم والشقاء، ولاينبغى للأئمة أن يحملوا العوام على مافيه نقصان دينهم ، ولايقرأعندهم مثل قراءة أبى جعفروابن عامروعلى بن حمزة والكسائى صيانةً لدينهم. فلعلهم يستخفون أويضحكون، وإن كان كل القراءات والروايات صحيحةً فصيحةً، ومشائخنا اختاروا قراءة أبى عمروحفص عن عاصم ، إلخ، من التاترخانية عن فتاوىٰ الحجة. (۱)

الحاصل جو قرأت اب عموماً مروج ہے اور قرآنوں میں مطبوع ہے، یعنی قرأت حفص کی عاصم سے اسی کو پڑھنا چاہئے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲/۲۲۶-۲۲۷)

---

(۱) رد المحتار، فصل فى القراءة: ۱/۵۰۵، ظفير (باب صفة الصلاة، مطلب: السنة تكون سنة عين وسنة كفاية)
والمشهور أنها ما عدا القراءات السبع لأبى عمرو ونافع وعاصم وحمزة والكسائى وابن كثير وابن عامر وقال السبكى الصحيح أنها ما وراء القراءات العشر للمذكورين ويعقوب وأبى جعفر وخلف، الخ. (التقرير والتحبير على تحرير الكمال بن الهمام لابن أمير الحاج، الباب الثانى من المقالة الثانية فى أدلة الأحكام الشرعية: ۲/۲۱۴، دارالكتب العلمية بيروت. انيس)

نماز میں دیگر روایات کے مطابق تلاوت کرنے کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ دین دریں مسئلہ کہ بیس روایات جو عشرہ قرأت سے موسوم ہیں، ان میں سے کسی ایک روایت کو خاص کر کے فرض نماز میں پڑھنا اور ادل بدل کر کبھی کسی اور کبھی کسی روایت میں فرض نماز کی جماعت کرانا جائز ہے یا نہیں، اگر ان روایات سے ناواقف لوگ مقتدی ہوں تو اور علما وطلبہ کی جماعت ہو تو جیسے مدارس عربیہ خیر المدارس وغیرہ تو کیا حکم ہے، ایسے جماعت کرائی جائے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

قرآن مجید کی دس قراءات متواتر ہیں وقطعاً صحیح اور یقیناً قرآن ہیں، ان کو قبول کرنا اور ان کو منزل من اللہ سمجھنا ہر مسلمان پر فرض ہے اور ان کا نماز اور غیر نماز دونوں حالتوں میں پڑھنا بلا شبہ درست ہے، ان دس قرأتوں کے متواتر وصحیح اور مقبول ہونے پر تمام علما وفقہا جملہ مفسرین ومحدثین ونیز ائمہ اربعہ وغیرہم کا اجماع ہے، پس قرأت متواترہ جو بھی ہو، اس سے نماز میں فرض قرأت یقیناً ادا ہو جائے گا؛ البتہ قرأت شاذہ سے فرض قرأت ادا نہ ہوگا اور قرأت شاذہ سے نماز فاسد بھی نہیں ہوتی، چنانچہ ردالمحتار:۱/۳۵۸ میں ہے:

”القرآن الذی تجوز به الصلاة بالاتفاق هو المضبوط فی مصاحف الأئمة التی بعث بها عثمان رضی اللّٰه عنه إلٰی الأمصار وهو الذی أجمع علیه الأئمة العشرة وهذا هو المتواتر جملة تفصیلاً فما فوق السبعة إلٰی العشرة غیر شاذ وإنما الشاذ ما وراء العشرة وهو الصحیح وتمام تحقیق ذلک فی فتاویٰ العلامة قاسم.(۱)

(۱) كما فی ردالمحتار: كتاب الصلاة، مطلب فی حكم القراء ة بالشاذ ومطلب بیان المتواتر والشاذ: ۱/۳۵۸، مكتبة رشیدیة ، قدیم كوئٹة)/ردالمحتار: كتاب الصلاة ، مطلب فی حكم القراء ة بالشاذ ، بیان المتواتر و الشاذ :۲/۲۲۶-۲۲۷، طبع مكتبة رشیدیة جدید كوئٹة)

(القراء ات السبع)المنسوبة إلی أئمة السبعة :نافع وابن كثیر وأبی عمرو وابن عامر وعاصم وحمزة والكسائی (متواترة)علیه الجمهور من المسلمین (وقیل)هذه القراء ات(مشهورة)ولا یعبأ بهذا القائل ولا یعتد به ثم المحققون من المسلمین علی أن الثلاث المنسوبة إلی الأئمة الثلاثة:یعقوب وأبی جعفر وخلف،أیضاً متواترة وحكمها حكم السبعة صرح به محی السنة البغوی فی معالم التنزیلبل نقل عن البغوی دعوی الإتفاق،الخ.(فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت،مسئلة القراء ات السبعة: ۲/۱۸،دار الكتب العلمیة بیروت.انیس)

(القراء ات الشاذة)وهی ماعدا العشرة التی نقلها عن الرسول صلی اللّٰه علیه وسلم من لایبلغ عدد التواتر وان اشتهر عنهم فی القرن الثانی وهو المراد هٰهنا وقد یطلق علی مانقل بأخبار واحد عن واحد (حجة ظنیة)عندنا واجبة العمل دون العلم،الخ.(فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت،مسئلة القراء ات الشاذة: ۲/۱۹،انیس)

مگر یہ بات یاد رہے کہ گو یہ سب روایتیں صحیح اور فصیح ہیں؛ لیکن صحیح یہ ہے کہ عجیب قرأتیں امالوں کے ساتھ اور جو غریب روایتوں سے ثابت ہوئی ہیں، عوام کے سامنے نہ پڑھے، جیسے امام ابوجعفر اور ابن عامر اور حمزہ، کسائی کی قرائتیں کہ ان کو سن کر عوام ہنستے ہیں اور قرآن مجید پر ہنسنا بے دینی ہے، اس لئے عوام کے سامنے ان کے دین کو بچانے کے لئے عجیب عجیب قرأتیں اور روایتیں نہ پڑھے۔ (کذا فی عمدة الفقه: ۲/ ۱۲۳)(۱)

اور چونکہ مدارس عربیہ میں اہل علم غالب واکثر اور عوام الناس قلیل تو مغلوب ہوتے ہی ہیں، اس لئے مدارس میں ان قرأت کا پڑھنا نماز اور غیر نماز دونوں حالتوں میں بلا شبہ مناسب ہے اور چونکہ مدارس پر عوام کو اعتماد ہوتا ہے، اس لئے ان شاء اللہ تعالیٰ ان کے سامنے ایسی روایات کے پڑھنے سے تبلیغ واشاعت قرأت کا ثواب ملے گا؛ تاکہ وہ ان قرأت سے متعارف مانوس ہوں اور عوام الناس کو بھی چاہئے کہ اگر کسی کو قرأت کا علم نہ ہو اور وہ کسی معتبر ماہر قاری سے اپنی یاد کے خلاف کوئی اختلاف قرأت سنے تو ایسے شخص کے لئے بجائے تردید وتغلیط کے سکوت ہی مناسب ہے۔ فقط

(فتاویٰ مفتی محمود: ۱/۹۲۰-۹۲۲) ☆

---

(۱) كما في الدرالمختار: ويجوزبالروايات السبع لكن الأولىٰ أن لا يقرأ بالغريبة عند العوام صيانة لدينهم (قوله: بالغريبة)أي بالروايات الغريبة إلا ما لات؛لأن بعض السفهاء ما لا يعلمون فيقعون في الإثم والشقاء ولا ينبغي للأئمة أن يحملوا العوام علىٰ مافيه نقصان دينهم ولا يقرأ عند مثل قراء ة أبي جعفر وابن عامر وعلي بن حمزه والكسائي صيانة لدينهم فلعلهم يستخفون أو يضحكوا وإن كان كل القرآت صحيحة وفصحية مشائخنا اختاروا قراء ة أبي جعفر وحفص عن عاصم.(كتاب الصلاة،مطلب:السنة تكون سنة عين وسنة كفاية: ۲/ ۳۳۰،طبع مكتبة رشيدية، كوئٹة)

وكذا في التاتارخانية:فتاوىٰ الحجة:وقراء ة القرآن بالقراء ات السبع والروايات كلها جائزة،ولكني أرىٰ الصواب أن لا يقرأ بالقراء ة العجيبة بالأمالات وبالروايات الغريبة لأن بعض الناس يتعجبون وبعضهم يتفكرون و بعضهم يخطئون،وبعض السفهاء يقولون ما لا يعلمون ولعلهم لا يرغبون فيقعون في الإثم والشقاء،ولا ينبغي للإمام أن يحملوا العوام إلىٰ ما فيه نقصان دينهم ودنياهم وحرمان ثوابهم في عقابهم،لا يقرأ علىٰ رأس العوام الجهال،وأهل القرىٰ والجبال مثل قراء ة أبي جعفر المدني وابن عامر وعلي بن حمزة الكسائي صيانة لدينهم فلعلهم يستخفون أويضحكون وإن كان كل القراء ات والروايات صحيحة فصيحة طيبة ومشايخنا اختاروا قراء ة أبي عمر عن عاصم.(كتاب الصلاة، فصل في القراء ة: ۱/ ٤٥٥،طبع إرادة القرآن والعلوم الإسلامية، كراتشي)

☆ نماز میں قرأت سبعہ کا حکم:

سوال: سبعہ کی قرأت سے نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

نماز تو ہو جائے گی؛ لیکن بہتر نہیں، بروایت حفص مشہور قراءت کرنی چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

حررہ العبد حبیب اللہ القاسمی۔ (حبیب الفتاویٰ: ۳/۹۱)

منع از غلو در قرأت سبعہ بہ وقت احتمال فتنۂ عوام:

سوال: بعض مقامات میں سبعہ قرأت کا چرچا حد سے تجاوز کر چلا ہے، بعض حفاظ لڑکوں اور جاہلوں کو مختلف روایتیں یاد کرا کے پڑھاتے اور پڑھواتے ہیں اور اس کو صریحاً بغرض ریا پڑھتے پڑھاتے ہیں، تراویح میں بھی ایسا ہوتا ہے، جس سے سوائے نمود کے کوئی نفع نہیں، کیا اس طرح پڑھنے پڑھانے میں اس زمانۂ پرآشوب میں یہ خوف نہیں ہے کہ جہّال ومخالفین اسلام ان اختلافات کو سنکر مشوش ہوں گے اور خوف فتنہ نہیں ہے، چنانچہ بعض حفاظ نے تو یہ کہا ہے کہ ایک رکعت میں روایت حفص پڑھی، دوسری رکعت میں روایت قالون، کسی نے ٹوکا تو کہہ دیا کہ تم نہیں جانتے، ایسی صورتیں اچھی نہیں معلوم ہوتیں، کیا یہ فعل قابل روکنے کے نہیں ہے، براہ نوازش اگر قابل ممانعت ہے تو اس کا جواب ذرا تفصیل سے الامداد میں طبع ہو جاوے تو بہتر ہے، میرا یہ خیال ہرگز نہیں کہ اس کی تعلیم بند ہو؛ بلکہ زور دیا جاوے کہ تجوید کا نام قرأت ہے اور عوام کو اسی کی ضرورت ہے، اگر کوئی لکھا پڑھا آدمی حرف بھی اس کا اچھا ہو تو اس کو سبع پڑھائی جاوے، سفہا اور تنگ خیال لوگوں کو فقط تجوید پڑھائی جاوے اور قرأت جاننے والوں کو چاہئے کہ ہر کس وناکس کو سوائے روایت حفص اور تجوید کے کچھ نہ پڑھایا کریں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــ

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾ (سورة الأنعام: ۱۰۸)

فی تفسیر بیان القرآن: اس سے قاعدہ شرعیہ ثابت ہوا کہ مباح (۱) جب حرام کا سبب بنجائے وہ حرام ہوجاتا ہے، الخ۔ (۲)

وروی البخاری عن علی قال: حد ثوا الناس بما یعرفون، أتحبون أن یکذب اللّٰہ ورسولہ". (۳)

فی حقیقة الطریقة: بعضے بیباک عوام کے سامنے بے تکلف دقائق بیان کر بیٹھتے ہیں، بعضے عوام ان کی تکذیب کرتے ہیں اور بعضے قواعد مشہورہ شرعیہ کے منکر ہوجاتے ہیں، سو ہر حال میں اللہ ورسول کی تکذیب کا تحقق ہوا، والثانی أشد من الأول، اس حدیث میں اس عادت کی ممانعت ہے۔

وروی مسلم عن ابن مسعود أنه قال: ما أنت بمحدث قومًا حدیثًا لا تبلغه عقولهم، إلا کان لبعضهم فتنة. (۴)

---

(۱) بلکہ مستحب بھی۔ منہ

(۲) وهذا المبحث كله صالح لأن يلاحظ فيه.

من أصر على أمر مندوب وجعله عزماً ولم يجعل بالرخصة فقد أصاب منه الشيطان على الإضلال. (شرح الطيبي الكاف عن حقائق السنن، باب الدعا في التشهد: ۱۰۵۱/۳، مكتبة نزار مصطفى الباز. انیس)

(۳) كتاب العلم، باب من خص بالعلم قومًا دون قوم، كراهة أن لا يفهموا: ۵۰/۱، رقم الحديث: ۱۲۷، بيت الأفكار، انیس

(۴) مقدمة مسلم، باب النهي عن الحديث بكل ما سمع: ۲۲/۱، رقم الحديث: ۵، انیس

اس حدیث سے بھی وہی مضمون ثابت ہوتا ہے، جواس کے قبل کی حدیث سے ثابت ہوتا ہے۔(ص:۸۲)

وفی رد المحتارتحت مسئلة كراهة تعيين السورة فی صلٰوة من الدرالمختارمانصه:حاصل معنٰى كلام هذين الشيخين بيان وجه الكراهة فی المداومة،وهو:أنه إن رأى ذلك حتمًا يكره من حيث تغيير المشروع وإلايكره من حيث إيهام الجاهل. (۵٦٨/١)(١)

آیت اورحدیث فقہ سب سے یہ قاعدہ ثابت ہوا کہ جس عمل سے عوام وجہلا میں مفسدہ وفتنہ اعتقادیہ یا عملیہ قالیہ یا حالیہ پیدا ہو،اس کا ترک خواص پر واجب ہے، باقی فتنہ کا حدوث یا عدم حدوث یہ مشاہدہ سے معلوم ہوسکتا ہے،سوال میں بعض حالات میں جوفتنہ سبعہ پر مرتب ہوتا ہوا مذکور ہے ہو،مشاہدہ ہے، پس فتویٰ شرعی ہوگا کہ خاص ان احوال میں سبعہ کا استعمال ممنوع ہوگا اوراگراس کے ساتھ قاری کی نیت بھی اظہار علم ودعوائے کمال وریا وتصنع وتفاخر ہوتو یہ فتنہ اس کے لئے مزید برآں ہے،لہذا اس باب میں جومشورہ سوال میں مذکور ہے، واجب الاتباع ہے۔

۱۴ر جنوری ذی الحجہ ۱۳۳۵ھ۔(تتمہ خامسہ:۴۱)(امدادالفتاویٰ جدید:۱/۲۹۵۔۲۹۷)

جواب شبہ برعبارت رسالہ الامداددر بارضرورت سبعہ قرأت:

سوال: رسالہ الامداد ماہ ربیع الثانی ۱۳۳٦ھ کے صفحہ:۱۷ کے مضمون کو جوآنحضور نے ایک سوال کے جواب میں تحریر فرمایا ہے پیش کر کے ایک صاحب بہت معترض ہوئے کہ تو تم کہتے ہو کہ فن سبعہ قرأت کا سیکھنا فرض کفایہ ہے اور سب لوگوں کو کم وبیش ضرور سیکھنا چاہئے؛ تا کہ اس علم دین کے فقدان وانعدام کا گناہ سب پر نہ ہو، میں نے ان کو جواب دیئے؛مگران کے نزدیک جواب اس درجہ کا نہیں ہے کہ قابل اطمینان سمجھا جاوے،احقر کو بھی اس مضمون کے دیکھنے سے ایک درجہ میں یہ شبہ ہوتا ہے کہ جب یہ علم دین ہے،خاص کر قرآن پاک کا علم ہے، جب عوام کی تشویش کے خیال سے اس کو ترک کیا جاوے گا تو پھر یہ کیوں کر قائم ورائج ہوسکتا ہے، یہاں مجمع کثیر اہل علم کا ہے؛مگر بوجہ ناواقفی ہی استعجاب تو درکنار اکثر استہزا وانکار ہی کیا جاتا ہے تو پھر کیوں کر اس کی بقا واجرا کا طریقہ اختیار کیا جائے ،مثلاً: بعض مقام پر تشہد میں اشارہ سبابہ کو بہت برا سمجھتے ہیں تو ان کی اصلاح کی جاتی ہے اوراس کو مسنون ہی ظاہر کیا جاتا ہے، رہا اس جواب کے سوال میں جوخرابیاں ظاہر کی گئی ہیں، بے شک وہ ضرور واجب الاصلاح ہیں، نہ یہ کہ اس کی تعلیم وتعلم کا سلسلہ ہی محذور قرار دیا جائے ،قریب قریب ان معترض کے اعتراضوں کا یہی ماحصل ہے،احقر اپنے کمال اطمینان قلبی کے لئے یہ عریضہ ارسال کر رہا ہے؟

(١) باب صفة الصلاة،فصل فی القراءة،مطلب:السنة تكون سنة عين وسنة كفاية،انيس

الجواب

سائل کے کلام میں صریح مشورہ ہے اور جواب میں اسکی تقریر بھی کی گئی ہے کہ اگر کوئی لکھا پڑھا آدمی حرف بھی اس کا اچھا ہوتو اس کو سبعہ پڑھائی جاوے سفہا اور تنگ خیال لوگوں کو فقط تجوید پڑھائی جاوے، الخ، اور یہی حال اکثر فروض کفایہ کا ہے، مثلا: تبحر فی العلوم الشرعیہ کہ فرض کفایہ ہے؛ لیکن اس کے ساتھ یہ حدیث بھی ہے کہ!

"واضع العلم فی غیر أهله کمقلد الخنازیر اللؤلو والجواهر" أو کما قال.(۱)

اور مشاہدہ بھی ہے کہ بعض لوگ جو بدطینت ہیں اور وہ تحصیل علوم کر کے مقتدا بن گئے، ان سے کیا کیا مفاسد پیدا ہوگئے ہیں اور ان مفاسد کا انسداد بجز اس کے کیا ہے کہ نااہلوں کو اس رتبہ پر نہ پہنچایا جاوے، یا منصب قضا کہ احادیث(۲) میں اس پر کس قدر وعیدیں آئی ہیں، باوجودیکہ فرض کفایہ ہے۔

وفی حدیث أبی داؤد مرفوعًا: العرافة حق (أی واجب ولو علی الکفایة) ولکن العرفاء فی النار، (إذا کانوا غیر أهل لها)(۳)

(۱) سنن ابن ماجة، باب فضل العلماء والحث علی طلب العلم (ح: ۲۲٤)/ جامع بیان العلم وفضله، باب آفة العلم وغائلته وإضاعته، وکراهیة وضعه عند من لیس بأهله: ۱/٤٥۲، رقم الحدیث: ۷۱۰/ الفردوس بمأثور الخطاب، باب الواو، رقم الحدیث: ۷۱۰۷، انیس

(۲) عن أنس بن مالک قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: من سأل القضاء وکل إلی نفسه ومن جبر علیه نزل علیه ملک فسدده. (مصنف أبی شیبة، فی القجاء وماجاء فیه (ح: ۲۲۹۷۸)/ مسند الإمام أحمد، مسند أنس بن مالک (ح: ۱۲۱۸٤)/ سنن ابن ماجة، باب ذکر القضاة (ح: ۲۳۰۹)/ سنن الترمذی، باب ماجاء عن رسول الله علیه وسلم (ح: ۱۳۲۳)

عن أبی هریرة فی حدیث طویل قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: إذا وسد الأمر إلی غیر أهله فانتظر الساعة. (الصحیح للبخاری، باب من علما وهو یشتغل فی حدیثه فأتم الحدیث ثم أجاب السائل (ح: ۵۹)

عن عبدالله بن عمر بن العاص قال: سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول: إن الله لا یقبض العلم انتزاعاً ینتزعه من العباد ولکن یقبض العلم بقبض العلماء حتی إذا لم یبق عالماً اتخذ الناس رؤوساً جهالاً فسئلوا فأفتوا بغیر علم فضلوا وأضلوا. (الصحیح للبخاری، باب کیف یقبض العلم (ح: ۱۰۰)/ الصحیح لمسلم باب رفع العلم وقبضه وظهور الجهل (ح: ۲٦۷۳)

(اتخذ الناس رؤوساً) أی خلیفة وقاضیاً ومفتیاً وإماماً وشیخاً (جهالاً) جمع جاهل أی جهلة ما یناسب منصبه... (فسئلوا فأفتوا) أی أجابوا وحکموا، الخ. (مرقاة المفاتیح شرح مشکاة المصابیح، کتاب العلم: ۱/۲۹۰، دارالفکر بیروت، انیس)

(۳) والحدیث رواه أبو داؤد، کتاب الخراج والإمارة والفیئ، باب فی العرافة: ۳/۲۳۳، رقم الحدیث: ۲۹۳۳، انیس

اور جو لوگ اس فن کے آجکل مخالف ہیں وہ تو نفس فن ہی کو فضول بتلاتے ہیں ہر ایک کیلئے حتی کہ اہل فہم کے لئے بھی اور ہر شعبہ کو حتی کہ تجوید کو بھی فشتان بینهما ،غرض منکرین مدعی دو کلیے کے ہیں اوراس جواب میں التزام کیا گیا ہے دو جزئیہ کا اور ظاہر ہے کہ جزئیہ مستلزم کلیہ کو نہیں ہوتا اور سبعہ کی فرضیت عامہ کا دعویٰ کیسے کیا جا سکتا ہے؟ جب کہ خود ایک قرأت سے بھی اتمام قرآن کا فرض عین نہیں اور یہ ظاہر ہے۔

شوال ۱۳۳۶ھ۔(تتمہ خامسہ:۶۷)(امداد الفتاویٰ جدید:۱/۳۱۰-۳۱۱)

جواب شبہ بر عبارت بیان القرآن

دربارۂ نقل کردن قرأت ابن مسعود ”وعلى الوارث ذى الرحم، الخ“ بلا سند:

سوال: بیان القرآن کے منہیہ میں ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قرأت ”وعلى الوارث ذى الرحم“ بلا سند ذکر کیا ہے؟

الجواب

میں نے تفسیر مظہری سے لیا ہے، جس کو نقل کر کے مفسر لکھتے ہیں کہ! امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اصل قاعدہ پر عمل کیا کہ ابن مسعود کی قرأت سے کتاب کی تخصیص اور اس پر کچھ زیادتی جائز ہے۔(۱)

اور ہدایہ میں بھی اس قرأت کو نقل کیا ہے،(۲) پس اگر شبہ احقر کی کتاب پر ہے تو اس کا جواب اس قدر کافی ہے کہ اس کا مأخذ فلاں فلاں کتاب ہے اور اگر شبہ ان کتابوں پر ہے تو اس کی تصریح ہونا چاہئے؛ تا کہ دوسرا جواب دیا جائے۔

۹/جمادی الاخریٰ ۱۳۴۲ھ۔(ترجیح خامس:۱۴۹)(امداد الفتاویٰ جدید:۱/۲۹۷)

بعض قرأت پر نیکیاں کم ہونے کے شبہ کی تحقیق:

سوال: فلاں مولوی صاحب نے اپنی کتاب میں بھی لکھا ہے اور وعظ میں بھی فرمایا ہے کہ ابوعبداللہ محمد ابن شجاع ثلجی سے منقول ہے کہ فرماتے ہیں کہ میری عادت الحمد پڑھنے میں ”مالک یوم الدین“ والی قرأت پڑھنے کی تھی، ایک دن میں نے ایک بڑے عربی داں ادیب فاضل عالم سے سنا کہ وہ ”ملک یوم الدین“ بے الف والی قرأت پڑھتے تھے اور یہ فرماتے تھے کہ یہ بے الف والی قرأت نہایت فصیح بلیغ قرأت ہے، اس دن سے میں بھی ”ملک یوم الدین“ پڑھنے لگا، وہ قرأت جس میں ایک الف زیادہ تھا موقوف کردی، ایک رات خواب میں دیکھا کہ ہاتف غیب

(۱) التفسير المظهرى، من تفسير سورة البقرة: ۱/۳۲۵، مكتبة الرشدية الباكستان

(۲) الهداية، فصل وعلى الرجل أن ينفق على أبويه وأجداده: ۲/۲۹۳، دار إحياء التراث العربى. انيس

مجھے پکارتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ اے بندے تو نے ایک حرف قرآن شریف کا کیوں چھوڑا، دس نیکیاں تیری کم ہوگئیں، کیا تو نے فرمان عالی شان جناب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کا نہیں سنا ہے کہ قرآن مجید پڑھنے والے کو ہر حرف کے بدلے دس دس نیکیاں ملتی ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ وہ قرأت جس میں "**ملک یوم الدین**" ہے، نہیں پڑھنی چاہئے؛ کیوں اپنی دس نیکیاں کم کرے، یہ کہاں تک صحیح ہے، اگر واقعی کم ہوں تو اس کو پڑھنا چاہئے یا نہیں؟

دوسری گزارش یہ ہے کہ "**قل ھو اللہ أحد**" کو "**اللّٰہ الصمد**" سے اگر ملا کر پڑھے یا "**نستعین**" کو "**إھدنا الصراط**" سے ملا کر پڑھے: یعنی وصل کر کے پڑھے تو نیکیاں کم ہوں گی، بوجہ ہمزہ گرنے کے دونوں جگہ سے، یا نہیں؟

الجواب

قرأتیں ساتوں متواتر اور منقول عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، منقول کے اتباع میں کسی قسم کا نقصان نہیں ہوتا، (۱)
حدیث میں احرف قرآنیہ کے باب میں ہے: **کلھا شاف کاف.** (۲)

رہا شبہ نقص ثواب بنقص بناء علی الحدیث سو نقص فی الکم سے نقص فی الکیف لازم نہیں آتا، کیا معلوم نہیں کہ ایک دونی باوجود دوآکنی سے ناقص فی العدد ہونے کے کیف وکمیت میں برابر ہیں، رہا خواب کا سوال تو وہ حجت نہیں، دوسرے ان کو یہ تنبیہ اس لئے کی گئی ہے کہ ایک قرأت کو مفضول سمجھ کر انہوں نے چھوڑا تھا، سو ایک اعتبار سے اس کا فاضل ہونا بتلا دیا، رہا وصل میں ہمزہ وصل کا کم ہو جانے کا سوال، تو اس کا وہی جواب ہے جو ابھی لکھا گیا، دوسرے ممکن ہے کہ وہ حکماً ملفوظ ہونے کے سبب مکتوب الاجر ہو۔ واللہ اعلم

اشرف علی۔ ۴؍شوال ۳۵ھ (تتمہ خامسہ، ص:۳۴) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱؍۳۱۴-۳۱۵)

☆ ☆ ☆

---

(۱) القراءات السبع التی اقتصر علیه الشاطبی والثلاثة التی هی قراءة أبی جعفر ویعقوب وخلف متواترة معلومة من الدین بالضرورة وکل حرف انفرد به واحد من العشرة معلوم من الدین بالضرورة أنه منزل علی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم لا یکابر فی شیء من ذلک إلا جاهل. (شرح طیبة النشر للنویری، التاسع فی أن القراءات التی یقرأ بها: ۱/۱۶۵، دار الکتب العلمیة بیروت. انیس)

(۲) عن أبی بکرة عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم قال: أتانی جبریل ومیکائیل فقال جبریل: اقرأ القرآن علی حرف واحد فقال میکائیل: استزده قال: اقرأه علی سبعة أحرف کلها شاف کاف. (مسند الإمام أحمد، حدیث أبی بکرة نفیع بن الحارث بن کلدة (ح: ۲۰۴۲۵) انیس)

لقمہ اور قرأت میں الفاظ کا چھوڑنا

قدر واجب قرأت کے بعد لقمہ دینا:

سوال: جب امام تین آیت سے گذر جائے اور بعد میں بھولے تو چاہئے تو یہ کہ رکوع کردے اور مقتدی پیچھے سے نہ بتلائے، مگر امام آگے بھولا اور بڑھتا چلا گیا تو اگر مقتدی نے بتلایا تو یہ بتلانے والا کس فعل کا مرتکب ہوا؟ مکروہ تنزیہی یا تحریمی یا حرام کا یا کیا؟

الجواب

نماز میں لقمہ دینے والے اور لینے والے کی صحیح ہے؛ لیکن قدر واجب یا قدر مستحب قرأت پڑھنے کے بعد لقمہ دینا یا امام کا انتظار لقمہ کرنا اور مجبور کرنا مکروہ ہے اور یہ مکروہ تنزیہی ہے۔ (کذا فی الدر المختار و الشامی)(۱)

(فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲/۲۲۰-۲۲۱)

امام کو لقمہ دینا:

سوال: امام نے فرضوں میں تین آیت سے زیادہ پڑھ لی اور اس کو سہو واقع ہوا، مقتدی نے پیچھے سے لقمہ دیا، امام نے لقمہ لیا یا نہ لیا، مقتدی کی نماز میں نقصان ہوا یا نہ ہوا؟ جیسا کہ مشہور ہے۔

(۱) یکره أن یفتح من ساعته، کمایکره للإمام أن یلجئه إلیه، بل ینتقل إلیٰ آیة أخریٰ لایلزم من وصلها مایفسد الصلاة أوإلیٰ سورة أخریٰ، أویرکع إذا قرأ قدر الفرض، کما جزم به الزیلعي. (رد المحتار، باب مایفسد الصلاة وما یکره فیها: ۵۸۲/۱، ظفیر) (مطلب: المواضع التی لا تجب فیها ردالسلام/ وکذا فی تبیین الحقائق، باب مایفسد الصلاة ومایکره فیها: ۱۵۷/۱، بولاق، انیس)

عن علی رضی اللّٰه عنه قال: إذا استطعمک الإمام فأطعمه. (مصنف ابن أبی شیبة، من رخص فی الفتح علی الإمام (ح: ۴۷۹۴)

عن أبی بن کعب قال: صلی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فترک آیة وفی القوم أبی بن کعب فقال یارسول اللّٰه نسیت آیة کذا وکذا أو نسخت؟ قال: نسیتها. (الصحیح لابن خزیمة، باب تلقین الإمام إذا تعایا أو ترک شیئاً (ح: ۱۶۴۷)/ وکذا فی السنن الکبریٰ للنسائی عن عبدالرحمن بن أبزی (ح: ۸۱۸۳)/ مسند الإمام أحمد، حدیث عبدالرحمن بن أبزی عن أبی بن کعب (ح: ۲۱۱۴۰) انیس)

الجواب ــــــــــــــــــــ و باللّٰہ التوفیق

اپنے امام کو لقمہ دینا مفسد نماز امام کا اور مقتدی کا، کسی کا نہیں،(۱) خواہ ضرورت لقمہ کی ہو یا نہ ہو، امام لقمہ لے یا نہ لیوے، خواہ کسی قدر ہی امام پڑھ چکا ہو، کسی حال، کسی وجہ سے فساد کسی کی نماز میں نہیں ہوتا، یہ ہی صحیح ہے اور جو مشہور ہے صحیح نہیں اور نماز مندرجہ سوال کی صورت میں ہو جاتی ہے؛ کیونکہ مراد اس "**لم یکن ذکرًا**" (۲) سے یہ ہے کہ وہ کلام ناس سے نہ ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (تالیفات رشیدیہ:۲۸۹)

امام کو لقمہ دینے کے مسائل:

سوال: نماز جمعہ یا کسی اور فرض نماز میں امام اگر کوئی سورۃ کلام مجید غلط پڑھے یا پڑھتے پڑھتے بھول کر خاموش ہو جائے تو کیا مقتدی امام کو صحیح بتا سکتا ہے اور نماز میں مقتدی کے بتانے سے فرق تو نہیں آتا؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

امام کو لقمہ دینے میں اور بتلانے میں جلدی کرنا مکروہ ہے، جیسے کہ امام کے لئے یہ مکروہ ہے کہ وہ مقتدی کو لقمہ دینے پر مجبور کرے؛ بلکہ بہتر یہ ہے کہ دوسری آیت کی طرف منتقل ہو جاوے، بہر حال لقمہ دینے سے نماز میں کچھ نقص نہیں آتا۔

درمختار میں ہے:

(بخلاف فتحه علٰى إمامه) فإنه لايفسد (مطلقاً) لفاتح و آخذ بكل حال،إلخ.قوله:(بكل حال) أى سواء قرأ الإمام قدر ما تجوز به الصلاة أم لاانتقل إلٰى آية أخرٰى أم لا،تكرر الفتح أم لا، هو الأصح،نهر. (۳)(**واللّٰه تعالىٰ أعلم**)(امداد المفتین:۲/۳۰۸)

قنوت کی تکبیر میں امام کو لقمہ دینے کا حکم:

سوال: تراویح پڑھنے کے بعد وتروں میں یہ واقعہ پیش آیا کہ امام تیسری رکعت میں بلا تکبیر کہے ہوئے اور رفع یدین کئے ہوئے دعائے قنوت پڑھنے لگا، کسی مقتدی نے اسے اللہ اکبر کہہ کر آگاہ کیا؛ چنانچہ اس نے اللہ اکبر کہہ کر اور رفع یدین کرکے پھر قنوت پڑھی اور نماز تمام کرکے سجدہ سہو کیا تو نماز میں کوئی خرابی تو نہیں رہی؟

---

(۱) **(والفتح على الإمام لا يفسدالصلاة)يعنى المقتدى،فأما غيرالمقتدى إذا فتح على المصلى تفسدبه صلاة المصلى وكذلك المصلى إذا فتح على غيرالمصلى.(مبسوط السرخسى،باب الحدث فى الصلاة: ۱/۱۹۳/۱، دارالمعرفة بيروت.انيس)**

(۲) **ردالمحتار،باب مايفسدالصلاة ومايكره فيها: ۱/۶۱۵،دارالفكربيروت.انيس**

(۳) **الدرالمختارمع ردالمحتار،كتاب الصلاة،باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها،مطلب:المواضع التى لاتجب فيها ردالسلام: ۲/۳۸۱،انيس)**

الجواب

فی الدرالمختارفی واجبات الصلاۃ: (و)قراء ۃ (قنوت الوتر)وھومطلق الدعاء،وکذا تکبیر قنوتہ.
فی ردالمحتار:أی الوتر،قال فی البحرفی باب سجود السھو:ومما ألحق بہ أی بالقنوت تکبیرہ، وجزم الزیلعی بوجوب السجود بترکہ إلٰی قولہ وینبغی ترجیح عدم الوجوب،إلخ. (۴۸۸/۱)(۱)

پس روایت وجوب پر تو کوئی شبہ ہی نہیں کہ بتلانا ٹھیک ہوا اور دوسری روایت یعنی عدم وجوب پر یہ بتلانا زائد ہوا، مگر مفسد صلوٰۃ نہیں ہے اور نماز ہر حال میں صحیح ہوگئی، جیسے قراءت میں بلا حاجت بتلانے سے نماز صحیح ہوجاتی ہے، اگرچہ امام لقمہ لے لے اور چونکہ کوئی امر موجب سجدہ سہو کا نہیں پایا گیا، اس لئے سجدہ سہو واجب نہیں ہوگا۔

۸؍رمضان ۱۳۳۳ھ۔ (تتمہ ثالثہ:۳۰۷) (امداد الفتاویٰ جدید:۱/۴۵۱)

کسی بھی حال میں امام کو لقمہ دینا مفسد نماز نہیں:

سوال: امام ومقتدی درحین نماز بودند یکے از مقتدی درقیام رکعت سوم کہ امام برخاست سبحان اللہ گفت بخیال آنکہ ایں رکعت چہارم است چونکہ امام رایقین بود کہ ایں رکعت سوم است گوش نہ کرد قیام فرمودہ رکعت چہارم راختم کردہ نماز خود ومقتدیان راتمام کرد دریں صورت نماز آں مقتدی کہ سبحان اللہ گفت بلاشبہ تمام شد یا بسبب کلام لغو نماز آں فاسد شد صورت مسئلہ چیست در مذہب امام اعظم چیست ودر مذہب حضرت امام شافعی چہ حکم دارد ودر مذہب امام شافعی کدام کتاب کہ مثل ایں مسئلہ جزئیات درآں بسیار باشد اگر بحضرتم معلوم باشد ایماء فرمائید؟(۲)

الجواب

فی الدرالمختار،مفسدات الصلوٰۃ:(بخلاف فتحہ علی إمامہ) فإنہ لایفسد (مطلقا) لفاتح وآخذ بکل حال. (۳)

---

(۱) الدرالمختار مع ردالمحتار،واجبات الصلاۃ ۴۶۸/۱ (باب صفۃ الصلاۃ،مطلب لا ینبغی أن یعدل عن الدرایۃ إذا وافقتھا روایۃ)/وکذا فی البحرالرائق،الإمام إذا سھا عن التکبیرات حتی رکع: ۱۰۳/۲، دارالکتاب الإسلامی بیروت.انیس)

(۲) خلاصہ سوال: امام تیسری رکعت کے سجدے سے چوتھی رکعت کے لئے کھڑا ہوا، ایک مقتدی نے یہ خیال کرتے ہوئے کہ چار رکعتیں ہوگئی ہیں، سبحان اللہ کہہ کر امام کو بٹھانا چاہا، مگر چونکہ امام کو یقین تھا، اس لئے اس نے مقتدی کی بات کی طرف التفات نہ کیا اور چوتھی رکعت پڑھ کر نماز پوری کی، اس صورت میں اس مقتدی کی جس نے بلاضرورت لقمہ دیا، نماز صحیح ہوئی یا نہیں؟ امام اعظم کے نزدیک کیا حکم ہے اور مذہب شافعی کیا ہے؟ اور مذہب شافعی کی ایسی کتاب جس میں اس قسم کے کثیر جزئیات ہوں، اگر آپ کے علم میں ہو تو مطلع فرمائیں۔سعید احمد

(۳) الدرالمختار مع ردالمحتار: ۶۲۲/۱،بیروت،انیس

چوں درصورت مسئولہ ایں سبحان اللہ گفتن بہ نیت فتح علی الامام است وخود از کلام ناس نیست، لہذا نماز امام ومقتدی ہر دو صحیح است و مذہب شافعی مرا معلوم نیست و نہ کتابے در مذہب شافعی مرا معلوم است ۔(۱)

(تتمہ اولیٰ ص:۳۱۲)(امداد الفتاویٰ جدید:۱/۴۵۲)

قرآن دیکھ کر اپنے امام کو لقمہ دینا:

سوال: اگر کوئی غیر حافظ کسی امام کی سماعت قرآن دیکھ کر کرتا ہے اور اسی کو دیکھ کر لقمہ دیتا ہے تو ایسی صورت میں نماز صحیح ہوگی یا فاسد؟

الجواب

امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقتدی کی نماز فاسد ہو جائے گی، کیوں کہ بحالتِ نماز قرآن سے مدد لی اور اگر امام نے اس لقمہ کو لے لیا تو اس کی نماز بھی فاسد ہو جائے گی، علامہ زیلعی شرح کنز میں ''قول مصنف وقرأته من مصحف'' کے ذیل میں لکھتے ہیں: یعنی!

تفسد الصلاة عند أبی حنيفة، وقال أبو يوسف ومحمد: تكره ولا تفسد صلاته لماروى أن ذكوان مولىٰ عائشة أنه كان يؤمها فى شهر رمضان وكان يقرأ من المصحف... إلاأنه يكره فى الصلوة لما فيه من التشبه بفعل أهل الكتاب ولأبى حنيفة أن حمل المصحف ووضعه عند الركوع والسجود ورفعه عندالقيام وتقليب أوراقه والنظر إليه وفهمه عمل كثيرويقطع من راٰه أنه ليس فى الصلوة،ولأنه يتلقن من المصحف فأشبه التلقن من غيره ... وأثرذكوان محمول علىٰ إنه كان يقرأ قبل شروعه فى الصلوة،إنتهىٰ. (۲)

اور البحر الرائق میں ہے: **وصحح المصنف فى الكافى الثانى و قال: إنها تفسد بكل حال تبعًا لما صححه شمس الأئمة السرخسى،إنتهىٰ. (۳)** (مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحئی اردو:۲۰۷)

---

(۱) ترجمہ جواب: صورت مسئولہ میں سبحان اللہ کہنا چونکہ امام کو بتلانے کی نیت سے ہے اور خود کلام ناس سے نہیں ہے، لہذا امام اور مقتدی دونوں کی نماز صحیح ہوگئی اور مذہب شافعی مجھے معلوم نہیں اور نہ ان کے مذہب کی کتاب کا مجھے علم ہے۔سعید

مذہب شافعی میں لقمہ سے نماز فاسد ہو جاتی ہے:(ولو نطق بنظم القرآن)أو بذكر آخر كما شمله كلام أصله (بقصد التفهيم ك) قوله لمن استأذنه فى أخذ شيء أدخول(يا يحى خذالكتاب)ادخلوها بسلام وكتنبيه إمامه أو غيره وكالفتح والتبليغ،الخ.(تحفة المحتاج شرح المنهاج،فصل فى ذكرمبطلات الصلاة وسننها: ١٤٤/٢،المكتبة التجارية الكبرىٰ مصر.انيس)

(۲) تبيين الحقائق،باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها: ٤٣١/١،بولاق/ كذا فى المبسوط للسرخسى، باب الحدث فى الصلاة : ٢٠٢/١،دارالمعرفة بيروت/ محمد عن يعقوب عن أبى حنيفة فى إمام يصلى فى رمضان وغيره ويقرأ من المصحف فصلاته فاسدة عن أبى حنيفة وعن أبى يوسف ومحمد رحمهما الله تعالىٰ لاتفسد صلاته ويكره.(المحيط البرهانى،الفصل الرابع فى كيفيتهما: ٣١١/١،انيس)

(۳) البحر الرائق،باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها: ١٧/٢ /وكذا فى ردالمحتار،باب مايفسدالصلاة ومايكره فيها: ٦٢٤/١،دارالفكر بيروت.انيس)

ایسے شخص کی نماز جس کو ہر لفظ پر لقمہ دیا جائے:

سوال: رمضان میں دو چار آدمی ایسے بھی آتے ہیں کہ نماز پڑھنا نہیں جانتے ہیں اور ایک آدمی ایک ایک لفظ کر کے بتاتا ہے، اس کی نماز ہوگی یا نہیں؟ اگر نہیں ہوتی تو کیا کرنا چاہئے؛ کیونکہ اس طریقہ سے تو وہ نماز بھی پڑھتا ہے، مسجد میں آتا ہے، اگر نہ بتایا جاوے تو کبھی مسجد میں نہ آوے گا، اس مسئلہ میں معتکف ہو یا غیر معتکف برابر ہے یا نہیں؟

الجواب

ایسا شخص دو بار نماز پڑھے، ایک دفعہ تو اسی طرح، یہ تو نماز کی تعلیم ہوگئی اور دوسری بار بلا تعلیم اس طرح سے کہ نماز کے قبل اس کو بتلا دیا جاوے کہ چونکہ تم کو قرأت واذ کار نماز کے یاد نہیں، تم ہر رکن مین تین بار سبحان اللہ کہتے رہو، (۱) یہ نماز اس کی اصلی ہوگی۔

۱۵ رشعبان ۱۳۳۷ھ (تتمہ خامسہ صفحہ: ۹۲) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۲۲۰، ۲۲۱)

سورۂ والعصر میں امام کے "وعملوا الصالحات" کو چھوڑنے کا حکم:

سوال: آج مغرب کی نماز میں پیش امام صاحب سے سورۂ عصر میں "وعملوا الصالحات" سہوا چھوٹ گیا تو ایسی حالت میں نماز ہوگئی یا نہیں اور سجدہ سہو بھی نہیں کیا، اگر کرتے تو کیا نماز ہو جاتی؟

الجواب

صورت مسئولہ میں قرأت فرض تو ادا ہوگئی، اس لئے فرض نماز بھی ادا ہوگئی؛ لیکن قرأت واجبہ کہ علاوہ سورۂ فاتحہ کے ایک آیت طویلہ یا تین آیات قصیرہ ہیں، ادا نہیں ہوئی؛ (۲) کیونکہ آخری آیت کے بعض اجزاء رہ جانے سے آیت پوری

(۱) عن رفاعة بن رافع أن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم کان جالساً فی المسجد فدخل رجل فصلی ورسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم ینظر إلیه فقال له: إذا قمت إلی صلاتک فکبر ثم اقرأ إن کان معک قرآن فإن لم یکن معک قرآن فاحمد اللّٰه وکبره وهلل ثم ارکع، الخ. (شرح معانی الآثار، باب مقدار الرکوع والسجود الذی لایجزی أقل، الخ (ح: ۱۳۹۳)

عن عبداللّٰه بن أبی أوفٰی قال: جاء رجل النبی صلی اللّٰه علیه وسلم فقال: إنی لا أستطیع أن آخذ من القرآن فعلمنی مایجزئنی قال: قل سبحان اللّٰه والحمدللّٰه ولا إله إلا اللّٰه واللّٰه أکبر ولا حول ولا قوة إلا باللّٰه. (مسند الإمام أحمد، بقیة حدیث عبداللّٰه بن أبی أوفٰی (ح: ۱۹۱۱۰)/سنن أبی داؤد، باب ما یجزی الأمی والأعجمی من القراءة (ح: ۸۳۲)/سنن النسائی، ما یجزی من القراءة لمن لایحسن القرآن (ح: ۹۲٤)/صحیح ابن حبان، ذکر الخبر المدحض قول من أمر لمن لم یحسن القرآن (ح: ۱۸۱۰)/والدارقطنی، باب مایجزی من الدعاء عندالعجز عن قراءة القرآن (ح: ۱۱۹٦)/ابن الجارود، باب صفة صلاة النبی صلی الله علیه وسلم (ح: ۱۸۹)/الآثار لأبی یوسف: ۱/۱۱، دارالکتب العلمیة بیروت.) انیس)

(۲) اس فتوی کا مدار اس پر ہے کہ تین آیات قصیرہ پوری نہیں ہوئی؛ لیکن درمختار شامی وغیرہ کی تصریحات سے یہ ثابت ہے کہ! ==

نہیں ہوئی، لہٰذا واجب ترک ہوا، جس کا سجدہ سہو سے تدارک ہوجاتا، اب وہ نماز واجب الاعادہ ہوئی، وقت میں اعادہ کرنا بالکل مکمل صلوٰۃ ہوتا، اب بھی احوط یہ ہے کہ سب نمازی اس نماز کو الگ الگ دہرالیں۔ والسلام

۶/۳۰ ۱۳۳۳ھ (تتمہ اولیٰ: ۱۰) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۲۴۸-۲۴۹)

تقریباً ایک آیت بیچ میں سے چھوٹ گئی، جس سے معنی بدل گئے:

سوال: ایک شخص نے مغرب کی نماز میں رکعت اولیٰ میں ''القارعة'' پڑھی اور یہ آیت چھوڑ گیا: ''فهو في عيشة راضية وأما من خفت موازينه''. آیا نماز ہوئی یا نہیں؟

الجواب

اگر ''موازينه'' پر وقف تام کرنے کے بعد ''فأمه هاوية'' کہا ہے تو نماز ہوگئی اور اگر بلا وقف تام کہا ہے؛ جیسا کہ سوال میں مذکور ہے تو نماز فاسد ہوگئی۔

قال في شرح المنية الكبير: والقاعدة عند المتقدمين أن ما غير تغيرًا يكون اعتقاده كفرًا يفسد في جميع ذلك سواء كان في القرآن أولم يكن إلا ماكان من تبديل الجمل مفصولاً بوقف تام ثم قال بعد ذلك فالأولىٰ الأخذ فيه بقول المتقدمين، إلخ. (۱) (امداد المفتین: ۲/۳۰۳)

== تین آیتیں پورا ہونا شرط نہیں، بلکہ چھوٹی سے چھوٹی تین آیتوں کی مقدار ہوجانا کافی ہے، جس کی مثال درمختار میں ﴿(ثم نظر) (ثم عبس وبسر) (ثم أدبر واستكبر)﴾ لکھی ہے اور اس کے بعد لکھا ہے وكذا لك لو كانت الأية أو الآيتان تعدل ثلا ثًا قصارا ذكره الحلبي. (الدرالمختار مع الردالمختار، باب صفة الصلاة: ۱/٤٥٨، مطلب واجبات الصلوٰة). اور شامی نے مزید توضیح یہ فرمائی کہ ان تین آیتوں میں تیس حرف ہیں، اگر کسی نے ایک یا دو آیت ایسی پڑھ لیں، جس میں تیس حرف ہوں تو واجب ادا ہوگیا، اس لئے صورت مندرجہ سوال میں اعادہ واجب معلوم نہیں ہوتا۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم (بندہ محمد شفیع)

حضرت مفتی صاحبؒ کے قول کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے، جس کو ابن خزیمہ وغیرہ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے نقل کیا، جس میں نماز مکمل ہونے کے بعد آیت کے چھوٹ جانے کا تذکرہ کیا گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یاد دلانے کے بارے میں تو ارشاد فرمایا؛ لیکن اعادہ کا حکم نہیں دیا۔

عن أبي بن كعب قال: صلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فترك آية وفي القوم أبي بن كعب، فقال يارسول الله نسيت آية كذا وكذا أو نسخت؟ قال: نسيتها. (الصحيح لابن خزيمة، باب تلقين الإمام إذا تعايا أو ترك شيئاً (ح: ۱٦٤٧)/ وكذا في السنن الكبرىٰ للنسائي عن عبدالرحمن بن أبزى (ح: ۸۱۸۳)/ مسند الإمام أحمد، حديث عبدالرحمن بن أبزى عن أبي بن كعب (ح: ۲۱۱٤۰) انيس)

(۱) الكبيري: ٤۰۸، مطبوعة لاهور (فصل في بيان أحكام زلة القاري)/ وكذا في ردالمحتار، فروع مشى المصلي مستقبل القبلة هل تفسد: ۱/٦۳۱، انيس)

نماز میں کوئی ایسا کلمہ چھوٹ جانا جس سے مطلب میں کوئی خرابی نہ پڑے:

سوال: عمرو نے نماز صبح کی پڑھائی، دوکلموں کو دوآیتوں میں از روئے سہو کے چھوڑ گیا، اول آیت: ''وَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كِذَّابًا'' میں کلمہ ''وَ كَذَّبُوْا''، آیت دوسری: ''وَيَقُوْلُ الْكَافِرُ يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرَابًا'' میں ''الْكَافِرُ'' چھوڑ گیا، اس صورت میں کوئی نقصان نماز میں صادر ہوا یا نہ ہوا؟ زید نے جو مقتدی تھا، نماز اپنی لوٹائی اور کہا نماز نہیں ہوئی۔

الجواب ــــــــــــــــــــ و باللّٰہ التوفیق

یہ دو کلمے اگر چہ چھوٹ گئے، مگر تاہم نماز درست ہوگئی ہے کہ معنی درست ہیں، اگر چہ دو کلمہ ترک ہوئے، فقط۔(۱)
زید نے نماز لوٹائی تو اس نے خطا کی؛ کیونکہ اس صورت میں نہ معنی خراب ہوئے اور نہ نماز فاسد ہوئی۔ فقط

(تالیفات رشیدیہ:۲۸۸)

سورۂ نصر میں سہواً ''فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ'' چھوٹ جائے:

سوال: ایک شخص نے مغرب کی نماز میں (سورہ) ''إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰهِ'' میں ''فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ'' کو سہواً چھوڑ دیا، باقی پوری سورہ پڑھ ڈالی، کیا اس کی نماز صحیح ہوگئی یا نہیں؟ امید ہے کہ جواب مرحمت فرمائیں گے۔(محمد یوسف)

الجواب ــــــــــــــــــــ

چونکہ ''فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ'' سے پہلے پہلے تک اتنے حروف آجاتے ہیں، جو قرآن کی بعض آیات کے لحاظ سے تین آیات کے مساوی ہیں، مثلاً:

---

(۱) ومنها حذف الحرف إن كان الحرف على سبيل الإيجاز والترخيم فإن وجد شرائطه نحوأن قرأ ونادوا يا مال لاتفسد صلاته وإن لم يكن على سبيل الإيجاز والترخيم فإن كان لا يغيرالمعنى لاتفسد صلاته نحو أن يقرأ ولقد جاء هم رسلنا بالبينات بترک التاء من جاء ت وإن غيرالمعنى تفسدصلاته عند عامة المشايخ نحو أن يقرأ فمالهم يؤمنون فى لا يؤمنون بترک اللاء ،هكذا فى المحيط وفى العتابية هو الأصح كذا فى التتارخانية ونحو أن يقرأ وهم ظالمون فرأيت فحذف الألف من أ فرأيت ووصل نون يظلمون بفاء أفرأيت وأن يقرأ وهم يحسبون أنهم يحسنون صنعاً فحذف الألف من أنهم ووصل النون لاتفسدالصلاة،هكذا فى الذخيرة فى فصل حذف ما هو مظهر وفى إظهار ما هومحذوف.(الفتاوى الهندية،الفصل الخامس فى زلة القارى: ۷۹/۱،دارالفكر بيروت)

والقاعدة عند المتقدمين:أم ماغيرالمعنى تغييراً يكون اعتقاده كفراً يفسد فى جميع ذلک سواء كان فى القرآن أو لا إلا ما كان من تبديل الجمل مفصولاً بوقف تام وإن لم يكن التغيير كذلک فإن لم يكن فى القرآن والمعنى بعيد متغير تغيراً فاحشاً يفسد أيضا كهذا الغبارمكان هذا الغراب.(ردالمحتار، فروع مشى المصلى مستقبل القبلة هل تفسد: ۶۳۱/۱،دارالفكر بيروت.انيس)

﴿فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ،ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ثُمَّ نَظَرَ،ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ،ثُمَّ اَدْبَرَوَ اسْتَكْبَرَ﴾(۱)

اس لئے بقدر واجب قراءت ہوگئی اور جب واجب ادا ہوگیا، نیز اس لفظ کے ذکر نہ کرنے کی وجہ سے معنی میں کوئی تغیر فاحش (غیر معمولی تبدیلی) بھی پیدا نہ ہوئی تو نماز ہوگئی۔

''وعند تفاوت الآيات المعتبرة كثرة الكلمات وعدد الحروف،ذكره في الخانية والظهيرية على هامش الهداية''. (۲) (کتاب الفتاویٰ:۲/۲۰۱)

☆ ☆ ☆

(۱) سورة المدثر:۱۹-۲۳.

(۲) الهداية: ۱/۷۸۸، ط: كراچی

قرأت میں غلطی کے احکام

نماز میں بعض قرآنی غلطیوں کا حکم:

سوال: عرض یہ ہے کہ ان مسائل کا جواب ارشاد فرمائیے:

(۱) ایک شخص نے "**میثاقه الذی و اثقکم**" جو دوسرے رکوع، مائدہ میں ہے کی جگہ " **میثاقه الذی و اثقکم**"، تراویح میں پڑھا ہے، اب یہ نماز جائز ہے یا نہیں؟ واو کو عاطفہ سمجھ کر ہمزہ پر زبر پڑھا ہے۔

(۲) ایک کس نے "**انعمتَ علَیهم**" کی جگہ "**انعمتُ علَیهم**"، زبر کی جگہ پیش پڑھا، پھر جب "**الحمد**"، پوری ہوئی، اس کو یاد ہوا، پس بسبب یاد ہونے کے "**انعمت**" کی تاء پر زبر پڑھی، اب یہ نماز جائز ہے، یا نہ؟ مہربانی فرما کر جواب تحریر فرماویں۔

الجواب

پہلی غلطی مفسد معنی نہیں، بلکہ لفظ کو بے معنی کر دینے والی ہے، اس لئے نماز ہوگئی اور دوسری جگہ مفسد معنی ہے، مگر اس کا جب تدارک کر دیا گیا تو وہ کالعدم ہوگئی، (۱) اس لئے اس میں بھی نماز ہوگئی، یہ جواب قواعد سے لکھا ہے، جزئیہ نہیں دیکھا، بہتر ہے کہ کسی محقق سے بھی پوچھ لیا جاوے۔

۲/ربیع الاول ۱۳۲۹ھ (تتمہ خامسہ، صفحہ: ۱۸۲) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۲۵۷-۲۵۸)

(۱) یہ حکم متقدمین کے ضابطہ کے مطابق ہے اور متاخرین نے تو زیر زبر کی غلطی مفسد معنی کو بھی مفسد صلوٰۃ نہیں قرار دیا۔ مفتی محمد شفیع

إذا لحن في الإعراب لحناً لا يغير المعنى بأن قرأ ﴿لا ترفعوا أصواتكم﴾ برفع التاء، لا تفسد صلاته وإن غير المعنى تغييراً فاحشاً بأن قرأ ﴿وعصى آدم ربه فغوىٰ﴾ بنصب الميم، ورفع الرب وما أشبه ذلك مما لو تعمد به يكفر وإذا قرأ خطأ فسدت صلاته في قول المتقدمين، الخ. (الفتاوىٰ الهندية، الفصل الخامس في زلة القاري: ۸۱/۱، دارالفكر بيروت. انيس)

وخطأ القاري إما في الإعراب أو في الحروف أو في الكلمات أو الآيات وفي الحروف إما بوضع حرف مكان حرف أو تقديمه أو تاخيره أو زيادته أو نقصه أما الإعراب فإن لم يغير المعنى لاتفسد لأن تغييره خطأ لا يستطاع الإحتراز عنه فيعذر وإن غير فاحشاً مما اعتقاده كفر مثل البارىء المصور بفتح الواو و﴿إنمايخشى الله من عباده العلماء﴾ برفع الجلالة ونصب العلماء فسدت في قول المتقدمين. (فتح القدير، فصل في القراءة: ۳۲۲/۱، دارالفكر بيروت. انيس)

سورۂ عصر کی تلاوت کرتے وقت سورۂ والتین کی طرف منتقل ہونا:

سوال: سورۂ والعصر میں سے ''وعملوا الصالحات'' کی جگہ سے '' فلهم أجر غير ممنون''پر انتقال کر کے سہواً سورۂ والتین والزیتون کو ختم کرے تو نماز صحیح ہوگی یا نہ؟ معنی بدلے یا نہ؟

الجواب

صحیح ہوگی۔

۶ / ربیع الاول ۱۳۳۰ھ۔ (تتمہ اولیٰ، صفحہ:۴۰) (امداد الفتاویٰ جدید:۱/ ۲۵۰)

قراءت کی بعض غلطیوں کا حکم:

سوال: امام سے قراءت میں حسب ذیل غلطیاں ہوں تو فاسد ہوگی یا نہیں؟ بصورت اُولیٰ نماز دہرانا ضروری ہے یا نہیں؟

(۱) اگر ''مَا وَدَّعَکَ'' کو ''مَا وَدُّعَاکَ''پڑھے تو نماز فاسد ہوگی یا نہیں؟

(۲) ''مِنْ مَّنِيٍّ يُّمْنٰى'' میں ''مِنْ مَّانِيٍّ يُّمْنٰى''پڑھنا موجب فساد ہے کہ نہیں؟

(۳) ''اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ'' میں لفظ ''اللّٰه'' کو پیش سے پڑھنے سے فساد ہوگا کہ نہیں؟

(۴) ''عَصٰى فِرْعَوْنُ الرَّسُوْل'' میں فرعون کو زبر اور الرسول کو پیش پڑھے تو نماز ہوگی کہ نہیں؟

(۵) ''وَلاَ الضَّالِّيْن'' کو ''وَلاَ الضُّالِّيْن'' ض کے پیش اور ض کے بعد (ہمزہ) اور مد کے ساتھ پڑھنا مفسدِ نماز ہے کہ نہیں؟ یہ آخری غلطی عام ہے، کیا اس صورت میں نماز دُہرانا پڑے گی؟

الجواب

(۱) دال پر ضمہ پڑھنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔

کما فی ردالمحتار تحت قول الدر:

(فلو في إعراب، إلٰى قوله،لم تفسد) ككسر قِوَامًا مكان فتحها وفتح باء نعبد،آه. (۱)

لیکن عین کے بعد الف کے اضافہ میں تغیر فاحش پیدا کرتا ہے، یعنی مفرد کو تثنیہ بنا دیتا ہے اور تثنیہ کا استعمال حق تعالیٰ شانہ کے حق میں کسی طرح جائز نہیں اور اشباع کا یہ موقع نہیں اور فقہا نے اس کی تصریح کی ہے کہ کسی حرف کے بڑھا دینے

(۱) ردالمحتار،باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها،مطلب:مسائل زلة القاري: ۳۹۳/۲،انیس

ومن مفسدات القلبية زلة القاري ففي الخطأ في الإعراب إن لم يتغير المعنى ككسر قواما مكان فتح وفتح باء نعبد لا تفسد.زاد الفقير متن إسعاف المولىٰ القدير،فصل في زلة القاري: ۲۹،مخطوطة مكتبة جامعة الملك سعود قسم المخطوطات.انیس)

سے اگر معنی میں تغیر ہو جائے تو نماز فاسد ہو جاتی ہے، لہذا یہ غلطی فسادِ صلوٰۃ کا موجب ہے؛ البتہ اگر بکثرت اس قسم کی غلطی واقع ہوتی ہو تو عموم بلویٰ کے سبب فساد کا حکم نہ دیا جاوے گا اور صلوٰۃ فاسدہ کا اعادہ ضروری ہونا محتاجِ بیان نہیں۔

(۲) یہ غلطی بھی فی نفسہ موجبِ فساد ہے، **لتغیر المعنی**؛ ولیکن عمومِ بلویٰ کے سبب عدمِ فساد کا فتویٰ دیا جاوے گا۔

(۳) اس غلطی کو شامیؒ نے متقدمین کے نزدیک مفسدِ صلوٰۃ فرمایا ہے، جبکہ ہمزۂ علماء کو مفتوح بھی پڑھا ہو (اور اگر مفتوح نہ پڑھا ہو؛ بلکہ مضموم یا موقوف پڑھا ہو تو مفسد نہیں؛ کیونکہ اس کا مفعول ہونا مشتبہ ہو گیا) ولیکن غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس تغیر کو فاحش کہنا (یعنی: **الذی یکون اعتقاده کفرًا**) صحیح نہیں؛ کیونکہ خشیت صرف خوف کے معنی میں منحصر نہیں؛ بلکہ دوسرے معانی میں بھی مستعمل ہے، چنانچہ قولِ خداوندی "**فَخَشِیْنَا اَنْ یُّرْهِقَهُمَا**" میں اصل معنی مراد نہیں، بعض نے "**علمنا**" سے اس کی تفسیر (۱) اور بعض نے "**کرهنا**" سے، (۲) اسی طرح "**یَخْشَی اللّٰهَ**" میں زمخشری وغیرہ نے رفع کی قراءت (شاذہ) نقل کی ہے، (۳) اور صاحب روح المعانی نے خشیۃ کو تعظیم پر محمول کیا ہے، (۴) ونیز ایک قول یہ نقل کیا ہے کہ خشیت کے معنی اختیار (یعنی اجتباء) کے بھی آتے ہیں، پس جب اس غلطی کے ہوتے ہوئے ایک صحیح معنی ہو سکتے ہیں تو متقدمین کے قول پر بھی نماز فاسد نہ ہوگی۔ واللہ اعلم

اور متاخرین کے قول میں تو بہت گنجائش ہے کہ باوجود تغیر فاحش کے بھی فساد صلوٰۃ کا حکم نہیں کرتے، حاصل یہ کہ اس غلطی سے نہ متقدمین کے قول پر نماز فاسد ہوگی، نہ متاخرین کے قول پر۔ واللہ اعلم بالصواب

(۴) یہ غلطی متقدمین کے قول پر موجب فساد ہے؛ ولیکن متأخرین کے نزدیک موجب فساد نہیں اور قول متاخرین پر فتویٰ ہونا خلاصہ میں نوازل سے منقول ہے، لہٰذا عوام کے واسطے اسی میں سہولت ہے ولیکن اگر اس قسم کی غلطی بکثرت واقع نہ ہوتی ہو تو اعادہ نماز کا کر لیا جاوے؛ لیکن قول متقدمین احوط واوفق بالقیاس ہے۔

(۵) اس سے بھی نماز فاسد نہیں ہوتی، کیونکہ اس سے معنی متغیر نہیں ہوتے۔

کتبہ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ۔ ۲۱ر محرم ۱۳۵۲ھ۔ (امداد الاحکام: ۱۹۹/۲-۲۰۱)

قرأت میں غلطی:

سوال: اگر امام صاحب نماز میں قرأت کرتے ہوئے حرکات کو نہ کھینچنے کی جگہ کھینچ کر اور اس کے برعکس پڑھیں،

(۱) تأویلات أهل السنة المعروف بتفسير الماتريدى، سورة الكهف: ۲۰۰/۷، دارالكتب العلمية بيروت. انيس

(۲) معانى القرآن للأخفش، سورة الكهف: ۴۳۳/۲، مكتبة الخانجي القاهرة. انيس

(۳) وروى عن عمربن عبدالعزيز أنه قرأ: ﴿إنما يخشى اللّٰهُ﴾ رفعاً ﴿والعلماءَ﴾ نصباً، وهواختيار أبى حنيفة على معنى يعلم اللّٰه وقيل: يختار، والقراءة الصحيحة ما عليه العامة. (الكشف والبيان عن تفسير القرآن المعروف بتفسير الثعلبى، سورة الفاطر: ۱۰۵/۸، دارإحياء التراث العربى. انيس)

(۴) روح المعانى، سورة الرعد: ۱۳۴/۷، دارالكتب العلمية بيروت. انيس

جیسے سورۂ رحمٰن میں: ﴿وَالارْضَ وَضَعَهَا﴾ کو "وَضَعَاهَا" اور سورۂ تین میں ایک جگہ ﴿وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ﴾ کی جگہ "وَعَامِلُوا الصّٰلِحَاتِ" اور "السَّلاَمُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ" میں "رحماة الله" پڑھتے ہیں اور بکثرت مجھول پڑھتے ہیں تو کیا ایسی غلطی سے نماز فاسد نہیں ہوگی، اور کیا ایسے امام کی اقتداء درست ہے؟ (انصار بیگ دانش، دھرم آباد)

الجواب

امام صاحب کو چاہئے کہ وہ ایسی غلطیوں پر قابو پائیں؛ تاہم مسئلہ یہ ہے کہ! اگر کوئی شخص اس طرح حرکت کو کھینچ کر پڑھے کہ کسی حرف کی زیادتی یا کمی پیدا ہوجائے؛ لیکن معنی میں غیر معمولی قسم کی تبدیلی نہ پیدا ہو تو نماز درست ہوجاتی ہے۔

"لوزادحرفا لايغير المعنى لاتفسد عند هما الخ".(۱)

اس لئے جو صورت آپ نے ذکر کی ہے اس میں نماز تو درست ہوجائے گی، البتہ امام صاحب کو حکمت کے ساتھ تنہائی میں سمجھانا چاہئے کہ وہ اپنے طریقۂ تلاوت کی اصلاح کرلیں۔ (کتاب الفتاویٰ: ۲/۱۹۹-۲۰۰)

نماز میں اعراب کی غلطی کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے نماز میں "سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ" میں اسم کے میم کو زیر پڑھ دیا، آیا نماز درست ہوئی یا فاسد؟

الجواب

جس غلطی سے قرآن کے معنی میں تغیر فاحش آجاوے، اس سے نماز فاسد ہوجاتی ہے، ورنہ نہیں ہوتی تو اسم کے میم کو زیر پڑھنے سے معنی میں کوئی فساد نہیں ہوا، اس لئے نماز درست ہوگئی۔

إذا لحن في الإعراب لحنا لايغير المعنى بأن قرأ لاَ تَرْفَعُوْا أَصْوَاتَكُمْ برفع التاء لاتفسد صلاته بالإجماع.(الهندية: ۱/۸۰)(۲)**فقط والله تعالىٰ أعلم**

(امداد: ۱/۱۰۵)(امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۴۵۰)☆

(۱) رد المحتار: ۲/۳٤۱ (باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مطلب: مسائل زلة القارى، انيس)

(۲) الباب الرابع في صفة الصلاة الخ، الفصل الخامس في زلة القارى، انيس

قرأت میں اعراب کی غلطی:

سوال: نماز میں قرأت کے دوران زیر وزبر کی غلطی ہوجائے، مثلاً "أُنْزِلَ" کے بجائے "أَنْزَلَ"، "يُرَاؤُوْنَ" کے بجائے "يَرَاؤُوْنَ" تو کیا نماز درست ہوجائے گی؟ (احمد ندیم رضوی، محبوب نگر)

الجواب

عربی زبان میں اعراب یعنی زبر، زیر، پیش کی بڑی اہمیت ہے، اور اکثر اوقات اس سے معنی میں غیر معمولی تبدیلی پیدا ہوجاتی ہے، اس لئے نماز میں خصوصاً اور نماز کے باہر بھی قرآن مجید پڑھنے میں خوب احتیاط کرنی چاہئے، تھوڑی سی محنت اور کوشش کے ذریعہ ==

قرأت میں تغیر کا واقع ہونا:

سوال: بعض کا مسلک ہے کہ قرأت میں لغزش سے اگر معنی بدل جائیں تو نماز فاسد ہو جائے گی اور بعض لوگوں کی یہ رائے ہے کہ اگر معنی بدل جائیں اور وہ کفر تک پہنچا دیں تو نماز فاسد ہوگی، اس بارے میں حکم شرعی کیا ہے؟

الجواب

منیۃ المصلی میں ہے:

(الأصل فيه أنه إن لم يكن مثله في القرآن والمعنى بعيد يتغير) به (تغيرًا فاحشًا تفسد صلاته)انتھٰی.(۱)

اکثر کتب فقہ سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ مطلق تغیر معنی سے نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر اعراب کی غلطی ہو جائے، اگرچہ معنی کا تغیر اس صورت میں بھی ہوگا، مگر عوام پر شفقت کے خیال سے بعض فقہا مفسد صلوۃ نہیں کہتے ہیں۔ (كذا في الهندية)(۲)

ابوالحسنات محمد عبدالحئی۔ (مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحئی اردو:۱۲۳)

جس کو ترجمۂ قرآن نہ آتا ہو، اس کی نماز اور تلاوت کے ثواب کا حکم:

سوال: بکر کہتا ہے کہ جس شخص کو ترجمۂ قرآن نہیں آتا، اس کی نماز ہرگز نہیں ہوتی اور نہ اس کو تلاوتِ قرآن کا ثواب ملتا ہے، اس پر بعض لوگوں نے نماز پڑھنا اور تلاوت کرنا چھوڑ دیا، اس کا جواب مدلّل دیا جائے؟

الجواب

دلیل کا بیان کرنا خود اس شخص کے ذمّہ ہے؛ کیونکہ وہی مدعی ہے اور دعوی بلا دلیل مسموع نہیں، لہذا یہ قول غلط ہے، نیز ہم تبرعاً کہتے ہیں کہ اس شخص کا قول "فَاقْرَأُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ" (۳) کے خلاف ہے، کیونکہ جو شخص قرآن پڑھنے پر قادر ہے اور ترجمہ سمجھنے پر قادر نہیں تو یہ آیت اس کو صرف قراءتِ قرآن کا مکلّف بناتی ہے، (۴) اور اس سے اس کی نماز صحیح ہو جائے گی؛ لإتيان المأمور به، ترجمہ کی قید لگانا تیسیر کے خلاف ہے۔

== ایسی غلطیوں سے بچا جا سکتا ہے، تاہم چونکہ اللہ تعالی نے خطأ اور بھول چوک کو معاف فرمایا ہے، اور خاص کر اہل عجم سے ایسی غلطیاں پیش آتی رہتی ہیں، اس لئے فقہا کی رائے ہے کہ اگر زیر وزبر کی غلطی ہو جائے، تو نماز فاسد نہیں ہوگی۔

"ولو قرأ النصب مكان الرفع والرفع مكان النصب أو الخفض مكان الرفع أو النصب لا تفسد صلاته". (الفتاوى الهندية : ۸۲/۱ (الباب الرابع في صفة الصلاة، الفصل الخامس في زلة القاري، انيس))(کتاب الفتاویٰ:۲/۲۰۰-۲۰۱)

(۱) (الأصل فيه)في الزال والخطاء (إن لم يكن مثله)أى مثل ذلك اللفظ) في القرآن والمعنى)أى والحال في أن معنى ذلك اللفظ (بعيد)من معنى لفظ القرآن (متغير) معنى لفظ القرآن به (تغيرًا فاحشًا) قوياً بحيث لا مناسبة بين المعنيين أصلاً (تفسد صلاته).(الكبيرى شرح منية المصلى، فصل في بيان أحكام زلة القارى: ۴۷۶،طبع سنده،انيس)

(۲) الفتاوٰى الهندية،الفصل الخامس في زلة القارى: ۷۹/۱-۸۲،دار الفكر. انيس

(۳) سورة المزمل: ۲۰.انيس

(۴) ﴿فَاقْرَأُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ﴾أى من القرآن من غير تحمل المشاق.(روح المعانى، المزمل: ۱۲۶/۱۵، دارالكتب بيروت)==

دوسرے ہم پوچھتے ہیں کہ قرآن نظمِ عربی کا نام ہے، یا نظمِ عربی مع الترجمہ کا، شقِ ثانی باطل ہے، ورنہ لازم آئے گا، کہ صبیان و جہلاء تلاوتِ قرآن کے وقت قاریِ قرآن نہ ہوں؛ بلکہ وہ قرآن کے سوا کچھ اور پڑھتے ہوں اور یہ لغو ہے، پس شقِ اوّل متعین ہے، تو اس کے تحقق سے قراءتِ قرآن کا تحقق ہو گیا اور یہی شرط صلوٰۃ وثواب ہے، اس سے زیادہ شرط صلوٰۃ وثواب نہیں۔ (امداد الاحکام:۹۸/۲)

"قل هو اللّٰه" کو "گل هو اللّٰه" پڑھنا:

سوال: ایک شخص "قل هو اللّٰه" کو "گل هو اللّٰه" پڑھتا ہے اور کہتا ہے کہ اہلِ ہند جس کو ق پڑھتے ہیں، وہ درحقیقت ترکی زبان کا حرف ہے، عربی نہیں اور لغت عرب میں یہ شکل گاف کی ہے اور تمام عرب گاف ہی پڑھتے ہیں کیا اس کا مقولہ صحیح ہے یا نہیں اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب

اس کا مقولہ صحیح نہیں ہے اور نہ اس کے پیچھے نماز جائز ہے؛ کیوں کہ تمام ادباء اور اہل لغت نیز قراء اور ماہرین نحو کا اتفاق ہے کہ حرف قاف عربی ہے۔

قاری ابو محمد مکی فقیہ کتاب الرعایۃ بتجوید القراءۃ میں بیان کرتے ہیں:

القاف تخرج من المخرج الأول من مخارج الضم مما يلى الحلق من أقصى اللسان ومن فوقه من الحنك والقاف حرف متمكن قوى لأنه من الحروف المجهورة الشديدة المستعلية ومن حروف القلقلة قريبة من مخرج الكاف فيجب على القارى أن يفخم القاف تفخيماً بالغا إذا أتت بعدها ألف كما يفعل بها إذا حكاها فى الحروف فقال فالقاف وذلك نحو قوله تعالىٰ قالوا وقاموا وكذلك بينهما بياناً خالصاً تفخيماً إذا انفردت مفتوحة أو مضمومة نحو قليلاً وقدمنا وقد ورد قوله أو شبهه. فإذا وقعت الكاف بعدها أو قبلها وجب بيانها لئلا يشوبها شىء من لفظ الكاف لقربها منها أو يشوب الكاف شىء من لفظ القاف نحو خالق كل شىء وخلقكم ورزقكم، انتهىٰ. (۱)

اور ظاہر ہے کہ صفات مذکورہ گاف فارسی میں نہیں پائی جاتیں؛ لیکن موجودہ زمانہ میں اہلِ عرب کے یہاں قاف کی جگہ گاف فارسی کا استعمال، وہ عجمیوں کے اختلاط کی وجہ سے ہو رہا ہے اور اسی وجہ سے کبھی وہ لوگ قرآن وحدیث میں قاف کی جگہ گاف فارسی نہیں پڑھتے اور بادیہ نشیں جاہلوں کا کوئی اعتبار نہیں؛ کیوں کہ وہ حروف کو مخارج سے

== ويحتمل أن يكون المراد منه فاقرؤا بعينه كيف ما تيسر لكم. (التفسير المظهرى، سورة المزمل: ۱۱۶/۱۰، مكتبة الرشدية الباكستان. انيس)

(۱) كتاب الرعاية بتجويد القراءة، باب القاف: ۱۷۱، دار عمار. انيس

ادانہیں کرتے اور قرآن کے ایسے حروف کہ ان کا تلفظ اور دوسرے حروف سے تمیز آسان ہو، ان کو بدل دینا، ایسے طریقہ پر کہ معنی بھی متغیر ہو جائیں، یہ مفسد صلوۃ ہے۔

ہندیہ میں ہے:

إن غیر المعنیٰ فإن أمکن الفصل بین الحرفین من غیر مشقة کالطاء مع الصاد فقرأ الطالحات مکان الصالحات تفسد صلا ته عند الکل ،إنتھیٰ. (۱) (مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحیٔ اردو: ۲۱۳)

"الحمد" اور "إیاک" پر جھٹکا:

سوال: "**الحمد**" پر جھٹکا لگانا اور ایسا ہی "**إیاک**" پر جھٹکا لگانا کیسا ہے؟

الجواب

خلاف قواعد تجوید پڑھنا قرآن شریف کا مکروہ ہے، (۲) اگرچہ نماز ہو جاتی ہے۔ (۳) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲/۲۴۰)

"نستعین" میں عین پر تشدید پڑھنا:

سوال (۱) زید سورہ فاتحہ میں "**إیاک نعبد و إیاک نستعین**" پڑھتا ہے، جبکہ قرآن شریف میں "**و ایاک نسعین**" لکھا ہے، کیا پڑھا جاوے "**نستعین**" یا "**نستعیّن**" (کے) 'ت' کو 'عین' میں ملا کر تشدید لگا کر پڑھتا ہے، امام کو بار بار ٹوکنے پر صحیح نہیں پڑھتا ہے، کیا ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنی صحیح ہے یا نہیں؟

(۲) فجر کی سنت مؤکدہ اگر جماعت ہو رہی ہے تو سنت کس وقت تک پڑھی جا سکتی ہے؟ یا جماعت میں شامل ہو جاوے؟ سنت نہ پڑھی جائے ؟

ھو المصوب

(۱) نستعین کا کوئی حرف مشدد نہیں ہے، لہذا مشدد پڑھنا غلط ہے، (۴) امام کو خیال رکھ کر پڑھنا چاہئے، اگر

---

(۱) الفتاوی الھندیة،الباب الرابع فی صفة الصلاة،الفصل الخامس فی زلة القاری: ۸۷/۱،انیس

(۲) والأخذ بالتجوید حتم لازم ☆ من لم یجود القرآن آثم.(المقدمة الجزریة،باب التجوید: ۱۱،دارالمغنی للنشر والتوزیع)

أی من لم یجود القرآن وفی نسخة من لم یصحح القرآن وذلک بأن یقرأ ہ قراء ة تخل بالمعنی أو بالإعراب کما صرح بذلک الشیخ زکریا.(الوافی فی کیفیة ترتیل القرآن الکریم،باب التجوید: ۹۱/۱،دارالکتب العلمیة.انیس)

(۳) إن غیر المعنیٰ فإن أمکن الفصل بین الحرفین من غیر مشقة کالطاء مع الصاد فقرأ الطالحات مکان الصالحات تفسد صلا ته عند الکل.(الفتاوی الھندیة،الباب الرابع فی صفة الصلاة،الفصل الخامس فی زلة القاری: ۸۷/۱،انیس)

() إن الخطأ إما فی الإعراب أی الحرکات والسکون ویدخل فیه تخفیف المشدد وقصر الممدود ==

امام صحیح پڑھنے پر قادر نہیں ہے، تو دوسرے امام کا نظم کیا جائے، ایسے امام کو امامت نہ کرنی چاہئے، اگر امامت کرتا ہے، تو اس کی امامت کراہت کے ساتھ درست ہوگی۔

(۲) فجر کی فرض نماز ایک رکعت بھی ملنے کی امید ہو تو سنت فجر پڑھ لی جائے، اس کے بعد فجر کی فرض میں شامل ہو اور ایک رکعت بھی ملنے کی امید نہ ہو تو فجر کی فرض نماز میں سنت پڑھے بغیر شامل ہو جائے۔(۱)

تحریر: محمد مستقیم ندوی تصویب: ناصر علی ندوی۔(فتاویٰ ندوۃ العلماء:۲/۳۲۸-۳۲۹)

صیغۂ واحد کو جمع اور جمع کو واحد پڑھنا غلط ہے:

سوال: نماز میں بوقت قراءت واحد کو بصیغۂ جمع اور جمع کو بصیغۂ واحد پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ نماز ہوگی یا نہیں؟ مثلاً: آیت کو آیات پڑھنا اور جنت کو جنات پڑھنا۔

== وعكسهما... والقاعدة عند المتقدمين أن ماغير المعنىٰ تغييرًا يكون اعتقاده كفرًا يفسد في جميع ذلك، سواء كان في القرآن أو لا... فالمعتبر في عدم الفساد عند عدم تغيرالمعنى كثيرًا وجود المثل في القرآن عنده والموافقة في المعنى عندهما.(رد المحتار:۲/۳۹۳)(باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها،مطلب:مسائل زلة القارى،انيس)

(۱) ومن انتهى إلىٰ الإمام في صلاة الفجر وهو لم يصل ركعتي الفجرإن خشي أن يفوته ركعة ويدرك الأخرىٰ يصلي ركعتي الفجرعند باب المسجد ثم يدخل وإن خشي فوتهما دخل مع الإمام.(الفتاوىٰ الهندية: ۱/۱۲۰)(الباب العاشر في إدراك الفريضة،انيس)

قلت:أرأيت رجلاًانتهى إلى المسجد والقوم في الصلاة أيصلي تطوعاً أو يدخل مع القوم في الفريضة؟ قال:لا ؛ولكنه يدخل مع القوم في صلاتهم ولايصلي من التطوع شيئاً إلا أن ينتهي إلى الإمام ولم يكن صلى ركعتي الفجر فإنه يصليهما ثم يدخل في صلاة القوم ،قلت:فإن كان يخاف أن تفوته ركعة من الفجر ؟قال:وإن كان يخاف، قلت:فإن خاف أن يفوته الفجر في جماعة؟قال:أحب ذلك إليَّ أن يدخل مع القوم في صلاتهم ويدع الركعتين.(الأصل الشيباني المعروف بالمبسوط،باب ماجاء في القيام في الفريضة:۱/۱٦٦،إدارة القرآن والعلوم الإسلامية كراتشي)

عن عائشة قالت:ركعتا الفجر خير من الدنيا ومافيها.(سنن الترمذي،باب جاء في ركعتي الفجر من الفضل (ح:٤١٦)

عن أنس قال:قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:ركعتا الفجر أحب إلي من الدنيا وما فيها،قال:وقال عمربن الخطاب:هما أحب إلي من حمر النعم.(مصنف عبدالرزاق،باب ماجاء في ركعتي الفجر من الفضل (ح:٤٧٧٩)انيس)

عن حمران،قال:ما لقي ابن عمر رضي الله عنهما يحدث إلا وحمران من أقرب الناس منه مجلساً قال:فقال له ذات يوم:ياحمران! إني لأراك ما لزمتنا إلا لنقبسنك خيراً قال:أجل،يا أبا عبدالرحمن قال:انظر ثلاثاً أما اثنتان فانهاك عنهما وأما واحد فآمرك،قال:ماهن يا أبا عبدالرحمن؟قال:لا تموتن وعليك دين إلا ديناً تدع له وفاءً ولا تنتفين من ولد لك أبداً فإنه يسمع بك يوم القيامة كما سمعت به في الدنيا قصاصاً لا يظلم ربك أحداً وانظرركعتي الفجر فلا تدعهما فإنهما من الرغائب.(كتاب الآثار لمحمدبن الحسن الشيباني،باب فضل الجماعة وركعتي الفجر (ح: ۱۱۲)/ وراه ابن أبي شيبة مختصراً،باب في ركعتي الفجر (ح:٦٣٢٥)/مسند الإمام الأعظم برواية الحصكفي،كتاب الصلاة (ح:۹٥)انيس)

الجواب

واحد کو بصیغۂ جمع پڑھنا یا جمع کو بصیغۂ واحد پڑھنا غلطی ہے، عمداً ایسا کرنا درست نہیں ہے اور اگر غلطی سے ایسا پڑھا گیا تو نماز صحیح ہے؛ یعنی نماز ہو جاتی ہے، مگر ایسا کرنا نہ چاہئے۔ (۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۲۴۷)

نماز میں عام قاری کی غلطیوں کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں موافق فقہ حنفی کے کہ!

آج کل عموماً کیا علماء اور کیا عوام؛ جیسا کہ آنجناب پر بھی روشن ہے، علم تجوید سے بالکل ناواقف ہیں؛ یعنی کسی استاد واقف سے نہیں سیکھتے؛ بلکہ بطور خود بعض حروف میں فرق کر کے بلا خیال مخرج وصفات پڑھتے ہیں۔ مثلاً:

''س'' و''ص'' کے اندر یا ''ت'' اور ''ط'' میں؛ حالانکہ ماہرین فن تجوید لکھتے ہیں کہ باوجود تمیز کے حروف اپنے مخرج سے ادا نہیں ہوتے، خصوصا حرف ض کہ یہ تو عموما خواہ عرب، خواہ عجم کوئی بھی اس حرف کو اس کے مخرج سے نہیں نکالتا، بعض مشابہ ظا اور بعض مشابہ بالذال پھر بعض صاف دال پڑھتے ہیں، بعض دال مفخم، بعض کے پڑھنے میں ایک واؤ بھی سمجھ میں آتا ہے تو ایسی حالت میں کیا حکم ہے، آیا یہ لوگ معذورین کے حکم میں ہیں اور حروف کو سیکھنا اور ان کو مخارج مع صفات کے ادا کرنا ان پر فرض اور ترک سے گنہ گار ہیں؛ کیوں کہ مخارج حرفوں کے مشترک ہوتے ہیں، مگر فرق صفات سے ہوتا ہے یا بوجہ عموم بلوی مطلقاً صحت نماز کا فتوی دیا گیا ہے، اگر دیا ہے تو دلیل تحریر فرمادیجئے؟

اب ایسی حالت میں اگر کوئی شخص حروف کو عمدہ طریقہ سے مخرج سے نکالے اور حرف ضاد کو بھی مخرج سے نکالے، اگر چہ صورت اس کی مشابہ بالظاء ہو تو ایسے شخص کی نماز ان لوگوں مذکور الصدر کے پیچھے کہ جو بطور خود حروف کو متمیز کر کے پڑھتے ہیں اور حرف ضاد کو دال بسیط یا مفخم کر کے یا مشابہ بالظاء پڑھتے ہیں، صحیح ہوگی یا نہیں؟ خاص کر جب کہ یہ شخص جو واقف تجوید ہے واقف مسائل ضرور یہ صلوٰۃ بھی ہو اور دوسرا شخص عالم فقہ حدیث ہو، مگر قراءت اس کی موافق قواعد تجوید نہ ہو؛ بلکہ مثل قراءت مروجہ اس زمانہ کے ہو، اگر اس واقف تجوید کی نماز صحیح نہ ہوئی تو وقت مقتدی ہونے اس قاری کے امام کی اور بقیہ مقتدیوں کی بھی نماز درست ہوگی یا نہیں؟ جیسا کہ جب امی کی اقتدا قاری کرے، اس وقت کسی کی بھی نماز نہیں ہوتی نہ امام کی نہ مقتدیوں کی، احقر کو ان عبارات فقہا سے معلوم ہوتا ہے کہ ہم لوگ باوجود اہل علم کہلانے کے

(۱) قال في البزازية: ولوزاد حرفًا لايغير المعنى لاتفسد عندهما، إلخ. (رد المحتار، زلة القارئ: ۵۹۱/۱، ظفير) (باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مطلب: مسائل زلة القارى / الفتاوىٰ البزازية على هامش الفتاوىٰ الهندية، لاثاني عشر في زلة القارى: ۴۳/۴، دار الفكر/. انيس)

امامت کے قابل نہیں اور سیکھنا تجوید کا فرض ہے اور اس کے ترک سے ہر وقت گنہ گار ہیں، آیا یہ فہم احقر کا ان عبارات سے صحیح ہے یا نہیں؟

(أنه بعد بذل جهده دائمًا)أی فی اٰناء اللیل و أطراف النهار فمادام فی التصحیح و التعلیم ولم یقدر علیه فصلا ته جائز ة و إن ترک جهده فصلوٰته فاسدة قال فی الذخیرة وأنه مشکل عندی لأن ماکان خلقة فالعبد لایقدر علی تغییره (کالأمی فلا یؤم الامثله ولاتصح صلا ته إذاأمکنه الإقتداء بمن یحسنه أو ترک جهده أووجد قدر الفرض ممالا لثغ فیه هذا هو الصحیح المختار(فی حکم الألثغ).(کذافی ردالمحتار باب الإمامة)(۱)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب الثغ جوفطرۃً معذور کیا معنی بلکہ مجبور ہے معاف نہیں کیا گیا، بلکہ دواماً اس پر سیکھنا اور کوشش کرنا فرض ہے، یہاں تک کہ جب تک سیکھتا رہے گا تو نماز درست ہوگی، ورنہ نماز فاسد ہوگی اور بعد کوشش کے بھی وہ امی ہے، جب ایسا معذور فطری معذور نہیں تو جو شخص کہ باعتبار فطرت مجبور نہیں، فقط اپنے تساہل سے سیکھنے کا قصد نہیں کرتا، کیوں معذور شمار کیا جاوے اور کیوں نماز اس کی صحیح ہو اور کیوں گنہ گار نہ ہو، البتہ شامی کا ذخیرہ کی عبارت کا نقل کرنا شبہ پیدا کرتا ہے کہ شاید اس حکم کی تصحیح میں کچھ کلام ہے، اگلی عبارت اس سے زائد تصریح کرتی ہے۔

وکذا من لایقدر علی التلفظ بحرف من الحروف وذلک کالرهمن الرهیم والشیتان الرجیم والآلمین إیاک نأبد ونستئین وأنأمت فکل ذلک حکمه مامر من بذل الجهد دائمًاوإلا فلا تصح الصلوٰة به.(۲)

اب اس حکم میں وہ لوگ بھی داخل ہیں یا نہیں جو حرف ضاد کو مخرج سے نہیں نکالتے، اگر نہیں تو کیا دلیل ہے، پھر فقہا کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ حرف ظاء سے زیادہ مناسبت ہے نہ ذال سے، جیسا کہ شامی کے زلۃ القاری میں ہے:

وإن لم یمکن إلا بمشقة کالظاء مع الضاد والصاد مع السین فأکثرهم علی عدم الفساد لعموم البلوی. (۳)

دوسری جگہ ہے:

وفیهاإذا لم یکن بین الحرفین اتحاد المخرج ولاقربه إلا أن فیه بلوی العامة کالظاء مکان الضاد لا تفسد عند بعض المشایخ.(۴)

قاضی خان میں ہے:

لوقرأ لظالین بالظاء أوبالذال لاتفسد صلا ته ولو قرأالدالین بالدال تفسد.(۵)

(۱-۲) ردالمحتار،باب الإمامة،قبیل مطلب إذا کانت اللثغة یسیرة: ۵۸۲/۱،دارالفکر بیروت.انیس
(۳) ردالمحتار،فصل فی زلة القاری: ۶۳۱/۱،دارالفکر بیروت.انیس
(۴) ردالمحتار،فصل فی زلة القاری: ۶۳۳/۱،دارالفکر بیروت.انیس
(۵) قاضی خان علیٰ هامش الهندیة، کتاب الصلاة،فصل فی قراء ة القرآن خطأ وفی الأحکام المتعلقة بالقرآء ة: ۱۴۳/۱،انیس

ان عبارتوں سے جہاں تک معلوم ہوتا ہے، وہ یہ ہے کہ مشابہ بالدال پڑھنے سے فاسد ہے اور مشابہ بالظاء پڑھنے سے بعض کے نزدیک فاسد نہیں، مگر قاعدہ متقدمین کے مطابق صحیح نہیں تو ایسی صورت میں جو شخص کہ حرف ضاد کو مخرج سے نکالتا ہے، اس کی نماز آج کل کے علما کے پیچھے جو اکثر دواد پڑھتے ہیں، صحیح ہوگی یا نہیں؟ اور ایسے شخص کے ہوتے امام کس کو بنانا چاہئے، مکرر امور مسئولہ کو مختصراً عرض کرتا ہوں:

(۱) تجوید واجب کی کیا مقدار ہے آیا مطلقاً تمیز بین الحروف یا اداء الحروف من المخارج مع الصفات؟

(۲) امی عند الشرع کون ہے اور قاری کون ہے؟

(۳) حرف ضاد مخرج سے نہ نکالنے والے خواہ ظاء پڑھیں یا مشابہ بالدال پڑھیں امی ہیں یا نہیں؟

(۴) جو شخص کہ ضاد کو مخرج سے نکالتا ہے اس کی نماز شخص مذکور کے پیچھے ہوگی یا نہیں اگر نہ ہوگی تو وقت مقتدی ہونے اس قاری کے امام دواد پڑھنے والے کی اور مقتدیوں کی نماز بھی ہوگی یا نہیں؟

(۵) دواد پڑھنے والا عالم امام افضل ہے یا قاری جو مسائل ضروریہ صلوٰۃ سے واقف ہو؟

(۶) سائل ایک عبارت رسالہ 'قرأت کی نقل کرتا ہے کہ جو حوالہ دیتا ہے فتح القدیر اور وسیلۃ السعادۃ کا:

''بدانکہ دانستن وخواندن قرآن بہ تجوید کہ آں عبارت از دادن حروفہا است حق آں حروف فرض عین ولازم ست بر ہرکس کہ قرآن خواند از برائے آنکہ بہ تجوید نازل شدہ وہمچنیں از آنحضرت علیہ السلام بوسائط اساتذہ منقول شد چنانکہ در شرح مقدمہ جزری آوردہ اگر چہ فقہائے عظام بسبب آنکہ نماز فرض عین است در زلۃ وخطا کردن از تجوید وسعت کردہ نماز جائز داشتہ اند امابہ ترک امامت ایں چنیں کس فرمودہ اند معلوم است کہ معنی زلت وخطا فعلی ناشائستہ بے اختیار از کسے کہ دانائے آں باشد صادر شدن است نہ آنکہ چیزے را کہ نداند اورا زلۃ گویند، چنانکہ در وسیلۃ السعادۃ کہ یکے از کتب فقہ معتبر است آوردہ کسے کہ از ادائے حروف ورعایت قواعد قرآنی عاجز باشد براو لازم است باقی عمر در شب وروز در تعلیم قرآن بکوشد والا نمازش جائز نیست''۔ (کما فی فتح القدیر لابن الہمام)(۱)

تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آج کل جو غافل از علم تجوید عالم وجاہل ہو رہے ہیں، ان کی نماز نہیں ہوتی اور امامت تو ہرگز نہ کرے، تو امامت ایسے شخص کی جائز ہے یا نہیں؟

(۷) قاری عبدالرحمٰن صاحبؒ اپنے رسالہ تلفظ الضاد میں تحریر فرماتے ہیں کہ ضاد معجمہ سب حروف سے مخرج جدا رکھتا ہے، اگر اپنے مخرج سے نہ نکلا اور کسی حرف کے مخرج سے نکلا ظاء یا دال وغیرہ سے تو وہی ہوگیا نہ کہ ضاد رہا اور اگر حرف معتبرہ سے نہ نکلا تو شمار حروف سے نہ رہا؛ بلکہ مہمل ہوگا، جیسے رضی وغیرہ، علما نے لکھا ہے کہ وہ کلام بالکل مہمل ہوگیا۔

(۱) الصمد بالسین إن کان یجهد اللیل والنهار فی تصحیحه ولا یقدر فصلاته جائزة ولو ترک جهده ففاسدة ولا یسعه أن یترک فی باقی عمره. (فتح القدیر، فصل فی القراءة: ۳۲۳/۱، دار الفکر بیروت. انیس)

(۸)　پھر فرماتے ہیں کہ ایسا نہیں ہے کہ ہر شخص بطور خود جس طرح چاہے، قرآن پڑھے۔

حضرت علیؓ سے کسی نے پوچھا کہ ہم قرآن کو اپنی زبان میں ترجمہ کرلیں؛ تاکہ ہم کو پڑھنا آسان ہو، فرمایا کہ ہرگز نہیں؛ بلکہ قرآن پاک انہیں حروف منزل پر رہے، ہاں تفسیر اپنی زبان میں کرلو، حضرت علیؓ نے ترجمہ جائز رکھا، پھر تبدیل حروف کس طرح جائز ہوگی کہ تحریف صریح قرآن کی ہے، جب بہدایت قرآن وحدیث ممانعت پڑھنے لہجہ عجم کی معلوم ہوئی، تب بمقابلہ اس کے اقوال بعض مفسرین مثل تفسیر کبیر وغیرہ کے کہ انسان مکلّف ساتھ تمیز حرف ضاد کے غیر اپنے سے نہیں ہے، سنا نہ جاوے گا؛ بلکہ اس جگہ قول حضرت علیؓ اور امام ابوعمرؓو دانی رحمہ اللہ تعالیٰ کا کہ امام قرأت اور تجوید کے تھے مقبول ہوگا کہ ان بزرگوں نے کس طرح تاکید تصحیح وتجوید کی فرمائی ہے، غرض کہ فن قرأت جدا ایک فن ہے کہ مدار اس کا محض نقل اور روایت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور قیاس کو بالکل دخل نہیں ہے اور جو بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ زمانہ صحابہ میں اہتمام تجوید نہ تھا اس کی وجہ یہ ہے کہ سب صحابہؓ عربی تھے اور بعض صحابہؓ جو عجمی تھے، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح کرلیا تھا اور جو صحابہ باوجود تعلیم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی سعی کے ان کی زبان نے مطاوعت نہ کی اور قابو میں نہ آئی وہ معذور تھے، غرض ایسے مضمون ابوعمرؓو دانیؒ اور ملا علی قاریؒ کی کتابوں کو دیکھو کہ یہ لوگ قرأت کے امام تھے اور محدث، مفسر وفقیہ تھے اور یہ لفظ خاص عرب کا ہے، نہ عجم کا، اپنی زبان پر جو عجم کو آسان تھا، وہ ادا کرلیا اور عرب خاص کے جو دو ایک گھر ہیں، وہ اب تک صحیح پڑھتے ہیں، اس وقت کے عرب کا ادائے حروف لائق استدلال نہیں۔

(۹)　پھر فرماتے ہیں کہ ضاد کا مخرج چھوڑ کر کے کسی اور حرف کے مخرج سے قصداً ادا کرنا تو حرام ہے، بلکہ بعید نہیں کہ کفر ہو اور اگر قصداً ادا کرنے ضاد صحیح کا کیا پھر سبقت لسانی سے غلطی ہوگئی، اس صورت میں امیدوار معافی حق تعالیٰ کا ہے اور اگر بسبب عدم مطاوعت زبان کے ہے اور زبان قابو میں نہیں ہے تو سیکھنے صحیح ضاد تک اور مشق کرکے صاف کرنے تک معاف ہے اور جو استاد سے سیکھا بھی نہیں اور جان بوجھ کر اسی طرح غلط پڑھتا رہا تو اول گنہ گار غلط خوانی کا اور دوسرا گنہ گار ترک واجب کا اور اگر سیکھا بھی اور صحیح نہ پڑھ سکا تو پھر یہ شخص معذور ہے اور یہ شخص امی ہوگا اور پہلے سیکھنے سے معذور نہ ہوگا اور روایات فقہیہ جواز نماز کی معذور کے حق میں ہیں نہ کہ کاہل کے۔

(۱۰)　پھر فرماتے ہیں جواز صلوٰۃ غلط خواں میں فقہا میں اختلاف ہے اور اصح عدم جواز موافق اس قاعدہ اصولیہ کے ہے:

"إذا دار الأمر بين الحظر والإباحة فالفتوى على الحظر". (۱)

(۱)　ثم ما يترددبين الحظر والإباحة يترجح معنى الحظر. (مبسوط السرخسی، کتاب الخنثیٰ: ۱۰۶/۳۰، انیس)

دوسرے یہ کہ سند اور قیاس مسئلہ قرأت کا ساتھ مسئلہ فقہ کے درست نہیں، تیسرے یہ کہ جواز وعدم جواز قرأت کے معنی اور ہیں کہ صحت قرآن ہے اور جواز وعدم جواز صلوٰۃ کے معنی اور ہیں کہ برأۃ الذمہ ہے، پس جب محمول مختلف ہوا تو قیاس مع الفارق ہوا اور وہ باطل ہے، چوتھے یہ کہ جواز وعدم جواز بیچ روایت فقہیہ کے محمول ہے، جواز نماز پر، غرض ہم سب سے درگذرے اور قطع نظر کرتے ہیں کہ قاضی خاں اور شامی اور سب روایات کو فقہاء زلۃ القاری اور غلط خواں کے ذکر میں لائے ہیں بسبب عدم مطاوعت زبان اور عموم بلویٰ جواز کا حکم دیا گیا ہے، پھر جس نے فتوی دیا ہے جواز نماز کا، اس شخص کا حکم ہے کہ جس کی زبان قابو میں نہ ہو اور بعد سیکھنے کے غلط پڑھے۔ (تمام ہوئی عبارت قاری صاحب کی)

لہذا گذارش ہے کہ ان عبارات کے مخالف جو حدیث یا عبارت فقہ واسطے جواز نماز وامامت ایسے شخص کے ہو تحریر فرماویں، فقہاء زمان حال کا فتویٰ جو کچھ ہے وہ ظاہر ہے، مگر چونکہ قاری صاحب بھی اس زمانہ کے محدث وفقیہ ومفسر تھے تو قاری صاحب نے کیوں مخالفت کی، اس واسطے دلیل کی ضرورت ہے کہ کیوں کر نماز ایسے شخصوں کی ہوتی ہے اور گنہ گار کس درجہ کے ہوتے ہیں؟

(۱۱) اگر کوئی شخص استاد ماہر سے تجوید سیکھنا شروع کرے تو اثنائے تعلیم میں لائق امامت ہے یا نہیں؟

(۱۲) اگر جواز نماز وامامت ہے اور پھر بھی کوئی شخص ماہر تجوید بوجہ اس کے کہ یہ مسئلہ اختلافی ہے، اول یہ کہ اقوال متقدمین ومتاخرین میں اختلاف ہے دیگر یہ کہ قاری عبدالرحمٰن صاحب مرحوم ودیگر علماءِ حال کا اختلاف ہے، اس واسطے احتیاط پر عمل کرے اور اعادہ اس نماز کا جو امام غیر مجود وقاری کے پیچھے پڑھی ہے کرے بوجہ بچنے اختلاف کے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

(۱۳) اور اعادہ نماز فجر وعصر کا بموجب نمبر مذکورہ کے کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب

امر اول:

تتبع روایات فقہیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ زلۃ القاری کے چند اقسام ہیں اور اکثر اقسام میں روایات توسع کی موجود ہیں، چنانچہ وہ اقسام یہ ہیں: (۱) خطا فی الاعراب، (۲) ابدال حرف بحرف، (۳) تخفیف مشدد، (۴) تشدید مخفف، (۵) زیادت حرف، (۶) نقص حرف، (۷) وصل حرف بکلمہ، (۸) قطع بعض الکلمۃ عن بعض، (۹) وقف وابتداء، (۱۰) ترک مد، (۱۱) زیادۃ کلمہ، (۱۲) نقص کلمہ، (۱۳) تقدیم، (۱۴) تکرار کلمہ، (۱۵) تبدیل کلمہ اور روایات یہ ہیں۔

(۱) **فی ردالمحتار: وأما المتأخرون کابن مقاتل وابن سلام وإسمٰعیل الزاهد وأبی بکر البلخی والهندوانی وابن الفضل والحلوانی، فاتفقوا علٰی أن الخطأ فی الإعراب لایفسد مطلقًا**

ولـو إعـقاده كفرًا؛لأن الناس لايميزون بين وجوه الإعراب،قال قاضى خان:وما قاله المتأخرون أوسع وما قاله المتقدمون أحوط.

(۲) وفيـه: قـال فـى الـخـانية والـخـلاصة: الأصـل فيـماإذا ذكرحرفًامكان حرف وغير الـمعنـى (إلٰى قـولـه) قال القاضى أبو عاصم:إن تعمد ذلک تفسد،وإن جرىٰ على لسانه أولا يعرف التمييز لا تفسد، وهوالمختار،حلية وفى البزازية:وهوأعدل الأقاويل،وهو المختار.

(۳) وفيـه:(قـولـه أو تخفيف مشدود)... وفى الفتح:عامة المشائخ علٰى إن ترک المد والتشـديـد كـالخطإ فى الإعراب، ... قلت وقد مرعدم الفساد فى الخطاء فى الإعراب آنفًا فى الرواية الاولىٰ.

(۴) وفيـه: (قـوله وعكسه) قال فى شرح المنية:وحكم تشديد المخفف كحكم عكسه فى الخلاف والتفصيل.

(۵) وفيـه: (قـولـه أوبـزيادة حرف) قال فى البزازية: ولو زادحرفًا لايغيرالمعنى لا تفسد عـنـدهـمـا ... وإن غيّـرأفسـد (بـعـدأسطر) لكن فى المنية:وينبغى أن لا تفسد،ثم قال... أقول والظاهرأن مثل زرابيب ومثانين يفسد عند المتأخرين أيضًاإذلم يذكروافيه خلافاً.

(۶) وفيـه:(قوله أونقص حرفًا) ... إما أن يغيرالمعنىٰ أولا،فإن غير تفسد (إلٰى قوله) وإن لم يغير ... لايفسد إجماعًا.

(۷) وفيـه:(وقـولـه أوبـوصـل حرف بكلمة،الخ) قال فى البزازية: الصحيح أنه لايفسد وفى المنية: لايفسد على قول العامة.

(۸) وفيـه بـعـد أسـطـر:وأمـا قـطـع بعض الكلمة عن بعض فأفتىٰ الحلوانى بأنه مفسد. وعامتهم قالوا:لا يفسد لعموم البلوىٰ فى انقطاع النفس والنسيان وعلٰى هذا لوفعله قصدًا ينبغى أن يـفسـد.وبعضهم قالوا:إن كان ذكر الكلمة كلها مفسدًا فذكر بعضها كذلک وإلا فلا ،قال قاضى خان:وهوالصحيح والأولٰى الأخذ بهذا فى العمد وبقول العامة فى الضرورة.

(۹) وفيـه: (قـولـه :أوبـوقف وابتداء) قال فى البزازية:الابتداء إن كان لايغيرالمعنىٰ تغييرًا فاحشًا لايفسد (إلٰى قوله)وإن غيرالمعنى ... لا يفسد عند عامة المشايخ؛لأن العوام لا يميز ون.

(۱۰) وفيـه: (قـوله: إلا تشـديدرب) عزاه فى الخانية إلٰى أبى على النسفى، ثم قال:وعامة المشايخ علٰى إن ترک التشديد والمدكالخطإ فى الإعراب لايفسد فى قول المتاخرين.

(۱۱) وفيـه:(قـولـه:ولـو زاد كـلمة)إعلم أن الكلمة الزائدة أما أن تكون فى القرآن أولا، وعـلٰـى كـل،أماإن تغيرأولا،فإن غيرت أفسدت مطلقًا... وإن لم تغير،فإن كان فى القرآن... لم تفسد فى قولهم،وإلا... تفسد وعند أبى يوسف رحمه اللّٰه تعالىٰ تفسد.

(۱۲) وفیہ:(قولہ:أونقص کلمة)قال فی شرح المنیة:وإن ترک کلمة،من آیة،فإن لم تغیر المعنٰی ...لاتفسد وإن غیرت... فإنہ یفسدعند العامة.وقیل لا، والصحیح الأول.

(۱۳) وفیہ:(قولہ :أوقدمہ) قال فی الفتح: فإن غیر... فسدت وإلا فلا عند محمد خلافاً لأبی یوسف،آہ.

(۱۴) وفیہ:(قولہ:وکذا لوکرر کلمة)... قلت ظاھرہ أن الفساد منوط بمعرفة ذلک، فلوکان لا یعرفہ (إلٰی قولہ) ینبغی عدم الفساد،وکذا لو لم یقصد شیئًا.

(۱۵) وفی الدر المختار کما لو بدل کلمة بکلمة وغیر المعنی نحو:إن الفجار لفی جنات آہ أی یفسد.(الدرالمختار مع ردالمحتار :۶۳۰/۱-۶۳۳،مطلب مسائل زلة القاری)(۱)

ان روایات سے معلوم ہوا کہ بجز زیادت ونقص حرف یاکلمہ یاتقدیم یاتبدیل کلمہ کے جبکہ یہ سب مغیر معنی ہوں اور جمیع اقسام میں اقوال توسع کے پائے جاتے ہیں۔

امردوم:

فی المقدمة الجزریة :

والأخذ بالتجوید حتم لازم　　من لم یصحح القرآن آثم
وھو:إعطاء الحروف حقھا　　من کل صفة ومستحقھا
ورد کل واحد لأصلہ　　واللفظ فی نظیرہ کمثلہ (۲)

شعراول سے تجوید کا وجوب اور ثانی سے رعایت صفت کا اور ثالث سے رعایت مخارج کا ماہیت تجوید ہونا ثابت ہے،پس مجموعۂ روایات بالا واشعار ہٰذا سے معلوم ہوا کہ جواز بمعنی صحت صلوٰۃ اور جواز بمعنی رفع اثم دونوں متلازم نہیں، نہ صحت صلوٰۃ مستلزم رفع اثم کو ہے اور نہ وجود اثم مستلزم فساد صلوٰۃ کو ہے۔

امرسوم:

فی الدرالمختار: وإلا(غیر الألثغ بہ) أی بالألثغ (علٰی الأصح) کما فی البحرعن المجتبی، وحرر الحلبی وابن الشحنة أنہ بعد بذل جھدہ دائمًا حتمًا کالأمی فلایؤم إلا مثلہ ولاتصح صلاتہ إذاأمکنہ الاقتداء بمن یحسنہ.

فی ردالمحتار:أی یحسن ما یلثغ ھو بہ أویحسن القرآن، وھٰذا مبنی علٰی أن الأمی إذاأمکنہ الإقتداء یلزمہ،وفیہ کلام ستعرفہ.(۳)

---

(۱) باب ما یفسد الصلاة وما یکرہ فیھا،انیس
(۲) باب التجوید: ۱۱،دارالمغنی للنشروالتوزیع،انیس
(۳) الدرالمختار مع ردالمحتار، کتاب الصلاة،باب الإمامة: ۵۸۲/۱،مطلب فی الألثغ

ثم قال بعدأوراق تحت قول الدرالمختار: (بخلاف حضورالأمی بعدافتتاح القاری إذالم یقتدبه وصلیٰ منفردًافإنها تفسد فی الأصح، آه)مانصه:وهومخالف لما قبله الذی صححه فی الهداية، فإن ماقبله شامل لما إذا شرعًامعًا أوافتتح الأمی أولا،ثم القاری أوبالعكس،إلیٰ قوله والتحقيق الأول الذی فی الهداية،إلخ.(۱)

اس سے الثغ کا مثل امی کے ہونا اور امی کی نماز کا منفرداً صحیح ہونا علی الراجح معلوم ہوا، اب بعد تحقیق امور ثلٰثہ مؤیدہ بالدلائل والروایات کے جاننا چاہئے کہ حروف کے صحیح ادا نہ کرنے میں ابدال حرف بحرف ہے، جس کا حکم بضمن تحقیق امر اول عبارت خلاصہ سے معلوم ہو چکا کہ تغییر معنی کی تقدیر پر تعمداً موجب فساد صلوٰۃ ہے اور عدم تمیز یا جریان علی اللسان کی صورت میں مفسد نہیں ہے، پس جو لوگ بوجہ مشق وریاضت نہ ہونے کے ان میں تمائز نہیں کر سکتے، ان کی نماز صحیح ہو جاتی ہے اور بایں معنی معذور ہیں؛ لیکن یہ ضرور نہیں کہ بمعنی عدم اثم بھی معذور ہوں، جیسا امر دوم میں بیان کیا گیا؛ بلکہ تصحیح میں سعی کرنا اس کے ذمہ واجب ہے اور ظاہراً (۲) یہی معلوم ہوتا ہے کہ صحیح ادا کرنے والے کی نماز ایسے شخص کے پیچھے صحیح نہ ہوگی، جب کہ معنی میں تغیر آ جاوے گو خود المعنی المذکور معذور سمجھا جاوے اور مقتضا قواعد کا یہ ہے کہ اس حالت خاص میں ایسے قاری کے شریک صلوٰۃ ہوتے ہوئے اور مقتدیوں کی نماز بھی اس غلط خواں کے پیچھے صحیح نہ ہوگی، جیسا امر سوم سے مفہوم ہوتا ہے؛ لیکن یہ کہنا کہ اگر اس نے تصحیح کی کوشش نہیں کی تو خود اس شخص کی نماز بھی صحیح نہیں، غلط ہے، جیسا امر سوم میں احقر نے اس کی تصریح کر دی ہے اور ظاہر بھی ہے؛ کیوں کہ امی میں کسی نے نہیں کہا کہ اگر وہ سعی نہ کرے تو اس کی نماز صحیح نہیں، پس جب یہ شخص مثل امی کے ہے تو اس کے عدم صحت صلوٰۃ کی کوئی وجہ وجیہ نہیں معلوم ہوتی، پس حکم فساد صلوٰۃ کا میرے نزدیک ماؤل ہے کسی تاویل مناسب کے ساتھ، رہا یہ امر کہ ظالین سے نماز فاسد نہ ہوگی، دالین سے ہو جاوے گی، اس کا مبنی یہ سمجھنا کہ ظا اور ضاد میں مشابہت ہے اور قاضی خاں کے جزئیہ سے اس کو مؤید کرنا اور اس بنا پر یہ حکم کرنا کہ ہر جگہ ظاء پڑھنا چاہئے یہ صحیح نہیں، کیوں کہ قاضی خاں ہی میں دوسرے جزئیات اس مبنی کو منہدم کرتے ہیں، چنانچہ مجھ کو یاد پڑتا ہے کہ اس میں غیر المغضوب علیہم اور والعادیات ظبحا پڑھنے کو مفسد صلوٰۃ کہا ہے۔ اس وقت کتاب (۳) موجود نہیں، ورنہ علی الجزم لکھا جاتا؛ لیکن ایسے جزئیات اس میں بالیقین مذکور ہیں۔ پس

---

(۱) الدرالمختار مع ردالمحتار: ۵۹۳/۱،قبل مطلب الأخذ بالصحيح أولیٰ من الأصح (كتاب الصلاة،باب الإمامة،مطلب:الأخذ بالصحيح أول من الأصح،انیس)

(۲) یہ پہلی رائے ہے کہ جو بطور استنباط کے قائم کی گئی تھی اس کے بعد کے فتوے میں جو (سوال نمبر:۲۲۰ پر) واقع ہے اس سے رجوع کیا گیا ہے۔ (تصحیح الاغلاط: ص ۲۰)

(۳) یہ روایات فصل فی التجوید کے سوال اول کے جواب میں مذکور ہیں اب جزم ہو گیا۔

اگر مبنی مذکور صحیح ہوتا تو اس باب میں جمیع موارد ضاد کے برابر ہوتے اور اس فرق کی کوئی وجہ نہ ہوتی۔ پس معلوم ہوا کہ اس کی کوئی اور وجہ ہے جس کو احقر نے اپنی بعض تحریرات (۱) میں ذکر بھی کر دیا ہے اور فقہا کا حکم عدم فساد بالظاء کا اس صورت میں ہے جب عمداً نہ ہو چنانچہ و إن لم یکن إلا بمشقۃ کہنا خود اس کی دلیل ہے اور اگر عمداً ہو تو فساد میں شبہ نہیں چنانچہ دوسری جزئیات (۲) قاضی خاں کی اس پر مبنی ہیں اور امر اول کی تحقیق میں خلاصہ سے اس کی تصریح کی گئی ہے اور وہ عبارت مطلق ہے کسی حرف کے ساتھ مقید نہیں۔ غرض تقریر مذکور سے معلوم ہوا کہ قصداً ایسا نہ کرے اور اگر بلا قصد بوجہ عدم مشق پڑھا گیا، خواہ پھر کچھ ہی ادا ہو تو خود اس کی نماز ہو جاوے گی؛ لیکن صحیح خواں کی امامت نہ کرے؛ بلکہ صحیح خواں جو مسائل ضروریہ سے واقف ہو وہ احق بالامامت ہے، جیسا سب امور مفصل و مدلل بفضلہٖ تعالیٰ مرقوم ہو چکے، اس تقریر سے اجمالاً اکثر سوالات کا جواب نکل آیا مگر سہولت کے لئے سب سوالات باقیہ کا جواب فرادیٰ فرادیٰ لکھا جاتا ہے۔

(۱) **أداء الحروف من المخارج مع الصفات، كما مر من الجزرية** .(۳)

(۲) جس کو قدر "**مايجوز به الصلاة**" یاد نہ ہو، وہ امی ہے، (۴) اور جس طرح عام طور پر لوگ قرآن پڑھتے ہیں، یہ حکم صحت صلوٰۃ میں صحیح ہے۔ (**كما يفهم من الفتوىٰ الآتية**)

(۳) **كالأمّي** ہیں۔ (۵)

(۴) نہیں اور نہیں۔

(۵) قاری جو مسائل ضروریہ سے واقف ہو امامت میں اقدم ہے۔

(۶) خود تو اس کی نماز صحیح ہے، **كما مر في الأمر الثالث**، البتہ صحیح خواں کا امام نہ بنے۔

(۷) و (۸) و (۹) و (۱۰) وجوب مسلم ہے اور اس کی ترک سعی میں گناہ بھی ثابت؛ لیکن عدم صحت صلوٰۃ غیر مسلم ہے، جیسا امر ثالث میں بیان ہوا اور امر اول میں روایات مذکور ہو چکیں اور جب کہ یہ مسائل اختلافی ہیں تو بعض روایات کو لینے میں نہ قاری صاحب پر ملامت ہے، نہ دوسروں پر۔

(۱۱) جب تک صحیح نہ ہو جاوے **كالأمّي** ہے۔

(۱۲) احتیاط جائز ہے۔

(۱۳) جب اس نے روایات عدم صحت پر عمل کیا تو فجر اور عصر کا اعادہ بھی جائز ہے، واللہ اعلم وعلمہ اتم

۲۱ / صفر ۱۳۲۲ھ۔ (امداد صفحہ ۱۱۷ ج ۱) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/ ۲۳۵-۲۴۷)

---

(۱) اس سے مراد وہی جواب سوال اول فصل فی التجوید کا ہے۔

(۲) یہ جزئیات فصل فی التجوید کے سوال اول کے جواب میں منقول ہیں۔

(۳) یہ تجوید واجب ہے۔ انیس

(۴) یہاں پر تصحیح الاغلاط صفحہ: ۲۰ سے تغیر کیا گیا ہے۔

(۴) اس سے فتویٰ آئندہ سوال: ۲۲۰ میں رجوع کیا گیا ہے۔

تحقیق متعلق فتوی بالا:

سوال: جناب والا احقر نے جب سے کہ اس فتوے کو دیکھا ہے، جس کو مولوی کفایت حسین صاحب نے در بارہ قرأت حضور والا کے پاس سے منگایا ہے، اسی وقت سے سخت پریشان ہوں، اگر چہ حکم صاف ہے، مگر واسطے تسکین خاطر کے، اس کے متعلق چند امور دریافت کرتا ہوں، جبکہ یہ بات قرار پائی کہ تجوید فرض ہے اور خاص کر حرف ضاد کو مخرج سے نہ نکالنے والے مثل امی کے ہیں اور ایسے شخص کی اقتداء اگر قاری جو اس حرف کو مخرج سے نکالتا ہے، کرے گا تو نماز کسی کی بھی نہ ہوگی، تو اب ایسی حالت میں اگر یہ قاری جماعت علما میں ہو تو کیا کرے، آیا ان کو اطلاع کرے، مگر اس میں سخت سوء ادبی ہے اور صورت تعالیٰ ہے اور بعض جگہ اندیشہ فساد ہے، یا اطلاع نہ کرے تو اس میں موافق فتوے کے سب کی نماز فاسد ہے، یا یہ شخص جماعت میں شریک نہ ہو اور ترک جماعت کرے؟ غرض کیا کرے، حضور مجھ کو تشویش لاحق ہے، وہ بہت سخت ہے کہ جس کا زبان تک لانا نہایت گراں ہے؟

الجواب

فی الدرالمختار: (و) لا (غیر الألثغ بہ) أی بالألثغ (علٰی الأصح) (إلٰی قولہ) و کذا من لا یقدر علٰی التلفظ بحرف من الحروف أو لا یقدر علٰی إخراج الفاء إلا بتکرار.

فی ردالمحتار: (قولہ: علٰی الأصح) أی خلافًا لما فی الخلاصة عن الفضلی من أنہا جائزة لأن مایقولہ صار لغة لہ أو مثلہ فی التاترخانیة وفی الظہیریة: وإمامة الألثغ لغیرہ تجوز، وقیل لا، ونحوہ فی الخانیة عن الفضلی وظاہرہ اعتمادہم الصحة، وکذا اعتمد صاحب الحلیة، قال: لما أطلقہ غیر واحد من المشایخ من أنہ ینبغی لہ أن لا یؤم غیرہ، ولما فی خزانة الأکمل: وتکرہ إمامة الفأفأ، ولٰکن الأحوط عدم الصحة کما مشی علیہ المصنف. وفیہ بعد أسطر (تتمة): سئل الخیر الرملی عما إذا کانت اللثغة یسیرة، فأجاب بأنہ لم یرہا لأئمتنا، وصرح بہا الشافعیة بأنہ لو کانت یسیرة بأن یأتی بالحرف غیر صاف لم تؤثر، قال: وقواعدنا لا تأباہ آہ. وبمثلہ أفتٰی تلمیذ الشارح المرحوم الشیخ إسماعیل الحائک مفتی دمشق. (ردالمحتار: ۳۹۲/۱، مجتبائی)(۱)

فی الہندیة: وإن جرٰی علٰی لسانہ أو کان لا یعرف التمییز لا تفسد وہو أعدل الأقاویل، والمختار، ہکذا فی الوجیز للکردری.(۲)

(۱) الدرالمختار مع ردالمحتار: مطلب فی الألثغ: ۵۸۲/۱ (کتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب فی الألثغ، مطلب إذا کانت اللثغة یسیرة، انیس)

(۲) الباب الرابع فی صفة الصلاة، الفصل السادس فی زلة القاری، انیس

ان روایات سے معلوم ہوا کہ جس طرح اکثر عوام الناس کہ بہت سے خاص بھی قرآن پڑھتے ہیں، اس طرح کہ پڑھنے والوں کی امامت میں بھی گنجائش ہے اور عموم بلویٰ کی وجہ سے ان روایات پر عمل جائز ہے اس لئے میرے نزدیک صورت مسئولہ میں نماز صحیح ہوجاتی ہے، واللہ تعالیٰ اعلم

(امداد صفحہ:۱۲۵، ج:۱) (امداد الفتاویٰ جدید:۱/ ۲۴۷-۲۴۸) ☆

☆ **نماز اور خطبہ میں مندرج اغلاط کا حکم:**

سوال: کیا مندرج اغلاط سے نماز اور خطبہ ہو جاتا ہے۔

الجواب

خطبہ ہو جاتا اور نماز میں احتیاط تو یہ ہے کہ فساد کا حکم دے کر اعادہ کر دیا جاوے؛ لیکن بوجہ عموم بلویٰ ہونے کے جواز کا حکم دیا جاتا ہے۔ (**كما في الدر المختار: ولو زاد كلمة أو نقص كلمة أو نقص حرفاً...لم تفسدما لم يتغير المعنى، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها: ٦٣٢/١، طبع ایچ ایم سعید، کراچی**)

وأيضًا في التاتار خانية: الخطاء إذا دخل في الحرف، لا تفسد؛ لأن هٰذا بلوىٰ عامة الناس لا يقيمون الحرف ولا يمكنهم إقامتها إلا بمشقة. (نوع آخر في زلة القاري، الفصل الأول: ٤٧٨/١، طبع إدارة القرآن والعلوم الإسلامية كراتشي)

وأيضًا في الهندية: (ومنها) زيادة حرف إن زاد حرفاً فإن كان لا يغير المعنىٰ لا تفسد صلا ته عند عامة المشايخ نحو أن يقرأ وانهىٰ عن المنكر بزيادة الباء هكذا في الخلاصة. (كتاب الصلاة، الباب الرابع في صفة الصلاة، الفصل الخامس في زلة القاري: ٧٩/١، طبع بلوچستان بک ڈپو کوئٹہ) (فتاویٰ)

کیا نماز میں مندرج اغلاط باعث تکفیر ہے:

سوال: مسلمان سامعین پر اس قسم کی تخفیف یا اضافہ کس قدر تکفیر کا باعث ہیں۔

الجواب

اس میں تکفیر نہیں ہے، (**كما في ردالمحتار: وأما المتأخرون كابن مقاتل...فاتفقوا أن الخطأ في الإعراب لا يفسد مطلقاً ولو اعتقاده كفرًا؛ لأن أكثر الناس لا يميزون بين وجوه الإعراب. (كتاب الصلاة، مطلب مسائل زلة القارى: ٤٧٤/٢، طبع مكتبة رشيدية، كوئٹہ بلوچستان. (باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، انيس)**

وكذا في فتاوىٰ قاضيخان: واختلف المتأخرون في ذلك قال محمد بن مقاتل...لا تفسد صلا ته وما قاله المتقدمون الأحوط؛ لأنه لو تعمد يكون كفراً وما يكون كفرًا لا يكون من القرآن وما قاله المتأخرون أوسع؛ لأن الناس لا يميزون بين إعراب وإعراب فلا تفسد الصلاة وهذا علىٰ قول أبي يوسف رحمه الله تعالى ظاهر؛ لأنه لا يعتبر الإعراب عرف ذلك في مسائل. (كتاب الصلاة، فصل في قراءة القرآن خطأوفي الأحكام المتعلقة بالقراءة: ١٣٩/١، طبع مكتبة علوم اسلامية چمن بلو چستان)

وأيضاً في الهندية، كتاب الصلاة، الباب الرابع في صفة الصلاة، الفصل الخامس في زلة القارى: ٨١/١، طبع مكتبة علوم إسلامية چمن بلو چستان)

==

قراءت میں زبر کی جگہ الف، پیش کی جگہ واؤ پڑھنے کا حکم:

سوال: امام اگر نماز پڑھا رہا ہے اور اس نے قراءت کی بہت سی غلطیاں بھی کیں، مثلاً کہیں الف چھوڑ کر الف کی جگہ زبر بڑھا دیا جیسے ''**الحمد للّٰہ**'' بالالف کی بجائے بالفتحہ ''**الحمد للّٰہ رب العالمین**'' پڑھ دیا اور اسی طرح جہاں مد نہیں، وہاں مد کر دیا، جیسے ''**إیاک نعبد**'' بالضم کے بجائے ''**إیاک نعبدو**'' بالمد پڑھ دیا اور کہیں حروف کی ادائیگی میں کھینچ دیا اور کہیں ضاد کے بجائے دال پڑھ دیا۔ غرضیکہ پانچوں وقت ایسے ہی نماز پڑھاتا ہے تو کیا نماز بالکل درست ہے یا نماز فاسد ہو جائے گی؟ اگر فاسد ہو جائے گی، تو وجہ فساد کیا ہے؟ مفصل و مدلل تحریر فرمائیں۔ اور یہ بھی بیان فرمائیں کہ اب تک جو اس امام کے پیچھے نماز پڑھی گئی ہے تو فساد کی صورت میں کیا ساری کی ساری نمازوں کا اعادہ ضروری ہے یا عدم علم کی وجہ سے نماز ہو گئی اور اب اعادہ کی ضرورت نہیں؟ واضح طور پر بیان فرمائیں تشفی بخش جواب سے نوازیں کرم ہوگا۔

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

صورتِ مسئولہ میں نماز ہو جائے گی۔

''**ولو قرأإیاک نعبد وأشبع ضم الدال حتی یصیر واوا لم تفسد صلاتہ**''. (۱)

اس لئے کہ اس میں اس انداز کی غلطیوں سے بچنا عوام کے لئے بہت مشکل ہے؛ لیکن بعض سورتوں میں بعض جگہوں پر نماز فاسد بھی ہو جاتی ہے، اس لئے امام پر لازم ہے کہ فوراً قرآن کی تصحیح پر توجہ دے اور کسی صحیح پڑھنے والے سے الفاظ کی تصحیح کروالے، چونکہ تصحیح مخارج بھی ضروری ہے، اسی وجہ سے حضرات قراء فرماتے ہیں:

والأخذ بالتجوید حتم لازم　☆　من لم یصحح القرآن آثم (۲)

اور حدیث پاک میں ہے:

''**من لم یتغن بہ فلیس منا**''. (۳)

== البتہ ان کو صحیح کرنا اور غلط سے بچنا لازم ہے۔ (فتاویٰ)

(۱) الفتاویٰ الخانیة علی هامش الفتاویٰ الهندیة: ۱۴۱/۱ (کتاب الصلاة، فصل فی قراءة القرآن خطأ وفی الأحکام المتعلقة بالقرآءة، انیس)

(۲) المقدمة الجزریة، باب التجوید: ۱۱، دار المغنی للنشر والتوزیع، انیس

(۳) سنن ابن أبی ماجة، کتاب إقامة الصلاة والسنة فیها، باب فی حسن الصوت بالقرآن (ح: ۱۳۳۷)/الصحیح للبخاری، باب من لم یتغن بالقرآن (ح: ۷۵۲۷) انیس

یعنی تصحیح مخارج کے ساتھ قرآن پاک پڑھنا ضروری ہے، جو قرآن پاک بغیر تصحیح مخارج کے پڑھے، گنہگار رہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

الجواب صحیح: بندہ عبدالحلیم۔ حررہ العبد حبیب اللہ القاسمی (حبیب الفتاویٰ: ۱۱۲/۴-۱۱۳) ☆

عوام میں غیر معروف طریقہ سے تلاوت جائز نہیں:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ دین اس مسئلہ میں کہ ایک بستی میں ان پڑھوں کی اکثریت ہے اور اَن پڑھوں کے سامنے جس طرح قرآن پاک تحریر ہے، عین اسی طرح پڑھے تو صحیح سمجھتے ہیں، اگر روایت کے ساتھ مثلاً: "**قل هو الله أحد**" کو "**أحدن اللّٰه الصمد**" پڑھے تو امام صاحب پر وہ مقتدی اعتراض کرتے ہیں، اس صورت میں امام صاحب کو کیا کرنا چاہیے، آیا "**اللّٰه الصمد**" جیسا کہ معروف ہے، اسی طرح پڑھے، یا کہ غیر معروف "**نِ اللّٰه الصمد**" پڑھے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــــــ باسم ملهم الصّواب

عوام میں غیر معروف طریقہ سے قرآن کریم پڑھنے میں، انتشار اور بدگمانی پیدا ہوتی ہے، اس لیے جائز نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (احسن الفتاویٰ: ۸۱/۳)

☆ **نماز میں حرف صحیح نہ پڑھنے کا حکم:**

سوال: الحمد میں "ح" کے بجائے "ہ" پڑھ دیا تو نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

نماز ہو جائے گی لیکن اصل یہ ہے کہ اس کو معروف پڑھا جائے۔

"وفی التاترخانية عن الحاوی: "حكی عن الصفار أنه كان يقول: الخطاء إذا دخل فی الحروف لا يفسد؛ لأن فيه بلوىٰ عامة الناس، لأنهم لا يقيمون الحروف إلا بمشقة آه، وفيها: إذا لم يكن بين الحرفين اتحاد المخرج ولا قربه إلا أن فيه بلوىٰ العامة كالذال مكان الصاد، أو الزاى المحض مكان الذال والظاء مكان الضاد لا تفسد عند بعض المشايخ إلخ، قلت: فينبغی علىٰ هٰذا عدم الفساد فی إبدال الثاء سيناً والقاف همزة كما هو لغة عوام زماننا، فإنهم لا يميزون بينهما ويصعب عليهم جداً كالذال مع الزاى، ولا سيما علىٰ قول القاضی أبی عاصم وقول الصفار". (ردالمحتار: ۴۲۵/۱-۴۲۶ (باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مطلب: إذا قرأ قوله "تعالىٰ جدک" بدون ألف لا تفسد، انيس)

عبارت مذکورہ بالا سے یہ معلوم ہوا کہ صورتِ مسئولہ میں نماز ہو جائے گی البتہ تصحیح کی کوشش ضروری ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

حررہ العبد حبیب اللہ القاسمی۔ (حبیب الفتاویٰ: ۱۱۳/۴-۱۱۴)

"یصفون" کیسے پڑھیں:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ دین اس مسئلہ میں کہ ﴿سبحان ربک رب العزة عما یصفون﴾ لیکن بعض علماء سے "یاصفون" کیا گیا، "وسلم علیٰ المرسلین" خطبہ میں "والسلام علی المرسلین" پڑھ دیتے ہیں، اسی طرح تکبیر میں "ألـلّٰـه کبر اللّٰه أکبر لا الٰه الا اللّٰه وللّٰه الحمد" درمیان سے "اللّٰه أکبر" چھوڑ دیا جاتا ہے، صحیح معنیٰ تحریر فرماویں اور غلط پڑھنے کی صورت میں جو معنیٰ تغیر آتا ہے، آگاہ کریں؟

الجواب

"یاصفون" مہمل لفظ ہے، جس کا کوئی معنیٰ نہیں ہے، نیز "والسلام المرسلین" بھی فحش غلطی ہے، اس کا بھی کوئی معنیٰ نہیں بنتا، اس لئے اگر ایسے جاہل اور ناخواندہ امام کا جہل اپنے لئے عذر ہو بھی جائے؛ لیکن دوسروں کو ایسا امام ہرگز نہیں رکھنا چاہیے۔(۱) (فتاویٰ)

"اللّٰه أکبر" کے ہمزہ کو کھینچنا مفسدِ صلوٰۃ ہے:

سوال: ایک امام رکوع وغیرہ میں جاتے وقت "آللّٰه آکبر" کہتے ہیں، نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب

"اللّٰه" کی ہمزہ پر اور اسی طرح "أکبر" کے ہمزہ پر مد کرنا خطا مفسد صلوٰۃ ہے، اس سے احتراز لازم ہے۔(۲)

(فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۲/۱۷۶)

☆☆☆

---

(۱) کما فی تنویر الأبصار مع الدر المختار: (والأحق بالإمامة)... (الأعلم بأحکام الصلاة)...(ثم الأحسن وتلاوة) وتجویداً (للقراء ة ثم الأورع). (کتاب الصلاة، باب الإمامة : ۱ / ۵۵۷ ،طبع ایچ ایم سعید کراچی)

وکذا فی الهندیة: الأولیٰ بالإمامة أعلمهم بأحکام الصلاة هذا...إذا علم من القراء ة قدر ما تقوم به سنة القراء ة ... ویجتنب الفواحش الظاهرة.(کتاب الصلاة، الباب الخامس فی الإمامة، الفصل الثانی فی بیان من هو أحق بالإمامة : ۱ / ۸۳، طبع بلو چستان، کوئٹة)

(۲) إذا (أراد الشروع فی الصلاة کبر، الخ) (بالحذف) إذ مدّ أحدی الهمزتین مفسد، وتعمده کفر. (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار، باب صفة الصلاة، آداب الصلاة: ۱/ ۴۴۸، ظفیر)

وفی المبسوط: ولو مد ألف اللّٰه لا یصیر شارعاً وخیف علیه الکفر إن کان قاصداً وکذا لو مد ألف أکبر. (البیانة شرح الهدایة، التکبیر قبل الرکوع وبعد الرفع منه: ۲/ ۲۲۱، دار الکتب العلمیة بیروت. انیس)

اوقاف ورموز کے مسائل

وقف لازم کی شرعی حیثیت:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ دین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی نماز میں وقف لازم نہ کرے، جیسے ﴿فلاَ یحزُنکَ قَولَهُمُ. اِنَّا نَعْلَمُ مَا یُسِرُّوْنَ وَمَا یُعْلِنُوْنَ﴾الاٰیة (۱) میں "قولهم" پر وقف نہیں کیا تو اس سے نماز میں کوئی خرابی آئے گی یا نہیں؟ اور موضع وقف پر وقف نہ کرنے سے کفر لازم آتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــــ باسم ملهم الصّواب

قرآن کریم میں جہاں وقف لازم لکھا ہوتا ہے، وہاں وقف کا لزوم صرف فن تجوید کے لحاظ سے ہے، (۲) ویسے شرعاً کسی مقام پر بھی وقف لازم نہیں، لہٰذا وقف نہ کرنے سے نہ نماز میں کوئی قباحت آتی ہے اور نہ ہی کفر لازم آتا ہے، صرف تجوید کی رعایت سے وقف لازم پر وقف کرنا ضروری ہے۔ (۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۶ ر رمضان المبارک ۱۳۸۷ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ۸۶/۳)

مقررہ رموز اوقاف پر وقف کرنے کا حکم:

سوال: قرآن مجید میں تلاوت کرنے والوں کے لیے صحیح اور مناسب موقع محل پر ٹھہرنے اور سانس لینے کی غرض سے علماءِ اوقاف نے وقف کی جو قسمیں کی ہیں، مثلاً تام، مختار، کافی، جائز، حسن، مفہوم، قبیح، متروک وغیرہ اور علامہ سجاوندی نے تو وقف کر کے ان کے لیے رموز اوقاف وضع کئے ہیں، گو ان کی اصطلاحات دیگر علماء اوقاف سے مختلف ہیں، مگر مفہوم تقریباً ایک ہی ہے اور یہ رموز اوقاف ہر ملک میں طبع ہونے والے مصاحف میں پائے جاتے ہیں اور علامہ سجاوندی سے

(۱) سورة يٰسٓ: ۷٦. انيس

(۲) الوقف التام اللازم وحكمه لزوم الوقف عليه والإبتداء بما بعده مالم يوجد مانع من ذلك. (الميزان في أحكام تجويدالقرآن، الوقف اللازم: ۱۹۹، دارالإيمان القاهرة. انيس)

(۳) الوقف في اللغة الحبس والكف يقال: أوقفته أي حبسته عنه، واصطلاحاً: قطع الصوت عن القراءة زمناً لـلتنفس فيه ناوياً بعده استئناف القراءة لا معرضا عنها، حكم الوقف: جائز، ما لم يوجد ما يمنعه أو يلزم الوقف. (القول السديد في علم التجويد، شرح العناصر: ۲۰۷، دارالوفاء المنصورة. انيس)

پہلے بھی ائمہ اوقاف نے معنی کا لحاظ کرتے ہوئے وقف کی قسمیں کی ہیں اور مواقع وقوف کی پورے قرآن مجید میں تعیین کی ہے اور ان کے لیے احکام بیان کئے ہیں اور اس موضوع پر مستقل کتابیں لکھی ہیں، مثلاً: **إیضاح الوقف والابتداء للانباری المتوفیٰ:۳۲۸ھ، الاکتفاء فی معرفة الوقف والابتداء لأبی عمر الدانی المتوفیٰ: ٤٤٤ھ، الاهتداء فی بیان الوقف والابتداء للعلامة ابن الجزری، منار الهدیٰ فی بیان الوقف والابتداء للأشمونی** (یہ کتاب عام دستیاب ہے)، **المرشد للشیخ زکریا الأنصاری**، یہ کتاب منار الہدی کے حاشیہ پر ہے اور بہت سے حضرات نے موضوع خاص کے طور پر اس علم کی خدمت کی ہے، جواب طلب بات یہ ہے کہ علماءِ اوقاف کا وقف کی قسمیں کرنا اور ان کے لیے رموز وضع کر کے مصاحف میں شامل کرنا اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اور کیا حکم ہے؟

علامہ زرکشی اور علامہ سیوطی نے وقف کی قسمیں، ان کے احکام اور ان کے متعلقات کو بیان کرنے کے بعد اول الذکر نے اپنی کتاب "**البرهان فی علوم القرآن: ۳٥٤/۱**" اور ثانی الذکر نے "**الإتقان فی علوم القرآن: ۸۹/۱**"، میں لکھا ہے:

وذهب أبو یوسف القاضی صاحب أبی حنیفة إلٰی أن تقدیر الموقوف علیه من القرآن بالتام والناقص والحسن والقبیح وتسمیته بذٰلک بدعة ومتعمد الوقف علی نحوه مبتدع قال: لأن القرآن معجز وهو کاللفظة الواحدة فکله قرآن وبعضه قرآن وکله تام حسن وبعضه تام حسن، حکی ذٰلک أبو القاسم برهان النحوی عنه.(۱)

جب یہی بات مولوی حفیظ الدین صاحب اور مولانا سید نذیر حسین صاحب وغیرہ چند اہل حدیث حضرات نے کہی تھی کہ علامہ سجاوندی کی مقرر کردہ رموز اوقاف اور ان پر وقف کرنا بدعت ہے اور آیات پر وقف کرنا ضروری اور واجب ہے تو حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمہ اللہ نے ان کے رد میں "**رد الطغیان فی أوقاف القرآن**" کے نام سے کتاب لکھی اور حضرت نے یہ ثابت کیا کہ ان موقعوں پر وقف کرنا خلاف سنت نہیں ہے، قاضی ابو یوسف کی عبارت سے جو تعارض پیدا ہو رہا ہے، اس کو حل فرمائیں اور مفصل و مدلل با حوالہ جواب سے مستفید فرما کر شکریہ کا موقع بخشیں؟

الجواب ________________ باسم ملهم الصّواب

حامدًا ومصلیًا! اوقاف قرآن روایات صحیحہ اور اجماع امت سے ثابت ہیں، ان کو بدعت کہنا صحیح نہیں؛ البتہ ان اوقاف پر ٹھہرنا کسی کے نزدیک بھی واجب نہیں، لہٰذا ان کو واجب سمجھنا یا ان کی پابندی نہ کرنے والے کو گناہگار قرار دینا ضرور بدعت ہے، اس کی ساری تفصیل حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی نور اللہ مرقدہ کے رسالہ "**رد الطغیان فی**

---

(۱) **البرهان فی علوم القرآن، النوع الرابع والعشرون: معرفة الوقف: ۳٥٤/۱، دار إحیاء الکتب العربیة/ الإتقان فی علوم القرآن، النوع الثامن والعشرون فی معرفة الوقف: ۲۹۸/۱، الهیئة المصریة العامة للکتاب. انیس**

أوقـاف القـرآن'' میں ہے، جس میں حضرت نے روایات اوراجماع سے اوقاف قرآن پر ٹھہرنا ثابت کیا ہے اور جو آپ نے امام ابو یوسف کا قول پیش کیا ہے اس کے متعلق عرض یہ ہے کہ جس وقت قرآن کریم کی تلاوت میں تسہیل اور تعلیم کی غرض سے مختلف اقدامات کئے گئے تو بعض حضرات نے قرآن کریم میں تحریف کے پیش نظر اس کی مخالفت کی، مثلاً: جب قرآن پاک پر نقطے لگائے گئے یا حرکات ظاہر کی گئیں یا نشان کے طور پر ہر پانچ آیات کے بعد ''خمس'' یا ''خ'' اور ہر دس آیات کے بعد ''عشر'' یا ''ع'' لکھا گیا تو علماءِ متقدمین کا اس میں اختلاف ہوا، بعض حضرات جائز کہتے تھے اور بعض مکروہ کہتے تھے، صحابہ وتابعین کے اقوال میں اس قسم کے اختلاف موجود ہیں؛ لیکن ان تمام اقوال میں مفتی بہ اور مختار قول اسی کو قرار دیا جائے گا، جس کو امت نے اپنے تعامل سے اختیار کرلیا ہو اور تعامل کے خلاف سلف کے جو اقوال ملتے ہیں، وہ اب شاذ ہونے کی بنا پر مفتی بہ نہیں رہے، جہاں تک امام ابو یوسفؒ سے مذکور قول کا تعلق ہے، اس میں دو احتمال ہیں؛ ایک یہ کہ ان کا مقصد اوقاف کو سرے سے بدعت کہنا نہ ہو؛ بلکہ ان اوقاف کے مطابق وقف کو اگر کوئی لازم سمجھے تو اس کو بدعت قرار دینا ہو، اس صورت میں ان کے قول کے اندر کوئی اشکال نہیں؛ کیوں کہ امت کا مفتی بہ مسلک یہی ہے۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ انہوں نے ان اوقاف کو مطلقاً بدعت کہا ہو، اس صورت میں چونکہ امت کا تعامل اس کے خلاف ہوگیا، اس لیے یہ قول انہی شاذ اقوال میں شامل ہوگا، جو متروک ہو چکے ہیں، لہٰذا تعامل امت کے خلاف اس سے استدلال درست نہ ہوگا۔ واللہ اعلم بالصواب

احقر عبدالشکور دارالافتاء دارالعلوم کراچی۔ الجواب صحیح: محمد تقی عثمانی، ۱۹؍ ذی قعدہ ۱۴۰۰ھ۔

الجواب صحیح: رشید احمد، یوم الترویہ ۱۴۰۰ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ۳؍۸۷-۸۸)

رموز اوقاف پر ٹھہرنے اور نہ ٹھہرنے کی بحث:

سوال: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ۝ اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ ۝ اَلَّذِیْ یُوَسْوِسُ ۝ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝ نِ الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ. (الآیة)

آیت ''لا'' پر اگر سانس ختم یا بند ہوجانے کی وجہ سے وقف کرے اور اخیر لفظ کو نہ دہرا کر آگے بڑھتا چلے تو نماز میں کیا خلل ہے، نیز تیسری مثال میں اگر وقف کرلیا ہو تو آگے ''اَلَّذِیْ'' کہہ کر پڑھا جاوے یا ''نِ الَّذِیْ'' کہہ کر۔

الجواب

آیت ''لا'' پر بضرورت وقف کردینے میں کچھ حرج نہیں ہے اور لفظ ماقبل کو دہرانے کی ضرورت نہیں ہے اور نماز میں کچھ خلل نہیں ہے اور تیسری مثال میں ''اَلَّذِیْ'' اور ''نِ الَّذِیْ'' دونوں طرح پڑھنا درست ہے، مگر حالت وقف میں ''اَلَّذِیْ'' پڑھنا چاہئے۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲؍۲۲۷)

امام رموزِ اوقاف پر وقف نہ کرے تو بھی نماز صحیح ہے:

سوال: امام نے صبح کی دوسری رکعت میں " إِذَا السَّمَاءُ انفَطَرَتْ وَإِذَا الْكَوَاكِبُ انتَثَرَتْ" سے " يَاأَيُّهَا الْإِنسَانُ مَاغَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ الذى" پر سانس توڑا، ایک شخص کہتا ہے کہ اس طرح پڑھنا ناجائز ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

اس صورت میں قرأت صحیح ہوئی اور نماز میں کچھ خلل اور فساد نہیں آیا۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲/۲۲۸)

"رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ " پر سانس روکنا:

سوال(۱) امام "رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ" پر پختہ آیت کرتا ہے، نماز میں کوئی حرج تو نہیں؟

"فَعَّالٌ" کے 'عین' پر جزم پڑھنا:

(۲) امام "فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ" میں 'عین' پر جزم کرتا ہے، نماز صحیح ہے، یا نہیں؟

"يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلَائِكَةُ صَفًّا" پر وقف:

(۳) امام آیۂ کریمہ "يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلَائِكَةُ صَفًّا" پر اگر وقف کرے تو نماز صحیح ہے یا نہیں؟

آیت "لا" پر وقف:

(۴) آیت "لا" پر وقف کر دینے سے کچھ حرج ہوتا ہے یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

(۱) کچھ کراہت وغیرہ نہیں ہے۔(۱)

---

(۱) ومنها زلة القارى فلوفى إعراب أوتخفيف مشدّد وعكسه،إلخ أوبوقف وابتداء لم تفسد وإن غيرالمعنى به يفتىٰ. (الدرالمختارعلىٰ هامش رد المحتار،زلة القارى: ۱/۵۹۱،ظفير)(باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها،انيس)

(۲) عن أم سلمة أنها ذكرت أو كلمة غيرها قرءاة رسول الله صلى الله عليه وسلم :"بسم الله الرحمن الرحيمo الحمدلله رب العالمين o الرحمن الرحيم o ملك يوم الدين،يقطع قرءاته آيةً آية "قال أبو داؤد:سمعت أحمد يقول:القرءاة القديمة مالك يوم الدين.(سنن أبى داؤد،كتاب الهروف والقرءات (ح: ۴۰۰۱)/مسند الإمام أحمد،حديث أم سلمة زوج النبى صلى الله عليه وسلم (ح: ۲۶۵۸۳)/مسندأبى يعلى الموصلى،مسند أم سلمة (ح: ۷۰۲۲)/المستدرك للحاكم،من كتاب قرءات النبى صلى الله عليه وسلم (ح: ۲۹۱۰)/السنن الكبرىٰ للبيهقى، باب الدليل على بسم الله الرحمن الرحيم من القرآن (ح: ۲۳۸۳)انيس)

(۲) فَـعَّـالٌ کے عین میں ادغام ہے، یعنی اس میں دو عین ہے، پہلا ساکن دوسرا متحرک، گویا اصل اس کی یہ ہے: فَعْ عَالٌ، پس اگر اسی طرح پڑھا تو نماز صحیح ہے۔(۱)

(۳) نماز صحیح ہے اور صفاً پر وقف کر دینے سے نماز میں کچھ خلل نہیں آتا۔(۲)

(۴) آیت ''لا'' پر وقف کر دینے میں کچھ حرج نہیں ہے اور نماز صحیح ہے۔(۳) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۲/۲۴۳)

سورہ فاتحہ میں سکتہ نہ کرنے سے شیطان کا نام نہیں بنتا:

سوال: بعض کا قول ہے کہ ''الحمد'' یعنی سورۂ فاتحہ میں سات جگہ سکتات کرنا چاہئے، اگر یہ سکتات نہ کئے جائیں تو نام شیطانی پیدا ہو جاتا ہے جو کہ مفسد صلوٰۃ ہے۔ یہ قول صحیح ہے کہ غلط؟

الجواب

یہ قول بالکل باطل اور محض لغو ہے۔

کما حققه في القول الفاصل بين الحق والباطل للإمام محمد بن عمرو بن خالد القرشي حيث قال: إعلم أن هؤلاء القائلين زعموا فيما زعموا وغفلوا فيما نقلوا، بل إن مازعموه وسواس صرف وما نقلوه افتراء محض، الخ. (۴) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۲/۲۲۸-۲۲۹)

(۱) الإدغام فی اللغة عبارة عن إدخال الشیء فی الشیء. (سراج القاری المبتدی، باب الإدغام الکبیر: ۳۳، مصطفی الحلبی مصر، انیس)

الإدغام لغة الدمج والإدخال، واصطلاحاً إدخال حرف ساکن فی متحرک بحیث یصیران حرفاً واحداً مشدداً. (المیزان فی أحکام تجویدالقرآن: ۱۱۲، دارالإیمان القاهرة، انیس)

وقد اتفق القراء علی وجوب الإدغام فی الحرفین المتماثلین والمتجانسین (إذا سکن الأول منهما وتحرک الثانی). (المیزان: ۱۳۵) انیس)

(۲-۳) إذا وقف فی غیرموضع الوقف أو ابتدأ من غیرموضع الإبتداء وإنه علی وجهین الأول: أن لایغیربه المعنی تغیراً فاحشاً لکن الوقف والإبتداء قبیح. (المحیط البرهانی، الفصل الثامن فی الوقف والوصل والإبتداء: ۱/۳۲۹، دارالفکربیروت. انیس)

إذا وقف فی غیرموضع الوقف أو ابتدأ من غیرموضع الإبتداء إن لم یتغیربه المعنی تغیراً فاحشاً ... لا تفسد بالإجماع بین علمائنا ... وإن تغیر به المعنی تغیراً فاحشاً ... لا تفسد صلاته عند عامة علمائنا وعند البعض تفسد صلاته والفتویٰ علی عدم الفساد علی کل حال، هکذا فی المحیط. (الفتاوی الهندیة، الفصل الخامس فی زلة القاری: ۱/۸۱، دارالفکر. انیس)

(۴) دیکھئے! کتاب مذکور، القول الفاصل بین الحق و الباطل.

"نستعین" پر وقف نہ کرے تو کیا حکم ہے:

سوال: زید نماز میں "اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ" پر باوجود وقف ہونے کے وقف نہیں کرتا اور یوں پڑھتا ہے "نَسْتَعِیْنُ اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ" اور "قُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَدُنِ اللّٰهُ الصَّمَدُ" پڑھتا ہے، اس سے نماز میں کچھ نقصان تو نہیں ہوتا اور قراء سے یہ ثابت ہے یا نہ اور اس طرح پڑھنے سے معنی میں کچھ نقصان آئے گا یا نہ؟

الجواب ـــ

اصل یہ ہے کہ "نستعین" پر وقف کرنا اور نہ کرنا دونوں جائز ہیں، اسی طرح "قُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَدٌ" پر آیت کرنا نہ کرنا، دونوں طرح ثابت ہے، پس اگر آیت کی جائے گی تو "اِهْدِنَا" اور "اَللّٰهُ الصَّمَدُ" پڑھا جائے گا اور اگر آیت نہ کی جاوے اور وقف نہ کیا جاوے تو "نُ اهْدِنَا" اور "نِ اللّٰهُ الصَّمَدُ" پڑھا جائے گا، معنی میں کچھ فرق نہیں ہوتا اور قراء دونوں طرح پڑھتے ہیں؛ لیکن زیادہ تر "نَسْتَعِیْنُ" پر اور "اَحَدٌ" پر آیت کرنا ہے اور "اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ" اور "اَللّٰهُ الصَّمَدُ" علیحدہ پڑھنا ثابت ہے۔ لہٰذا زید کو کچھ ضرورت نہیں کہ وہ "نُ اهْدِنَا" اور "نِ اللّٰهُ الصَّمَدُ" پڑھے؛ بلکہ جیسے اکثر قراء پڑھتے ہیں، اسی طرح پڑھے؛ لیکن اگر اتفاقی زید نے اس طرح پڑھ دیا تو اس پر اعتراض نہ کیا جاوے، اس کو غلط نہ کہا جاوے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲/۲۴۵-۲۴۶)

سورۂ فاتحہ کی ہر آیت پر وقف افضل ہے:

سوال: ایک مولوی صاحب کہتے ہیں کہ سورۂ فاتحہ جب نماز میں پڑھی جائے تو ہر آیت پر وقف کرنا مستحب و افضل ہے، دوسرے مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ بدون وقف کئے مسلسل پڑھنا افضل ہے دونوں میں سے کس کا قول صحیح ہے؟ بینوا توجروا

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــ باسم ملهم الصّواب

سورۂ فاتحہ کی ہر آیت پر وقف کرنا افضل ہے۔

عن ابن جريج عن ابن أبي مليكة، عن أم سلمة رضی اللّٰه تعالٰی عنها قالت: كان رسول اللّٰه صلّی اللّٰه عليه وسلّم يقطع قرأته يقول (الحمد للّٰه رب العالمين)، ثم يقف ثم يقول: (الرّحمن الرّحيم) ثم يقف. رواه الترمذی. (مشکوٰة المصابيح، ص: ۱۹۱/(۱) شمائل الترمذی، ص: ۵۹۲)(۲)

(۱) كتاب فضائل القرآن، باب آداب التلاوة، الفصل الثانی، رقم الحديث: ۲۲۰۵/سنن الترمذی، باب فی فاتحة الكتاب، رقم الحديث: ۲۹۲۷، انيس

(۲) كتاب القراءات عن رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم، باب فی فاتحة الكتاب، رقم الحديث: ۲۹۲۷، انيس

وفی کنـز العمال عن أبی عثمان النهدی عن عمر بن الخطاب رضی اللّٰه تعالی عنه أن النبی صلّی اللّٰه علیه وسلّم کان یقطع قرأته بسم اللّٰه الرحمن الرحیم، الحمد للّٰه رب العالمین إلٰی آخرها،السلفی فی انتخاب حدیث الفراء ورجاله ثقات.(کنزالعمال:۷۱/۸)(۱)

حدیث ذیل سے بھی اس کی فضیلت ثابت ہورہی ہے:

عـن أبـی هریرة رضی اللّٰه تعالیٰ عنه عن النبی صلّی اللّٰه علیه وسلّم قال:''من صلّی صلوٰةً ثم لـم یـقـرأ فیهـا بأم القرآن فهی خداج'' ثلا ثًا،غیر تمام،فقیل لأبی هریرة رضی اللّٰه تعالی عنه: إنا نـکـون وراء الإمـام،فـقـال:اقـرأه بها فی نفسک،فإنی سمعت رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم یـقـول؛قـال الـلّٰه تعالی قسمت الصلوٰة بیننی وبین عبدی نصفین،ولعبدی ما سأل فإذا قال العبد (الحمد للّٰه ربّ العٰلمین)قال اللّٰه تعالی:حمدنی عبدی،وإذا قال(الرحمن الرحیم)قال اللّٰه:أثنی عـلـیّ عبـدی، فإذا قال:(مالک یوم الدین)قال مجدنی عبدی،(وقال مرة فوّض إلیّ عبدی)فإذا قـال:(إیّـاک نـعبـد و إیّـاک نستعین)قال هذا بینی وبین عبدی ولعبدی ما سأل:فإذا قال(إهدنا الـصّـراط الـمستـقـیـم صـراط الذین أنعمت علیهم غیرالمغضوب علیهم ولاالضالّین)،قال:هٰذا العبدی ولعبدی ما سأل.(الصحیح لمسلم:۱۶۹/۱)(۲)فقط واللّٰه تعالی أعلم

۳/جمادی الاولیٰ ۱۳۹۸ھ۔(احسن الفتاویٰ:۲/۳-۸۳)

سورۂ نور میں رجال ''لا تلهیهم'' کے رجال پر وقف کی تحقیق:

سوال: سورۂ نور رکوع پنجم ''یسبح له فیها بالغدو والآصال''تا''ذکر اللّٰه''، ایک شخص نے لکھا ہے کہ رجال کے بعد سجاوندی نے وقف ''ط'' لکھا ہے اور اکثر قرآن شریف مطبوعہ میں ''لا'' بنا ہے، یہ غلط ہے، ابوبکر وغیرہ جو لوگ'' یسبح'' بصیغہ مجہول پڑھتے ہیں، ان کے نزدیک'' الآصـال'' پر ط ہونا چاہئے اور رجال پر لا اور جو معروف پڑھتے ہیں، ان کے نزدیک رجال پر ط ہونا چاہئے اور'' الآصال'' پر لا، حفص کی قرأت میں رجال پر لا لکھنا غلط اور سہو کاتب ہے، میں کہتا ہوں کہ اکثر قرآن شریف میں رجالؔ پر لا لکھا ہے اور بعض میں کچھ نہیں، جو قریب المعنی ہے لا کے اور تبادر معنی بھی مشعر ہے کہ رجالؔ پر حفص کے لئے وقف قبیح ہو، جس کی علامت ''لا'' ہے، اس لئے کہ جملہ '' لا تـلـهیهـم'' صفت ہے، لہٰذا رجال پر وقف کرنے سے فصل بین الموصوف والصفت ہوگا، جو قبیح ہے اور آیت بھی

(۱) کنزالعمال،فصل فی أذکار التحریمة ومایتعلق بها:۱۰۸/۸،رقم الحدیث:۲۲۱۱۸،مؤسسة الرسالة/

(۲) الصحیح لمسلم، کتاب الصلاة،باب وجوب قراء ة الفاتحة فی کل رکعة،رقم الحدیث: ۳۹۵/وکذا فی موطأ الإمام مالک بروایة محمدبن الحسن الشیبانی،فی باب افتتاح الصلاة: ۶۰/۱،المکتبة العلمیة/القراء ة خلف الإمام للبخاری،باب القراء ة فی الظهر فی الأربع کلها (ح:۱۲)انیس

نہیں ہے، پس رجال پر''ط'' بنانا مناسب ہے یا''لا''، بہرحال تمام قرآن شریف مطبوعہ کا اتفاق موافق قیاس کے معتبر ہوگا اور رسالہ سجاوندی میں رجال پر وقف مطلق سہو کاتب یا اختلاف نسخہ وغیرہ کا محمول ہوگا، یا رسالہ سجاوندی معتبر ہوگا؟

الجواب

میرے نزدیک دونوں توجیہ صحیح ہوسکتی ہیں، مشہور مصاحف کی تقدیر پر تو ظاہر ہے اور سجاوندی کی تقدیر پر، اس طرح کہ رجال کو موصوف نہ کہا جاوے؛ بلکہ بمعنی بعض کے لے کر کلام کو ختم کردیا جائے، آگے جملہ استینا فیہ بطور سوال کے کہا جاوے کہ وہ رجال کیسے ہیں، ایسے ایسے ہیں، **فارتفع الإشکال.**

۱۲/ذی الحجہ ۱۳۲۹ھ یوم دوشنبہ۔ (تتمہ اولیٰ:۴۵) (امداد الفتاویٰ جدید:۱/۳۱۲)

سورۂ یٰسین شریف میں ''من مرقدنا'' پر وقف لازم صحیح ہے یا سکتہ:

سوال: سورۂ یٰسین میں ''**من مرقدنا**'' پر اکثر قرآن شریف میں وقف لازم وغیرہ لکھا ہے اور حفص رحمہ اللہ تعالیٰ سے سکتہ منقول ہے، تو سکتہ لکھنا صحیح ہے یا وقف لازم، بصورت اختلاف رسالہ سجاوندی اور منار الہدی(۱) کون زیادہ قابل اعتبار ہے؟

الجواب

میرے نزدیک دونوں میں تعارض نہیں؛ کیونکہ وقف لازم کا حاصل یہ ہے کہ وہاں فصل ہونا چاہئے؛ بوجہ اس کے کہ وصل سے ایہام فساد معنی ہوتا ہے اور یہ غرض سکتہ سے بھی حاصل ہوجاتی ہے، پس وقف باعتبار قطع نفس کے ضروری نہ ہوگا، اس طور پر تعارض نہ رہا۔

۱۳/ذی الحجہ ۱۳۲۹ھ۔ (تتمہ اولیٰ، صفحہ:۴۵) (امداد الفتاویٰ جدید:۱/۳۱۳)

ثبوت اوقاف کلام مجید:

سوال: یہ جو رموز اوقاف قرآن شریف میں موجود ہیں اور معمول بہا قرأت کے ہیں، ان کا کہیں سے ثبوت مثل آیت وسنت واجماع وقیاس ہے یا نہیں اور جو شخص ان پر قصداً عمل نہ کرے، اس کے حق میں کیا حکم ہے؟

---

(۱) **وروی عن قنبل أنه قال: سمعت أحمدبن محمدالقواس یقول: نحن نقف حیث انقطع النفس إلا فی ثلاثة مواضع نتعمد الوقف علیها: ... وزید عنه موضع رابع فی ''مرقدنا'' ثم نبتدی ''هذا ما وعد الرحمن''، آه، النکزاوی. (منار الهدیٰ فی بیان الوقف والإبتداء، سورة الأنعام: ٢٥٠، دار الحدیث القاهرة. انیس)**

أی واسکت علی الألفین من ''مرقدنا وعوجا'' فتقول: عوجاً بالألف مبدلة من التنوین وتسکت وتقول ''قیما'' وکذا تقول: مرقدنا وتسکت ثم تقول: ''هذا''. (شرح طیبة النشر لابن الجزری، باب وقف حمزة وحشام علی الهمز: ١٠٠، دار الکتب العلمیة. انیس)

الجواب

(۱) آیات واوقاف کلام مجید کے کتاب وسنت واجماع وقیاس سے ثابت ہیں۔

أما الکتاب:

فقال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِیْلاً﴾ (۲)

فرمایا حضرت مرتضیٰ علی کرم اللہ وجہہ نے کہ معنی ترتیل کے یہ ہیں کہ تجوید حروف کی اور پہچاننا وقفوں کا۔ (۳)

فی الصراح ترتیل ہموار خواندن وآرمیدہ وپیدا خواندن۔

وقال اللّٰہ تعالیٰ: ولقدآتیناک سبعا سبع آیات. (۴)

وھی الفاتحة. (بیضاوی:۱۲) (۵)

أما السنة:

فعن أم سلمة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنھا قالت کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم یقطع قرأته یقرأ: (الحمد للّٰہ رب العالمین) ثم یقف، (الرحمٰن الرحیم)، ثم یقف. (سنن الترمذی: ۱۳/۱) (۶) / **وعن أبی ھریرة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه عن النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم قال: أن سورة من القرآن ثلاثون آیة شفعت لرجل حتی غفرله، وھی سورة تبارک الذی بیدہ الملک.** (سنن الترمذی: ۱۲۶/۲) (۷) / **وفی الحدیث من ضمن أن یقف علی عشر مواضع فی القرآن ضمنت له بالجنة، کذا فی الدرة.** (از نہایات البیان مصنفہ قاری سید محمدی دہلوی مرحوم)

اور اجماع اس لئے کہ آج تک سلف وخلف میں سے کسی نے اس میں اختلاف نہیں کیا؛ بلکہ ہمیشہ اس فن میں تصنیفات فرماتے رہے، کما یعلم من مطالعۃ رسائل القرأۃ اور قیاس یہ کہ کلام میں مواضع ومواقع وصل وفصل ہوا کرتے ہیں تو من جملہ رعایات حسن کلام کے اس کی بھی رعایت ہے، مگر اتنا فرق ہے کہ اہل زبان کو اس میں کچھ تکلف اور مشقت نہیں ہوتی اور غیر زبان والے کو دشواری پڑتی ہے، اس لئے صحابہ کرام ؓ کو حاجت اس کی تعلیم وتعلم کی نہ تھی،

(۱) اس مبحث میں احقر کی ایک تحریر مبسوط ہے جو رسالہ اثبات وقف لازم کے اخیر میں چھپی ہے۔منہ

(۲) سورة المزمل: ٤، انیس

(۳) ازمختصر التجوید مصنفہ قاری قادر بخش مرحوم

(۴) آیت بھی وقف بالمعنی الاعم میں داخل ہے۔منہ

(۵) من تفسیر سورة الحجر، الآیة: ۸۷-۲۱۶/۳، دار إحیاء التراث العربی. انیس

(۶) کتاب القراءات، عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم، باب فی فاتحة الکتاب (ح: ۲۹۲۷) انیس

(۷) کتاب فضائل القرآن، باب ماجاء فی فضل سورة الملک (ح: ۲۸۹۱) انیس

جب قرآن شریف تمام ملکوں میں پھیلا اوران کی زبان عربی نہ تھی، اس لئے خلط ملط کرنے لگےاور بے موقع اور غلط پڑھنے لگے،ان کے لئے علماء سلف نے اعراب قرآن اور رموز واوقاف تجویز فرمائے اورضبط کئے؛ تاکہ ان کی سہولت ہو، پس ثبوت اس کا ادلہ اربعہ شرعیہ سے ہےاورحتی الوسع اس کی رعایت ضروری ہے کہ بعض جگہ خلاف کرنے سے معنی بگڑ جاتے ہیں، چنانچہ سورۂ برأۃ میں آیت ''واللّٰہ لایھدی القوم الظالمین'' پرٹھہرنالازمی ہےاوراگر یہاں نہ ٹھہرا،اور'' الذین آمنو وھاجروا'' کےساتھ ملادیں توبالکل معنیٰ فاسد ہوجاویں گے، **کما لایخفی و کفی قدوۃ بما قال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم ماراہ المسلمون حسنا فھو عنداللّٰہ حسن** ،(۱)اور جوقصداً اس کےخلاف کرے وہ مخالف جماعت ہے۔واللہ اعلم

محرم ۱۳۱۰ھ-(امداد:۱/۱۴۱)(امدادالفتاویٰ جدید:۱/۳۰۶-۳۰۷)

حدیث حضرت ام سلمہؓ پر اشکال اوراس کا جواب:

سوال: صرف یہ ہے کہ قرآن مجید میں جہاں یہ(لا)علامت ہو،اس جگہ وقف کرنا یانہ کرنا؟ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم وقف فرماتے تھے، یہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت سے ثابت ہے؛لیکن علماوحفاظ گجرات وقف سے یہاں منع کرتے ہیں،لہٰذاحضور سے دریافت کیا گیا؟

الجواب

نہ کرنااولیٰ ہے،مگر جہاں منقول ہو،وہاں کرنااولیٰ ہے۔(۲)

۹/ذیقعدہ ۱۳۳۶ھ(تتمہ خامسہ،ص:۱۷)(امدادالفتاویٰ جدید:۱/۳۰۷)

---

(۱) فضائل الصحابة لأحمدبن حنبل،ومن فضائل عمربن الخطاب من حديث أبی بكر (ح: ٥٤١)/مسند الإمام أحمد موقوفاً،مسندعبدالله بن مسعود (ح: ٣٦٠٠)/المستدرک للحاکم،أما حديث ضرة وأبوطلحة (ح: ٤٤٦٥)/ معجم ابن الأعرابی،باب ی (ح: ٨٦١)/المعجم الأوسط،من اسمه زكريا (ح:٣٦٠٢)انيس

(۲) وفيه أن الوقف المستحسن على أنواع ثلاثة:الحسن والكافی والتام،فيجوزالوقف على كل نوع عند القراء العظام.(مرقاة المفاتيح،كتاب فضائل الأعمال:١٥٠٣/٤،دارالفكر)

عن جابر بن عبدالله قال:خرج علينا رسول الله صلى الله عليه وسلم ونحن نقرأ القرآن وفينا الأعرابی والعجمی فقال:اقرؤوا فكل حسن وسيجیء أقوام يقيمونه كما يقام القدح يتعجلونه ولا يتأجلونه.(سنن أبی داؤد،باب مايجزی الأمی والعجمی من القرآن (ح:٨٣٠)

(فكل حسن) أی فكل قرءاة مما يقرأ أحدكم من العرب والأعراب والعجم حسن إذا آثرتم ثواب الأجلة على العاجلة ولا عليكم أن تقيموا ألسنتكم إقامة السهم قبل أی يراش.(شرح الطيبی على مشكاة المصابيح،باب آداب التلاوة ودروس القرآن:١٦٩٠/٥،مكتبة نزار.انيس)

موضع وقف میں وقف نہ کرنا:

سوال: وقف قرأۃ قرآن مجید مواضع اوقاف میں بمجرد اسکان حروف موقوف علیہا بلا قطع انفاس گزر جانا، جیسے کہ عادت اکثر حفاظ کی ہے، جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

شرعاً جائز ہے؛ یعنی گناہ نہیں؛ لیکن عربیت وفن قرأت کے خلاف ہے۔(۱) فقط

۹ رمحرم ۱۳۲۶ھ۔ (تتمہ اولیٰ، ص:۴۲) (امداد الفتاویٰ جدید:۱/۳۰۷)

حروف مشدد پر وقف کرنے کا طریقہ:

سوال: حروف مشدد پر وقف سکون کے ساتھ کیا جائے یا باشارہ تشدید اور اس حکم میں را ونون اور باقی حروف میں کچھ فرق ہے یا نہیں؟

الجواب

قدرے تشدید کا اثر ظاہر ہونا چاہئے، خواہ کوئی حرف ہو۔(۲) فقط

۹ رمحرم ۱۳۲۶ھ۔ (تتمہ اولیٰ، ص:۴۲) (امداد الفتاویٰ جدید:۱/۳۰۷-۳۰۸)

سورۂ انعام کی دو آیتوں کے وقف پر شبہ کا جواب:

سوال: اوقاف سجاوندی میں اکثر خلجان ہوتا ہے پہلے بھی عرض کیا ہے اس وقت دو جگہ خلجان ہے اگر خیال مبارک میں کوئی توجیہ آوے یا کسی کتاب میں نظر پڑے تو اعلام فرمادیں۔

(۱) **وأقسموا بالله جهد أيمانهم لئن جأتهم آية ليؤمنن بها قل إنما الآيات عندالله ومايشعر كم أنها إذاجاءت لايؤمنون.** جملہ ومایشعرکم تالایؤمنون برقرأۃ ''ان'' مفتوحہ ماقبل سے منقطع ہے، داخل مقولۂ قول نہیں معلوم ہوتا اور درصورت عدم وقف شبہ ہوسکتا ہے کہ داخل مقولہ ہو، لہٰذا بظاہر عنداللہ پر وقف لازم ہو؛ مگر کسی قرآن یا کتاب میں وقف نہیں لکھا، حضرت نے اپنی تفسیر شریف میں اس آیت کے متعلق جو کچھ تحریر فرمایا ہے، وہ بھی تحریر فرمادیں تو بہت ہی اچھا ہو؟

---

(۱) والوقف عبارة عن قطع الصوت عن الكلمة زمناً يتنفس فيه عادة بنية استئناف القراء ة.(شرح طيبة لنشر لابن الجزرى،مبحث الوقف والإبتداء:٤٣،دارالكتب العلمية بيروت.انيس)

(۲) وممه خلاف هب ظبى وهى وهو☆ ظل وفى مشدداسم خلفه.(طيبة النشر فى القراء ات العشر،باب الوقف على مرسوم الخط:٥٦،دارالهدىٰ جدة،انيس)

(۲)　**ألا إنهم من إفكهم ليقولون ولد اللّٰه وإنهم لكاذبون** ،چونکہ بظاہر جملہ ’’**وانهم لكاذبون**‘‘ ماقبل سے بالکل منقطع ہے اور داخل قول نہیں، لہذا وقف لازم ہے، حالانکہ سجاوندی میں ’’لا ‘‘لکھا ہے، تعجب ہے، ہاں! اگر قول کے نیچے داخل کریں اور خلاف سیاق ضمیر ’’**وانهم مرسلين**‘‘کی طرف پھیریں تو مضائقہ نہیں؛ مگر نہایت بعید معلوم ہوتا ہے اور منارالہدی میں اس جگہ جائز لکھا ہے؟

الأجوبة :　اول مکررہ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن عامر اور حمزہ نے قرأ سبعہ میں سے ’’**انها** ‘‘بفتح ’’ان‘‘ اور **لايؤمنون** بصیغۂ خطاب پڑھا ہے، تو اس صورت میں جملہ **ومايشعركم** داخل مقولہ ہوسکتا ہے؟

ويكون المعنى مايشعركم أى لاتعلمون بل يعلم اللّٰه تعالىٰ أنهاإذاجاء ت لايؤمنون ،پس ممکن ہے کہ سجاوندی کی یہی قرأت ہو اور بقیہ قرأت پر بھی ایک توجیہ یہ ہوسکتی ہے کہ قل کا مقولہ کفار نہ ہوں؛ بلکہ کفار کی قسم سن کر جن مسلمانوں کو ان کے ایمان کی طمع اور اس طمع سے تمنا ظہور آیات کی پیدا ہوگئی تھی، ان کو دونوں جملوں سے؛ یعنی **إنماالآيات** سے بھی اور **ومايشعركم** سے بھی فہمائش کی گئی ہو اور کفار کو بوجہ ان کے معاند ہونے کے قابل خطاب نہ قرار دیا گیا ہو۔ واللہ اعلم

دوم:　اس وقت اور ابھی چند مواقع یاد آئے کہ جہاں کفار کا قول نقل کر کے اس کو رد کیا ہے اور دونوں کے درمیان وقف لازم نہیں ہے، سو اس میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اگر اصل سے عدول کسی نکتۂ خاصہ کی وجہ سے ہو تو مضائقہ نہیں اور یہاں اصل وقف ہی تھا؛ مگر نکتہ کی وجہ سے عدول کیا گیا اور وہ نکتہ وہی ہو جو شاید جناب نے ایک بار فرمایا تھا کہ تعجیل تنزیہ حق وتعجیل ابطال باطل مقصود ہے۔ (واللہ اعلم) علاوہ اس کے یہ اوقاف اجتہادی ہیں، **والا اجتهاد يحتمل الخطاء والصواب**

اور (۱) یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ وقف لازم وہاں ہوگا، جہاں وقف نہ کرنا موہم خلاف مقصود ہو اور یہاں قرینۂ عقلیہ اس ایہام کا قاطع ہیں؛ کیونکہ عقل اس پر دلالت کرتی ہے کہ ایک ہی شخص ایک امر کا دعویٰ کرے اور خود ہی ساتھ ساتھ تصریحاً والتزاماً اس کا ابطال کرے، یہ عادۃً ممتنع ہے۔ پس یہاں **وانهم لكاذبون** میں ضمیر تو یقیناً ان ہی قائلین کی طرف ہے۔ پس بناء مذکور پر یہ ممتنع ہے کہ وہ لوگ ولد اللہ بھی کہیں اور اپنے کو اس میں کاذب بھی کہیں، علی ہذا آیۂ **وقالوااتخذ اللّٰه ولدًا سبحٰنه** میں بناء مذکور پر یہ ممتنع ہے کہ وہ لوگ **اتخذ اللّٰه ولدًا** بھی کہیں اور تنزیہ بھی کریں، پس چونکہ ایہام خلاف مقصود کا نہ تھا، لہٰذا ان مواقع پر وقف لازم نہ ہوا۔ واللہ اعلم

۴ رشوال ۱۳۲۶ھ۔ (تتمہ اولی:۴۲) (امداد الفتاویٰ جدید:۱/۳۰۸-۳۰۹)

---

(۱)　اور نیز غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وقف لازم میں ایہام کفر سے بچنے کا اعتبار کیا گیا ہے سو اگر کفار کوئی بات ایمان کی کہیں تو یہ کفر نہیں اسلئے ایسے مقام پر وقف لازم کا التزام نہیں کیا گیا۔ منہ

رفع شبہ بر بعض اوقاف:

سوال: ''إذ يعدون فی السبت'' إذ ظرف ہے''القرية'' کا؛ یعنی ''واسئلهم عن القرية التی كانت حاضرة البحر ''میں جو قریہ ہے، اس میں مضاف محذوف ہے، ''اذيعدون'' ظرف ہے اس مضاف کا تو ''اذ'' کو قریہ سے فصل کرنا ناجائز ہوا، یعنی ''بحر'' کو ''اذ'' سے ملا کر پڑھنا چاہیئے، پھر ''بحر'' پر وقف کیا علما نے بے تحقیق لکھ دیا ہے، یا کوئی وجہ ہے تو بیان کریں؟ یہ سورۂ اعراف میں ہوا، اسی طرح سورۂ مومنون میں ''اعناب'' پر وقف لازم کہتے ہیں؛ حالانکہ یہ وقف بھی قبیح ہے؛ کیونکہ ''جنات'' مفعول ہے ''انشانا'' کا، یقیناً اور ''وشجرة تخرج'' معطوف ہے ''جنات'' پر، معطوف اور معطوف علیہ میں فصل کرنا؛ خصوصاً جب مفردات ہوں، جملے نہ ہوں، ناجائز ہے، تو ''انشانا'' سے ''للآ كلين'' تک وقف کرنا ناجائز ہوا تو ''اعناب'' پر بھی وقف ناجائز ہوا، ناجائز کو لازم کہنا معاذ اللہ سخت گناہ؛ بلکہ اگر دیدۂ و دانستہ کہے تو کافر ہو جاوے، مثلاً: لمس اجنبیہ ناجائز ہے اور اگر کوئی اس کو واجب کہے تو کافر ہو جائے گا، باتفاق مسلمین۔

الجواب ——————————————

اول چند مقدمات سمجھ لینے چاہیئے۔

مقدمہ اول: رؤس آیات کے علاوہ کہ وہ مثل قرأت سبعہ کے توقیفی ہیں اور ان میں جو اختلاف ہے، وہ بناء علی اختلاف الروایات ہے اور باقی جتنے اوقاف ہیں، سب امور اجتہادیہ وذوقیہ ہیں اور ذوق لسانی سے ہر لغت میں یہ فصل ووصل مواقع مختلفہ میں استعمال کیا جاتا ہے اور ان میں اختلاف بناء علی اختلاف التفسير والتاويل والاعراب ہے، مثل اختلاف مسائل قیاسیہ حنفیہ وشافعیہ کے، اسی بناپر اوقاف کے باب میں ائمہ قرأت کی اصطلاح جُدا جُدا ہیں، چنانچہ بعض کے نزدیک یہ انواع ہیں: تام، اتم، کافی، اکفی، حسن، احسن، صالح، اصلح، قبیح، اقبح، اور امام سجاوندی کی یہ اصطلاحیں ہیں: مطلق جائز، مجوز، مرخص اور اس مطلق کی ایک قسم لازم ہے اور بعض کی یہ اصطلاحیں ہیں، تام شبیہہ، بتام، ناقص، شبیہہ بناقص، حسن، شبیہہ بحسن، قبیح، شبیہہ بقبیح، چنانچہ یہ اصطلاحیں منار الہدی (۱) میں موجود ہیں، جن کے عنوانات ومعنونات ومواضع تعیین سب مختلف ہیں۔

مقدمہ دوم: وقف لازم میں لزوم بمعنی وجوب یا فرضیت نہیں ہے، بلکہ بمعنی استحسان مؤکد ہے اور مدار اس لزوم کا ایہام پر ہے، اگر وصل موہم ارادہ غیر مراد ہو، وہاں وقف لازم سمجھا جاتا ہے۔

---

(۱) منار الهدى فی بيان الوقف والإبتداء، تأليف: أحمدبن عبد الكريم بن محمد بن عبد الكريم الأشمونی الشافعی المصری المتوفى، نحو: ۱۱۰۰، الناشر: دار الحديث القاهرة، مصر، المحقق: عبدالرحيم الطرهونی، عام النشر: ۲۰۰۸م. انيس

مقدمہ سُوم: اسی طرح وقف قبیح میں قبیح بمعنی لزوم کفر یا معصیت نہیں؛ بلکہ بمعنی عدم استحسان ہے اور مدار اس قبح کا بھی ایہام پر ہے، جہاں فصل موہم ارداہ غیر مراد ہوتا ہے، وہاں وقف قبیح سمجھا جاتا ہے، چنانچہ ہر دو مقدمہ کی دلیل منار الہدیٰ میں ہے:

إذاعلمت هٰذاعرفت بطلان قول من قال: لايحل لمن يؤمن بالله واليوم الآخرأن يقف علٰى سبعة عشر موضعًافإن وقف عليها وابتداء مابعدها فإنه يكفر ولم يفصل والمعتمد ماقاله العلامة النكزاوى أنه لاكراهة إن جمع بين القول والمقول؛أنه تمام قول اليهود والنصارى والواقف على ذلک كله غير معتقد لمعناه إنما هوحكاية قول قائلها حكاهاالله عنهم ووعيدالحقه الله بالكفاروالمدارفى ذلک كله على القصد وعدمه ومانسب لابن الجزرى من تكفير من وقف على تلک الوقوف ولم يفصل ففى ذلک نظر، نعم إن صح عنه ذلک حمل على ماإذاوقف عليها معتقدًا معناه فإنه يكفر سواء وقف أم لا إلٰى آخرما قال وأطال، (۱) وفيه أيضًا: القبيح وهوماشتد تعلقه بما قبله لفظا ومعنى ويكون بعضه أقبح من بعض نحو: ﴿إن الله لايستحى﴾، ﴿فويل للمصلين﴾فإنه يوهم غير ما أراده الله تعالىٰ فإنه يوهم وصفًالايليق بالبارى سبحانه وتعالىٰ ويوهم أن الوعيد بالويل للفريقين وهو لطائفة مذكورين بعده إلٰى آخرماقال وأطال، (۲) وفى الجزرية: وليس فى القرآن من وقف واجب ولاحرام غير ماله سبب، (۳) وقال الملاعلى قارى فى شرح البيت: وحاصل معنى البيت بكماله انه ليس فى القرآن وقف واجب يأثم القارى بتركه ولاوقف حرام يأثم بوقفه لأنهما لا يبدلأن على معنى فيختل بذهابهماإلا أن يكون لذلک سبب يستد عى تحريمه وموجب يقتضى تحريمه وكان يقصد على مامن اله وإنى كفرت ونحوهما كماسبق من غير ضرورة إذ لا يقصد ذلک مسلم واقف على معناه وإذلم يقصد لايحرم عليه لا الوصل ولا الوقف فى مبناه.(۴)

اور بناءعلی المقدمۃ الاولیٰ ممکن ہے کہ اس ایہام میں آراء قراء مختلف ہوں۔

مقدمۂ چہارم: امور اجتہادیہ میں اختلاف کرنے سے تضلیل یا تفسیق نہیں ہوسکتی؛ ورنہ تمام مجتہدین پر عافیت تنگ ہوجاوے گی۔

مقدمۂ پنجم: **فى منارالهدى: يظلمون كاف شرعًاجائز.(۵)**

(۱) منار الهدٰى،مطلب مراتب الوقف: ۳۰/۱،دارالحديث القاهرة،مصر.انيس

(۲) منار الهدٰى،مطلب مراتب الوقف: ۲۸/۱،دارالحديث القاهرة،مصر.انيس

(۳) طيبة النشر لابن الجزرى،مبحث التجويد: ٤١،دارالكتب العلمية بيروت.انيس

(۴)

(۵) منار الهدٰى،مطلب مراتب الوقف: ۲۸۰/۱،دارالحديث القاهرة،مصر.انيس

وفيه أيضا: وأعناب جائز، ومثله كثيرة، ومنها تاكلون كاف على أن قوله وشجرة منصوب بفعل مضمر تقديره وإنشانًا شجرة وأنبتنا شجرة وليس بوقف إن عطفت شجرة على جنات وحينئذٍ لايوقف على وأعناب ولاعلى كثيرة ولا على تاكلون.(۱)

مقدمۂ ششم: (۲)إذيعدون في السبت میں یہ بھی احتمال ہے ''اذ'' ظرف ہو عامل مقدر کا اور یہ کلام مستأنف ہو؛ یعنی جب کہ یہ کہا گیا'' واسئلهم عن القرية التى كانت حاضرة البحر''ماكان حالهم تو اس پر قدرتاً یہ سوال پیدا ہوا کہ معنی اس کا جواب دیا گیا'' إذيعدون في السبت أى كانت تو تلك الحال إذيعدون في السبت اور یہی احتمال سجاوندی کے ذہن میں راجح ہے۔

مقدمۂ ہفتم: لكم فيها فواكه میں بھی استناف کا احتمال قوی ہے؛ کیوں کہ جب بطور انعام کے یہ کہا گیا ''فانشأنا لكم به جنّٰت من نخيل وأعناب'' تو یہاں سوال پیدا ہوا'' أى نعمته كان لنا في أنشائها''اس کا جواب دیا گیا''لكم فيها فواكه كثيرة ومنها تاكلون''، سجاوندی نے اسی احتمال کو اختیار کیا ہے۔

مقدمۂ ہشتم: چونکہ علم وقوف نہایت دقیق علم ہے، جس میں بہت سے علوم کی ضرورت ہے، اس لئے بدوں جمع ان آلات وعلوم کے محض تھوڑی سی مناسبت درسی علوم کے سبب اس میں کلام جائز نہیں؛ جیسا جمیع اجتہادیات کا حال ہے۔

بعد تمہید ان مقدمات کے جواب سمجھنا چاہئے کہ سوال کے دونوں موقعوں میں جو وقف لازم ہے، وہ سجاوندی کے قول پر ہے، جس کی وجہ یہ ہے کہ وصل میں ایہام'' اذ'' کے ''واسئل'' کے متعلقات میں سے ہونے کا اور وہ سجاوندی کے ذہن میں خلاف مراد قرآنی ہے؛ کیوں کہ ان کے نزدیک یہ جملہ مستأنفہ ہے، جیسا کہ مقدمہ ششم میں ظاہر کیا گیا، اس لئے انہوں نے ''بحر'' پر وقف کیا اور ایہام ''اعناب'' کے موصوف اور جملہ'' لكم فيها فواكه كثيرة'' کی صفت ہونے کا، الخ، یہ ایہام وقف سے مرتفع نہیں ہوسکتا؛ کیوں کہ وقف کسی طرح اس پر دلالت نہیں کرتا کہ یہ اعناب کی صفت نہیں ہے؛ بلکہ نخیل واعناب مجموعہ کی یا جنات کی صفت ہے، لہذا استدلال یوں کرنا چاہئے کہ سجاوندی کے نزدیک یہ کلام مستأنفہ ہے، جیسا کہ مقدمہ ہفتم میں ظاہر کیا گیا ہے اور وصل میں شبہ تھا جنات یا نخیل واعناب کی صفت ہونے کا، جو کہ ان کے نزدیک خلاف مراد قرآنی تھا، اس لئے انہوں نے وقف کیا، رہا شبہ وقف کے قبیح ہونے، سو وہ

(۱) منار الهدیٰ، مطلب مراتب الوقف: ۶۱/۱، دار الحديث القاهرة، مصر. انیس

(۲) اصل کتاب مطبوعہ مجتائی دہلی میں اس جگہ دس مقدمات تحریر ہیں؛ لیکن اسی کے ساتھ ضمیمہ بنام تصحیح الاغلاط، صفحہ: ۱۸ میں اس مقام سے مقدمہ ہشتم نہم کو حذف کرنے کی ہدایت کی گئی ہے اور باقی مقدمات میں اور پھر اصل جواب میں جابجا ترمیم واصلاح فرمائی گئی ہے، احقر نے تصحیح الاغلاط کی ہدایات کے موافق دونوں مقدموں کو حذف کر کے آٹھ باقی رکھے اور دوسرے مقامات پر بھی قابل ترمیم عبارات میں حضرت کی تحریر کردہ ترمیم درج کردی، صرف تین مقامات ایسے تھے کہ ان میں ضرورت ترمیم کا تو حضرت نے اظہام فرمایا، مگر بعد ترمیم جو عبارت رکھی جائے، وہ تحریر نہیں فرمائی، اس لئے ان مقامات کو بعینہ قائم رکھ کر حضرت کی تحریر کو ان مقامات کو بطور حاشیہ لکھ دیا ہے۔ (محمد سفیع دیوبندی عفا اللہ عنہ)

بیان بالا سے مندفع ہوگیا؛ کیوں کہ اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ عدم وقف میں سجاوندی کے نزدیک ایہام خلاف مراد ہے، اس لئے وقف ضروری ہوا، نہ کہ قبیح اور اگر محض فصل کو موجب قبح کہا جاوے، سو اول تو یہ تفسیر قبیح کی کسی نے کی نہیں اور اگر اس جدید اصطلاح کو تسلیم بھی کرلیا جاوے تو وقف کرنے ہی پر کیا موقوف ہے؟ خود موضع ثانی میں فاصل ہونا اتنے بڑے کلام کا "لكم فيها فواكه كثيرة ومنها تاكلون" لزوم قبح کیلئے کافی ہونا چاہئے (بحکم مقدمہ ہشتم)؛ بلکہ ایسا قبح تو قرآن مجید میں صدہا جگہ لازم آئے گا،(۱) مثلاً: آیت مذکورہ "وقيله" میں کہ بنابر قرأت نصب کے جو کہ قرأت متواترہ ہے، حسب اختیار اخفش جو نحو میں امام جلیل ہے "قيله" کا عطف "سرهم ونجواهم" تجویز کیا گیا ہے کہ جس میں دو آیات کا فصل ہے (بحکم مقدمہ نہم)، پس اگر فصل مطلقا موجب قبح ہو تو ان ائمہ اجلہ نے اتنی قبائح کا لزوم قرآن میں کیسے گوارا کیا، علاوہ (۲) اس کے جو بناءِ شبہات کی ہے کہ "اذ يعدون" میں "اذ" ہے اس مضاف کا، الخ، یا شجرۃ مفعول ہے انشانا کا، الخ، اس میں خود کلام ہوسکتا ہے، اس لئے کہ یہ توجیہ بھی ممکن ہے کہ عامل "اذ" کا محذوف ہو؛ مثلاً: كانت حاضرة یا وقعت القصة یا مثل اس کے، جیسا قرآن میں اس کے نظائر بکثرت موجود ہیں، پس بہر حال لزوم قبح کا کوئی مبنی نہیں پایا جاتا اور بعد اللتيا واللتي اگر خواہ مخواہ کوئی قبح کا قائل ہی ہو اور کسی کو اس میں شرح صدر ہی ہو تو اس کی یہ تحقیق اپنے نفس پر حجت ہوسکتی ہے، قائلین باللزوم پر جن کا مستند دلیل صحیح ہے، حجت نہیں (بحکم مقدمۂ اول) پھر لمس اجنبیہ پر جو کہ حرام قطعی اجماعی ہے، قیاس کرنا امر اختلافی اجتہادی کا، اول تو غفلت ہے، معنی لازم وقبیح سے، پھر بوجہ فارق قطعیت واجتہادیت کے کس طرح صحیح ہوگا (بحکم مقدمۂ چہارم)، چنانچہ صاحب منار نے "كانت حاضرة البحر" پر وقف ہی قرار نہیں دیا اور اعناب پر وقف جائز مانا (بحکم مقدمہ پنجم)؛ لیکن اس قسم کا اختلاف؛ جیسا صاحب منار نے امام سجاوندی کے ساتھ کیا ہے، ہم جیسوں کو کہ نہ اس قدر علم ہے اور نہ وہ ذکاء، نہ وہ سلامت نظر، جائز نہیں (بحکم مقدمۂ دہم)۔ فقط واللہ اعلم

یکم شعبان ۱۳۲۱ھ۔ (امداد: ۱/۱۱۳) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۳۰۰-۳۰۵)

(۱) یہ اعتراض سائل پر وارد نہیں ہوتا؛ کیوں کہ وہ لكم فيها کو جنات وغیرہ کی صفت کہتا ہے، پس یہ فصل بالاجنبی نہیں ہے، لہذا اس اعتراض کو ساقط ہونا چاہئے۔ (منہ) تصحیح الاغلاط میں اس جگہ حضرتؒ نے اعتراض کو ساقط لکھا ہے، مگر عبارت کتاب کی تغییر کی صورت نہیں لکھی، اس لئے احقر نے عبارت کو بعینہ قائم رکھ کر تصحیح کی عبارت کو حاشیہ بنادیا، اسی طرح اس صفحہ کے دوسرے حواشی کا حال ہے۔ (محمد شفیع عفی عنہ) ی ہ اعتراض بھی سائل پر وارد نہیں ہوتا؛ کیوں کہ جملہ معترضہ کا فصل فصل نہیں سمجھا جاتا، برخلاف لازم کے، اس کی توضیح اس سے ہوسکتی ہے "قتلت اليهود لعنهم الله تعالىٰ وأذا قهم عذاب الحريق الأنبياء بالإتفاق" جائز ہے اور قتلت اليهود الانبياء میں یہود پر وقف لازم صحیح نہیں، لہذا اس اعتراض کو ساقط ہونا چاہئے۔ (تصحیح الاغلاط: ۱/۱۹)

(۲) یہ صحیح ہے، مگر اس میں اتنا اضافہ اور ہونا چاہیے کہ سجاوندی نے اسی ترکیب کو اختیار کیا ہے اور اسی بنا پر وقف لازم کیا ہے، جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے۔ منہ (تصحیح الاغلاط: ۱/۲۰)

قرآن مجید کے مختلف اوقاف کا مسئلہ:

سوال بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم ، ماقولکم رحمکم اللّٰہ:

قرآن شریف مطبوعہ ہند میں اکثر مقامات پر علامات وقف جیسے ج۔ط۔ص۔ز۔صلی۔سکتہ۔صل وقف لازم۔وقف غفران۔وقف النبی۔وقف جبرئیل۔وقف منزل لا۔ط۔ج۔ص۔صلی۔وغیرہ ہیں،ان علامات پر حسب قرأت حفاظ ہند وقف کرنا حدیث صحیح متصل السند مرفوع سے ثابت ہے یا نہیں اور قرأت نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں کہاں کہاں وقف ہوتا تھا؟

الجواب

واللّٰہ الموفق للصواب،أما بعد:

خیر الحدیث کتاب اللّٰہ وخیر الهدی هدی محمد صلی اللّٰہ علیه وسلم وشر الأمور محدثاتها وکل بدعة ضلالة.(رواہ مسلم،والنسائی وزاد) کل ضلالة فی النار.(۲)

وقف کرنا علامات مذکورہ پر بدعت ہے اور مرتکب بدعت کا آگ میں داخل ہوگا اور محدث ان علامات کا ابوطیفور خراسانی سجاوندی (۳) ہے کہ اُس نے دو کتابیں اس بارہ میں تالیف کی ہیں،ایک مدلل کہ اس میں دلائل حسبِ قواعد عربیت وقیاس ذکر کئے ہیں اور دوسری ملخص اس میں سے مدلل غیر مدلل کسی ایک میں حدیث کا ذکر نہیں،تو جاننا چاہیے کہ وقف سنت وہی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہوا اور ان سے سوائے آیت کے کہیں وقف ثابت نہیں۔

عن أم سلمة أنها ذکرت أو کلمها غیرها فقالت قراءة رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم بسم

(۱) یہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کا رسالہ ہے،جس کا نام ''رد الطغیان فی أوقاف القرآن'' ہے۔انیس

(۲) اور اللہ تعالیٰ صواب کی توفیق دینے والا ہے۔امابعد بہترین بات اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے اور بہترین ہدایت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت ہے اور بُرے امور اس کے نئے پیدا شدہ ہیں اور بدعت گمراہی ہے اور اس کو مسلم اور نسائی نے روایت کیا ہے اور یہ بھی زیادہ کیا ہے کہ ہر گمراہی جہنم میں ہے۔

الصحیح لمسلم،باب تخفیف الصلاة والخطبة (ح: ۸٦۷)/مسند أبی یعلیٰ الموصلی،مسند جابر (ح: ۲۱۱۱)/المنتقٰی لابن الجارود،باب الجمعة (ح:۲۹۷)/سنن النسائی،کیف الخطبة (ح:۱۵۷۸)

وفی روایة أحمد،مسند جابر بن عبداللّٰہ (ح: ۱٤۹۸٤) بعد قوله صلی اللّٰہ علیه وسلم:'' وشر الأمور محدثاتها ''وکل محدثة بدعة.انیس

(۳) محمد بن طیفور الغزنوی السجاوندی المتوفٰی: ۵٦۰،انہوں نے تفسیر میں ''عین المعانی فی تفسیر السبع المثانی'' ،قراءت میں ''علل القراءات''،کتاب الوقف والإبتداء'' مطول ومختصر تصنیف فرمائیں ہیں۔تفصیل کے لیے دیکھئے!الوافی بالوفیات:۳/۱۴۷،داراحیاء التراث وغیرہ۔انیس

اللہ الرحمن الرحيم،الحمد لله رب العٰلمين،الرحمٰن الرحيم،مٰلک يوم الدين،يقطع قراء ة اٰية اٰية وفي رواية قرأالفاتحة كلها وقطعها اٰية اٰية إلٰى اٰخره. (رواه أحمد وأبوداؤد،والترمذي،وابن خزيمة،والحاكم،والدارقطني،وغيرهم، كما في الإتقان)(۱)

پس معلوم ہوا کہ درمیان آیت کے وقف کرنا بدعت ہے؛ جیسا کہ حدیث ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے ثابت ہوا کہ قرأت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ''**بسم الله الرحمن الرحيمoألحمد لله رب العالمين o الرحمن الرحيم o مٰلک يوم الدين oإلخ**'' تھی، یعنی قطع فرماتے آپ قرأت اپنی کو آیت آیت، مگر وقف اضطرار میں کہ جب سانس رُک جائے اور آگے چلنے کی طاقت نہ رہے تو درست ہے کہ!'' **لا يكلف الله نفساً إلا وسعها** ''.(۲)

حررہ راجی الی رحمۃ اللہ رب العٰلمین۔ابوالبرکات محمد عفا عنہ اللہ،الصمد حفیظ الدین۔

وقف علامات مذکورہ پر کسی حدیث صحیح سے ثابت نہیں ہے۔حدیث صحیح سے صرف آیات پر وقف ثابت ہے۔

کتبہ: محمد بشیر

الجواب صحیح والمجیب نجیح سنت نبویہ سے اور عمل صحابہ سے اور نیز تابعین سے وقف ثابت ہے۔صرف آیات پر۔پس سوا آیت کے وقف کرنا بدعت ہوگا چنانچہ اس کی تحقیق بخوبی رسالہ ازالہ وتحفۃ القراء میں ہوگئی۔

حررہ الحافظ عبداللہ پشاوری۔مہر عبداللہ

یہ علامات مذکورہ اور ان پر وقف کرنا قرون صحابہ میں اور کسی حدیث صحیح میں ثابت نہیں صرف آیتوں پر وقف کرنا ثابت ہے۔واللہ اعلم بالصواب

کتبہ: سلامت اللہ عفی عنہ

الجواب صحیح: سید محمد نذیر حسین، جواب ہذا حسب قواعد نبویہ صحیح ہے، حسبنا اللہ بس، حفیظ اللہ۔الجواب صحیح: سید محمد عبدالسلام

بے شک آیات پر وقف کرنا سنتِ نبویہ ہے۔خلاف اس کے ثابت نہیں۔

کتبہ: محمد صدیق۔ابویعقوب انصاری

---

(۱) ام سلمہ سے روایت ہے کہ انہوں نے خود بیان کیا یا کسی غیر نے اُن سے ذکر کیا تو فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت ایسی تھی ،**بسم الله الرحمن الرحيم. الحمد لله رب العالمين . الرحمن الرحيم مالک يوم الدين .** کہ ہر آیت کی قرأت کو جدا جدا فرماتے تھے، اور ایک روایت میں ہے کہ آپ ؐ نے سورۃ فاتحہ پوری پڑھی اور ایک ایک آیت کو آخر تک جدا فرماتے رہے۔اس کو احمد، ابوداؤد، ترمذی ابن خزیمۃ، حاکم، دارقطنی وغیرہم نے روایت کیا ہے، جیسا کہ اتقان میں ہے۔ **(الإتقان في علوم القرآن،النوع التاسع عشر في عددسوره و آياته: ۲۳٤/۱،الهيئة المصرية العامة للكتاب.انيس)**

(۲) اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔

سورة البقرة: ۲۸٦.انيس

الجواب ــــــــــــــ حامدًا و مصليًا و مسلمًا

اما بعد: اس مجیب اوراس کے مصدقین نے نہایت کم فہمی اور غایت جور علی الائمہ کو کام فرمایا، سنو کہ روایات قرأت قرآن شریف متواتر ومشہور وشاذ سب کے سب معتبر تمام امت کے نزدیک ہیں، کسی عالم حقانی اور مجتہد کو انکار نہیں کہ سب کا استناد بسند صحیح فخرِ عالم علیہ الصلاۃ والسلام کی طرف ہوتا ہے اور کوئی قرأت نہ ان میں سے بدعت ہے، نہ مخترع، اگرچہ اختلاف الفاظ کا ہو، یا حرکات سکنات کا، یا طرز اداء قرأت کا، یا کچھ اور، اگر ان میں سے ایک شخص نے ایک رائے اور ایک طرز کو اپنے استادوں سے سیکھا ہے تو وہ دوسری روایت وقرأت پر کچھ اعتراض نہیں کرتا، مثلاً: سورۂ فاتحہ میں ''**ملک یوم الدین**'' اور ''**مالک یوم الدین**'' دوقرأت ہیں اور دونوں متواتر، (۱) مگر ''**مالک**'' پڑھنے والا ''**ملک**'' پڑھنے والے پر اور '' **ملک**'' پڑھنے والا ''**مالک**'' پڑھنے والے پر اعتراض نہیں کرتا اوراس کو خاطی نہیں جانتا، ایسا ہی ﴿**واتخذوا من مقام إبراهيم مصلىٰ**﴾ میں ایک نے بکسر خاء پڑھا ہے، بصیغۂ امر، دوسرے نے بفتح خاء بصیغہ ماضی، (۲) مگر یہ اس پر اعتراض نہیں کرتا اور نہ وہ اس پر؛ بلکہ ہر ایک دونوں کو حق اور صحیح جانتا ہے، ثابت بالتواتر، علی ہذا ﴿**والليل إذا يغشى والنهار إذا تجلىٰ وما خلق الذكر والأنثى**﴾ کہ قراءسبعہ ''**وماخلق**'' پڑھتے تھے اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابوالدرداء رضی اللہ عنہ ''**والذكر والانثى**'' پڑھتے اور ''**ماخلق**'' نہیں پڑھتے تھے کہ ہم نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے یہ لفظ یہاں نہیں سُنا، مگر ''**ماخلق**'' پڑھنے والوں پر بھی انکار نہیں کرتے تھے۔ (۳) علی ہذا دیگر امور میں کہ ان میں اختلاف ہے ہر شخص جس طرح اس نے استادوں سے سُنا پڑھتا ہے، مگر دوسروں پر اعتراض نہیں کرتا؛ کیوں کہ سب کے پاس سند متصل الیٰ فخر عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام موجود ہے اور یہ

---

(۱) (قوله: مالك يوم الدين) قرأ عاصم والكسائي ويعقوب :مالك، وقرأ الآخرون: ملك. (تفسير البغوي، سورة الفاتحة: ۷۴/۱، دار إحياء التراث العربي)

(۲) ﴿وَاتَّخِذُوا﴾ بالكسر وبها نقرأ لأنها تدل على الغرض. (معاني القرآن للأخفش، سورة البقرة: ۱۵۵/۱، مكتبة الخانجي القاهرة. انيس)

القول في تأويل قوله ﴿واتخذوا من مقام إبراهيم مصلىٰ﴾ قال أبوجعفر: اختلفت القراءة في قراءة ذلك، فقرأ بعضهم واتخذوا من مقام إبراهيم مصلى بكسر الخاء. على وجه الأمر باتخاذه مصلى، وهي قراءة عامة المصريين الكوفة والبصرة وقراءة عامة قرأة أهل مكة وبعض قرأة أهل المدينة. (تفسير الطبري: ۳۰/۲، مؤسسة الرسالة، انيس)

قرئت ''واتخذوا'' بالفتح والكسر. (معاني القرآن وإعرابه للزجاج: ۲۰۶/۱، عالم الكتب. انيس)

(۳) عن علقمة قال: دخلت في نفر من أصحاب عبدالله الشام فسمع بنا أبو الدرداء فأتانا فقال: أفيكم من يقرأ؟ فقلنا: نعم، فأيكم أقرأ؟ فأشاروا إليَّ، فقرأت: ''والليل إذا يغشىٰ والنهار إذا تجلىٰ والذكر والأنثىٰ'' قال: أنت سمعتها من في صاحبك؟ قلت: نعم، قال: وأنا سمعتها من في رسول الله صلى الله عليه وسلم وهؤلاء يأبون علينا. (الصحيح للبخاري، باب والنهار إذا تجلىٰ (ح: ۴۹۴۳) انيس)

قراء سبعہ زمانہ مشہود لہا بالخیر میں ہیں اور مقبول تمام امۃ حقہ ہیں کہ یا تابعی ہیں یا تبع تابعین اور روایت ان کی صحابہ کرام وتابعین سے ہے، پس ایسی حالت اختلاف میں ایک کو سنت اور ایک کو بدعت کہنا کتنا بڑا ظلم ہے۔ (معاذ اللہ)

اسی طریق پر حال اوقاف کا ہے کہ یہ قراء سبعہ معتبرہ اپنے اپنے اساتذہ سے جیسا انہوں نے سنا ہے، ویسا ہی پڑھتے ہیں اور ان کے بعد ان کے شاگرد ویسا ہی ادا کرتے چلے آئے تو تقرر اوقاف کا ان طبقات میں ہو چکا ہے، نہ سجاوندی نے وضع کیا، نہ کسی دوسرے نے، البتہ ان کا تسمیہ اصطلاحاً کہ یہ وقف لازم ہے، یہ ط۔ ہے، یہ پیچھے ہوا ہے، سو اس طرز سے قرأت میں کچھ تفاوت نہیں اور تسمیہ اوقاف میں کچھ حرج لازم نہیں آتا اور جیسا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پڑھنا کمی زیادتی کلمات یا تغیر، تبدل حرکات سکنات میں یا تمدید صوت میں مختلف طرح سے ثابت ہوا ہے، ایسے ہی اوقاف کا حال ہے کہ آپ کا فقط ایک طرز وقف کا ہو، یہ ہرگز ثابت نہیں، اسی واسطے یہ قراء سبعہ معتبرہ مثلاً وقف میں اختلاف رکھتے ہیں، نافع مدنی جہاں بلحاظ معنی ٹھہرنا مناسب ہو وہاں ٹھہرتے ہیں اور آیت کی کچھ رعایت نہیں کرتے ہو، یا نہ ہو صرف لحاظ معنی کا کرتے ہیں اور ابن کثیر اور حمزہ جہاں سانس ٹوٹ جاوے، وہاں وقف کرتے ہیں، اگر چہ بیچ میں آیت آجاوے اور عاصم اور کسائی جہاں کلام ختم ہو، وہاں ٹھہرتے ہیں، اگر چہ آیت اس جگہ پر ہو یا نہ ہو اور ابو عمر وبصری آیت پر وقف کرتے ہیں اور یہ سب اپنی وضع کو معمول بہ اور مستحسن جانتے ہیں اور دوسرے کی رائے یا مذہب پر اعتراض یا طعن بدعت کا نہیں کرتے؛ کیوں کہ سب کے پاس حجت شرعیہ موجود ہے۔

الحاصل: ان طبقات میں سب قراء اور ائمہ اعلام اس بات پر اجماع اور اتفاق رکھتے تھے کہ آیت وغیر آیت پر دونوں جگہ وقف جائز ہے اور کسی ایک نے بھی اس وقت میں اس کا خلاف نہیں کیا۔ پس بحکم قول نبی علیہ الصلاۃ والسلام **"لا تجتمع امتی علیٰ الضلالۃ"** (۱) یہ امر جائز ہو گیا۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین لہ الھدی ویتبع غیر سبیل المومنین نولہٖ ما تولیٰ ونصلہٖ جھنم وسآء ت مصیرا﴾ (۲) من بعد اگر کوئی خرق اجماع کرے تو وہ خود خاطی ہے۔

---

(۱) میری امت گمراہی پر متفق نہ ہوگی۔

رواہ الطبرانی فی الکبیر، عمرو بن دینار عن ابن عمر (ح: ۱۳۶۲۳) بلفظ: "لن تجتمع أمتی علی الصلاۃ أبداً، فعلیکم بالجماعۃ فإن یداللّٰہ علی الجماعۃ"، وفی المستدرک للحاکم، ومنھم یحی بن أبی المطاع القرشی (ح: ۳۹۴) بلفظ: "لا یجمع اللّٰہ أمتی علی الضلالۃ أبداً"، وفی الکنیٰ والأسماء للدولابی، عن أنس بن مالک (ح: ۹۳۷) بلفظ: "لا تجتمع أمتی علی ضلالۃ".

(۲) اور جس شخص نے ہدایت ظاہر ہونے کے بعد رسول کی نافرمانی کی اور مومنوں کی راہ کے سوا راہ اختیار کی ہم اس کو اسی طرف پھیر دیں گے، جس طرف وہ پھر گیا اور اس کو جہنم میں پہنچا دیں گے اور بُرا ٹھکانہ ہے۔

سورۃ النساء: ۱۱۵، انیس

پس جیسا مجیب اوراس کے اتباع نے اختیار کیا ہے، یہ کسی اہل حق کا مذہب نہیں ہے اور گویا مجیب نے تمام اہل حق کو مبتدع ٹھہرایا۔(معاذ اللہ) اور یہ سب اسی اتقان سے جس سے مجیب اسناد واستدلال کرتا ہے، واضح ہے۔ ہر اہل علم اس کو دیکھ سکتا ہے؛ حالانکہ اس کتاب میں ہرگز کسی طریقہ کو بدعت نہیں کہا؛ بلکہ سب کو جائز اور متعارف لکھا ہے۔ پس ہر اہل عقل وعدل سمجھ سکتا ہے کہ مجیب نے کس قدر جور کیا، سب کو مبتدع بنا چھوڑا اور یہ حدیث حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی جو بہ سند صحیح متصل مروی ہے، جس کو امام احمد نے اپنی مسند میں اور نسائی نے ایک اور روایت سے ابوداؤد اور ترمذی نے نقل کیا ہے، وہ یہ ہے:

حدثنا الليث، عن عبد الله بن عبيد الله بن أبي مليكة، عن يعلٰى بن مملك أنه سأل أم سلمة رضي اللّٰه تعالٰى عنه زوج النبي صلى اللّٰه عليه وسلم عن قرأة النبي صلى اللّٰه عليه وسلم وصلاته، فقالت: مالكم وصلا ته "كان يصلي ثم ينام قدر ماصلٰى، ثم يصلي قدرما نام، ثم ينام قدر ما صلى حتى يصبح" ونعتت قرأته، فإذا هي تنعت قرأة مفسرة حرفاً حرفاً. (۱)

دیکھئے اس حدیث میں کوئی ذکر وقف علی الآیہ کا نہیں ہے اور دوسری روایت کہ جس میں ذکر وقف کا ہے اور اس کو دارقطنی نے اور ایک روایت سے ابوداؤد نے اور ایک روایت سے ترمذی نے نقل کیا ہے، اس کی سند منقطع ہے کہ عبداللہ بن ابی ملیکہ کے بعد یعلی بن مملک مذکور نہیں، لہذا وہ روایت منقطع ہوئی، یہ جماعت اس زمانہ کی جو اپنے آپ کو محدث کہتے ہیں، وہ حدیث مرسل منقطع کو حجت نہیں جانتے اور نہ اس پر عمل درست جانتے ہیں۔ تعجب ہے کہ اس حدیث منقطع پر کس طرح اعتماد کر کے تمام امت مقبولہ کو مبتدع بنایا، ان کو اپنے قاعدہ کے موافق لازم تھا کہ اس روایت کی طرف التفات نہ کرتے۔ چنانچہ ترمذی نے اس میں کلام کیا ہے۔

حيث قال هٰذاحديث حسن صحيح غريب لا نعرفه إلا من حديث ليث بن سعد، عن ابن أبي

(۱) لیث نے عبداللہ ابن عبداللہ بن ابی ملیکہ سے روایت کی ہے اور وہ یعلی بن مملک سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے ام سلمہ رضی اللہ عنہا زوجہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت دریافت کی اور آپ کی نماز کے متعلق پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ تم اُن کی نماز پوچھ کر کیا کروگے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ کر اتنی دیر سوتے تھے جتنی دیر کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی اور پھر اتنی دیر نماز پڑھتے تھے جتنی دیر کہ سوئے۔ پھر اتنی دیر سوتے تھے جتنی دیر کہ نماز پڑھی اسی طرح صبح فرمادیتے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قراءت کا بیان فرمایا تو آپ کی قراءت ایک ایک حرف مفسرا بیان فرمایا۔

سنن الترمذي، باب ماجاء كيف كانت قراءة النبي صلى اللّٰه عليه وسلم (ح: ۲۹۲۳)/خلق أفعال العباد للبخاري، باب أفعال العباد: ۵۳/۱، دارالمعارف السعودية/سنن أبي داؤد، باب استحباب الترتيل في القراءة (ح: ۱٤٦٦)/سنن النسائي، باب ذكر صلاة رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم (ح: ۱٦۲۹)/مسندالإمام أحمد، حديث أم سلمة زوج النبي صلى اللّٰه عليه وسلم (ح: ۲٦٥٦٤) انيس)

مليكة،عن يعلىٰ بن مملك،عن أم سلمة،وقد روى ابن جريج هٰذاالحديث عن ابن أبى مليكة، عن أم سلمة أن النبى صلى الله عليه وسلم كان يقطع قراء ته" وحديث الليث أصح،إنتهى.وفيه بعد يسيرحدثنا على بن حجرقال:نا يحيى ابن سعيد الأموى،عن ابن جريج،عن ابن أبى مليكة، عن أم سلمة،قالت:كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يقطع قراء ته يقرأ:(الحمد لله رب العٰلمين)ثم يقف(الرحمٰن الرحيم) يقف،وكان يقرء ها(مٰلك يوم الدين)هٰذا حديث غريب وبه يقرأ أبوعبيد ويختاره.هٰكذا روى يحيى بن سعيد الأموى،وغيره عن ابن جريج عن ابن أبى مليكة،عن أم سلمة،وليس إسناده بمتصل لأن الليث بن سعد،روى هٰذاالحديث عن ابن أبى مليكة،عن يعلى بن مملك،عن أم سلمة... أنها وصفت قرأة النبى صلى الله عليه وسلم حرفاً حرفاً وحديث الليث أصح وليس فى حديث الليث وكان يقرأ مٰلك يوم الدين .(۱)

اسے دیکھو ترمذی نے کیسی منقطع بنا کر استدلال اس جماعۃ کا لغو ٹھہرا دیا۔

مگر ہم لوگ چونکہ مرسل و منقطع ثقہ کو معتبر جانتے ہیں، ہم پر شرح اس حدیث کی ضروری ہے، وہ یہ ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے قرأت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی، جو بیان فرمایا تو یہ نہیں کہا کہ تمام قرآن میں آپ اسی طرح کرتے تھے اور خاص اس ایک طریقہ قرأت اور وقف ہر آیت پر آپ کی قرأت کو حصر نہیں کیا؛ تاکہ اس سے یہ معلوم ہو کہ آپ نے اس کے خلاف نہیں کیا تو ہم کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے احیاناً ایسے ہی پڑھا ہے اور احیاناً دوسری طرح بھی پڑھا ہے، جو کہ اجماع قرونِ ثلثہ سے معلوم ہوا، اگر اس میں کوئی لفظ حصر ہوتا تو استدلال ہوسکتا تھا، چونکہ اس میں کوئی لفظ حصر کا نہیں ہے تو ہرگز اس روایت سے تردید اس ایک طریقہ قرأت کے خلاف کی نہیں ہوسکتی۔

(۱) چنانچہ کہا کہ یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے ہم اس کو نہیں جانتے مگر لیث بن سعد کی حدیث سے جو ابن ابی ملیکہ سے روایت کرتے ہیں اور وہ یعلی بن مملک سے اور وہ ام سلمہ سے اور ابن جریج نے اس حدیث کو ابن ابی ملیکہ سے روایت کیا ہے اور وہ ام سلمہؓ سے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قراءت جدا جدا کرتے دیکھا ہے اور لیث کی حدیث صحیح ترین ہے اور اس میں تھوڑی دیر کے بعد ہے کہ ہم سے حدیث بیان کی علی بن حجر نے کہ ہم کو خبر دی یحیٰ بن سعید اموی نے ابن جریج سے اور وہ ابن ابی ملیکہ سے اور وہ ام سلمہؓ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قراءت کو جدا جدا کرکے پڑھتے تھے کہ الحمد للہ رب العالمین پڑھ کر ٹھہر جاتے تھے پھر الرحمٰن الرحیم پڑھ کر ٹھہرتے تھے۔ پھر مالک یوم الدین پڑھتے تھے۔ یہ حدیث غریب ہے اور اسی کو ابوعبیدہ پڑھتے تھے اور پسند کرتے تھے اور اس طرح نہیں روایت کی یحییٰ بن سعید اموی وغیرہ نے ابن جریج سے اور وہ ابن ملیکہ سے اور وہ ام سلمہؓ سے اور اس کی اسناد متصل نہیں ہیں اس لئے کہ لیث بن سعد نے اس حدیث کو ابن ابی ملیکہ سے روایت کیا ہے اور وہ یعلی بن مملک سے وہ ام سلمہ سے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قراءت کو حرفاً حرفاً بیان کیا اور حدیث لیث اصح ترین ہے اور حدیث لیث میں یہ نہیں ہے کہ ملک یوم الدین پڑھتے تھے۔

سنن الترمذی، كتاب القراء ات عن رسول الله صلى الله عليه وسلم،باب فى فاتحة الكتاب: ۱۸۵/۵،رقم الحديث: ۲۹۲۷،انيس

دیکھو کہ اس ہی حدیث میں طرزِ تہجد آپ کا اس طرح پر روایت کیا ہے کہ آپ ایک مرتبہ کچھ نماز پڑھ کر اتنا ہی سور ہتے تھے، پھر اُٹھ کر دوبارہ آدھی نماز پڑھتے تھے، پھر اسی قدر سور ہتے تھے؛ حالانکہ اور بہت سی روایات میں یہ امر ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہی دفعہ ساری تہجد پڑھی ہے۔

استدلال مجیب بروایت ام سلمہ کے موافق لازم آتا ہے کہ جیسے اس روایت میں طریقہ تہجد مروی ہے اس کے سوا، اور جس قدر طریقے ہیں جن پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل فرمانا روایات صحاح سے ثابت ہے، وہ سب بدعت ہوں۔ (معاذ اللہ) اور اسی روایت میں ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت ''ملک یوم الدین'' نقل کی ہے؛ حالانکہ دوسری روایت میں ''مالک یوم الدین'' بھی آپ کا پڑھنا ثابت ہے، پس جیسا کہ یہ طرز تہجد اور قرأت '' ملک یوم الدین'' احیاناً ہے، نہ (کہ) دائما، ایسے ہی وقف علی رؤس الآیات احیاناً ہے، نہ کہ دائماً۔

حضرت ام سلمہؓ نے ان تین امور کو جو فرمایا ہے، اس میں کوئی کلمہ حصر کا نہیں ہے کہ نفی دوسرے طریقہ کی ہو جائے، علی ہذا حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے قرأت حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مفسرۃً حرفاً حرفاً فرمایا ہے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ قرأت مستعجلاً کہ جس میں صحت لفظ وادائے حروف فوت نہ ہو بدعت ہو جائے؛ بلکہ اس طرح پڑھنا ہی جائز ہے؛ بلکہ بعض صحابہ کے نزدیک افضل ہے، برحسب رائے مجیب چاہیے تھا کہ بدعت اور ناجائز ہو؛ حالانکہ باجماع امت یہ جائز ہے، صرف اختلاف افضلیت میں ہے، چنانچہ علامہ مجدالدین سفرالسعادت میں فرماتے ہیں:

''وعلماء را درین مسئلہ اختلاف ست کہ ترتیل با قلت قرأت افضل است یا سرعت با کثرت قرأت ابن عباس وابن مسعود می گویند؟ ترتیل وتدبر با قلت قرأت افضل است وامیر المومنین علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وجماعتے از صحابہ وتابعین و امام شافعی می گوئند سرعت وکثرت قرأت افضل است اگر چہ ہر حرفے را دہ حسنہ است پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم فرمود ہر حرفے را دہ حسنہ است لا اقول الم حرف بل الف حرف ولام حرف ومیم حرف، انتہی۔(۱)

اور طرفہ تماشہ یہ ہے کہ حدیث صحیح متصل السند ام سلمہؓ سے تو یہ ثابت ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قرأت مفسرہ حرفاً حرفاً پڑھتے تھے، مجیب اور اس کے اتباع نے اس طرز قرأت کو دائمی قرار دے کر قرأت مستعجلا کو بدعت نہیں کہا؛ حالانکہ

---

(۱) اور علما کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ ترتیل قلت قراءت کے ساتھ افضل ہے یا سرعت با کثرت قراءت؟ ابن عباسؓ اور ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ ترتیل وتدبر قلت قراءت کے ساتھ افضل ہے اور امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ اور ایک جماعت صحابہ وتابعین کی اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ سرعت وکثرت قراءت افضل ہے؛ کیوں کہ ہر حرف کی دس نیکیاں ہیں۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہر حرف پر دس نیکیاں ہیں، میں یہ نہیں کہتا کہ الم حرف ہے؛ بلکہ الف ایک حرف ہے اور لام ایک حرف اور میم ایک حرف۔

حدیث عبداللّٰہ بن مسعود رواہ عبد الرزاق الصنعانی فی المصنف،باب تعلیم القرآن وفضلہ (ح:٦٠١٧)انیس

ان کی فہم کے موافق اس کا بدعت ہونا بھی ضروری تھا اور حدیث منقطع جس میں '' بـقـطـع آية آية'' ہے اور حسبِ مذہب مجیب غیر معتبر اس پر اعتماد کر کے اوقاف مستحبہ کو بدعت قرار دیا۔ (معاذ اللہ من ہذا الفہم الردی)

پھر دوسرا عجوبہ یہ ہے کہ سائل حدیث متصل السند سے جواب مانگتا ہے اور مجیب صاحب منقطع السند سے جواب دیتے ہیں۔ (لا حول ولا قوة إلا بالله العلي العظيم) اگر کہا جائے کہ اگر چہ اس جگہ اس روایت سے مستعجلا پڑھنا بدعت معلوم ہوتا ہے، مگر چونکہ دوسری جگہ مستعجلا پڑھنا ثابت ہے، اس لئے وہ بدعت نہ ہوا تو جواب یہ ہے کہ خود اسی حدیث سے بروایت دارقطنی ''انعمت عليهم'' پر وقف نہ کرنا ثابت ہو گیا؛(۱) باوجودیکہ یہاں پر آیت ہے اور دیگر روایات صحیحہ و نیز اجماع سے اور بہت سے موقع پر باوجود آیت ہونے کے وقف نہ کرنا ثابت ہے، لہذا یہ بھی بدعت نہ ہونا چاہیے اور چونکہ ہندوستان میں قرأت عاصم کی شائع ہے تو اہلِ ہند کے اوقاف بھی مثل اوقاف عاصم کے ہیں۔

الحاصل اس کے اوقاف کو بدعت کہنا سخت بے جا ہے، وقف کرنا رؤس آیات پر روایت مذکورہ سے ثابت ہوا اور غیر رؤس آیات پر روایت ہذا اور بہت سی روایات صحیحہ اور اجماع امت سے ثابت ہوا۔ پس قرأت قرآن میں دونوں طرح سے پڑھنا؛ یعنی قرأت مفسرہ حرفاً حرفاً اور مستعجلا دونوں طرح سے درست ہے، ایسے ہی وقف علی رؤوس الآيات بھی درست ہے اور عدم وقف بھی اور اصل یہ ہے کہ اوقاف ہی تفسیر قرآن ہیں کہ فصل و وصل سے معنی قرآن کے واضح ہو جاتے ہیں۔

سو ایسی طرح سے پڑھنا کہ جس سے توضیح مطلب ہو جائے مستحسن ہے اور بعض کج فہم جو اس تفسیر کو بدعت کہتے ہیں، یہ اُن کی نہایت ہی کم فہمی ہے؛ کیوں کہ بدعت اس کو کہتے ہیں کہ جس کی نظیر قرونِ ثلثہ میں نہ پائی گئی ہو اور جب کہ یہ خود قرونِ ثلثہ میں پائی گئی تو کوئی ان کو کیسے بدعت کہہ سکتا ہے؟ ہم اوپر لکھ چکے ہیں کہ قراء تابعی ہیں، یا تبع تابعی اور خود صحابہ سے روایت کرتے ہیں، اگر بالفرض ان کا وجود قرونِ ثلثہ میں نہ پایا جاتا، تب بھی یہ بدعت نہ ہوتی؛ کیوں کہ ان کی نظیر خود حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پائی جاتی ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب آیت شریف ''سميعا بصيرا'' (۲) کو پڑھا تو آپ نے سمع اقدس و چشمان مبارک پر انگلی کا اشارہ فرمایا اور جب آیت شریف ''إذا دكت الارض دكا دكا'' (۳) تلاوت فرمائی تو انگشتان مبارک کو باہم دبا دیا، پس جیسے یہ فعل آپ کا تفسیر کلام اللہ شریف کی واقع ہوئی ہے، ایسے ہی اوقاف بھی کلام مبارک کی مراد واضح کر دیتے ہیں اور ان سے اس کی تفسیر ہو جاتی ہے۔

(۱) سنن الدارقطنی، باب وجوب قراءة بسم اللّٰه الرحمن الرحيم (ح:۱۱۷۵) انیس
(۲) سورة النساء: ۵۸. انیس
(۳) سورة الفجر: ۲۱. انیس

اور سنو کہ سائل نے کیفیت نماز تہجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دریافت کی ہے اور یہ سوال فی الجملہ نامناسب تھا، جیسا کہ کسی شخص نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم روزہ کیسے رکھتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ناخوش ہوئے اور اس سوال کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ناپسند فرمایا، پس اس لئے حضرت ام سلمہؓ نے فرمایا: ''**مالکم و صلاته**''، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم جیسی نماز تجھ سے کب ادا ہوسکتی ہے تو اس سے کیا کرتا ہے، لہٰذا جو فعل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اُشد واُحمر تھا، وہ ام سلمہؓ نے بیان فرمایا کہ یہ طریقہ سب طریق سے احمر واشد ہے اور طریقہ قرأت کا بھی وہی فرمایا کہ جو نفس پر اشد ہے؛ یعنی بقرأت مفسرہ حرفاً حرفاً پڑھنا اور ہر آیت پر وقف کرنا کہ اس میں دیر زیادہ لگتی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن شریف بھی زیادہ پڑھنا ہوتا تھا، نہ یہ کہ آپ ہمیشہ نماز وقرآن اسی طرح پڑھتے تھے اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو اس کے سوا کوئی طریقہ معلوم ہی نہ تھا؛ بلکہ یہ طریقہ شدید تھا، اس لئے اس کا بیان کرنا مناسب تھا، پس انہوں نے اسی کو بیان فرمایا، سواولاً یہ طریقہ خاص قرأت تہجد کا ہے، نہ مطلق قرأت قرآن کا، نماز وخارج نماز میں، مثلاً: نماز مغرب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ اعراف پڑھی، اگر سورۂ اعراف بقرأت مفسرہ حرفاً حرفاً اور ہر آیت پر وقف کے التزام سے پڑھی جاتی تو مغرب کے وقت مستحب میں ہرگز تمام نہ ہوسکتی؛ بلکہ عشاء کا وقت ہوجاتا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت مستعجلاً قرأت پڑھی تھی، ایسے ہی نماز تہجد میں بھی احیاناً ؛ کیوں کہ تہجد میں بھی آپ صلی اللہ علیہ کا ایک رکعت میں سورۂ بقرہ وآل عمران ونساء کا پڑھنا ثابت ہے، حالانکہ وقت تہجد میں بقرأت مفسرہ حرفاً حرفاً بالتزام وقف ہر ہر آیت ساری نماز میں بھی یہ سورتیں نہیں ہوسکتیں۔

رہا حال اوقاف تو ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ تمام امت کا اتفاق اس کے جواز پر ہے خلاف پر نہیں ہے۔ بلکہ خود اس حدیث کے اندر حجت موجود ہے۔ دیکھو دار قطنی نے جو اس روایت کو نقل کیا ہے اس میں یہ لفظ ہیں ''**وعد بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم، آیة ولم یعد علیهم**'' (۱) جس سے صاف ظاہر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ''**أنعمت علیهم**'' پر وقف نہیں کیا؛ حالانکہ ''**أنعمت علیهم**'' آیت ہے، نافع مدنی اور ابوعمرو بصری اور ابن عامر شامی تین قاری کہ سبعہ متواترہ کے راوی ہیں اور قرأت ان کی قطعی ہے، ہاں آیت کہتے ہیں اور آیات کا حال سماع سے تعلق رکھتا ہے کہ یہ امر توقیفی ہے، چنانچہ تفسیر کشاف وغیرہ میں مصرح ہے، (۲) اور اتقان وغیرہ میں بھی اس کی تصریح ہے، (۳) اور رسول اللہ

---

(۱) بسم اللہ الرحمٰن کو آپ نے آیت شمار کیا اور علیہم یعنی غیر **المغضوب علیهم** کو آیت شمار نہیں فرمایا۔ (**سنن الدارقطنی، باب وجوب قراءة بسم الله الرحمن الرحيم (ح: ۱۱۷۵) انیس**)

(۲) **تفسیر الکشاف للزمخشری، سورة البقرة: ۳۱/۱، دار الکتاب العربی بیروت. انیس**

(۳) **الإتقان فی علوم القرآن، النوع الثامن عشر فی جمعه وترتیبه: ۲۱۴/۱، الهیئة المصریة العامة للکتاب. انیس**

صلی اللہ علیہ وسلم وقف آیت پر اسی واسطے کرتے تھے کہ معلوم ہوجائے کہ یہاں آیت ہے اور جب آپ کو یہ معلوم ہوجاتا کہ لوگوں کو یہاں آیت ہونا معلوم ہوگیا تو بسا اوقات نہیں بھی کرتے تھے، پس بتواتر ثابت ہوگیا کہ یہاں آیت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کی ہے اور اس روایت ام سلمہؓ سے یہاں وقف نہ کرنا ثابت ہوگیا اور یہ دونوں فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ کے ہیں تو اس سے عدم توقف آیت پر ثابت ہوگیا، علی ہذا جہاں اختلاف قرأت آیات میں ہے کہ بعض کے نزدیک وہاں آیت نہیں ہے اور بعض کے نزدیک وہاں آیت ہے۔

پس وہاں بھی یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض مرتبہ وہاں وقف کیا بعض مرتبہ نہیں کیا۔ تو جن لوگوں نے پہلے وہاں وقف سُن لیا تھا وہ آیت کے قائل ہوئے اور جن کو پہلے سے یہ علم نہ ہوا تھا انہوں نے وہاں نہ ٹھہرائی۔

چنانچہ اتقان صفحہ: ۹۶ میں ہے:

(وقال) غير سبب إختلاف السلف في عدد الأمي أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يقف على رؤس الآى للتوقيف فإذا علم محلها وصل للتمام فيحسب السامع أنها ليست فاصلة، انتهى.(۱) والله أعلم بالصواب

الحاصل: جواب مجیب کو اور تصحیح اس کے اتباع کی سراسر بے جا ہے اور طعن ناموزوں جماعۃ صحابہ وتابعین پر۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم فقط (تالیفات رشیدیہ ۲۷۳-۲۸۰)

---

(۱) النوع التاسع عشر في عدد سورة وآيات وكلماته وحروفه، انيس

مسئلہ: قرآن مجید دنیا کی غرض سے پڑھنے والے کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ ارشاد نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

''جو شخص قرآن مجید حاصل کرے؛ تا کہ اس کی وجہ سے کھاوے لوگوں سے، قیامت کے دن وہ ایسی حالت میں آئے کہ اس کا چہرہ محض ہڈی ہوگا، جس پر گوشت نہ ہوگا''۔ (بیہقی، فضائل قرآن: ۵۶)

مسئلہ: مستحب یہ ہے کہ قرآن مجید کی تلاوت کرنے والا باوضو قبلہ رو ہو اچھے کپڑے میں ہو۔ (قاضی خان، قبیل فصل فی المسجد بہامش عالمگیری: ۱/۱۶۱)

(۱) بے وضو بھی پڑھ سکتا ہے لیکن چھو نہیں سکتا ہے۔ (۲) جن پر غسل فرض ہو وہ نہ پڑھ سکتا ہے نہ چھو سکتا ہے۔

مسئلہ: اعوذ باللہ الخ (شروع کرتے وقت) پڑھے۔

(۱) اعوذ باللہ الخ ایک مرتبہ پڑھنا کافی ہے۔ (۲) ہر سورہ کے شروع میں پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ (حوالہ بالا)

مسئلہ: (اعوذ الخ کے بعد) بسم اللہ الخ پڑھے۔

(۱) حیض ونفاس والی عورت اور جس پر غسل فرض ہو اس مرد وعورت کو تلاوت کرنے کی نیت سے بسم اللہ الخ پڑھنا جائز نہیں ہے۔ (۲) اور (بترک) برکت حاصل کرنے کے لئے پڑھنا جائز ہے۔ (۳) ان کو بسم اللہ الخ کا چھونا بھی منع ہے۔ (۴) غیر مسلم پاک صاف ہو کر قرآن مجید چھو سکتا ہے اور پڑھ سکتا ہے۔ (درمختار وشامی، باب الغسل: ۱/۱۱۹) (طہارت اور نماز کے تفصیلی مسائل، ص ۶۲۲، ۶۲۳) (انیس)

اردو کتب فتاویٰ

نمبر شمار	کتب فتاویٰ	مفتیان کرام	مطبع
(۱)	فتاویٰ عزیزی	حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ	ایم ایچ سعید کمپنی ادب منزل پاکستان چوک کراچی
(۲)	فتاویٰ رشیدیہ	فقیہ العصر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ	محمد اسحاق صدیقی اینڈ سنز، تاجران کتب، ومالکان کتب خانہ رحیمیہ، دیوبند، سہارنپور، انڈیا
(۳)	تالیفات رشیدیہ	فقیہ العصر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ	مکتبۃ الحق ماڈرن ڈیری، جوگیشوری، ممبئی ۱۰۲
(۴)	باقیات فتاویٰ رشیدیہ	فقیہ العصر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ	حضرت مفتی الٰہی بخش اکیڈمی کاندھلہ ضلع پربدھ نگر (مظفرنگر) یوپی، انڈیا
(۵)	عزیز الفتاویٰ	حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانیؒ	زکریا بک ڈپو، دیوبند، سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۶)	فتاویٰ دارالعلوم دیوبند	مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانیؒ	زکریا بک ڈپو، دیوبند، سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۷)	امداد الفتاویٰ	حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ	زکریا بک ڈپو، دیوبند، سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۸)	الحیلۃ الناجزۃ	حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ	مکتبہ رضی دیوبند، سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۹)	امداد الاحکام	مولانا ظفر احمد عثمانیؒ / مولانا عبدالکریم گمتھلویؒ	زکریا بک ڈپو، دیوبند، سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۱۰)	آلات جدیدہ کے شرعی احکام	مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ	مکتبہ تفسیر القرآن، نزد چھتہ مسجد، دیوبند، یوپی
(۱۱)	جواہر الفقہ	مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ	مکتبہ تفسیر القرآن، نزد چھتہ مسجد، دیوبند، یوپی
(۱۲)	امداد المفتیین	مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ	زکریا بک ڈپو، دیوبند، سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۱۳)	مجموعۂ فتاویٰ عبدالحیٔ	مولانا ابوالحسنات عبدالحیٔ لکھنویؒ	مکتبہ تھانوی، دیوبند، یوپی، انڈیا
(۱۴)	فتاویٰ مظاہر علوم	مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوریؒ	شعبۂ نشر واشاعت مظاہر علوم سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۱۵)	فتاویٰ محمودیہ	مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ	مکتبہ شیخ الاسلام دیوبند، سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۱۶)	فتاویٰ امارت شرعیہ	مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد وغیرہ رحمہم اللہ	شعبۂ نشر واشاعت امارت شرعیہ پھلواری شریف، پٹنہ
(۱۷)	کفایت المفتی	مولانا مفتی محمد کفایت اللہ دہلویؒ	حفیظ الرحمٰن واصف، کوہ نور پریس، دہلی، انڈیا
(۱۸)	فتاویٰ باقیات صالحات	مولانا شاہ عبدالوہاب قادری ویلوریؒ	جامعہ باقیات صالحات، ویلور، بنگلور، انڈیا
(۱۹)	فتاویٰ احیاء العلوم	مولانا مفتی محمد یٰسین مبارک پوریؒ	جامعہ احیاء العلوم، مبارکپور، یوپی، انڈیا
(۲۰)	منتخبات نظام الفتاویٰ	مولانا مفتی نظام الدین اعظمیؒ	ایفا پبلیکیشن، جوگا بائی، نئی دہلی، انڈیا

(۲۱) نظام الفتاویٰ	مولانا مفتی نظام الدین اعظمیؒ	ایفا پبلیکیشن، جوگا بائی، نئی دہلی، انڈیا
(۲۲) خیر الفتاویٰ	مولانا خیر محمد جالندھریؒ	مکتبہ الحق ماڈرن ڈیری، جوگیشوری ممبئی ۱۰۲
(۲۳) فتاویٰ شیخ الاسلام	حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ	مکتبہ شیخ الاسلام، دیوبند، یوپی، انڈیا
(۲۴) فتاویٰ حقانیہ	مولانا عبد الحق صاحبؒ پاکستانی	دکن ٹریڈرس بک سیلر اینڈ پبلیشر ز، نزد واٹر ٹینک مغل پورہ، حیدر آباد
(۲۵) احسن الفتاویٰ	مولانا مفتی رشید احمد صاحبؒ پاکستانی	زکریا بک ڈپو، دیوبند، سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۲۶) فتاویٰ عثمانی	مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب پاکستانی	کتب خانہ نعیمیہ دیوبند، سہارنپور، یوپی، اندیا
(۲۷) فتاویٰ قاضی	مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ	ایفا پبلیکیشن، جوگا بائی، نئی دہلی، انڈیا
(۲۸) فتاویٰ رحیمیہ	مولانا مفتی عبد الرحیم صاحب لاجپوریؒ	مکتبہ رحیمیہ منشی اسٹریٹ راندیر، سورت گجرات
(۲۹) کتاب الفتاویٰ	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب	کتب خانہ نعیمیہ دیوبند، سہارنپور، یوپی، اندیا
(۳۰) محمود الفتاویٰ	مولانا مفتی احمد خانپوری صاحب	مکتبہ نور، محمود نگر، متصل جامعہ، ڈابھیل
(۳۱) حبیب الفتاویٰ	مولانا مفتی حبیب اللہ قاسمی صاحب	سمیع پبلیکیشنز (پرائیویٹ) لمیٹیڈ، دریا گنج نئی دہلی
(۳۲) فتاویٰ فرنگی محل	مولانا محمد عبد القادر صاحب فرنگی محلیؒ	مطبع نامی نخاس لکھنؤ، یوپی، انڈیا
(۳۳) فتاویٰ ندوۃ العلماء	مولانا مفتی محمد ظہور ندوی صاحب	مجلس صحافت ونشریات، ندوۃ العلماء مارگ، پوسٹ باکس نمبر ۹۳ لکھنؤ، انڈیا
(۳۴) فتاویٰ بینات	مفتیان جامعہ علوم اسلامیہ، بنوری ٹاؤن، پاکستان	مکتبہ بینات، جامعۃ العلوم الاسلامیۃ، علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی، پاکستان
(۳۵) فتاویٰ فریدیہ	مولانا مفتی محمد فرید صاحب پاکستانیؒ	مولانا حافظ حسین احمد صدیقی نقشبندی مہتمم دار العلوم صدیقیہ زروبی ضلع صوابی، پاکستان
(۳۶) فتاویٰ مفتی محمود	مولانا مفتی محمود صاحب پاکستانیؒ	جمعیت پبلیکیشنز وحدت روڈ، لاہور، پاکستان
(۳۷) آپ کے مسائل اور ان کا حل	مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانویؒ	مکتبہ لدھیانوی ایم اے جناح روڈ، کراچی، پاکستان
(۳۸) مرغوب الفتاویٰ	مولانا مفتی مرغوب الرحمٰن صاحب لاجپوریؒ	جامعۃ القرأت کفلیتہ، مولانا عبد الحیٔ نگر، سورت، گجرات
(۳۹) فتاویٰ دار العلوم زکریا	مولانا مفتی رضاء الحق صاحب، افریقہ	ایجوکیشنل پبلیشنگ ہاؤس، دہلی - ۶، انڈیا
(۴۰) فتاویٰ شاکر خان	مولانا مفتی محمد شاکر خان صاحب پونہ، انڈیا	مدرسہ بیت العلوم کونڈوا، خردسروے نمبر ۱۴۲، شوکا میوز کے پیچھے، پونہ ۴۸، انڈیا
(۴۱) فتاویٰ ریاض العلوم	مفتیان کرام مدرسہ عربیہ ریاض العلوم، گورینی، جونپور	مدرسہ عربیہ ریاض العلوم، چوکیہ گورینی، جونپور (یوپی)
(۴۲) فتاویٰ بسم اللہ	مولانا مفتی اسماعیل بن محمد بسم اللہؒ	جامعۃ القرءات، مولانا عبد الحیٔ نگر، کفلیتہ، سورت گجرات
(۴۳) فتاویٰ یوسفیہ	مولانا مفتی محمد یوسف صاحب تاؤلوی	مکتبہ فقیہ الامت دیوبند

مصادر و مراجع

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
		﴿علوم قرآن (مع شروحات)﴾	
(۱)	القرآن الکریم	کتاب اللہ	وحی الٰہی
(۲)	معانی القرآن	ابوالحسن المجاشعی بالولاء بلخی بصری معتزلی، المعروف بہ اخفش اوسط	۲۱۵ھ
(۳)	جامع البیان	ابوجعفر الطبری، محمد بن جریر بن یزید بن کثیر بن غالب الآملی	۳۱۰ھ
(۴)	معانی القرآن واعرابہ	ابواسحاق الزجاج، ابراھیم بن سری بن سھل	۳۱۱ھ
(۵)	أحکام القرآن	ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامۃ الطحاوی	۳۲۱ھ
(۶)	تفسیر بن ابی حاتم	ابومحمد عبدالرحمٰن بن محمد بن ادریس بن المنذر التمیمی الحنظلی الرازی ابن ابی حاتم	۳۲۷ھ
(۷)	تفسیر الماتریدی	ابومنصور ماتریدی، محمد بن محمد بن محمود	۳۳۳ھ
(۸)	احکام القرآن	ابوبکر احمد بن علی الرازی الجصاص الحنفی	۳۷۰ھ
(۹)	الکشف والبیان عن تفسیر القرآن	ابواسحاق احمد بن محمد بن ابراھیم الثعلبی	۴۲۷ھ
(۱۰)	کتاب الرعایۃ بتجوید القراءۃ	ابومحمد مکی بن ابی طالب القیسی	۴۳۷ھ
(۱۱)	معالم التنزیل فی تفسیر القرآن	محی السنہ، ابومحمد الحسین بن مسعود بن محمد بن الفراء البغوی الشافعی	۵۱۰ھ
(۱۲)	الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل	ابوالقاسم محمود بن عمرو بن احمد الزمخشری جاراللہ	۵۳۸ھ
(۱۳)	الشاطبیۃ	ابومحمد الشاطبی، القاسم بن فیرۃ بن خلف بن احمد الرعینی	۵۹۰ھ
(۱۴)	انوار التنزیل واسرار التأویل (تفسیر بیضاوی)	ناصرالدین ابوسعید عبداللہ بن عمر بن محمد الشیرازی البیضاوی	۶۸۵ھ
(۱۵)	مدارک التنزیل وحقائق التأویل	ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود حافظ الدین النسفی	۷۱۰ھ
(۱۶)	تفسیر الخازن	علاءالدین علی بن محمد بن ابراھیم بن عمر الشیحی ابوالحسن المعروف بالخازن	۷۴۱ھ

(۱۷) تفسیر القرآن العظیم	ابوالفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر القرشی البصری ثم الدمشقی	۷۷۴ھ
(۱۸) البرہان فی علوم القرآن	ابوعبداللہ بدرالدین محمد بن عبداللہ بن بھادر الزرکشی	۷۹۴ھ
(۱۹) سراج القاری المبتدی	ابن القاصح العذری البغدادی، ابوالقاسم علی بن عثمان بن محمد بن احمد بن الحسن	۸۰۱ھ
(۲۰) سفر السعادۃ	علامہ مجدالدین محمد بن یعقوب الشیرازی	۸۱۷ھ
(۲۱) المقدمۃ الجزریۃ	شمس الدین ابوالخیر ابن الجزری، محمد بن محمد بن یوسف	۸۳۳ھ
(۲۲) طیبۃ النشر	شمس الدین ابوالخیر ابن الجزری، محمد بن محمد بن یوسف	۸۳۳ھ
(۲۳) شرح طیبۃ النشر	شمس الدین ابوالخیر ابن الجزری، محمد بن محمد بن یوسف	۸۳۳ھ
(۲۴) شرح طیبۃ النشر	محمد بن محمد بن محمد، ابوالقاسم محبّ الدین النویری	۸۵۷
(۲۵) الإتقان فی علوم القرآن	جلال الدین سیوطی، عبدالرحمٰن بن ابوبکر	۹۱۱ھ
(۲۶) المکرّر فی ماتواتر من القراءات السبع وتحرر	ابوحفص سراج الدین النشار الشافعی المصری، عمر بن قاسم بن محمد بن علی الانصاری	۹۳۸ھ
(۲۷) منار الہدیٰ فی بیان الوقف والابتداء	احمد بن عبدالکریم بن محمد بن عبدالکریم الأشمونی الصری الشافعی	۱۱۰۰ھ
(۲۸) غیث النفع فی القراءات السبع	ابوالحسن النوری الصفاقسی المقری المالکی، علی بن محمد بن سالم	۱۱۱۸ھ
(۲۹) روح البیان	ابوالفداء اسماعیل حقی بن مصطفیٰ الاستانبولی الحنفی الخلوتی	۱۱۲۷ھ
(۳۰) تفسیر عزیزی	حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی	۱۱۵۹ھ
(۳۱) جواہر تفسیر (اردو ترجمہ)	مولانا محمد محفوظ الحق شاہ چشتی صابری قادری	--
(۳۲) تفسیر مظہری	قاضی محمد ثناء اللہ المظہری پانی پتی	۱۲۲۵ھ
(۳۳) فتح القدیر	محمد بن علی بن محمد بن عبداللہ الشوکانی	۱۲۵۰ھ
(۳۴) روح المعانی	محمود بن عبداللہ شہاب الدین ابوالثناء الحسینی الآلوسی	۱۲۷۰ھ
(۳۵) فتح البیان فی مقاصد القرآن	ابوالطیب محمد صدیق خاں بن حسن بن علی بن لطف اللہ حسینی بخاری قنوجی	۱۳۰۷ھ
(۳۶) ردالطغیان فی أوقاف القرآن	مولانا رشید احمد گنگوہی	۱۳۲۳ھ
(۳۷) بیان القرآن	مولانا محمد اشرف علی بن عبدالحق التھانوی	۱۳۶۲ھ
(۳۸) مناھل العرفان فی علوم القرآن	محمد عبدالعزیز الزرقانی	۱۳۶۷ھ

(۳۹) فوائد تفسیر عثمانی	مولانا شبیر احمد عثمانی دیوبندی	۱۳۶۹ھ
(۴۰) الوافی فی کیفیۃ ترتیل القرآن الکریم	عبدالفتاح بن عبدالمغنی بن محمد القاضی	۱۴۰۳ھ
(۴۱) المیزان فی أحکام التجوید	فریال زکریا العبد	--
(۴۲) مختصر التجوید	قاری قادر بخش پانی پتی	--
(۴۳) نہایات البیان	قاری سید محمدی دہلوی	--

﴿عقائد (مع شروحات)﴾

(۴۴) فقہ اکبر	ابوحنیفہ نعمان بن ثابت بن زوطی بن ہرمز	۱۵۰ھ
(۴۵) شرح فقہ اکبر	نورالدین علی بن سلطان محمد الہروی القاری، ملاعلی قاری	۱۰۱۴ھ

﴿علوم حدیث وسیرت (مع شروحات)﴾

(۴۶) مسند ابوحنیفہ بروایۃ الحصکفی	امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت بن زوطی بن ہرمز	۱۵۰ھ
(۴۷) جامع معمر بن راشد	معمر بن ابی عمرو راشد الازدی	۱۵۳ھ
(۴۸) موطأ امام مالک	امام دارالہجرہ، مالک بن انس بن مالک بن عامر الاصبحی المدنی	۱۷۹ھ
(۴۹) کتاب الآثار بروایۃ أبی یوسف	ابو یوسف القاضی، یعقوب بن ابراہیم بن حبیب بن سعد بن حبتۃ انصاری	۱۸۲ھ
(۵۰) الزہد والرقائق لابن المبارک	ابوعبدالرحمٰن عبداللہ بن المبارک بن واضح الحنظلی الترکی ثم المروزی	۱۸۱ھ
(۵۱) کتاب الآثار بروایۃ امام محمد	ابوعبداللہ محمد بن الحسن بن فرقد الشیبانی	۱۸۹ھ
(۵۲) موطأ امام مالک رموطأ امام محمد	ابوعبداللہ محمد بن الحسن بن فرقد الشیبانی	۱۸۹ھ
(۵۳) مسند الشافعی بترتیب السندی ر	امام شافعی ابوعبداللہ محمد بن ادریس بن عباس بن عثمان بن شافع بن عبدالمطلب بن عبدمناف الشافعی القرشی المکی	۲۰۴ھ
(۵۴) السنن الماثورۃ بروایۃ المزنی	// //	۲۰۴ھ
(۵۵) مسند ابوداؤد الطیالسی	ابوداؤد سلیمان بن داؤد بن الجارود الطیالسی البصری	۲۰۴ھ

(۵۶)	مصنف عبدالرزاق صنعانی	عبدالرزاق بن ہمام بن نافع الصنعانی	۲۱۱ھ
(۵۷)	مسند الحمیدی	ابوبکر عبداللہ بن الزبیر بن عیسیٰ بن عبیداللہ القرشی الأسدی الحمیدی المکی	۲۱۹ھ
(۵۸)	الصلاۃ	ابونعیم الفضل بن عمرو بن حماد بن زہیر بن درہم القرشی المروف بابن دکین	۲۱۹ھ
(۵۹)	مسند ابن الجعد	علی بن الجعد بن عبید الجوھری البغدادی	۲۳۰ھ
(۶۰)	مصنف ابن ابی شیبہ	حافظ ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ ابراہیم بن عثمان بن خورستی	۲۳۵ھ
(۶۱)	مسند اسحاق بن راھویہ	ابویعقوب اسحاق بن ابراہیم بن محمد بن ابراہیم الحنظلی المروزی، ابن راہویہ	۲۳۸ھ
(۶۲)	مسند امام احمد	امام احمد، ابوعبداللہ احمد بن محمد بن حنبل الشیبانی الذھلی	۲۴۱ھ
(۶۳)	فضائل الصحابۃ	ابوعبداللہ احمد بن محمد بن حنبل الشیبانی الذھلی	۲۴۱ھ
(۶۴)	المنتخب من مسند عبد بن حمید	ابومحمد عبدالحمید بن نصر الکسی	۲۴۹ھ
(۶۵)	صحیح البخاری	ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ الجعفی البخاری	۲۵۶ھ
(۶۶)	خلق افعال العباد	ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ الجعفی البخاری	۲۵۶ھ
(۶۷)	احادیث کتاب التاریخ الکبیر	ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ الجعفی البخاری	۲۵۶ھ
(۶۸)	الادب المفرد	ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ الجعفی البخاری	۲۵۶ھ
(۶۹)	صحیح مسلم	مسلم بن الحجاج بن داؤد القشیری	۲۶۱ھ
(۷۰)	أخبار مکۃ فی قدیم الدھر وحدیثہ	ابوعبداللہ محمد بن اسحاق بن العباس المکی الفاکھی	۲۷۲ھ
(۷۱)	سنن ابن ماجہ	حافظ ابوعبداللہ محمد بن یزید بن ماجہ الربعی القزوینی، ابن ماجہ	۲۷۳ھ
(۷۲)	سنن ابوداؤد	امام حافظ سلیمان بن الاشعث السجستانی الأزدی	۲۷۵ھ
(۷۳)	سنن الترمذی	ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذی	۲۷۹ھ
(۷۴)	شمائل الترمذی	ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذی	۲۷۹ھ
(۷۵)	مسند الحارث	ابومحمد الحارث بن محمد بن داھر التمیمی البغدادی الخطیب المعروف بابن ابی اسامہ	۲۸۲ھ

(۷۶) البدع	ابوعبداللہ محمد بن وضاح بن بزیع المروانی القرطبی	۲۸۶ھ
(۷۷) الآحاد والمثانی	ابوبکر بن أبی عاصم، احمد بن عمرو بن الضحاک بن مخلد الشیبانی	۲۸۷ھ
(۷۸) السنۃ	ابوبکر بن أبی عاصم، احمد بن عمرو بن الضحاک بن مخلد الشیبانی	۲۸۷ھ
(۷۹) البحر الزخار المعروف بمسند البزار	ابوبکر احمد بن عمرو بن عبدالخالق بن خلاد بن عبیداللہ العتکی، البزار	۲۹۲ھ
(۸۰) تعظیم قدر الصلاۃ	ابوعبداللہ محمد بن نصر بن الحجاج المروزی	۲۹۴ھ
(۸۱) القدر	ابوبکر جعفر بن محمد بن الحسن بن المستفاض الفریابی	۳۰۱ھ
(۸۲) سنن النسائی	احمد بن شعیب بن علی بن سنان النسائی	۳۰۳ھ
(۸۳) عمل الیوم واللیلۃ	احمد بن شعیب بن علی بن سنان النسائی	۳۰۳ھ
(۸۴) المسند	حافظ ابویعلی احمد بن علی الموصلی	۳۰۷ھ
(۸۵) المنتقی	ابن الجارود ابومحمد عبداللہ بن علی النیشاپوری	۳۰۷ھ
(۸۶) مسند الرویانی	ابوبکر محمد بن ہارون الرویانی	۳۰۷ھ
(۸۷) صحیح ابن خزیمۃ	محمد بن اسحٰق بن المغیرۃ بن صالح بن بکر السلمی النیسافوری الشافعی	۳۱۱ھ
(۸۸) السنۃ لابن ابی بکر بن الخلال	ابوبکر احمد بن محمد بن ہارون بن یزید الخلال البغدادی الحنبلی	۳۱۱ھ
(۸۹) مسند السراج / حدیث السراج	ابوالعباس محمد بن اسحاق بن ابراہیم بن مہران الخراسانی النیسابوری	۳۱۳ھ
(۹۰) مستخرج ابوعوانہ	ابوعوانہ یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم النیسابوری الاسفرائنی	۳۱۶ھ
(۹۱) شرح معانی الآثار	ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامۃ الطحاوی	۳۲۱ھ
(۹۲) شرح مشکل الآثار	ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامۃ الطحاوی	۳۲۱ھ
(۹۳) کتاب الضعفاء	ابوجعفر محمد بن عمرو بن موسی بن حماد العقیلی	۳۲۲ھ
(۹۴) العلل	ابومحمد عبدالرحمٰن بن محمد بن ادریس بن المنذر التمیمی الحنظلی الرازی ابن أبی حاتم	۳۲۷ھ
(۹۵) المنتقی من مکارم الأخلاق ومعالیھا	ابوبکر محمد بن جعفر بن محمد بن سہل بن شاکر الخرائطی السامری	۳۲۷ھ

(۹۶)	مسند الشاشی	ابوسعید الہیثم بن کلیب بن سریج بن معقل الشاشی البنکثی	۳۳۵ھ
(۹۷)	معجم ابن الأعرابی	ابوسعید بن الأعرابی احمد بن محمد بن زیاد بن بشر بن درھم البصری الصوفی	۳۴۰ھ
(۹۸)	صحیح ابن حبان	ابوحاتم محمد بن حبان بن احمد بن حبان بن معاذ التمیمی الدارمی البستی	۳۵۴ھ
(۹۹)	المعجم الأوسط/المعجم الکبیر	سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطر ابوالقاسم الطبرانی	۳۶۰ھ
(۱۰۰)	مسند الشامیین	سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطر ابوالقاسم الطبرانی	۳۶۰ھ
(۱۰۱)	عمل الیوم واللیلۃ	ابن السنی، احمد بن محمد بن اسحاق بن ابراہیم بن اسباط بن عبداللہ	۳۶۴ھ
(۱۰۲)	اخلاق النبی وآدابہ	ابومحمد عبداللہ بن محمد بن جعفر بن حیان الانصاری المعروف بأبی الشیخ الأصفھانی	۳۶۹ھ
(۱۰۳)	سنن الدارقطنی	ابوالحسن علی بن عمر بن احمد بن مہدی بن مسعود البغدادی الدارقطنی	۳۸۵ھ
(۱۰۴)	الترغیب فی فضائل الاعمال وثواب ذلک	ابن شاہین، ابوحفص عمر بن احمد بن عثمان بن احمد بن محمد بن ایوب بن ازداد البغدادی	۳۸۵ھ
(۱۰۵)	شرح مذاھب أھل السنۃ	ابن شاہین، ابوحفص عمر بن احمد بن عثمان بن احمد بن محمد بن ایوب بن ازداد البغدادی	۳۸۵ھ
(۱۰۶)	الإبانۃ الکبریٰ	ابوعبداللہ عبیداللہ بن محمد بن محمد بن حمدان العکبری المعروف بابن بطۃ	۳۸۷ھ
(۱۰۷)	معالم السنن	ابوسلیمان حمد بن محمد بن ابراہیم بن الخطاب البستی المعروف بالخطابی	۳۸۸ھ
(۱۰۸)	فوائد ابن اخی میمی الدقاق	ابوالحسین محمد بن عبداللہ بن الحسین بن عبداللہ بن ہارون البغدادی الدقاق	۳۹۰ھ
(۱۰۹)	الایمان	ابوعبداللہ محمد بن اسحاق بن محمد بن یحیٰی بن مندہ العبدی	۳۹۵ھ
(۱۱۰)	المستدرک علی الصحیحین	محمد بن عبداللہ بن حمدویہ الحاکم النیسافوری	۴۰۵ھ
(۱۱۱)	حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء	ابونعیم احمد بن عبداللہ بن احمد بن اسحاق بن موسیٰ بن مہران أصفہانی	۴۳۰ھ
(۱۱۲)	المسند المستخرج علی صحیح مسلم	ابونعیم احمد بن عبداللہ بن احمد بن اسحاق بن موسیٰ بن مہران أصفہانی	۴۳۰ھ
(۱۱۳)	الطب النبوی	ابونعیم احمد بن عبداللہ بن احمد بن اسحاق بن موسیٰ بن مہران أصفہانی	۴۳۰ھ
(۱۱۴)	مسند الشہاب	ابوعبداللہ محمد بن سلامۃ بن جعفر بن علی بن حکمون القضاعی المصری	۴۵۴ھ
(۱۱۵)	السنن الکبریٰ/شعب الإیمان	ابوبکر احمد بن الحسین بن علی بن موسیٰ الخراسانی البیہقی	۴۵۸ھ

(۱۱۶)	الأسماء والصفات	ابوبکر احمد بن الحسین بن علی بن موسیٰ الخراسانی البیہقی	۴۵۸ھ
(۱۱۷)	معرفۃ السنن والآثار	ابوبکر احمد بن الحسین بن علی بن موسیٰ الخراسانی البیہقی	۴۵۸ھ
(۱۱۸)	جامع بیان العلم وفضلہ	ابوعمر یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبر بن عاصم النمری القرطبی	۴۶۳ھ
(۱۱۹)	التمہید لما فی الموطأ من المعانی والأسانید	ابوعمر یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبر بن عاصم النمری القرطبی	۴۶۳ھ
(۱۲۰)	المنتقٰی شرح الموطأ	ابوالولید سلیمان بن خلف بن سعد الباجی الاندلسی	۴۷۴ھ
(۱۲۱)	الفردوس بمأثور الخطاب	ابوشجاع، شیرویہ بن شہردار بن شیرویہ بن فناخسرو الدیلمی الہمدانی	۵۰۹ھ
(۱۲۲)	شرح السنۃ	محی الدین ابومحمد الحسین بن مسعود بن محمد بن الفراء البغوی الشافعی	۵۱۶ھ
(۱۲۳)	اکمال المعلم بفوائد مسلم	ابوالفضل، عیاض بن موسیٰ بن عیاض بن عمرون الیحصبی السبتی	۵۴۴ھ
(۱۲۴)	سنن الدارمی	عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن الفضل بن بہزام التمیمی السمرقندی الدارمی	۵۵۲ھ
(۱۲۵)	المعجم	ابوالقاسم، علی بن الحسن بن ھبۃ اللہ المعروف بابن عساکر	۵۷۱ھ
(۱۲۶)	کنز العمال فی سنن الأقوال والأفعال	علاء الدین علی المتقی بن حسام الدین الہندی	۵۷۹ھ
(۱۲۷)	الروض الأنف	ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن احمد السہیلی	۵۸۱ھ
(۱۲۸)	زاد المعاد فی ہدیۃ خیر الانام	ابومحمد عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامۃ المقدسی	۶۲۰ھ
(۱۲۹)	احکام الاحکام شرح عمدۃ الاحکام	تقی الدین ابوالفتح الشہیر بابن دقیق العید	۷۰۲ھ
(۱۳۰)	مشکوٰۃ المصابیح	ولی الدین محمد بن عبداللہ الخطیب التبریزی	۷۲۰ھ
(۱۳۱)	الکاشف عن حقائق السنن شرح الطیبی	شرف الدین حسین بن عبداللہ بن محمد الحسن الطیبی	۷۴۳ھ
(۱۳۲)	نصب الرایۃ فی تخریج أحادیث الہدایۃ	جمال الدین ابومحمد عبداللہ بن یوسف بن محمد الزیلعی	۷۶۲ھ
(۱۳۳)	جامع المسانید والسنن الہادی لأقوم السنن	ابوالفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر القرشی الدمشقی	۷۷۴ھ
(۱۳۴)	فتح الباری	زین الدین عبدالرحمٰن بن احمد بن رجب بن الحسن السلامی البغدادی ثم الدمشقی الحنبلی	۷۹۵ھ
(۱۳۵)	البدر المنیر مختصر تلخیص الذھبی	ابن الملقن سراج الدین ابوحفص عمر بن علی بن احمد الشافعی المصری	۸۰۴ھ

(۱۳۶) تخریج أحادیث إحیاء علوم الدین عبدالرحیم بن الحسین بن عبدالرحمٰن العراقی (۸۰۶ھ) تاج الدین عبدالوہاب بن علی بن عبدالکافی السبکی (۷۷۱ھ) محمد بن محمد بن عبدالرزاق الزبیدی (۱۲۰۵ھ)	ابوعبداللہ محمود بن محمد الحداد	--
(۱۳۷) مجمع الزوائد ومنبع الفوائد	نورالدین محمد بن ابوبکر بن سلیمان الہیثمی	۸۰۷ھ
(۱۳۸) موارد الظمآن إلی زوائد ابن حبان	ابوالحسن نورالدین علی بن أبی بکر بن سلیمان الھیثمی	۸۰۷ھ
(۱۳۹) المقصد العلی فی زوائد أبی یعلی الموصلی	ابوالحسن نورالدین علی بن أبی بکر بن سلیمان الھیثمی	۸۰۷ھ
(۱۴۰) فتح الباری شرح صحیح البخاری	ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجر الکنانی العسقلانی	۸۵۲ھ
(۱۴۱) بلوغ المرام	ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجر الکنانی العسقلانی	۸۵۲ھ
(۱۴۲) المواھب اللدنیۃ بالمنح المحمدیۃ	ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجر الکنانی العسقلانی	۸۵۲ھ
(۱۴۳) الدرایۃ فی تخریج احادیث الھدایۃ	ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجر الکنانی العسقلانی	۸۵۲ھ
(۱۴۴) عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری	بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد بن موسیٰ بن احمد بن حسین العینی	۸۵۵ھ
(۱۴۵) شرح سنن أبی داؤد	بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد بن موسیٰ بن احمد بن حسین العینی	۸۵۵ھ
(۱۴۶) المقاصد الحسنۃ	محمد بن عبدالرحمٰن بن محمد شمس الدین السخاوی	۹۰۲ھ
(۱۴۷) القول البدیع	محمد بن عبدالرحمٰن بن محمد شمس الدین السخاوی	۹۰۲ھ
(۱۴۸) الدرر المنتثرۃ فی الأحادیث المشتھرۃ	جلال الدین ابوالفضل عبدالرحمٰن بن ابوبکر بن محمد بن ابوبکر بن عثمان السیوطی	۹۱۱ھ
(۱۴۹) قوت المغتذی شرح جامع الترمذی	جلال الدین ابوالفضل عبدالرحمٰن بن ابوبکر بن محمد بن ابوبکر بن عثمان السیوطی	۹۱۱ھ
(۱۵۰) شرح سنن ابن ماجۃ	جلال الدین ابوالفضل عبدالرحمٰن بن ابوبکر بن محمد بن ابوبکر بن عثمان السیوطی	۹۱۱ھ
(۱۵۱) الجامع الصغیر	جلال الدین ابوالفضل عبدالرحمٰن بن ابوبکر بن محمد بن ابوبکر بن عثمان السیوطی	۹۱۱ھ
(۱۵۲) تیسیر المقال	جلال الدین ابوالفضل عبدالرحمٰن بن ابوبکر بن محمد بن ابوبکر بن عثمان السیوطی	۹۱۱ھ
(۱۵۳) تذکرۃ الموضوعات	محمد طاہر بن علی صدیقی پٹنی	۹۸۶ھ

(۱۵۴)	مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح	نورالدین علی بن سلطان محمد الہروی القاری، ملاعلی قاری	۱۰۱۴ھ
(۱۵۵)	الموضوعات الکبریٰ	نورالدین علی بن سلطان محمد الہروی القاری، ملاعلی قاری	۱۰۱۴ھ
(۱۵۶)	الموضوعات الکبیر	نورالدین علی بن سلطان محمد الہروی القاری، ملاعلی قاری	۱۰۱۴ھ
(۱۵۷)	فیض القدیر شرح الجامع الصغیر	زین الدین محمد عبدالرؤوف بن تاج العارفین بن علی بن زین العابدین المناوی	۱۰۳۱ھ
(۱۵۸)	التیسیر بشرح الجامع الصغیر	زین الدین محمد عبدالرؤوف بن تاج العارفین بن علی بن زین العابدین المناوی	۱۰۳۱ھ
(۱۵۹)	اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ المصابیح	مولانا عبدالحق محدث دہلوی	۱۰۵۲ھ
(۱۶۰)	جمع الفوائد من جامع الأصول ومجمع الزوائد	العلامۃ محمد بن محمد سلیمان المغربی	۱۰۹۴ھ
(۱۶۱)	شرح الزرقانی علی موطا الإمام مالک	ابوعبداللہ محمد بن عبدالباقی بن یوسف بن احمد بن شہاب الدین بن محمد الزرقانی المالکی	۱۱۲۲ھ
(۱۶۲)	شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ	ابوعبداللہ محمد بن عبدالباقی بن یوسف بن احمد بن شہاب الدین بن محمد الزرقانی المالکی	۱۱۲۲ھ
(۱۶۳)	حاشیۃ السندی علی سنن ابن ماجۃ	ابوالحسن نورالدین السندی محمد بن عبدالہادی التتوی	۱۱۳۸ھ
(۱۶۴)	الجد الحثیث فی بیان مالیس بحدیث	احمد بن عبدالکریم بن سعودی الغزی العامری	۱۱۴۳ھ
(۱۶۵)	کشف الخفاء	اسماعیل بن محمد بن عبدالہادی بن عبدالغنی العجلونی الدمشقی الشافعی	۱۱۶۲ھ
(۱۶۶)	نیل الأوطار	محمد بن علی بن محمد بن عبداللہ الشوکانی	۱۲۵۰ھ
(۱۶۷)	الفوائد المجموعۃ فی الأحادیث الموضوعۃ	محمد بن علی بن محمد بن عبداللہ الشوکانی	۱۲۵۰ھ
(۱۶۸)	بذل المجہود فی حل أبی داؤد	المحدث خلیل احمد السہارنفوری	۱۲۹۷ھ
(۱۶۹)	التعلیق الممجد علی موطا الإمام محمد	ابوالحسنات محمد عبدالحیٔ بن حافظ محمد عبدالحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۱۷۰)	مظاہر حق	نواب صدیق حسن خاں (محمد صدیق بن حسن بن علی بن لطف اللہ حسینی قنوجی)	۱۳۰۷ھ
(۱۷۱)	آثار السنن	محمد بن علی الشہیر بظہیر احسن النیموی البہاری الحنفی	۱۳۲۲ھ
(۱۷۲)	التعلیق الحسن علی آثار السنن	محمد بن علی الشہیر بظہیر احسن النیموی البہاری الحنفی	۱۳۲۲ھ
(۱۷۳)	لامع الدراری علی صحیح البخاری	مولانا رشید احمد گنگوہی	۱۳۲۳ھ

(۱۷۴)	عون المعبود فی شرح سنن أبی داوٗد	ابوالطیب محمد شمس الحق بن أمیر علی بن مقصود علی الصدیقی العظیم آبادی	۱۳۲۹ھ
(۱۷۵)	العرف الشذی شرح سنن الترمذی	علامۃ محمد انور شاہ بن معظم شاہ حسینی کشمیری	۱۳۵۲ھ
(۱۷۶)	فیض الباری شرح البخاری	علامۃ محمد انور شاہ بن معظم شاہ حسینی کشمیری	۱۳۵۲ھ
(۱۷۷)	تحفۃ الأحوذی شرح سنن الترمذی	ابوالعلی عبدالرحمٰن مبارکپوری	۱۳۵۳ھ
(۱۷۸)	کوثر المعانی الدراری	محمد الخضر بن سید عبداللہ بن احمد الجکنی الشنقیطی	۱۳۵۴ھ
(۱۷۹)	فتح الملہم	مولانا شبیر احمد عثمانی دیوبندی	۱۳۶۹ھ
(۱۸۰)	التعلیق الصبیح علیٰ مشکوٰۃ المصابیح	مولانا محمد ادریس کاندھلوی	۱۳۹۴ھ
(۱۸۱)	إعلاء السنن	مولانا ظفر احمد بن محمد لطیف عثمانی تھانوی	۱۳۹۴ھ
(۱۸۲)	معارف السنن شرح جامع الترمذی	مولانا محمد یوسف بن سید زکریا حسینی بنوری	۱۳۹۷ھ
(۱۸۳)	أوجز المسالک إلی موطا امام مالک	مولانا محمد زکریا بن محمد یحییٰ کاندھلوی	۱۴۰۲ھ
(۱۸۴)	مرعاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح	ابوالحسن عبیداللہ بن بن محمد عبدالسلام بن خاں محمد بن امان اللہ بن حسام الدین رحمانی مبارکپوری	۱۴۱۴ھ
(۱۸۵)	إرواء الغلیل فی تخریج أحادیث منار السبیل	محمد ناصر الدین الألبانی	۱۴۲۰ھ
(۱۸۶)	تخریج الکلم الطیب	محمد ناصر الدین الألبانی	۱۴۲۰ھ
(۱۸۷)	منہاج السنن شرح سنن الترمذی	مولانا مفتی محمد فرید زرویوی	۱۴۳۲ھ
(۱۸۸)	شرح الموطأ للإمام مالک	عبدالکریم بن عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن حمد الخضیر	مدظلہ
(۱۸۹)	تکملۃ فتح الملہم	مولانا مفتی محمد تقی عثمانی	مدظلہ
(۱۹۰)	کتاب درس ترمذی	مولانا مفتی محمد تقی عثمانی	مدظلہ

﴿کتب فقہ احناف﴾

(۱۹۱)	الحجۃ علی اہل المدینۃ	ابوعبداللہ محمد بن الحسن بن فرقد الشیبانی	۱۸۹ھ
(۱۹۲)	کتاب الأصل	ابوعبداللہ محمد بن الحسن بن فرقد الشیبانی	۱۸۹ھ

(۱۹۳) الجامع الصغیر	ابوعبداللہ محمد بن الحسن بن فرقد الشیبانی	۱۸۹ھ
(۱۹۴) کتاب المسبعۃ	ابوعبداللہ محمد بن الحسن بن فرقد الشیبانی	۱۸۹ھ
(۱۹۵) مختصر الطحاوی	ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامۃ الطحاوی	۳۲۱ھ
(۱۹۶) شرح مختصر الطحاوی	ابوبکر احمد بن علی الرازی الجصاص الحنفی	۳۷۰ھ
(۱۹۷) عیون المسائل	ابواللیث نصر بن محمد بن احمد بن ابراہیم السمر قندی	۳۷۳ھ
(۱۹۸) مختصر القدوری	محمد بن احمد بن جعفر بن حمدان القدوری	۴۲۸ھ
(۱۹۹) النتف فی الفتاوی	ابوالحسن علی بن الحسین بن محمد السغدی الحنفی	۴۶۱ھ
(۲۰۰) المبسوط	شمس الائمہ ابوبکر محمد بن احمد بن سہل السرخسی	۴۸۳ھ
(۲۰۱) النکت للسرخسی	شمس الائمہ ابوبکر محمد بن احمد بن سہل السرخسی	۴۸۳ھ
(۲۰۲) تحفۃ الفقہاء	علاء الدین محمد بن احمد بن ابواحمد السمر قندی الحنفی	۵۳۹ھ
(۲۰۳) خلاصۃ الفتاویٰ رمجموع الفتاویٰ	طاہر بن احمد بن عبدالرشید البخاری	۵۴۲ھ
(۲۰۴) المحیط البرھانی فی الفقہ النعمانی	ابوالمعالی محمود بن احمد بن عبدالعزیز بن مازہ البخاری	۵۷۰ھ
(۲۰۵) فتاویٰ العتابی علی ھامش مراقی الفلاح	احمد بن محمد بن عمر، ابونصر العتابی البخاری	۵۸۶ھ
(۲۰۶) بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع	علامہ علاء الدین ابوبکر بن مسعود الکاسانی الحنفی	۵۸۷ھ
(۲۰۷) فتاویٰ قاضی خان	محمود اوزجندی قاضی خان حسن بن منصور	۵۹۲ھ
(۲۰۸) بدایۃ المبتدی وشرحہ الہدایۃ	برہان الدین ابوالحسن علی بن ابوبکر المرغینانی	۵۹۳ھ
(۲۰۹) قنیۃ المنیۃ لتتمیم الغنیۃ	ابوالرجاء مختار بن محمود بن محمد الزاہدی الغزمینی	۶۵۸ھ
(۲۱۰) تحفۃ الملوک	محمد بن ابی بکر الرازی	۶۶۶ھ
(۲۱۱) مجمع البرکات	ابوالبرکات بن حسام الدین الدمنوی رالمداینی	۶۶۷ھ
(۲۱۲) الوقایۃ (وقایۃ الروایۃ)	صدر الشریعہ محمود بن عبداللہ بن ابراہیم المحبوبی الحنفی	۶۷۳ھ

(۲۱۳)	الاختیار لتعلیل المختار	عبداللہ بن محمود بن مودود بن محمود ابوالفضل مجد الدین الموصلی	۶۸۳ھ
(۲۱۴)	الفتاویٰ الغیاثیۃ	شیخ داؤد بن یوسف الخطیب الحنفی	۶۸۶ھ کے بعد
(۲۱۵)	مجمع البحرین وملتقی النیرین	مظفر الدین احمد بن علی بن ثعلب المعروف بابن الساعاتی البعلبکی	۶۹۴ھ
(۲۱۶)	منیۃ المصلی وغنیۃ المبتدی	سدید الدین محمد بن محمد بن الرشید بن علی الکاشغری	۷۰۵ھ
(۲۱۷)	کنز الدقائق	حافظ الدین ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود النسفی	۷۱۰،۷۰۱ھ
(۲۱۸)	تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق	فخر الدین عثمان بن علی بن محجن الزیلعی	۷۴۳ھ
(۲۱۹)	شرح مختصر الوقایۃ (شرح وقایۃ الروایۃ)	صدر الشریعہ الصغیر، عبیداللہ بن مسعود بن محمود بن احمد المحبوبی الحنفی	۷۴۷ھ
(۲۲۰)	النقایۃ مختصر الوقایۃ	صدر الشریعہ الصغیر، عبیداللہ بن مسعود بن محمود بن احمد المحبوبی الحنفی	۷۴۷ھ
(۲۲۱)	الکفایۃ شرح الہدایۃ (متداولہ)	جلال الدین بن شمس الدین الخوارزمی الکرمانی	۷۶۷ھ
(۲۲۲)	النھایۃ شرح الہدایۃ	حسام الدین حسن بن علی بن حجاج السغناقی	۷۱۷ھ
(۲۲۳)	شرح العنایۃ علی الہدایۃ	اکمل الدین محمد بن محمد بن محمود البابرتی	۷۸۶ھ
(۲۲۴)	الفتاویٰ التاتارخانیۃ	علامہ عالم بن العلاء الأنصاری الدہلوی	۷۸۶ھ
(۲۲۵)	السراج الوھاج فی شرح مختصر القدوری	ابوبکر بن علی بن محمد الحدادی العبادی	۸۰۰ھ
(۲۲۶)	الجوہرۃ النیرۃ فی شرح مختصر القدوری	ابوبکر بن علی بن محمد الحدادی العبادی	۸۰۰ھ
(۲۲۷)	شرح مجمع البحرین علی ہامش المجمع	ابن الملک، عبداللطیف بن عبدالعزیز	۸۰۱ھ
(۲۲۸)	الفتاویٰ البزازیۃ	محمد بن محمد بن شھاب بن یوسف الکردری الخوارزمی المعروف بابن بزازی	۸۲۷ھ
(۲۲۹)	معین الحکام	ابوالحسن علاء الدین علی بن خلیل الطرابلسی الحنفی	۸۴۴ھ
(۲۳۰)	البنایۃ شرح الہدایۃ	بدر الدین ابومحمد محمود بن احمد بن موسیٰ بن احمد بن حسین العینی	۸۵۵ھ
(۲۳۱)	منحۃ السلوک فی شرح تحفۃ الملوک	بدر الدین ابومحمد محمود بن احمد بن موسیٰ بن احمد بن حسین العینی	۸۵۵ھ
(۲۳۲)	فتح القدیر علی الہدایۃ	ابن ہمام کمال الدین محمد بن عبدالواحد بن عبدالحمید الحنفی	۸۶۱ھ

(۲۳۳) کتاب التصحیح والترجیح علی مختصر القدوری	ابو العدل زین الدین قاسم بن قطلو بغا الحنفی	۸۷۹ھ
(۲۳۴) درر الحکام شرح غرر الأحکام	ملا خسرو، محمد بن فرامرز بن علی	۸۸۵ھ
(۲۳۵) شرح النقایۃ	ابو المکارم عبد العلی بن محمد بن حسین البرجندی	۹۳۲ھ
(۲۳۶) حاشیۃ علی العنایۃ شرح الہدایۃ	سعد اللہ بن عیسیٰ بن امیر خان الرومی الحنفی الشہیر بسعدی چلپی وبسعدی آفندی	۹۴۵ھ
(۲۳۷) ملتقی الأبحر	ابراہیم بن محمد بن ابراہیم چلپی حنفی المعروف بالحلبی الکبیر	۹۵۶ھ
(۲۳۸) الصغیری شرح منیۃ المصلی	ابراہیم بن محمد بن ابراہیم چلپی حنفی المعروف بالحلبی الکبیر	۹۵۶ھ
(۲۳۹) الکبیری شرح منیۃ المصلی	ابراہیم بن محمد بن ابراہیم چلپی حنفی المعروف بالحلبی الکبیر	۹۵۶ھ
(۲۴۰) جامع الرموز شرح مختصر الوقایۃ المسمیٰ بالنقایۃ	شمس الدین محمد الخراسانی القہستانی	۹۶۲ھ
(۲۴۱) البحر الرائق فی شرح کنز الدقائق	ابن نجیم زین العابدین بن ابراہیم المصری الحنفی	۹۷۰ھ
(۲۴۲) الفتاویٰ الحامدیۃ	حامد آفندی القونوی	۹۸۵ھ
(۲۴۳) تنویر الأبصار وجامع البحار	شمس الدین محمد بن عبد اللہ بن احمد الخطیب التمر تاشی	۱۰۰۴ھ
(۲۴۴) النہر الفائق شرح کنز الدقائق	علامہ سراج الدین عمر بن ابراہیم بن نجیم المصری الحنفی	۱۰۰۵ھ
(۲۴۵) شرح النقایۃ فی مسائل الہدایۃ	نور الدین علی بن سلطان محمد الہروی القاری، ملا علی قاری	۱۰۱۴ھ
(۲۴۶) حاشیۃ الشلبی علی تبیین الحقائق	شہاب الدین احمد بن محمد بن احمد بن یونس بن اسماعیل بن یونس الشلبی	۱۰۲۱ھ
(۲۴۷) نور الایضاح ونجاۃ الارواح	ابو الاخلاص حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی	۱۰۶۹ھ
(۲۴۸) امداد الفتاح شرح نور الایضاح	ابو الاخلاص حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی	۱۰۶۹ھ
(۲۴۹) مراقی الفلاح شرح نور الایضاح	ابو الاخلاص حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی	۱۰۶۹ھ
(۲۵۰) مجمع الأنہر فی شرح ملتقی الأبحر	عبد الرحمٰن بن شیخ محمد بن سلیمان الکلیبولی المدعو بشیخی زادہ، المعروف بداماد آفندی	۱۰۷۸ھ
(۲۵۱) الفتاویٰ الخیریۃ لنفع البریۃ	خیر الدین بن احمد بن نور الدین علی ایوبی علیمی فاروقی الرملی	۱۰۸۱ھ
(۲۵۲) الدر المختار شرح تنویر الأبصار	محمد بن علی بن محمد بن عبد الرحمٰن بن محمد بن حسن الحصنی المعروف بالعلاء الحصکفی	۱۰۸۸ھ

(۲۵۳) الفتاویٰ الھندیۃ (عالمگیریہ)	شیخ نظام الدین برہان پوری گجراتی (وجماعۃ من اعلام فقہاء الھند)	۱۱۶۱ھ
(۲۵۴) حاشیۃ الطحطاوی علیٰ مراقی الفلاح	علامہ السید احمد بن محمد الطحطاوی	۱۲۲۱ھ
(۲۵) حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار	علامہ السید احمد بن محمد الطحطاوی	۱۲۲۱ھ
(۲۵۶) اسعاف المولی القدیر شرح زاد الفقیر	احمد بن ابراہیم تونسی دقدویسی مصری	۱۱۲۲ھ کے بعد
(۲۵۷) مالابدمنہ (فارسی)	قاضی ثناء اللہ الہندی پانی پتی	۱۲۲۵ھ
(۲۵۸) ردالمحتار حاشیۃ الدر المختار (شامی)	علامہ محمد امین بن عمر بن عبد العزیز عابدین الشامی	۱۲۵۲ھ
(۲۵۹) العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاویٰ الحامدیۃ	علامہ محمد امین بن عمر بن عبد العزیز عابدین الشامی	۱۲۵۲ھ
(۲۶۰) مجموعہ رسائل ابن عابدین	علامہ محمد امین بن عمر بن عبد العزیز عابدین الشامی	۱۲۵۲ھ
(۲۶۱) منحۃ الخالق حاشیۃ البحر الرائق	علامہ محمد امین بن عمر بن عبد العزیز عابدین الشامی	۱۲۵۲ھ
(۲۶۲) طوالع الانوار علی الدر المختار	شیخ محمد عابد بن احمد بن یعقوب الأنصاری السندی الحنفی	۱۲۵۷ھ
(۲۶۳) مأۃ مسائل	ابوسلیمان اسحاق بن محمد افضل بن احمد بن محمد بن اسماعیل بن منصور بن احمد بن محمد بن قوام الدین العمری الدھلوی (مولانا محمد اسحاق دہلوی)	۱۲۶۲ھ
(۲۶۴) غایۃ الاوطار	مترجم اول: مولانا خرم علی ملہوری	۱۲۷۱ھ
(۲۶۵) ترجمہ اردو الدر المختار	مترجم دوم: مولانا محمد احسن صدیقی نانوتوی	--
(۲۶۶) التحریر المختار حاشیۃ ردالمحتار	عبد القادر الرافعی الفاروقی	۱۲۸۳ھ
(۲۶۷) اللباب فی شرح الکتاب (القدوری)	عبد الغنی بن طالب بن حمادۃ بن ابراہیم الغنیمی الدمشقی المیدانی الحنفی	۱۲۹۸ھ
(۲۶۸) النافع الکبیر شرح الجامع الصغیر	ابوالحسنات محمد عبد الحئی بن حافظ محمد عبد الحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۲۶۹) السعایۃ فی کشف مافی شرح الوقایۃ	ابوالحسنات محمد عبد الحئی بن حافظ محمد عبد الحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۲۷۰) عمدۃ الرعایۃ فی حل شرح الوقایۃ	ابوالحسنات محمد عبد الحئی بن حافظ محمد عبد الحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۲۷۱) حاشیہ علی الہدایہ	ابوالحسنات محمد عبد الحئی بن حافظ محمد عبد الحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ

(۲۷۲) نفع المفتی والسائل بجمع متفرقات المسائل	ابوالحسنات محمد عبدالحیٔ بن حافظ محمد عبدالحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۲۷۳) مجموعۃ الفتاویٰ	ابوالحسنات محمد عبدالحیٔ بن حافظ محمد عبدالحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۲۷۴) سباحۃ الفکر فی الجھر بالذکر	ابوالحسنات محمد عبدالحیٔ بن حافظ محمد عبدالحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۲۷۵) رسائل الارکان	عبدالعلی محمد بن نظام الدین محمد انصاری لکھنوی	۱۳۳۵ھ
(۲۷۶) بوادرالنوادر	مولانا محمد اشرف علی بن عبدالحق التھانوی	۱۳۶۲ھ
(۲۷۷) بہشتی گوہر	مولانا محمد اشرف علی بن عبدالحق التھانوی	۱۳۶۲ھ
(۲۷۸) بہشتی زیور	مولانا محمد اشرف علی بن عبدالحق التھانوی	۱۳۶۲ھ
(۲۷۹) محمودالروایہ حاشیہ شرح نقایہ	مولانا اعزاز علی امروہوی	۱۳۷۴ھ
(۲۸۰) جواہرالفقہ	حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی	۱۳۹۶ھ
(۲۸۱) عمدۃ الفقہ	سیدزوارحسین شاہ	۱۴۰۰ھ
(۲۸۲) ترجمہ فتاویٰ عالمگیری	مفتی کفیل الرحمٰن عثمانی بن قاری جلیل الرحمٰن عثمانی بن مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی	۱۴۲۷ھ
(۲۸۳) طہارت اورنماز کے تفصیلی مسائل	مولانا اویس احمد قاسمی	۱۴۳۶ھ
(۲۸۴) جدید فقہی مسائل	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی	مدظلہ
(۲۸۵) اہم مسائل	جامعہ اشاعت العلوم اکل کوا، مہاراشٹر، مرتب مولانا محمد جعفر علی	--

﴿دیگر مسالک کی کتب فقہ﴾

(۲۸۶) المغنی	ابومحمد عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامۃ المقدسی	۶۲۰ھ
(۲۸۷) المجموع شرح المہذب	محی الدین ابوزکریا یحیٰ بن شرف النووی الشافعی الدمشقی	۶۷۶ھ
(۲۸۸) احکام الاحکام فی شرح العمدۃ	تقی الدین ابوالعباس احمد بن عبدالحلیم بن تیمیہ الحرانی الحنبلی الدمشقی	۷۲۸ھ
(۲۸۹) مواھب الجلیل شرح مختصر خلیل	شمس الدین أبوعبداللہ محمد بن محمد بن عبدالرحمٰن الطرابلسی المغربی المالکی	۹۵۴ھ
(۲۹۰) تحفۃ المحتاج فی شرح المنہاج	شہاب الدین ابوالعباس احمد بن محمد بن علی بن حجر ہیثمی شافعی	۹۷۳ھ

(۲۹۱)	مغنی المحتاج الی معرفۃ معانی الفاظ المنہاج	شمس الدین محمد بن احمد الخطیب الشربینی الشافعی	۹۷۷ھ
(۲۹۲)	شرح الزرکشی علی مختصر الخرقی	عبدالباقی بن یوسف بن احمد الزرقانی المصری	۱۰۹۹ھ
(۲۹۳)	شرح مختصر خلیل	ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ الخرشی المالکی	۱۱۰۱ھ
(۲۹۴)	الشرح الکبیر	الشیخ احمد الدردیر	۱۲۰۱ھ
(۲۹۵)	وحاشیۃ الدسوقی	محمد بن احمد بن عرفۃ الدسوقی المالکی	۱۲۳۰ھ
(۲۹۶)	فتاویٰ نور علی الدرب لابن باز	عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز	۱۴۲۰ھ
(۲۹۷)	مجموع فتاویٰ ابن عثیمین	محمد بن صالح بن محمد العثیمین	۱۴۲۱ھ

﴿فقہ مقارن﴾

(۲۹۸)	اختلاف الائمۃ العلماء	ابوالمظفر، عون الدین، یحیٰ بن محمد بن ہبیرہ الذہلی الشیبانی	۵۶۰ھ
(۲۹۹)	الفقہ علی المذاہب الأربعۃ	عبدالرحمٰن بن محمد بن عوض الجزیری	۱۳۶۰ھ
(۳۰۰)	الفقہ الاسلامی وادلّتہ	ڈاکٹر وہبہ مصطفیٰ الزحیلی	۱۴۳۶ھ
(۳۰۱)	الموسوعۃ الفقہیۃ	مرتبہ وزارت اوقاف کویت	--

﴿اصول فقہ﴾

(۳۰۲)	المحصول	فخر الدین الرازی، ابوعبداللہ محمد بن عمر بن الحسن بن الحسین التیمی الرازی	۶۰۶ھ
(۳۰۳)	الفروق	ابوالعباس شہاب الدین احمد بن ادریس بن عبدالرحمٰن المالکی المعروف بالقرافی	۶۸۴ھ
(۳۰۴)	کشف الاسرار شرح اصول البزدوی	عبدالعزیز بن احمد بن محمد علاء الدین البخاری الحنفی	۷۳۰ھ
(۳۰۵)	التقریر والتحبیر علی تحریر الکمال	ابن امیر حاج، موسیٰ بن محمد التبریزی الحنفی	۷۳۳
(۳۰۶)	الموافقات	ابواسحاق ابراہیم بن موسیٰ بن محمد اللخمی الشاطبی	۷۹۰ھ
(۳۰۷)	التحریر فی اصول الفقہ	کمال الدین محمد بن عبدالواحد بن عبدالحمید، ابن ہمام	۸۶۱ھ
(۳۰۸)	الأشباہ والنظائر	زین الدین بن ابراہیم بن محمد، ابن نجیم المصری	۹۷۰ھ
(۳۰۹)	غمز عیون البصائر فی شرح الاشباہ والنظائر	احمد بن محمد المکی ابوالعباس شہاب الدین الحسینی الحموی الحنفی	۱۰۹۸ھ

(۳۱۰)	مسلم الثبوت	محبّ اللہ بن عبد الشکور البہاری	۱۱۱۹ھ
(۳۱۱)	نور الأنوار فی شرح المنار	احمد بن ابی سعید ملا جیون الحنفی	۱۱۳۰ھ
(۳۱۲)	فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت	عبد العلی محمد بن نظام الأنصاری	۱۲۲۵ھ
(۳۱۳)	شرح عقود رسم المفتی	علامہ محمد امین بن عمر بن عبد العزیز عابدین الشامی	۱۲۵۲ھ

﴿تزکیہ واحسان﴾

(۳۱۴)	الترغیب والترہیب	ابو محمد زکی الدین عبد العظیم بن عبد القوی المنذری الشامی الشافعی	۶۵۶ھ
(۳۱۵)	مجالس الابرار ومسالک الاخیار	احمد بن عبد القادر الرومی الحنفی	۱۰۴۱ھ

﴿لغات، معاجم وادب﴾

(۳۱۶)	شمس العلوم ودواء کلام العرب من الکلوم	نسوان بن سعید الحمیری الیمنی	۵۷۳ھ
(۳۱۷)	لسان العرب	علامہ ابن الفضل جمال الدین محمد بن مکرم ابن منظور الافریقی المصری	۷۱۱ھ
(۳۱۸)	المصباح المنیر فی غریب الشرح الکبیر	ابو العباس، احمد بن محمد بن علی الفیومی ثم الحموی	۷۷۰ھ
(۳۱۹)	القاموس المحیط	مجد الدین ابو طاہر محمد بن محمد بن عمر الشیر ازی الفیر وزآبادی	۸۱۷ھ
(۳۲۰)	فیروز اللغات	الحاج مولوی فیروز الدینؒ	----
(۳۲۱)	مجمع البحار فی لغۃ الاحادیث والآثار	علامہ محمد طاہر بن علی صدیقی پٹنی	۹۸۶ھ
(۳۲۲)	التعریفات الفقہیۃ	محمد عمیم الاحسان المجددی البرکتی	۱۳۹۵ھ

﴿متفرقات﴾

(۳۲۳)	غنیۃ الطالبین (فقہی مسائل پر قیمتی آراء کا مجموعہ)	قطب ربانی محبوب سبحانی عبد القادر بن أبی صالح الجیلی	۵۶۱ھ
(۳۲۴)	تلبیس ابلیس	جمال الدین ابو الفرج عبد الرحمٰن بن علی بن محمد الجوزی	۵۹۷ھ
(۳۲۵)	مجموع رسائل ابن رجب	زین الدین عبد الرحمٰن بن احمد بن رجب بن الحسن السلامی البغدادی ثم الدمشقی الحنبلی	۷۹۵ھ
(۳۲۶)	حصن حصین	شمس الدین ابو الخیر ابن الجزری محمد بن محمد بن یوسف	۸۳۳ھ

(۳۲۷)	المواعظ والاعتبار بذکر الخطط والآثار	ابوالعباس الحسینی العبیدی احمد بن علی بن عبدالقادر تقی الدین المقریزی	۸۴۵ھ
(۳۲۸)	الحرز الثمین للحصن والحصین	علی بن سلطان محمد الھروی المعروف بالقاری	۱۰۱۴ھ
(۳۲۹)	مکتوبات الإمام الربانی	شیخ احمد سرہندی بن شیخ عبدالاحد فاروقی مجدد الف ثانی	۱۰۳۴ھ
(۳۳۰)	حجۃ اللہ البالغۃ	شاہ ولی اللہ احمد بن عبدالرحیم ابوعبدالعزیز وابوعبداللہ	۱۱۷۶ھ

نوٹ: فتاویٰ علماء ہند جلد-۷ کے متن وحاشیہ میں ان کتابوں سے استفادہ ہوا ہے اور متعلقہ جگہ ان کے مطبوعات ومکتبات کی تفصیل درج ہے۔ (انیس الرحمٰن قاسمی)

☆ ☆ ☆